مُصنّف

حضرت آیت اللہ العُظمیٰ حُسین علی مُنتظری

ولایت فقیہ

جلد دوم

ترجمہ

سیّد صفدر حُسین نجفی

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No 11, M.L. Heights.
Mirza Kaleej Beg Road
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولایت فقیہ

اور

حکومت اسلامی کے قواعد

جلد دوم

تالیف

آیت اللہ حسین علی منتظری مدظلہ العالی

ترجمہ

سید صفدر حسین نجفیؒ

ناشر

مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز

۱۰۔ گنگارام بلڈنگ، شاہراہ قائداعظم لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	ولایت فقیہ جلد دوم
تالیف	آیت اللہ منتظری
ترجمہ	سید صفدر حسین نجفیؒ
اصلاح و نظر	کاظم علی گجراتی
طابع	الفاروق کمپیوٹرز لاہور
ناشر	مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز
اشاعت اول	۱۴۱۲ھ ـ ۱۹۹۱ء

ملنے کا پتہ

قرآن سنٹر
۲۴ـ الفضل مارکیٹ ـ اردو بازار
لاہور

—☆☆☆☆☆☆☆☆☆—

خاص نوٹ!

اس کتاب کے متن میں لگائے گئے نمبروں کے مطابق ہر فصل کے حاشیے اس کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No 11.
M . Heighis
Mirza Kaleej
Baig Road,
Soldier Bazar
Karachi.
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

انتساب

وارث تقلید۔ نگہبان اسلام۔ آخری محمد۔ ولی امر
امام عصر۔ خاتم اوصیاء
کہ زمانہ جن کی عدالت کا منتظر ہے

امام مہدی علیہ السلام عجل اللہ فرجہ المبارک

کی بار گاہ اقدس میں عقیدت وارادت کا معمولی سانذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ اس آرزو اور توقع کے ساتھ کہ وہ اسے شرف قبولیت بخش کر اپنی شان کے مطابق (انعام) عطا کریں گے اور ان کی عنایت سے اس محتاج کا دامن بھر جائے گا۔

حسین منتظری

فہرست

انتساب ۳
فہرست ۴
عرض ناشر ۱۶

چھٹا باب

ولایت فقیہ کے حدود و اختیارات ۱۹
پہلی فصل۔ حکومت اسلامی کے اہداف ۱۹
حکومت اسلامی استبدادی نہیں ہے ۲۰
حاکم اسلامی کے فرائض ۲۲
حاکم اسلامی کے فرائض سے متعلق آیات و روایات ۲۳
حاکم اسلامی کے فرائض میں دو امور ۳۸
دوسری فصل۔ شوریٰ کے بیان میں ۴۵
مشورہ لینے کے بارے میں اسلام کی تاکید ۴۵
مشورہ دینے والے کے اوصاف ۵۱
مشورہ لینے اور دینے والے کا ایک دوسرے پر حق ۵۲
بعض ایسے مواقع جہاں نبی اکرمؐ نے مشورہ لیا ۵۴
غزوہ بدر ۵۴
غزوہ احد ۵۵
غزوہ احزاب (خندق) ۵۶
صلح حدیبیہ ۵۸

غزوہ طائف ۵۸

تیسری فصل۔ حکومت اسلامی کا ذمہ دار رہبر دینی ہے ۶۱

چوتھی فصل۔ حکومت اسلامی کے مختلف اداروں کا اجمالی بیان ۶۷

پہلا ادارہ۔ تشریعی (مقنّنہ) ۶۷

حکم شرعی کے تین مرحلے ۶۹

مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب ۷۰

انتخاب کرنے اور منتخب ہونے والے کے اوصاف ۷۱

حکومت اسلامی کے منابع و مصادر ۷۲

حجیت اجماع بوجہ اجماع ۷۲

قیاس اور استحسانات ظنی ۷۵

اہل بیتؑ کے ارشادات ۷۶

استنباط و اجتہاد ۷۷

تخطئہ و تصویب ۷۹

اجتہاد مطلق کے دروازے کا کھلا ہونا ۸۲

تقلید اور اس کے ادلہ ۸۷

فقیہ کے فتوے کی حجیت کے دلائل ۸۸

روایات کا پہلا گروہ ۹۰

روایات کا دوسرا گروہ ۹۰

روایات کا تیسرا گروہ ۹۲

روایات کا چوتھا گروہ ۹۴

روایات کا پانچواں گروہ ۹۵

روایات کا چھٹا گروہ ۹۵

روایات کا ساتواں گروہ ۹۶

ادلہ تقلید پر مناقشہ ۹۶
تقلید کے بارے میں ابن زہرہ کا کلام ۱۰۰
مسئلہ تقلید کا ایک اور طریق ۱۰۱
دوسرا ادارہ ۔ تنفیذی (انتظامیہ) ۱۰۳
انتظامیہ کی ضرورت اور اس کے مراتب ۱۰۳
ادارہ تنفیذی (انتظامیہ) کا مصدر ۱۰۶
وزراء افسران اور اہلکاران کے صفات ۱۰۷
آیات ۱۰۸
روایات ۱۰۹
ادارہ تنفیذی (انتظامیہ) کے شعبوں کی طرف اشارہ ۱۱۵
بعض افراد جنہیں نبی اکرم ؐ نے والی بنایا ۱۱۵
بعض افراد جن کو نبی کریم ؐ نے عامل صدقات بنایا ۱۱۸
پیغمبر گرامی ؐ کے غزوات و سرایا کی تعداد ۱۱۹
وہ افراد جنہیں نبی اکرم ؐ نے اپنی عدم موجودگی میں اپنا خلیفہ بنایا ۱۲۰
بعض افراد جنہیں نبی اکرم ؐ نے بادشاہوں کو دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا ۱۲۲
وہ افراد جن کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا ۱۲۲
تیسرا ادارہ ۔ قضائی (عدلیہ) ۱۲۳
عدلیہ کی ضرورت ۱۲۴
فیصلہ کرنے کا حق خدا، اس کے رسول ؐ، انبیاء اور اوصیاء کو ہے۔ ۱۲۵
قاضی کے شرائط و اوصاف ۱۲۸
قاضی میں علم کا معتبر ہونا ۱۳۱
کیا قاضی کے علم کے بارے میں معتبر ہے کہ وہ اجتہاد پر مبنی ہو؟ ۱۳۴
قاضی میں اجتہاد کے معتبر ہونے کے دلائل ۱۳۶

صاحب الجواہر کا کلام ۱۳۸
الجواہر کے مندرجات کا جواب ۱۴۱
جامع المدارک میں بعض اساتذہ کے کلمات ۱۴۵
المستند میں فاضل نراقی کی گفتار ۱۴۷
کیا فقیہ کا مقلد کو قضاوت پر نصب کرنا جائز ہے؟ ۱۴۹
کیا جائز ہے کہ مجتہد مقلد عامی کو قضاوت میں وکیل بنائے؟ ۱۵۰
کیا اجتہاد میں تجزی جائز ہے؟ ۱۵۲
آیا اعلم کا تعین ممکن ہے یا نہیں؟ ۱۵۳
وہ ادلہ جن سے اعلمیت کے اعتبار پر استدلال کیا گیا ہے ۱۵۴
صاحب عروہ کے کلام کی نقل اور اس پر تنقید ۱۵۶
قسط، عدل اور حق کے مطابق حکم کے لئے اسلام کا اہتمام ۱۵۷
قانون کی نظر میں مساوات ۱۶۲
قاضی کا استقلال ۱۶۷
قاضی کے بعض آداب ۱۶۷
قاضی کے اختیارات اور فرائض ۱۷۰
ولایت مظالم ۱۷۴
نظارت مظالم اور نظارت قضاء میں فرق ۱۷۷

پانچویں فصل - امر بہ معروف و نہی از منکر اور ادارہ حسبیہ ۱۸۹
پہلی جہت ۱۸۹
دوسری جہت ۱۹۰
تیسری جہت ۱۹۴
وجوب کفائی کی تصویر ۱۹۵

چوتھی جہت	۱۹۷
پہلے گروہ کی آیات	۱۹۷
دوسرے گروہ کی آیات	۱۹۹
روایات	۲۰۰
پانچویں جہت	۲۰۴
چھٹی جہت	۲۰۵
ساتویں جہت	۲۰۸
آٹھویں جہت	۲۰۹
نویں جہت	۲۱۰
فروع	۲۱۴
دسویں جہت	۲۲۲
گیارھویں جہت	۲۲۵
بارھویں جہت	۲۳۰
خاتمہ	۲۵۴
چھٹی فصل۔ شرعی تعزیرات پر بحث و گفتگو	۲۶۱
اس مسئلہ میں بحث کے جہات	۲۶۵
پہلی جہت	۲۶۵
دوسری جہت	۲۶۹
تیسری جہت	۲۷۰
چوتھی جہت	۲۷۲
ضرب واذیت یااس کے بغیر تادیب کے متعلق روایات و واقعات	۲۷۶
وہ ادلہ جن سے تعزیر میں ضرب واذیت پر استدلال کیا جاتا ہے	۲۷۸
پانچویں جہت	۲۸۱

وہ ادلہ جن سے مالی تعزیر میں مال لینے یا اسے تلف کرنے پر استدلال کیا جا سکتا ہے ۲۸۳

چھٹی جہت ۲۹۴

ساتویں جہت ۳۰۳

آٹھویں جہت ۳۰۶

اس مسئلے کے اخبار دو گروہوں پر مشتمل ہیں ۳۰۹

پہلا گروہ ۳۰۹

دوسرا گروہ ۳۱۰

نویں جہت ۳۱۲

دسویں جہت ۳۲۸

اس مسئلے سے متعلق بعض اقوال ۳۳۱

تعزیرات میں معافی دینا ۳۳۳

آیات ۳۳۳

روایات ۳۳۴

گیارھویں جہت ۳۴۶

بارھویں جہت ۳۴۹

ساتویں فصل ۔ قید خانوں کے احکام اور ان کے آداب ۳۶۱

پہلی جہت ۳۶۱

دوسری جہت ۳۶۳

تیسری جہت ۳۷۱

چوتھی جہت ۳۷۳

سرکاری خزانے پر زیادہ دباؤ اور مایوس کن نتائج ۳۷۵

قیدیوں میں بگاڑ اور برائی کا پیدا ہونا ۳۷۵

قید و قید خانے کا خوف دور ہو جانا ۳۷۶

احساس ذمہ داری کا ختم ہونا ۳۷۷
مجرموں کے دبدبہ میں اضافہ ۳۷۷
جسمانی صحت اور اخلاقی معیار کی گراوٹ ۳۷۷
جرائم میں اضافہ ۳۷۷
پانچویں جہت ۳۷۸
چھٹی جہت ۳۸۰
قیدیوں کو ٹیلی ویژن پر آنے کے لئے مجبور کرنا ۳۸۲
ساتویں جہت ۳۸۷
آٹھویں جہت ۳۸۸
نویں جہت ۳۹۰
دسویں جہت ۳۹۶
گیارھویں جہت ۴۰۲
روایات کا پہلا گروہ ۴۰۴
قید کا پہلا مورد۔ تہمت ۴۰۴
قید کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا مورد ۴۰۸
قید کا پانچواں، چھٹا اور ساتواں مورد ۴۰۸
قید کا آٹھواں اور نواں مورد ۴۰۹
قید کا دسواں مورد ۴۱۳
قید کا گیارھواں مورد ۴۱۴
قید کا بارھواں مورد ۴۱۵
قید کا تیرھواں، چودھواں، پندرھواں اور سولھواں مورد ۴۱۷
قید کا سترھواں، اٹھارھواں، انیسواں مورد ۴۲۰
قید کا بیسواں، اکیسواں مورد ۴۲۱

قید کا بائیسواں مورد ۴۲۲
قید کا تیئیسواں مورد ۴۲۵
قید کا چوبیسواں مورد ۴۲۷
قید کا پچیسواں مورد ۴۲۸
قید کا چھبیسواں، ستائیسواں مورد ۴۲۹
قید کا اٹھائیسواں، انتیسواں مورد ۴۳۰
روایات کا دوسرا گروہ ۴۳۱
پہلا مورد۔ وہ شخص جو تیسری مرتبہ چوری کرے ۴۳۱
دوسرا مورد۔ مرتد عورت ۴۳۵
تیسرا مورد۔ ایلاء کرنے والا ۴۳۸
چوتھا مورد۔ جو کسی کو پکڑے رہے تاکہ کوئی اسے قتل کر دے ۴۳۹
پانچواں مورد۔ کسی آزاد مرد کو کسی کے قتل کا حکم دینے والا ۴۴۳
چھٹا مورد۔ جو غلام اپنے آقا کے حکم سے کسی کو قتل کرے ۴۴۳
ساتواں مورد۔ جو شخص قاتل کو اولیاء مقتول کے قبضے سے چھڑوا دے ۴۴۵
آٹھواں مورد۔ محارب وڈاکو جس کی جلا وطنی کا حکم ہے ۴۴۶
نواں مورد۔ وہ شخص جو تصویر بناتا ہو ۴۴۶
دسواں مورد۔ وہ منجم جو علم نجوم پر اصرار رکھتا ہو ۴۴۷
آٹھویں فصل۔ جستجو کرنا اور عمومی اخبار اکٹھے کرنا ۴۶۱
پہلی جہت ۴۶۱
دوسری جہت ۴۶۶
تیسری جہت ۴۶۸
افسران اور عملے پر نظر رکھنے کا بیان ۴۶۹
بیرونی حکومتوں کی فوجی نقل و حرکت پر نظر رکھنا ۴۷۲

مخالفوں. منافقوں. جاسوسوں اور اندرونی دشمنوں پر نظر رکھنا ۴۸۱
قوم وملت کی حاجات و شکایات اور توقعات پر نگاہ رکھنا ۴۸۳
نقیب اور عریف کے معنی ۴۸۷
چوتھی جہت ۴۹۰
جو امور امن و امان کے نظاموں میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں ۴۹۶
نویں فصل۔ کیا امام کے حکم سے چاند ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ ۵۰۱
چاند کے ثبوت میں بعض فروعات ۵۱۱
دسویں فصل۔ ذخیرہ اندوزی اور نرخ مقرر کرنے کا بیان ۵۱۵
ذخیرہ اندوزی اور تجارتی اجارہ داری ۵۱۵
ذخیرہ اندوزی کا لغوی مفہوم ۵۱۶
کلمات فقہاء میں احتکار کا مفہوم ۵۱۷
آیا احتکار حرام ہے یا مکروہ؟ ۵۱۸
طرفین کے دلائل ۵۲۰
احتکار کے بارے میں اخبار کے پانچ گروہ ۵۲۱
اخبار کا پہلا گروہ ۵۲۱
اخبار کا دوسرا گروہ ۵۲۵
اخبار کا تیسرا گروہ ۵۲۷
اخبار کا چوتھا گروہ ۵۲۸
صاحب الجواہر کا کلام ۵۳۲
مال روک رکھنے کے اقسام ۵۳۳
اخبار کا پانچواں گروہ ۵۳۴
کیا نہی شدہ احتکار طعام و خوراک کے ساتھ مختص ہے؟ ۵۳۷
احتکار کا حصر کرنے والے اخبار میں تحمیل کے وجوہ ۵۳۹

نے ان سے خطاب فرمایا:

اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیسا سلوک کروں گا؟

انہوں نے کہا:

آپ ہمارے کریم بھائی اور ہمارے کریم و شریف بھائی کے فرزند ہیں، ہمیں آپ سے خیر ونیکی کی امید ہے۔

آپ نے فرمایا:

پس جاؤ کہ تم سب آزاد کر دئے گئے ہو! (۳)

یعنی آپ نے ان سب کو معاف کر دیا، حالانکہ ان میں ابو سفیان اور صفوان بن امیہ وغیرہ رؤساء قریش بھی تھے، آپ کو ان پر قابو حاصل تھا ـــــ لیکن آپ نے ان سے انتقام نہیں لیا۔ حتیٰ کہ اپنے پیارے چچا "حمزہ" کے قاتل "وحشی" اور "ہندہ" پر بھی کرم فرمایا کہ جس نے حضرت حمزہ کا جگر چبایا اور دیگر شہدائے احد کی لاشوں سے درندگی کی تھی۔

پس اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے سوا آپ کی حکومت کی کوئی دوسری اساس نہ تھی:

۱- انا انزلنا اليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك الله - (٤)

ہم نے تم پر بر حق کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ جس طرح خدا نے تمہاری ہدایت کی ہے اسی طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو"۔

۲- وانزلنا اليك الكتاب بالحقّ مصدقاً لما بين يديه من الكتاب ومهيمناً عليه. فاحكم بينهم بما انزل الله. ولا تتّبع اهواء هم عمّا جاءك من الحقّ - (٥)

"ہم نے تم پر بر حق کتاب نازل کی کہ جو کتاب (اس کے پہلے سے) اس کے وقت میں موجود ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان بھی ہے تو جو کچھ تم پر خدا نے نازل کیا ہے تم بھی اس کے مطابق حکم دو اور جو حق بات خدا کی طرف سے آچکی ہے اس سے کترا کے ان لوگوں کی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو"۔

۳- وان احكم بينهم بما انزل الله. ولا تتّبع اهواء هم واحذرهم ان يفتنوك عن بعض ما انزل الله اليك. (٦)

"اور جو احکام خدا نے نازل کئے ہیں تم ان کے مطابق فیصلہ کرو اور ان لوگوں کی بے جا خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو، بلکہ تم ان سے بچے رہو (ایسا نہ ہو کہ) کسی حکم سے جو خدا نے تم پر نازل کیا ہے یہ لوگ تم کو بھٹکا دیں"۔

٤- افحكم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حكماً لقوم يوقنون - (٧)

"کیا یہ لوگ (تم سے بھی) زمانہ جاہلیت کے حکم کی تمنا رکھتے ہیں اور حکم کے لحاظ سے یقین کرنے والے لوگوں کا واسطہ خدا سے بہتر کون ہو گا"۔

ان کے علاوہ بھی کئی آیات کریمہ ہیں جو اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہیں۔

حاکم اسلامی کے فرائض۔

اب ہم حاکم اسلامی کے فرائض وواجبات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔اس ضمن میں ماوردی نے کہا ہے کہ حاکم پر امور عامہ میں سے دس باتیں لازم ہیں:

۱۔ دین کے بنیادی اصولوں کی حفاظت کرنا کہ جن پر بزرگان امت کا اجماع واتفاق ہے، یعنی اگر کوئی بدعتی سر نکالے یا کوئی شک میں مبتلا ہو کر دین سے پھر جائے تو حاکم اسلامی اس کے مقابلے میں دلیل وحجت پیش کرے اور اسے صراط مستقیم سے باخبر کرے، نیز ان قواعد اور حدود کے تحت ایسے شخص کا مواخذہ کرے جو اس پر عائد ہوتی ہوں، تاکہ دین میں نقص وخلل پیدا نہ ہو اور امت غلط فہمی اور لغزش سے محفوظ رہے۔

۲۔ جن لوگوں میں اختلاف اور تنازعہ ہو جائے، ان کے درمیان احکام اسلام کے مطابق تصفیہ وفیصلہ کرائے۔ تاکہ انصاف کا ایسا ماحول قائم ہو کہ کوئی طاقتور تعدی وتجاوز نہ کرے اور کوئی کمزور محرومی ومایوسی کا شکار نہ ہو۔

۳۔ اسلامی دارالحکومت کا تحفظ کرے اور دشمنوں کے مقابل مسلمانوں کی مملکت کا دفاع یقینی بنائے، تاکہ لوگ جان ومال کے بارے میں کسی خوف وخطرے کے بغیر اپنے اپنے ذریعہ معاش اور کاروبار میں مصروف رہیں۔

۴۔ جرم وسزا کے ضمن میں حدود الٰہی پر عملدر آمد کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حرمتوں کی وقعت بحال رہے اور لوگوں کے حقوق ضائع اور برباد نہ ہوں۔

۵۔ مملکت اسلامی کی سرحدوں پر مضبوط فوجی چھاؤنیاں بنائے اور ان میں مسلح لشکروں کو تعینات کرے، تاکہ کوئی دشمن بزور وغلبہ سرحد پار کر کے مسلمانوں یا ذمیوں کا خون نہ بہائے۔

۶۔ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے سلسلے میں اللہ کے اس حق کو قائم کرنے کے لئے کفار ومشرکین کو دعوت اسلام دینے کے بعد ان سے جہاد وقتال کرے، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا اطاعت گزار ذمی بن جائیں۔

۷۔ مال فئ اور زکات وصدقات شریعت یعنی نص واجتہاد کی رو سے مقررہ مقدار میں وصول کرے، اس میں نہ کسی طاقتور سے خوف کھائے اور نہ کسی کمزور پر ظلم روا رکھے۔

۸۔ مستحق لوگوں کے لئے بیت المال میں سے عطایا کی مقدار معین کرنے کے علاوہ یہ رقوم کسی کمی بیشی کے بغیر مقررہ وقت پر ان کو دے۔

۹۔ حکومتی عہدے اور مناصب دینے میں امانت دار اور مخلص افراد کا انتخاب کرے، تاکہ جو کام انہیں سونپے جائیں وہ بطریق احسن انجام پائیں اور جو اموال ان کے سپرد ہوں وہ محفوظ رہیں۔

۱۰۔ وہ بذات خود تمام امور کی نگرانی کرے اور حقیقت حال سے باخبر رہے، تاکہ ملک کو مستحکم اور قوم کو مجتمع رکھ سکے۔ یہ نہ ہو کہ عیش وآرام میں مگن یا عبادت میں محو ہو کر معاملات دوسرے کے ہاتھوں میں دے دے، کیونکہ کبھی امانت دار سے خیانت اور مخلص سے غلط روی کا امکان بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

یا داود انّا جعلناك خليفة فى الارض. فاحكم بين الناس بالحقّ ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله (۸)

"اے داوؑد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے، پس لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا دے گی"۔

اللہ تعالیٰ نے کوئی ذمہ داری کسی کے سپرد کر دینے کو کافی قرار نہیں دیا، بلکہ اس کام پر ذاتی توجہ رکھنا ضروری ہے۔ نیز اس نے کسی کو خواہش کی پیروی میں معذور شمار نہیں کیا، بلکہ اس پیروی کو گمراہی سے تعبیر کیا ہے۔

یہ وہ امر ہے جو حضرت داوؑد کے خلیفہ الٰہی ہونے کے باعث ان پر ایک دینی حکم کے طور پر واجب تھا، تاہم ایک حکومتی اور انتظامی اصول کے لحاظ سے یہ ہر حاکم اسلامی کے لئے واجب العمل ہے:

نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته — (۹)

"تم میں سے ہر ایک نگہبان وحاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

جب امام وحاکم، امت کو مامون رکھنے اور ضرر سے بچانے کی خاطر ان حقوق کے لئے قیام کرے کہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، ایسے میں امت پر اس کے دو حق واجب ہیں — یعنی اس وقت تک اس کی اطاعت اور نصرت کرنا، جب تک وہ اس روش پر ثابت قدم رہے۔ (۱۰)

ابو یعلیٰ فراء حنبلی نے بھی اپنی کتاب احکام السلطانیہ میں قریباً یہی باتیں تحریر کی ہیں۔ (۱۱)

یہ دونوں علماء سیاست ایک ہی زمانے میں گزرے ہیں، یعنی ماوردی کی وفات ۴۵۰ھ اور ابو یعلیٰ کی وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی تھی۔ ان کی کتابوں کے ناموں اور مضمونوں کی باہمی مطابقت اس یقین کا موجب ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا اور شاید ابو یعلیٰ نے ہی ماوردی سے اخذ مطالب کیا ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا — ان دونوں نے حکومت اسلامی کے مقاصد اور فرائض بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ پس مناسب ہے کہ اب ہم ان آیات و روایات کا ذکر کریں جو حکومت اسلامی کے اہداف اور واجبات کے بارے میں ہیں، کیونکہ بہترین کلام وہ ہے جو مرکز وحی و تنزیل سے صادر ہو۔ اگرچہ ان میں سے اکثر آیات و روایات اس کتاب کی پہلی جلد میں نقل ہوئی ہیں، تاہم بعض اوقات تکرار مفید ہوتا ہے — جیسے آپ قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ قصص و حکایات کی آیتوں کو دوہرایا گیا ہے۔

پس ہم بھی مذکورہ آیات و روایات کو بار دیگر نقل کرتے ہیں:

حاکم اسلامی کے فرائض سے متعلق آیات و روایات

۱ — الذين يتّبعون الرسول النّبى الامّى الذى يجدونه مكتوباً عندهم فى التورة والانجيل. يامرهم بالمعروف وينها هم عن المنكر ويحلّ لهم الطّيّبات ويحرّم عليهم الخبائث ويضع عنهم اصرهم والاغلال التى كانت عليهم. فالذين امنوا به وعزّروه ونصروه واتّبعوا النور الذى انزل معه اولئك هم المفلحون (۱۲)

"جو لوگ نبی امی رسولؐ کے قدم بقدم چلتے ہیں جس کی بشارت اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں، وہ انہیں اچھے کام کا حکم دیتا اور برے کام سے روکتا ہے، وہ پاک وپاکیزہ چیزیں توان پر حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے، وہ سخت احکام کا بوجھ اور وہ پھندے جو ان پر پڑے تھے، ان پر سے ہٹا دیتا ہے۔ پس جو لوگ اس نبی (محمدؐ) پر ایمان لائے ان کی تعظیم وعزت اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ اپنی دلی مراد پائیں گے۔"

اس آیت میں پانچ اہم امور بیان ہوئے ہیں جن کا نبی اکرمؐ اپنی زندگی میں ہمیشہ اہتمام فرماتے تھے، آپ کا عمل ہی اسوہ حسنہ ہے اور ہر وہ شخص جو حکومت اسلامی کا نگراں ہو ـــــ اس پر واجب ہے کہ وہ ان میں حضرت رسولؐ کی پیروی کرے۔

معروف یعنی نیک عمل وہ ہے جس کو فطرت اور عقل سلیم معروف سمجھیں اور اسی بناء پر شارع اس کا حکم دے، منکر یعنی برا کام وہ ہے جسے عقل سلیم برا جانے اور شریعت مطہرہ اس سے منع کرے۔ پس حکومت اسلامی کے حاکم پر لازم ہے کہ وہ اپنے اختیار واقتدار سے ایسا اسلامی ماحول قائم کرے کہ جس میں معروف اور نیک کام ہر طرف رواج پائیں اور منکر وفساد کی جڑیں کٹ جائیں۔ اغلال (پھندے) سے شاید ایک وسیع مفہوم مراد ہے جو بے ہودہ رسوم اور ان سخت احکام کا مجموعہ ہے جو شریعت یہود میں جاری تھے یا وہ چیزیں جنہیں اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کیا تھا، تاہم یہ بات ان سب کو شامل ہے۔

ابو امامہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: میں یہودیت ونصرانیت کے ساتھ مبعوث نہیں ہوا، بلکہ میں آسان اور سہل حنفیت (دین ابراہیمؑ) پر مبعوث ہوا ہوں۔ (۱۳)

۲- ولینصرنّ اللّٰہ من ینصرہ۔ انّ اللّٰہ لقویّ عزیز: الذین ان مکنّا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ وللّٰہ عاقبۃ الامور- (١٤)

"جو شخص خدا کی مدد کرے گا خدا بھی ضرور اس کی مدد کرے گا، بے شک خدا ضرور زبردست غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں روئے زمین پر قابو دے دیں تو بھی پابندی سے نماز ادا کریں گے اور زکات دیں گے، اچھے اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور لوگوں کو بری باتوں سے روکیں گے، یوں تو سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔"

پس اللہ تعالیٰ کے ناصر ومددگار کہ جو اس کی طرف سے منصور ہیں، وہ وہی لوگ ہیں کہ اگر زمین میں متمکن اور حاکم ہو جائیں تو وہ خدا کے مقرر کئے ہوئے فرائض مثلاً نماز وزکات وغیرہ کو قائم ونافذ کریں گے، معروف یعنی نیک کاموں کا حکم دیں گے اور منکر وبدی سے روکیں گے۔

۳: فھل عسیتم ان تولّیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطّعوا ارحامکم- (١٥)

"کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ اگر تم حاکم بنو تو روئے زمین پر فساد پھیلانے اور قطع رحم کرنے لگو۔"

اس بناء پر کہ اس سے حکومت وولایت کے درپے ہونا مراد ہے، جیسا کہ اس کا ظاہر شاید یہی ہے، لیکن یہ کہا جائے کہ آیت کا سیاق اس بات کی تائید نہیں کرتا ـــــ پس غور کریں!

٤: واذا تولّی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللّٰہ لایحب الفساد- واذا قیل لہ اتق

اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم. فحسبہ جھنم ولبئس المھاد (۱۶)

"اور جب حاکم بنا تو ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرنے لگا تا کہ ملک میں فساد پھیلائے اور زراعت و مویشی کا ستیاناس کرے اور خدا فساد کو اچھا نہیں سمجھتا، جب اسے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو تکبر اس کو گناہ پر ابھارتا ہے، پس ایسے شخص کے لئے تو جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے"۔

ظاہر یہ ہے کہ خدا کے قول یھلک الحرث والنسل (زراعت و مویشی کا ستیاناس کرے) کے قرینے سے تولی سے مراد حکمرانی اور اس کے درپے ہونا ہے، نیز اخذتہ العزۃ بالاثم (تو تکبر اسے گناہ پر ابھارتا ہے) کی رو سے بھی یہی مطلب نکلتا ہے۔

پس اموال و نفوس اور زراعت و مویشی پر تجاوز کرنا اور ملک میں فساد پھیلانا حاکم اسلامی پر حرام ہے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ ہر اسلامی حکم اور ہدایت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اسے قبول کرنے والا ہو۔

ہاں تو کلام خدا میں غور کریں اور دیکھیں کہ ہمارے زمانے میں مسلمان کس طرح سرکش اور خدا فراموش حکام کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں کہ جن کی طبیعت و مزاج میں لوگوں کے اموال، ناموس اور نفوس پر تجاوز کرنا شامل ہے اور وہ کسی وعظ و نصیحت پر کان دھرنے کو تیار نہیں ہیں۔ مگر مسلمانوں کے باہمی افتراق، اختلاف، انتشار اور جہاد و قربانی سے ان کی پہلوتہی کے سوا اس کی کوئی اور وجہ نہیں کہ جو ان کی دنیا طلبی اور دنیا پرستی کا شاخسانہ ہے، جبکہ ارشاد خداوندی ہے کہ لا یغیر اللہ ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم (۱۷) یعنی جب تک لوگ خود اپنی حالت میں تبدیلی نہ لائیں، خدا بھی ان کی حالت کو تبدیل نہیں کرتا۔ (۱۷)

۵۔ جب نبی اکرمؐ نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا، اے معاذ! یمن والوں کو خدا کی کتاب کی تعلیم دینا، ان کو اچھے اخلاق کی تربیت دینا، ان میں سے اچھے اور برے لوگوں کو ان کے مناسب حال مقام دینا، ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنا اور اس کے حکم یا اس کے مال کے بارے میں کسی کو حقیر نہ سمجھنا کہ وہ حکم یا مال تیرا نہیں ہے، ہر چھوٹی بڑی چیز میں ان کی امانت ادا کرنا، تجھ پر لازم ہے کہ حق کو ترک کئے بغیر ان سے نرمی اور درگزر کرے ــــ ورنہ جاہل بھی کہہ دے گا کہ تو نے اللہ کا حق ترک کر دیا، جس بات سے تجھے اپنے اوپر عیب لگنے کا خوف ہو ــــ اس میں اپنے اہلکاروں سے معذرت کر لینا کہ وہ تجھے عیب نہ لگائیں، جاہلی دور کی رسموں کو مٹانا ــــ مگر وہ نہیں کہ جنہیں اسلام نے باقی رکھا ہے، اسلام کے ہر چھوٹے بڑے مسئلے کو بیان کرنا اور تمہارا سب سے اہم عمل پابندی نماز ہونا چاہئے ــــ کیونکہ اقرار اسلام کے بعد اس کا اہم ترین حکم یہی ہے، لوگوں کو خدا اور قیامت کی یاد دلاتے اور پیہم وعظ و نصیحت کرتے رہنا کہ یہ طریقہ انہیں خدا کے پسندیدہ عمل کی ادائیگی میں پختہ کر دے گا، اس کے بعد ان کے درمیان جابجا معلم مقرر کر دینا ــــ ہاں اس اللہ کی عبادت کرو کہ جس کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کرو۔

اے معاذ! میں تجھے خدا سے ڈرنے، سچ بولنے، وعدہ وفا کرنے، امانت ادا کرنے، خیانت سے بچنے، نرمی سے بولنے، سلام کرنے، پڑوسی کی حفاظت کرنے، یتیم پر ترس کھانے، نیک عمل کرنے، تمنا کم کرنے، آخرت کو پسند کرنے، قیامت میں حساب سے گھبرانے، ایمان پختہ رکھنے، قرآن کو سمجھنے، غصے کو پی جانے اور تواضع و انکسار کی وصیت کرتا ہوں۔

اے معاذ ! اس سے پرہیز کرنا کہ کسی مسلمان کو گالی دو یا بدکار کی اطاعت کرو یا امام عادل کی نافرمانی کرو یا سچے امام کو جھٹلاؤ یا جھوٹے کی تصدیق کرو۔ ہاں اپنے پروردگار کو ہر درخت اور پتھر کے پاس یاد کرو، ہر گناہ کی توبہ کرو کہ پوشیدہ کی پوشیدہ طور پر علانیہ کی علانیہ توبہ ہو۔

اے معاذ ! میں دیکھ رہا ہوں کہ میری تمہاری ملاقات قیامت تک نہ ہوسکے گی، اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنی وصیت کو مختصر کر دیتا ـــ لیکن مجھے یہ نظر آرہا ہے کہ اب میری تمہاری ملاقات نہیں ہوسکے گی۔ پس جان لے کہ تم میں سے وہ لوگ مجھے زیادہ محبوب ہیں جو مجھ سے اس حالت میں ملاقات کریں کہ جس حالت میں تم مجھ سے جدا ہو رہے ہو۔ (۱۸)

کنزالعمال میں معاذ بن جبل کو یمن بھیجے جانے کے بارے میں دو طویل حدیثیں ذکر ہوئی ہیں جو اس حدیث کے مضامین کے علاوہ کئی ایک مفید امور پر مشتمل ہیں، اس ضمن میں ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ (۱۹)

ہم نے یہ حدیث باوجود اس کے طول کے درج کی ہے، کیونکہ وہ ہر اس شخص کے لے اعلیٰ اور مفید نصیحتوں پر مشتمل ہے جو حکومت اسلامی کے امور میں سے کسی ایک کے لئے مامور ہوا ہو۔

اس حدیث میں مذکورہ امور کے مطابق حاکم اسلامی کی عملداری میں اس کی ذمہ داریوں میں یہ امور شامل ہیں:

(۱) کتاب اللہ کی تعلیم دینا (۲) لوگوں کو بہتر اور بلند اخلاق کی تربیت دینا (۳) اچھے اور برے آدمیوں میں امتیاز یعنی اچھے آدمی کا احترام و اکرام کرنا اور برے آدمی کو ملامت کرنا اور سزا دینا (۴) اللہ کے حکم اور اس کے مال میں بلا لحاظ سب کے لئے مساوات کا طریقہ جاری کرنا (۵) اہل امانت کی امانت ادا کرنا، چاہے وہ تھوڑی سی ہی کیوں نہ ہو (۶) برے لوگوں سے عفوو درگزر کرنا، جبکہ کسی امر حق کا ترک لازم نہ آتا ہو (۷) لوگوں کو مسلسل وعظ و نصیحت کرتے رہنا (۸) علوم کی عمومی ترویج کے لئے معلّموں کا تقرر کرنا۔

حدیث کے آخری جملے کی اس چیز سے مناسبت مخفی نہیں کہ بالآخر معاذ کا معاملہ جہاں تک پہنچا۔

۶. ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ؐ نے معاذ سے فرمایا: "پس انہیں خبر دے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (زکات) فرض کیا ہے، وہ اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء کو دیا جائے گا، پھر اگر وہ اس سلسلے میں تمہاری اطاعت کریں تو ان کے محترم اموال سے تعرض نہ کرو اور مظلوم کی بددعا سے بچو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب و پردہ نہیں ہے۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مکلف اپنے مال میں سے حق واجب ادا کردے تو پھر اس کے باقی مال میں دست اندازی کرنا شدید ترین ظلم ہے۔ (۲۰)

۷. ایک اور روایت کے مطابق نبی اکرم ؐ نے معاذ کو یہ نصیحت کی اور اس پر عہد و پیمان لیا: "لوگوں کے بارے میں سہولت کا لحاظ رکھنا اور ان کو دشواری میں نہ ڈالنا، نیز انہیں راضی و خوش رکھنا اور ان کے دلوں میں نفرت پیدا نہ ہونے دینا۔" (۲۱)

۸ـ نبی اکرم ؐ نے عمرو بن حزم کو بنی حارث پر والی و حاکم بنا کر بھیجا، تاکہ وہ انہیں دین کے حقائق سے آگاہ کرے ـــ

سنت پر عمل کرنا سکھائے ___ علوم اسلامی سے آراستہ کرے اور ان سے صدقات وغیرہ وصول کرتا رہے۔ اس وقت آپ نے عمرو کو ایک حکم نامہ دیا جس میں اس کی تقرری کے مقاصد اور اس کے فرائض تفصیل کے ساتھ درج تھے اور وہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا بیان ہے، اے ایمان والو! اپنے وعدے اور پیمان پورے کیا کرو۔ اللہ کے نبی ور سول محمدؐ کا یہ ہدایت نامہ عمرو بن حزم کے لئے ہے کہ جب اسے یمن بھیجا۔ اس کو اپنے ہر عمل میں تقوائے الٰہی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ کیونکہ خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو باتقویٰ ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ اسے مامور کیا گیا ہے کہ وہ حق واجب وصول کرے۔ جیسا کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے۔ وہ لوگوں کو خیر اور بھلائی کی بشارت دے اور انہیں اس کا حکم کرے۔ ان کو قرآن کی تعلیم دے اور اس کے مطالب سمجھائے، وہ لوگوں کو تنبیہ کرے کہ کوئی شخص قرآن کو مس نہ کرے مگر وہ کہ جو پاک وطاہر ہو۔ لوگوں کو ان کے حقوق اور فرائض سے باخبر کرے، حق کے بارے میں ان سے نرمی برتے اور ظلم کی پاداش میں ان پر سختی کرے۔ کیونکہ خدا نے ظلم کو ناپسند کیا اور اس سے روکا ہے، پس فرمایا. ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ لوگوں کو جنت اور اس کی بہاروں کی خوشخبری دے اور جہنم اور اس کی سختیوں سے ڈرائے۔ لوگوں سے الفت کرے، تاکہ وہ دین کو سمجھ جائیں، ان کو اعمال حج کے فرضوں اور سنتوں سے مطلع کرے کہ جو خدا نے حج اکبر اور حج اصغر (عمرہ) کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔

لوگوں کو ایک چھوٹے کپڑے کے ساتھ نماز ادا کرنے سے منع کرے، مگر یہ کہ وہ کپڑا ایسا ہو جس کے دونو پلو انسان کے کندھوں پر رہیں۔ بدن پر کوئی ایسا کپڑا لپیٹنے سے روکے کہ جس سے کسی شخص کی شرمگاہ ظاہر ہوتی ہو۔ اس سے منع کرے کہ کوئی اپنی گدی میں بالوں کا جوڑا بنائے۔ اس سے روکے کہ لوگ جوش کے عالم میں قبیلے اور برادری کے نام پر دعوت دیں، بلکہ انہیں اللہ کے نام پر دعوت دینی چاہئے کہ جو واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ پس جو خدا کی طرف دعوت نہ دے اور قبیلے کے نام پر بلائے تو اسے تلوار سے سیدھا کرے۔ یہاں تک کہ وہ وحدہ لاشریک خدا کی طرف دعوت دینے لگے۔

لوگوں کو حکم دے کہ وہ وضو میں چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھوئیں اور سروں کا مسح کریں، جیسا کہ خدا نے انہیں ہدایت کی ہے۔ نیز وقت پر نماز ادا کرنے اور خوف الٰہی کے ساتھ رکوع و سجود مکمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ نماز فجر سورج نکلنے سے پہلے پڑھیں، دوپہر کے بعد جب سورج سر سے ڈھل جائے تو نماز ظہر ادا کریں، جب سورج زمین کی طرف مائل ہو تو نماز عصر پڑھیں، نماز مغرب رات کے ظاہر ہونے پر پڑھیں اور اتنی تاخیر نہ کریں کہ ~~تارے~~ نظر آنے لگیں، نماز عشاء رات کے پہلے حصے میں ادا کریں۔ نیز ان کے لئے حکم ہے کہ وہ اذان ہوتے ہی جلدی سے نماز جمعہ میں جائیں اور اس کے لئے غسل کیا کریں۔

وہ مامور ہے کہ غنیمت (اور منافع) میں سے خدا کا مقرر کیا ہوا خمس لے، مومنین پر واجب صدقہ میں ان کی زراعت میں سے چشمے اور بارش سے سیراب ہونے والی سے عشر (دسواں حصہ) اور جسے ڈول سے سیراب کیا جائے اس سے نصف عشر (بیسواں حصہ) وصول کرے۔ ہر دس اونٹوں پر دو بکریاں اور بیس اونٹوں میں چار بکریاں لے، ہر چالیس گائیوں میں ایک

گائے اور ہر تیس گائیوں میں چار سال کی گائے یا بیل اور ایک سال کا بچھڑا لے۔ ہر چالیس بھیڑ بکریوں میں جو صرف جنگل میں چرتی ہوں۔ صرف ایک بکری لے، یہ اللہ تعالیٰ نے بطور صدقہ مومنین پر واجب کیا ہے اور جو اس کار خیر میں اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے تو وہ اس کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ ہو گا۔

جو یہودی و نصرانی اخلاص کے ساتھ از خود اسلام میں داخل ہو جائے تو وہ مومنین میں سے ہے اور ان کے نفع و نقصان میں شریک ہے۔۔ جو یہودیت و نصرانیت پر قائم ہے، اس کو عقیدے سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ ایسے لوگوں میں سے ہر بالغ مرد و زن اور آزاد و غلام پر ایک دینار یا اس کے بدلے میں کپڑا واجب ہے۔ پس جو یہ حق واجب ادا کرے تو وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے ذمہ اور پناہ میں ہے۔ لیکن جو یہ حق ادا کرنے سے انکار کرے تو وہ خدا، اس کے رسولؐ اور تمام مومنین کا دشمن ہے۔ اللہ کی صلوات اور سلام ہے محمدؐ پر اور اس کی رحمت و برکت! (۲۲)

ہم نے اس حدیث کی طوالت کے باوجود اسے تمام و کمال نقل کر دیا ہے، کیونکہ بقول ان کے یہ نبی اکرمؐ کا جامع، مفصل اور قطعی ہدایت نامہ ہے جو تاریخ نے محفوظ رکھا اور جامعین حدیث نے اسے فقہ کے مختلف ابواب میں خاص اہمیت دی ہے۔ بعض علماء نے اسے قبول کرنے میں اس پر صدر اول میں اجماع کا دعوی کیا ہے، اگرچہ بعض مواقع پر اس کے کئی الفاظ سے اختلاف بھی کیا ہے۔

نووی نے التہذیب میں عمرو بن حزم کے حالات میں کہا ہے: نبی اکرمؐ نے عمرو بن حزم کو یمن کے علاقہ نجران کا عامل مقرر کیا، جبکہ وہ سترہ سال کا نوجوان تھا۔ آپ نے اسے ایک تحریر دے کر بھیجا کہ جس میں فرائض، سنن، صدقات، جروح اور دیات کے احکام تھے۔ (۲۳)

مذکورہ بالا ہدایت نامہ کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ حق واجب اس طرح وصول کرنا کہ جیسے خدائے تعالیٰ نے حکم دیا ہے اپنی مرضی اور طریقہ کام میں نہ لانا۔

۲۔ لوگوں کو خیر اور بھلائی کی بشارت دینا اور اس کا حکم کرنا

۳۔ ان کو قرآن کی تعلیم دینا اور اس کے مطالب سمجھانا

۴۔ لوگوں کو ان کے نفع اور ضرر کی باتوں سے آگاہ کرنا

۵۔ حق کو قبول کرنے والے سے ملائمت کرنا اور ظلم کرنے والے کی سختی سے گرفت کرنا

۶۔ نعمات جنت کی خوشخبری دینا اور صعوبات جہنم سے خوف دلانا۔

۷۔ لوگوں کی دلجوئی کرنا تاکہ علم دین حاصل کرنے اور اسے سمجھنے کی طرف راغب ہوں۔

۸۔ اس ہدایت نامہ میں مندرج امور کے علاوہ لوگوں کو اعمال حج اور تمام فرائض و سنن کی تعلیم و تربیت دینا

مذکورہ بالا ہر دو ہدایت ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اسلامی علاقوں اور شہروں کا والی و حاکم ہو، نبی اکرمؐ اس سے کیا توقعات رکھتے تھے۔

۹۔ نہج البلاغہ میں ہے: "بار الہا! تو خوب جانتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہم سے (جنگ و پیکار کی صورت میں) ظاہر ہوا ہے، اس

احتکار کے موضوعات کی تعیین والی وحاکم کی ذمہ داریوں میں سے ہے ۵۳۹
بعض فقہاء کا کلام ۵۴۰
آیا احتکار میں کسی چیز کا خریدنا شرط ہے یا نہیں؟ ۵۴۲
منافع و زیادتی کے لئے روکنے کی شرط ۵۴۳
محتکرو ذخیرہ اندوز کو مال فروخت کرنے پر مجبور کیا جانا ۵۴۵
نرخ مقرر کرنا ۵۴۶
علماء امامیہ ۵۴۶
فقہاء اہل سنت ۵۴۷

نرخ مقرر کرنے کے سلسلے میں اخبار و روایات ۵۴۸
نرخ مقرر کرنا کب جائز ہے؟ ۵۵۰
خاتمہ ۵۵۲

گیارھویں فصل۔ امام اور اس کے عمال کے لئے تمام اموال کی وصولی و حفاظت کے وجوب کا بیان ۵۵۷
خاتمہ ۵۶۹

بارھویں فصل۔ کمزور افراد اور بیواؤں و یتیموں کے معاملے میں امام اور اس کے عمال کے اہتمام کا وجوب ۵۷۵

تیرھویں فصل۔ اسلام کی سیاست خارجہ اور غیر مسلم اقلیتوں سے برتاؤ ۵۸۱
پہلی جہت ۵۸۱
دوسری جہت ۵۸۱
تیسری جہت ۵۸۲
آنحضرتؐ کا شاہ حبشہ نجاشی کے نام خط ۵۸۴
ایک اور روایت کے مطابق خط کا مضمون ۵۸۴

نجاشی کی طرف آنحضرتؐ کا ایک اور خط	۵۸۵
آنحضرتؐ کا خط شاہ روم ہرقل کے نام	۵۸۵
قیصر روم کے نام آنحضرتؐ کا دوسرا خط	۵۸۵
مقوقس کے نام آنحضرتؐ کا خط	۵۸۶
ایک اور روایت کے مطابق خط کا مضمون	۵۸۶
آنحضرتؐ کا خط پرویز کسرائے ایران کے نام	۵۸۷
کسریٰ کی طرف آنحضرتؐ کا دوسرا خط	۵۸۷
آنحضرتؐ کا خط ہرمزان کے نام	۵۸۷
چوتھی جہت	۵۸۷
پانچویں جہت	۵۹۱
چھٹی جہت	۵۹۵
ساتویں جہت	۵۹۹
آٹھویں جہت	۶۰۳
عقد امان	۶۰۳
صلح و ترک قتال	۶۰۵
نویں جہت	۶۰۷
دسویں جہت	۶۱۳
گیارھویں جہت	۶۱۴
بارھویں جہت	۶۱۸
میثاق مدینہ	۶۱۸
صلح حدیبیہ	۶۲۲
آنحضرتؐ کا امان نامہ بنی عادیا کے لئے	۶۲۳
آنحضرتؐ کا اہل ایلہ سے معاہدہ	۶۲۳

نجران کے علماء کو آنحضرتؐ کا دعوت نامہ ۶۲۳
آنحضرتؐ کا خط ابو الحارث بن علقمہ اسقف نجران کے نام ۶۲۳
آنحضرتؐ کا نصارائے نجران سے معاہدہ ۶۲۴
چودھویں فصل۔ اسلام میں عسکری قوت کے اہتمام کی طرف اشارہ ۶۲۹
تنبیہ ۶۳۷
پندرھویں فصل۔ امام و امت کے باہمی حقوق سے متعلق آیات و روایات ۶۴۱
خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ۶۴۹

ساتواں باب

پہلی فصل۔ آنحضرتؐ کے اخلاق کریمہ ۶۵۳
دوسری فصل۔ امام کے لئے ضروری ہے کہ رعایا سے چھپا نہ رہے ۶۷۵
تیسری فصل۔ طعام لباس اور نشاط سے دوری میں امام کی سیرت ۶۷۹
اختتامیہ ۶۹۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد

عرض ناشر

☆ ولایت فقیہ اپنے موضوع پر اسلامی دنیا کی اولین جامع کتاب ہے۔
☆ یہ آیت اللہ حسین علی منتظری مدظلہ العالی کی بے نظیر تالیف ہے۔
☆ علامہ سید صفدر حسین نجفیؒ نے اسے عربی سے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔
☆ یہ حوزہ علمیہ جامعہ المنتظر لاہور کی شاندار پیشکش ہے۔
☆ مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز لاہور نے اس کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔

☆☆☆☆

ولایت فقیہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر اسلام کے طویل ادوار میں ضروری توجہ نہیں دی گئی ــــ اس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ مسلم معاشروں پر آمروں، سلطانوں اور شہنشاہوں کی حکومتیں مسلط رہیں اور آج بھی مسلط ہیں۔ پس انہوں نے اپنے اقتدار کے طول اور تحفظ کی خاطر مسلمانوں کو ولایت فقیہ کے بارے میں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا. تاہم خوش قسمتی سے ہمارے بعض بزرگ علماء نے اپنی توجہات ولایت فقیہ ایسے اہم اسلامی موضوع کی طرف مبذول کرتے ہوئے اپنی کتب و رسائل میں اس کے نقوش اجاگر فرمائے ہیں ــــ اس مرحلے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگان ملت کی خدمات جلیلہ کا مختصر سا تذکرہ کر دیا جائے۔

١۔ محقق نراقی طاب ثراہ نے اپنی کتاب ”العوائد“ میں ولایت فقیہ پر اختصار کے ساتھ بحث فرمائی۔
٢۔ شیخ اعظم انصاری علیہ الرحمہ نے کتاب البیع میں مال یتیم کی بیع کے سلسلے میں ولایت فقیہ پر اجمالی گفتگو فرمائی۔
٣۔ محقق نائینی قدس سرہ نے ”تنبیہ الامت“ کے نام سے ولایت فقیہ پر اولین رسالہ مدون فرمایا۔
٤۔ آیت اللہ بروجردی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب ”البدر الظاہر“ میں ولایت فقیہ پر مجملاً بحث فرمائی۔
٥۔ رہبر کبیر امام خمینی علیہ الرضوان نے حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ کے موضوع پر بارہ دروس ارشاد فرمائے ــــ اور علامہ سید صفدر حسین نجفیؒ نے ان کا اردو ترجمہ کر کے ١٩٦٧ء میں لاہور سے کتابی صورت میں شائع کرایا۔

مذکور الصدر علماء اعلام نے ولایت فقیہ کے موضوع پر جو علمی کام کیا ــــ وہ قابل قدر ہونے کے باوصف اختصار و اجمال کا پہلو لئے ہوئے تھا اور ان کے اس اجمالی کام کو تمام کلیات و جزئیات کے ساتھ مرتب و مدون کرنا قسام ازل نے شائد آیت اللہ

منتظری کے نام لکھ رکھا تھا۔ چنانچہ موصوف نے اس موضوع پر "ولایت فقیہ وفقہ الدولتہ الاسلامیہ" کے نام سے عربی زبان میں تین ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب تالیف فرما کر اسلامی سیاسیات کے باب میں ایک قیمتی اضافہ کیا ہے حق تو یہ ہے کہ آیت اللہ منتظری کی یہ کاوش علمی "ولایت فقیہ" کے موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

ولایت فقیہ کی جلد اول کا اردو ترجمہ ہم دو سال قبل آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا فخر حاصل کر چکے ہیں جس میں حکومت کی ضرورت، اسلام میں حکومت وامامت کا لزوم، حاکم کے شروط و اوصاف، شروط حاکم کا فقیہ عادل پر انطباق اور ولایت و حکومت کے طرق ـــ نص یا انتخاب پر سیر حاصل گفتگو ہوئی ہے۔

اس سلسلہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے ولایت فقیہ کی زیر نظر جلد دوم میں حکومت اسلامی کے مقاصد اور حاکم کے فرائض۔ اسلام میں شوریٰ اور مشاورت کی اہمیت ـــ حکومت کے تین شعبوں مقننہ، انتظامیہ و عدلیہ کے کوائف، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شرائط و احکام۔ حدود و تعزیرات یعنی جرم و سزا کے اصول۔ قید اور قید خانے کے اصول و ضوابط۔ مسلمانوں کے نجی معاملات میں عدم مداخلت اور شعبہ جاسوسی کا طریق کار۔ ثبوت ہلال میں امام و حاکم کے حکم کی شرعی حیثیت۔ ذخیرہ اندوزی وتعیین نرخ کے مسائل۔ تقسیم اموال میں مساوات اور مساکین کی حاجت روائی۔ اسلام میں سیاست خارجہ اور اقلیتوں کے حقوق۔ حکومت اسلامی میں فوج و لشکر کی تنظیم۔ امام و رعیت کے باہمی حقوق و فرائض۔ سیرت رسولؐ اور امام و حاکم کی روش۔ امام و حاکم کے لئے رعیت سے دوری کی ممانعت اور خوراک ولباس وغیرہ میں رعیت کے برابر رہنے کی ضرورت کے بارے میں مدلل بحث کی گئی ہے۔

ان موضوعات میں اسلامی نقطہ نگاہ کو واضح کرنے کے لئے بزرگ مؤلف نے آیات قرآن کے ساتھ ساتھ وہ تمام روایات جمع فرما دی ہیں جو شیعہ و سنی کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اس طرح آپ نے یہ امر ثابت کر دیا ہے کہ "ولایت فقیہ" کا نظریہ ـــ تنہا شیعہ مسلمانوں کا نظریہ نہیں ـــ بلکہ یہ امت مسلمہ کا مشترکہ ورثہ ہے۔

بنا بریں ہم سمجھتے ہیں کہ "ولایت فقیہ" کا نظریہ دراصل ملت اسلامیہ کی ایک گمشدہ متاع تھی جسے آیت اللہ منتظری نے بڑی عرق ریزی سے کتاب و سنت کی وسعتوں میں سے تلاش کیا اور اسے اپنی کتاب ولایت فقیہ کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں تک پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ آپ کی یہ وقیع تالیف اسلامی علوم کا حسین مرقع، اتحاد اسلامی کی محکم بنیاد اور اسلام کے ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کا زندہ ثبوت ہے۔ اب یہ مسلمان علماء عقلاء اور طلبا کا کام ہے کہ وہ اس عظیم کتاب کا کھلے دل کے ساتھ مطالعہ کریں اور اپنے برادران اسلام کو "ولایت فقیہ" کا مشروع ادارہ قائم کرنے کی جدوجہد پر آمادہ کریں جو حکومت و امامت علیٰ منہاج النبوۃ کا واحد ذریعہ ہے۔

آخر کلام میں ہم حجتہ الاسلام علامہ سید صفدر حسین نجفی علیہ الرحمہ کے لئے اجر جزیل کی دعا کرتے ہیں جنہوں نے اس عظیم وضخیم کتاب ـــ ولایت فقیہ کی تین جلدوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ فرما کر نہ صرف اس ادارے پر ـــ بلکہ دینی تعلیمات اور اردو ادب پر بھی بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ ان میں سے جلد اول کچھ عرصہ پہلے شائع ہوئی اور اب جلد دوم آپ کے ہاتھوں میں ہے ـــ امید ہے کہ مستقبل قریب میں اس کی جلد سوم بھی زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آجائے گی۔

اس سلسلے میں ہم جامعہ المنتظر لاہور کے پرنسپل علامہ حافظ سید ریاض حسین صاحب قبلہ کے انتہائی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے کتاب ہذا کی طباعت میں ہماری مناسب رہنمائی فرمائی اور ہم اسے موجودہ صورت میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں الفاروق کمپیوٹرز کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ہم اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو گھر گھر پہنچانے میں ہمارا ہاتھ بٹا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔

لاہور
۲۷ اکتوبر ۱۹۹۱ء

ڈائریکٹر
مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز

چھٹا باب

ولایت فقیہ کے حدود واختیارات

اسلام اور امت کے حق میں حاکم اسلامی کے فرائض اور اس کے مقابل امت کے فرائض ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس باب میں مختلف مراحل سے متعلق تمامتر وظائف اور ذمہ داریوں کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کریں، کیونکہ اس کے لئے بجائے خود ایسی کئی ضخیم جلدیں در کار ہیں۔ لہٰذا ہم نے اس کتاب کی مناسبت سے ان آیات، روایات ار کلمات کی تشریح وتوضیح پر اکتفا کیا ہے جو اس موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیز وہ تین ادارے جو ہر حکومت کے لئے ضروری ہیں، ان کے تذکرے میں ان کے بعض ذیلی شعبوں کے اہم فرائض کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

چھٹا باب

پہلی فصل

حکومت اسلامی کے اہداف اور وہ امور جن کی انجام دہی میں کوشاں رہنا حاکم اسلامی پر واجب ہے۔

(سلسلہ بیان کے لئے ولایت فقیہ جلد اول سے رجوع فرمائیں)

یاد رہے کہ اب تک ہونے والی بحث وگفتگو کے دوران میں آپ پر یہ بات عیاں ہوچکی ہے کہ حکومت اسلامی سے مراد مسلمانوں اور ان کی آبادیوں پر تسلط جمانا اور حاکم چاہے جیسا بھی ہو ــــ اس کا ان پر حسب دلخواہ حکم چلانا نہیں ہے، جیسا کہ اکثر ملکوں کے بادشاہ اور آمر اشخاص اپنے ملک کے باشندوں کے ساتھ زرخرید غلاموں کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس حکومت اسلامی کا مقصود احکام اسلام کا نفاذ، اسلامی حدود کا اجراء اور اس کے عادلانہ قوانین وضوابط کی بنیاد پر امت کے امور ومعاملات کو منظم رکھنا ہے۔ کیونکہ اسلام ایک ایسا جامع اور وسیع دین ہے جو انسانی زندگی کے انفرادی، عائلی اور اجتماعی مسائل کے حل میں کفایت کرنے والا ہے، بلکہ اس سے آگے یہ دین دنیا وآخرت میں نوع بشر کی خیر وسعادت کا ضامن ہے اور اس میں تمام افراد اور گروہوں نیز غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی رعایت بھی کی گئی ہے۔ پس حقیقت میں حاکم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے ــــ جیسا کہ اس نے فرمایا:

ان الحكم الا لله (۱) - الا له الحكم (۲) -

یعنی حکم وحکومت کرنا تو بس خدا ہی کے لئے ہے ــــ آگاہ رہو کہ حکومت خاص اسی کے لئے ہے۔

پس حکومت اسلامی ظاہراً خدائے تعالیٰ کے احکام کے لئے ایک قوت نافذہ ہے اور وہ اسلامی ضوابط کے تحت امت کے مصالح میں مصروف عمل رہتی ہے۔

حکومت اسلامی استبدادی نہیں ہے۔

حکومت اسلامی استبدادی اور آمرانہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم حاکم اسلامی کو امام ،والی، راعی اور امت کو رعیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہاں وہ امام ہے، کیونکہ وہ اسوہ و نمونہ ہے کہ جس کی اقتداء کی جاتی ہے،وہ والی ہے کہ امت کے معاملات کا متولی و سرپرست ہے جیسے وقف کا متولی ہوتا ہے اور وہ راعی ہے کہ ہر پہلو سے لوگوں کی رعایت اور دیکھ بھال کرتا ہے۔۔۔ تاکہ انہیں کسی خرابی اور ضرر کا سامنا نہ ہو۔

ہمارے نزدیک امام و والی کا حکومت کی طرف التفات اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ شان وشوکت کا ایک ذریعہ ہے جس پر وہ فخر کرے اور امت کے سر پر سوار رہے۔ بلکہ وہ حکومت کی جانب اس لئے متوجہ ہوتا ہے کہ یہ ایک اہم فریضہ اور گرانبار ذمہ داری ہے جس میں حاکم کے ہاتھوں امت کے امور انجام پاتے ہیں۔ اس طرح افراد امت کی گردنوں سے وہ بھاری طوق اتر جاتے ہیں جو انہوں نے موروثی یا تقلیدی طور پر ڈال رکھے ہوں یا وہ زبردستی ان پر لاد دئے گئے ہوں۔ یوں حکومت اسلامی کا نظام دنیا میں رائج حکومتوں کے نظاموں سے دو بنیادی وجوہ کی بناء پر جدا اور الگ ہے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

ا۔۔۔ حکومت اسلامی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے عادلانہ قوانین اور احکام پر استوار ہے۔

۲۔۔۔ حاکم اسلامی کے لئے شرط ہے کہ وہ فقیہ عادل اور بابصیرت ہو،اس کا مقصد احکام الٰہی کا اجراء اور انبیاءؑ وائمہؑ کے طریق اور روش کو زندہ و پائندہ رکھنا ہو۔

نبی اکرمؐ وہ اولین شخصیت ہیں جنھوں نے حکومت اسلامی قائم فرمائی اور نبوت و رسالت کی عظیم ذمہ داری کے ساتھ ساتھ آپ امور مسلمین کے انتظام کی سرپرستی بھی فرماتے تھے۔ ان میں آپ مسلمانوں کے سیاسی، اجتماعی، عسکری اور اقتصادی مسائل حل فرماتے نیز مملکت کی بستیوں اور شہروں میں حکام، قضات اور عمال صدقات کا تقرر اور ان کے لئے طریق کار کا تعین کرتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اپنے زمانے میں جو حکومت قائم کی۔۔۔ وہ تاریخ انسانی میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے،لوگوں نے حریت و آزادی اور عدل و مساوات کا جو منظر اس میں دیکھا۔۔۔ وہ پہلے کبھی دکھائی نہ دیا تھا۔

نبی اکرمؐ ان لوگوں کے لئے رؤف ورحیم تھے،ان کی خیر و صلاح اور رشد و ہدایت کے ازحد خواہشمند اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے رسم پرستی اور جابروں کی غلامی کے طوق و زنجیر ہٹانے میں مسلسل کوشاں تھے۔ اس طرح آپ نے اپنے اخلاق کریمہ کی کشش سے لوگوں کو دین اسلام کی طرف راغب کیا اور ان سخت ترین دشمنوں کے ہتھیار اتروا دئے جنھوں نے اس دین کی پیشرفت کو روکنے کے لئے اپنی ساری قوتیں اور دولتیں جمع کر رکھی تھیں۔

آپ جانتے ہیں کہ فتح مکہ میں جب خدائے تعالیٰ نے اپنے آخری رسولؐ کو ان کے پست فطرت دشمنوں پر مسلط کر دیا تو آپ

لئے نہیں تھا کہ ہمیں تسلط واقتدار کی خواہش تھی یا مال دنیا کی طلب تھی۔ بلکہ یہ اس لئے تھا کہ ہم دین کے نشانات (پھر ان کی جگہ پر) قائم کریں اور تیرے شہروں میں امن و بہبود پیدا کریں۔ تاکہ تیرے ستم رسیدہ بندوں کو کچھ کھٹکا نہ رہے اور تیرے احکام (پھر سے) جاری ہو جائیں کہ جنہیں بیکار بنا دیا گیا ہے"۔

یہی خطبہ پہلے تحف العقول کے حوالے سے بھی نقل ہو چکا ہے، یہ کہیں آپ کی طرف اور کہیں سیدالشہداءؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ (۲۵)

اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو بھی واقعہ رونما ہوتا، امیرالمومنینؑ اس پر خاموش نہیں بیٹھتے تھے۔ بلکہ آپ احتجاج واظہار کرتے رہتے، مگر وہ عہدہ واقتدار اور دنیا کی رغبت کے لئے نہیں ہوتا تھا۔ اس کی بجائے وہ دین کے نشانات قائم کرنے، شہروں میں امن و بہبود پیدا کرنے، ظلم و ستم کو روکنے اور معطل کی ہوئی حدود واحکام کے اجراء کے لئے کیا جاتا تھا۔

۱۰۔ عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ میں مقام ذی قار میں امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اپنا جوتا گانٹھ رہے تھے۔ تب آپ نے مجھ سے فرمایا: "اس جوتے کی قیمت کیا ہوگی؟ میں نے کہا: اب تو اس کی کچھ بھی قیمت نہ ہوگی! آپ نے فرمایا: بخدا کہ اگر میرے پیش نظر حق کا قائم کرنا اور باطل کا مٹانا نہ ہو تو تم لوگوں پر حکومت کرنے سے مجھے یہ جوتا کہیں زیادہ عزیز ہے"۔ (۲۶)

پس یہ کلام اپنے اختصار کے باوجود ان امور کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو حاکم اسلامی پر واجب ہیں، یعنی حق کا قائم کرنا اور باطل کا مٹانا۔

۱۱۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "اگر بیعت کرنے والوں کی حاضری اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون وقرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ اس کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابل توجہ پاتے"۔ (۲۷)

اس کلام سے ظاہر ہے کہ مسلمان اور خصوصاً علماء کہ جو شارع مقدس کی منشاء اور اس کی طرف سے عدل اجتماعی کے قیام کی تاکید سے واقف ہیں، ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی طبقاتی نابرابری پر خاموشی اختیار کریں کہ جس کے نتیجے میں صاحبان قوت کے ہاتھوں بے کسوں اور کمزوروں کے حقوق سلب اور تلف ہوتے رہیں۔

ہاں ـــــ قدرت واختیار حاصل کئے بغیر ان چھنے ہوئے حقوق کو بحال کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے، معلوم ہوا کہ حکومت حقہ کا قائم کرنا اور اس کے تحت لوگوں کے حقوق دلانا اور بچانا فرض ہے۔

یاد رہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو خلق نہیں کیا، مگر یہ کہ پہلے ان چیزوں کو پیدا کیا کہ جن کا وہ اپنی گزران میں حاجت مند ہے اور اس کی زندگی ان پر منحصر ہے۔ اب اگر آپ ایسے متعدد انسان دیکھتے ہیں کہ جو فقروفاقے میں مبتلا ہیں یا ان میں بدنی نقص ہے تو وہ ان پر دوسروں کے ظلم وزیادتی کا نتیجہ ہے یا خدا کی نعمتوں کی ناشکری یا زمین میں بیج ڈالنے اور فصل اٹھانے کی کوشش نہ کرنے کا شاخسانہ ہے۔

اس بارے میں فرمان الٰہی ہے:

واتاکم من کلّ ما سا لتموہ. وان تعدّوا نعمۃ اللّٰہ لاتحصوھا. ان الانسان لظلوم کفّار۔ (۲۸)

"اور (اپنی ضرورت کے موافق) جو کچھ تم نے اس سے مانگا (اس میں سے بقدر مناسب) تمہیں دیا اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو گن نہیں سکتے ہو، اس میں تو شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف ناشکرا ہے"۔

ظاہر یہ ہے کہ سوال سے مراد وہی حاجت تکوینی ہے کہ جو ذات بشر میں پوشیدہ ہے، پس اللہ تعالیٰ نے انسان کے نقص کی علت دو امور سے بیان کی ہے یعنی ظلم اور کفران ـــــ ان آیات میں غور کریں۔

نہج البلاغہ میں ہے: "اللہ سبحانہ نے دولتمندوں کے اموال میں محتاجوں کی روزی قرار دی ہے، پس کوئی محتاج بھوکا نہیں ہوتا ـــــ مگر اس وجہ سے کہ مالداروں نے اس کا حق لے لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اس بارے میں بازپرس کرنے والا ہے۔ یہ بات یاد رکھیں (۲۹)

۱۲۔ نہج البلاغہ میں رد خوارج میں آیا ہے: مگر یہ لوگ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی، حالانکہ لوگوں کے لئے ایک حاکم ہونا ضروری ہے خواہ اچھا ہو یا برا (اگر اچھا ہو گا تو) مومن اس کی حکومت میں اچھے عمل کر سکے گا (اور برا ہو گا تو) کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ اندوز ہو گا اور اللہ اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدود تک پہنچا دے گا۔ اس حاکم کی وجہ سے مال خراج و غنیمت جمع ہوتا ہے، دشمن سے لڑا جاتا ہے، راستے پرامن رہتے ہیں اور قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ نیک حاکم مر کر یا معزول ہو کر راحت پائے اور برے حاکم کے مرنے یا معزول ہونے سے دوسروں کو راحت پہنچے۔ (۳۰)

۱۳۔ جب امیر المومنینؑ نے خلیفہ عثمان کی دی ہوئی جاگیریں عام مسلمانوں کو پلٹا دیں تو فرمایا: "بخدا کہ اگر مجھے ایسا مال بھی کہیں نظر آتا جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر صرف کیا جا چکا ہوتا تو اسے بھی واپس پلٹا لیتا، چونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں وسعت ہے اور جسے عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں تنگی محسوس ہو تو اسے ظلم کی صورت میں اور زیادہ تنگی محسوس ہوگی۔ (۳۱)

اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ حاکم اسلامی کی ذمہ داری ہے کہ وہ غصب شدہ عمومی اموال جو معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں، انہیں ان کے اہل کی طرف پلٹائے۔ اس بارے میں کہ امام پر مسلمانوں کے اموال کا اہتمام کرنا واجب ہے، ہم ایک خاص فصل لکھیں گے۔ اس میں اس خطبے کی تکمیل کے ساتھ ساتھ وہ روایات بھی ذکر کریں گے جو شرح ابن ابی الحدید اور دعائم الاسلام میں آئی ہیں ـــــ انتظار کریں!

۱۴۔ نہج البلاغہ میں ہے: "امام کا فرض تو بس یہ ہے کہ جو کام اسے اپنے پروردگار کی طرف سے سپرد ہوا ہے اسے انجام دے، اور وہ یہ ہے کہ پند و نصیحت کی باتیں لوگوں تک پہنچائے، انہیں سمجھانے بجھانے میں پوری کوشش کرے، سنت کو زندہ رکھے، جن پر حد لگتا ہے وہ ان پر جاری کرے اور (غصب کئے ہوئے) حصوں کو ان کے اصلی وارثوں تک پہنچائے۔ (۳۲)

۱۵۔ امیر المومنین ؑ کا خلیفہ عثمان سے خطاب: "یاد رکھو کہ اللہ کے نزدیک سب بندوں سے بہتر وہ انصاف پرور حاکم ہے جو خود بھی ہدایت پائے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرے، جانی پہچانی ہوئی سنت کو مستحکم کرے اور انجانی بدعتوں کو فنا کرے۔" (۳۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عادل کے فرائض میں سے ہے کہ سنت کو زندہ کرے اور بدعتوں کو ختم کرے۔

۱۶۔ نہج البلاغہ میں ہے: "اے لوگو! ایک تو میرا تم پر حق ہے اور ایک تمہارا حق مجھ پر ہے، تمہارا حق تو یہ ہے کہ میں تمہاری خیر خواہی پیش نظر رکھوں اور بیت المال سے تمہیں پورا پورا حصہ دوں اور تمہیں تعلیم دوں کہ تم جاہل نہ رہو ــــ تمہیں تہذیب سکھاؤں کہ جس پر تم عمل کرو۔ ہاں تم پر میرا حق یہ ہے کہ بیعت کی ذمہ داریوں کو پورا کرو اور سامنے اور پس پشت میری خیر خواہی کرو، جب بلاؤں تو میری صدا پر لبیک کہو اور جب کوئی حکم دوں تو اس کی تعمیل کرو۔" (۳۴)

اس کلام کا مفہوم و مطلب واضح ہے ــــ اسے یاد رکھیں۔

نہج البلاغہ امیر المومنین ؑ کے ایسے اقوال و کلمات سے بھری ہوئی ہے کہ جن میں حاکم اسلامی کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں کا ذکر ہے، خصوصاً آپ کا وہ ہدایت نامہ جو مالک اشتر کے لئے تھا ــــ اس بارے میں ایک جامع دستاویز ہے۔

۱۷۔ آمدی نے امیر المومنین ؑ سے نقل کیا ہے: "امام پر لازم ہے کہ وہ اپنے اہل ولایت کو اسلام و ایمان کی حدود کی تعلیم دے۔"

اہل ولایت سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو اس کی رعیت اور اس کی حکومت میں ہیں۔

۱۸۔ قبل ازیں معاویہ کے نام امیر المومنین ؑ کا جو پیغام نقل ہوا، اس میں ہے: "مسلمانوں پر خدائے تعالیٰ اور اسلام کے حکم میں واجب ہے کہ جب ان کا امام و حاکم مرجائے یا قتل ہو جائے ــــ وہ گمراہ ہو یا ہدایت یافتہ، مظلوم ہو یا ظالم، اس کا خون بہانا حرام ہو یا حلال ــــ اس وقت وہ کوئی کام نہ کریں، کوئی نئی بات پیدا نہ کریں، نہ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں نہ پاؤں اور نہ کسی چیز کی ابتداء کریں، جب تک کہ اپنے لئے ایک باعفت، عابد اور قضاء و سنت کا عالم و عارف امام مقرر نہ کرلیں کہ جو ان کے امر حکومت کو قائم رکھے، ان کے درمیان فیصلے کرے، مظلوم کا حق ظالم سے لے، ان کی سرحدوں کی حفاظت کرے اور ان کا مال فئ جمع کرے، نیز ان کے صدقات اور زکات اکٹھی کرے۔ (۳۶)

۱۹۔ امیر المومنین ؑ سے منقول ہے: "امت کے لئے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو ان کے نظام کو قائم رکھے، پس وہ انہیں امر اور نہی کرے، ان میں حدود کو جاری کرے، دشمن سے جہاد کرے، مال غنیمت تقسیم کرے، فرائض معین کرے، وہ راستے بتائے کہ جن میں ان کی بہتری ہے، ان جگہوں سے بچائے کہ جہاں ان کے لئے نقصان ہے، کیونکہ امر و نہی مخلوق کی بقاء کا سبب ہیں ــــ ورنہ شوق اور خوف ختم ہو جائے گا اور کوئی برائی نہیں رکے گی، نظم ختم ہو جائے گا اور یہ لوگوں کی بربادی کا باعث ہو گا۔ پس حیات و بقاء کی تکمیل کھانے پینے، رہنے کی جگہ، بدن کے لئے لباس، عورتوں سے نکاح اور حلال و حرام میں امر و نہی سے ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ، نے لوگوں کو اس طرح خلق نہیں کیا کہ وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہوں اور ہم دیکھتے ہیں کہ اول بشر حضرت آدم کی زندگی بھی امر و نہی اور دیگر حوائج سے عبارت تھی۔ (۳۷)

۲۰۔ امام علی رضا علیہ السلام سے عبدالعزیز بن مسلم کی ایک طویل روایت میں ہے: "امامت دین کی مہار اور مسلمانوں کا نظام ہے، دین کی فلاح و بہبود اور مومنین کی عزت ہے، امامت اسلام کی پھیلنے والی جڑ اور اس کی اونچی شاخ ہے، امام کے ذریعے ہی نماز، زکات، روزہ، حج، اور جہاد کی تکمیل ہے، اس سے مال فئ اور صدقات میں اضافہ، حدود واحکام کا اجراء اور ملک کی اطراف وسرحدات کی حفاظت ہوتی ہے، امام خدا کے حلال کو حلال اور اسکے حرام کو حرام قرار دیتا ہے، خدا کی حدود کو قائم کرتا ہے، وہ دین کا دفاع کرتا ہے اور اس کی طرف حکمت، نصیحت اور روشن دلیل کے ساتھ دعوت دیتا ہے۔" (۳۸)

۲۱۔ امام علی رضا علیہ السلام سے فضل بن شاذان کی روایت ہے کہ جو پہلے بھی ذکر ہوئی، اس میں ہے: "پس اگر کوئی کہے کہ کس لئے اولی الامر کا تقرر کیا اور اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا؟ جواب یہ ہوگا کہ اس کے بہت سے علل واسباب ہیں:

(الف) مخلوق کو چونکہ ایک مقررہ حد پر روکا گیا اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس حد سے تعدی اور تجاوز نہ کریں، کیونکہ اس میں ان کے لئے فساد اور نقصان ہے۔ پس یہ حد ثابت اور قائم نہیں رہتی مگر اس طرح کہ ان کے لئے کوئی امین مقرر کیا جائے...... کہ جو انہیں تعدی و تجاوز کرنے اور اس حد میں داخل ہونے سے روکے کہ جسے ان کے لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کوئی شخص اپنی راحت اور مفاد کو دوسرے کے نقصان کا باعث ہوتے ہوئے بھی نہ چھوڑے گا۔ لہٰذا ان کے لئے ایک نگران وقیم مقرر ہوا کہ وہ انہیں خرابی کے راستے سے ہٹائے اور حدود واحکام کا پابند بنائے۔

(ب) نیز یہ کہ ہم کوئی ایسی قوم وملت نہیں پاتے جو قیم اور رئیس کے بغیر رہی ہو اور اس نے قائد وسردار نہ ہونے کی صورت میں زندگی گزاری ہو، کیونکہ دین ودنیا کے امور میں ایک نگران ورئیس کا ہونا ضروری ہے۔ پس خدائے حکیم کی حکمت میں جائز نہیں ہے کہ وہ مخلوق کو اس کے بغیر چھوڑے کہ جس کا ہونا لازمی ہے۔ یعنی وہ سردار وقوام کہ جس کی سرکردگی میں وہ اپنے دشمن سے جنگ کرتے ہیں، اس کے زیر حکم اپنا مال فئ باہم تقسیم کرتے ہیں، وہ ان کا جمعہ و جماعت قائم کرتا ہے اور ان میں سے ظالم کو مظلوم سے روکتا ہے۔

(ج) ایسا امام وقیم جو امین ومحافظ ہو اور جس کے سپرد ان کی امانتیں کی جائیں، اگر وہ نہ ہو تو دین ختم ہو جائے اور ملت مٹ جائے، سنت (بروئے "العلل" سنتیں) تبدیل ہو جائیں۔ یعنی اہل بدعت سنت میں زیادتی کر کے اور اہل باطل اس میں کمی کر کے اسے مسلمانوں پر مشتبہ کر دیں۔ ہم نے مخلوق کو ناقص، محتاج اور غیر کامل پایا ہے، اس لئے کہ ان کی خواہشوں میں اختلاف اور طریقوں (بروئے "العلل" کیفیتوں) میں فرق ہے۔ پس جو کچھ حضرت رسولؐ لے کر آئے، اگر اس کے لئے محافظ و نگراں مقرر نہ کریں تو جیسا کہ ہم نے بیان کیا ــــ لوگ بگاڑ اور گمراہی میں جا پڑیں ــــ اس طرح شرائع، سنن، احکام اور ایمان میں تغیر و تبدل پیدا ہو جائے کہ جس میں ساری مخلوق کی تباہی وبربادی ہے"۔ (۳۹)

۲۲۔ حنان نے اپنے باپ سے اور اس نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے: "نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ امامت کسی شخص کے لئے درست نہیں، جب تک اس میں تین خصال وصفات نہ ہوں: ــــ ورع وپرہیزگاری جو خدا کی نافرمانیوں سے بچائے، حلم و بردباری کہ جس سے وہ اپنے غیظ وغضب پر قابو پائے، ولایت وحکومت کا بہتر اسلوب کہ جن کا وہ والی ہے ــــ ان پر شفیق باپ کی طرح مہربان ہو۔ ایک اور روایت میں لفظ "والد" کی بجائے "اب" آیا ہے اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے (۴۰)

پس جو امت پر والی ہے، اس کے لئے واجب ہے کہ وہ ان کے لئے بمنزلہ مہربان باپ کے ہو کہ جس کا دل اولاد کی محبت و رغبت سے بھرا ہوا ہو۔ یعنی وہ والی اپنی قوت اور وسائل سے ان کے نقص اور کمزوری کی تلافی کرے اور ان سے سختی اور غصے کا برتاؤ نہ کرے۔

۲۳۔ سلیمان بن خالد نے امام جعفر صادقؑ سے خبر دی ہے کہ آپ نے فرمایا: "حکومت اور فیصلہ کرنے سے ڈرو کہ یہ اس امام کا حق ہے جو قضاوت کا عالم اور مسلمانوں میں عدل و انصاف کرنے والا ہو، یعنی یہ مقام نبی کے لئے (مثل نبی خ۔ ل) یا وصیؑ نبی کے لئے ہے۔ پس امام کے فرائض میں سے فصل خصومات و رفع نزاعات ہے، یعنی امت میں جو تنازعات واقع ہوتے ہیں ــــ ان کا فیصلہ حق و عدالت کے ساتھ خود کرے یا کروائے"۔ (۴۱)

۲۴۔ کنز العمال میں ہے: "والی پر پانچ چیزیں واجب ہیں ــــ مال فئی صحیح جگہ سے لے کر اسے جائز طریقے سے خرچ کرے، لوگوں کے امور میں ایسے شخص سے مدد لے جس کی اچھائی کو جانتا ہو، ان پر جبر کرکے کوئی کام نہ لے کہ اس طرح انہیں ہلاکت میں ڈالے گا، ان کے کسی کام کو کل پر نہ چھوڑے ــــ آج کا کام کل پر نہ چھوڑے خ۔ ل ــــ عق عن وائلہ (۴۲)

نہایہ میں کہا ہے، تجمیر الجیش کا معنی ہے انہیں سرحدوں پر جمع رکھنا اور وہاں سے (بلا اجازت) گھروں میں واپس نہ آنے دینا۔ (۴۳)

۲۵۔ امور حکومت میں حاکم کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو مہروں میں ڈوری کی ہے کہ وہ ان کو سمیٹ کر رکھتی ہے۔ جب ڈوری ٹوٹ جائے تو تمام مہرے بکھر جائیں گے اور پھر کبھی یکجا نہ ہو پائیں گے۔ (۴۴)

پس مسلمانوں کے امام و حاکم پر واجب ہے کہ ان کے امر حکومت کو مستحکم رکھے، ان میں اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرے اور ان کے معاشرے میں سے اختلاف و افتراق کی جڑیں کاٹ دے۔ تاکہ اس کی برکت سے وہ اپنے دشمن کے مقابل ایک ہاتھ کی طرح ہوں "ایک دوسرے سے محبت و مودت اور عطوفت و مہربانی میں مومنین کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ جب اس کے کسی حصے کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس کا درد محسوس کرتا اور بیدار رہتا ہے"۔ (۴۵)

اس سلسلے میں بہت سی آیات و روایات ہیں کہ جن سے امور خارجہ اور دیگر مذاہب سے تعلقات کے بارے میں مسلمانوں اور ان کے امام و حاکم کی ذمہ داری اور اس کام کا طریقہ عمل معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض آیات و روایات کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں اور ان کی تفصیل ایک الگ فصل میں بیان ہوگی ــــ انتظار کریں۔

۲۶۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایّھا الذین اٰمنوا لاتتّخذوا بطانة من دونکم، لا یالونکم خبالاً - ودّوا ما عنتم قدبدت البغضاء من افواھھم، وما تخفی صدورھم اکبر قد بیّنا لکم الأیات ان کنتم تعقلون- (٤٦)

"اے ایمان والو! اپنے (مومنین کے) سوا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ (کیونکہ) یہ غیر لوگ تمہاری بربادی میں کچھ کسر اٹھا نہ رکھیں گے (بلکہ) جتنے تم زیادہ تکلیف میں پڑو گے، اتنے ہی یہ لوگ خوش ہوں گے۔ دشمنی تو ان کے منہ سے ٹپکی پڑتی ہے

اور جو (بغض وحسد) ان کے دلوں میں بھرا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، ہم نے تم سے (اپنے) احکام صاف صاف بیان کر دیئے ہیں اگر سمجھ رکھتے ہو۔"

۲۷۔ ارشاد الٰہی ہے:

یاایّھا الذین اٰمنوا لاتتّخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض– ومن یتولّھم منکم فانّه منھم، ان اللّٰه لایھدي القوم الظالمین – فتری الذین في قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون نخشی ان تصیبنا دائرة – فعسی اللّٰه ان یاتي بالفتح او امر من عنده فیصبحوا علیٰ ما اسرّوا في انفسھم نادمین۔ (۴۷)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ (کیونکہ) یہ لوگ (تمہارے مخالف مگر) باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں (اور یاد رہے کہ) تم میں سے جس نے ان کو اپنا سرپرست بنایا پس وہ بھی انہی لوگوں میں سے ہو گیا، بیشک خدا ظالموں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔ تو (اے رسولؐ) جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے تم انہیں دیکھو گے کہ دوڑ دوڑ کے ان میں ملے جاتے ہیں اور تم سے اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو اس سے ڈرتے ہیں کہ (کہیں ایسا نہ ہو ان کے ساتھ نہ ملنے سے) زمانہ کی گردش میں مبتلا ہو جائیں، تو عنقریب ہی خدا (مسلمانوں کی) فتح یا کوئی اور بات اپنی طرف سے ظاہر کر دے گا تب یہ لوگ اپنی اس (بدگمانی) پر شرمائیں گے جو اپنے جی میں چھپاتے تھے"۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو کفار کی موالات اور ان سے دوستی و محبت کرنے سے روکتی ہیں۔

۲۸۔ فرمان خداوندی ہے:

ولن یجعل اللّٰه للکافرین علی المومنین سبیلاً – (۴۸)

"اور خدا ہرگز کافروں کو مومنوں پر غلبہ نہیں دے گا"۔

پس وہ علاقہ اور لگاؤ جو مسلمانوں پر کفار کے تسلط کا موجب ہے، جیسا کہ ہم اپنے زمانے میں ملاحظہ کر رہے ہیں ــــ اس سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو کفار و منافقین کے مقابلے میں اپنی قوت وطاقت مجتمع کرنے، تیار رہنے اور ان سے جہاد و قتال کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں بہت سی آیات و روایات رہنمائی کرتی ہیں اور ان میں سے بعض اس کتاب کی فصل جہاد میں ہیں، پس ان کی طرف رجوع کریں۔ (اس پر غور کریں)

تاہم ان آیات و روایات کے ضمن میں کچھ ایسی ادلہ بھی وارد ہوئی ہیں جو ان سے صلح و مروت اور نیکی و عدالت کا معاملہ کرنے کا حکم دیتی ہیں، بشرطیکہ وہ مسلمانوں سے جنگ وجدال نہ کریں اور انہیں اپنے گھروں سے نہ نکالیں۔

۲۹۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لاینھاکم اللّٰه عن الذین لم یقاتلوکم في الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم، ان اللّٰه یحب المقسطین – انّما ینھاکم اللّٰه عن الذین قاتلوکم في الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولّوھم، ومن یتولّھم فاولئك ھم الظالمون۔ (۴۹)

"جو لوگ تم سے تمہارے دین کے بارے میں نہیں لڑے بھڑے اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، ان لوگوں کے

ساتھ احسان کرنے اور ان سے انصاف سے پیش آنے سے خدا تمہیں منع نہیں کرتا ـــــ بے شک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ خدا تو بس ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکال باہر کیا اور تمہارے نکالے جانے میں (اوروں کی) مدد کی ہے، تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی تو ظالم ہیں۔ "

۳۰۔ کفار کے مقابلے میں قوت وطاقت سے تیار رہنے کے حکم کے بعد فرمایا:

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكّل على الله، انه هوالسميع العليم - (۵۰)

"اور اگر یہ کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اسی کی طرف مائل ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو کہ بے شک وہ سب کچھ سنتا جانتا ہے"۔

۳۱۔ نبی اکرمؐ نے اہل ایلہ سے صلح کی تو ان کے لئے یہ تحریر لکھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ امان نامہ اللہ اور اس کے نبی و رسولؐ کی طرف سے یوحنا بن روبہ واہل ایلہ کے لئے اور ان کی کشتیوں، ان کے قافلوں، ان کے سمندر اور خشکی کے لئے ہے۔ اللہ اور محمد نبیؐ کا ذمہ ان لوگوں کے لئے اور جو ان کے ساتھ ہوں اور تمام راہ گیروں کے لئے ہے جو اہل شام، اہل یمن اور اہل بحر میں سے ہوں"۔ (۵۱)

۳۲۔ نجران کے نصاریٰ کے لئے نبی اکرمؐ کا وثیقہ:

"اور نجران اور اس کے اطراف کے لئے اللہ کی پناہ اور اس کے نبی و رسول محمدؐ کا ذمہ ان لوگوں کے نفوس، ان کی قوم، ان کی زمین، ان کے اموال، ان کے غائب، ان کے حاضر، ان کے قافلے، ان کے وفد کے لئے ہے۔ ان کے بزرگوں اور بڑے لوگوں کے ضمن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور ان کے حق کو نہیں بدلا جائے گا ـــــ وہ جہاں اور جس حالت میں ہیں اس پر برقرار رہیں گے۔ ان کے لاٹ پادریوں میں سے کسی کو اس کے عہدے سے ہٹایا نہیں جائے گا، کسی راہب کو رہبانیت سے اور کسی گرجے کے ناظم کو اس جگہ سے نہیں ہٹایا جائے گا، وہ تمام چھوٹے بڑے امور جو ان کے ہاتھوں میں ہیں وہ بدستور رہیں گے"۔ (۵۲)

۳۳۔ جب نبی اکرمؐ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کے لئے ایک طویل عہد نامہ لکھا، اس میں یہ بھی تھا:

"اور بے شک یہود بنی عوف ایک امت ہیں جو مومنین کے ساتھ رہیں گے، یہودیوں کے لئے ان کا دین اور مسلمانوں کے لئے ان کا دین ہے، اس امان میں وہ خود اور ان کے موالی ہیں ـــــ سوائے اس شخص کے جو جرم و گناہ کا ارتکاب کرے گا ـــــ (۵۳)

عنقریب اس عہدنامے کی تفصیل بیان ہوگی۔

یہ معاہدہ اور اس کے علاوہ دیگر معاہدات جو نبی اکرمؐ نے اہل کتاب یا مشرکین سے کئے، نیز وہ کثیر روایات جو ذمیوں کی عزت و حرمت اور ان کے حقوق کی حفاظت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے

امام وحاکم پر واجب ہے کہ وہ دیگر قوموں، ملتوں اور مذہبوں کے ساتھ قسط وعدل اور طرفین کے حقوق کی رعایت کی بنا پر تعلق استوار کرے، ایسا نہ ہو کہ اس کے ہاتھوں ان کے شہری، اجتماعی اور معاشرتی حقوق ضائع ہوتے رہیں۔ تاہم وہ ان غیر اقوام کے لوگوں کو اپنا رازداں نہ بنائے اور نہ انہیں سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی شعبوں میں مسلمانوں پر تسلط وغلبہ حاصل کرنے کا موقع دے ـــــ اسے یاد رکھیں۔

پس یہ آیات وروایات کہ جنہیں ہم نے یہاں بیان کیا ہے، ان سے دائرہ اسلام میں امت کے مقابل مسلمانوں کے امام وحاکم پر واجبات اور فرائض کی نوعیت ظاہر ہوتی ہے۔ ان سب آیتوں اور روایتوں کا ماحصل پندرہ عنوانات ہیں اور جیسا کہ آپ دیکھیں گے، ان میں سے بعض ایک دوسرے میں شامل وداخل ہیں۔ لیکن ہم ان بیان کردہ تعبیرات کو محفوظ رکھتے ہوئے تمام کے تمام عنوانات کا ذکر کررہے ہیں جو حاکم کے فرائض کو بیان کرتے ہیں

۱۔ مسلمانوں کے امر حکومت کو مستحکم رکھنا، ان کے نظام کی حفاظت کرنا، ان کے اطراف اور سرحدوں کا تحفظ کرنا اور ان کے خلاف بغاوت اور جنگ کرنے والوں سے قتال کرنا۔

۲۔ شہروں اور راستوں میں اصلاح ودرستی کرنا اور ان میں امن وامان کا اہتمام کرنا۔

۳۔ رسوم، قیود، باطل تقلید اور غلط عادات کے پھندے جو لوگوں کی گردنوں میں پڑے ہوں، انہیں اتارنا اور ان کا بوجھ ہلکا کرنا۔

۴۔ لوگوں کو کتاب وسنت اور حدود اسلام وایمان کی تعلیم دینا، ان کے لئے حرام وحلال اور نفع ونقصان کے کاموں کی تفصیل بیان کرنا، ان کی تالیف قلوب اور دلجوئی کرنا تاکہ وہ دین کو سیکھنے اور سمجھنے کی طرف رغبت کریں، اشاعت علوم کے لئے ہر جگہ معلّمین کا انتظام کرنا

۵۔ نماز وحج وغیرہ میں اللہ کے عائد کردہ فرائض اور شعائر کو قائم کرنا اور لوگوں کو اخلاق فاضلہ اور پسندیدہ عادات کی تعلیم وتربیت دینا۔

۶۔ سنتوں کو قائم کرنا، بدعتوں کو مٹانا اور سنن وشرائع کو تغییر وتاویل اور کمی وبیشی سے محفوظ رکھنا۔

۷۔ امر بہ معروف اور نہی از منکر پر ان کے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے کاربند رہنا، یعنی معروف کی اشاعت کرنا، منکرات (برائیوں) کی تمام اقسام کی روک تھام کرنا اور ظلم وفساد کے مقابلے میں ڈٹے رہنا۔

۸۔ طاقتور لوگوں سے کمزوروں کے حقوق دلانا اور ظلم وظالمین کے ساتھ شدت وسختی کو کام میں لانا۔

۹۔ فیصلے کرنے میں عدل وانصاف برتنا اور خدائے تعالیٰ کے حدود واحکام کو عملاً زندہ وقائم رکھنا۔

۱۰۔ بیت المال اور اموال عامہ سے جو کچھ کسی نے غصب کیا ہو، وہ واپس لے کر اس میں داخل کرنا خدا کے حکم کے نفاذ اور اس کے مال کی تقسیم میں مساوات قائم رکھنا، ان ناروا امتیازات کو ختم کرنا جو ظالم کی لوٹ اور مظلوم کی بھوک کا سبب ہیں۔

۱۱۔ مال فیئ اور صدقات (زکات وغیرہ) اس طرح وصول کرنا کہ جیسے خدا نے ان کا حکم دیا ہے اور انہیں مستحق افراد اور

مفاد عامہ پر وافر مقدار میں صرف کرنا۔

۱۲۔ لوگوں کو مسلسل وعظ و نصیحت کرتے رہنا، ان کو نعمات جنت کی خوشخبری دینا اور صعوبات جہنم سے خوف دلانا۔

۱۳۔ اچھے اور برے لوگوں میں تمیز کرنا ــــ یعنی امام وحاکم کے ساتھ حسن اطاعت کرنے والے کا احترام اور اکرام کرنا اور شر و برائی کرنے والے کی مذمت کرنا اور اسے سزا دینا۔

۱۴۔ حق کو ترک کئے بغیر رعیت سے رفق ونرمی اور عفوو درگزر کو عمل میں لانا، گویا امام وحاکم کا اپنی قوم کے لئے بہ منزلہ مہربان باپ کے ہونا

۱۵۔ دیگر اقوام ومذاہب سے صلح و آشتی، حسن ونیکی اور قسط وعدل کے مطابق اچھے تعلقات قائم کرنا، ان کے نفوس، عقائد، اموال اور مواریث میں متقابل حقوق کی حفاظت کرنا ــــ جبکہ انہوں نے مسلمانوں سے جنگ نہ کی اور انہیں گھروں نہ نکالا ہو۔ کسی بھی صورت میں ان غیروں کو اپنا رازداں نہ بنانا اور انہیں مسلمانوں پر مسلط نہ ہونے دینا۔

ہاں تو یہ تھے وہ پندرہ عنوانات جو حاکم اسلامی پر اصلاً واجب ہیں، یہ ہم نے ان آیات وروایات سے اخذ کئے ہیں۔ لیکن اس میں ہم نے کچھ زیادہ جستجو نہیں کی اور محض نمونے کے طور پر یہ عنوانات پیش کر رہے ہیں۔

ان تمام عناوین کے جامع وہ امور ہیں جو مسلم معاشرے سے طبقاتی نہیں، مجموعی طور پر تعلق رکھتے ہیں ــــ مثلاً ان کے نظام حکومت کی حفاظت کرنا، ان کے شہروں اور شاہراہوں کو پر امن رکھنا، سامان جنگ تیار رکھنا اور ان کے دشمنوں کو دفع کرنا، انہیں تعلیم دینا اور ہدایت و نصیحت کرنا، سنت کو قائم کرنا اور بدعت کو مٹانا، خدا کے عائد کردہ فرائض اور شرائع کو ان میں قائم ورائج کرنا، خدا کے حدود واحکام ان پر نافذ کرنا، ان کے تنازعات ومقدمات کا فیصلہ کرنا، امر بہ معروف اور نہی از منکر کرنا، مال فئی وصدقات وصول کرنا، انفال واموال عامہ کی حفاظت کرنا اور انہیں حقداروں تک پہنچانا اور دیگر اقوام ومذاہب سے احکام اسلام کے مطابق تعلقات استوار کرنا یہ وہ امور ہیں جو معاشرے کے ساتھ کلی صورت میں تعلق رکھتے ہیں اور یہ جزئی نہیں ہیں۔ نیز کتاب وسنت میں ان سے متعلق جو احکام دئے گئے ہیں، ان میں بھی معاشرے ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور کسی خاص طبقے یا شخص کو مورد خطاب قرار نہیں دیا گیا۔

اس بناء پر حاکم اسلامی جو خدا کی طرف سے مقرر ہو یا لوگوں نے منتخب کیا ہو، وہ ایسا ہونا چاہئے کہ ان فرائض کو ادا کرتا ہو، شاید امیر المومنینؑ کا وہ ارشاد ان تمام امور کا جامع ہے جو ہم نے بیان کیے ہیں، جس میں آپ نے فرمایا: مگر یہ کہ میں کسی حق کو قائم کروں اور کسی باطل کو نابود کروں۔ "

اگر چاہیں تو آپ اسے " دین کی حفاظت اور دنیا کی نظامت " بھی کہہ سکتے ہیں۔ غور کریں۔

باقی رہا حکومت کے تین شعبوں کی تنظیم کرنا، ان میں کارگزاروں کے اوصاف کی رعایت اور ان کے کام کی نگرانی یا ان کے حالات میں جزرسی تو یہ حکومت کے اصل مقاصد اور اس کے فرائض میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ حکومت کے مقدمات اور اس کے مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ پائے او. ستون ہیں جن پر حکومت قائم رہتی ہے، یہ

اس کے اہداف ومقاصد نہیں ہیں۔ آئندہ فصلوں میں ایسے تمام امور پر بحث کی جائے گی، یہاں اتنی ہی گفتگو کافی ہے۔

اندریں صورت کہ حکومت اسلامی کے مقاصد یہ ہیں اور ان کا ذمہ دار امام معصوم یا فقیہ عادل ہے جو آٹھ شرائط کا حامل ہو کہ جو بیان ہو چکی ہیں، تو پھر وہ کونسی چیز ہے جو اس سے فرار اور دوری کا سبب ہے؟ جو شخص ان امور کے اہتمام کا مخالف ہو تو کیا وہ سامراجی ایجنٹ یا ان لوگوں میں سے نہیں کہ جو ظلم، فساد اور بدکاری کے خلاف اقدام کرنے اور خدا کے حدود واحکام پر عمل کرنے سے گلو خلاصی کرانا چاہتے ہیں؟ اسے یاد رکھیں۔

حاکم اسلامی کے فرائض وواجبات پر مشتمل جو آیات وروایات ہم نے بیان کی ہیں. ان سے دو امور ظاہر ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

حاکم اسلامی کے فرائض میں دو امور

امر اول:

امام وحاکم —— دینی وسیاسی ہر دو معاملات میں مرجع وقائد ہوتا ہے اور دین وسیاست میں کوئی دوری اور دوئی نہیں ہے، جیسا کہ بعض سامراجی گماشتوں کی زبان سے سننے میں آتا ہے۔ انہوں نے دین وسیاست کی جدائی کے نظریئے کی بناء پر چرچ کے دائرہ کار کو محدود کر دیا ہے اور اس کے لئے حضرت عیسیٰؑ کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں: قیصر کا حق قیصر کو اور خدا کا حق خدا کو دے دو۔" (۵۴)

تاہم دین حق کا دامن اس نئی سیاست گری سے پاک ہے کہ جس کی بنیاد مکروفریب دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور کذب وافتراء پر قائم ہے۔ اب رہی وہ سیاست کہ جس کا معنی مسلمانوں کے نظام اور ان کے حقوق کی حفاظت اور ان کی امارت وقیادت کرنا ہے۔ پس وہ خدا کے نازل کردہ احکام کی روشنی میں ان کے عمومی حالات کی اصلاح کرنا اور مختلف شعبوں اور جہتوں میں ان کا دفاع کرنا ہے۔ یہ سب چیزیں اسلام کے تاروپود میں شامل اور اس کے مقررہ نظام حکومت میں داخل ہیں، جیسا کہ اس کتاب (کی جلد اول) کے تیسرے باب میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ دین وسیاست کے آپس میں جدا ہونے کی بات بعض علم سے کورے اور تقلید ناروا کے مارے ہوئے مسلمان بھی کیا کرتے ہیں کہ جو نہ دین کو سمجھتے ہیں اور نہ سیاست کو جانتے ہیں۔

بہرحال روایات میں جس طرح دینی وسیاسی امور کا ذکر آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا امام وحاکم ان کی ثقافت، سیاست اور دفاع میں ان کا مرجع ومرکز ہے، جیسا کہ اپنے زمانے میں نبی اکرمؐ سبھی معاملات میں مرکز امت تھے۔ البتہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام بذات خود ان تمام معاملوں کو انجام دینے کا ذمہ دار ہو گا، اس لئے کہ مملکت کی وسعت کے ساتھ فرائض کا دائرہ بڑھتا جائے گا اور حکومتی ادارے —— مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کی تشکیل اور ان کے ماتحت محکموں کی تقسیم ہو گی اور ہر معاملہ اس کے متعلقہ شعبے میں جائے گا۔ اس طرح نظام حکومت میں امام تمام حکومتی اہلکاروں کا نگران اور بالآخر ہر معاملے کا جوابدہ اور ذمہ دار ہو گا، اس کا بیان آئندہ فصلوں میں تفصیل سے آئے گا۔

امر دوم

حاکم اسلامی ان اجتماعی عمومی امور کا ذمہ دار اور ان میں دخیل ہوتا ہے جو معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں، وہ کسی خاص شخص سے ربط نہیں رکھتا کہ اس کے لئے کام کرے۔ جہاں تک غیر عمومی اور شخصی امور کا تعلق ہے مثلاً زراعت، صنعت، تجارت، خوراک، مکان، لباس، نکاح، سفر اور تقریب وغیرہ کہ جو افراد اور خاندان سے متعلقہ امور ہیں، لوگ ان میں اور ان کی طرز وقسم میں انتخاب کرنے کی آزادی رکھتے ہیں اور اس بارے میں ہر شخص کو حق ہے کہ اپنے لئے جس چیز کو پسند کرے وہ اختیار کرلے ــــ بشرطیکہ شرعی طور پر اس کی ممانعت نہ ہو۔

پس افراد اور معاشروں کی بھلائی کے لئے انسانوں کو ان کے کاروبار اور ذاتی معاملوں میں آزاد چھوڑ دینا ضروری ہے۔ اس ضمن میں حکومت ان کی معاونت اور خبر گیری کرنے پر متوجہ رہے، تاکہ وہ اطمینان سے کام کریں کہ جس سے پیداوار میں اضافہ ہو اور نت نئی ایجادات عالم ظہور میں آئیں۔ کیونکہ انسان پر بے جا پابندیاں عائد ہونے سے اس کی خود اعتمادی کو ٹھیس لگتی ہے اور اس کی صلاحیتیں اجاگر نہیں ہو پاتیں، ہاں اگر کسی چیز یا کام کے متعلق یقین ہو کہ یہ معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے تو حاکم کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس پر پابندی لگا دے، تاکہ لوگ اس کے ذریعے پہنچنے والے ضرر سے محفوظ ہو جائیں۔

خلاصہ یہ کہ ان ذاتی وشخصی معاملات میں حکومت کی روش تحدید وپابندی کی بجائے لوگوں کو رائے وعمل کی آزادی دینے کی طرف مائل ہونی چاہئے۔ البتہ حکومت سے توقع کی جاتی ہے اور بعض اوقات یہ اس پر لازم ہے کہ وہ ان امور کے لئے اجتماعی اور کلی طور پر منصوبہ بندی کرے اور لوگوں کو نسبتاً مفید اور بہتر صنعتوں اور کاموں کے بارے میں ضروری معلومات اور سہولتیں فراہم کرے۔ نیز یہ کہ پسندیدہ پیشوں اور کاموں میں لوگوں کو مالی معاونت کے علاوہ سماجی تحفظ بھی دے اور انہیں ایسے طریقوں مثلاً سود خوری، ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی، کم اوزانی اور آمیزش کاری وغیرہ سے باز رکھے کہ جو شریعت اسلامی کے خلاف ہیں۔ تاہم بلاضرورت انہیں کسی خاص کام پر مجبور کرنا اور ان کی آزادی سلب کرنا امت کے مزاج وطبیعت سے ناموافق اور منشائے شریعت سے دور تر ہے۔

لیکن آپ مشاہدہ کررہے ہیں کہ ہمارے زمانے کی اکثر حکومتیں کئی ایک مواقع پر لوگوں کے ان ذاتی وشخصی امور میں دخل اندازی کرکے ان میں تنگی اور پابندی کے اسباب پیدا کرتی ہیں۔ اس طرح وہ اس آزادی واختیار کو زنجیروں میں جکڑنے میں کوشاں ہوتی ہیں جو خداوند کریم نے نوع بشر کی طبیعت اور فطرت میں ودیعت فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس ناروا محدودیت کے بہت برے اثرات ظاہر ہوتے ہیں:

۱۔ قوم ایسی حکومت کو ناپسند کرتی ہے اور اس کے خلاف غم وغصہ سے بھری رہتی ہے۔

۲۔ قانون کا احترام ختم ہو جاتا ہے، جرائم میں اضافہ ہوتا ہے اور بہت سی محترم چیزوں کی بے حرمتی ہونے لگتی ہے۔

۳۔ حکومت اس کے لئے مجبور ہو جاتی ہے کہ لوگوں کی نگرانی و پابندی پر عملدرآمد اور دباؤ برقرار رکھنے کے لئے ملازموں اور کارندوں کی تعداد بڑھائے۔

۴۔ جب ملازموں کی تعداد بڑھتی ہے تو حکومت کو ان کی تنخواہوں اور ان کے دفاتر وغیرہ کے اضافی اخراجات کے لئے قوم پر کمر توڑ ٹیکس لگانے پڑتے ہیں۔

پس لوگوں کے معاملات میں حکومت کی یہ بے جا مداخلت، حکومت اور عوام کے درمیان نفرت اور کشمکش پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ زرعی اور صنعتی پیداوار میں خاصی کمی آنے کا سبب بنتی ہے، کیونکہ کسی کام سے انسان کی نفسیاتی وابستگی اور فطری آزادی کا احساس ہی اسے کام میں محنت و مشقت پر آمادہ کرنے کا سبب ہوتے ہیں جو حکومت کی اس دخالت کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان ملکوں کی حکومتیں اپنے عوام کے معاملوں میں ایسی دخل اندازیاں کرتی اور اس طرح کی پابندیاں لگاتی ہیں۔ بعض اوقات استعماری شیاطین ان ملکوں میں موجود اپنے گماشتوں کو اس عمل پر آمادہ کرتے یا بے خبر اور نادان اہلکار دوسروں کی دیکھا دیکھی ایسے احکام جاری کر دیتے ہیں۔ حالانکہ آپ دیکھتے ہیں کہ خود ان کافر و مشرک حکام نے اپنی اپنی قوموں کو یہ آزادیاں دے رکھی ہیں اور وہ اپنے لوگوں کے جذبات واحساسات کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔ لیکن مسلمان معاشروں اور حکومتوں کے ضمن میں ان کے پیمانے یکسر بدل جاتے ہیں اور وہ ان علاقوں میں لوگوں پر ناروا پابندیاں لگوا دیتے ہیں، تاکہ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں حکومت اور عوام میں باہمی اعتماد کی فضا پیدا نہ ہو اور ان میں امن واستحکام قائم نہ ہو پائے۔ پس اے اہل فکر و نظر! ان استعماریوں کی اس دورنگی سے عبرت پکڑیں اور ان کے اس گھناؤنے کردار کو ہرگز فراموش نہ کریں۔

پھر ان پابندیوں اور حدبندیوں سے بھی زیادہ برا عمل حکومت کا زراعت، تجارت اور صنعت کو اپنے ہاتھ میں لے لینا ہے۔ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اس سلسلے میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے کہ حاکم و بادشاہ کا تجارت کرنا نہ صرف رعیت کے لئے نقصان رساں ہے، بلکہ سرکاری محصولات اور ٹیکسوں پر بھی اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔

ابن خلدون کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے: بادشاہ (حکومت) کا زراعت و تجارت کے درپے ہونا ایک بہت بڑی غلطی ہے اور عوام کے لئے کئی لحاظ سے ضرر رساں ہے:

اولاً۔ حکومت کے پاس اموال اور وسائل زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ منڈیوں اور بازاروں کو اپنے ڈھب پر رکھے گی اور عام تاجروں کو ان کے کاروبار سے معقول منافع حاصل نہیں ہو گا جس سے ان کے دلوں میں غم وغصہ بھر جائے گا۔

ثانیاً۔ کاشتکار اور کسان لوگ بھی اپنی محنت و کاوش کے ثمرات پر حق تصرف حاصل نہ ہونے کے باعث بے چارگی کا احساس کرتے ہوئے دل سرد ہو جائیں گے۔

پس جب تاجر اور کسان اپنے اپنے کام میں دلچسپی لینا چھوڑ دیں گے تو پیداوار میں کمی اور بازار میں مندا ہو جانے سے خراج ومالیانہ اور محصولات وواجبات کلی یا جزوی طور پر موقوف ہو جائیں گے۔ اندریں صورت اگر حکومت زراعت و تجارت پر قابض ہو کر ملنے والے منافع اور محصولات سے ہونے والی یافت کا موازنہ کرے تو وہ اپنے کمائے ہوئے منافع کو محصولات کی آمدنی سے کہیں کمتر پائے گی۔

علاوہ ازیں حکومت کی اس روش سے آباد کاروں کو بھی نقصان پہنچتا ہے جو حکومت میں خلل وخرابی کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ عوام جب زراعت اور تجارت کے ذریعے اپنے اثاثوں میں اضافہ کرنے کی راہ نہ پاکر بددلی سے کام چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کی پونجی نان ونفقہ میں چلی جائے گی اور وہ بے مال ومنال اور تباہ وبرباد ہوجائیں گے۔۔۔غور کریں۔ (۵۵)

یہاں ہم ایسی دو مثالیں پیش کررہے ہیں کہ جب نبی اکرمؐ نے والی وحاکم کی حیثیت میں ان معاملوں میں بقدر ضرورت دخالت فرمائی تھی۔

پہلی مثال۔ صاحب وسائل نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے نبی اکرمؐ سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے فرمایا: ایک موقع پر نبی اکرمؐ ذخیرہ اندوز تاجروں کی طرف سے گزرے تو آپ نے حکم دیا کہ ان ذخیروں کو بیچ بازار لایا جائے کہ جہاں ہر شخص انہیں دیکھ سکتا ہو۔ آپ سے عرض کیا گیا۔ "یارسول اللہؐ! کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ ان کا نرخ بھی مقرر فرمادیتے"۔ اس پر آپ ناراض ہوئے، یہاں تک کہ اس کے آثار آپ کے چہرے پر نمایاں ہوگئے۔ تب فرمایا! "ان کا نرخ میں مقرر کروں؟ حالانکہ یہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے کہ جب چاہے اسے اونچا کردے اور جب چاہے نیچے لے آئے"۔ (۵۶)

نیز حذیفہ نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: نبی اکرمؐ کے زمانے میں ایک بار طعام (گندم) کا قحط پڑ گیا تو مسلمان آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: "یارسول اللہؐ! طعام (گندم) کا قحط ہے اور یہ کہیں سے نہیں ملتا۔۔۔مگر فلاں شخص کے پاس ہے اور آپ اسے اس کے بیچنے کا حکم دیں"۔ پس آنحضرتؐ نے خدا کی حمد وثناء کی اور بعد میں فرمایا: "اے فلاں! مسلمانوں نے بتایا ہے کہ طعام (گندم) نایاب ہوگیا ہے، لیکن اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے، پس تم اسے روکے نہ رکھو۔۔۔بازار میں لاؤ اور پھر جیسے چاہو بیچو"۔ (۵۷)

ہاں تو دیکھیئے کہ نبی اکرمؐ نے وقتی ضرورت کے مطابق محض ذخیرہ کی ہوئی چیز کی فروخت لازم قرار دی اور اس کا نرخ مقرر نہیں فرمایا۔ کیونکہ نرخ کے تعین کی ضرورت نہ تھی اور آپ نے اسے طلب ورسد کے تحت آزاد چھوڑ دیا۔ اس کتاب میں ہم نے ذخیرہ اندوزی اور تعیین نرخ کے بارے میں ایک خاص فصل ترتیب دی ہے جو آئندہ صفحات میں آئے گی۔۔۔انتظار کریں۔

دوسری مثال

مشائخ ثلاثہ (کلینیؒ، طوسی اور صدوق) نے معتبر سند کے ساتھ زرارہ کے واسطے سے ابو جعفر (باقر)ؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک انصاری کے باغ میں سمرہ بن جندب کا بھی ایک ثمردار درخت خرما تھا۔ انصاری کا گھر اس باغ کے دروازے پر واقع تھا اور سمرہ اس سے اذن واجازت لئے بغیر وہاں سے گزرتا ہوا اپنے درخت کی طرف جاتا تھا۔ ایک دن

انصاری نے سمرہ سے کہا کہ جب وہ آئے تو اجازت لے کر یہاں سے گزرا کرے، مگر سمرہ نے اس بات کو تسلیم نہ کیا۔ تب وہ انصاری نبی اکرمؐ کی خدمت میں آیا اور شکایت کرتے ہوئے سارا واقعہ آپ سے بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے سمرہ کو بلوا کر اسے انصاری کے اعتراض اور شکایت سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ جب تم باغ کے اندر جانا چاہو تو اجازت لیا کرو، لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر آپ نے اس درخت کا بھاؤ تاؤ کیا اور بڑھتے بڑھتے اس کی قیمت وہاں تک پہنچی کہ جہاں تک خدا کا چاہنا ہوا، تاہم سمرہ درخت بیچنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اگر یہ درخت چھوڑ دو تو تمہارے لئے جنت میں اس سے بڑا درخت ہو گا (جس کے خوشے لٹک رہے ہوں گے۔ یب) ۔ پھر جب سمرہ نے ایسا کرنے سے بھی انکار کر دیا تو آنحضرتؐ نے اس انصاری سے فرمایا کہ جاؤ اور وہ درخت جڑوں سمیت اکھاڑ کر اس کے آگے پھینک دو، کیونکہ ضرر پہنچانا اور ضرر سہنا درست نہیں ہے۔ (۵۸)

زرارہ کے واسطے سے آنجنابؑ سے ہی ایک اور روایت میں ہے: نبی اکرمؐ نے سمرہ بن جندب سے فرمایا: "یہ درخت چھوڑ دے ـــــ اس کی بجائے فلاں جگہ تیرے لئے کھجور کا ایک درخت ہے۔" اس نے کہا: "میں وہ نہیں لیتا۔" آپ نے فرمایا: "تیرے لئے دو درخت ہیں۔" اس نے جواب دیا: "میں نہیں چاہتا۔" پھر آپ مسلسل اضافہ کرتے گئے اور دس درختوں تک پہنچے، لیکن وہ اپنے انکار پر قائم رہا اب آپ نے فرمایا کہ فلاں جگہ تیرے لئے کھجور کے مزید دس درخت ہیں تو بھی وہ نہ مانا۔ اس کے بعد آپ نے کہا کہ یہ درخت چھوڑ دے ـــــ تیرے لئے جنت میں کھجور کا لدا پھندا درخت ہو گا۔ جب وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تو ضرر پہنچانے والا شخص ہے اور مومن نہ ضرر پہنچاتا ہے، نہ ضرر سہتا ہے۔ (۵۹)

ظاہر ہے کہ ضرر سے مراد مال یا جان کا نقصان ہے اور ضرار اس سے عام اور ہر تنگی و سختی کو شامل ہے یا ضرر ایک شخص کا فعل ہے اور ضرار سے مراد دو افراد کا ایک دوسرے کو ضرر پہنچانا ہے ـــــ جیسا کہ نہایہ میں آیا ہے۔ (۶۰)

اس کے علاوہ بھی ضرر و ضرار کے کچھ مفاہیم بیان ہوئے ہیں۔

بہر حال نبی اکرمؐ نے ابتداءً کھجور کے اس درخت کو اکھاڑ پھینکنے کا حکم نہیں دیا اور سمرہ کو اس انصاری سے اذن و اجازت لے کر باغ میں جانے کی ہدایت فرمائی ہے۔ پھر اس سے وہ درخت خریدنے کی کوشش فرمائی یہاں تک کہ اس کی قیمت کے طور پر دس درخت دینے کی پیشکش بھی کی ہے ـــــ جب اس نے اتنی بڑی قیمت لینے سے نیز جنت میں اس کے بدلے کھجور کے بابرکت درخت پر قانع ہونے سے بھی انکار کیا تو اس کی ضدیت اور عدم مصالحت کے باعث آپ اس درخت کو اکھاڑنے کا حکم دینے پر مجبور ہو گئے، تاکہ فساد کی جڑ کاٹ دی جائے اور فسادی کی امید کو قطع کر دیا جائے۔

اگر آپ کہیں کہ نبی اکرمؐ نے سمرہ کو جبراً و قہراً وہ درخت بیچنے کا حکم کیوں نہیں دیا کہ حاکم ایک بے حکم اور انکاری پر مختار ہوتا ہے۔ پس میں کہوں گا کہ اس انصاری اور نبی اکرمؐ کے ساتھ سمرہ کا طرز عمل بتاتا ہے کہ وہ رفع اختلاف کے لئے بے چون و چرا درخت کے بیچنے پر تیار نہ تھا۔ خواہ نبی اکرمؐ اسے یہ حکم دیتے اور قیمت بھی ادا کرتے ـــــ غور کریں۔

مسند احمد بن حنبل میں اس کی اپنی سند کے ساتھ عبادہ بن صامت کی ایک طویل روایت بیان ہوئی ہے جو بہت سے معاملات کے فیصلوں پر مشتمل ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ ضرر پہنچانا اور ضرر سہنا اسلام میں روا نہیں ہے۔ (۶۱)

آیا آنحضرتؐ کے قول "لاضرر" سے مراد نفی ضرر کا بیان ہے کہ ضرر رکھنے والا حکم اٹھ جاتا ہے یا نہی الٰہی ہے کہ جیسے دیگر نواہی ہیں یا نبی اکرمؐ کی طرف سے نہی ولائی (حاکمانہ ممانعت) ہے، جیسا کہ آپ سے قضاوت کے طور پر صادر شدہ فیصلوں سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ لہٰذا یہ نہی بھی ان نواہی کی طرح ہوگی جو حاکمانہ اختیار کے تحت صادر ہوئے ہیں، اس بارے میں بحث کے کئی پہلو ہیں جو کسی دوسرے مقام پر آئیں گے۔ بہرحال جو احکام بطور حاکم اضطراری صورت میں صادر کئے جائیں ــــ وہ ضرورت کی حد تک نافذ ہوتے ہیں۔

باب۔ ۶ فصل ۱

حواشی

(۱ـ۲) سورۂ انعام۔ آیت ۵۷ و ۶۲ (۳) ابن اثیر، تاریخ کامل ۲/ ۲۵۲ (۴) سورۂ نساء۔ آیت ۱۰۵ (۵) سورۂ مائدہ آیت ۴۸ (۶) سورۂ مائدہ آیت ۴۹ (۷) سورۂ مائدہ۔ آیت ۵۰ (۸) سورۂ ص۔ آیت ۲۶ (۹) مسند احمد ۲/۱۱۱، صحیح بخاری ۱/ ۱۴۰ کتاب الجمعہ صحیح مسلم ۳/ ۱۴۵۹ کتاب الامارہ باب ۵ حدیث ۱۸۲۹ (۱۰) ماوردی، احکام السلطانیہ/ ۱۵ (۱۱) ابویعلیٰ، احکام السلطانیہ/ ۲۷ (۱۲) سورۂ اعراف۔ آیت ۱۵۷ (۱۳) مسند احمد ۵/۲۶۶ (۱۴) سورۂ حج۔ آیت ۴۰ـ۴۱ (۱۵) سورۂ محمدؐ۔ آیت ۲۲ (۱۶) سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۰۵ـ۲۰۶ (۱۷) سورۂ رعد۔ آیت ۱۱ (۱۸) تحف العقول/ ۲۵ (۱۹) کنزالعمال ۱۰/ ۵۹۴، ۵۹۵ باب غزواتہ و بعوثہ...... من کتاب الغزوات والوفود من قسم الافعال، الحدیث ۳۰۲۹۱. ۳۰۲۹۲ (۲۰) صحیح البخاری ۳/ ۳۷ کتاب المغازی بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن قبل حجۃ الوداع (۲۱) سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۲۳۷ (۲۲) سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۲۴۱. تاریخ الطبری ۴/ ۱۷۲۷ـ۱۷۲۹ (۲۳) التراتیب الاداریہ ۱/ ۱۶۸ (۲۴) نہج البلاغہ فیض/ ۴۰۶۔ عبدہ ۲/ ۱۹ـ لح/ ۱۸۹ـ الخطبہ ۱۳۱ (۲۵) تحف العقول/ ۲۳۹ (۲۶) نہج البلاغہ فیض/ ۱۱۱ عبدہ ۱/ ۷۶۔ لح/ ۷۶۔ الخطبہ ۳۳ (۲۷) نہج البلاغہ فیض/ ۵۲ـ عبدہ ۱/ ۳۱۔ لح/ ۵۰۔ الخطبہ ۳ (۲۸) سورۂ ابراہیمؑ۔ آیت ۳۴ (۲۹) نہج البلاغہ فیض/ ۱۲۴۲۔ عبدہ ۳/ ۲۳۱۔ لح/ ۵۳۳ حکمت ۳۲۸ (۳۰) نہج البلاغہ فیض/ ۱۲۵. عبدہ ۱/ ۸۷. لح/ ۸۲ خطبہ ۴۰ (۳۱) نہج البلاغہ فیض/ ۱۶۶. عبدہ/ ۴۲. لح/ ۵۷. خطبہ ۱۵ (۳۲) نہج البلاغہ فیض/ ۳۱۱. عبدہ ۱/ ۲۰۲. لح/ ۱۵۲. خطبہ ۱۰۵ (۳۳) نہج البلاغہ فیض/ ۵۲۶. عبدہ ۲/ ۸۵. لح/ ۲۳۴. خطبہ ۱۶۴ (۳۴) نہج البلاغہ فیض/ ۱۱۴. عبدہ ۱/ ۸۰. لح/ ۷۹. خطبہ ۳۴ (۳۵) الغرر و الدرر ۴/ ۳۱۸. حدیث ۶۱۹۹ (۳۶) کتاب سلیم بن قیس/ ۱۸۲. بحار الانوار ۸/ ۵۵۵۔ طبع قدیم (۳۷) المحکم و المتشابہ/ ۵۰. بحار الانوار ۹۰/ ۴۱ (طبع ایران ۹۳/ ۴۱). کتاب القرآن لیکن اس میں "تمام امر البقاء" کی بجائے "امر البقاء" ہے۔ (۳۸) الکافی ۱/ ۱۰. کتاب الحجۃ. باب نادر جامع فی فضل الامام و رواہ فی تحف العقول/ ۴۳۸ (۳۹) عیون اخبار الرضا ۲/ ۱۰۰ (نسخہ خطی اصلاح شدہ) باب ۳۴. حدیث ۱. علل الشرائع ۱/ ۹۵ (طبع دوم

۱/۲۵۳) باب ۱۸۲. حدیث ۹ (۴۰) الکافی ۱/۴۰۷. کتاب الحجۃ: باب ما یجب من حق الامام علی الرعیت ...... حدیث ۸
(۴۱) الوسائل ۱۸/۷ باب ۳ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۳ (۴۲) کنزالعمال ۶/۴۷. باب ۱. من کتاب الامارۃ
والقضاء. فصل ۳ فی احکام الامارۃ. حدیث ۱۴۷۸۹ (۴۳) نہایہ. ابن اثیر ۱/۲۹۲ (۴۴) نہج البلاغہ فیض/ ۴۴۲. عبدہ
۲/۱۳۹. لح/ ۲۰۳. خطبہ ۱۴۶ (۴۵) ارشاد پیغمبرؐ از مسند احمد ۴/۲۷۰ (۴۶) سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۱۸ (۴۷) سورۂ
مائدہ۔ آیت ۵۱۔ ۵۲ (۴۸) سورۂ نساء آیت ۱۴۱ (۴۹) سورۂ ممتحنہ۔ آیت ۸۔ ۹ (۵۰) سورۂ انفال۔ آیت ۶۱ (۵۱)
الاموال ابی عبید/ ۲۵۸ (۵۲) فتوح البلدان بلاذری/ ۷۶. الاموال ابی عبید/ ۲۴۴ (۵۳) سیرت ابن ہشام ۲/۱۴۹
(۵۴) اناجیل۔ مرقس باب ۱۲ فقرہ ۱۷. متی باب ۲۲ فقرہ ۲۱. لوقا باب ۲۰ فقرہ ۲۵ (۵۵) مقدمہ ابن خلدون/ ۱۹۷.
فصل ۴۱ من فصل ۳. کتاب اول۔ طبع آخر/ ۲۸۱. فصل ۴۰ (۵۶) الوسائل ۱۲/ ۳۱۷. باب ۳۰ من ابواب آداب
التجارت. حدیث ۱ (۵۷) الوسائل ۱۲/۳۱۷. باب ۲۹ من ابواب آداب التجارت. حدیث ۱ (۵۸) الوسائل ۱۷/۳۴۱.
باب ۱۲ من ابواب احیاء الموات. حدیث ۳ (۵۹) الکافی ۵/ ۲۹۴. کتاب المعیشت. باب ضرار. حدیث ۸ (۶۰) نہایہ ابن
اثیر ۳/۸۱ (۶۱) مسند احمد ۵/۳۲۷

دوسری فصل

شوریٰ کے بیان میں

اس میں بحث و گفتگو کے چند ایک پہلو ہیں

۱۔ مشورہ لینے کے بارے میں اسلام کی تاکید

مخفی نہیں کہ حکومت اسلامی کی بناء باہم مشورہ کرنے۔ تجویزورائے پر غور و فکر اور آمرانہ طرز عمل سے پہلو بچاتے ہوئے بہتر سے بہتر رائے پر عمل کرنے پر قائم ہے۔

وہ زمانہ کہ جس میں لوگوں کو اپنا غلام بنانے اور آمریت کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر کرنے کا عام رواج تھا، اس وقت تنہا اسلام ہی ایک ایسا آئینی و قانونی نظام تھا کہ جس نے حکومت کی تشکیل اور امور معاشرہ کی تدبیر و تنظیم کے عمل میں رائے و مشورہ لینے دینے کو اہمیت دی اور اس کو عمومی طور پر فروغ دیا۔

پس آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں شوریٰ، کے نام سے ایک مستقل سورہ نازل کیا گیا ہے، اس میں اخلاقیات کے ضمن میں جن فرائض کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔۔۔ ان میں مشورہ و مشاورت کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والذين يجتنبون كبائر الاثم والفواحش، واذا ما غضبوا هم يغفرون - والذين استجابوا لربّهم، واقاموا الصلٰوة، وامرهم شورى بينهم، وممّا رزقنٰهم ينفقون - (۱)

"اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچے رہتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے سب کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔"

چنانچہ اسلام میں شوریٰ کو یہ منزلت حاصل ہوئی کہ نبی اکرم ؐ کی عصمت اور ان کے منبع وحی سے تعلق کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ آپ اپنے اصحاب سے مشورہ کریں (تاکہ ان کی دلجوئی ہو) اور آپ اس طریقے پر عمل پیرا رہے۔۔۔ اگرچہ عزم و ارادہ اور آخری فیصلہ خود آنحضرت ؐ ہی کا ہوتا تھا۔

اس سلسلے میں ارشاد الٰہی ہوا:

وشاورهم في الامر، فاذا عزمت فتوكل على الله، انّ الله يحب المتوكّلين - (۲)

"اور تمام امور میں ان سے مشورہ کیا کرو (مگر) جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا پر ہی بھروسہ کرو کہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

اگرچہ لفظ "امر" مفہوم کے لحاظ سے عام ہے اور تمام انفرادی واجتماعی امور و شئون ـــــ مثلاً سیاست، ثقافت، معاشیت اور دفاع وغیرہ میں مشورہ کرنا مفید ہے، لیکن اس سے جو عرفی اور یقینی مطلب ذہن میں ابھرتا ہے وہ حکومت وامارت ہے جس میں تمام ہی شعبہ ہائے زندگی شامل وداخل ہیں۔

اس کی شاہد نبی اکرمؐ کی یہ حدیث ہے: "وہ قوم کبھی فلاح اور کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جو اپنی حکومت کا فرض کسی عورت کے سپرد کرے۔" (۳)

ایک اور روایت میں حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے: "پس جب میں امر حکومت کے ساتھ اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی"۔ (۴)

معاویہ کے نام امام حسنؑ کے ایک مکتوب میں آیا ہے: "(امیر المومنینؑ) کے بعد مسلمانوں نے مجھے امر حکومت کا والی وحاکم تسلیم کرلیا ہے۔" (۵)

اس کے علاوہ احادیث میں لفظ "امر" بہت سے موارد ومواقع پر ان معنوں میں مذکور ہے۔ نیز قول خداوندی "وشاورہم فی الامر" جو جنگ احد کی حکایت کرنے والی آیات میں آیا ہے، وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ لفظ جنگ ودفاع کے امور سے مخصوص ہے اور نہ ہی نبی اکرمؐ کے مشورہ کرنے کو جنگ احد سے خاص کرتا ہے۔ اگرچہ جنگ خود حکومت کے امور ومعاملات میں سے ہے اور وہ آپس کے مشورہ کی زیادہ محتاج ہے۔

جس زمانے میں یہ قرآنی حکم آیا تھا، ہمیں اس دور کی حکومتوں کی تصویر اپنے ذہنوں میں منعکس کرکے ضرور حیران ہونا چاہئے کہ اس وقت عام لوگوں میں کوئی سیاسی سوجھ بوجھ نہ تھی جو انہیں حکومتی کاموں میں دخیل وشریک ہونے پر ابھار سکتی ہو۔ ان دنوں عوام کی اکثریت کے نزدیک بادشاہ اور حاکم ایک خاص عظمت اور مرتبت رکھتے تھے کہ جس کی بناء پر وہ ان کے آگے سر تسلیم خم کرنے اور بعض اوقات انہیں اپنا معبود بنالینے پر بھی تیار ہوجاتے تھے۔ دوسری طرف مسلمان بھی نبی اکرمؐ کے سامنے "سننے اور ماننے" پر عمل کرتے ہوئے سرنگوں رہتے اور یہ توقع نہ کرتے تھے کہ آپ انہیں امور حکومت میں شریک کریں گے۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ انہی حالات اور اسی ماحول میں خداوند عالم اپنے حبیب پاکؐ سے فرماتا ہے کہ وہ ان معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ کیا کریں اور اسی طرح مسلمان بھی اپنے ذاتی کاموں میں ایک دوسرے سے صلاح ومشورہ کریں ـــــ تاکہ "شوریٰ" اسلامی شریعت میں ایک ہمیشہ قائم رہنے والی بنیاد واساس بن جائے۔

اس حکم الٰہی میں یہ راز ہے کہ مشاورت کے دوران وہ ایک دوسرے کے افکار سے آگاہ ہوں، ایک شخص اپنے مخاطب کو قائل معقول کرے اور وہ آپس میں قربت کے مقام پر آجائیں نیز یہ کہ صلاح ومشورہ سے کسی نتیجے تک پہنچنے میں شک وشبہ اور خطاء وغلطی کا ازالہ ہو اور اس پر اطمینان قلب حاصل ہوجائے۔

پس اہم امور مثلاً امت کے معاملات کی تدبیر کرنے اور جنگ ودفاع وغیرہ کے مسائل میں مشاورت کو عمل میں لانے

کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے اور اسے ترک کرنا معاشرے اور امت پر ظلم ہے۔ البتہ قائد وحاکم کی تعیین اگر خدائے تعالیٰ کی طرف سے یا نبی اکرمؐ یا امام معصومؑ کی جانب سے ہو تو پھر اس کے لئے شوریٰ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم وفیصلہ ہر چیز پر حاوی اور غالب ہے، اس سے پہلے اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے___ اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس پر غور کریں۔

اب رہ گئیں وہ اخبار و روایات کہ جو شوریٰ کی اہمیت بتاتی اور اس کے قواعد اور طریق کار کی وضاحت کرتی ہیں، وہ فریقین کی طرف سے بڑی کثیر تعداد میں وارد ہوئی ہیں اور ہم یہاں ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں:

۱۔ حضرت امام علی رضاؑ کی سند سے نبی اکرمؐ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "جب تمہارے درمیان ایسا شخص آئے کہ جس کا ارادہ امت میں تفریق ڈالنے اور اس کے امر حکومت کو غصب کرنے کا ہو اور پھر وہ بلاشبہ والی وحاکم بن بیٹھے تو اس کو قتل کر دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت اور حکم دے رکھا ہے"۔ (۶)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت و ولایت کی ذمہ داری سنبھالنے یا اس سے متعلق کاموں کی انجام دہی میں مشاورت کی بڑی اہمیت ہے اور شاید دوسری شق بہت واضح ہے، لیکن روایت کے ظاہری مفہوم کے مطابق ایسے شخص کا جواز قتل صرف ترک شوریٰ کی بناء پر نہیں اور اس کا بڑا سبب امت میں تفرقہ ڈالنا اور حکومت کو غصب کرنا ہی قرار پاتا ہے۔

۲۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جب تم میں نیک اور صالح افراد تمہارے حاکم ہوں، تمہارے مالدار اور دولتمند لوگ سخاوت کرتے ہوں اور حکومتی ومعاشرتی امور باہمی مشاورت سے طے کئے جاتے ہوں تو پھر زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے شکم سے بہتر ہوگی"۔ (۷)

یہی روایت تحف العقول میں بھی نبی اکرمؐ سے وارد ہوئی ہے۔ (۸)

۳۔ "ایسا ناتجربہ کار آدمی جو اپنی رائے پر اتراتا ہے، وہ حکومت وریاست کی طمع اور خواہش نہ کرے" (۹)

۴۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرمؐ کو یہ کہتے سنا: عاقل سے سمجھ بوجھ کی باتیں سنو اور اس کے مخالف نہ چلو___ ورنہ ندامت سے دوچار ہوگے"۔ (۱۰)

۵۔ ابو عبداللہ امام صادقؑ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے جو وصیتیں امام علیؑ سے کیں___ ان میں فرمایا: "مشورہ دینے سے بڑھ کر کوئی حقیقی مدد واعانت نہیں اور انجام پر نظر کرنے سے بڑھ کر کوئی عقل کی بات نہیں ہے"۔ (۱۱)

۶۔ امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد گرامی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "عرض کیا گیا: یا رسول اللہؐ! احتیاط اور ہوشمندی کیا ہے؟ فرمایا: صاحبان عقل ورائے سے مشورہ لینا اور پھر اس پر عمل کرنا"۔ (۱۲)

۷۔ معمر بن خلاد سے روایت ہے کہ امام ابو الحسن رضاؑ کا ایک غلام (سعد) فوت ہو گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ بتاؤ جو صاحب فضل وامانت ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں نہ آپ کو مشورہ دوں؟ اس پر

آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا: "رسول اللہؐ اپنے اصحاب سے مشورہ لیتے اور پھر جو آپ کا ارادہ ہوتا اس پر قائم ہو جاتے تھے۔" (۱۳)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش آمدہ امور میں مشورہ کرنا نبی اکرمؐ کی روش و سیرت تھی اور آپ اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔

۸۔ امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: "مشورہ دینے سے بڑھ کر کوئی حقیقی مدد و اعانت نہیں ہے۔" (۱۴)

۹۔ امیر المومنینؑ ہی کا فرمان ہے: "جو خود رائی سے کام لے گا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا اور جو دوسروں سے مشورہ لے گا وہ ان کی عقل و خرد میں حصے دار بن جائے گا۔" (۱۵)

۱۰۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "جو شخص اپنی رائے پر اعتماد کر کے دوسروں سے بے نیاز ہو جاتا ہے وہ خود کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔" (۱۶)

۱۱۔ امیر المومنینؑ نے یہ بھی فرمایا: "جو مختلف آراء کو سنتا اور جانچتا ہے وہ خطاء و غلطی کے مواقع سے آگاہ ہو جاتا ہے۔" (۱۷)

۱۲۔ امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا: مجھ سے اس طرح کی باتیں نہ کیا کرو کہ جیسے جابر و سرکش فرمانرواؤں سے کی جاتی ہیں اور نہ مجھ سے اس طرح ملاقات کرو کہ جس سے خوشامد کا پہلو نکلتا ہو۔ میرے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ اگر میرے سامنے حق بات کہی جائے تو وہ مجھ پر گراں گزرے گی اور نہ ایسا خیال کرو کہ میں تم سے اپنی زیادہ تعریفیں کرانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ جو شخص اپنے سامنے حق اور عدل کے پیش کئے جانے کو بھی گراں محسوس کرتا ہو، اس کے لئے حق و انصاف پر عمل کرنا کہیں زیادہ دشوار ہو گا۔ تم خود کو حق بات کہنے اور عدل کے مطابق مشورہ دینے سے نہ روکو کہ میں اپنے کو اس سے بالاتر نہیں سمجھتا۔" (۱۸)

پس شیعان حیدر کرارؑ اس فرمان سے سبق حاصل کریں کہ وہ آپ کی پیروی کے دعویدار ہیں، وہ ان کلمات پر غور و فکر کریں جو باب علم نبیؐ، آپ کے وزیر اور بھائی سے صادر ہوئے ہیں لہٰذا وہ باہم مشاورت سے پہلو تہی نہ کریں اور حق بات کو گراں اور ناگوار نہ جانیں، چاہے کہنے والا رسمی اور اعتباری طور پر ان کے مقابلے میں کم درجے کا ہو۔

۱۳۔ حسن بن جہم سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ہم امام ابو الحسن رضاؑ کے پاس بیٹھے تھے، جب آپ کے والد گرامی کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:

"والد گرامی کی عقل و فکر اتنی بلند تھی کہ لوگوں کی عقلوں کا اس سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا (پھر بھی) آپ بعض اوقات اپنے حبشی غلاموں میں کسی ایک سے مشورہ کر لیتے تھے۔ آپ سے کہا گیا ___ کیا آپ اس طرح کے آدمی سے مشورہ کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں! کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو عقل کی بات کے لئے کھول دیتا ہے۔ اس کے بعد امام رضاؑ نے فرمایا کہ جب کسی باغ یا زمین کے بارے میں کوئی غلام آپ کو مشورہ دیتا تو آپ مان لیتے تھے"۔ (۱۹)

۱۴۔ امیرالمومنینؑ کی اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کے لئے وصیت میں ہے: "لوگوں کی آراء کا ایک دوسری سے موازنہ کرو ــــ پھر ان میں سے جو درستگی کے زیادہ قریب اور شک سے دور ہو، اسے اپنے لئے اختیار کر لو" اس کے ساتھ ہی فرمایا: "جو شخص اپنی رائے کو محکم اور مستقل سمجھنے لگا ــــ اس نے خود کو خطرے میں ڈال دیا، جو شخص دوسروں کی آراء پر توجہ دیتا ہے ــــ وہ خطاء و غلطی کے مواقع کو پہچان لے گا"۔ (۲۰)

۱۵۔ امیرالمومنینؑ سے مروی ہے: "لوگوں میں اس کی رائے سب سے بہتر ہے جو خود کو کسی مشورہ دینے والے کی رائے سے بے نیاز نہیں سمجھتا"۔ (۲۱)

۱۶۔ "مشاورت کرنے پر اس لئے تاکید کی گئی ہے کہ مشورہ دینے والے کی رائے خالص اور مشورہ لینے والے کی رائے اس کی خواہشات میں گھری ہوتی ہے"۔ (۲۲)

۱۷۔ "ایک عاقل کا فرض ہے کہ وہ اپنی رائے میں دوسرے عقلاء کی آراء سے اضافہ کرے اور دیگر اہل دانش کے علم سے اپنے علم میں وسعت پیدا کرے" (۲۳)

۱۸۔ جو شخص مشورہ کرنے کا پابند رہے گا وہ درستگی کے وقت تعریف کرنے والے اور غلطی کے موقع پر عذر لانے والے کو معدوم نہیں پائے گا۔ (۲۴)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جو باہم مشورہ کرنے کی اہمیت کو واضح و روشن کرتی ہیں اور اس بارے میں کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا:

"اپنی رائے کے ساتھ دوسرے کی رائے کو بھی شامل کرو اور اس سے مشورہ لو، کیونکہ حق دو افراد پر مخفی نہیں رہتا۔

آدمی کے پاس ایک آئینہ ہو تو وہ اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے، لیکن پشت سر کو دیکھنے کے لئے اپنے پیچھے کی طرف ایک اور آئینہ رکھنا پڑے گا۔"

ایک اور شاعر کہتا ہے:

"جس وقت تم پر کوئی مصیبت آن پڑے تو کسی اور سے مشورہ کرو، اگرچہ تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جن سے دوسرے مشورہ لیتے ہیں۔

پس آنکھ دور و نزدیک کی چیزیں تو دیکھ لیتی ہے، لیکن کسی کی آنکھ خود اس کے اپنے چہرے کو آئینے کے بغیر نہیں دیکھ سکتی۔" ــــ اس پر غور کریں!

ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ زیادہ تر قبائل کے سرداروں اور نمایاں اشخاص سے مشورہ کرتے تھے، اس طرح آپ ان کی ذاتی اہمیت اور ان پر اپنے اعتماد کا اظہار فرماتے تھے۔ دراصل آپ کا یہی عمل ان لوگوں کے عزم و ارادے میں پختگی کے علاوہ ان میں جوش عمل اور آنحضرتؐ کی متابعت و پیروی کرنے کے جذبے کو ابھارتا تھا۔

جہاں تک نبی اکرمؐ کے سوا غیر معصوم حکام کا تعلق ہے تو ان کے لئے دوسروں سے مشورہ لینا اور بھی لازم اور ضروری ہے کہ

سیاست، ثقافت، اقتصاد اور دفاع کے ماہرین ان کے مشیروں میں شامل ہوں۔ پس ملک وقوم کے معاملات کو منظم کرنے کے لئے پیش آمدہ مسائل ان لوگوں کے سامنے رکھے جائیں اور انہیں ان پر غور و فکر کی دعوت دی جائے، ان کی ماہرانہ رائے حاصل کی جائے اور ایسے کاموں کی انجام دہی کے لئے مناسب لائحہ عمل ترتیب دیا اور اسے بروئے کار لایا جائے۔

حاکم کو اپنے آپ پر اور اپنے افکار ونظریات پر اترانے سے بچنا چاہئے، بلکہ وہ مختلف آراء کو سنے، ان کے دلائل پر گہرا غور وفکر کرے اور پھر اس رائے کو اختیار کرے جو حکومت اور اس کے مختلف اداروں کے لئے سود مند ہو۔ نیز حاکم مشورہ لینے اور اس کے مطابق کوئی فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرے کہ بعض اوقات تیز گھوڑا منہ کے بل گرتا ہے اور قاطع تلوار کا وار خطاہو جاتا ہے ___ نیز یہ کہ بڑے آدمیوں کی غلطیوں اور اشتباہ سے بہت زیادہ ضرر اور نقصان پہنچتا ہے۔

چونکہ اصل میں ہر بات کا مکلّف وذمہ دار اور مسئول وجواب دہ حاکم ہی ہوتا ہے،، لہٰذا کسی مسئلے پر مشورہ کرنے اور مختلف نظریات کو دیکھنے سننے کے بعد خود اسی کو عملی فیصلہ کرنا پڑتا ہے، لیکن اس کے لئے کثرت رائے سے موافقت اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری نہیں ہے تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ شوریٰ بے فائدہ ہے، کیونکہ اس سے مشیروں کی ذاتی اہمیت برقرار ہونے کے علاوہ ان کے نظریات وخیالات سے کسی مسئلے کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں، یہاں تک کہ حاکم ان کے پیش کردہ نکات پر غور وتامل کرنے اور ان کا موازنہ کرنے کے بعد ان میں سے اصلح وبہتر رائے کو اختیار کرلیتا ہے۔

عبداللہ ابن عباس نے امیرالمومنینؑ کو کسی امر میں مشورہ دیا کہ جو آپ کی رائے کے مطابق نہ تھا، تب آپ نے ابن عباس سے فرمایا: "تم مجھے مشورہ دینے کا حق رکھتے ہو تاکہ میں اس پر غور کروں، پھر اگر میں تمہاری بات کو تسلیم نہ بھی کروں تو تمہیں میری اطاعت کرنی چاہئے۔" (۲۵)

خلاصہ یہ کہ امام یا حاکم مشورہ کے بعد ذمہ داری کے مطابق کسی امر میں عزم وارادہ کرتا ہے اور کثرت رائے کا اعتبار اور پابندی اس صورت میں ہے کہ جب امت یا اہل حل وعقد کی ذمہ داری ہو۔ مثلاً امام وحاکم کے انتخاب، نمائندوں کے چناؤ اور مجلس شوریٰ میں قانون سازی کے موارد میں کثرت رائے پر دارومدار ہوتا ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

لیکن امامت اور ولایت کا منصب کسی شخص واحد کی بجائے مجلس شوریٰ کے لئے قرار دینے کا معاملہ کہ جو بعض نام نہاد علماء کی زبانی سنا جاتا ہے اور میں مجلس خبرگان میں اس کے مقابلے میں دفاع کرتا رہا ہوں ___ تو ظاہر ہے کہ یہ نظریہ وخیال علمائے اعلام اور دانشمندوں اور ماہرین قانون کے طریقہ عمل کے خلاف ہے۔ شوریٰ کی ولایت وحکومت ملک وقوم کے معاملات اور خصوصاً وہ اہم موارد کہ جہاں تصمیم وتعمیل کے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے، ان سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

اس ذیل میں امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "ملک وحکومت کے اقتدار میں کثرت شرکاء سے معاملات میں اضطراب اور ابتری پیدا ہوتی ہے۔ (۲۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ محترم سے فرمایا: "اور ان سے مشورہ کرو، پس جب ایک عزم وارادہ کرلو تو پھر خدا پر بھروسہ

کرو۔" (۲۷)

ظاہر ہے کہ کسی امر میں آخری فیصلہ اور عزم وارادہ نبی اکرمؐ کے لئے قرار دیا گیا ہے۔۔۔غور کریں!

مشورہ دینے والے کے اوصاف

۱۔ معاویہ بن وہب نے امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اپنے امور میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جو خدا سے ڈرتے ہیں۔" (۲۸)

۲۔ حسین بن مختار نے امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ اپنی کسی بات میں ان لوگوں سے مشورہ کرو کہ جو خدا کا خوف رکھتے ہیں۔" (۲۹)

۳۔ سلیمان بن خالد سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ کہتے سنا: "عاقل اور پرہیز گار مردوں سے مشورہ کرو کہ وہ خیر اور بھلائی کے علاوہ تمہیں کسی چیز کا حکم نہیں دیں گے اور ان کی مخالفت نہ کرنا۔۔۔کیونکہ عاقل اور پرہیز گار کی مخالفت میں دین ودنیا کی خرابی ہے۔" (۳۰)

۴۔ منصور بن حازم نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے، آپ نے کہا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "عاقل اور مخلص آدمی کا مشورہ رشد وہدایت، یمن وبرکت اور خدا کی دی ہوئی توفیق ہے، پس جب ایک عاقل اور مخلص آدمی تمہیں مشورہ دے تو پھر اس کی مخالفت نہ کرو کہ اس میں ہلاکت وتباہی ہے۔" (۳۱)

۵۔ معلیٰ بن خنیس سے روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "تمہارے کسی فرد کے لئے اس میں کیا رکاوٹ ہے کہ جب کوئی ایسا کام آپڑے کہ جسے تم نہیں نبھاسکتے تو کسی ایسے مرد سے مشورہ کرو جو دین دار اور پرہیز گار ہو۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا: یاد رکھو کہ جس شخص نے ایسا کیا، خدا اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔۔۔بلکہ خدا اسے بلند کرے گا اور ان امور کی طرف لے جائے گا جو اس کی جناب میں پسندیدہ ہیں۔" (۳۲)

۶۔ حلبی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "مشورہ نہیں ہے مگر اپنے حدود وقیود کے ساتھ اور جو شخص مشورے کے حدود کو جان پہچان لے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے، ورنہ مشورہ لینے والے کے لئے اس کے فائدے کی نسبت نقصان زیادہ ہوگا۔۔۔وہ حدود یہ ہیں: جس سے مشورہ لیا جائے وہ عاقل ہو، متدین اور آزاد ہو، دوستی اور اخوت کا تعلق رکھتا ہو، تم اسے اپنے راز سے مطلع کرو تاکہ تمہارے بارے میں اس کا علم خود تمہاری طرح کا ہو۔ پس اگر وہ عاقل ہوا تو تم اس کے مشورے سے فائدہ پاؤگے متدین اور آزاد ہوا تو وہ نصیحت کرنے میں پوری کوشش کرے گا، دوستی اور اخوت رکھتا ہوگا تو تمہارے راز کو چھپائے گا جب تم اس کو اپنے راز پر مطلع کروگے تو وہ تمہاری ہی طرح اس

سے واقف ہو گا اور اس طرح مشورہ صحیح اور نصیحت مکمل ہوگی۔ (۳۳)

۷۔ ”جن سے تمہیں مشورہ کرنا ہو، ان میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے تجربات زیادہ ہوں اور سب سے بدتر وہ ہے جس میں عیب زیادہ ہوں۔“ (۳۴)

۸۔ ”مشورہ دینے والے کی جہالت مشورہ لینے والے کے لئے ہلاکت ہے۔“ (۳۵)

۹۔ ”تمہارا بہترین مشیر وہ ہے جو عالم، عاقل ہوشمند اور مستقل مزاج ہو۔“ (۳۶)

۱۰۔ حضرت امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کے لئے اپنے فرمان میں تحریر فرمایا: ”اپنے مشورے میں کسی بخیل کو شریک نہ کرنا کہ وہ تمہیں فقر و افلاس سے ڈرا کر دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے سے روکے گا، مہمات میں کسی بزدل سے مشورہ نہ لینا کہ وہ تمہاری ہمت پست کر دے گا، کسی لالچی سے مشورہ نہ کرنا کہ وہ ظلم سے مال ہتھیانے کو تمہاری نظروں میں اچھا بنادے گا۔۔۔ یاد رکھو کہ بخل، بزدلی اور لالچ اگرچہ الگ الگ خصلتیں ہیں، مگر اللہ تعالیٰ سے بدگمانی ان سب میں مشترک ہے۔“ (۳۷)

۱۱۔ حسن بن راشد نے کہا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”اے حسن! جب تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو اہل خلاف سے اس کی شکایت نہ کرنا۔۔۔ ہاں اپنے برادران ایمانی سے اس کا ذکر کرنا کہ اس طرح تم ان چار(۴) میں سے کسی ایک خصلت سے کبھی محروم نہ رہو گے۔۔۔ یعنی مالی اعانت، مفید سفارش، دعائے مقبول اور مفید مشورہ میں سے کوئی ایک چیز تمہیں ضرور ہی مل جائے گی۔“ (۳۸)

۱۲۔ عمار ساباطی نے کہا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”اے عمار! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں ساری نعمتیں نصیب ہوں، تمہاری مروت اور جوانمردی مکمل ہو اور تمہاری معیشت درست ہو تو غلاموں اور پست فطرت لوگوں سے مشورہ نہ کرو۔۔۔ کیونکہ تم انہیں امین بناؤ گے تو خیانت کریں گے، جب تم سے بات کریں گے تو جھوٹ بولیں گے، جب تم مصیبت میں پڑو گے تو تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تم سے کوئی وعدہ کریں گے تو اسے نہیں نبھائیں گے۔“ (۳۹)

۱۳۔ امیر المومنینؑ کو نبی اکرمؐ کی وصایا میں آیا ہے: ”یا علیؑ! عورتوں پر جمعہ و جماعت (کی نماز) میں شرکت واجب نہیں ہے.................اور نہ ان سے مشورہ لیا جاتا ہے۔“ (۴۰)

۱۴۔ اپنے فرزند امام حسنؑ کے نام امیر المومنینؑ کے خط میں ہے: ”عورتوں سے ہرگز مشورہ نہ لو کہ ان کی رائے کمزور اور ارادہ سست ہوتا ہے۔“ (۴۱)

مشورہ لینے اور دینے والے کا ایک دوسرے پر حق

۱۔ امام علیؑ بن الحسینؑ سے رسالۃ الحقوق میں مروی ہے: ”جو تجھ سے مشورہ لے اس کا حق یہ ہے کہ اگر

تم کوئی مدلل رائے رکھتے ہو تو اپنے علم کے مطابق پوری کوشش اور خیر خواہی سے اس کو ایسا مشورہ دو کہ اگر اس کی جگہ تم ہوتے تو اسی پر عمل کرتے۔ تمہاری طرف سے یہ مشورہ محبت اور نرمی سے ہو، کیونکہ نرمی وحشت کو انس میں اور سختی انس کو وحشت میں بدل دیتی ہے۔ اگر تمہارے ذہن میں کوئی رائے اور تجویز نہیں ہے تو پھر کسی ایسے شخص کی طرف اس کی رہبری کرو کہ جسے تم جانتے ہو اور تمہیں اس کی رائے پر اعتماد ہے۔ (ایسا کرنے میں) تم نے اس کے لئے خیر اور بھلائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور نصیحت میں کمی نہیں کی ہے ــــ اور کوئی قوت اور پناہ نہیں مگر وہ جو اللہ تعالیٰ سے (ملتی) ہے۔

اب رہا تمہیں مشورہ دینے والے کا حق تو جس وقت وہ تمہیں مشورہ دے، اس کی جو بات تمہاری رائے کے موافق نہ ہو اس پر اسے الزام نہ دینا، کیونکہ لوگوں کی آراء میں باہم اختلاف تو ہوتا ہی آیا ہے۔ اگر تم اسے متہم نہ کرو تو بھی تم اس کی رائے کے رد و قبول کا اختیار رکھتے ہو تم اس پر تہمت نہ دھرو کہ تم کسی دوسرے شخص سے مشورہ لے سکتے ہو۔ اگر تم اس رائے پر عمل نہ کرنا چاہو تو اس کے لئے اچھی سی توجیہہ بیان کر دینا اور اس کا شکریہ بھی ادا کرنا۔ جب اس کی رائے تیرے موافق ہو تو خدا کی حمد بجالانا اور اپنے بھائی کی رائے احسان مندی کے ساتھ قبول کر لینا۔ پھر اس انتظار میں رہنا کہ اگر کبھی وہ تمہارا سہارا لے تو اسے ایسا ہی بدلہ دو ــــ اور کوئی قوت اور پناہ نہیں مگر وہ جو اللہ تعالیٰ سے (ملتی) ہے۔ (۴۲)

۲۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جس سے مشورہ لیا جائے اسے امین سمجھا جاتا ہے۔" (۴۳)

ایسی ہی روایت ابو ہریرہ اور ابو مسعود سے سنن ابن ماجہ میں اور امیر المومنینؑ سے سفینۃ البحار میں بھی منقول ہے۔ (۴۴)

۳۔ امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے: "کوئی شخص اپنے برادر ایمانی سے مشورہ لے اور وہ اسے خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ رائے نہ دے تو اللہ عزوجل اس کی رائے سلب کر لیتا ہے۔ وسائل میں یہی روایت اس فرق کے ساتھ منقول ہے کہ "فلم یمحضہ" کی بجائے "فلم ینصحہ" آیا ہے جو پہلے لفظ کا ہم معنی ہے۔ (۴۵)

۴۔ جس سے مشورہ لیا جائے اگر وہ (غلط رائے دیتے ہوئے) ظلم کرے تو وہ ظلم کے ساتھ ساتھ اس کی خیانت بھی ہے۔ (۴۶)

۵۔ "مشورہ دینے والے پر لازم ہے کہ رائے دینے میں پوری کوشش کرے، لیکن وہ اس میں کامیابی کا ذمہ دار نہیں ہے۔ (۴۷)

۶۔ "اگر کوئی شخص مشورہ لینے والے کو دھوکے میں ڈالے تو اس کی فکر و تدبیر اس سے چھن جاتی

ہے۔ (۴۸)

بعض ایسے مواقع جہاں نبی اکرمؐ نے مشورہ لیا۔

۱۔ غزوۂ بدر

واقدی کے بقول مؤرخین نے کہا ہے کہ نبی اکرمؐ لوگوں کے ہمراہ مدینے سے نکل کر بدر کے قریب پہنچے تو آپ قریش کی گزر گاہ سے مطلع ہوئے اور اپنے اصحاب کو بھی اس سے باخبر کیا۔ پھر اس میں ان سے مشورہ طلب فرمایا۔

☆ابو بکر بن ابو قحافہ اٹھے اور اچھے طریقے سے اظہار خیال کیا۔

☆ عمر بن خطاب نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہؐ! وہ قریش ہیں اور بخدا عزت دار ہیں، جب سے انہیں عزت ملی ہے پھر وہ ذلیل نہیں ہوئے، جب سے کفر اختیار کیا ہے پھر ایمان نہیں لائے، بخدا وہ اپنی عزت ہاتھ سے جانے نہ دیں گے اور آپ سے ضرور جنگ کریں گے۔ پس آپ بھی اس کے لئے تیاری کریں اور جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ مہیا کرلیں۔

☆مقداد بن عمرو نے اٹھ کر عرض کیا: یارسول اللہؐ! خدا کے امر و حکم پر عمل کر گزریں، پس ہم آپ کے ساتھ ہیں اور بخدا وہ بات آپ سے نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہی تھی۔ "ہاں تم اور تمہارا رب (جائے) اور دونوں جاکے لڑو، ہم تو یہیں جمے بیٹھے ہیں"۔ (۴۹)

اس کے برعکس یقیناً ہم آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے اور قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔۔۔ اگر آپ ہمیں برک الغماد تک بھی لے چلیں تو ہم جائیں گے۔ برک الغماد مکہ سے پانچ راتوں کے سفر پر اس ساحل سمندر کی طرف ہے جو مکہ سے یمن تک آٹھ راتوں کے سفر پر واقع ہے، پس نبی اکرمؐ نے مقداد کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔۔۔ اس سے آپ کی مراد انصار سے تھی آپ کا خیال تھا کہ وہ مدینہ سے باہر کی حدود میں جنگ کے لئے مدد نہیں کریں گے کیونکہ آپ کے ساتھ ان کی شرط تھی کہ وہ ہر اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنے اہل و عیال کو بچانا چاہتے ہوں۔ جب آپ نے اس طرح سے مشورہ چاہا تو سعد بن معاذ اٹھے اور کہا: یارسول اللہؐ گویا اس میں آپ کی مراد ہم انصار سے ہے۔۔۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ ہاں! ایسا ہی ہے۔

☆ سعد بن معاذ نے انصار کی طرف سے عرض کیا: "شاید آپ ایک امر کے لئے نکلے اور آپ کو کسی دوسرے امر کی وحی ہوئی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم آپ پر ایمان لاچکے ہیں، ہم نے گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم نے آپ کو سننے اور ماننے کے عہد و پیمان دیئے ہیں۔ پس اے خدا کے نبی! آپ جو چاہتے ہیں کر گزریں اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، اگر آپ اس سمندر کا رخ کریں اور اس میں اتر جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود پڑیں گے، جب تک ہم میں سے ایک بھی مرد باقی ہے۔۔۔ آپ جس سے چاہیں تعلق رکھیں اور جس سے چاہیں قطع کریں۔ ہمارے اموال میں سے جو آپ لے لیں گے، وہ ہمیں اس سے زیادہ محبوب ہے جو آپ ہمارے لئے چھوڑ دیں گے۔ اس ذات کی قسم کہ جس کے

ہاتھ میں میری جان ہے   میں اس راستے سے کبھی نہیں گزرا اور نہ میں اس سے واقف ہوں۔ پھر بھی ہم اس بات کو ناپسند نہیں کرتے کہ کل وہاں دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہو. یقیناً ہم جنگ کے وقت ثابت قدم اور دشمن سے مقابلہ کرنے میں بے خوف ہیں۔ شاید کہ خدا ہماری طرف سے آپ کو وہ جی داری دکھائے کہ جس سے آپ کی نگاہیں مسرور ہو جائیں"۔

مئورخین کا کہنا ہے کہ جب سعد اپنا یہ مشورہ دے چکے تو نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ خدا کی برکت کے ساتھ قدم بڑھاؤ کہ اس نے مجھے ان کے دو میں سے ایک گروہ پر غلبے کا وعدہ دیا ہے۔ بخدا کہ گویا میں اس گروہ کے گرنے مرنے کی جگہیں دیکھ رہا ہوں، راوی کہتا ہے کہ پھر نبی اکرمؐ نے ہمیں ان لوگوں کے قتل ہونے کے مقامات دکھائے۔ (۵۰)

مفسر علی بن ابراہیم نے سورۂ انفال کی تفسیر میں اسی طرح کی روایت کی ہے (۵۱)

نیز احمد بن حنبل نے روایت کی ہے کہ بدر کے دن نبی اکرمؐ نے قیدیوں کے بارے میں اپنے صحابہ سے مشورہ کیا تھا (۵۲)

۲۔ غزوۂ احد

نبی اکرمؐ نے مسلمانوں سے فرمایا. بخدا کہ میں نے ضرور بھلائی دیکھی، میں نے چیر پھاڑ دیکھی اور اپنی تلوار کی دھار میں ایک سوراخ دیکھا ہے میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کیا ہے............پس اگر تمہاری رائے ہو کہ تم مدینہ میں رہو اور دشمنوں کو آزاد چھوڑ دو کہ وہ جہاں چاہیں اتریں، پھر انہوں نے پڑاؤ کیا تو بری جگہ پر کریں گے اور اگر ہماری طرف آئے تو ہم شہر ہی میں ان سے جنگ کریں گے۔ اس بارے میں عبداللہ بن ابی کی رائے بھی نبی اکرمؐ کے موافق تھی اور وہ یہ کہ دشمن کی سمت پیش قدمی نہ کی جائے۔

تاہم وہ مسلمان کہ جنہیں خدا نے جنگ احد میں مرتبہ شہادت سے سرفراز فرمایا اور وہ افراد جو غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے، انہوں نے کہا___ یارسول اللہؐ! آپ ہمیں لے کر دشمن کی طرف چلیں، تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان سے کمزور ہیں اور ہم نے بزدلی دکھائی ہے۔

عبداللہ بن ابی نے کہا. یارسول اللہؐ! آپ دشمن کی طرف نہ جائیں اور مدینہ میں قیام رکھیں، بخدا کہ جب بھی ہم دشمنوں کے مقابلے پر شہر سے نکلے تو ہمارے ہی لوگ قتل ہوئے اور جب کبھی کوئی غنیم ہمارے شہر میں داخل ہوا تو اسی کے آدمی مارے گئے۔

لیکن وہ لوگ جنہیں قریش سے لڑنے کا شوق تھا___وہ نبی اکرمؐ سے اصرار کرتے رہے کہ شہر سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ تب آپ بیت الشرف میں گئے اور اپنی زرہ پہن کر لوگوں کے پاس آئے۔ یہ دیکھ کر وہ افراد بڑے پشیمان ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم نے ہی نبی اکرمؐ کو اس بات پر مجبور کیا ہے، حالانکہ ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ اب انہوں نے عرض کیا. یارسول اللہؐ! ہم نے جو اصرار کیا ہے وہ مناسب نہ تھا۔ اب بھی آپ شہر میں رک جائیں اور خدا آپ پر اپنی

رحمت کرے گا۔ لیکن نبی اکرمؐ نے جواب دیا کہ کسی نبی کے لئے سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے تو پھر بغیر جنگ کئے اسے اتارے، پس آنحضرتؐ نے ایک ہزار افراد کے ساتھ کوچ فرمایا۔ (۵۳)

علاوہ ازیں المغازی میں نبی اکرمؐ کا خواب نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: آپ نے فرمایا___ مجھے مشورہ دو اور اس خواب کی بناء پر آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نہ نکلیں، پھر مذکورہ بالا واقعہ تفصیل سے لکھا ہے، اس کی طرف رجوع کریں۔ (۵۴)

پھر اس کے باوجود کہ آنحضرتؐ کی رائے یہی تھی کہ جنگ کے لئے مدینہ سے باہر نہیں جانا چاہئے، لیکن اکثر لوگوں کی بیرون شہر جانے کی خواہش اور ان کے شوق شہادت کے پیش نظر ان کا لحاظ رکھنے اور ان کے اندر بیدار ہونے والے جذبہ ایثار وقربانی کو قائم رکھنے کی خاطر آپ نے ان کا مشورہ مان لیا اور اپنی رائے ملتوی فرمادی۔

۳۔ غزوۂ احزاب (خندق)

نبی اکرمؐ نے لوگوں کو بلوایا، انہیں دشمنوں کے چڑھ آنے کی خبر دی اور ان سے مقابلے کی تیاری کے بارے میں ان سے مشورہ کیا۔ آپ نے انہیں خدا ورسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا ور کہا کہ اگر تم صبر وتقویٰ اختیار کرو تو خدائے تعالیٰ تمہیں فتح وکامرانی سے نوازے گا۔ آپ جنگ وجہاد کے موقعوں پر اسی طرح ان سے مشورہ کیا کرتے تھے___ آپ نے ان سے پوچھا کہ آیا ہم دشمنوں کے مقابلے کے لئے مدینے سے باہر نکلیں یا پہاڑ کو اپنی پشت کی طرف لے کر ان کے قریب رہیں یا شہر کے گرد خندق کھودلیں؟

اس پر صحابہ میں باہم اختلاف رائے ہوا___ ایک گروہ نے کہا ہم ثنیۃ الوداع یا کوہ بعاث کے پاس رہیں___ دوسرے گروہ نے کہا ہم مدینہ سے نکل کر جرف تک بڑھیں۔ تب سلمان فارسی نے عرض کیا۔: یارسول اللہؐ! فارس میں جب ہمیں گھڑسواروں کا خطرہ ہوتا تو ہم اپنے شہر کے گرداگرد خندق کھودلیا کرتے تھے، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم یہاں بھی خندق کھودلیں؟ چونکہ مسلمانوں کو یاد تھا کہ احد کے دن نبی اکرمؐ نے انہیں مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس لئے ان کو سلمان کی تجویز اچھی معلوم ہوئی اور انہوں نے شہر میں رہ کر اپنا دفاع کرنا پسند کیا۔ (۵۵)

۴۔ غزوۂ احزاب (دوسرا مرحلہ)

جنگ احزاب (خندق) میں جب نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب پر سخت وقت آگیا کہ ان پر دس دن سے زیادہ دشمن کا محاصرہ رہا اور ہر شخص تنگی وسختی میں تھا۔ آنحضرتؐ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کو بلوایا اور ان سے کہا: اگر میں مدینے کی کھجوروں کا ایک تہائی تمہارے لئے قرار دے دوں تو کیا تم اپنے اپنے گروہ کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ گے اور ان اعراب میں میدان چھوڑ جانے کی طرح ڈال دوگے؟ انہوں نے کہا کہ اگر آپ ہمیں مدینے کی آدھی کھجوریں دیں تو ہم کچھ کریں گے۔ لیکن آپ نے ایک تہائی سے زیادہ دینے سے انکار کردیا، پھر وہ اپنے اپنے گروہ سے دس دس آدمی لے کر آئے

اور جب بات ہونے لگی تو آپ نے صحابہ کو بلوایا اور لکھنے کا سامان بھی منگوایا۔ تب اسید بن حضیر نے نبی اکرمؐ سے عرض کیا کہ اگر یہ آسمانی حکم ہے تو آپ اس پر عمل فرمائیں اور اگر کوئی اور بات ہے تو بخدا ہم انہیں کچھ نہ دیں گے اور نہ کبھی ان کو ہم سے ایسی توقع ہوئی تھی۔

پس آنحضرتؐ نے اس تجویز کو جانے دیا اور سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ کو بلا کر ان سے مشورہ طلب فرمایا، جبکہ آپ ان دونوں کا سہارا لئے کھڑے تھے اور دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان دونوں سے آہستہ آہستہ بات کی اور اپنے صلح کے ارادے سے انہیں باخبر کیا، انہوں نے کہا: اگر یہ آسمانی امر و حکم ہے تو آپ اس پر عمل کریں، اگر ایسا نہیں اور یہ آپ کی خواہش ہے تو بھی ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے لیکن اگر یہ محض ایک رائے ہے تو پھر ہمارے پاس ان لوگوں کے لئے تلوار کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور پھر سعد بن معاذ نے وہ تحریر لے لی۔ تب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جب میں نے عربوں کو دیکھا کہ وہ تمہیں ایک ہی کمان سے تیر مار رہے ہیں تو میں نے سوچا کہ جنگ سے باز رہوں اور ان کو اس طریقے سے واپس کر دوں۔

اس پر سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! زمانہ جاہلیت میں یہ لوگ قحط کے دنوں میں "العلہز" کھاتے اور سوائے مہمان ہونے یا چیز خریدنے کے ہم سے ایسی کوئی امید نہ رکھتے تھے کہ ہم سے ایک دانہ خرما بھی لے جائیں۔ اب تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر آپ کی وجہ سے احسان اور آپ کے صدقے میں کرم کیا اور ہماری ہدایت کی ہے تو کیا ہم اس پستی اور ذلت سے انہیں اپنی کھجوریں دیں؟ ہاں تو ہم تلوار کی کاٹ کے سوا انہیں کچھ نہ دیں گے۔ (۵۶)

"العلہز" ایک چیز ہے جسے قحط کے سالوں میں اونٹ کی پشم میں خون ملا کر بناتے اور آگ پر بھونتے اور کھاتے تھے، بعض نے کہا ہے کہ وہ لوگ اس میں چچڑیاں بھی ڈال لیتے تھے۔ (۵۷)

میں کہتا ہوں ـــــ واضح ہو رہا ہے کہ پہلے مرحلے میں نبی اکرمؐ نے عیینہ اور حارث سے جو گفتگو فرمائی، وہ محض ان کا عندیہ معلوم کرنے سے تعلق رکھتی ہے، اس میں غرض یہ تھی کہ انصار کے خون کا تحفظ کیا جائے۔ پھر جب آپ نے انصار کا عزم واستقلال دیکھا تو معاملہ انہی کے سپرد کر دیا اور یوں آپ نے اپنے کسی حتمی اور طے شدہ فیصلے کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ کوئی ایسا اقدام کیا جو نامناسب ہو ـــــ بلکہ مشورے کے بعد وہ موقف اختیار کیا جو سب سے بہتر اور صحیح تر تھا۔

بہر حال اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرمؐ بالعموم سرداران قبائل سے مشورہ کرتے تھے، تاکہ ان پر اپنے اعتماد کا اظہار کریں، ان کی ہمدردیاں حاصل کریں اور دوسرے لوگوں کے سامنے ان کے مقام کو نمایاں کریں۔ لیکن جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے تو آپ سرچشمہ وحی سے اتصال رکھتے تھے اور ہر معاملے کی اصلیت آپ پر آشکار تھی۔ چنانچہ آپ کا اپنے افراد امت سے مشورہ لینا ایسا ہی تھا، جیسے خدائے تعالیٰ نے خود آپ سے مشورہ کیا تھا اور اس بارے میں آپ نے فرمایا: میرے پروردگار نے میری امت کے حق میں مجھ سے مشورہ کیا کہ میں ان سے کیا سلوک کروں؟ تب میں نے عرض کیا: پروردگارا! وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں اور تو ان سے جیسا چاہے سلوک کرے ـــــ جب دوبارہ پوچھا گیا تو بھی میں نے ایسا ہی کہا ـــــ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں تمہاری امت کے ضمن میں محزون و مغموم نہیں کروں گا۔ (۵۸)

۵- صلح حدیبیہ

مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم سے مروی ہے کہ ان دونوں نے بیان کیا: نبی اکرمؐ ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کے ساتھ (مدینہ سے) گئے اور جب ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ نے قربانی کے جانور کے گلے میں گانی ڈالی اور اس کے رخسار پر خون سے نشان لگایا (یعنی تقلید واشعار کیا) اور عمرے کا احرام باندھا، پھر اپنے آگے آگے ایک خزاعی کو بطور مخبر کے بھیجا کہ وہ قریش کے بارے میں خبریں لائے۔

پھر نبی اکرمؐ نے سفر جاری رکھا اور جب وادی اشطاط میں عسفان کے نزدیک ہوئے تو آپ کا مذکورہ مخبر وہاں آکر آپ سے ملا۔ اس نے بتایا کہ میں نے کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو اس حال میں دیکھا ہے کہ انہوں نے مختلف قبیلوں کے افراد اور گروہ اکٹھے کر رکھے ہیں۔۔۔وہ آپ کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکنے اور آپ سے جنگ کرنے پر تیار ہو چکے ہیں۔

یہ سنتے ہی آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: مجھے بتاؤ کہ تمہاری رائے کیا ہے؟ آیا ہم ان لوگوں کے علاقوں کی طرف چلیں کہ جنہوں نے قریش کی مدد کی ہے اور ہم ان پر سختی کریں؟ اگر وہ مقابلہ چھوڑ کر بیٹھ گئے تو پریشانی کے ساتھ بیٹھے رہیں گے اور اگر ہمارے ہاتھ سے نکل بھاگے تو یہ ایک ایسی مصیبت ہوگی جسے خدا نے ہم سے دور کیا۔ یا تمہاری رائے یہ ہے کہ ہم بیت اللہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھیں اور جو ہمیں اس سے روکے اس سے جنگ کریں! تب ابو بکر بن ابو قحافہ نے کہا: یارسول اللہؐ! اس معاملے کو خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔۔۔ہم کسی سے لڑنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں، لیکن اگر کوئی ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہوا تو ہم اس سے لڑیں گے۔۔۔اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو پھر بڑھے چلو۔

زہری سے روایت ہے کہ ابوہریرہ کہا کرتا تھا: میں نے نبی اکرمؐ سے بڑھ کر مشورہ کرنے والا کوئی اور نہیں دیکھا۔ (۵۹)

۶- غزوۂ طائف

نبی اکرمؐ نے طائف کا محاصرہ کیا اور اس دوران میں نوفل بن معاویہ دوئلی سے مشورہ کیا کہ آیا ان لوگوں کے خلاف یہ عمل جاری رکھنا چاہئے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! لومڑی اپنے بھٹ میں چھپی ہوئی ہے، اگر آپ یہاں ٹھیریں تو اسے پکڑلیں گے اور اگر اسے چھوڑ بھی جائیں تو وہ آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتی۔۔۔یہ سنتے ہی آنحضرتؐ نے وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ (۶۰)

باب ٦ ۔ فصل ۲

حواشی

(۱) سورۂ شوریٰ ۔ آیت ۳۷۔۳۸ (۲) سورۂ آل عمران ۔ آیت ۱۵۹ (۳) صحیح بخاری ۳/۹۱. کتاب المغازیٰ. باب کتاب النبیؐ الیٰ کسریٰ و قیصر (۴) نہج البلاغہ فیض/ ۵۱. عبدہ ۱/۳۱. لح/۴۹. خطبہ ۳ (۵) مقاتل الطالبیین ۳۶ (۶) عیون اخبار الرضاؑ ۲/۶۲. باب ۳۱. حدیث ۲۵۴ (۷) سنن ترمذی ۳/۳۶۱. ابواب الفتن. باب ۶۴. حدیث ۲۳۶۸ (۸) تحف العقول ۳۶ (۹) بحار الانوار ۷۲/۹۸ (طبع ایران ۷۵/۹۸) کتاب العشرۃ. باب ۴۸. حدیث ۲ (۱۰) وسائل ۸/۴۰۹. باب ۹ من ابواب احکام العشرۃ. حدیث ۱ (۱۱) وسائل ۸/۴۲۴. باب ۲۱ من ابواب احکام العشرۃ. حدیث ۲ (۱۲) وسائل ۸/۴۲۴. باب ۲۱ من ابواب احکام العشرۃ. حدیث ۱ (۱۳) وسائل ۸/۴۲۸. باب ۲۴ من ابواب احکام العشرۃ. حدیث ۱ (۱۴) نہج البلاغہ فیض/ ۱۱۳۹. عبدہ ۳/۱۷۷. لح/ ۸۸. حکمت ۱۱۳ (۱۵) نہج البلاغہ فیض/ ۱۱۶۵. عبدہ ۳/۱۹۲. لح/ ۵۰۰. حکمت ۱۶۱ (۱۶) نہج البلاغہ فیض/ ۱۱۸۱. عبدہ. / ۲۰۰. لح/ ۵۰۶. حکمت ۲۱۱ (۱۷) نہج البلاغہ فیض ۱۱۶۹. عبدہ ۳/۱۹۳. لح/۵۰۱. حکمت ۱۷۳ (۱۸) نہج البلاغہ فیض/ ۶۸۶. عبدہ. ۲/۲۲۶. لح/۳۳۵. خطبہ ۲۱۶ (۱۹) وسائل ۸/۴۲۸. باب ۲۴ من ابواب احکام العشرۃ. حدیث ۳ (۲۰) الفقیہ ۴/۳۸۵۔۳۸۸. باب النوادر. حدیث ۵۸۳۴ (۲۱) الغرر والدرر ۲/۴۲۹. حدیث ۳۱۵۲ (۲۲) الغرروالدرر ۳/۹۲. حدیث ۳۹۰۸ (۲۳) الغرروالدرر ۳/۴۰۸. حدیث ۴۹۲۰ (۲۴) الغرروالدرر ۵/۴۰۶. حدیث ۸۹۵۶ (۲۵) نہج البلاغہ فیض/ ۱۲۳۹. عبدہ. ۳/۲۳۰. لح ۵۳۱. حکمت ۳۲۱ (۲۶) الغرروالدرر ۲/۸۶. حدیث ۱۹۴۱ (۲۷) سورۂ آل عمران ۔ آیت ۱۵۹ (۲۸ ۲۹ ۔۳۰۔۳۱۔۳۲۔۳۳) وسائل ۸/۴۲۶. باب ۲۲ من ابواب احکام العشرۃ حدیث ۳. ۴. ۵. ۶. ۷. ۸ (۳۴) الغرر والدرر ۲/۴۵۶. حدیث ۳۲۷۹ (۳۵) الغرروالدرر ۳/۳۶۷. حدیث ۴۷۷۶ (۳۶) الغرر والدرر ۳/۴۲۸. حدیث ۴۹۹۰ (۳۷) نہج البلاغہ فیض/ ۹۹۸. عبدہ. ۳/۹۷. لح/ ۴۳۰. مکتوب ۵۳ (۳۸) وسائل ۲/ ۶۳۱. باب ٦ من ابواب الاحتضار. حدیث ۲ (۳۹) بحار الانوار ۷۲/۹۹ (طبع ایران ۷۵/۹۹) کتاب العشرۃ. باب ۴۸. حدیث ۹ (۴۰) الفقیہ ۴/۳۶۴. باب النوادر. حدیث ۵۷۶۲ (۴۱) نہج البلاغہ فیض/ ۹۳۸. عبدہ ۳/ ۶۳. لح/ ۴۰۵. مکتوب ۳۱ (۴۲) تحف العقول/ ۲۶۹ (۴۳) سنن ابی داؤد ۲/۶۲۶. کتاب الادب. باب فی المشورۃ (۴۴) سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۲۳۳. کتاب الادب. باب ۳۷. حدیث ۳۷۴۵. ۳۷۴۶. سفینۃ البحار ۱/۷۱۸. (۴۵) سفینۃ البحار ۱/ ۷۱۸. باب الشین بعدہ الواو. وسائل ۸/۴۲۷. باب ۲۳ من ابواب احکام العشرۃ. حدیث ۲ (۴۶) الغرر والدرر ۴/ ۲۷۲. حدیث ۶۰۳۷ (۴۷) الغرروالدرر ۴/۳۱۶. حدیث ۶۱۹۴ (۴۸) الغرر والدرر ۵/۲۱۷. حدیث ۸۰۵۵ (۴۹) سورۂ مائدہ ۔ آیت ۲۴ (۵۰) المغازی ۱/۴۸ (۵۱) تفسیر علی بن ابراہیم/ ۲۳۸ (۵۲) مسند احمد ۳/ ۲۴۲ (۵۳) سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۶۶ (۵۴) المغازی واقدی ۱/۲۰۹ (۵۵) المغازی واقدی ۱/ ۴۴۴ جزء ثانی (۵۶) المغازی واقدی ۱/ ۴۷۷ جزء ثانی (۵۷) النہایہ ابن اثیر ۳/ ۲۹۳ (۵۸) مسند احمد ۵/ ۳۹۳ (۵۹) سنن بیہقی ۹/۲۱۸. کتاب الجزیہ. باب المهادنۃ علی نظر للمسلمین (۶۰) کامل ابن اثیر ۲/۲۶۷ (ذکر حصار الطائف)

تیسری فصل

حکومت اسلامی کا ذمہ دار رہبر دینی ہے

اور

تین حکومتی ادارے اس کے معاون ہیں

معلوم ہونا چاہئے کہ امام وحاکم کے فرائض کے بارے میں ہماری پیش کردہ آیات اور نبی اکرمؐ وامیرالمومنینؑ کی سیرت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حکومت اسلامی میں مسلمانوں کے تحفظ، ان کے امور کی تدبیر اور اسلامی ضوابط ومقررات کی بنیاد پر ان کے معاملات کی اصلاح اور درستی کا ذمہ دار امام وحاکم ہی ہے۔ نیز وہی ملک کی بہتری کا مکلّف اور اس کی خرابی پر جوابدہ ہے۔

لیکن جب مملکت کا دائرہ وسیع اور اس کی نسبت سے حاکم کی ذمہ داریاں بڑھی ہوئی ہوں لازماً اسے مختلف اداروں، مشیروں اور کارندوں کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ وہ ہر کام کسی ایسے ادارے یا ماہر شخص کے سپرد کرے گا جو اس کی انجام دہی کی اہلیت رکھتا ہو، پس اس طرح حکومت کے تین بنیادی ادارے وجود میں آجاتے ہیں۔

حکومت اسلامی میں حاکم کی حیثیت، حکومت مشروطہ کے سربراہ جیسی نہیں ہے جو ہمارے اس زمانے میں بعض ملکوں ـ مثلاً برطانیہ میں نظر آتی ہے۔ یعنی وہاں بادشاہ ایک نمائشی شخصیت ہے اور وہ کسی قسم کی ذمہ داری یا مفید سرگرمی کے بغیر قومی دولت کا خاصہ بڑا حصہ حاصل کرتا ہے، جبکہ تمام ذمہ داریاں پہلے ہی سے حکومت کے تینوں شعبوں کے سپرد ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حکومت اسلامی میں حقیقی ذمہ دار اور جوابدہ امام و حاکم ہے اور تینوں حکومتی ادارے (مقنّنہ، انتظامیہ اور عدلیہ) اس کے دست وبازو ہوتے ہیں اور وہ ان سب پر مختار اور نگران ہوتا ہے:

۱۔ عبدالعزیز بن مسلم نے امام علی رضاؑ سے روایت کی ہے: امام کے ذریعے نماز، زکات، روزہ، حج اور جہاد کی تکمیل، مال فئ میں اضافہ، حدود واحکام کا اجراء اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ امام، خدا کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام کرتا ہے، خدا کے حدود کو قائم رکھتا ہے اور دین حق کا دفاع کرتا ہے۔ (۱)

۲۔ فضل بن شاذان نے امام علیؑ رضا سے روایت کی ہے جو امام کے تقرر کی حکمت ومصلحت کے ذیل میں گزر چکی ہے: "پس خدا نے امام کو لوگوں پر قیم ونگراں مقرر کیا ہے جو انہیں گمراہی سے روکتا اور ان کے درمیان حدود واحکام نافذ کرتا ہے۔ نیز وہ اس کے ذریعے دشمنوں سے جنگ وقتال کرتے ہیں، اس کے ہاتھوں ان کا مال فئ تقسیم ہوتا ہے، وہ ان کے لئے جمعہ و جماعت قائم کرتا ہے اور ان میں سے ظالم کو مظلوم سے باز رکھتا ہے۔ (۲)

۳۔ امیر المومنینؑ سے مروی ہے: "امت کیلئے امام کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ ان کے امر حکومت کو برقرار رکھتا ہے، ان میں امرونہی کا فریضہ ادا کرتا ہے، ان کے درمیان حدود الٰہی قائم کرتا ہے، ان کے ہمراہ دشمن سے جہاد کرتا ہے، مال غنیمت کی تقسیم کرتا ہے، فرائض کا تعین کرتا ہے اور انہیں ان چیزوں سے آگاہ کرتا ہے جن میں ان کے لئے فائدہ ہے اور ان چیزوں سے روکتا ہے جو ان کے حق میں نقصان کا باعث ہیں۔ (۳)

۴۔ سلیم نے امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے: "وہ (مسلمان) اپنے لئے پاکدامن، عالم، پرہیز گار اور قضاء وسنت کو جاننے پہچاننے والا امیر وحاکم منتخب کریں جو ان کی حکومت کو قائم رکھے، ان کے درمیان فیصلے کرے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلائے، ان کی سرحدوں کی حفاظت کرے، ان کا مال فئ جمع کرے، ان میں حج اور (جمعہ و جماعت) قائم کرے اور صدقات وزکات وصول کرے۔ (۴)

ان کے علاوہ جو روایات امام وحاکم کے فرائض کے ضمن میں آئی ہیں، ان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت اسلامی کا ذمہ دار ونگران حاکم ہی ہے اور تمام اقدامات واعمال اسی سے نسبت رکھتے ہیں۔

۵۔ نیز وہ روایت بھی اس پر شاہد ہے جو کلینی نے معلیٰ بن خنیس سے نقل کی ہے کہ اس نے کہا: "ایک روز میں نے امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے عرض کیا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں ـــــ میں نے آل فلاں اور جس ناز ونعمت میں وہ ہیں اسے یاد کیا تو (دل میں) سوچا: اے کاش! یہ امر حکومت حضور والا کے ہاتھ میں ہوتا تو ہم لوگ آپ کے زیر سایہ آرام وراحت پاتے۔ آپ نے فرمایا: ہیہات ـــــ اے معلیٰ! یہ بہت دور کی بات ہے اور یاد رکھو! بخدا ـــــ اگر ایسا ہوتا تو شب کو غور وفکر اور دن کو تگ ودو کرنا پڑتی، نیز بے مزہ کھانا اور نا ملائم کپڑے ہوتے، ہاں تو یہ سب تکلیفیں ہم سے دور کر دی گئی ہیں ـــــ کیا تو نے اس (غصب خلافت) کے علاوہ کوئی ظلم وستم دیکھا ہے کہ جو نعمت میں بدل گیا ہو۔ (۵)

گویا معلیٰ کی تمنا تھی کہ حکومت کی باگ ڈور امام صادقؑ کے ہاتھ میں ہوتی، تاکہ وہ آپ کے ہمراہ خوشحالی میں زندگی بسر کرتا۔ لیکن امام نے اسے اس کی غلط فہمی اور رائے کی کمزوری سے آگاہ کیا اور سمجھایا کہ اگر ایسا ہوتا تو خود ان پر لازم تھا کہ رات کو مصلحت وتجویز، سوچا کرتے، دن کو عاملوں اور کارگزاروں کی نگرانی کرتے اور ملک ورعیت کے حالات پر توجہ دیتے۔ نیز یہ کہ اس ذمہ داری کے بوجھ کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کی سطح پر بسر کرتے کہ موٹا جھوٹا لباس پہنتے اور روکھا سوکھا کھانا کھاتے۔

۶۔ ہشام بن حکم کے لئے امام موسیٰ کاظمؑ کی وصیت میں ہے: "والی پر واجب ہے کہ وہ مثل شبان ونگران کے رہے اور اپنی رعیت سے غافل نہ ہو، خود کو ان سے برتر نہ سمجھے اور اپنی بڑائی نہ جتائے۔ (۶)

۷۔ مالک اشتر کو والئی مصر بناتے وقت امیر المومنینؑ نے ان کے لئے جو فرمان لکھا، اس میں عمال اور کارندوں کے انتخاب کا ذکر کرنے کے بعد لکھا: "ان کے کاموں کی دیکھ بھال کرتے رہنا اور اپنے وفادار مخبروں کو ان پر لگا دینا کیونکہ ان کی خفیہ نگرانی رکھنے سے ان میں امانتداری اور رعیت کے لئے نرمی پیدا ہوگی۔ خیانت کرنے والے

کارندوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا ــــ اگر ان میں کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور مخبروں کی طرف سے بھی متفقہ اطلاعات تم تک پہنچ جائیں تو شہادت کے ضمن میں انہیں کافی تصور کرنا۔ پھر اسے جسمانی سزا دینا، اس نے ناجائز طریقوں سے جو مال بٹورا ہو وہ واپس لینا اسے ذلت و رسوائی کے مقام پر کھڑا کرنا اور اس کی خیانت کا چرچا کرتے ہوئے ننگ و عار کا طوق اس کے گلے میں ڈال دینا۔ (۷)

۸۔ امیر المومنینؑ کے مذکورہ بالا فرمان میں یہ بھی ہے: "تم اپنے اوقات کا ایک حصہ حاجت مندوں کے لئے وقف کر دینا، اس میں سب کام چھوڑ کر ان پر توجہ دینا اور کھلی کچہری لگانا۔ اس دوران اپنے پیدا کرنے والے خدا کے لئے انکسار و تواضع اختیار کرنا اور اپنے فوجیوں، محافظوں اور پولیس والوں کو وہاں سے ہٹا دینا، تاکہ کہنے والے جو چاہیں بے دھڑک کہہ سکیں۔ کیونکہ میں نے نبی اکرمؐ کو کئی ایک موقعوں پر یہ فرماتے سنا ہے: اس قوم میں پاکیزگی (اخلاقی بلندی) نہیں آسکتی جس میں طاقتوروں سے کمزوروں کا حق کھلے عام نہیں دلایا جاتا۔ پھر اگر اپنی بات کہنے میں سختی کریں یا اپنی بات صاف صاف نہ کہہ سکیں تو تحمل سے کام لینا اور تکبر و نخوت کا مظاہرہ نہ کرنا۔ اس کے بدلے میں خدا تم پر اپنی رحمتوں کا سایہ کرے گا اور تم کو اس فرمانبرداری کا اجر دے گا۔ جب ان میں کسی سے حسن سلوک کرو تو اس میں چہرے پر شکن نہ لانا اور کچھ نہ بھی دینا ہو تو اچھے طریقے سے عذر خواہی کر لینا۔

پھر کچھ ایسے امور ہیں جنہیں تم کو خود ہی انجام دینا چاہیئے، ان میں سے ایک حکام کے ان مراسلوں کا جواب دینا ہے جو تمہارے اہلکاروں کے بس میں نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جب لوگوں کی حاجتیں تمہارے سامنے آئیں اور تمہارے اہلکار ان سے جان چھڑائیں تو انہیں خود پورا کرنا۔ (۸)

۹۔ نیز امیر المومنینؑ کے اسی فرمان میں ہے: "تمہارے اہلکاروں اور منشیوں میں جو بھی عیب ہو، اگر تم اس سے چشم پوشی کرو گے تو اس کی ذمہ داری تم پر آئے گی۔ (۹)

۱۰۔ عبداللہ بن عباس جو بصرہ کے عامل تھے، ان کے نام امیر المومنینؑ کے خط میں ہے: "اے ابن عباس ــــ خدا تم پر رحم کرے، دیکھو (رعیت کے بارے میں) تمہارے ہاتھ اور زبان سے جو اچھائی اور برائی ہونے والی ہو ــــ اس میں جلد بازی نہ کرو۔ کیونکہ اس ذمہ داری میں ہم دونوں شریک ہیں، میں تمہارے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں ــــ تمہیں اس پر پورا اترنا چاہئے اور تمہارے حق میں میری رائے میں تبدیلی کی وجہ پیدا نہ ہونی چاہئے۔ والسلام۔ (۱۰)

۱۱۔ ایسی ہی دیگر روایات ہیں جو حکومت اسلامی میں امام و حاکم کی بذات خود مسئولیت و ذمہ داری پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جسے اہل سنت کے طرق سے بخاری، مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ بخاری نے اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرمؐ کو یہ فرماتے سنا: "تم میں سے ہر ایک راعی و نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا ــــ امام و حاکم اپنی

رعیت کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے، لوگ اپنے اہل و عیال میں اپنی رعیت کے ذمہ دار ہیں بیوی اپنے شوہر کے گھر میں اپنی رعیت کی ذمہ دار ہے اور غلام وملازم اپنے آقا ومالک کے مال کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔راوی کہتا ہے ـــــ میں نے گمان کیا کہ آپ نے فرمایا: اور مرد اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے اور تم میں سے ہر ایک راعی ونگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔ (۱۱)

نیز مسلم اور احمد نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے ـــــ ان کی طرف رجوع کریں۔ (۱۲)

پس ان تمام روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام وحاکم (حکومت اسلامی کا سربراہ) امور عامہ کے اہتمام اور نگرانی کا ذمہ دار ہے ـــــ وزراء، عمال، اہلکار، قاضی اور فوج ـــــ اس کے معاون اور مدد گار ہیں ـــــ چنانچہ اس پر واجب ہے کہ وہ ان سب کے اعمال وافعال پر کڑی نظر رکھے ـــــ ہاں اسے یہ حق نہیں کہ اس ذمہ داری سے صرف نظر کرے اور کہے کہ میں اس بارے میں جوابداہ نہیں ہوں۔

اس سلسلے میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، ماوردی اور ابویعلی نے اپنی کتابوں میں اس کی تصریح اس باب میں کی ہے جہاں امور عامہ کے سلسلے میں انہوں نے کہا ہے کہ ان کا انتظام اور نگرانی امام وحاکم کی شخصی وذاتی ذمہ داری ہے۔

جو کام امام وحاکم پر لازم ہیں، ماوردی نے ان کو شمار کرتے ہوئے کہا: "دسویں یہ کہ معاملات کی نگرانی اور حالات کا سامنا وہ خود کرے، تاکہ امت کے نظام اور قوم کے امور کا بوجھ اٹھا سکے۔ وہ شوق لذت اور ذوق عبادت میں سرشار ہو کر معاملات حکومت کسی کے سپرد کر دینے سے مطمئن نہ ہو جائے، کیونکہ بعض اوقات امانتدار خیانت کر جاتا ہے اور معتمد فریب کاری کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے داؤدؑ! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے، پس لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے کرو اور ہوا وہوس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی"۔

پس اللہ تعالیٰ نے معاملات دوسروں کے سپرد کرنے اور ان پر انحصار کرتے ہوئے بذات خود ان کی نگرانی نہ کرنے میں انہیں معذور قرار نہیں دیا، یہاں تک کہ ایسا کرنے کو ضلالت سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا یہ امر اگر حکم دینی اور منصب خلافت کے لحاظ سے اس توجہ کا مستحق ہے تو سیاست ونظامت کی نظر سے بھی ہر حاکم وراعی کے لئے لازم ولابد ہے۔

جیسا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک حاکم اور راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (۱۳)

حواشی

(۱) الکافی ۱/۲۰۰، کتاب الحجۃ ، باب نادر جامع فضل الامام، حدیث ۱ (۲) عیون اخبار الرضاء ۲/۱۰۱، باب ۳۴، حدیث ۱ (۳) المحکم والمتشابہ/۵۰، بحار الانوار ۹۰/۴۱ (طبع ایران ۹۳/۴۱) کتاب القرآن، باب ماورد فی اصناف آیات القرآن. لیکن بحار میں "ان کے ہمراہ دشمنوں سے جہاد کرتا ہے" کی بجائے "دشمن سے جہاد کرتا ہے" کے الفاظ آئے ہیں۔ (۴) کتاب سلیم بن قیس/۱۸۲ (۵) الکافی ۱/۴۱۰، کتاب الحجۃ، باب سیرۃ الامام فی نفسہ ...... حدیث ۲ (۶) تحف العقول/۳۹۴ (۷) نہج البلاغہ فیض/۱۰۱۱، عبدہ، ۳/۱۰۶، لح/۴۳۵، مکتوب ۵۳ (۸) نہج البلاغہ فیض/۱۰۲۱، عبدہ، ۳/۱۱۲، لح/۴۳۹، مکتوب ۵۳ (۹) نہج البلاغہ فیض/۱۰۱۶، عبدہ ۳/۱۰۹، لح/۴۳۷، مکتوب ۵۳ (۱۱) صحیح بخاری ۱/۱۶۰، کتاب الجمعہ باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن (۱۲) صحیح مسلم ۳/۱۴۵۹، کتاب الامارۃ، باب ۵، حدیث ۱۸۲۹ ۔ مسند احمد ۲/۱۱۱ (۱۳) احکام السلطانیہ ماوردی/۱۶۔ احکام السلطانیہ ابویعلیٰ/۲۸

چوتھی فصل

حکومت اسلامی کے مختلف اداروں کا اجمالی بیان

بسیط وسادہ ہونے کے باوجود یہ ایک طویل فصل ہے۔

گذشتہ فصلوں کے مطالعہ کے دوران آپ یہ سمجھ چکے ہیں کہ امام یا فقیہ کی حکومت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمام امور اور اعمال کو وہ خود انجام دے گا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی مملکت کا دائرہ جتنا وسیع ہو گا، اس کی ذمہ داریاں اور ضرورتیں اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔ لہٰذا بہت سے ادارے اور دفاتر ہوں گے اور ہر کام اس ادارے یا دفتر کے سپرد ہو گا جو اس کے لئے مناسب وموزوں ہو گا۔ لیکن دینی رہبر یا فقیہ جامع الشرائط ان سب پر کلاً مختار اور نگران ہے اور آخر ش ہر چیز کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔ یہی وہ شخص ہے کہ جس سے ساری امت شہروں اور لوگوں کے معاملات کی نظامت ونظارت کی توقع رکھتی ہے اور تمام محکمے اور ان کے افسران اس کے معاون ومدد گار ہوتے ہیں۔

حکومت کے تین بنیادی ادارے ــــ تشریعی (مقننہ) تنفیذی (انتظامیہ) اور قضائی (عدلیہ) ہوتے ہیں:

اولاً۔ امت کے معاملات کی تدبیر وسیاست مقررہ قواعد، مقررات اور خطوط کی تعیین پر موقوف ہے۔

ثانیاً۔ جو امور حکومت پر واجب ہیں، انہیں ان مقررات کے مطابق جاری کرنے کی ضرورت لاحق ہے۔

ثالثاً۔ افراد امت کے درمیان جو اختلافات وتنازعات پیدا ہوں، ان کے فیصلے کرنا بھی ضروری ہیں۔

پس حاکم کی عملداری میں اس پر عائد ہونے والی ذمہ داری کی بازگشت انہی تین اداروں کی طرف ہے، یہاں تک کہ امر بہ معروف اور نہی از منکر، نشرواشاعت اور ذرائع ابلاغ بھی انتظامیہ کے شعبوں میں سے ہیں۔

قضاء وعدلیہ کو ایک الگ اور مستقل ادارہ شمار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کام حکم وفیصلہ دینا ہے اور وہ اسے نافذ وجاری کرنے کا ذمہ دار نہیں ہے ــــ چونکہ اس کا مقصد صرف اس کے تسلط کی عمومیت ہے، حتیٰ کہ اسے مقننہ اور انتظامیہ کے ارکان پر بھی اختیار حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قاضیوں اور ججوں کا تقرر کرنا امام وحاکم (سربراہ مملکت) کے ہاتھ میں ہے اور انتظامیہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ حاصل کلام یہ کہ حکومت میں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کی صورت میں تین ادارے ہوتے ہیں۔

پہلا ادارہ ــ تشریعی (مقننہ)

اس میں بحث کے کئی پہلو ہیں۔

۱۔ مقننہ کی ضرورت اور اس کے حدود وفرائض

میں کہتا ہوں ــــ اس حکومتی ادارے کو ہمارے، اس زمانے میں مجلس شوریٰ (اسمبلی) کہا جاتا ہے، اس کا

اصطلاحی نام قوت مقننہ ہے ___ موجودہ جمہوری حکومتوں میں یہ ادارہ حکومت کے اہم ستونوں میں شمار ہوتا ہے۔

مملکت کے دائرہ کے وسیع ہونے، جدید واقعات کی کثرت اور بہت سے امور کی منصوبہ بندی کی ضرورت کے پیش نظر اس ادارے کی اہمیت سب پر واضح ہے۔ لیکن یہ بات آپ پر پوشیدہ نہیں ہے کہ حکومت اسلامی کے ادارہ تشریعی اور موجودہ زمانے کی حکومتوں کی مقننہ میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ موجودہ حکومتوں میں مقننہ (اسمبلی) کے ارکان اپنے رائے دہندگان کی مصلحت کے علاوہ کسی اور بات کے پابند نہیں ہوتے، وہ ان کی خواہش کے مطابق قانون بناتے ہیں۔ چاہے وہ عقل و شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ حکومت اسلامی کے ادارہ تشریعی (مقننہ) پر لازم ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط کے مطابق قانون سازی کرے اور زندگی کے تمام مسائل و معاملات کا حل پیش کرے۔ چنانچہ حکومت اسلامی میں کوئی شخص اپنے بلند سے بلند علمی یا حکومتی مقام و مرتبہ کے باوجود یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اپنی مرضی و منشاء کے مطابق قانون بنائے یا فیصلہ دے، حتیٰ کہ خود نبی اکرمؐ بھی اپنے قرب الٰہی اور نبوت و حکومت کے باوصف خدا کے نازل کردہ ضوابط کے تحت ہی حکم جاری فرماتے تھے۔

ارشادی باری تعالیٰ ہے:

ان الحکم الا للّٰہ – الا لہ الحکم – (۱)

"حکم کرنا تو صرف خدا ہی کے لئے ہے"۔ نیز "آگاہ رہو کہ حکم کرنا خاص اسی کے لئے ہے"۔

وان احکم بینہم بما انزل اللّٰہ ولا تتبع اھواء ھم، واحذرھم ان یفتنوك عن بعض ما انزل اللّٰہ الیك .... افحکم الجاھلیة یبغون، ومن احسن من اللّٰہ حکماً لقوم یوقنون – (۲)

" (اے رسولؐ) جو احکام خدا نے نازل کئے ہیں تم ان کے مطابق فیصلہ کرو اور ان لوگوں کی بے جا خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو، بلکہ تم ان سے ہٹے رہو (ایسا نہ ہو) کہ یہ لوگ تم کو کسی حکم سے بھٹکا دیں کہ جو خدا نے تم پر نازل کیا ہے.... کیا یہ لوگ (تم سے بھی) زمانہ جاہلیت کے سے فیصلے کی تمنا رکھتے ہیں، حالانکہ یقین کرنے والوں کے واسطے حکم کرنے میں خدا سے بہتر اور کون ہو گا؟"

قبل ازیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ احکام ___ احکام الٰہیہ اور احکام سلطانیہ کی صورت میں تقسیم ہیں: احکام الٰہیہ وہ ہیں جن کی طرف نبی اکرمؐ دعوت دیتے اور ان کی تبلیغ کے لئے آپ وسیلہ و واسطہ تھے اور وہ صرف احکام ارشادی تھے۔

احکام سلطانیہ وہ ہیں جو آنحضرتؐ سے اس لحاظ سے صادر ہوتے تھے کہ آپ مسلمانوں کے ولی امر اور حاکم ہیں۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلی قسم کے احکام تو خدائے تعالیٰ کے ہیں اور دوسری قسم کے احکام نبی اکرمؐ اپنی خواہش اور اپنی مرضی کے تحت جاری کرتے تھے یا آپ کو یہ حق حاصل تھا کہ ایسے احکام صادر کریں جو احکام خداوندی کے خلاف اور ان کو منسوخ کرنے والے ہوں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے احکام سلطانیہ، خداوند عالم کے احکام کلی و اصلی کے تحت جاری کئے گئے وقتی عادلانہ احکام تھے جو خدا کی طرف سے حسب حال اور حسب ضرورت آپ کے قلب شریف پر نازل ہوئے تھے۔

پس مسلمانوں کے معاشرے میں اصول وقوانین کی وہی روح کارفرما ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی. یہاں تک کہ جن احکام کو ہم احکام ثانویہ کا نام دیتے ہیں وہ بھی انہی اصول وضوابط سے نکلتے ہیں جو خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی کریمؐ کی طرف نازل فرمائے۔ (غور کریں)

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا خزینہ اس کی کتاب عزیز ہے کہ جس میں باطل نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے آسکتا ہے۔ اس میں رب العزت کی سنت ثابتہ ہے کہ جس سے استنباط کرنے والے وہی علماء ہیں جو وہم اور تعصب سے مبرا عقل رکھتے ہیں اور اس کے بتائے ہوئے حرام وحلال کو پوری امانت داری سے بیان کرتے ہیں۔

حکومت اسلامی میں مجلس شوریٰ کا بس اتنا ہی کام ہے کہ فقہاء نے اپنے اجتہاد سے جو اسلامی قوانین وضوابط معلوم کئے ہیں، انہیں باہم مشورہ سے لوگوں اور آبادیوں کے حالات ومسائل کے مطابق مرتب ومدون کر کے انتظامیہ کے حوالے کرے تاکہ وہ ان پر عملدر آمد کرائے۔

حکم شرعی کے تین مراحل

الف۔ حکم شرعی کا پہلا مرحلہ تشریع ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اپنے بندوں اور بستیوں کا مالک ہے، ان کی برائی بھلائی اور ان کے نفع ونقصان سے باخبر ہے،اس حق میں مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا شریک وحصہ دار نہیں ہے۔

ب۔ صحیح منابع ومصادر سے احکام اسلامی کا استخراج کرنا اور فتویٰ دینا جو عادل فقہاء کی ذمہ داری ہے۔

ج۔ قوانین اسلام کو براہ راست اخذ کرنے کی بجائے فقہاء کے فتاویٰ کی روشنی میں ان کو لوگوں کے حالات ومسائل کی رعایت سے قواعد کی شکل میں اس طرح مرتب کرنا کہ ان کی اصلیت مجروح نہ ہونے پائے گویا کہ استخراج احکام اور قانون سازی میں بڑا فرق ہے کہ جو کسی سے مخفی نہیں ہے، البتہ اس میں واقعات وحوادث کی حقیقت کا ادراک اور ان کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ اختلاف واقعات سے احکام شرعی میں لازماً تبدیلی ہوجاتی ہے۔

پس اسلام کے اصول وقوانین اور اس کے مقررات، عبادت، ثقافت، سیاست، اور معیشت کے تمام مسائل کو حل کرنے کی بنیاد ہیں ۔ تمام مسلمان ان کے تابع ہیں اور مجلس شوریٰ کو ان اسلامی دستوروں سے تخلف کرنے کا حق نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ حکومت اسلامی میں مجلس شوریٰ اپنی مرضی یا امت کی خواہش سے قانون سازی نہیں کرسکتی بلکہ اسے اسلام کے اصول اور کلیات کی بنیاد پر قانون بنانا ہوتا ہے۔

تاہم اس صورت میں مجلس شوریٰ کے کام میں تنگی یا مسائل کا حل تلاش کرنے میں اس کی محدودیت اور نارسائی لازم نہیں آتی، کیونکہ اسلام ایک کامل اور آخری دین ہونے کے لحاظ سے زندگی کے تمام حالات ومسائل کی طرف التفات رکھتا ہے ــــ یہاں تک کہ وہ ہر قسم کے ضرر، حرج اور زحمت کے موارد میں مناسب رہنمائی کرتا ہے، لہٰذا

شوریٰ کو کسی معاملے میں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

چنانچہ نبی اکرمؐ نے حجتہ الوداع کے خطبے میں فرمایا: "اے لوگو! بخدا کہ کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں جنت کے قریب اور (جہنم کی) آگ سے دور کرتی ہے مگر یہ کہ میں نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں (جہنم کی) آگ کے قریب اور جنت سے دور کرتی ہے مگر یہ کہ میں نے تمہیں اس سے منع کیا ہے"۔ (۳)

صحیحہ محمد بن مسلم میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "اس خدا کی حمد ہے کہ جس نے مجھے دنیا سے نہیں اٹھایا جب تک کہ میں نے امت کے سامنے وہ سب کچھ بیان نہ کر دیا کہ جس کی وہ محتاج تھی"۔ (۴)

حماد کہتا ہے کہ میں نے امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے سنا: "کوئی ایسی چیز نہیں مگر یہ کہ اس کے بارے میں کتاب یا سنت میں بیان آیا ہے"۔ (۵)

معلیٰ بن خنیس کا بیان ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ کو یہ فرماتے سنا "کوئی ایسا امر نہیں جس میں دو شخص اختلاف کرتے ہیں مگر یہ کہ اس کی اصل (اور دلیل) اللہ عزوجل کی کتاب میں موجود ہے، لیکن عام لوگوں کی عقلیں وہاں تک نہیں پہنچتیں"۔ (۶)

اس سلسلے میں اور بھی بہت سے اخبار موجود ہیں، ان کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب

گذشتہ فصل میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ حکومت اسلامی میں مکلّف و ذمہ دار امام وحاکم ہے اور مقنّنہ، انتظامیہ اور عدلیہ تینوں ادارے اس کے معاون اور اس کے دست وبازو ہیں۔ بنابریں زیر بحث موضوع کے سلسلہ بیان کا تقاضا ہے کہ مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب امام کے ہاتھ میں ہو، تاکہ وہ ایسے شخص کو منتخب کرے جو اس کی ذمہ داریوں میں اس کا معاون ومدد گار ہو۔ لیکن جب مجلس شوریٰ کی غرض وغایت باہمی مشورہ سے امت کے امور کے بارے میں قراردادیں تجویز کرنا اور ضروری فیصلے کرنا ہے تو پھر اگر ممکن ہو تو ارکان شوریٰ کا انتخاب امت کے ذریعے کرایا جانا چاہیے، تاکہ ادارہ تشریعی (مقنّنہ) امت کے ارادہ واختیار سے وجود میں آئے ــــ جیسا کہ نص کے نہ ہونے کی صورت میں خود والی وحاکم کا انتخاب امت کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ اندریں صورت یہ انتخاب نسبتاً بہتر اور مفید ہو گا، کیونکہ لوگ اپنے منتخب کئے ہوئے ارکان شوریٰ کی قرار دادوں اور فیصلوں کا کچھ زیادہ احترام کرتے ہوئے ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے اور بعض امراء و وزراء کے انتخاب میں بھی یہی طریقہ اختیار کرنا ہو گا، جیسا کہ بعض ملکوں میں ہو رہا ہے۔

شاید آیت شوریٰ، وجود حکومت اور امور عامہ مثلاً آیات جہاد و قتال، قوتوں کی فراہمی اور سرقہ و زنا کے حدود کا اجراء وغیرہ جو معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں ــ ان میں قرآن کا خطاب اور اس کا روئے سخن مجلس شوریٰ ہی کی طرف ہو، کیونکہ جب یہ معاملے امت کے ہیں تو ان کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے لہٰذا ان امور کے بارے میں قصد و ارادہ اور تجویز و فیصلہ بھی امت کے نمایندوں کی طرف سے ہو تو مناسب ہو گا۔

لیکن اگر امام عادل دیکھے کہ امت ارکان شوریٰ کے انتخاب پرآمادہ نہیں یا لوگوں میں کافی حد تک سیاسی شعور اور نیک وبد افراد کی پہچان کی ضروری فراست نہیں یا ان پر دھونس اور دھمکی کا اثر پڑنے کا خدشہ ہو تو امام و حاکم جو علم. عدل اور حسن ولایت کا حامل ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ بذات خود ارکان شوریٰ کا انتخاب کرے مگر اس قول کی صحت کی شرط کے ساتھ کہ خود اس کے انتخاب کے وقت اس پر یہ پابندی لگائی گئی ہو کہ ارکان شوریٰ کا انتخاب امام کے اختیار میں نہیں امت کے اختیار میں ہو گا. اس پر غور کریں۔

پھر یہ بات بھی. قابل توجہ ہے کہ مجلس شوریٰ میں عام طور پر اتفاق رائے حاصل نہیں ہو پاتا. اس صورت میں لامحالہ اکثریت کی رائے کا اعتبار ہو گا جیسا کہ تمام معاشروں اور تمام سیاسی جماعتوں میں ہوا کرتا ہے۔ اب اس میں یہ اشکال کرنا کہ اس طرح اقلیتی گروہوں اور غیر حاضر افراد کے حقوق کا اتلاف لازم آتا ہے تو اس کا جواب اس کتاب (کی جلد اول) کے پانچویں باب کی چھٹی فصل میں امت کے ذریعے انعقاد امامت کے مسئلے میں دیا جاچکا ہے. لہٰذا اس کی طرف رجوع کریں۔

۳۔ انتخاب کرنے اور منتخب ہونے والوں کے اوصاف

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انتخاب کرنے والے میں بلوغ. عقل اور ایسی بصیرت کا ہونا ضروری ہے کہ جس سے وہ اس شخص کی پہچان کر سکتا ہو جو اس اہم ذمہ داری کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو جو امت کی فلاح سے تعلق رکھتی ہے۔

اسی طرح منتخب ہونے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ. عاقل. دیندار اور متقی ہو. نیز شجاع و بہادر. صاحب عزم و ارادہ اور امت کے حالات و حاجات سے باخبر ہو۔ اس سے پہلے دوسری فصل میں وہ روایات ذکر ہو چکی ہیں جو مشیر کے اوصاف بیان کرتی ہیں اور اس فصل میں وزراء و حکام کے لئے ضروری شرائط بیان ہوں گی۔ گویا کہ مجلس شوریٰ کا ہر رکن امر مشاورت پر عامل ہوتا ہے. لہٰذا اس میں مشیر اور عامل و حاکم کے اوصاف کا موجود ہونا لازمی ہے۔

لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ معاشروں اور ملکوں میں عموماً یہ طریقہ رائج ہے کہ لوگ ایک منتخب ہونے والے شخص میں قوم. قبیلے اور خاندان کا لحاظ رکھتے ہیں. نیز یہ کہ وہ صاحب قوت و ثروت ہو اور قوم میں شہرت رکھتا ہو۔ لیکن وہ لوگ اس شخص میں علم دینی، تقویٰ، شجاعت، کفایت اور اسلام و مسلمانوں کے حقوق کا دفاع کرنے کی صلاحیت کے موجود ہونے کی طرف چنداں توجہ نہیں دیتے۔ چنانچہ ان کے اس طرز عمل کے نتیجے میں ملک و سلطنت کا سقوط، امت کے حقوق کا ضیاع اور ظالم و جابر اشخاص کا تسلط ہو جاتا ہے نیز غیر قوموں کے اثر و نفوذ کے باعث مسلمانوں کے معاملات اور ان کے علاقوں میں غیروں کی دخل اندازی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ایسے حالات میں وہ لوگ رائے دہندوں کی آراء خریدتے ہیں یا جھوٹے دعوے کرکے انہیں بہکا لیتے ہیں، لہٰذا رائے دینے والوں پر واجب ہے کہ وہ مجلس شوریٰ کے انتخاب میں باہم مشورہ کریں اور خصوصی غور و فکر سے کام لیں۔ یعنی اس موقع پر جھوٹے وعدوں، غلط بیانیوں، زر و مال کی چمک اور طاقتوروں کے دباؤ کی کوئی پرواہ نہ کریں۔

خدایا! تو ہمیں جن و انس میں سے تمام شیطانوں کے شر سے اپنی پناہ میں رکھنا!

۴۔ حکومت اسلامی کے منابع و مصادر

قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حکومت اسلامی کی بنیاد وہ اسلامی اصول و ضوابط ہیں جن کا زندگی کے مختلف مسائل سے تعلق ہے اور اس کے منابع و مصادر میں کتاب خدا اور سنت کاملہ شامل ہیں، یعنی وہ قول معصوم، فعل معصوم اور تقریر معصوم جو معتبر ذرائع سے ثابت ہو۔ نیز عقل کا قطعی حکم جو وہم و گمان سے خالی ہو، مثل حسن و قبح عقلی اور قطعی عقلی لوازم ان تین امور پر شیعہ و سنی مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

بعض ایسے کلمات جو ہمیں نظر آتے ہیں کہ ان میں حجیت عقل پر مطلقاً شک کیا گیا ہے تو ظاہراً وہ بے معنی کلام ہے اور اس پر توجہ دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر عقل کے قطعی حکم سے حکم شارع کا قطعی یقین حاصل ہو جائے تو پھر حجیت عقل سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے کہ قطعیت ذاتی طور پر حجت ہے اور عقل سبھی حجتوں کی اصل و اساس ہے، آیا توحید و نبوت اور کتاب و سنت کی حجیت، طریق عقل کے علاوہ کسی اور چیز سے ثابت ہوتی ہے؟

اس بارے میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے: "عقل مومن کی دلیل ہے"۔ (۷)

ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا: "عقل وہ ہے کہ جس سے رحمان کی عبادت کی جاتی ہے اور اسی سے جنت کمائی جاتی ہے۔" (۸)

ہشام بن حکم نے کہا کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: "اے ہشام! لوگوں پر خدا کی دو حجتیں ہیں کہ ایک حجت ظاہر اور دوسری حجت باطن ہے، ظاہری حجت انبیاءؑ، رسلؑ اور ائمہؑ ہیں اور باطنی حجت لوگوں کے عقول ہیں۔" (۹)

خلاصہ یہ کہ اجمالی طور پر حجیت عقل قطعی کی اصل میں اشکال کی کوئی گنجائش نہیں اگرچہ اس کے مصادیق کے بیان میں اشکال واقع ہوا ہے، اس پر ایک اور موقع پر بحث کی گئی ہے، اسی طرح کتاب و سنت کی حجیت میں اس شخص کے لئے کوئی شک و شبہ نہیں جو اسلام اور نبوت کی تصدیق کرتا ہے۔

البتہ کچھ ایسے امور بھی ہیں جن کی حجیت میں فریقین کا اختلاف ہے:

اول۔ حجیت اجماع بوجہ اجماع

پس علمائے اہل سنت فقہاء کے اجماع و اتفاق کو اس لحاظ سے مستقل حجت سمجھتے ہیں کہ اس میں جمعیت و اتفاق پایا جاتا ہے، وہ اس بارے میں آیات و روایات کا سہارا لیتے ہیں۔ سب سے مشہور آیت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی یتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی ونصله جهنم وساءت مصیراً - (۱۰)

" راہ راست کے ظاہر ہونے کے بعد جو شخص رسولؐ سے سرکشی کرے اور مومنین کے طریقے کے سوا کسی اور راہ پر

چلے تو ہم بھی اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر کو وہ پھر گیا ہے اور (آخر) اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ تو (بہت ہی) برا ٹھکانا ہے"۔

اسی طرح انکے ہاں ایک اہم روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "میری امت گمراہی یا خطاء پر جمع نہیں ہوگی"۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "بے شک میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، پس جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کے ساتھ ہو جاؤ"۔ (۱۱)

ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "بے شک خدا میری امت (یا امت محمدؐ) کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے جو الگ ہوا وہ آگ کی طرف (جانے کو) الگ ہوا"۔ (۱۲)

ہاں تو میں نے اہل سنت کی کتب حدیث میں کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی کہ جس میں لفظ "خطاء" مذکور ہوا ہو، البتہ یہ لفظ ان کی کتب استدلالی میں ضرور آیا ہے۔

اب رہے علماء شیعہ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اجماع محض اجماع واتفاق کے لحاظ سے کوئی مقام نہیں رکھتا، ہاں اگر ساری امت ایک قول پر متفق ہو جائے کہ اس میں سے ایک فرد بھی الگ نہ رہے تو امام معصوم جو عترت طاہرہ میں سے ہے، لازماً وہ بھی اس اجماع میں داخل ہو گا۔

پس وہ قول اس (معصوم) کی دخالت کے باعث حجت ہو گا۔ یہی صورت اس وقت بھی ہو گی جب کسی مسئلہ کے قائلین کی اتنی کثرت ہو جس سے اندازہ لگایا جاسکے کہ یہ مسئلہ نبی اکرمؐ یا امام معصوم سے اسی طرح وارد ہوا ہے، پس یہ اجماع حجت کو ظاہر کرے گا۔ تاہم یہ کیفیت صرف ان مسائل اصلیہ میں ہوگی جو معصومینؑ سے دست بدست منقول اور قدماء کی کتب میں درج ہیں کہ جو اسی مقصد سے تالیف کی گئی تھیں، لیکن یہ بات ان فرعی مسائل کے لئے نہیں ہے کہ جن میں فکر ونظر اور رائے سے کام لیا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ حقیقت میں حجت وہ قول معصوم ہی ہے جو اتفاق آراء سے کشف کیا گیا ہے یا اجماع کرنے والوں مین معصوم کے داخل ہونے کی بناء پر یا قول معصوم کی شناخت ہو جانے کی وجہ سے وہ قول حجت ہے نہ کہ اجماع بذات خود حجت ہے۔ پس اس صورت میں اجماع کی حیثیت خبر واحد صحیح کی سی ہے جو سنت محکم کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ اس کی جگہ سنت کے عرض میں نہیں بلکہ اس کے طول میں ہوتی ہے اور وہ اس پر دلالت کرتی ہے۔

فقیہ ہمدانی نماز جمعہ کی بحث میں رقمطراز ہیں: جیسا کہ ہم نے اجماع کی حجیت کے محل پر کہا ہے کہ اس کا دارومدار سب کے اتفاق کر لینے پر نہیں اور نہ ہی ایک زمانے میں اتفاق کر لینے پر ہے، بلکہ متاخرین کی رائے اس پر قائم ہے کہ علماء شیعہ جو محافظ شریعت ہیں اجماع کی حجیت ان کے فتاویٰ کے ذریعے قول معصوم کے معلوم وظاہر ہونے پر منحصر ہے اور یہ چیز مواقع وموارد کے اختلاف سے مختلف شکل میں ہوتی ہے۔ البتہ بہت سے مسائل ہیں کہ جن میں امام کی موافقت حاصل نہیں ہوتی، اگرچہ تمام اعلام کے آراء اس پر متفق ہوتے ہیں، مثل بعض ان مسائل کے جن کی بناء ایسے مبادی عقلیہ یا مبادی نقلیہ پر ہو جو قابل مناقشہ ہوں اور بعض مسائل ایسے ہیں جن میں امام کی موافقت کا جزم ویقین ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ بربنائے شہرت ہی کیوں

نہ ہو۔ (۱۳) اسے یاد رکھیں۔

جہاں تک آیت مشاقت (حکم رسولؐ سے سرکشی اور طریق مومنین سے دوری) کا تعلق ہے تو اس کا جواب کئی طرح سے دیا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ سبیل مومنین سے مراد ان کا اجماع ہے۔ بلکہ اس سے شاید اس لحاظ سے کہ وہ مومن ہیں، ان کی راہ مراد ہے یعنی ایمان بالرسول کی راہ جو مشاقت و سرکشی کے مقابل ہے۔ یہ بات اپنے مقام پر ثابت ہے کہ وصف کا ذکر علیت اور دخالت کو ظاہر کرتا ہے، پس سبیل مومنین کی بازگشت سنت رسولؐ کے اتباع کی طرف ہے اور وہ اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

غزالی کہتے ہیں: جو چیز ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت اجماع کے بارے میں نص کا درجہ نہیں رکھتی، بلکہ ظاہراً اگر اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی گروہ رسولؐ سے سرکشی اور قتال کرے تو جو شخص آپ کی نصرت اور دشمن کے مقابل مدافعت کرنے میں مومنین کی سبیل کے علاوہ کسی دوسرے طریقے پر چلے تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے کہ جدھر کو وہ پھر گیا ہے۔ پس وہ صرف مشاقت و سرکشی کو ترک کرنے پر ہی اکتفانہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ آنحضرتؐ کی نصرت اور آپ کی طرف سے دفاع بھی کرے، نیز جس جس بات میں آپ امرونہی فرمائیں اس میں آپ کی اطاعت بھی کرے۔ محولہ بالا آیت کے یہی معنی ہیں جو اولاً ذہن میں آتے ہیں اور اگر ظاہر میں ایسا نہ ہو تو بھی اس معنی کا احتمال ضرور ہے۔ (۱۴) اسے یاد رکھیں۔

تاہم اس آیت کے ذیل میں وہ لوگ جس حدیث کا سہارا لیتے ہیں، ہمارے نزدیک وہ کسی قابل اعتماد سند کے ساتھ ثابت نہیں ہوئی ہے ___ جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں الزوائد کے حوالے سے اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے: "یعنی اس حدیث کے سلسلہ سند میں ابو خلف اعمیٰ (حازم بن عطاء) داخل ہے جو ضعیف ہے، یہ حدیث کچھ اور طرق سے بھی روایت ہوئی ہے لیکن ان سب میں خدشہ پایا جاتا ہے ___ یہ بات ہمارے شیخ عراقی نے بیضاوی کی احادیث کے بیان میں کہی ہے۔" (۱۵)

البتہ امام علی نقی ہادیؑ کا جو مکتوب اہل اہواز کے نام ہے، اس میں آپ نے تحریر فرمایا: "اس پر ساری امت کا اجماع ہے اور اس میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن حق ہے اور اس میں فرق اسلامیہ میں سے کسی کو شک وشبہ نہیں ہے۔ یعنی وہ سب اجتماعی طور پر قرآن کی تصدیق اور اس کے حق ہونے کا اقرار کرتے ہیں، ان کا یہ قول صواب و درستی کا حامل ہے اور اس میں وہ ہدایت پر ہیں۔ اس کی وجہ اور بنیاد نبی اکرمؐ کا یہ ارشاد ہے کہ "میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی" پس آپ نے خبر دی ہے کہ وہ تمام امور حق ہیں کہ جن پر ساری امت کا اجماع ہو۔" (۱۶)

میں کہتا ہوں ___ صحت حدیث کو فرض کرتے ہوئے اس کا ظاہر یہ ہے کہ جب کسی امر پر ساری امت کا اجماع ہو تو پھر یہ فقہاء و مجتہدین کے ساتھ مختص نہیں، جیسا کہ علماء اہل سنت کے ساتھ بھی مختص نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسلمانوں کے تمام گروہوں کے لئے عام ہے اور اس میں اپنے بارہ اماموں کے ساتھ ساتھ شیعہ امامیہ بھی داخل ہیں۔ نیز ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ایسی جماعت کا اتفاق جس میں امام معصوم بھی شامل ہوں، ہمارے نزدیک وہ اتفاق بلا اشکال حجت ہے۔ غور کریں۔

دوم ۔ قیاس اور استحسانات ظنی

پس اکثر علماء اہل سنت قیاس اور استحسان ظنی پر انحصار کرتے ہیں. کیونکہ انہوں نے نبی اکرمؐ کی عترت طاہرہؑ کے اقوال سے تمسک ترک کر رکھا ہے۔ وہ فروعات کے استنباط میں کتاب اور سنت پر قائم نہیں ہیں. اس لئے انہوں نے استحسانات اور مختلف آراء کی پناہ لی ہوئی ہے۔ لیکن دوسری طرف اہل بیتؑ کے اخبار و روایات جو ان کی سیرت و روش کو ظاہر کرتے ہیں. وہ علوم و معارف اور احکام و آداب سے اس طرح بھرے ہوئے ہیں کہ بیمار کو شفا اور پیاسے کو سیرابی عطا کرتے ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے قیاس اور استحسان ظنی کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ نبی اکرمؐ نے اپنی عترت طاہرہؑ کو قرآن کے ہمسر اور ساتھی قرار دیا ہے. چنانچہ حدیث ثقلین جو شیعہ و سنی مسلمانوں کے ہاں تواتر کے درجے پر ہے وہ قرآن و اہل بیتؑ سے تمسک کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے. نیز قیاس و استحسان ظنی کی عدم حجیت کے بارے میں ہمارے روایات مستفیض بلکہ متواتر ہیں. پس ان کی طرف رجوع کریں۔ (۱۷)

ہمارے ان اخبار میں سے ایک وہ خبر ہے جسے شیخ کلینیؒ نے اپنی سند کے ساتھ عیسیٰ بن عبداللہ قرشی سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا. "ابو حنیفہ، امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے ابو حنیفہ! مجھے خبر ملی ہے کہ تم قیاس کرتے ہو۔ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: قیاس نہ کیا کرو کہ جس نے سب سے پہلے قیاس کیا وہ ابلیس تھا، جبکہ اس نے کہا کہ تو نے مجھے آگ سے اور اس (آدمؑ) کو مٹی سے پیدا کیا ہے ــــ یوں اس نے آگ اور مٹی کے درمیان قیاس کیا۔ اگر وہ آگ کی روشنی اور آدمؑ کی نورانیت میں قیاس کرتا تو اسے ان دونوں روشنیوں کا باہمی فرق معلوم ہو جاتا اور ایک کی دوسری سے بڑھی ہوئی صفائی اور چمک کو سمجھ جاتا۔ (۱۸)

اس سلسلے میں ابان بن تغلب نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "سنت میں قیاس نہیں کیا جاسکتا ــــ کیا تم دیکھتے نہیں کہ عورت اپنے روزے کی قضا بجالاتی ہے لیکن نماز کی قضا بجا نہیں لاتی، اے ابان! اگر سنت میں قیاس کیا جائے تو دین مٹ جاتا ہے"۔ (۱۹)

اسی طرح مسعدہ بن صدقہ نے امام جعفر صادقؑ سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین امام علیؑ نے فرمایا: "جو شخص اپنے آپ کو قیاس پر لگادے تو وہ عمر بھر شبہ میں رہے گا اور جو اللہ کے دین کو اپنی رائے کے تحت رکھے تو وہ زندگی بھر شک میں رہے گا"۔ (۲۰)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں۔

اس ذیل میں چند ایک سنی روایات بھی ملاحظہ کیجئے۔

ابن سیرین نے کہا. "سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا اور چاند سورج کی عبادت قیاس کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں ہوئی ہے۔" (۲۱)

"حسن سے روایت ہے کہ اس نے آیت: خلقتنی من نار و خلقتہ من طین کی تلاوت کی اور کہا کہ ابلیس نے قیاس کیا اور وہ پہلا فرد ہے جس نے قیاس کیا"۔ (۲۲)

عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "میری امت کچھ اوپر ستر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان میں سب سے زیادہ گمراہ فرقہ وہ ہوگا جو دین میں اپنی رائے سے قیاس کرے گا کہ جس سے وہ خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرے گا"۔ (۲۳)

فقہاء اہل سنت میں سے ظواہر اور بعض معتزلہ بھی قیاس ورائے پر عمل کرنے کو برا سمجھتے ہیں، جیسا کہ ابن حزم اندلسی نے کہا: "دین میں قیاس ورائے سے بات کرنا حلال نہیں ہے، کسی امر میں اختلاف کی صورت میں اسے قرآن مجید اور رسول کریمؐ کی طرف پلٹانا جائز و درست ہے۔ لیکن جو اسے قیاس یا کسی ایسی علت کی طرف پلٹائے کہ جس کا وہ مدعی ہے یا رائے کی طرف پلٹائے تو اس نے حکم خدا کی مخالفت کی جو اس کے ایمان کے ساتھ شامل ہو گئی ہے، کیونکہ اس نے اس امر کو خدا کی بتائی ہوئی جگہ کے سوا کسی اور طرف پلٹایا ہے"۔ (۲۴)

امیر المومنین امام علیؑ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی بھیجی ہوئی یہ آیات قیاس ورائے کا ابطال کرتی ہیں:

ما فرّطنا فی الکتاب من شیء - (۲۵)

"ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کیا۔" (۲۵)

تبیاناً لکلّ شیء - (۲۶)

"(اس کتاب میں) ہر چیز کا واضح بیان ہے۔" (۲۶)

لتبیّن للنّاس ما نزل الیهم - (۲۷)

"(قرآن نازل کیا ہے) تاکہ جو احکام لوگوں کے لئے بھیجے گئے ہیں تم ان سے صاف صاف بیان کر دو۔" (۲۷)

الیوم اکملت لکم دینکم - (۲۸)

"آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔" (۲۸)

سوم - اہل بیتؑ کے ارشادات

مخفی نہیں ہے کہ نبی اکرمؐ کا قول، فعل اور تقریر (کسی فعل پر سکوت) یقینی و قطعی طور پر سنت اور بلا اشکال حجت ہے اور بعض علماء اہل سنت صحابہ کے اقوال بلکہ ان کے اعمال کو بھی حجت شمار کرتے ہیں۔ جبکہ شیعہ امامیہ اہل بیتؑ میں سے ائمہ طاہرینؑ کے اقوال، افعال اور تقریر کو بھی حجت سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ عترت نبیؐ ہونے کی بناء پر معصوم ہیں۔ جیسا کہ نبی اکرمؐ نے حدیث ثقلین میں ان کو کتاب عزیز کے عدیل وقرین قرار دیا جو فریقین کے ہاں متواتر تسلیم کی جاتی ہے اور اسے اکثر صاحبان صحاح، سنن اور مسانید نے ذکر کیا ہے، ان کی طرف رجوع کریں۔

مثلاً زید بن ارقم سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "میں تم میں وہ کچھ چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر اس سے تمسک کرو تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ان میں ایک دوسری سے عظیم تر ہے جو اللہ کی کتاب ہے کہ وہ آسمان سے زمین تک طویل رسی ہے اور دوسری میری عترت کہ جو میرے اہل بیتؑ ہیں۔ یہ دونوں (قرآن و اہل بیتؑ) ایک دوسرے سے

ہرگز جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملیں گے___پس دیکھنا کہ تم ان دونوں کے بارے میں کس طرح میری جانشینی کرتے ہو"۔ (۲۹)

عترت طاہرہؑ کے اقوال کی حجیت پر اس حدیث کی دلالت ظاہر ہے، کیونکہ ان سے اور کتاب عزیز سے تمسک واجب قرار دیا گیا ہے۔ تاہم اقوال اہل بیتؑ کی حجیت کا معاملہ خلافت و امامت کے مسئلے سے الگ ہے، کیونکہ پہلا علم اصول فقہ کا اور دوسرا علم کلام کا مسئلہ ہے۔

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "اے لوگو! میں تم میں دو امر (چیزیں) چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر ان سے تمسک کرو تو میرے بعد کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے، ان میں سے ایک دوسری سے افضل ہے جو اللہ کی کتاب ہے کہ وہ اللہ کی رسی ہے جسے آسمان سے زمین کی طرف دراز کیا گیا ہے اور دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں کہ جو میری عترت ہیں۔ یاد رکھو کہ یہ دونوں (قرآن و اہل بیتؑ) ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض (کوثر) پر آئیں گے۔ ابن جریر (۳۰)

ان کے علاوہ بھی اس ضمن میں طرق فریقین سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔

عترت نبیؐ آپ کے اہل بیتؑ ہیں اور گھر کی باتوں کو گھر والے ہی بہتر طور پر جانتے ہیں، پس اہل بیتؑ کوئی بات نہیں کہتے مگر وہ جو انہوں نے اپنے آباء کے ذریعے نبی اکرمؐ سے سنی ہے جیسا کہ بعض اخبار بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

ہشام بن سالم اور حماد بن عثمان وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے سنا: "میری حدیث میرے والد گرامیؑ کی حدیث ہے، میرے والد گرامیؑ کی حدیث میرے جد بزرگوارؑ کی حدیث ہے، میرے جد بزرگوارؑ کی حدیث امام حسینؑ کی حدیث ہے، امام حسینؑ کی حدیث امام حسنؑ کی حدیث ہے، امام حسنؑ کی حدیث امیر المومنین امام علیؑ کی حدیث ہے، امیر المومنینؑ کی حدیث نبی اکرمؐ کی حدیث اور نبی اکرمؐ کی حدیث خدائے عزوجل کا ارشاد ہے"۔ (۳۱)

مخفی نہیں کہ ان مسائل میں محل بحث علم اصول فقہ اور علم کلام ہے اور یہاں ہماری غرض ان کی طرف صرف اجمالی اشارہ کرنا ہے، پس ان بحثوں کے موارد کی طرف مراجعہ کریں۔

۵۔ استنباط و اجتہاد

استنباط کی تشریح اس طرح آئی ہے:

نبط الماء یَنبُطُ ینبِطُ نبوطًا کا معنی ہے پانی کا پھوٹنا اور ہر وہ چیز جسے ظاہر کیا جائے وہ «فقد انبط» ہے۔ استنبطه واستنبط منه علماً وخبراً ومالاً کا معنی ہے علم، خبر اور مال کو نکالا گیا۔ استنباط کا معنی استخراج ہے اور "استنبط الفقیه" کا معنی ہے کہ اس فقیہ نے اپنے اجتہاد سے اس فہم و فقہ کو ظاہر کیا جو پوشیدہ اور چھپا ہوا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: البتہ ان میں سے وہ جان جاتے ہیں جو استخراج کرسکتے ہیں۔ (۳۲)

میں کہتا ہوں ــــ گویا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم وہ آب حیات یا ایک قیمتی اور نفیس چیز ہے جو دینی مصادر میں پوشیدہ ہے کہ جسے فقیہ ان میں سے معلوم وظاہر کرتا ہے۔

اجتہاد کی تشریح اس طرح ہے:

«الاجتہاد والتجاھد» کا معنی اپنی پوری وسعت کے مطابق کوشش کرنا ہے، جیسا کہ معاذ کی روایت میں ہے کہ "اجتہد رائی" میں اپنی رائے کو پوری طرح کام میں لاؤں گا۔ اجتہاد کا معنی کسی چیز کے طلب وحاصل کرنے میں اپنی پوری وسعت فکر وعمل کو کام میں لانا ہے، اجتہاد کا لفظ "جہد" سے صیغہ افتعال ہے کہ جس کا معنی وسعت فکر وعمل ہے۔ چنانچہ حاکم کو جو قضیہ و معاملہ پیش آئے اور وہ اسے قیاس (برہان) کے ذریعے کتاب وسنت سے تطبیق دے تو یہ اجتہاد ہے، اس عمل میں اس کا مقصد پیش آمدہ معاملے کو کتاب وسنت پر پیش کرنا ہو اور اس میں اپنی رائے اور خواہش کو عمل میں لانا نہ ہو۔ (۳۳)

میں کہتا ہوں ــــ اوپر جس حدیث کی طرف اس نے اشارہ کیا، یہ وہی حدیث ہے جسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ پس ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ معاذ بن جبل کے اصحاب میں سے کئی لوگوں نے روایت کی ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجنا چاہا تو اس سے فرمایا: "جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ آئے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ اس نے عرض کیا: میں خدا کی کتاب کے ذریعے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا! اگر اللہ کی کتاب میں کچھ نہ پاؤ تو؟ اس نے عرض کیا: میں رسول اللہؐ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: لیکن اگر اللہ کی کتاب اور سنت رسولؐ میں کوئی بات نہ پاؤ تو؟ اس نے عرض کیا: پھر میں اپنی رائے کو پوری طرح کام میں لاؤں گا اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔ تب نبی اکرمؐ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: حمد ہے اس خدا کی جس نے رسول اللہؐ کے نمایندے کو وہ بات کہنے کی توفیق دی کہ جو رسول اللہؐ کو راضی وخوشنود کرنے والی ہے۔" (۳۴)

جہاں تک اس کے قول "قیاس کے طریقے سے" کا تعلق ہے تو شاید اس کی مراد قیاس اور استحسانات ظنی کی نسبت عام ہے اور ہمارے ائمہ طاہرینؑ کے اوقات میں اس مفہوم کے لئے اجتہاد و رائے کے الفاظ رائج ہو چکے تھے۔ پس ہمارے روایات میں ان معنوں میں ان دونوں سے نہی وارد ہوئی ہے۔" (۳۵)

باقی رہا وہ اجتہاد کہ جس کا مطلب احکام شریعت کو ادلہ شرعی کتاب، سنت اور عقل قطعی سے استنباط کرنے میں اپنی وسعت فکر وعمل کو پوری طرح صرف کرنا ہے تو یہ اجتہاد ایک ایسا امر واجب ہے جس میں کوئی مانع نہیں اور نہ کوئی اس کا انکار کر سکتا ہے۔

امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے مروی ہے: "بس ہمارا فرض تمہیں اصول سے آگاہ کرنا ہے اور فروعات کو معلوم کرنا خود تمہارا کام ہے"۔ (۳۶)

امام علی رضاؑ سے مروی ہے: "ہمارا فرض تمہیں اصول وقواعد کی تعلیم دینا اور تمہارا کام ان کے فروعات اور مصادیق کو معلوم وبیان کرنا ہے"۔ (۳۷)

چنانچہ وہ روایات جو معاملات کو کتاب وسنت کی طرف پلٹانے میں وارد ہوئی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور ان کی بنیاد پر جو اجتہاد

ہمارے نزدیک مسلم ہے وہ اس اجتہاد سے الگ ہے جو اہل سنت کی اصطلاح میں مراد ہے۔
البتہ جو بات اس نے آخر میں کہی ہے شاید اس سے اس کی مراد نفی تصویب ہے اور اس پر بحث آگے آ رہی ہے۔

۶۔ تخطئۂ و تصویب

مخفی نہیں کہ مسائل دینی کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم میں وہ اصلی و ضروری مسائل ہیں جن پر تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے اور ان پر کتاب عزیز یا سنت متواتر قطعی یا عقل سلیم دلالت کرتی ہے۔ دوسری قسم میں فروعی اجتہادی و استنباطی مسائل ہیں جو انہی اصول اور عمل اجتہاد و نظر اور استنباط کے محتاج ہیں کہ جن کی بنیاد کتاب و سنت یا حکم عقل قطعی پر ہے۔
پہلی قسم کے مسائل میں کوئی اختلاف و اشکال نہیں اور نہ ہی ان میں اجتہاد و استنباط کی گنجائش ہے، جب کہ دوسری قسم کے مسائل اعمال اجتہاد و نظر پر موقوف ہیں اور لامحالہ ان میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض الفاظ کے معانی، حدیث کی صحت و ضعف اور بعض امور مثل خبر واحد اور اجماع کی حجیت کے مفاہیم میں اختلاف ہے۔ خاص طور پر اجماع منقول اور شہرت میں اختلاف ہے، جیسے عترت میں سے ائمہ اثناء عشر کے اقوال کی حجیت جو ہمارے نزدیک ثابت ہے اور بعض اہل سنت کے ہاں صحابہ کے اقوال اور قیاس و استحسانات ظنی کی حجیت ثابت ہے، ان سب اختلافات کی بازگشت درک اور مدرک کی طرف ہے۔

مسائل کی اس دوسری قسم کے بارے میں یہ بحث واقع ہوتی ہے کہ مختلف استنباطی آراء سبھی حق ہیں یا ان میں سے صرف ایک حق ہے اور باقی خطاء پر ہیں اگرچہ اس میں وہ معذور ہیں۔ اس بات پر ہمارے اصحاب امامیہ کا اتفاق ہے کہ ہر خاص واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک ہی حکم ہے کہ جس میں سب لوگ شریک ہیں اور تمام مسلمان اولاً اور بالذات اس پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ پس تمام مراحل میں دین ایک، شریعت ایک اور حق ایک ہی ہے، اس میں جو اختلاف واقع ہوا ہے وہ واقعہ کے اخذ کرنے اور منابع سے اس کے استنباط کرنے میں ہے کہ بعض اسے پا لیتے ہیں اور بعض اس میں خطاء کر جاتے ہیں۔

پس ایک ہی مسئلہ میں تمام مختلف اجتہادات اس حکم خدا کی تصویر کشی نہیں کرتے جو اس کے رسولؐ پر نازل ہوا ہے۔ اگرچہ ہر اجتہاد کے تسلیم کرنے والے اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ تاہم فقہاء و مجتہدین کی آراء فقط کسی حکم کے معلوم کرنے کا راستہ ہیں جو حقیقت واقعہ تک پہنچ جاتے ہیں اور کبھی خطاء میں جا پڑتے ہیں۔ جیسا کہ علم جو تمام حجتوں اور دلیلوں کی جڑ ہے، اور اس کی حجیت ذاتی ہے، اسی طرح باقی عقلی اور شرعی طریقوں اور علامتوں کی حجیت بھی ذاتی ہے۔
گویا کہ خدا کا حکم واقعی اپنے مصادر و مبانی میں چھپا ہوا ہے جسے فقیہ اپنے استنباط کے ذریعے معلوم کرتا ہے۔ پس کبھی وہ حق تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی اس میں خطاء کر جاتا ہے، اس میں مصیب (صحیح استنباط کرنے والے) کے لئے دو اجر اور مخطی (غلط استنباط کرنے والے) کے لئے ایک اجر ہے۔

چنانچہ حکم واقعی مفاد طریق کے تابع نہیں کہ اسے اس کے مطابق قرار دیا جائے جیسا کہ وہ ہو، جیسے واقع کے خلاف قیام طریق واقع کے تبدیل ہونے اور مفاد طریق کی طرف منقلب ہونے کا موجب نہیں ہے۔ یہ وہ امر ہے کہ جس پر ہمارے

اصحاب امامیہ قائم ہیں کہ وہ سب کے سب تصویب کا انکار کرتے ہیں، اس بناء پر انہیں مخطئۂ کا نام دیا جاتا ہے۔ جہاں تک علماء اہل سنت کا تعلق ہے تو ان میں اس بات پر اختلاف ہے، ان میں بعض تصویب کے اور بعض تخطئۂ کے قائل ہیں، فخرالدین رازی نے اجتہاد کی بحث میں کہا ہے: ”پس اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہ ہو تو یہ کہنے والے کا قول ہے اور ہر مجتہد مصیب ہے، ان میں ہمارے جمہور متکلمین ہیں مثل اشعری و قاضی ابو بکر اور معتزلہ ہیں مثل ابو ہذیل، ابو علی، ابو ہاشم اور اس کے تابعین ہیں۔ (۳۸)

امام غزالی نے کہا ہے: ”جس چیز کے مصوبہ قائل ہوئے وہ یہ ہے کہ جس واقعہ میں کوئی نص نہ ہو اس کا کوئی معین حکم نہیں ہے کہ جس کو ظن و گمان تلاش کرے گا بلکہ خود حکم ظن و گمان کے تابع ہے اور ہر مجتہد کے لئے خدا کا حکم وہی ہے جس کا اسے ظن غالب ہو، یہی وہ موقف ہے کہ قاضی بھی اس کا قائل ہوا ہے“۔ (۳۹)

میں کہتا ہوں ـــــ مصوبہ کا اہم اور خاص نظریہ صحابہ کے آراء اور ان کے افعال کی تصویب ہے، ان کا گمان یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو پیغمبر اکرمؐ کی صحبت میں رہا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو خطا نہیں کرتے، چہ جائیکہ ان سے فسق و فجور اور ظلم و جور کا صدور ہو۔ لیکن اس مسئلے میں حق وہی ہے جو آپ ہمارے اصحاب امامیہ سے تخطئۂ والا قول سن چکے ہیں۔

اس بارے میں ابن حزم اندلسی نے بھی کہا ہے: ”مسئلہ۔ اقوال میں سے حق صرف ایک ہی میں ہوگا اور باقی خطاء پر ہوں گے ... پس اقوال میں حق وہ ہوگا کہ جس کا خدا نے حکم دیا اور وہ ایک ہی ہوتا ہے کہ جس میں اختلاف نہیں ہو سکتا اور خطاء و غلطی اس میں ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ ہاں جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہر مجتہد مصیب ہے تو اس نے ایسی بات کہی جس کی قرآن، سنت، اجماع اور عقل میں کوئی دلیل نہیں اور ایسا ہر قول باطل ہے“۔ (۴۰)

”وہ جمہور مسلمین ہیں کہ جن میں سے شافعی اور حنفی یہ کہتے ہیں کہ مجتہدین میں سے اپنے اجتہاد میں یقینی طور پر مصیب تو ایک ہی ہوگا اور اس کے علاوہ ہر ایک مخطی ہے کیونکہ حق میں کثرت کا کوئی دخل نہیں ہے“۔ (۴۱)

امام غزالی نے اجتہاد، تصویب اور تخطئۂ کے ذکر کے بعد کہا ہے: ”اور اس میں لوگوں نے باہم اختلاف کیا ہے اور اس بارے میں ابو حنیفہ و شافعی سے مختلف روایات وارد ہوئی ہیں“۔ (۴۲)

تخطئۂ کے واضح ہونے کے علاوہ کسی حکم میں اجتہاد و استنباط کرنا پہلے مرتبہ میں اس کے وجود کی فرع ہے، پس حکم کا اجتہاد کے تابع ہونا معقول نہیں ہے۔

اس سلسلے میں کئی ایک روایات ہیں:

۱۔ سلیمان بن بریدہ نے اپنے باپ کے واسطے سے روایت کی ہے کہ جب نبی اکرمؐ کسی کو لشکر یا سریہ پر امیر مقرر کرتے تو اسے جو وصایا فرماتے ان میں سے ایک یہ ہے: ”اور جب تم کسی قلعہ میں رہنے والوں کا محاصرہ کرو تو اگر وہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ کے حکم پر قلعہ سے اتارو تو نہ اتارنا بلکہ انہیں اپنے حکم پر اتارنا، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ ان کے بارے میں اللہ کے حکم کو پاسکتے ہو یا نہیں۔ (۴۳)

۲۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جب حاکم فیصلہ دے تو پوری کوشش کرے تاکہ واقعیت کو پالے، تب اس کے لئے دو اجر ہیں۔ لیکن اگر وہ فیصلہ دینے میں خطاء کر جائے تو پھر اس کے لئے ایک ہی اجر ہے"۔ (۴۴)

۳۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "ان میں سے ایک کے سامنے فیصلے کے لئے کوئی معاملہ پیش ہوتا ہے اور وہ اپنی رائے سے فیصلہ دیتا ہے، پھر اسی طرح کا قضیہ اس کے علاوہ کسی اور کے سامنے لایا جاتا ہے تو وہ پہلے شخص سے الگ اپنا حکم لگاتا ہے۔ اس کے بعد سب قاضی یہ فیصلے لے کر اس حاکم کے ہاں جمع ہوتے ہیں کہ جس نے انہیں مقرر کیا ہے، پس وہ ان سب کی آراء کو درست قرار دیتا ہے حالانکہ ان کا خدا، نبیؐ اور کتاب ایک ہے۔ (۴۵)

۴۔ سیوطی نے اپنی سند کے ساتھ شعبی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: "خلیفہ ابو بکر سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں اپنی رائے سے ایک بات کہتا ہوں، پس اگر وہ درست ہوئی تو اللہ وحدہٗ کی طرف سے ہے اور غلط ہو تو شیطان کی طرف سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے ___ میری رائے میں کلالہ، والد، والدہ اور اولاد کے علاوہ دیگر رشتہ دار ہیں"۔ (۴۶)

۵۔ خلیفہ عمر نے اپنے منشی سے کہا: "لکھو یہ وہ بات ہے جو عمر کی رائے میں سے ہے، پس اگر درست ہوئی تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور غلط ہوئی تو اس (عمر) کی طرف سے ہے"۔ (۴۷)

۶۔ ابن مسعود نے مفوضہ کے بارے میں کہا: "میں ان کے متعلق اپنی رائے سے بات کروں گا، پس اگر وہ درست ہوئی تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوئی تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، خدا اور رسولؐ اس سے بری ہیں"۔ (۴۸)

۷۔ کنز العمال میں ہے: "اے عمرو! ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو، اگر تم ان دونوں کے درمیان (درست) فیصلہ کرو تو تمہارے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر خطاء کر جاؤ تو پھر ایک ہی نیکی ہے"۔ حم طب۔ عن عمرو (۴۹)

۸۔ اسی کتاب میں ہے: "اجتہاد میں پوری پوری کوشش بروئے کار لاؤ، پس اگر واقعیت اور درستی تک پہنچ گئے تو تمہارے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر خطاء کر گئے تو تمہارے لئے ایک ہی نیکی ہے"۔ عد۔ عن عقبہ بن عامر (۵۰)

۹۔ اسی کتاب میں موسیٰ بن ابراہیم نے آل ربیعہ کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: "جب جناب ابو بکر خلیفہ بنادئے گئے تو وہ غمگین ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ رہے، پھر جناب عمر، ان کے پاس آئے تو نئے خلیفہ انہیں ملامت کرنے لگے کہ تم نے مجھ پر یہ ذمہ داری ڈال دی ہے، بعد میں لوگوں کے معاملات میں فیصلے دینے کے بارے میں اپنی مشکلات کا ذکر کیا، جناب عمر نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں علم نہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے: پس والی و حاکم پوری طرح اجتہاد کرے، اگر وہ حق کو پالے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر پوری کوشش کے باوجود حق میں خطاء کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے"۔ گویا جناب عمر نے خلیفہ ابو بکر کے لئے یہ کام آسان کر دیا۔ ابن راہویہ وخیثمہ فی فضائل الصحابہ هب (۵۱)

۱۰۔ موطا امام مالک طبع مصر کے دیباچہ میں ہے کہ معن بن موسیٰ کہتا ہے کہ میں نے امام مالک کو یہ فرماتے سنا: "میں ایک بشر و انسان ہوں، صحیح بات بھی کرتا ہوں اور غلط بھی کہہ جاتا ہوں، پس میری رائے کی چھان بین کرو اور اگر وہ سنت کے مطابق ہو تو

اسے اختیار کرلو"۔ (۵۲)

اس کے برعکس وہ قول ہے جو بعض لوگوں کی زبانوں پر ہے اور شاید کئی ایک شیعہ بھی یہی کہتے ہیں: "یہ وہ امر ہے جس کا مفتی نے فتویٰ دیا اور مفتی نے جو بھی فتویٰ دیا وہ میرے لئے حکم خدا ہے"۔ یہ وہ قول و کلام ہے جو ان لوگوں تک اہل تصویب سے پہنچا ہے لیکن ظاہر میں وہ ممنوع ہے۔ کیونکہ حکم خدا کسی مفتی کے فتوے کے تابع نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے، البتہ انبیاء ماسبق، نبی اکرمؐ اور اسی طرح ہمارے نزدیک عترت میں سے بارہ ائمہ کا قول حکم خدا ہے کہ جو خطاء وگناہ سے مبریٰ ومعصوم ہیں، اس بارے میں مقام بحث علم کلام کی کتب ہیں لہٰذا ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

۷۔ اجتہاد مطلق کے دروازے کا کھلا ہونا

اب تک جو کچھ بیان ہوا، اس سے ظاہر ہے کہ حکومت حقہ کی بنیاد اور مسلمانوں کے تمام حالات ومعاملات اور اعمال کی اساس اللہ تعالیٰ کے وہی احکام ہیں جو اس کے رسولؐ پر وحی کے ذریعے نازل ہوئے اور وہ سب لوگوں کے لئے ہیں، ان احکام کے منابع ومصادر کتاب عزیز، سنت قائمہ اور عقل قطعی ہیں۔

پس اولاً واجب ہے کہ ان اصل مصادر کی طرف رجوع کیا جائے اور ان سے احکام خدا کو اخذ کیا جائے، پس جو شخص ان مصادر کی طرف رجوع کرنے کی اہلیت اور ان سے استنباط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ اپنے استنباط کے مطابق عمل کرے گا اور جو استنباط احکام کی اہلیت نہیں رکھتا وہ اس استنباط کرنے والے کے فتوے کی طرف رجوع کرے گا۔ یہ وہی صورت ہے جیسے ہر تخصیصی فن میں اس سے نابلد آدمی اس فن کے ماہر خصوصی کی طرف رجوع کرتا ہے حقیقت میں اس کا یہ رجوع کرنا ان احکام سے اجمالی طور پر باخبر ہونے کا ایک عام اور عادی طریقہ ہے۔ ورنہ فقیہ کے فتوے کے لئے کوئی موضوعیت اور سببیت نہیں بلکہ وہ محض ایک ذریعہ ووسیلہ ہے جیسے دوسرے عقلائی وشرعی طریق ہیں کہ جن میں انسان کبھی صواب ودرستی تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی خطاء کر جاتا ہے۔ یہ احوط بلکہ اقویٰ اختلافی مسائل میں اعلم کی طرف رجوع ہے جیسے عقلاء کا طریقہ ہے کہ وہ اہم اختلافی مسائل میں اعلم کو غیر اعلم پر ترجیح دیتے ہیں، اس بناء پر کسی خاص مجتہد اور مخصوص فقیہ کے لئے کوئی خصوصیت اور امتیاز نہیں ہے کیونکہ ہر دور اور ہر زمانے میں بہت سے شیعہ فقہاء ہوئے اور اسی طرح اہل سنت میں بھی ہوئے ہیں بعض اوقات فقہاء نے اپنے فتاویٰ میں، ان کے منابع ومصادر میں اور طریق استنباط اور اس کی کیفیت میں باہم اختلاف کیا ہے کہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

چونکہ شیعہ فقہاء اپنے فتاویٰ میں کتاب عزیز اور نبی اکرمؐ وائمہ اثنا عشرؑ کے نصوص میں مقید ہیں، اس لئے ان میں نسبتاً کم اختلاف ہوا ہے مگر فقہاء اہل سنت میں بہت زیادہ اختلاف واقع ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء اہل سنت میں سے اکثر نے قیاس، استحسانات ظنی اور تصورات ذہنی پر اعتماد کیا ہے، لہٰذا ان کی آراء میں عدم مطابقت اور اختلاف پیدا ہو گیا اور بہت سے مواقع پر وہ ایسے فتاویٰ دیتے ہیں جو ایک دوسرے کے برعکس اور متناقض ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ وقتی سیاسی تعصبات اور حکومتوں کی طرف سے دوسرے ملکوں اور علاقوں میں دخل اندازی کے زیر اثر وہ بعض آراء کو

بعض پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ بعض فقہی مذاہب کو ممنوع قرار دیتے، ان کے پیروکاروں کو سزائیں دلواتے اور دوسرے لوگوں کو اپنے مذاہب میں شامل کرنا ضروری تصور کرتے ہیں، جیسا کہ تاریخ اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ لوگ زیادہ تر اپنے بادشاہوں کے طریق پر رہے ہیں۔

چنانچہ ان بادشاہوں نے اپنے سیاسی مقاصد پورے کرنے کے لئے بعض علماء اور سرکاری اہلکاروں کا تعاون حاصل کیا یہاں تک کہ ان کے علماء اور حکام کی آراء چار مذاہب پر باہم متفق ہو کر مضبوط اور پختہ ہوگئیں جو اس وقت ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد حنبل کے ناموں کی نسبت سے رائج ہیں۔ اس سلسلے میں سید مرتضیٰؒ کے کسی نسبی بھائی کی تالیف "تہذیب الانساب ونہایت الاعقاب" میں سے عالم خبیر میرزا عبداللہ آفندی اصفہانی کی کتاب "ریاض العلماء" میں جو باتیں نقل ہوئی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے: یہ بات علماء میں مشہور ہے کہ خلفاء کے زمانے میں عامہ (اہل سنت) نے مذاہب میں تشتت وافتراق اور فروعات میں ایسا اختلاف دیکھا کہ جسے کسی ضابطے کے تحت لانا قریباً ناممکن تھا۔ کیونکہ احکام دینی اور مسائل شرعی میں صحابہ وتابعین اور ان کے تابع و پیروکار لوگوں میں سے ہر ایک کا مذہب الگ تھا، لہٰذا وہ مذاہب کی تعداد کم کرنے پر مجبور ہوگئے اور اس بات پر متفق ہوئے کہ ان میں سے بعض مذاہب پر جمع ہو جائیں۔

چنانچہ عامہ میں اس مذہبی اضطراب کے ظہور پر ان کے رؤساء وعلماء کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ وہ ہر مذہب والوں سے ایک خطیر رقم لیں نیز ان میں صاحبان رائے سے ایک ایک ہزار دینار وصول کریں۔ پس شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی جو تعداد میں زیادہ اور اس کام پر آمادہ وتیار تھے، وہ مطلوبہ رقمیں ان کے پاس لے آئے، اس لئے ان کے مذاہب کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں سرکاری وقانونی طور پر تسلیم وقبول کر لیا گیا۔

اب رہ گئے شیعہ کہ جو اس زمانے میں جعفریہ کے نام سے معروف تھے، دوسروں کی طرح ان کو بھی مال لانے کو کہا گیا لیکن ان کے پاس اتنا زر ومال نہ تھا اور وہ ان کی مطلوبہ رقم لانے میں کامیاب نہ ہوسکے چونکہ یہ معاملہ سید مرتضیٰؒ کے زمانے میں پیش آیا اور آنجناب ہی شیعوں کے رئیس تھے، اس لئے انہوں نے اس ضرورت کے تحت ان سے اتنا مال جمع کرنے کی بہت کوشش فرمائی لیکن وہ لوگ مطلوبہ رقم فراہم نہ کرسکے یہاں تک کہ سید موصوف نے شیعوں سے یہ بھی کہا کہ آدھا مال وہ لے آئیں اور آدھا میں اپنی جیب سے شامل کر کے حکومت کو ادا کر دوں گا، مگر شیعوں کی تنگ دستی کے باعث یہ بھی نہ ہوسکا۔ لہٰذا حکومت نے شیعہ مذہب کو اپنے ان مصدقہ وموثقہ چار مذاہب کے زمرے میں داخل نہ کیا، یوں ان چار مذاہب کی صداقت اور بقیہ مذاہب کے بطلان پر اتفاق کر لیا۔۔۔۔ پس شیعہ بدستور اہل بیتؑ کے قول وفعل پر عمل کرتے رہے۔

تب عامہ نے مذہب میں داخل ہونے کے لئے تو اجتہاد کو جائز قرار دیا اور مذہب سے نکلنے کے لئے اس کی اجازت نہ دی، حتیٰ کہ انہوں نے چاروں مذاہب کے اقوال کو ایک دوسرے کے برابر لانے کو بھی جائز نہیں سمجھا کہ جس سے بعض مسائل میں ایک کا اور بعض میں دوسرے کا قول اختیار کیا جاسکے۔ وہ آج بھی اپنی اس رائے پر قائم ہیں اور گزری ہوئی طویل صدیوں میں ایک محی الدین ابن عربی کے سوا کسی نے اس بات کی مخالفت میں زبان نہیں کھولی، ہاں اس نے ایک مسئلے میں ان چار اماموں میں سے کبھی کسی کا قول قبول کیا اور دوسرے مسئلے میں کسی دوسرے امام کا قول اخذ کیا نیز بعض مسائل میں اس نے اپنی رائے

سے کام لیا اور کسی معاملے میں ایک ایسے قول پر انحصار کیا ہے جو ان چاروں اماموں کے اقوال میں داخل نہیں ہے۔ (۵۳)

"روضات الجنات" میں "ریاض العلماء" کی مندرجہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد کہا گیا ہے: "واقعات کی اس تفصیل کی تائید اس بات سے ہوتی ہے جو صاحب حدائق المقربین نے ذکر کی ہے کہ سید مرتضیٰؒ نے مطلوبہ رقم ادا کرنے کے بارے میں خلیفہ سے گفتگو کی تھی اور وہ خلیفہ قادر باللہ عباسی تھا کہ جس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔ آپ نے اس سے یہ بات طے کی کہ وہ شیعوں سے بھی ایک لاکھ دینار وصول کر لے تاکہ ان کا مذہب بھی مصدقہ مذاہب کی فہرست میں داخل کر لیا جائے۔ اس میں آپ کی غرض یہ تھی کہ مذہب شیعہ سے نسبت رکھنے پر جو پکڑ دھکڑ ہوتی ہے وہ بند ہو جائے اور پھر شیعوں کو تقیہ میں رہنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس مقصد کے لئے سید موصوف نے اپنے مال سے اسی ہزار دینار پیش کئے اور بقایا بیس ہزار دینار شیعوں سے طلب کئے لیکن وہ اتنی سی رقم بھی مہیا نہ کر سکے۔ (۵۴)

بہر حال اجتہاد سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کا استخراج اور ان کو معلوم و مرتب کرنا ہے، اس عمل کے مصادر میں چار ادلہ شرعی یعنی کتاب، سنت، عقل اور (بناء بر قول حجیت) اجماع ہے بحمد اللہ یہ چاروں ادلہ موجود اور برقرار ہیں اور اب ان کی تشریح و تنقیح اس سے کہیں زیادہ ہو چکی ہے کہ جتنی چار اماموں کے زمانے میں ہوئی تھی، یہ چار فقہاء گزر گئے، ان کے بعد بہت سے فقہاء ہوئے اور اب ہمارے دور میں بھی ہیں۔ فقہاء اربعہ (چار امام) نبی اکرمؐ کے ہم عصر نہیں تھے اور نہ ہی آپ کے علم و حکمت کے بلاواسطہ وارث تھے بلکہ وہ آپ سے ایک صدی بعد دنیا میں آئے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے علم و اجتہاد کو صرف بعض اشخاص کی خاص ملک قرار نہیں دیا اور ان چار مجتہدوں (اماموں) کے تعین و تقرر کے حق میں کوئی آیت یا روایت وارد نہیں ہوئی اور خاص ان کے حق اجتہاد پر کوئی دلیل عقلی بھی نہیں ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو پھر کتاب و سنت کی بنیاد پر اجتہاد کرنے کا دروازہ کس بناء پر بند کیا جائے اور صرف انہی اماموں کی تقلید کرنے یا اجتہاد کو صرف ان کے مذاہب کے اندر کیوں محدود کر دیا جائے؟ کیا ان چار حضرات پر وحی آئی تھی اور ان کے علاوہ دوسروں پر نہیں آئی یا ان کے لئے کوئی خصوصی علمی مقام اور غیر معمولی شرائط و حالات تھے جو ان کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتے؟ اور کیا عباسی خلیفہ کا چار مذاہب کو معین کرنا کوئی حجت شرعی تھی کہ جس کی مخالفت جائز نہیں؟

خلاصہ یہ کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی کہ مطلق اجتہاد اور کتاب و سنت سے استنباط کو چند خاص اشخاص میں منحصر کر دیا جائے جو نبی اکرمؐ سے کچھ اوپر ایک صدی کے بعد آئے اور وہ کبھی ایسے خصوصیات و امتیازات کے حامل نہیں رہے جو قیامت تک ان کے سوا کسی اور میں نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ ان چار حضرات کے اساتذہ ان پر سبقت رکھتے تھے اور ان کے عہد میں ائمہ اہل بیتؑ بھی موجود تھے، ان کے بعد بہت سے فقہاء آئے جو قدماء کے علوم و نظریات کے وارث ہوئے۔ پھر انہوں نے نو بہ نو مسائل معلوم کئے کیونکہ وہ اپنے زمانے کے حالات سے بہتر طور پر واقف اور وقتی ضروریات و مطالبات کو زیادہ جاننے والے تھے۔

کتاب "نظم الحکم والا دلاۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ" میں مذکور ہے: "امام ابو حنیفہ کہا کرتے تھے کہ ہمارا یہ علم ہماری رائے ہے اور ہماری وسعت علمی کے مطابق یہ ہماری بہترین رائے ہے، پس جو شخص اس سے بہتر رائے لے کر ہمارے پاس آئے تو وہ بجا و درست ہے۔ نیز کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر قائم ہو جب تک وہ یہ معلوم نہ کر لے کہ ہمارے قول کی بنیاد کس بات پر ہے"۔

"امام مالک کہا کرتے کہ میں ایک عام انسان ہوں، خطاء و غلطی بھی کرتا ہوں اور درست بات بھی کہتا ہوں، پس میری رائے پر غور کرو اگر وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو تو اسے اختیار کر لو اور اگر اس کے مطابق نہ ہو تو اسے ترک کر دو۔"

"امام شافعی کہا کرتے تھے کہ جو بات میں کہوں اس میں میری تقلید نہ کرو بلکہ اس پر غور کرو کہ تحقیق سے عمل کرنا ہی دین ہے"۔

"امام احمد بن حنبل کہا کرتے کہ نہ میری تقلید کرو، نہ مالک وشافعی کی اور نہ شوریٰ کی تقلید کرو بلکہ تم دین وہاں سے لو جہاں سے ان لوگوں نے لیا ہے"۔ (۵۵)

ابن قدامہ کی کتاب المغنی کے دیباچہ میں ہے کہ ابو حنیفہ نے کہا: "کسی کے لئے حلال و جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول کو اختیار کرے جب تک وہ اسے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس جلی میں دیکھ نہ لے۔" (۵۶)

عبداللہ بن احمد حنبل کی کتاب السنۃ میں اس کی سند سے مروی کہ ابو حنیفہ نے ابو یوسف سے کہا: "اے یعقوب! مجھ سے کسی چیز کی روایت نہ کرنا بخدا میں نہیں جانتا کہ میں نے خطاء و غلطی کی یا صواب و درستی تک پہنچا ہوں"۔ (۵۷)

کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ، میں امام شافعی سے منقول ہے: "جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب و طریقہ ہے اور میرا قول اس کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر دے مارو"۔ (۵۸)

کتاب مبادی نظم الحکم فی الاسلام کے حاشیہ پر ہے کہ امام احمد (حنبل) کہا کرتے تھے: اپنے دین میں اشخاص کی تقلید نہ کرو کہ وہ خطاء و غلطی کرنے سے محفوظ نہیں ہیں اور جو شخص حدیث کو چھوڑ کر عام افراد کے قول کو اختیار کرے تو وہ غلطی نہ کرنے والے سے ہٹ کر غلطی کرنے والے کی طرف گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کہا کرتے: "یہ میری رائے ہے پس اگر کوئی شخص ایسی رائے پیش کرے جو اس سے بہتر ہو تو میں اسے قبول کر لوں گا۔"

امام احمد (حنبل) کہا کرتے: "نہ میری تقلید کرو، نہ مالک، شافعی اور ثوری کی بلکہ جس طرح ہم نے علم حاصل کیا ہے تم بھی اسے حاصل کرو۔" (۵۹)

اپنی آراء اور فتاویٰ کے بارے میں ان کے علاوہ ائمہ اربعہ کے ایسے اور اقوال بھی منقول ہیں۔

البتہ ائمہ اثناء عشرؑ جو عترت طاہرہ میں سے ہیں ـــــ بے شک ان کے لئے ایک امتیاز ہے کہ وہ اہل بیت (نبوت) میں سے ہیں اور گھر کی بات گھر والے سب سے بہتر جانتے ہیں۔ حدیث ثقلین جو فریقین کے ہاں متواتر ہے، اس میں نبی اکرمؐ نے انہیں قرآن کے مثیل وہمسر قرار دیا ہے اور کتاب عبقات الانوار میں اس حدیث کو علماء اہل سنت کے طرق سے پینتیس صحابہ کے

ذریعے نبی اکرمؐ سے روایت کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے بعض اسناد اور اقوال اہل بیتؑ کی حجیت پر اس کی دلالت کا بیان زیر نظر کتاب (کی جلد اول) کے دوسرے باب میں گزر چکا ہے، یہ امر مسئلہ خلافت وامامت سے یکسر الگ ہے کہ جس میں فریقین کا باہمی اختلاف ہے، پس مذکورہ باب کی طرف رجوع کریں۔

نہج البلاغہ میں ہے: ”وہ (اہل بیتؑ) اس کے سر و راز کے موضع ہیں اور وہ اس کے امر کا ملجاء و ماوئی ہیں، وہ اس کے علم کے ظروف ہیں اور اس کی حکمتوں کی جائے باز گشت ہیں اور اس کی کتابوں کے خزانے ہیں، اس کے دین کے پہاڑ ہیں کہ انہیں کے ذریعے اس نے دین کی پشت کی کجی کو سیدھا کیا اور اس کے کندھوں کا ہلنا ختم کیا.... اس امت میں سے کسی بھی شخص کا آل محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور وہ ان کے برابر قرار نہیں دیا جاسکتا کہ جن پر خدا کی نعمت ہمیشہ کے لئے جاری ہوئی ہے۔ وہ دین کی اساس و بنیاد اور یقین کے ستون ہیں، غلو کرنے اور آگے بڑھ جانے والا انہیں کی طرف لوٹتا ہے اور پیچھے رہ جانے والا انہیں سے ملحق ہوتا ہے، ان کے لئے حق ولایت کی خصوصیات ہیں اور انہیں کے لئے وصیت اور انہیں کے لئے وراثت ہے“۔ (۶۰)

امیرالمومنینؑ ایک خطبے میں آل محمدؐ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں: ”وہ (آل محمدؐ) علم کی زندگی اور جہالت کی موت ہیں، ان کا حلم وبردباری ان کے علم کی خبر دیتے ہیں (ان کا ظاہر ان کے باطن کی) اور ان کی خاموشی ان کی عقل ومنطق اور حکمت کی خبر دیتی ہے، وہ حق میں اختلاف نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اسلام کے ستون اور اس کے بچاؤ کا ذریعہ ہیں، انہیں کے واسطے سے حق اپنے نصاب اور مقام کی طرف پلٹا اور باطل اپنی جگہ سے ہٹا اور اس کی زبان جڑ سے کٹ گئی، انہوں نے دین کو سمجھا اسے یاد رکھنے اور اس کی رعایت و پاس کرنے کے لئے نہ کہ سننے اور روایت کرنے کے لئے، ہاں علم کی روایت کرنے والے بہت ہیں لیکن اس کی رعایت (عمل) کرنے والے کم ہیں“۔ (۶۱)

حاکم نے اپنی سند کے ساتھ ابو ذر سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ”یاد رکھو۔ تمہارے درمیان میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتیؑ نوحؑ کی سی ہے، اس کی قوم میں سے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے الگ رہا وہ غرق ہو گیا تھا“۔ (۶۲)

حاکم ہی نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ”ستارے اہل زمین کے لئے غرق ہونے سے امان کا ذریعہ ہیں اور میرے اہل بیتؑ میری امت میں اختلاف کے وقت اس کے لئے امان ہیں، جب عرب کا کوئی قبیلہ ان کی مخالفت کرے تو وہ اختلاف کا شکار اور شیطان کے گروہ میں ہو جائے گا“۔ (۶۳)

اہل بیتؑ کے حق میں ان کے علاوہ بھی بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں۔

علامہ شرف الدین موسوی نے فرمایا ہے: ”اور یہاں آپ کے اہل بیتؑ سے مراد ان میں سے ائمہ طاہرینؑ ہیں اور بطور استغراق سبھی اہل بیت مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ عقل ونقل کی روشنی میں یہ مقام و منزلت خاص طور پر حجت ہائے خدا اور امر الٰہی کی نگرانی کرنے والوں کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہے۔ چنانچہ جمہور مسلمین کے علماء اعلام کی ایک جماعت نے بھی اس اعتراف کیا ہے، صواعق محرقہ میں ہے کہ بعض کے بقول احتمال ہے کہ وہ اہل بیتؑ جو امان ہیں، ان سے مراد ان میں سے علم

ہیں کہ ستاروں کی طرح انہی سے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے، وہی ہیں کہ جو اگر مفقود ہو جائیں تو اہل زمین پر وہ آیات (آثار عذاب) آجائیں جو انہیں بتائی جاچکی ہیں"۔ (۶۴)

ہاں تو میں گمان نہیں کرتا کہ اہل انصاف مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہو گا جو فقہ اہل سنت کے چار اماموں کو علم وفضیلت میں ائمہ طاہرینؑ پر بڑائی دے جو عترت نبیؐ اور آپ کے اہل بیتؑ میں سے ہیں۔ البتہ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانوں میں ان کی سیاست نے عترت و آل رسولؐ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ لیکن آپ کو کیا خبر کہ وہ سیاست کیا ہے اور جب سیاست شیطانی کا چلن ہو تو اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟ پس اس بات پر غور کریں اور اپنے دین کی خاطر اس میں احتیاط سے کام لیں۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ اہل سنت کے ہاں اجتہاد کو چار اماموں میں منحصر کر دینے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ دینی امر سے بڑھ کر ایک سیاسی معاملہ ہے جو مختلف زمانوں اور متعدد ملکوں میں سیاسی طور طریقوں کے تحت جاری ہوا جبکہ خود ائمہ اربعہ اس عمل سے بری ہیں ـــــ اس سلسلے میں ان کتب کی طرف رجوع کریں جو ائمہ اربعہ اور انکے مذاہب پر کار بند ہونے والوں کے حالات و واقعات پر مشتمل ہیں۔

۸۔ تقلید اور اس کے ادلہ

مخفی نہیں ہے کہ احکام شرعی کا استنباط اور ان کے ادلہ اور مصادر سے ان کا استخراج مجتہد فقیہ کی کاوش سے تعلق رکھتا ہے جو کتاب وسنت اور عقل قطعی اور ان علوم کا ماہر ہو جن پر استنباط کا دارو مدار ہے۔ پس جو شخص مجتہد ہو اس پر واجب ہے کہ استنباط کرے اور جو استنباط کیا اور سمجھا ہو اس پر عمل کرے یا اس کے لئے مقام عمل میں احتیاط کرنا ضروری ہے لیکن جو شخص مقام اجتہاد پر فائز نہیں، اگر ممکن ہو تو وہ مقام عمل میں احتیاط کرے گا ورنہ جس نے اجتہاد کیا ہو اس کے فتوے کی طرف رجوع کرے گا۔

اس بناء پر مجلس شوریٰ کے ارکان پر بھی لازم ہے کہ وہ دینی و سیاسی قوانین کی تیاری کے ضمن میں مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کریں اور احوط بلکہ اقویٰ یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں بھی اعلمیت کی رعایت کریں کہ جو عقلاء کی سیرت کا تقاضا ہے اور جیسا کہ گزر چکا ہے امر ولایت کے لئے بھی یہی قاعدہ ہے جب کہ باقی شرائط موجود ہوں۔

تمام اوقات و مقامات اور تمام اقوام و مذاہب میں عقلاء کی روش یہی چلی آرہی ہے کہ کسی فن سے ناواقف اور اسے نہ جاننے والا اس فن کے عالم اور ماہر کی طرف رجوع کرتا ہے جبکہ وہ ثقہ ہو، بعض اوقات ایسے متخصص اور ماہر خصوصی افراد کو اہل خبرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس بیمار اس طبیب حاذق کی طرف رجوع کرتا ہے جو ثقہ ہو اور پھر اس کی رائے پر عمل کرتا ہے۔ اسی طرح آپس میں معاملہ کرنے والے مال ومتاع کی جانچ پرکھ کرنے اور اسکی قیمت لگانے میں مہارت رکھنے والے شخص کے پاس جاتے ہیں اور مہارت فن سے متعلق باقی امور میں بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ اجمالی طور پر یہ ممکن ہی نہیں کہ نظام دنیا تقلید کے بغیر صحیح و درست طور پر قائم ہو سکے،

کیونکہ کوئی ایسا معاشرہ موجود نہیں ہے جس کے افراد زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام امور مثلاً مہندسی، طبابت اور صنعت و حرفت کے بارے میں تفصیلی واقفیت و معرفت حاصل کرسکتے ہوں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نیز ائمہ طاہرینؑ کے اصحاب کی سیرت و روش یہی رہی ہے کہ ان میں سے بعض اپنے دوسرے ساتھیوں سے فتویٰ لیتے اور اس پر عمل کرتے تھے، اس میں اہم بات یہ ہے کہ ائمہ طاہرینؑ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔

تاہم کتاب عزیز میں جس تقلید سے ممانعت ہوئی اور اسے مذموم قرار دیا گیا وہ تعصب کی بناء پر اولاد کا اپنے آباء کی اور عام لوگوں کا اپنے سرداروں کی تقلید کرنا ہے جو ایک جاہل کا اپنے ہی جیسے جاہل یا غیر معتبر فاسق کی تقلید کرنا ہے۔ نہ کہ کسی فن سے ناواقف شخص کا اس فن کے عالم و ماہر کی تقلید کرنا ہے جبکہ وہ قابل وثوق ہو کیونکہ یہ ایک قدرتی بات ہے اور انسانی معاشرے خواہ کتنے ہی ترقی یافتہ ہوں ان میں اس کی ضرورت رہتی ہے اور حقیقت میں یہ تقلید نہیں بلکہ اپنی ضرورت کے لئے اجمالی علم حاصل کرنا ہے۔ پس مجتہد کسی حکم اور واقعہ کو تفصیل کے ساتھ جانتا ہے اور مقلد ایک ثقہ عالم کی طرف رجوع کر کے اس حکم کا اجمالی علم یا وثوق حاصل کرتا ہے اور جو علم اسے حاصل ہوتا ہے وہ اس پر عمل کرتا ہے۔

اس سیرت و روش پر یہ اشکال کرنا کہ یہ اس وقت مفید ہے جبکہ زمانہ ائمہؑ سے متصل ہو اور وہ اس سے نہ روکیں، کیونکہ ہمارے زمانے کا اجتہاد جس میں دقیق اور گہرے غور و خوض کے ساتھ کلیات سے جزئیات کو معلوم کیا جاتا ہے یہ اس زمانے میں معہود نہیں تھا یہ کہنا درست نہیں، اس لئے کہ اصول سے فروع کا استنباط، مختلف روایات کا موازنہ اور پھر کسی ایک کو ترجیح دینا اصحاب ائمہؑ میں بھی رائج تھا، جیسا کہ اس کا شاہد یہ ارشاد ہے: "ہمارا کام تم لوگوں کو اصول سے باخبر کرنا اور تمہارا کام ان اصول سے فروع کا استخراج ہے (۶۵) اسے یاد رکھیں۔

فقیہ کے فتوے کی حجیت کے دلائل

فقیہ کے فتوے کی حجیت پر مذکورہ بالا سیرت و روش کی ہمیشگی کے علاوہ بعض آیات و روایات سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔

آیات

۱ - وما ارسلنا من قبلك الّارجالاً نوحی الیهم، فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون - (۶۶)

"تم سے پہلے ہم نے نہیں بھیجا مگر ایسے مردوں کو کہ جن کی طرف ہم وحی کرتے ہیں، پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو"۔

اس لحاظ سے کہ سوال کرنے کے وجوب کے ساتھ اسکے جواب کا قبول اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، نہیں تو یہ سوال اور جواب بے مقصد ہوگا۔ پھر جب جواب کا قبول کرنا واجب ہے تو ہر اس چیز کا قبول کرنا بھی واجب ہے جس کے بارے میں سوال کرنا صحیح ہو کیونکہ محض سوال کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

۲– وما كان المئومنون لينفروا كافة، فلولا نفر من كلّ فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين، ولينذروا قومهم اذارجعوا اليهم لعلّهم يحذرون (٦٧)

"مومنین کو یہ حق نہیں کہ وہ سب کے سب (جہاد پر) جائیں، پس مومنین کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ (پیغمبرؐ کی طرف) کیوں نہ جائیں کہ وہ دین میں علم وفقہ حاصل کریں، تاکہ جب وہ پلٹ کر اپنے گروہ کی طرف آئیں تو انہیں ڈرائیں کہ شاید وہ (گناہ سے) بچیں"۔

اس آیت میں لفظ لولا کے مقتضی کے مطابق (پیغمبرؐ کی خدمت میں) جانے کا وجوب ہے تو اس کی غرض وغایت بھی واجب ہے۔ یعنی تفقہ (دین کی سوجھ بوجھ) اور ڈرانا، قوم کا ڈرنا اور حذر (بچنا) ان سب کا تقاضا اس عمل کے لزوم و وجوب کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ نیز تفقہ فی الدین کی لفظ کے قرینے سے انذار (ڈرانے) سے مراد احکام شرعی کا بیان کرنا ہے، پس لازم کے ذکر سے ملزوم کا ارادہ کیا گیا ہے۔ گویا کہ فقیہ جو احکام بیان کرتا ہے، یہ آیت اس کے قول پر عمل کے مرتب ہونے کی طرف دلالت کرتی ہے۔ ہاں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب احکام کا بیان واجب ہے تو اس پر ترتیب اثر (عمل) بھی واجب ہے ورنہ یہ فعل لغو ٹھیرے گا۔

۳– ان الذين يكتمون ما انزلنا من البيّنات والهدى من بعد ما بيّناللناس في الكتاب اولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللّعنون – (٦٨)

"وہ لوگ جو اس چیز کو جسے ہم نے دلائل اور ہدایت میں سے نازل کیا ہے چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اسے کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کیا ہے، وہی ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ اور لعنت کرنے والے (بھی) لعنت کرتے ہیں"۔

پس احکام الٰہی کو چھپانے کی حرمت ان کے اظہار کے بعد ان کو قبول کرنے کے وجوب کو ظاہر کرتی ہے ورنہ ان کے نزول کی لغویت لازم آتی ہے۔

٤– يا ابت انّى قد جاء نى من العلم مالم ياتك، فاتّبعني اهدك صراطاً سويّا – (٦٩)

(حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا) "بابا! میرے پاس وہ علم آیا ہے کہ جو تمہارے پاس نہیں آیا، پس میری اتباع کرو کہ میں تمہیں سیدھے راستے کی ہدایت کروں گا"۔

یہ آیت ایک عالم کے علم میں اس کی اطاعت اور اس کی پیروی کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو کسی عالم اور ماہر شخص کی تقلید کا لزوم بیان کرتی ہیں۔

روایات

تقلید کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی ہیں وہ سات گروہوں پر مشتمل ہیں۔

روایات کا پہلا گروہ

۱۔ امام علی رضاؑ نے اپنے آباء کرامؑ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "خدایا! میرے خلفاء پر رحم فرما (اس کو تین بار دوہرایا) پس آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہؐ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا: وہ جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ سے میری حدیث اور سنت کی روایت کریں گے، پس میرے بعد وہ لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے"۔ (۷۰)

اس حدیث کے اسناد اور اسکی تشریح اس کتاب (کی جلد اول) کے پانچویں باب میں ولایت فقیہ کے اثبات کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ وہاں ہم نے واضح کیا ہے کہ اس سے مراد الفاظ حدیث کو یاد رکھنے والے افراد نہیں ہیں، بلکہ وہ افراد مراد ہیں جو آپ کے ارشادات اور آپ کی سنت کی سمجھ رکھتے ہیں پس جو کچھ ہم نے وہاں لکھا ہے اس کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ عبدالسلام بن صالح ہروی کہتا ہے کہ میں نے امام علی رضاؑ کو یہ فرماتے سنا: "رحمت خدا نازل ہو اس بندے پر جو ہمارے امر (امامت) کو زندہ رکھے، میں نے عرض کیا: وہ آپ کے امر کو کس طرح زندہ رکھ سکتا ہے؟ فرمایا: وہ ہمارے معارف کا علم حاصل کرے اور پھر دوسروں کو اس کی تعلیم دے"۔ (۷۱)

ان دونوں حدیثوں سے استدلال کی وجہ اس بیان سے ظاہر ہوتی ہے جو گزر چکا ہے، اگرچہ ان میں اشکال ہے کہ جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

روایات کا دوسرا گروہ

وہ روایات جن میں ائمہ طاہرینؑ نے اپنے شیعوں کو عمومی طور پر فقہاء کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

۳۔ شیخ صدوقؒ نے محمد بن محمد بن عصام کلینی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ہم سے بیان کیا محمد بن یعقوب کلینی نے اور اس سے اسحاق بن یعقوب نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن عثمان عمری سے کہا: وہ میرا خط امامؑ (زمان) تک پہنچائیں کہ جس کے ذریعے میں نے ایسے مسائل کے بارے میں سوال کیا ہے جو میرے لئے مشکل ہیں، پھر توقیع وارد ہوئی کہ جو ہمارے مولا صاحب زمانؑ کے قلم سے ہے اور اس میں آپ نے تحریر فرمایا: "باقی رہے وہ حوادث جو واقع ہوتے رہتے ہیں تو ان میں ہماری حدیث روایت کرنے والوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں ان پر خدا کی حجت ہوں"۔

اس روایت کو شیخ نے الغیبۃ میں اپنی سند کے ساتھ کلینی سے اور الاحتجاج کے آخر میں طبرسی نے بھی انہی سے روایت کیا ہے۔ (۷۲)

اس روایت کی سند اور اس کے متن کے سلسلے میں ضروری بحث اس کتاب (کی جلد اول) کے پانچویں باب کی تیسری فصل میں ولایت فقیہ کے اثبات میں گزر چکی ہے۔ وہاں ہم نے کہا ہے کہ اسحاق بن یعقوب مجہول ہے اگرچہ یہ روایت اس کی جلالت پر دلالت کرتی ہے لیکن اس کا وہ تنہا راوی ہے۔ پھر شیخ کلینی کا اس حدیث کو روایت کرنا گو اس پر ان کے اعتماد کا اظہار ہے تو بھی انہوں نے اس روایت کو الکافی میں ذکر نہیں کیا اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس کی وجہ کیا ہے؟

بہر حال مذکورہ روایت میں بظاہر راویان سے مراد وہ فقہاء ہیں کہ قیاس اور اجتہاد ظنی کرنے والوں کے برعکس جن کی سند اور سہارا اہل بیت اطہار کی روایات ہیں۔ زیر بحث روایت میں لفظ الحوادث سے عہد اور عدم عموم کا احتمال اس سے استدلال کرنے میں مضر نہیں ہے، جبکہ اس کے بعد اس کی تعلیل میں آپ کا ارشاد "کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں" اپنے اندر عموم رکھتا ہے۔ پس وہ فقہاء آپ کے جعل و تقرر سے ہمارے لئے حجت ہوگئے جیسے کہ آنجناب خدا کی طرف سے مطلق حجت ہیں اور اس کا اطلاق یہ اقتضاء کرتا ہے کہ فقہاء شیعہ کی طرف رجوع اور ان کے قول کو اخذ کرنا حجت ہے، چاہے ان کے قول و فتوٰی سے علم و وثوق حاصل ہو یا نہ ہو ــــ وہ مطلق طور پر حجت ہے۔

۴۔ امام حسن عسکری سے منسوب تفسیر میں روایت ہوئی ہے. "فقہاء میں سے جو اپنے نفس کو بچانے والا، اپنے دین کی حفاظت کرنے والا، اپنی خواہش کی مخالفت کرنے والا اور اپنے مولا کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو تو عوام کو اس کی تقلید کرنی چاہئے، یہ صفات تمام شیعہ فقہاء میں نہیں بلکہ بعض فقہاء میں ہوتے ہیں"۔ (۷۳)

الاحتجاج کے اواخر میں طبرسی نے بھی آنجناب سے یہ روایت کی ہے۔ (۷۴)

شیخ صدوق نے تفسیر امام حسن عسکری کی روایت ابوالحسن محمد بن قاسم خطیب و مفسر استر آبادی سے کی ہے کہ انہوں نے کہا. "مجھے ابو یعقوب یوسف بن محمد بن زیاد و ابو الحسن علی بن محمد بن سیار نے خبر دی اور یہ تینوں ہی مجہول ہیں اگرچہ تنقیح المقال میں ان کی توثیق کرنے کی بہت کوشش کی گئی ہے۔ (۷۵)

نیز یہ کہ شیخ صدوق کا ان سے روایت کرنا ان کے موثق ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ انہوں نے الفقیہ کے سوا اپنی دیگر کتب بلکہ اس میں بھی غیر موثق افراد سے بہت کچھ روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ علماء اعلام کی ایک جماعت نے بشمول ابن غضائری یہ قطعی و یقینی فیصلہ دیا ہے کہ یہ تفسیر وضعی ہے، کیونکہ اس میں بعض ایسے مطالب ہیں جن کا امام سے صادر ہونا کچھ مناسب نہیں ہے۔ جہاں تک اس روایت کی دلالت کا تعلق ہے تو وہ واضح ہے اور اس کا اطلاق فقیہ جامع الشرائط کے قول کی حجیت کو ظاہر کرتا ہے، چاہے اس کے قول سے وثوق پیدا ہو یا نہ ہو شاید تقلید کو واجب قرار نہ دینا۔ تقلید و احتیاط ــــ میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کی آزادی برقرار رکھنے کے لئے ہے۔

۵۔ کشی نے اپنی سند کے ساتھ احمد بن حاتم بن ماہویہ سے روایت کی ہے کہ اس نے ابوالحسن ثالث (امام علی نقی) کی طرف یہ سوال لکھ بھیجا اور اس کے بھائی نے بھی یہی سوال کیا کہ وہ اپنے معالم دین کس سے اخذ کرے؟ تب آپ نے ان دونوں کو تحریر فرمایا. "میں سمجھ گیا کہ جو کچھ تم دونوں نے ذکر کیا اور پوچھا ہے. پس تم اپنے دین کے معاملے میں ہر اس شخص کی طرف جاؤ کہ جس نے عمر کا ایک بڑا حصہ ہماری محبت میں گزارا ہو اور ہر وہ شخص جو ہمارے امر (امامت) کے بارے میں بہت کوشش کرتا ہو. یہ دونوں طرح کے آدمی انشاء اللہ دین میں تمہارے لئے کافی ہوں گے"۔ (۷۶)

جیسا کہ کہا گیا ہے ــــ اس روایت میں راوی کے بھائی سے مراد فارس یا طاہر بن حاتم ہے اور خود احمد بن حاتم مجہول ہے۔

معالم دین اخذ کرنے سے مراد ان کی تعلیم حاصل کرنا یا انہیں تعبدی و تقلیدی طور پر اختیار کرنا ہے چاہے ان سے علم و وثوق

حاصل ہو یا نہ ہو. دوسرے احتمال کی بناء پر اس کی حیثیت بھی پہلی دونوں روایات کی سی ہے۔ اگر معالم دین سے مراد عام ہو کہ جس میں اصول و فروع شامل ہیں اور اسکا ظاہر بھی یہی ہے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہے کہ اصول دین میں تقلید کفایت نہیں کرتی مگر یہ کہ روایت کا خصوص اصول دین کی نسبت دوسری دلیل سے ہو ـــــ پس غور کریں۔

ہاں یہ تین روایات ہیں جو سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں لیکن یہ فقیہ کے قول کی حجیت پر مطلقاً دلالت کرتی ہیں اگرچہ اس سے علم یا وثوق حاصل نہ ہو۔

روایات کا تیسرا گروہ

وہ روایات جن میں شیعوں کو بعض شیعوں کی طرف رجوع کرایا گیا اور ان کی وثاقت و امانت بیان ہوئی ہے. اس سلسلے میں بہت سی روایات آئی ہیں:

۶۔ شیخ کلینی نے محمد بن یحییٰ و محمد بن عبداللہ حمیری سے، انہوں نے عبداللہ بن جعفر حمیری سے. اس نے احمد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا ہے: میں نے ابو الحسن ثالث (امام علی نقیؑ) سے عرض کیا کہ میں کس سے معاملہ کروں یا کس سے مسائل اخذ کروں اور کس کا قول قبول کروں تو آپ نے فرمایا: "میرے نزدیک عمری ثقہ ہے ـــــ پس وہ میری طرف سے تمہیں جو کچھ پہنچائے تو وہ اس نے میری ہی طرف سے پہنچایا اور جو کچھ وہ تجھ کو میری طرف سے کہے تو وہ میری ہی طرف سے کہہ رہا ہے، ہاں تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو کہ وہ ثقہ ہے۔ نیز مجھے خبر دی ابو علی نے کہ اس نے امام ابو محمد (حسن عسکریؑ) سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: عمری اور اس کا بیٹا دونوں ثقہ ہیں، جو کچھ یہ دونوں تمہیں پہنچائیں تو میری طرف سے پہنچا رہے ہیں اور جو کچھ تجھ سے کہیں وہ میری ہی طرف سے کہہ رہے ہیں، پس ان دونوں کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو کہ وہ دونوں ثقہ اور مامون ہیں ـــــ اس کو شیخ صدوقؒ نے بھی الغیبۃ میں روایت کیا ہے۔ (۷۷)

یہ روایت صحیح ہے اور احمد بن اسحاق علماء قم کا شیخ اور استاد اور امام ابو محمد (حسن عسکریؑ) کے خواص میں سے ہے، عمری سے مراد عثمان بن سعید عمری اور ان کے فرزند محمد بن عثمان ہیں کہ دونوں بزرگوار ناحیہ مقدسہ کے نواب میں سے ہیں۔

گویا کہ یہ خبر ان دونوں کی روایت اور فتوے کی حجیت تعبدی کے جعل و تقرر کے بارے میں ہے یا اس سیرت جاریہ کی تصدیق و توثیق ہے کہ روایت ہو یا فتویٰ بہر صورت ثقہ و مامون شخص کے قول پر عمل کیا جائے اور یہ روایت بھی اسی ضمن میں ہے کیونکہ ان دونوں باپ بیٹے کی حیثیت مانی ہوئی تھی۔

اس میں دو وجوہات ہیں:

امامؑ کی تعلیل و اشارہ دوسری وجہ کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ تعلیل ایک ایسے کلیہ کے طور پر واقع ہوئی ہے جو مخاطب کے ذہن میں مرتکز اور اس کے علم میں ہوتا ہے تاہم اس موضوع کا پہلے سے شرعی کلیہ کے طور پر معلوم ہونا بہت ہی بعید ہے۔

دوسرے یہ کہ کیا یہ روایت ایک ثقہ راوی کی روایت کی توثیق میں ہے، اس کے فتوے کی توثیق کرتی ہے؟ شاید اس کی غرض اس کے فتوے کی توثیق کرنا ہی ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں فتویٰ دینے میں کوئی خاص محنت و مشقت نہیں

کرنا پڑتی تھی بلکہ صورت یہ تھی کہ اگر امام سے سماعت کی ہوئی بات کا بیان کرنا روایت تھا تو اس روایت سے درک کیے ہوئے مسئلے کو بیان کرنا فتویٰ تھا۔

۷۔ کشی نے اپنی سند کے ساتھ شعیب عقرقوفی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: "میں نے امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ بعض اوقات ہمیں کوئی چیز پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ہم کس سے پوچھیں ؟ آپ نے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ ایسے موقع پر اسدی (ابو بصیر) سے پوچھ لیا کرو"۔ (۷۸)

۸۔ کشی نے ہی عبداللہ بن یعفور سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: "میں نے ابو عبداللہؑ سے عرض کیا: میں ہر وقت آپ کے پاس رہ نہیں سکتا اور نہ اکثر یہاں آنا ممکن ہوتا ہے، مگر ہمارے لوگوں میں سے جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو میرے پاس اس کی ہر بات کا جواب نہیں ہوتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ محمد بن مسلم ثقفی سے پوچھنے میں تجھے کون سا امر مانع ہے ؟ جبکہ اس نے میرے والد گرامیؑ سے (احادیث کو) سنا اور وہ ان کے نزدیک محترم رہا ہے"۔ (۷۹)

یہ روایت اس بات پر شاہد ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کے اصحاب میں سے بعض کا بعض کی طرف رجوع کرنا اور فتویٰ لینا ایک معمول کے طور پر متعارف تھا۔

۹۔ یونس بن یعقوب سے روایت ہے کہ اس نے کہا: "ہم امام ابو عبداللہؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا: کیا تمہارے لئے تسلی و تشفی حاصل کرنے کی کوئی جگہ نہیں کہ جس سے تم راحت حاصل کرو؟ ہاں حارث بن مغیرہ نصری کے پاس جانے سے تمہیں کونسی چیز مانع ہے"۔ (۸۰)

۱۰۔ علی بن میسب ہمدانی سے روایت ہے کہ اس نے کہا: "میں نے امام علیؑ رضا سے عرض کیا کہ میں بہت دور رہتا ہوں اور بوقت ضرورت آپ کے پاس نہیں پہنچ سکتا، پس ایسی صورت میں اپنے دینی علوم و حقائق کس سے حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے مسائل زکریا بن آدم قمی سے اخذ کیا کرو جو دین و دنیا میں امانت دار ہے ۔۔۔ راوی کہتا ہے جب میں واپس آیا تو ہم کئی افراد مل کر زکریا بن آدم قمی کے پاس گئے اور جن باتوں کی ہمیں ضرورت تھی ہم نے وہ اس سے دریافت کرلیں"۔ (۸۱)

۱۱۔ عبدالعزیز بن مہتدی و حسن بن علی بن یقطین میں سے ہر ایک نے روایت کی ہے: "میں نے امام علی رضاؑ سے عرض کیا کہ ہر وہ چیز کہ جس کی معالم دین میں سے مجھے ضرورت ہے وہ آپ سے پوچھنے کے لئے میں حاضر نہیں ہوسکتا، پس یونس بن عبدالرحمٰن جو ثقہ ہے ۔۔۔ تو دین کے جن حقائق کی مجھے ضرورت ہو، کیا میں وہ اس سے پوچھ لیا کروں ؟ آپ نے فرمایا ہاں ۔۔۔ اس سے پوچھ لیا کرو۔ (۸۲)

۱۲۔ عبدالعزیز بن مہتدی جو امام علی رضاؑ کا وکیل، آپ کا خاص معتمد اور اہل قم میں سے بہترین شخص تھا ۔۔۔ اس نے بیان کیا: "میں نے امام علی رضاؑ سے عرض کیا کہ ہر ضرورت کے وقت میں آپ کی خدمت میں حاضری سے معذور ہوں، پھر میں اپنے دینی حقائق و مسائل کس سے اخذ کروں ؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے مسائل یونس بن عبدالرحمٰن سے اخذ کیا کرو۔" (۸۳)

۱۳۔ عبدالعزیز بن مہتدی ہی سے روایت ہے کہ میں نے امام علی رضاؑ سے عرض کیا: "میں آپ سے دور کی مسافت پر ہوں

اور بوقت ضرورت حاضر نہیں ہو سکتا، آیا میں اپنے دینی مسائل و معالم یونس مولیٰ آل یقطین سے حاصل کر لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ـــــ ہاں، اپنے مسائل اس سے اخذ کر لیا کرو"۔ (۸۴)

۱۴۔ کشی نے اپنی سند کے ساتھ جمیل بن دراج سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ کو یہ فرماتے سنا: "مخبتین (خدا کے حضور عاجزی کرنے والوں) یعنی برید بن معاویہ عجلی، ابو بصیر لیث بن بختری مرادی، محمد بن مسلم اور زرارہ کو جنت کی بشارت دو کہ چاروں ہی نجیب اور خدا کے حلال و حرام کے امین ہیں، اگر یہ افراد نہ ہوتے تو آثار نبوت آگے نہ بڑھ پاتے اور مٹ جاتے"۔ (۸۵)

۱۵۔ کشی نے ہی اپنی سند کے ساتھ سلیمان بن خالد سے روایت کی ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے سنا: "میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھتا کہ جس نے میرے والد بزرگوارؑ کی احادیث و اخبار کو زندہ کیا مگر وہ زرارہ، ابو بصیر لیث بن بختری مرادی، محمد بن مسلم اور برید بن معاویہ عجلی ہیں اور اگر یہ افراد نہ ہوتے تو کوئی بھی ان احادیث کی ترسیل و روایت نہ کر سکتا ـــــ یہ لوگ خدا کے حلال و حرام میں میرے والد گرامیؑ کے امین اور دین کے محافظ ہیں"۔ (۸۶) اسے یاد رکھیں

روایات کا چوتھا گروہ

وہ روایات جو فتویٰ جاری کرنے اور اس کی ترغیب دلانے سے متعلق امور پر مشتمل ہیں۔

۱۶۔ شیخ طوسی نے امام ابو جعفر محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے ابان بن تغلب سے فرمایا: "مسجد مدینہ میں بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو فتویٰ دو کیونکہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تجھ ایسے افراد نظر آئیں"۔ (۸۷)

۱۷۔ کشی نے اپنی سند کے ساتھ معاذ بن مسلم نحوی سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا: "مجھے خبر ملی ہے کہ تم جامع مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو فتوے دیتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! اور میں یہاں سے جانے سے پہلے اس بارے میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ پس جب میں آنے والوں میں کسی اہل خلاف کو دیکھتا ہوں تو اسے ان کے عمل کی خبر دیتا ہوں۔ جس کو آپ کی محبت و مودت سے پہچانتا ہوں تو اسے وہ چیز بتاتا ہوں جو آپ کی طرف سے آئی ہے اور جسے نہیں پہچان پاتا کہ وہ کون ہے تو اس سے کہتا ہوں کہ فلاں کی طرف سے یوں اور فلاں کی طرف سے یوں آیا ہے، پس اس طرح آپ کا قول ان کے دل و دماغ میں پہنچا دیتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ایسا ہی کرتے رہو کیونکہ میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں ـــــ یہ روایت شیخ صدوقؒ نے بھی العلل میں درج کی ہے"۔ (۸۸)

۱۸۔ قثم بن عباس جو ایک عامل تھا، اس کے نام امیر المومنینؑ کے خط میں ہے: "امابعد لوگوں کے لئے حج کا انتظام کرو اور انہیں ایام اللہ کی یاد دلاؤ، نیز لوگوں کے لئے صبح و شام کی ایک ایک نشست مقرر کرو جس میں مسئلہ پوچھنے والے کو اس کا جواب دو، جاہل کو تعلیم دو اور عالم سے تبادلہ خیال کرو"۔ (۸۹)

۱۹۔ سیرت ابن ہشام میں بیعت عقبہ کے ذیل میں ہے کہ ابن اسحاق نے بیان کیا: "جب وہ لوگ نبی اکرمؐ کے پاس سے واپس جانے لگے تو آپ نے مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ بھیجا اور اسے یہ حکم دیا کہ وہ انہیں قرآن کی تعلیم دے، اسلام سے واقفیت

دلائے اور دین ے بارے میں انہیں باخبر بنائے"۔ (۹۰)

۲۰۔ سیرت ابن ہشام ہی میں ہے: "نبی اکرمؐ نے عمرو بن حزم کو بنی حارث کا والی بنا کر بھیجا تاکہ وہ انہیں دین کے حقائق کی تعلیم دے، سنت سے آگاہ کرے اور دین کی معرفت کرائے"۔ (۹۱)

روایات کا پانچواں گروہ

وہ روایات جو بغیر علم کے فتویٰ دینے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ دینا اصلاً جائز اور صحیح ہے۔

۲۱۔ شیخ صدوقؒ نے معانی الاخبار میں حمزہ بن حمران سے روایت کی اور وہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے سنا: "جو شخص اپنے علم کو کمائی کا ذریعہ بنائے وہ فقیر و محتاج رہے گا، میں نے عرض کیا کہ آپ کے پیرو کاروں میں ایک گروہ ہے جو آپ کے علوم کا حامل ہے اور انہیں آپ کے شیعوں میں نشر کرتا ہے لیکن ان میں تو نیکی وصلہ معدوم نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے علم کے ذریعے کمائی کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ جبکہ یہاں وہ افراد مراد ہیں جو مال دنیا کے لالچ میں کتاب خدا سے ہدایت لئے بغیر محض اس لئے فتوے دیتے ہیں تاکہ مقررہ حقوق کو پامال و باطل کریں"۔ (۹۲)

۲۲۔ شیخ کلینی نے صحیح سند کے ساتھ ابو عبیدہ سے روایت کی ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "جو شخص خدا کے علم وہدایت کے بغیر فتویٰ دے، اس پر ملائکہ رحمت کے ساتھ ملائکہ عذاب بھی لعنت کرتے ہیں ـــ نیز اس پر ان لوگوں کا عذاب بھی پڑے گا جو اس کے فتوے پر عمل کرتے ہیں"۔ (۹۳)

روایات کا چھٹا گروہ

۲۳۔ علی بن اسباط نے روایت کی ہے کہ میں نے امام علی رضاؑ سے عرض کیا، کبھی کوئی ایسا مسئلہ بھی پیش آجاتا ہے کہ اسے جاننے اور پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن میں جس شہر میں رہتا ہوں وہاں آپ کے موالیوں میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس سے میں وہ مسئلہ پوچھوں اور فتویٰ لوں، تب آپ نے فرمایا: "تم اپنے شہر کے فقیہ کے پاس جاکر اپنے مسئلے میں اس سے فتویٰ لے لیا کرو اور جو فتویٰ وہ دے، تم اس کے برخلاف عمل کرو کہ وہی حق ہوگا"۔ (۹۴)

۲۴۔ شیخ کلینی نے علی بن ابراہیم سے اور اس نے اپنے باپ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اس نے کہا: "امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے ایک عورت نے پوچھا کہ میں نفاس میں بیس روز بیٹھی ہوں اور لوگوں نے مجھے اٹھارہ روز کا فتویٰ دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے اٹھارہ روز کا فتویٰ کیوں دیا؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ انہوں نے نبی اکرمؐ سے مروی ایک حدیث کے مطابق ایسا فتویٰ دیا ہے"۔ (۹۵)

ان کے علاوہ بھی ایسی روایات ہیں جن سے فتوے کی اصل اور اس کے اخذ کرنے میں امام کی تصدیق اور تقریر ظاہر ہوتی ہے۔

روایات کا ساتواں گروہ

وہ روایات جو قضاوت و فیصلہ کے لئے فقہاء شیعہ کی طرف رجوع کرنے، ایسے امور ان کے سامنے پیش کرنے اور ان کے فیصلے کو قبول کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔

۴۵۔ تنازعہ کے فریقین کے بارے میں مقبولہ عمر بن حنظلہ میں ہے: تنازعہ کے دونوں فریق دیکھیں کہ تم میں سے جس نے ہماری حدیث کی روایت کی ہے، ہمارے (بتائے ہوئے) حلال و حرام میں فکر و نظر کی ہے اور ہمارے احکام کو پہچانا ہے۔ پس وہ اس کو اپنا حکم اور فیصلہ کرنے والا اقرار دینے پر رضامند ہو جائیں کیونکہ میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا ہے۔ پھر جب وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ دے اور اسے قبول نہ کیا جائے تو گویا ہمارے قول کو نامنظور کیا گیا اور خدا کے حکم کو کمتر سمجھا گیا ہے۔ جبکہ ہمارے قول کو نامنظور کرنے والا اور خدا کے حکم کو کمتر سمجھنے والا شخص خدا کے ساتھ شرک کرنے اور شریک ٹھیرانے والے کی طرح ہوتا ہے۔ (٩٦)

۴٦۔ ابو خدیجہ کی روایت میں ہے: "اپنے لوگوں میں سے ایک ایسے مرد کو منتخب کرو جو ہمارے بتائے ہوئے حلال و حرام سے واقف ہو، پس وہ ایسا ہی ہے گویا میں نے اسے تمہارے لئے قاضی مقرر کیا ہو"۔ (٩٧)

اس روایت سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ قضاوت میں فتویٰ صادر کرنا لازم ہوتا ہے، لہٰذا جب قضاء و فیصلہ نافذ العمل اور اس کو رد کرنا صحیح نہ ہو تو پھر فتویٰ دینا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

ہاں یہ روایات کے وہ سات گروہ ہیں جن سے مجتہد کے فتوے کی حجیت اور اس کی طرف رجوع کرنے والے شخص کے لئے اس کی تقلید کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے۔

ادلہ تقلید پر مناقشہ:

میں کہتا ہوں ـــــ ہمارے اس زمانے کی اصطلاح میں تقلید کا مطلب فقیہ عادل کے قول کو بلا عذر اور تعبدی طور پر اختیار کرنا ہے، اگرچہ مفروضاً مقلد کو اس کے قبیح ہونے کا وثوق حاصل نہ ہو۔ پس فقیہ عادل کا قول اور اس کا فتویٰ حجت تاسیسی تعبدی ہے۔ مثل بینہ کی حجیت کے جو مسعدہ بن صدقہ کی روایت سے ثابت ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ مذکورہ آیات اور بہت سی روایات جو گزر چکی ہیں ان سے یہ امر ثابت کرنا مشکل ہے کیونکہ وہ جاہل کے لئے تکلیف ظاہری کے جعل و تقرر کے مقام میں نہیں ہیں کہ وہ تعبدی طور پر علماء کے اقوال و فتاویٰ کو اخذ کرنے کا پابند ہو، چاہے اسے ان کے صحیح اور واقعی ہونے پر وثوق و اطمینان حاصل نہ ہو۔

اس کے برعکس آیت سوال (نحل/۴۳) سے ظاہر ہے کہ جاہل کے لئے واجب ہے کہ وہ سوال کرے اور پوچھے تاکہ اسے علم حاصل ہو اگرچہ وہ علم اجمالی ہی ہو۔ نیز اس کے ظاہری قرینے کے لحاظ سے اس کا مقصود انبیاءؑ کی صفات کے بارے میں سوال کرنا اور پوچھنا ہے کہ جن میں اپنا ظن و گمان اور کسی کی تقلید قطعاً کافی نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت میں لفظ سوال کے مذکور ہونے کی بناء پر اہل ذکر سے مراد یہودی علماء ہیں جیسا کہ ابن عباس اور مجاہد سے منقول ہے۔ اور بعض دیگر

اخبار میں اہل ذکر سے مراد ائمہ اثناء عشرؑ ہیں۔ (۹۸)

علاوہ ازیں یہ آیت سوال کرنے کے وجوب کو تو بیان کرتی ہے لیکن کسی سوال کے جواب پر عمل کرنے کو واجب قرار نہیں دیتی کہ اس کے اطلاق کا علم و وثوق نہ ہوتے ہوئے بھی اس سے تمسک کیا جائے۔ پھر یہ کہ سوال کے لغو نہ ہونے کے لئے اس سے تھوڑا بہت فائدہ ہو جانا ہی کافی ہے اور وہ اس کے جواب پر وثوق پیدا ہونے کی صورت میں اس پر عمل کرنا ہے۔

اس سے آیت کتمان (بقرہ/۱۵۹) کا جواب بھی ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح آیت نفر (توبہ/۱۲۲) کا مدعا علوم دینی حاصل کرنے اور ان کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کے لئے مناسب مقامات پر جانے اور پھر ان کو قصبوں اور شہروں میں پھیلانے کے وجوب کا بیان ہے۔ تاکہ لوگ علم حاصل کر کے آنے والوں سے استفادہ کریں، ان میں علم عام ہو اور ان میں خوف خدا کے ساتھ ساتھ گناہوں سے پرہیز کا جذبہ و احساس پیدا ہو۔

یہ آیت قول فقیہ کے لئے حجیت تعبدی اور اس سے مطلقاً پیوست رہنے کے وجوب کے بیان میں نہیں کہ اس کے اطلاق میں علم و وثوق نہ ہونے کی صورت میں بھی اس سے تمسک کیا جائے۔ البتہ جاہل لوگوں کو اس سے اجمالی طور پر اس چیز کی صحت کے بارے میں ظاہری علم اور سکون حاصل ہو جاتا ہے کہ جس سے ان کو خوف دلایا اور ڈرایا جائے۔ جب کہ ڈرانے والا ثقہ اور مسلمہ عالم دین ہو اور اس کی کہی ہوئی بات ان کے لئے کفایت کرتی ہو۔ کیونکہ عقلاء کے نزدیک علم بذات خود حجت ہے قطع نظر اس سے کہ اس میں تخالف کا احتمال ہو یا ایسا احتمال بہت ہی کمزور ہو کہ جس کی پرواہ نہ کی جائے یا اس کا وجود و عدم برابر ہو جسے ہم اطمینان و وثوق یا سکون قلب سے تعبیر کرتے ہیں۔

پس یہ آیت تقلید تعبدی کا حکم لگانے کے مفہوم میں نہیں اور اس کی شاہد عبدالمومن انصاری کی یہ روایت ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "پس خدا نے حکم دیا ہے کہ لوگ نبی اکرمؐ کی خدمت میں آئیں اور آپ سے علم حاصل کریں، پھر وہ اپنے قبیلوں میں جا کر اپنے بھائی بندوں کو تعلیم دیں۔" (۹۹)

چنانچہ اس آیت کی غرض و غایت یہ ہے کہ کچھ لوگ پہلے تو خود تحصیل علم کریں اور پھر دوسروں کو تعلیم دیں لہٰذا اس سے مراد محض تقلید تعبدی نہیں ہے۔

نیز ہمارے اخبار میں معرفت امام کے لئے بعض لوگوں کی مسافرت اور پھر واپس آ کر اپنے لوگوں سے اس کا تعارف کرانے کے وجوب کا جو ذکر ہوا ہے اس کے لئے بھی اسی آیت سے استدلال کیا جاتا ہے۔ (۱۰۰)

حالانکہ یہ واضح بات ہے کہ امامت اصول دین میں سے ہے اور اس میں تقلید و تعبد جائز اور کافی نہیں ہے، اس سے حضرت ابراہیم خلیلؑ کی اپنے چچا سے ہونے والی گفتگو کا مطلب بھی ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ توحید اور نفی شرک اصول دین میں ہے اور اس میں تقلید محض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

محولہ بالا روایات کے پہلے گروہ میں بھی یہی تذکرہ ہے اور ان میں علم کی اشاعت اور اسے پھیلانے کا ذکر ہے، اسی لئے فرمایا گیا "پس وہ میرے بعد لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے" لہٰذا اس بات کا تقلید سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔

روایات کا تیسرا گروہ کہ جن میں شیعوں میں بعض کا بعض کی طرف رجوع کرانا مذکور ہے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راوی یا فقیہ کے قول کو بنیادی حیثیت دینے اور ان کی حجیت کے بیان میں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اس مروجہ روش و طریقے کی تصدیق و توثیق کرتی ہیں کہ خبیر ثقہ کا قول قبول کیا جائے اور وہ اس چیز کو بیان کرتی ہیں کہ مذکورہ افراد اس موضوع کے مصادیق ہیں۔

علاوہ ازیں یہ امکان بھی ہے کہ انہیں باب اجتہاد و افتاء سے متعلق قرار دینے میں کوئی علمی رکاوٹ ہو اور شاید وہ باب روایت سے مربوط ہوں، جب کہ ان دونوں ابواب میں بہت دور کا فاصلہ ہے۔ کیونکہ راوی امام سے حکایت کرتا ہے اور مفتی خود اپنے فہم و فراست اور اپنی رائے سے حاصل کی ہوئی بات کی حکایت و ترجمانی کرتا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ روایات ان دونوں ابواب کے لئے عموم رکھتی ہیں۔

پھر وہ روایات جو فتویٰ دینے کی ترغیب یا اس کے جواز اور اس کے لئے معصوم کی تقریر (خاموش تائید) پر دلالت کرتی ہیں تو وہ اس کے مطلق وجوب اور تعبد کی تاکید نہیں کرتیں اور وہ اس جہت کے مقام بیان میں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ شاید فتوے کے مطابق واقعہ ہونے کا وثوق ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے کے بارے میں ہیں اور یہی طریقہ جاریہ ہے۔ نیز افتاء کا نفع و فائدہ اس کے لازمی تعبدی اطلاق ہی میں منحصر نہیں ہے کہ اس پر دلالت اقتضاء کا حکم لگایا جائے۔

جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جو امر قضاء و فیصلہ کے فقہاء کی طرف ارجاع اور اسے ان کے پاس لے جانے پر دلالت کرتی ہیں تو ان کو باب قضاوت کے علاوہ کسی اور طرف موڑنا خصوصیت قضاء کو لغو ٹھہرانے اور اس کی دخالت کے غیر ضروری ہونے کی قطعیت پر موقوف ہے۔ حالانکہ وہ ممنوع ہے کیونکہ قضاوت کا تعلق فریقین تنازعہ سے ہے، اس لئے اس میں احتیاط ممکن نہیں اور مقدمے کا فیصلہ کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ پس اس طرح کے معاملے میں فقیہ کا حکم نافذ العمل ہے یہاں تک کہ اس کے خلاف واقعہ ہونے کا علم ہوتے ہوئے بھی عمل کرنا ضروری ہے چہ جائیکہ صرف شک ہی ہو۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات و روایات سے تقلید تعبدی کو ثابت کرنا مشکل ہے۔

البتہ روایات کے دوسرے گروہ میں توقیع امام العصرؑ و تفسیر امام حسن عسکریؑ اور احمد بن حاتم بن ماہویہ کی خبر بھی فقیہ ثقہ کے قول کی حجیت اور اس پر مطلقاً عمل کرنے میں ظہور رکھتی ہے اگرچہ اس سے علم و وثوق حاصل نہ بھی ہو ــــ پس وہ حجت تاسیسی شرعی ہے لیکن اس کی سند میں اشکال ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا اس طرح کے بنیادی حکم کو ایسی کمزور روایات سے ثابت کرنا مشکل ہے جو کتب اربعہ میں مذکور نہیں کہ جن پر فقہ کا دار و مدار ہے۔

ہاں اس بارے میں ایک عمدہ چیز عقلاء کی بناء اور ان کی سیرت ہے کہ اس کے مطابق ہر ناواقف شخص کسی علم و فن کے ماہر خصوصی کی تقلید کرتا ہے اور اس میں کسی اشکال کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیز تمام وقتوں اور تمام معاشروں میں جاری رہی ہے، نیز نبی اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے زمانوں میں ان کے اصحاب کی روش بھی یہی رہی کہ ناواقف شخص کسی عالم و دانا کی طرف رجوع کرے اور ثقہ و خبیر سے جو بات سنے اس پر عمل پیرا ہو۔

لیکن بناء عقلاء کی اساس ــــ آباء واجداد یا صاحبان اقتدار کے قول و فعل کے تعبد اور دلیل انسداد کے اجراء پر نہیں ہے جیسا کہ وہ لوگ باب علم کو بند کرنے کے باعث تقلید اور ظن کو اپنا معمول بنانے پر مجبور ہوئے ہیں۔ نیز بناء عقلاء ہر فرد کے اپنے عمل میں دوسرے عقلاء اور ان کی بات کا اعتبار کرنے پر بھی قائم نہیں بلکہ یہ ہر فرد کے عمل میں اپنے ذاتی علم و فہم اور باطنی ادراک پر اعتماد کے بل پر قائم ہے۔ پس بناء عقلاء سے مراد عقلاء ہیں کہ جن کی روش کے مطابق ہر ناواقف کے ثقہ خبیر کی طرف رجوع کرنے سے اس کو وثوق و اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، یہ علم عادی ہے کہ جس سے نفس کو سکون ملتا ہے اور عقل کے نزدیک علم و یقین حجت ہے۔ گویا یہاں بناء عقلاء سے مراد حکم عقل ہے کہ وہ اپنے نظام میں علم تفصیلی کے پابند نہیں جو تمام مسائل میں دلیل پر منحصر ہوتا ہے بلکہ وہ علم اجمالی پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں اور وہ اس کے خلاف واقعہ نہ ہونے کے احتمال کے بھی پابند نہیں، اس کی بجائے وہ صرف وثوق اور علم عادی پر بھی مطمئن ہو جاتے ہیں کہ جس میں خلاف واقعہ ہونے کا ضعیف سا احتمال ہو اور اس میں بھی تعبد نہیں ہے، کیونکہ عقلاء ہونے کے لحاظ سے ان کے عمل میں تعبد نہیں ہے۔

پس جب فرض کیا جائے کہ کسی مورد خاص میں انہیں اہل خبرہ کے قول سے کسی طرح کا وثوق حاصل نہ ہو جیسا کہ بعض اوقات دقیق فرعی اختلافی مسائل میں یہ صورت ہو جاتی ہے، تب اگر موضوع اہم نہ ہو اور اس میں غلط فہمی ہو سکتی ہو، جیسے اس بیمار کا معاملہ جو موت و حیات کے درمیان معلق ہو تو لامحالہ اس وقت وہ احتیاط کرتے ہیں، پھر ممکن ہو تو اس میں دوسرے خبیر یا طبی مجلس مشاورت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

لیکن یہ بات مخفی نہیں کہ دین و شریعت کے سبھی مسائل اہم ہیں اور ان میں تسامح و تساہل جائز نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ بناء عقلاء اور ان کے عمل کا ملاک و معیار وثوق شخصی کا حصول ہے اور یہ تقلید تعبدی نہیں بلکہ علم عادی ہے کہ جس پر عقلاء اجمالی طور پر اکتفاء کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اگر کسی دوسرے کے قول پر بلا طلب دلیل عمل کیا جائے تو یہ تقلید ہے اور اگر یہ کسی غیر کے قول کو تعبدی طور پر اخذ کرنا ہو تو عقلاء کے ہاں ایسی تقلید ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی ان کے ہاں تعبد کا گزر ہے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے یہ علم عادی حاصل کرنے کا طریقہ ہے اور یہ تمام عقلائی امور میں جاری ہوتا ہے جن میں شارع کی طرف سے کوئی تاسیس و تلقین نہیں ہے اور عقلاء علم عادی سے وثوق حاصل کئے بغیر ان پر اعتماد نہیں کر سکتے۔

پس اگر آپ کہیں کہ واقعیات کی دریافت میں وثوق شخصی اور علم عادی ہی معتبر ہے لیکن بناء عقلاء جو موالیوں اور غلاموں کے لئے مقام حجت پر ہوتی ہے وہ مطلقاً خبیر ثقہ کے قول پر مبنی ہے، گویا خبیر ثقہ کے قول کی مخالفت میں غلام کا یہ عذر قابل سماعت نہیں ہے کہ اس قول سے اس کو شخصاً وثوق حاصل نہیں ہوا۔

میں کہتا ہوں ــــ ہم ان دونوں مراتب میں فرق کو تسلیم نہیں کرتے، یعنی اگر فرض کریں کہ مالک نے اپنے بیٹے کا معاملہ غلام کے سپرد کیا ہے، پس بیٹا بیمار ہو گیا اور غلام اسے ایک طبیب کے پاس لے گیا اور اتفاقاً اسے اس کی دوا میں کوئی شک و تردد ہو گیا تو اگرچہ وہ احتیاط پر عمل کرنے یا کسی دوسرے طبیب یا طبی شوریٰ کی طرف رجوع کرنے کی اہلیت رکھتا تھا مگر اس نے احتیاط کو ترک کر کے پہلے طبیب کے مشورے پر عمل کیا اور اس کے نتیجے میں وہ لڑکا مر گیا۔ پھر جب مالک اس واقعہ کی تفصیل سے آگاہ ہوا تو کیا اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ غلام کو سرزنش کرے اور کیا اس کا یہ عذر مالک کے لئے قابل قبول ہو

گا کہ اس نے طبیب کے پاس جانے اور اس سے مشورہ کرنے میں اپنی ذمہ داری پر عملدر آمد کیا ہے؟

خلاصہ یہ کہ اصحاب نبیؐ اور اسی طرح اصحاب ائمہؑ میں فقہاء مثل زرارہ، محمد بن مسلم، برید عجلی، لیث بن بختری اور یونس وغیرہ کہ جن میں ائمہؑ کے راز داں حضرات کی طرف رجوع کرنا متعارف اور ائمہؑ کا ان کی طرف رجوع کرانا بھی معلوم تھا۔ لیکن ان ایام میں عام طور پر اجتہاد دقیق بنیادوں پر استوار نہیں تھا اور وہ سہل اور آسان تھا، اس لئے فتویٰ لینے والے کو وثوق و اطمینان حاصل ہو جاتا تھا اور وہ اپنے اس اطمینان کی بناء پر عمل کر لیتا جو اسے فقیہ کے فتوے سے حاصل ہوتا تھا۔ پس ہمارے اس زمانے میں بھی اگر مفتی کے فتوے کی صحت پر وثوق ہو جائے کہ وہ مطابق واقعہ ہے جیسا کہ عام طور پر وثوق ہوتا ہے تو اس کا اخذ کرنا اور اسے اختیار کرنا صحیح ہے۔

یعنی حقیقت میں کسی فتوے پر عمل اس وثوق کی وجہ سے ہوتا ہے جو تقلید و تعبد نہیں بلکہ علم عادی ہے کہ جس سے قلب و نفس کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی خاص مورد میں کسی جہت سے وثوق حاصل نہ ہو تو اس میں تعبداً عمل کرنا مشکل ہے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شارع نے قول فقیہ کو حجت تاسیسی تعبدی کے طور پر متعارف کرایا ہے جس طرح مختلف دعووں میں شہادت کو متعارف کرایا تو اس پر عمل کرنا صحیح ہو گا۔ چاہے وثوق حاصل نہ بھی ہو، بلکہ اگر اس میں ظن غالب ہو تو بھی عمل درست ہے مگر یہ کہ اسے ثابت کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اسے ثابت کرنے کے لئے جن آیات و روایات سے استدلال کیا گیا ہے وہ یا تو باب تعلیم و تعلّم سے مربوط ہیں یا اس چیز کے لئے ارشاد ہے جس پر بناء عقلاء اور ان کی روش جاری ہے یا اس کے مصادیق کے بیان میں ہیں یا ان کی سند مخدوش ہے۔ اس پر غور کریں اور یاد رکھیں۔

لیکن اس ذیل میں کوئی بھی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ آپ نے ذکر کیا ہے اس کا مقتضیٰ وجوب احتیاط ہے کہ جب کسی ثقہ شخص کے قول یا اس کے فتوے یا دیگر علامات سے مطلق طور پر شخصی وثوق حاصل نہ ہو اور شک چاہے فریضے کے ثبوت میں یا اس کے سقوط میں ہو چاہے اس کا موضوع اہم امور مثل قتل اور ناموس وغیرہ میں سے ہو ـــــ لیکن ہم گمان نہیں کرتے کہ کوئی شخص اس کا ملتزم ہو۔

پس اس مسئلے میں حق تفصیل ہے کہ ہر صورت کو الگ کر کے دیکھا جائے یعنی اگر تکلیف و ذمہ داری کے ثبوت کے بعد اس کے سقوط میں چاہے علم اجمالی سے ہی شک ہو تو احتیاط یا وجہ شرعی یا وجہ عقلی پر عمل کرنا واجب ہے جو اطاعت میں علم ویقین یا وثوق کی موجب بنے۔ اسی طرح جب شک اصل تکلیف و ذمہ داری میں ہو اور موضوع اہم امور میں سے ہو تو بھی یہی حکم ہے باقی رہے غیر اہم موضوعات تو ان میں برات عقلی و شرعی جاری ہو گی، البتہ اگر تکلیف و ذمہ پر وجہ عقلی یا شرعی موجود ہو تو پھر اسے اخذ کرنا واجب ہو گا۔ اگرچہ وثوق شخصی حاصل نہ بھی ہو۔ کیونکہ وجہ و بناء کی موجودگی میں عقلاء مالک کی غلام پر حجت قائم ہونے کا حکم لگائیں گے اور اس کا یہ عذر نہیں سنا جائے گا کہ اسے شخصاً وثوق حاصل نہیں ہوا۔ اس پر غور کریں۔

تقلید کے بارے میں ابن زہرہ کا کلام

مناسب ہو گا کہ اس مقام پر اوائل الغنیہ سے ابن زہرہ کا کلام نقل کیا جائے جیسا کہ وہ کہتا ہے:

فصل: فتویٰ لینے والے کے لئے مفتی کی تقلید جائز نہیں کیونکہ تقلید قبیح ہے، اس لئے کہ طائفہ شیعہ کا اجماع ہے کہ علم ویقین کے بغیر عمل جائز نہیں ہے۔ یہاں کسی کو اس پر قیام دلیل کے بارے میں کچھ کہنے کا حق نہیں کیونکہ یہ طائفہ شیعہ کا اجماع ہے، عامی کے لئے مفتی کی طرف رجوع اور اس کے قول پر عمل کرنے کا وجوب اسے فعل قبیح پر اقدام کرنے سے مامون قرار دیتا ہے اور اس کے عمل کا علم سے متعلق ہونا اس کا اقتضاء ہے، ہم فقیہ کے قول پر عمل کرنے میں جبکہ وہ جائز الخطاء ہے، ان کے اجماع کو تسلیم نہیں کرتے اور وہ موضوع اختلاف ہے بلکہ عامی کو بس یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ مفتی کی طرف رجوع کرے نہ کہ اس کے قول پر تقلیدی طور پر عمل کرے کہ ایسا حکم نہیں آیا ہے۔

پھر اگر کہا جائے کہ اس کی طرف رجوع کرنے کا فائدہ ہی کیا جبکہ اس کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں ہے؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس رجوع کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس مفتی اور دیگر علماء امامیہ کے فتوے اور ان کے اجماع سے اس شخص کو علم کی طرف راہ وسبیل ملے گی اور وہ اس حکم پر یقین کے ساتھ عمل کرے گا۔ (۱۰۱)

اگر فرض کیا جائے کہ آیات وروایات اور عمومی روش قول فقیہ کی حجیت تعبدی پر دلالت کرتی ہے تو پھر اس سے مطلع ہونا اور اس کی دلالت کی تحقیق کرنا ایک آدمی کے بس میں نہیں ہے کیونکہ یہ اس مسئلے میں اجتہاد کرنے پر موقوف ہے لہٰذا اس میں تقلید موجب تسلسل ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے کہ احتیاط پر عمل کرنے کا جواز اور اس کے موارد کی تشخیص اور کیفیت بھی اس میں اجتہاد یا تقلید کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔ پس عامی کے لئے ابتداء امر میں اہل خبرہ کی طرف رجوع کرنا اور وثوق واطمینان حاصل ہونے کے بعد ان کے قول پر عمل کرنا ہے جو علم عادی ہے اور اس کی حجیت ذاتی ہوگی۔ اس پر غور کریں

جہاں تک اس صورت حال کا تعلق ہے جو عام لوگوں میں نظر آتی ہے کہ وہ مجتہد کے فتوے میں تعبد محض سے کام لیتے ہیں اور اس طرف مطلق توجہ نہیں دیتے کہ وہ مطابق واقعہ ہے یا نہیں؟ شاید ان کے اس طرف متوجہ نہ ہونے اور اس کے مطابق واقعہ ہونے میں شک نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اکثر یہ تلقین کی جاتی رہی ہے کہ عامی کی تکلیف وذمہ داری نہیں ہے مگر یہ کہ مجتہد کے فتوے پر عمل کرے اور مفتی اسے جو حکم دے وہ اس کے لئے مطلقاً خدا کا حکم ہے ـــــ ظاہر ہے کہ یہ جملہ مصوبہ کے مقولات میں سے ہے، اگرچہ یہ ہماری زبانوں پر بھی جاری رہتا ہے۔ اسے یاد رکھیں۔

مسئلہ تقلید کا ایک اور طریق

مسئلہ تقلید کا ایک اور طریق بھی ہے جو اکثر ذہنوں میں آتا ہے اگرچہ وہ اشکال سے خالی نہیں ہے، ہاں تو وہ طریق یہ ہے کہ تینوں منصب یعنی بیان شریعت، امر قضاوت اور ولایت کبریٰ سب کے سب نبی اکرمؐ کی ذات میں جمع تھے نیز ائمہ اثناء عشرؑ کے وقت میں بھی ہمارے نزدیک یہ مناصب انہی میں منحصر تھے، کیونکہ بیان شریعت اور امر قضاوت ـــــ ولایت و امامت حقہ کے شئون و خواص میں سے ہیں۔ پس غیبت کبریٰ میں قضاوت اور فتویٰ کا حق اس کے لئے ہے جس کے لئے ولایت کبریٰ ہے یعنی فقیہ جامع الشرائط کہ جس کے اوصاف و شرائط کا ذکر ہوچکا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں دین وسیاست باہم لازم وملزوم ہیں، لہٰذا جو شخص ان دونوں سے متعلقہ امور کا

انتظام کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فتویٰ ، قضاوت اور ولایت کے صفات کا جامع ہو، اگرچہ ان عام معاملات کا انتظام دوسرے افراد سے مدد لینے پر موقوف ہے۔ اس کے شاہد وہ تمام آیات و روایات ہیں جو اس باب کی پہلی فصل میں گزر چکے ہیں کہ جن میں دین و سیاست یکجا مذکور ہیں نیز اس پر نبی اکرمؐ کا وہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

خدایا! میرے خلفاء پر رحم فرما" آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا۔ تب عرض کیا گیا: یارسول اللہؐ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ جو میرے بعد آئیں گے، میری حدیث و سنت کی روایت کریں گے اور میرے بعد لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔ (۱۰۲)

چونکہ آپ کے خلفاء کی لفظ سے وہ آپ کے تمام شئون عامہ میں آپ کے خلیفہ و جانشین معلوم ہوتے ہیں، لہٰذا اس جانشینی میں یہ تینوں مناصب شامل ہوں گے

اسی طرح امام العصرؑ کی توقیع میں ہے جو گزر چکی ہے: "جہاں تک واقع ہونے والے حوادث کا تعلق ہے تو ان میں ہماری حدیث کی روایت کرنے والوں سے رجوع کرو، کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں ان پر خدا کی حجت ہوں"۔ (۱۰۳)

چونکہ حوادث سے مراد ایسے امور ہیں جو ہر زمانے کے مسلمانوں کو پیش آتے ہیں جن کی کیفیت کا ادراک یا ان پر منطبق ہونے والے احکام کی تشخیص مشکل ہو، اس سے معلوم ہوا کہ کلیات ماثورہ کے علم اور حوادث واقعہ کے علم کا مرجع ایک ہی شخص ہوگا۔ پس امام العصرؑ نے ان دونوں امور یعنی فتویٰ دینے اور حکومت کرنے کے لئے اس فقیہ کو لوگوں کا مرجع قرار دیا ہے جس کی فقہ روایات اہل بیتؑ پر مبنی ہو۔

اس بارے میں ایسا ہی ارشاد امام حسینؑ کے کلام میں بھی ذکر ہوا ہے: "امور و احکام کا اجراء و نفاذ اللہ والے علماء کے ہاتھ میں ہے جو اس کے حلال و حرام کے امین ہیں"۔ (۱۰۴)

پس آپ نے حق ولایت اس کے لئے قرار دیا کہ جسے فتویٰ دینے کا حق ہے

"مقبولہ عمر بن حنظلہ میں آیا ہے کہ منصب قضاء یا ولایت مجعولہ میں سے ہر ایک کے ساتھ فتویٰ دینے کا حق بھی لازمی ہے"۔ (۱۰۵)

مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں باہم لازم و ملزوم ہیں اور یہ ایک ہی شخص کے لئے جعل و مقرر کئے گئے ہیں، اس لئے منصب افتاء بھی تعبدی طور پر مقرر ہے اور مفتی میں بھی ضروری شرائط کا ہونا لازم ہے جن کا ذکر اپنے مقام پر ہو چکا ہے

معلوم ہوا کہ مرجعیت محض فتوے کے لئے نہیں بلکہ امامت و ولایت کا اجراء و تسلسل ہے، اسی لئے اس امر پر ہمارے فقہاء کا اتفاق و اجماع ہے کہ میت کی تقلید (ابتداءً) جائز نہیں۔ اسے یاد رکھیں

لیکن امامت بطریق نصب پر امکانی اور وقوعی طور پر اور اس کے ادلہ کی دلالت پر بھی ہماری طرف سے اشکال کا ذکر ہو چکا ہے، شاید شارع مقدسؑ نے ضروری شرائط کی رعایت کے ساتھ والی و حاکم کا تعین امت پر چھوڑ دیا ہو اور امر افتاء کو اس طریقہ

جاریہ پر رہنے دیا ہو کہ جو معلوم و متعارف ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اس پر غور کریں۔

جو شخص والی منتخب ہو اس میں آٹھ شرائط کی رعایت ضروری ہے کہ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے اور ان میں سے ایک فقاہت بلکہ اعلمیت بھی ہے جب وہ ممکن ہو۔ اگر اعلم دیگر ضروری شرائط کا حامل ہو تو پھر طے ہے کہ بہر طور ولایت کے لئے اسے ہی منتخب کیا جائے، اس طرح مذکورہ تینوں مناصب خود بخود ایک ہی شخص میں جمع ہو جائیں گے اور یہی چیز مسلمانوں کے مصالح کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اصل مقصد تو امر مسلمین کا استقرار اور ان کا متحد الکلمہ ہونا ہے اور یہ مقصد امام و قائد کی وحدت کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ امر بڑا ضروری و لازم ہے کہ امام و رہبر ـــــ افتاء قضاء اور ولایت تینوں شئون میں ہر ایک کے اہل خبرہ (ماہرین) سے اعانت حاصل کرے۔ پس منزل افتاء میں بھی ضروری ہے کہ اہل نظر اور اہل فتویٰ کی ایک جماعت کو شوریٰ کی شکل دے کر مشکل مسائل میں اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ چنانچہ امام و حاکم مختلف افکار اور متعدد انظار کو دیکھنے سننے کے بعد فتویٰ دے، اس لئے کہ بعض اوقات وہ شخص مصیبت میں پھنس جاتا ہے جو اپنی رائے پر زور دیتا ہے، کیونکہ بعض سیاسی، اقتصادی اور عسکری مسائل کے بارے میں فتویٰ دینے کا دار و مدار ان میں جدید معلومات اور نئے رجحانات سے واقفیت اور ان کے مختلف پہلوؤں کی معرفت پر ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان موضوعات کے ماہرین سے مدد لی جائے اور بعض مواقع پر یہ چیز اس حکم شرعی کی شناخت میں موثر ہوتی ہے جو ان پر منطبق ہوتا ہے۔ اس پر غور کریں

اس مسئلے پر ہماری یہ بحث خاصی طویل ہو گئی ہے اس لئے ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

دوسرا ادارہ. تنفیذی (انتظامیہ)

اس میں بحث کے کئی جہات ہیں

۱۔ انتظامیہ سے مراد، اس کی ضرورت اور اس کے مراتب

انتظامیہ سے مراد ـــــ وزیر، گورنر، سیکرٹری، سیکشن افسر، سپرنٹنڈنٹ اور کلرک ہیں جو مختلف محکموں اور مختلف شہروں میں کام کرتے ہیں، ہمارے دور میں ان میں سب سے اہم وزارت کا منصب ہے، لیکن یہ کوئی نیا عہدہ نہیں کہ جو نبی اکرمؐ کے بعد بنایا گیا ہو جیسا کہ اس کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی کے لئے وزارت کی استدعا کی اور عرض کیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

۱- واجعل لي وزيراً من اهلي، هارون اخي، اشدد به ازري، واشركه في امري - (۱۰۶)

"اور میرے کنبے والوں میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر (بوجھ بٹانے والا) بنا دے، اس کے ذریعے میری پشت مضبوط کر دے اور میرے کام میں اس کو میرا ساتھی بنا دے"۔

۲ - ولقد آتینا موسیٰ الکتاب وجعلنا معه اخاه هارون وزیراً - (۱۰۷)

"اور البتہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (توریت) عطا کی اور ان کے بھائی ہارونؑ کو ان کا وزیر بنایا"۔

۳۔ امیر المومنین امام علیؑ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے دعوت عشیرہ میں فرمایا: "تم میں سے کون ہے جو اس امر (نبوت) میں میرا بوجھ بٹائے گا (اور میرا وزیر بنے گا) اس بناء پر کہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ و جانشین ہو۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں ہوں جو اس امر میں آپ کا وزیر (بوجھ بٹانے والا) ہوں گا۔ آپ مزید فرماتے ہیں: آنحضرتؐ نے میری گردن پر ہاتھ رکھا اور پھر فرمایا: بے شک یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے، پس اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو"۔ (۱۰۸)

۴۔ نہج البلاغہ میں خطبہ قاصعہ کے اواخر میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے امام علیؑ سے فرمایا: "تم وہ کچھ سنتے ہو جو میں سنتا ہوں اور تم وہ کچھ دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں مگر یہ کہ تم نبی نہیں لیکن وزیر ہو"۔ (۱۰۹)

۵۔ احمد نے اپنی سند کے ساتھ امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی اکرمؐ کو یہ فرماتے سنا: "مجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں ہوا مگر یہ کہ اسے سات نجیب وزیر و نقیب دئے گئے اور مجھے چودہ نجیب وزیر و نقیب دیئے گئے کہ سات قریش میں سے اور سات مہاجرین میں سے ہیں"۔ (۱۱۰)

۶۔ احمد نے ہی اپنی سند کے ساتھ امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "مجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا مگر یہ کہ اسے سات نجیب رفیق و وزیر دیئے گئے اور مجھے چودہ ملے ہیں کہ وہ حمزہ۔ جعفر۔ علیؑ۔ حسنؑ حسینؑ ابوبکر۔ عمر۔ مقداد۔ عبداللہ بن مسعود۔ ابوذر۔ حذیفہ۔ سلمان۔ عمار اور بلال ہیں"۔ (۱۱۱)

۷۔ بی بی عائشہ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "خدائے تعالیٰ جس کو امور مسلمین میں سے کسی کا والی بنائے ___ اگر اس کے لئے خیر کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کا ایک وزیر صدق (مخلص وزیر) قرار دیتا ہے کہ جو کچھ یہ بھول جائے وہ اسے یاد دلائے اور جو اسے یاد ہو اس میں اس کی اعانت کرے"۔ (۱۱۲)

۸۔ بی بی عائشہ ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "خدا جب کسی امیر و حاکم کے بارے میں خیر چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک وزیر صدق قرار دیتا ہے کہ اگر وہ کسی چیز کو بھول جائے تو وزیر یاد دلاتا ہے اور اسے یاد ہو تو وہ اس میں اعانت کرتا ہے۔ لیکن جب خدا کسی امیر و حاکم کے لئے خیر کے علاوہ ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے برا وزیر ہوتا ہے کہ اگر اسے کچھ بھول جائے تو وہ یاد نہیں دلاتا اور اسے یاد ہو تو وہ اعانت نہیں کرتا"۔ (۱۱۳)

۹۔ اعلام الدین میں مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جو بھی شخص مسلمانوں کے امور میں سے کسی کا متولی بنتا ہے، اگر خدا اس کے لئے خیر کا ارادہ کرے تو اسے ایک صالح وزیر دیتا ہے کہ جب یہ بھول جائے تو وہ یاد دلاتا ہے اور اگر اسے یاد ہو تو وہ اس کی اعانت کرتا ہے"۔ (۱۱۴)

۱۰۔ امالی صدوقؒ میں ان کی سند کے ساتھ مفضل سے روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جب خدا کسی قوم کے بارے میں خیر کا ارادہ کرے تو اس کے لئے شفیق و مہربان حاکم قرار دیتا ہے اور اس کے لئے ایک نیک خصلت وزیر مقرر کرتا ہے

"۔ (۱۱۵)

۱۱۔ احمد نے اپنی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "ویل وہلاکت ہے وزراء کے لئے کہ روز قیامت ان میں بہت سے افراد یہ تمنا کریں گے کہ ان کی پیشانی کے بال ثریا سے بندھے ہوتے اور وہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتے لیکن وہ دنیا میں کسی حکومتی کام کے ذمہ دار نہ بنائے جاتے"۔ (۱۱۶)

انکے علاوہ اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سے اخبار و روایات وارد ہوئے ہیں۔

پس مقدمہ ابن خلدون میں جو کہا گیا "نبی اکرمؐ اپنے اصحاب کو عام اور خاص کام سپرد فرماتے تھے" لیکن لفظ "وزیر" مسلمانوں میں متعارف نہیں تھا تاکہ اسلام کی سادگی کے ذریعے ملک و حکومت کی بڑائی اور کشش کو ختم کیا جائے (۱۱۷)

یہ قول واضح طور پر فاسد اور غیر معقول ہے

شیخ عبدالحی کتانی نے احکام القرآن میں قاضی ابو بکر بن العربی سے روایت کی ہے: "وزیر سے مراد وہ مرد ہے جو اپنے دین و عقل میں قابل وثوق ہو اور خلیفہ و حاکم پیش آمدہ امور میں اس سے مشورہ کرے"۔ (۱۱۸)

ماوردی نے اسم "وزارت" کے اشتقاق میں تین وجوہ کا ذکر کیا ہے: الف۔ وزارت، وزر سے ہے جس کا معنی بوجھ ہے۔ کیونکہ وزیر بادشاہ کی طرف سے فرائض کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

ب۔ وزارت، وزر سے ہے جس کا معنی ہے جائے پناہ۔ اور یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے قول "کلا لاوزر" میں آیا ہے (۱۱۹)۔ گویا وزیر کو اس لئے وزیر کہا جاتا ہے کہ بادشاہ رائے اور تعاون کے سلسلے میں اس کی پناہ لیتا ہے۔

ج۔ وزارت، ازر سے ہے جس کا معنی پشت ہے اور بادشاہ اپنے وزیر سے قوت حاصل کرتا ہے جیسے بدن پشت سے قوت حاصل کرتا ہے۔ (۱۲۰)

بہر حال اپنے مختلف مراتب میں ادارۂ تنفیذی (انتظامیہ) کا کام وزارت ہو یا ادارۂ تشریعی (مقننہ) کے مدون کیے ہوئے قوانین کو نافذ کرنا ہو۔۔۔ اس کی ضرورت واضح اور ظاہر ہے۔۔۔ کیونکہ قانون چاہے کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو، وہ از خود معاشرے کے حالات کی اصلاح اور اس کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا جب تک کوئی اسے نافذ کرنے کا ذمہ دار نہ ہو۔ پھر عمومی ذمہ داریاں کہ جن کا معاشرے سے تعلق ہے مثلاً شہری نظم ونسق، قیام امن، حدود و تعزیرات کا نفاذ اور دشمن سے دفاع وغیرہ کو معاشرے کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ صورت بہت سے امور کے معطل و مہمل ہونے، ہرج و مرج واقع ہونے اور اختلاف و انتشار کا موجب ہو گا، لہٰذا ضروری ہے کہ ان معاملات میں ہر شعبہ ایک خاص شخص کے ذمے ہو جو اس میں خصوصی مہارت کا حامل اور اس کے انتظام کا ذمہ دار ہو۔

ادارۂ تنفیذی (انتظامیہ) کو کسی خاص درجہ، شکل اور تعداد میں محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ مملکت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جائے اور زندگی کی ضروریات میں جتنا اضافہ ہو گا اس کے مطابق مزید محکمے اور افسران و اہلکار بھی بڑھتے جائیں گے۔ البتہ اس سلسلے میں میانہ روی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ انتظامیہ کے لوگ نہ تو ضرورت سے کم ہوں اور نہ زیادہ ہوں۔ کیونکہ افسران اور اہلکاران کی زیادتی محکموں میں اضافے اور تقسیم در تقسیم کا باعث بنے گی اور وہاں آنے والے عام لوگوں کا وقت بھی ضائع

ہو گا نیز ان ملازمین کے مشاہروں کے لئے نئے محصولات عائد کرنا پڑیں گے جس سے عوام اور حکومت کو خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔

نبی اکرمؐ کے عہد مبارک میں نظام حکومت نہایت سادہ اور سہل تھا — سیاست، قضاوت، اقتصاد اور دفاع کے معاملات کے بڑے حصے کی ذمہ داری خود آنحضرتؐ پر تھی، البتہ آپ ضرورت کے تحت بعض ذمہ داریاں ایسے افراد کے سپرد فرمادیتے جو ان کی صلاحیت رکھنے والے تھے چنانچہ آپ مختلف شہروں کے حاکم، صدقات وصول کرنے والے عمال اور سریوں کے امیر بلکہ بعض جنگوں میں سپہ سالار بھی مقرر فرماتے نیز ان کے لئے فرائض اور قواعد معین فرمادیتے تھے جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے۔

حکومت اسلامی کی سادگی اور آسانی کا مشاہدہ آنحضرتؐ کے بعد بھی خصوصاً امیر المومنینؑ کی خلافت میں ہو سکتا ہے اگرچہ مملکت کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ اس میں اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی ضروریات تھوڑے وقت اور کم خرچ میں پوری ہوں اور اہلکار اپنی ذمہ داریاں سہولت کے ساتھ ادا کر سکیں۔ یہی وہ طریقہ و روش ہے جس سے ملک کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں، قوم و امت کی خوشی و رضا حاصل ہوتی ہے، حکومت کو بقاء ملتی ہے اور امن و امان کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

مالک اشتر کے نام امیر المومنینؑ کے خط میں ہے: "تمہیں سب طریقوں میں سے وہ طریقہ پسند ہونا چاہئے جو حق کے اعتبار سے بہترین، انصاف کے لحاظ سے عام اور رعایا کے زیادہ سے زیادہ افراد کی مرضی کے مطابق ہو، کیونکہ عوام کی ناراضی خواص کی رضا کو بے اثر بنا دیتی ہے لیکن عوام کی رضامندی حاصل ہونے کی صورت میں خواص کی ناراضی کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ (۱۲۱)

۲۔ ادارۂ تنفیذی (انتظامیہ) کا مصدر

مخفی نہیں ہے کہ وزراء، افسران اور اہلکار اپنے مختلف اصناف اور مراتب کے ساتھ امام و والئی اعظم کی طرف سے منتخب ہوں گے یا مجلس شوریٰ کی جانب سے یا قوم و امت کی مرضی سے منتخب ہوں گے یا بعض والی کی طرف سے بعض امت کی طرف سے اور بعض مجلس شوریٰ کی طرف سے منتخب ہوں گے۔ علاوہ ازیں جیسا کہ بعض ملکوں میں ہو رہا ہے یعنی جب امام و والی اور مجلس شوریٰ کا انتخاب امت کی طرف سے ہو تو ان کے منتخب کیے ہوئے ہر درجے کے عہدیدار امت کے منتخب کیے ہوئے قرار پائیں گے۔

آپ اس باب کی تیسری فصل میں پڑھ چکے ہیں کہ حکومت اسلامی میں اولاً اور بالذات مسئول اور ذمہ دار امام و والی ہے اور مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کے تینوں ادارے اس کے معاون اور مددگار ہوتے ہیں۔ اس بناء پر یہ موضوع تقاضا کرتا ہے کہ اس ادارہ یعنی انتظامیہ کا انتخاب اور تقرر اسی کے ہاتھ میں ہو تاکہ وہ ایسے اشخاص کا چناؤ کرے جن کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں اپنا معاون پائے اور فکر و عمل میں اپنے قریب تر تصور کرے مگر یہ کہ اس پر کوئی شرط عائد ہو چکی ہو۔

آج کل ہمارے ممالک میں یہ طریقہ رائج ہے کہ والی یا رئیس جمہوریہ جو قوم کی طرف سے منتخب ہے، وزراء کا انتخاب وہ

خود کرتا ہے۔ پھر ان کے نام توثیق کے لئے مجلس شوریٰ کو بھیج دیتا ہے جسے ان کے رد یا قبول کا حق حاصل ہوتا ہے۔ باقی رہا دیگر افسران اور اہلکاران کا معاملہ تو مجلس شوریٰ میں ایسا قانون پاس ہونے کے بعد وزراء کی ذمہ داریوں کے پیش نظر ان لوگوں کا انتخاب و تقرر ان کے خاص اختیارات میں شمار ہوتا ہے۔

۳۔ وزراء، افسران اور اہلکاران کے صفات

یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ وہ بہت سی مشکلات جو حکومتوں کو پیش آتی ہیں، ان کی بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وزیروں، افسروں اور اہلکاروں کے انتخاب میں دانستہ یا نادانستہ طور پر غلط روش اختیار کی جاتی ہے یا خود انتخاب کرنے والوں کی خرابی نیت یا بے لیاقتی اس غلط روی کا سبب بنتی ہے۔ پس یہ چیز امور عامہ کی پراگندگی، حکومت میں بدنظمی اور قوم کی ناراضی کا موجب ہے کہ اس کے نتیجے میں کبھی کبھی انقلاب بھی برپا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عقل و شریعت کے حکم کے مطابق والیوں، وزیروں، افسروں اور اہلکاروں میں ایسے، صفات کا ہونا ضروری ہے، ان کے انتخاب کے وقت ان شروط و صفات کا لحاظ رکھنا ناگزیر ہے اور ان لوگوں میں ان شرائط کی تحقیق کرنے کے عمل میں پوری توجہ سے کام نہ لینا امت کے ساتھ خیانت ہے۔ چنانچہ ان شرائط و صفات میں سب سے اہم عقل سلیم، ایمان کامل، تجربہ و مہارت، ارادے، پر عمل کرنے کی قوت، خود اعتمادی اور امانتداری ہیں، نیز یہ کہ وہ اشخاص حرص و طمع سے مغلوب ہونے والے نہ ہوں۔

ماوردی نے وزارت کی دو قسمیں بتائی ہیں یعنی وزارت تفویض اور وزارت تنفیذ ـ وزارت تفویض یہ ہے کہ امام جس شخص کو وزیر بنائے اور تدبیر امور اس کی رائے پر چھوڑے تو وہ اس کے مجتہد ہونے کی تصدیق بھی کرے ـ وزارت تنفیذ سے مراد انتظامیہ ہے اور اس بارے میں وہ یوں وضاحت کرتا ہے:

الف۔ وزارت تفویض کے منصب کے لئے نسب کے علاوہ امامت و ولایت کے شروط ضروری ہیں کیونکہ اس شخص کی آراء اور اس کے اجتہاد پر عمل ہونا ہے، لہٰذا اس میں مجتہد کے صفات موجود ہونا چاہئیں۔

ب۔ وزارت تنفیذ یعنی انتظامیہ کے لئے ان سات صفات کی رعایت ضروری ہے:

۱۔ امانت ـ تاکہ ان امور میں خیانت نہ کرے جن کا اسے امین بنایا گیا ہے۔

۲۔ صداقت ـ یعنی وہ قول میں سچا ہو تاکہ اس کی بات پر اعتماد کیا جا سکے اور اس کے امر و نہی پر عمل کیا جائے۔

۳۔ قلت طمع ـ وہ حرص و طمع سے مغلوب نہ ہو تاکہ رشوت نہ لے، کسی کی باتوں میں نہ آئے اور کاموں میں ڈھیل نہ کرے۔

۴۔ عدم عداوت ـ وہ لوگوں سے عداوت رکھنے والا نہ ہو، کیونکہ عداوت دوسروں پر شفقت کرنے اور انصاف برتنے سے روکتی ہے۔

۵۔ مضبوطی حافظہ ـ ان باتوں کو ٹھیک طرح سے یاد رکھنے والا ہو کہ جو خلیفہ تک یا اس کی طرف سے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

۶۔ ذہانت۔ وہ اچھا ذہن رکھنے والا اور ہوش مند ہو تاکہ اسے دھوکہ دے کر معاملات کو اس پر مشتبہ نہ کیا جائے اور بناوٹی باتوں سے اس کو غلط فہمی میں نہ ڈالا جائے۔

۷۔ عدم ہوا و ہوس۔ وہ خواہش پرست نہ ہو کہ نفسانی خواہشیں اسے حق سے ہٹا کر باطل کی طرف مائل کر دیں گی اور حقدار اس کے نزدیک غیر مستحق ہو جائے گا، کیونکہ ہوا و ہوس ___ عقل و فکر کو دبا دیتی ہے اور صواب و درستی سے روکتی ہے، جیسا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "تمہارا کسی چیز سے محبت کرنا تمہیں اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے۔"

پس اگر یہ وزیر کسی رائے اور مشورہ میں شامل ہو تو اس میں ایک آٹھویں صفت بھی ضروری ہے کہ جو اس کی مہارت اور تجربہ ہے۔ (۱۲۲)

ابو یعلیٰ فراء نے بھی اس صفت کا ذکر کیا ہے۔ (۱۲۳)

وہ آٹھ شرائط جو والیوں اور حاکموں میں ہونا چاہئیں، ان کا ذکر حکم عقل کے تحت اس کتاب (کی جلد اول) کے چوتھے باب میں ہو چکا ہے، وہاں وہ آیات و روایات بھی مذکور ہیں جو ان شرائط کی ضرورت کو واضح کرتی ہیں اور شاید ان سے اس چیز کے ادلہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ پس ہم یہاں خاص وزراء اور امراء کے اوصاف میں وارد کچھ اور آیات و روایات بھی پیش کرتے ہیں:

آیات

۱- ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلاً - (۱۲٤)

"خدا نے کافروں کے لئے مومنوں پر ہرگز راہ قرار نہیں دی۔"

۲- لاتطيعوا امر المسرفين. الذين يفسدون في الارض ولا يصلحون - (۱۲۵)

"اسراف و زیادتی کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے"

وزراء و امراء اور افسران و اہلکاران کی اطاعت ان کے عمل میں ہے، پس مفسد و مسرف افراد کو منتخب کرنا جائز نہیں ہے۔

۳ افنجعل المسلمين كالمجرمين. مالكم كيف تحكمون - (۱۲٦)

"پس کیا ہم مسلمانوں کو بھی مجرموں کی طرح قرار دیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے اور کس طرح کے حکم لگاتے ہو۔"

٤- افمن كان مئومناً كمن كان فاسقاً. لايستوون - (۱۲۷)

"کیا وہ جو مومن ہے وہ فاسق کی طرح ہے؟ وہ برابر نہیں ہیں۔"

٥- قل هل يستوى الّذين يعلمون والّذين لايعلمون. انّما يتذكّر اولوا الالباب - (۱۲۸)

"کہہ دے کیا برابر ہیں وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، بے شک صاحبان عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔"

٦- ولا تئوتوا السفهاء اموالكم التى جعل الله لكم قيامًا - (۱۲۹)

"اپنے وہ اموال بے وقوفوں کو نہ دو کہ جنہیں خدا نے تمہارے قیام کا ذریعہ قرار دیا ہے۔"

حضرت یوسفؑ کا یہ قول دوہرایا گیا ہے:

۷ اجعلني على خزائن الارض. انّي حفيظ عليم - (۱۳۰)

"مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دے کہ میں حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔"

حضرت شعیبؑ کی بیٹی کا قول نقل ہوا ہے:

۸ قالت احدیٰهما یا ابت استاجره. انّ خير من استاجرت القويّ الامين - (۱۳۱)

"ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے کہا۔ بابا! اسے اجیر بنا لے کہ بہترین اجیر وہ ہے جو قوی و امین ہو۔"

روایات

۱۔ صحیحہ عیص بن قاسم میں امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ سے مروی ہے: "اپنے نفسوں کے لئے غور و فکر کرو، قسم بخدا ایک شخص کی بھیڑ بکریوں میں ایک چرواہا ہے تو اگر اب اسے ان کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والا مل جائے تو وہ پہلے کو ہٹا کر اس کو لے آئے گا۔" (۱۳۲)

۲۔ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جو شخص بغیر علم کے عمل کرے تو غلط طور پر انجام دیا ہوا اس سے زیادہ ہو گا جسے درستی سے بجالائے۔" (۱۳۳)

۳۔ طلحہ بن زید سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے سنا: "بصیرت کے بغیر عمل کرنے والا غلط راستے پر چلنے والے کی مانند ہے کہ جسے اس کی تیز روی اپنی منزل سے دوری کے علاوہ کچھ نہ دے گی۔" (۱۳۴)

۴۔ مفضل بن عمر سے روایت ہے کہ امام ابو عبد اللہؑ نے فرمایا: "جو شخص اپنے زمانے کے حالات کا علم رکھتا ہے اس پر غلط فہمیوں کا ہجوم و حملہ نہیں ہوتا۔" (۱۳۵)

۵۔ مالک اشتر کے نام امیر المومنینؑ کے خط میں ہے: "تمہارے لئے سب سے بدتر وزیر وہ ہو گا جو تم سے پہلے بدکرداروں کا وزیر اور ان کے جرائم میں ان کا شریک رہ چکا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو تمہارے خاص آدمیوں میں نہ ہونا چاہئے، کہ وہ گناہگاروں کے معاون اور ظالموں کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ان کی بجائے تمہیں ایسے افراد مل سکتے ہیں جو رائے و تدبیر اور کارکردگی میں تو ان کی مثل ہوں گے مگر ان کی طرح گناہوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے نہ ہوں گے، یعنی انہوں نے کسی ظالم کے ظلم میں اس کی مدد نہ کی ہو اور نہ کسی گناہگار کے گناہ میں اس کا ہاتھ بٹایا ہو۔۔۔ ان کا بوجھ تمہارے لئے ہلکا ہو گا اور یہ تمہارے لئے بہترین معاون ہوں گے......

تمہارے نزدیک نیکو کار اور بدکردار برابر نہ ہوں۔ اس لئے کہ ایسا کرنے سے نیکوں کو نیکی سے بے رغبت کرنا اور بروں کو برائی پر آمادہ کرنا ہے۔۔۔ ہر شخص کو اس کی منزلت میں رکھو...... فوج کا سردار اس کو بنانا جو اپنے خدا، رسولؐ اور تمہارے امام کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہو، سب سے زیادہ پاک دامن ہو اور بردباری میں نمایاں ہو کہ جلد غصے میں نہ آجاتا ہو، عذر و

معذرت پر مطمئن ہو جاتا ہو، کمزوروں پر رحم کھاتا ہو اور طاقتوروں کے سامنے ڈٹ جاتا ہو، نہ بد خوئی اسے جوش میں لاتی ہو اور نہ کم ہمتی اسے بٹھا دیتی ہو۔ پھر یہ ہونا چاہئے کہ تم اعلیٰ خاندان، نیک گھرانے اور عمدہ روایات رکھنے والوں اور ہمت و شجاعت اور بخشش و سخاوت کے مالکوں سے اپنا ربط و ضبط بڑھاؤ کیونکہ یہی لوگ بزرگیوں کا سرمایہ اور نیکیوں کا سرچشمہ ہوتے ہیں ......

اپنے اہلکاروں کے بارے میں گہری نظر رکھنا، خوب آزمائش کے بعد ان کو منصب دینا، صرف رعایت اور جانبداری کی وجہ سے انہیں عہدہ نہ دینا، اس لئے کہ یہ باتیں ناانصافی اور بے ایمانی کا منبع ہیں۔ ایسے لوگوں کو منتخب کرنا جو آزمودہ اور غیرت مند ہوں، ایسے خاندانوں سے جو اچھے ہوں اور اسلام کے لئے پہلے سے ان کی خدمات ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ بلند اخلاق اور بے داغ عزت والے ہوتے ہیں، حرص و طمع کی طرف کم مائل ہوتے ہیں اور نتائج و عواقب کی طرف زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ ان کی تنخواہوں کا معیار بلند رکھنا کہ اس سے انہیں اپنے نفوس کو بلند رکھنے میں مدد ملے گی اور اس مال سے بے نیاز رہیں گے جو بطور امانت ان کے ہاتھوں میں ہو گا، اگر اس کے بعد بھی وہ تمہارے حکم کی خلاف ورزی کریں یا امانت میں خیانت کریں تو تمہاری حجت ان پر قائم ہو گی۔

نیز یہ کہ اپنے دفاتر کے افسروں اور اہلکاروں کی اہمیت کو سمجھنا اور اپنے معاملات ان کے سپرد کرنا جو ان میں سے بہتر ہوں، ایسے فرامین جن میں مخفی تدابیر اور (مملکت کے) قیمتی راز درج ہوتے ہیں وہ خاص طور پر ان افراد کے حوالے کرنا جو اچھے اخلاق رکھتے ہیں اور جنہیں اعزاز کا حاصل ہونا سرکش نہ بنائے کہ وہ بھری محفل میں تمہارے خلاف کچھ کہنے کی جرات نہ کرنے لگیں اور ایسے بے پرواہ نہ ہوں کہ آمد و خرچ کے بارے میں عمال کے جو خطوط تمہارے متعلق ہوں وہ تمہارے سامنے پیش کرنے اور ان کے مناسب جواب لے کر روانہ کرنے میں کوتاہی کرتے ہوں......

یہ بھی ضروری ہے کہ تمہیں ان کا انتخاب اپنی فراست، خود اعتمادی اور حسن ظن کی بناء پر نہ کرنا چاہئے، کیونکہ بہت لوگ مصنوعی حسن خدمت کے ذریعے حکمرانوں کے ساتھ تعلق و تعارف کی راہیں نکال لیتے ہیں۔ حالانکہ ان میں ذرہ بھر خیر خواہی اور امانتداری کا جذبہ نہیں ہوتا لیکن تم انہیں ان کی خدمات سے پرکھو جو تم سے پہلے نیک حاکموں کے ماتحت رہ کر انجام دے چکے ہوں۔ ان میں سے جو عوام میں مشہور ہوں ان کی طرف خصوصی توجہ کرو، ایسا کرنے سے معلوم ہو گا کہ تم خدا کے لئے خالص اور اپنے امام کے بہی خواہ ہو...... (۱۳۶)

۶۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "حکم خدا کا نفاذ وہی کر سکتا ہے جو (حق کے معاملے میں) نرمی نہ دکھائے، عجز و انکساری کا اظہار نہ کرے اور حرص و طمع کے پیچھے نہ لگ جائے۔" (۱۳۷)

۷۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "ریاست کے حصول اور سربر آوردہ ہونے کا ذریعہ سینے کی وسعت ہے۔" (۱۳۸)

امیرالمومنینؑ کے بہت سے ارشادات ہیں جن سے وزراء، حکام اور عمال کے اوصاف معلوم ہوتے ہیں، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:

۸۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "حکومت کا نظام عدل و انصاف پر منحصر ہے۔" (۱۳۹)

۹۔ یہ بھی فرمایا: "انصاف حاکم (اور حکومت) کی زینت ہے۔" (۱۴۰)

۱۰۔ ارشاد ہوا: "وزراء کی آفت و بلا ان کے باطن کی خباثت ہے۔" (۱۴۱)

۱۱۔ فرمایا: "زعماء و قائدین کی آفت و مصیبت ان کی تدبیر و سیاست کی کمزوری ہے۔" (۱۴۲)

۱۲۔ فرمایا: "آبادی کے لئے آفت و مصیبت بادشاہ کا ظلم و جور ہے۔" (۱۴۳)

۱۳۔ فرمایا: "جب رذیل و کمینے سردار بن جائیں تو اشراف و افاضل کے لئے ہلاکت ہے۔" (۱۴۴)

۱۴۔ فرمایا: "جب کمینے افراد والی بن جائیں تو شرفاء کے لئے ہلاکت ہے۔" (۱۴۵)

۱۵۔ فرمایا: "کمینے یا نو عمر افراد کو حاکم بنانا حکومت کے ادبار و نحوست کی دلیل ہے۔" (۱۴۶)

۱۶۔ فرمایا: "عمدہ تدبیر و سیاست رعیت کے قوام و سلامتی اور مضبوطی کا موجب ہے۔" (۱۴۷)

۱۷۔ فرمایا: "اسراف و فضول خرچی سے اجتناب حسن تدبیر اور بہتر سیاست میں داخل ہے۔" (۱۴۸)

۱۸۔ فرمایا: "حسن عدل سے مخلوق کا نظام قائم ہے۔" (۱۴۹)

۱۹۔ فرمایا: "عدل و انصاف بہترین سیاست ہے۔" (۱۵۰)

۲۰۔ فرمایا: "عادل کی حکومت واجبات میں سے ہے۔" (۱۵۱)

۲۱۔ فرمایا: "بادشاہ کا کمزور ہونا رعیت کے لئے اس کے ظالم ہونے سے زیادہ شدید ہے۔" (۱۵۲)

۲۲۔ فرمایا: "کمینوں کی حکومت شریفوں کی ذلت ہے۔" (۱۵۳)

۲۳۔ فرمایا: "بدکاروں کی حکومت نیکوکاروں کی ذلت و خواری ہے۔" (۱۵۴)

۲۴۔ فرمایا: "کمینوں کی حکومت زمانے کے مصائب میں سے ہے۔" (۱۵۵)

۲۵۔ فرمایا: "کمینوں کی حکومت فساد و جور پر مبنی ہوتی ہے۔" (۱۵۶)

۲۶۔ فرمایا: "حکومتوں کا زوال پست لوگوں کے افعال سے ہوتا ہے۔" (۱۵۷)

۲۷۔ فرمایا: "بدترین شخص وہ ہے جو لوگوں پر ظلم کرے۔" (۱۵۸)

۲۸۔ فرمایا: "بدترین بادشاہ وہ ہے جو لوگوں پر ظلم کرے۔" (۱۵۹)

۲۹۔ فرمایا: "بدترین حاکم وہ ہے جس سے لوگ خائف ہوں۔" (۱۶۰)

۳۰۔ فرمایا: "بدترین وزیر وہ ہے جو بدکاروں کا وزیر ہو۔" (۱۶۱)

۳۱۔ فرمایا: "بدترین حاکم وہ ہے جس پر ہوا و ہوس کا غلبہ ہو۔" (۱۶۲)

۳۲۔ فرمایا: "بدترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعیت پر ظلم کرے۔" (۱۶۳)

۳۳۔ فرمایا: "پست لوگوں کی سرداری سردار کے نہ ہونے سے بہتر ہے۔" (۱۶۴)

۳۴۔ فرمایا: "جو شخص اپنے آپ پر ظلم کرے وہ دوسرے کے ساتھ کیونکر عدل کر سکتا ہے۔" (۱۶۵)

۳۵۔ فرمایا: "جس کی تدبیر و سیاست عمدہ ہو اس کی اطاعت واجب ہے۔" (۱۶۶)

۳۶۔ فرمایا: "جو امور کو ٹھیک طرح انجام دے وہ ولایت کا مستحق ہے۔" (۱۶۷)

۳۷۔ فرمایا: "جو اپنی اصلاح نہ کرے وہ دوسروں کی اصلاح نہیں کر سکتا۔" (۱۶۸)

۳۸۔ فرمایا: "وہ برے وزیر ہیں جو ظالموں کے مددگار اور گناہگاروں کے معاون ہیں۔" (۱۶۹)

۳۹۔ فرمایا: "ظالم و جابر حاکم بدترین امت اور ضدائمہ ہیں۔" (۱۷۰)

۴۰۔ فرمایا: "جہاں ظلم کرنے والا بادشاہ ہو وہاں آبادانی نہیں ہوتی۔" (۱۷۱)

۴۱۔ فرمایا: "تمہارے نزدیک لوگوں میں سب سے محبوب اور پسندیدہ وہ ہو جو ان کو نفع پہنچانے میں کوشاں رہے"۔ (۱۷۲)

۴۲۔ فرمایا: "تمہارے قریبی لوگوں میں زیادہ پسندیدہ وہ ہو جو کمزوروں کا خیال رکھے اور حق پر زیادہ عمل کرے"۔ (۱۷۳)

۴۳۔ فرمایا: "لوگوں میں تمہارے نزدیک زیادہ پسندیدہ وہ ہو جو نرمی سے کام لے"۔ (۱۷۴)

۴۴۔ فرمایا: "لوگوں میں تمہارے نزدیک زیادہ ناپسند وہ ہو جو ان کے عیب تلاش کرتا ہو۔ (۱۷۵)

۴۵۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "اپنی طرف سے عامل و حاکم بنانے میں ان کی قابلیت اور دیانت کے علاوہ کسی کی سفارش قبول نہ کرو" (۱۷۶)

۴۶۔ فرمایا: "جسے دین اللہ کا مامون بنایا جائے تو اقرار و عمل کے علاوہ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ اپنے فرض پر ثابت قدم، اپنے قول میں صادق، فیصلہ دینے میں عادل اور رعیت پر مہربان ہو ـــــ اس کا اقتدار اسے درشتی اور اس کی نرمی اسے کمزوری کی طرف نہ لے جائے، اس کا غلبہ و قوت اسے عفو و کرم سے باز نہ رکھے اور اس کا عفو و کرم اسے نفاذ حق میں سستی پر مائل نہ کرے، عطاء و بخشش اسے اسراف کی طرف نہ لے جائے، میانہ روی اسے بخل کی طرف نہ لے جائے اور خدائی نعمتیں اسے تکبر میں مبتلا نہ کردیں۔ (۱۷۷)

۴۷۔ امیرالمومنینؑ نے اہواز میں اپنے قاضی رفاعہ کے نام مکتوب میں لکھا، "اے رفاعہ! یاد رکھو کہ یہ امارت ایک امانت ہے، پس جو اس میں خیانت کرے تو قیامت تک اس پر خدا کی لعنت ہے اور جو شخص کسی خائن کو عامل بنائے تو نبی اکرمؐ اس سے دنیا و آخرت میں بری ہیں"۔ (۱۷۸)

۴۸۔ بحار میں غوالی سے نبی اکرمؐ کا فرمان منقول ہے: "اپنے وزیر کی اصلاح کرو کہ وہ تمہیں جنت یا جہنم کی طرف کھینچ لے جاتا ہے"۔ (۱۷۹)

۴۹۔ اہواز کے والی نجاشی کے نام امام جعفر صادقؑ کے پیغام میں ہے: "پس وہ شخص جس سے تو انس کرے، اس سے راحت محسوس کرے اور اپنے امور میں جس کی پناہ لے وہ ایسا شخص ہو جو آزمودہ اور بابصیرت، امین اور دین میں تیرے موافق ہو۔ تم اپنی رعیت میں تمیز و پہچان کرو، دونوں فریقوں کو پرکھو اور جہاں رشد و ہدایت نظر آئے اس سے معاملہ کرو"۔ (۱۸۰)

۵۰۔ الخصال سے امام جعفر صادقؑ کی یہ روایت منقول ہے: "تکبر کرنے والا اپنی تعریف و توصیف کی توقع نہ کرے، چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر سزا دینے والا سرداری کی تمنا نہ کرے اور کم تجربے والا حکومت و ریاست کی امید نہ رکھے"۔ (۱۸۱)

۵۱۔ امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے: "تین باتوں میں کوتاہی کرنا بادشاہوں کے لئے مناسب نہیں اور وہ ہیں: سرحدوں کی حفاظت، مظالم کی تحقیق اور اپنے امور کے لئے صالح افراد کا انتخاب"۔ (۱۸۲)

۵۲۔ امالیٔ طوسی میں ابو ذر سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "اے ابو ذر! میں تمہارے لئے وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور وہ یہ کہ دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور یتیم کے مال کا نگران نہ ہونا"۔ (۱۸۳)

۵۳۔ ابو ذر سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "اے ابو ذر! میں تجھے ضعیف دیکھتا ہوں اور میں تیرے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہوں یعنی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور یتیم کے مال کا نگران نہ ہونا"۔ (۱۸۴)

۵۴۔ ابو ذر ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے نبی اکرمؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ مجھے عامل و حاکم نہیں بناتے؟ آپ نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابو ذر! میں تجھے ضعیف و کمزور دیکھتا ہوں، یہ امر امانت ہے اور قیامت کے دن اس میں رسوائی اور ندامت ہے ــــ مگر اس کے لئے جو اسے استحقاق کے ساتھ لے اور اس فرض کو ادا کرے جو اس میں لازم ہے"۔ (۱۸۵)

۵۵۔ ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: "میں نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے دو عم زاد بھی ساتھ تھے، ان میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہؐ! جن علاقوں پر خدا نے آپ کو حکومت و ولایت بخشی ہے ان میں سے کسی پر ہمیں بھی امیر مقرر کریں، پھر دوسرے نے بھی اسی طرح گزارش کی تو آپ نے فرمایا: بخدا کہ ہم اس امر میں کسی کو والی نہیں بناتے جو اس کا مطالبہ کرے اور نہ کسی ایسے کو جو اس پر حریص ہو"۔ (۱۸۶)

۵۶۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جو شخص مسلمانوں میں سے کسی کو امیر یا عامل مقرر کرے جب کہ وہ جانتا ہو کہ ان میں اس سے زیادہ حقدار موجود ہے جو کتاب و سنت کا جاننے والا ہے تو اس نے خدا و رسولؐ اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی ہے" (۱۸۷)

۵۷۔ حذیفہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: جو شخص کسی کو دس آدمیوں پر حاکم مقرر کرے جبکہ جانتا ہو کہ ان میں کوئی اس عامل بنائے جانے والے سے افضل ہے تو اس نے خدا و رسولؐ اور مسلمانوں سے خیانت کی (۱۸۸)

۵۸۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ اس نے کہا: "جو شخص کسی گروہ میں سے کسی کو عامل بنائے جبکہ ان میں ایسا آدمی ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہو تو اس نے خدا و رسولؐ اور مومنین کو دھوکہ دیا ہے"۔ (۱۸۹)

۵۹۔ واثلہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: "والی و حاکم پر پانچ چیزیں لازم ہیں یعنی (۱) مال فئ کو ٹھیک جگہ سے وصول کرے (۲) مال فئ کو صحیح مقام پر صرف کرے (۳) لوگوں کے امور میں اس سے مدد لے جو انہیں بہتر طور پر سمجھتا ہو (۴) لوگوں کو کسی بات پر جبراً جمع نہ کرے کہ اس طرح وہ ان کی ہلاکت کا موجب بنے گا (۵) عام لوگوں کے کسی کام کو کل پر نہ ڈالے"۔ (۱۹۰)

۶۰۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: "آخری زمانے میں امیر و حاکم ظالم ہوں گے، وزراء فاسق، قاضی خائن اور فقہاء کاذب ہوں گے، پس جو ان کو پائے تو نہ ان کا نقیب و عریف بنے، نہ ان کے لئے خراج جمع کرے، نہ ان کا خزانہ دار بنے، اور نہ ان کے لشکر میں سپاہی بنے"۔ (۱۹۱)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات و روایات ہیں جو اس بات کے لزوم پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کام کے ذمہ دار لوگوں کے

لئے ضروری ہے کہ وہ حاکم، وزراء اور عمال کے انتخاب میں ان شرائط کی رعایت کریں۔ لیکن اس کے باوجود اسلامی ملکوں میں اکثر لوگ اس چیز سے غافل ہیں اور اس طرز عمل سے ان کو جو خسارے اور نقصانات ہوتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔

چنانچہ ایک فلسفی سے کہا گیا: "کیا وجہ ہے کہ آل ساسان کی حکومت منتشر ہو گئی؟ اس نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پست افراد کو بڑے امور سونپ دیئے اور وہ ان سے عہدہ بر آنہ ہو سکے ___ اسی طرح انہوں نے چھوٹے امور پر بڑے لوگوں کو مقرر کیا جنہوں نے ان پر توجہ ہی نہ دی، پس ان کا اتفاق جاتا رہا اور اختلاف پیدا ہو گیا جس سے ان کا نظام حکومت بد انتظامی میں بدل گیا"۔ (۱۹۲)

آخر کلام میں ہم دو ایسے امور کا ذکر کرتے ہیں جو اس بحث سے مناسبت رکھتے ہیں:

۱۔ ایک روایت میں آیا ہے: "ابو موسیٰ اشعری نے ایک نصرانی کو اپنا کاتب مقرر کر لیا تو خلیفہ عمر نے اسے لکھا کہ اس کو معزول کر دو اور اس کی جگہ کسی مسلمان کو رکھو۔ ابو موسیٰ نے انہیں لکھا کہ وہ نصرانی صاحب علم، نیک کردار اور سیر چشم آدمی ہے، اس پر خلیفہ نے پھر سے لکھا ___ ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں کو امین بنائیں جبکہ خدا نے انہیں خائن قرار دیا ہے، انہیں معزز سمجھیں جبکہ خدا نے ان کو پست کیا ہے، ہم انہیں مخلص تصور کریں جبکہ خدا نے ان کو مبغوض گردانا ہے اور ہم ان کا احترام کریں جبکہ حکم ہے کہ وہ انتہائی عجز کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔ اس کے بعد جب موسیٰ کا یہ جواب آیا کہ اس شخص کے بغیر شہر کا نظام درست نہیں ہو سکتا تو خلیفہ عمر نے لکھا: وہ نصرانی مر جائے۔ والسلام

میں کہتا ہوں ___ خلیفہ عمر کے پیرو کار اسلامی ملکوں اور شہروں میں ان کے اس طرز عمل سے سبق حاصل کریں اور وہ مسلمانوں کے ممالک، ان کی سیاست، ثقافت اور ذرائع پیدا وار پر یہود و نصاریٰ کا تسلط کم کرنے میں کوشاں ہوں اس طرح وہ اللہ تعالیٰ، اس کے اولیاء اور اپنی ملت کا لحاظ کریں اور اسلامی احکام کی طرف متوجہ ہوں۔ تاہم اللہ تعالیٰ ان کا یہ عذر ہرگز قبول نہیں کرے گا کہ ایسا کرنے میں ان کو کسی مصیبت میں مبتلا ہو جانے کا خوف تھا (۱۹۳) غور کریں۔

۲۔ ماوردی نے کہا:۔ "بیان کیا گیا ہے کہ مامون عباسی نے وزیر کا انتخاب کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ میں اپنے امور کے لئے ایسے وزیر کا متلاشی ہوں جس میں اچھے خصائل ہوں ___ یعنی وہ اخلاق کے لحاظ سے اعلیٰ پائے کا ہو، مذاہب و مکاتب سے متعلق معقول معلومات رکھتا ہو، آداب و اوصاف نے اسے مہذب بنایا ہو اور تجربات نے اسے پختگی سے متصف کیا ہو۔ اگر اسے مملکت کے اسرار کا امین بنایا جائے تو ان پر محکم رہے، اگر اہم امور اس کے سپرد کیے جائیں تو ان سے عہدہ بر آ ہو، وہ حلم و بردباری سے خاموش رہے اور علم کے تحت گفتگو کرے، اس کی طرف نظر اور اشارہ کرنا ہی اس کے سمجھ جانے کے لئے کافی ہو۔ وہ امراء کی طرح حملہ کرنے والا، حکماء کی طرح تامل کرنے والا اور علماء کی طرح جھکنے والا ہو۔ اگر وہ مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرے، کل کی محرومی کے ڈر سے آج کا حصہ نہ چھوڑے اور اپنے حسن بیان اور ملائمت سے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرے۔" (۱۹۴)

میں کہتا ہوں ___ فرض کریں کہ ایک حاکم کے وزراء ان صفات کے مالک ہوں جو مامون عباسی نے ذکر کی ہیں تو ایسے حاکم کا کیا کہنا ___ اور خوش نصیب ہے وہ رعیت جو ایسے حاکم کے زیر فرمان ہو۔

۴۔ ادارۂ تنفیذی (انتظامیہ) کے شعبوں کی طرف اشارہ

مخفی نہ رہے کہ انتظامیہ سے مراد وہ شعبے اور محکمے ہیں جو سربراہ مملکت پر عائد ہونے والی تمام ذمہ داریوں کو براہ راست ادا کرتے ہیں، سوائے امر قضاوت کے جو اپنی اہمیت کی بناء پر جیسا کہ آگے آئے گا، ایک الگ ادارے کے سپرد ہوتا ہے اور حاکم کے فرائض پہلے ہی بیان ہو چکے ہیں۔

اس لحاظ سے وزارت دفاع اور افواج کی تعلیم و تربیت، اسلحہ سازی، سرحدوں کی حفاظت، شہروں اور شاہراہوں میں امن وامان قائم رکھنے، دینی تعلیم کے مراکز یونیورسٹیاں کالج اور مدارس، امر بمعروف و نہی از منکر کے ادارے، امور حسبہ کے ادارے، وزارت خارجہ اور دوسری اقوام سے تعلقات، وزارت مال یعنی مال فئ، خراج و صدقات کی فراہمی و مصرف کا شعبہ اور اسی قسم کے دیگر کام سب کے سب انتظامیہ کے تحت ہوتے ہیں۔ تاہم اس کتاب میں ہم ان میں سے بعض کے بارے میں بحث کریں گے جو بعد میں مستقل فصلوں میں بیان ہوں گے کیونکہ اس فصل میں ان سب کا تذکرہ اس کی طوالت اور قارئین کی زحمت کا باعث ہوگا۔

۵۔ بعض افراد جنہیں نبی اکرمؐ نے مختلف مقامات کا والی بنایا۔

زرقانی نے شرح مواہب میں یوں لکھا ہے: آنحضرتؐ کے مقرر کردہ امراء: وہ والی جن کو نبی اکرمؐ نے مختلف شہروں میں قضاوت اور صدقات پر مقرر کیا اور جن امراء کو مختلف اطراف میں بھیجا وہ بہت سے ہیں جن میں سے ایک عتاب بن اسید امیر مکہ بھی ہے۔

۱۔ ابن جماعہ کا کہنا ہے کہ نبی اکرمؐ نے ۸ھ میں عتاب بن اسید کو ایام حج میں نظم و نسق برقرار رکھنے اور لوگوں کو حج کرانے کے لئے مکہ میں امیر مقرر کیا۔

میں کہتا ہوں ــــ الھدیٰ میں ابن قیم کے بیان کے مطابق اس وقت عتاب بن اسید کی عمر بیس برس تھی۔

۲۔ صبح الاعشیٰ میں ہے کہ جب کسرائے ایران کے نائب باذان نے اسلام قبول کر لیا تو نبی اکرمؐ نے اس کو یمن کے صوبوں پر والی مقرر کر دیا۔ اس کا صدر مقام صنعاء تھا جو خاندان تبع کی مملکت ہے اور وہ وہاں قائم رہا یہاں تک کہ حجتہ الوداع کے بعد فوت ہوا۔

۳۔ باذان کی وفات کے بعد نبی اکرمؐ نے اس کے بیٹے شہر بن باذان کو صنعاء کا والی بنایا اور اس کے اطراف میں ہر مقام پر اپنے ایک ایک صحابی کو مقرر فرمایا

۴۔ عبداللہ بن جحش کے بارے میں بغوی سے منقول ہے کہ یہ عبداللہ اسلام میں پہلا امیر ہے

۵۔ عامر بن شہر ہمدانی کے حالات میں ہے کہ وہ یمن میں نبی اکرمؐ کے عمال میں سے ایک تھا۔

۶۔ عبداللہ بن عمرو ثعلبی کے حالات میں شعبی سے منقول ہے کہ نبی اکرمؐ نے عبداللہ کو بنی ثعلبہ، بنی عبس اور بنی عبداللہ بن غطفان پر عامل بنایا۔

۷۔ ابو موسیٰ اشعری کے حالات میں ہے کہ نبی اکرم ؐ نے اسے یمن کے بعض حصوں مثل زبید، عدن اور اس کے نواح کا والی بنایا۔

۸۔ حارث بن بلال مازنی (مزنی) کے حالات میں ہے کہ وہ جدیلہ بنی طے کے نصف حصے پر نبی اکرم ؐ کا عامل تھا۔

۹۔ حرث بن نوفل ہاشمی کے حالات میں ہے کہ نبی اکرم ؐ نے اسے مکہ کے بعض مضافات پر والی مقرر کیا، ابن سعد سے منقول ہے کہ وہ آنحضرت ؐ کی صحبت میں رہا اور پھر آپ نے اسے مکہ کے کچھ علاقے پر والی بنایا، بعد میں خلیفہ ابو بکر، عمر اور عثمان نے بھی اس کو برقرار رکھا۔

۱۰۔ حصین بن نیار کے حالات میں کہا گیا ہے کہ وہ نبی اکرم ؐ کے عمال میں سے ایک تھا۔

۱۱۔ حارث بن عبدالمطلب کے حالات میں ہے کہ وہ نبی اکرم ؐ کی صحبت میں رہا اور آپ نے اسے مکہ کے مضافات پر عامل مقرر کیا، بعدہ خلیفہ ابو بکر، عمر اور عثمان نے بھی اسے والی بنایا ـــــ پھر لکھا ہے کہ یہ دراصل ان کے پوتے حرث بن نوفل کا ذکر ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

۱۲۔ رافع بن عمرو طائی کے حالات میں حاکم سے مروی ہے کہ نبی اکرم ؐ نے جنگ سلاسل میں عمرو طائی کو لشکر کی کمان دی جبکہ ابو بکر و عمر بھی اس میں شامل تھے۔

۱۳۔ زیاد باہلی جو ہرماس کا باپ ہے، اس کے حالات میں دارقطنی نے ہرماس سے روایت کی ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ نبی اکرم ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے اپنے قبیلے پر والی مقرر فرما دیا۔

۱۴۔ الاصابہ میں سائب بن عثمان کے حالات میں ابن اسحاق سے منقول ہے کہ غزوہ بواط میں نبی اکرم ؐ نے اسے مدینہ کا عامل بنایا۔

۱۵۔ سعد دوسی کا بیان ہے کہ میں نبی اکرم ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ پس آپ نے مجھے میرے اپنے ہی قبیلے پر عامل بنایا اور قبول اسلام کے وقت وہ لوگ جن اموال کے مالک تھے وہ انہی کے لئے رہنے دیئے۔

۱۶۔ سعید بن خفاف تمیمی کے حالات میں بیان ہوا ہے کہ وہ نبی اکرم ؐ کی طرف سے قبیلہ بنی تمیم کی کئی ایک شاخوں پر عامل تھا اور خلیفہ ابو بکر نے بھی اسے بحال رکھا۔

۱۷۔ سعد بن عبداللہ بن ربیعہ کے حالات میں آیا ہے کہ نبی اکرم ؐ نے اس کو طائف کا عامل بنایا۔

۱۸۔ سلمہ بن یزید جعفی کے حالات میں ذکر ہے کہ نبی اکرم ؐ نے اسے مروان پر عامل مقرر کیا اور اسے ایک خط بھی لکھا۔

۱۹۔ صیفی بن عامر جو بنی ثعلبہ میں سے ہے، اس کے حالات میں آیا ہے کہ نبی اکرم ؐ نے اسے اس کے قبیلے پر امیر مقرر کیا۔

۲۰۔ ضحاک بن قیس کے حالات میں ہے کہ وہ بھی نبی اکرم ؐ کی طرف سے عامل تھا۔

۲۱۔ امرء القیس بن اصبغ کلبی کے حالات میں ہے کہ وہ اپنے قبیلے کا سردار تھا، جب نبی اکرم ؐ نے اسے قضاعہ کی طرف بھیجا تو

اس کو قبیلہ کلب پر عامل بنایا۔

۲۲۔ حارث بن بلال مزنی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کی طرف سے عامل تھا۔

۲۳۔ عبدالرحمٰن بن ابزی خزاعی کے حالات میں ابن سکن سے منقول ہے کہ نبی اکرمؐ نے اسے خراسان کا عامل مقرر کیا۔

۲۴۔ عثمان بن ابو العاص کے حالات میں کہا ہے کہ نبی اکرمؐ نے اسے طائف کا عامل بنایا اور خلیفہ ابو بکر اور عمر نے بھی اس کو برقرار رکھا۔

۲۵۔ عکاشہ بن ثور کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ سکاسک و سکون پر نبی اکرمؐ کا عامل تھا۔

۲۶۔ علاء بن حضرمی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے اسے بحرین میں عامل مقرر کیا۔

۲۷۔ عمرو بن حزم انصاری کے بارے میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے اسے نجران کا عامل بنایا، اس نے ایک تحریر کی روایت بھی کی ہے جو حضورؐ نے اس کے لئے فرائض ودیات وغیرہ کے ضمن لکھوائی تھی۔ کتاب اسد الغابہ میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اس کو اہل نجران پر عامل مقرر فرمایا تو اس کی عمر سترہ سال تھی، یہ اس کے بعد کی بات ہے جبکہ آپ نے خالد بن ولید کو ان کی طرف بھیجا اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

۲۸۔ عمرو بن حکم قضاعی کے متعلق کہا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے اسے بنی قیس پر عامل بنا کر بھیجا۔

۲۹۔ عمرو بن سعید بن عاص کے بارے میں بتایا گیا ہے، کہ نبی کریمؐ نے اسے وادی القریٰ وغیرہ کا عامل بنایا اور حضورؐ کی وفات کے وقت وہ اسی عہدے پر تھا۔

۳۰۔ عمرو بن محجوب عامری کے حالات میں ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے مقرر کیے ہوئے عاملوں میں تھا۔

۳۱۔ عوف ورکانی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ بھی نبی اکرمؐ کے عمال میں سے تھا۔

۳۲۔ عبداللہ بن زید کندی کے بارے میں ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔

۳۳۔ عبداللہ بن سوار کے حالات میں ہے کہ وہ بحرین میں آنحضرتؐ کے عاملوں میں سے تھا۔

۳۴۔ فروہ بن مسیک کے بارے میں ہے کہ نبی کریمؐ نے اسے قبائل مراد، مذحج اور زبید پر عامل بنایا تھا۔

۳۵۔ مردۃ بن نفاثہ سلولی کے حالات میں ہے کہ بنی سلول کے ایک گروہ کے ساتھ نبی اکرمؐ کی خدمت میں آیا، پس وہ سب مسلمان ہو گئے اور آپ نے مردۃ کو ان پر امیر مقرر کیا۔

۳۶۔ سیوطی نے درالسحابہ میں ابو جدیع مرادی کے حالات میں کہا ہے کہ وہ اہل مصر میں سے نبی کریمؐ کا عامل تھا۔

۳۷۔ قضاعہ بن عامر دوسی کے بارے میں ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کی طرف سے بنی اسد پر عامل تھا۔

۳۸۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قضاعہ بن عامر دوسی کے بعد نبی کریمؐ نے سنان بن ابو سنان کو بنی اسد پر امیر مقرر فرمایا۔

۳۹۔ قیس بن مالک ارحبی کے حالات میں ہے کہ جب وہ مسلمان ہوا اور اس کا قبیلہ بھی اسلام میں داخل ہو گیا تو نبی کریمؐ نے قبیلہ ہمدان کے عربوں، موالیوں اور متفرق افراد کے لئے ایک عہدنامہ لکھوایا کہ وہ قیس بن مالک کی بات سنیں اور اس کی

اطاعت کریں نیز یہ کہ اگر وہ نماز قائم رکھیں تو خدا کی پناہ میں ہوں گے۔

۴۰۔ مالک بن عوف نصری کے بارے میں ہے کہ اس کے قبیلے اور دیگر قریبی قبائل کے جو لوگ اسلام لائے، نبی اکرمؐ نے اسے ان پر عامل بنایا اور وہ ان کی ہمراہی میں بنی ثقیف سے جنگ کرتا تھا۔

۴۱۔ منذر بن ساوی دارمی کے حالات میں ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کی طرف سے شہر ہجر کا عامل تھا۔

۴۲۔ ابوہیصم مزنی کے متعلق کہا ہے کہ نبی کریمؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور کہا کہ خدایا! میں اسے وادی میں عامل مقرر کر رہا ہوں۔

۴۳۔ سواد بن عزیہ بلوی انصاری کے بارے میں ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کی طرف سے خیبر کا عامل تھا۔

۴۴۔ عمر بن ابو ربیعہ شاعر کے حالات میں ہے کہ نبی کریمؐ نے اس کے بھائی عبد اللہ بن ابو ربیعہ مخزومی کو یمن کے شہر جند کا والی مقرر کیا۔

سیرت الشامیہ میں بھی بعض لوگوں کے حالات میں ان کے امیر مقرر کیے جانے کا ذکر ہے:

۴۵۔ خالد بن ولید کو صنعاء اور اس کے مضافات کا امیر مقرر کیا گیا۔

۴۶۔ مغافر بن ابو امیہ کو بنی کندہ پر امیر بنایا گیا۔

۴۷۔ زیاد بن لبیب کو حضرموت کا امیر بنایا گیا۔

۴۸۔ ابو موسیٰ اشعری کو زبید، عدن اور ریع الساحل کا امیر مقرر کیا گیا۔

۴۹۔ معاذ بن جبل کو یمن کے شہر جند کا امیر بنایا گیا۔

۵۰۔ ابو سفیان کو نجران کا امیر مقرر کیا گیا۔

۵۱۔ ابو زید بن ابو سفیان کو نجران کے بقایا علاقے کا امیر بنایا گیا۔ (۱۹۵)

۶۔ بعض افراد جن کو نبی کریمؐ نے عامل صدقات بنایا

سیرت ابن ہشام میں ہے: ابو اسحاق کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ نے ان علاقوں میں عمال صدقات بھیجے کہ جن پر اسلام کی عملداری تھی۔

۱۔ مہاجر بن ابو امیہ بن مغیرہ کو صنعاء بھیجا اور جب اسود عنسی نے خروج کیا تو یہ مہاجر وہیں تھا۔

۲۔ زیاد بن لبید انصاری جو بنی بیاضہ سے تھا، نبی اکرمؐ نے اس کو حضرموت میں عامل صدقات بنا کر بھیجا۔

۳۔ عدی بن حاتم کو بنی طے اور بنی اسد پر عامل صدقات بنایا گیا۔

۴۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ مالک بن نویرہ یربوعی کو بنی حنظلہ پر عامل صدقات بنایا گیا۔

بنی سعد کے صدقات پر دو عامل مقرر ہوئے۔

۵۔ ایک طرف زبرقان بن بدر کو معین کیا گیا۔

۶۔ دوسری طرف قیس بن سالم کو مقرر کیا گیا۔

۷۔ علاء بن حضرمی کو بحرین کے صدقات کا عامل بنایا گیا۔

۸۔ امام علی بن ابو طالبؑ کو یمن بھیجا گیا تاکہ ان کے صدقات و زکات نیز جزیہ وصول کر کے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ (۱۹۶)

۹۔ میں کہتا ہوں ـــــ استبصار سے منقول ہے کہ نبی اکرمؐ نے عمرو بن حزم بن زید انصاری کو نجران کا عامل بنایا تاکہ وہ انہیں قرآن کی تعلیم دے، مسائل دینی سکھائے اور ان سے زکات و صدقات وصول کرے۔ اس وقت عمرو بن حزم کی عمر سترہ سال تھی اور یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ (۱۹۷)

۱۰۔ استیعاب سے منقول ہے کہ نبی اکرمؐ نے معاذ بن جبل کو یمن کے شہر جند کا قاضی بنا کر بھیجا کہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں، اسلامی اصول سکھائیں اور ان کے مقدمات کے فیصلے کریں۔ نیز انہیں یہ ذمہ داری بھی سونپی کہ وہ یمن میں دوسرے عاملوں سے مال صدقات وصول کریں۔ یہ فتح مکہ کے سال کا واقعہ ہے۔ (۱۹۸)

۷۔ پیغمبر گرامیؐ کے غزوات و سرایا کی تعداد

واقدی نے نبی اکرمؐ کے غزوات و سرایا کے نام، مقامات، تواریخ ذکر کیں اور ان کی تعداد بتانے کے بعد کہا ہے:

پس جن غزوات میں نبی اکرمؐ نے شرکت فرمائی وہ ستائیس ہیں کہ ان میں سے نو میں یعنی بدر، احد، مریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف میں جنگ ہوئی ہے جبکہ سرایا سینتالیس ہیں (۱۹۹)۔

نیز ابن سعد نے بھی طبقات میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ (۲۰۰)

کتانی نے کہا ہے: "فصل: خود نبی کریمؐ کے جنگ کے لئے نکلنے نیز یہ کہ آپ نے کتنے غزوات میں شرکت فرمائی، استیعاب میں ہے کہ اس سلسلے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کے مطابق غزوات کی زیادہ سے زیادہ تعداد ستائیس ہے۔ ان میں جو سب سے باشرف اور خدا و رسولؐ و مومنین کے نزدیک عظیم تر مقام رکھتا ہے وہ غزوۂ بدر ہے کہ جس میں بڑے بڑے سرداران قریش مارے گئے اور آنحضرتؐ کے دین کو غلبہ حاصل ہوا......

ابو عمر بن عبد البر نے استیعاب میں کہا ہے کہ نبی اکرمؐ کے تمام بعوث (معرکے) پینتیس تھے کہ ان میں بعض غزوے اور بعض سریئے تھے۔ لیکن بعض دوسروں نے کہا ہے کہ یہ تعداد چھپن تک پہنچتی ہے، جیسا کہ حافظ دمیاطی کا قول یہی ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی جنگیں اڑتالیس تھیں، بعض نے سینتالیس اور بعض نے چھتیس بھی بتائی ہیں"۔ (۲۰۱)

میں کہتا ہوں ـــــ ابو الحسن ثالث (امام علی نقیؑ) سے روایت ہوئی کہ راوی کہتا ہے:

"متوکل نے نذر کی تھی کہ اگر خدا نے اسے اس بیماری میں صحت و عافیت بخشی تو وہ مال کثیر صدقہ کرے گا۔ جب وہ صحت یاب ہو گیا تو اس نے مال کثیر کی حد کے بارے میں علماء سے دریافت کیا لیکن اس میں انہوں نے باہم اختلاف کیا اور صحیح جواب نہ دے سکے۔ تب متوکل نے اس سلسلے میں امام علی نقیؑ سے سوال کیا، آپ نے جواباً فرمایا کہ اسی درہم صدقہ میں

دے دو۔ اس نے پوچھا کہ اس جواب کی بناء و علت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریمؐ سے کہا ہے: "خدا نے مواطن کثیرہ میں تمہاری مدد کی" چنانچہ ہم نے حضورؐ کے مواقع جنگ شمار کیے تو وہ اسی تک پہنچے کہ جن کو خدا نے کثیرہ قرار دیا ہے ___ یہ سن کر متوکل بہت خوش ہوا۔ (۲۰۲)

۸۔ وہ افراد جنہیں نبی اکرمؐ نے اپنی عدم موجودگی میں مدینہ یا اپنے اہل پر اپنا خلیفہ بنایا۔

واقدی کہتا ہے:۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرمؐ جنگوں پر جاتے وقت مدینہ میں کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرمایا کرتے تھے جب کہ غزوہ ودان میں آپ نے سعد بن عبادہ کو اور غزوہ بواط میں سعد بن معاذ کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ کرز بن جابر فہری کی تلاش کے دوران زید بن حارثہ کو اور غزوۂ ذی العشیرہ میں ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو. بدر القتال اور غزوۂ سویق میں ابولبابہ بن عبدالمنذر عمری کو. غزوہ الکدر میں ابن ام مکتوم اور غزوۂ امر میں عثمان بن عفان کو. غزوۂ بحران، غزوۂ احد. غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بنی نضیر میں ابن ام مکتوم کو. غزوۂ بدر موعد میں عبداللہ بن رواحہ اور غزوۂ ذات الرقاع میں عثمان بن عفان کو غزوۂ دومتہ الجندل میں سباع بن عرفطہ اور غزوۂ مریسیع میں زید بن حارثہ کو. غزوہ خندق. غزوۂ بنی قریظہ. غزوۂ بنی لحیان. غزوۂ غابہ اور غزوۂ حدیبیہ میں ابن ام مکتوم کو. غزوۂ خیبر میں سباع بن عرفطہ غفاری اور عمرۂ قضیہ میں ابو رہم غفاری کو. غزوۂ فتح. حنین اور طائف و تبوک میں ابن ام مکتوم کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محمد بن مسلمہ اشہلی کو مدینہ میں خلیفہ مقرر کیا گیا نیز نبی اکرم کے آخری حج میں ابن ام مکتوم کو جانشین بنایا گیا تھا۔ (۲۰۳)

التراتیب الاداریہ میں ہے:

"نبی اکرمؐ تمام غزوات اور جنگوں پر جاتے وقت مدینہ میں کسی شخص کو اپنا خلیفہ و جانشین بناتے تھے. ان میں سے آخری غزوہ تبوک ہے کہ جس میں آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام بنایا۔

الاصابہ میں نسب و سیئر کے بعض علماء سے بواسطہ ابن عبدالبر منقول ہے کہ نبی کریمؐ نے ابن ام مکتوم کو تیرہ مرتبہ اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرمایا یہاں تک کہ تبوک میں اور پھر حجتہ الوداع اور بدر کے موقع پر بھی جب کہ ابولبابہ کو اپنا جانشین نامزد فرما کر اثناء راہ سے واپس مدینہ بھیجا۔

نیز الاصابہ میں ہی جعال بن سراقہ ضمری کے حالات میں ابن اسحاق سے نقل ہوا ہے کہ شعبان ۶ھ میں نبی اکرمؐ نے جب بنی المصطلق سے جنگ کی تو مدینہ میں جعال ضمری کو اپنا قائم مقام بنایا۔

اسی کتاب میں سباع بن عرفطہ غفاری کے حالات میں مذکور ہے کہ جب نبی کریمؐ غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ میں سباع غفاری کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

الاصابہ میں ابو رہم غفاری کے حالات میں آیا ہے کہ غزوۂ فتح میں آنحضرتؐ نے اسے مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ نیز المواہب اور اس کی شرح میں ہے جیسا کہ ابن ہشام نے کہا کہ غزوۂ تبوک پر جاتے وقت آنحضرتؐ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ دمیاطی نے بھی واقدی کے بقول یہی کہا ہے کہ اس کے نزدیک وہ ان لوگوں کے مقابل زیادہ

معتبر ہے جو کہتے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے امام علیؑ یا سالم یا ابن مکتوم کو خلیفہ بنایا تھا۔ لیکن حافظ زین الدین عراقی نے شرح تقریب میں امام علیؑ کے حالاتِ میں بیان کیا ہے کہ آپ کسی جنگ سے غیر حاضر نہیں رہے مگر تبوک کہ اس وقت نبی اکرمؐ نے آپ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا تھا جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنی کتاب المصنف میں صحیح سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے: "جب رسول اکرمؐ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو مدینہ میں امام علیؑ بن ابی طالب کو اپنا خلیفہ بنا گئے"۔

نیز الاستیعاب میں ہے کہ نبی کریمؐ جب مدینہ آ گئے تو اس کے بعد اکثر غزوات میں امام علیؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بناتے رہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے محاضرات الابرار میں کہا ہے کہ آنحضرتؐ غزوات کے سلسلے میں جاتے وقت مدینہ میں جن افراد کو اپنا نائب بناتے، ان میں ابولبابہ، بشیر بن منذر، عثمان بن عفان، عبداللہ بن ام مکتوم، ابوذر، عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول، سباع بن عرفطہ، نمیلہ بن عبداللہ لیثی، عریف بن اضبط دیلمی، ابورہم، محمد بن مسلمہ انصاری، زید بن حارثہ، سائب بن عثمان بن مظعون، ابوسلمہ بن عبدالاسد، سعد بن عبادہ اور ابودجانہ ساعدی کے نام آتے ہیں، اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کی ولایت و حکومت کی تفصیل بیان کی ہے۔

وہ شخص جسے امام سفر پر جاتے وقت اپنا خلیفہ بنائے اور اپنے اہل کا نگران مقرر کرے =

نبی اکرمؐ نے جنگ تبوک کے موقع پر امام علیؑ بن ابی طالب کو اپنے اہل و عیال پر اپنا خلیفہ بنایا اور انہیں حکم دیا کہ ان کی نگرانی و نگہبانی کریں اور ان کے امور کا بندوبست کرتے رہیں۔

میں کہتا ہوں ــــ المواہب میں شرح تقریب سے نقل ہوا ہے کہ نبی کریمؐ نے امام علیؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور اپنے اہل و عیال کی نگرانی بھی ان کے سپرد فرمائی۔

زرقانی نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو اپنا جانشین بنایا اور فرمایا: اے علیؑ! میرے اہل و عیال میں میری نیابت کرو، حسب ضرورت دشمن سے لڑو غنیمت پر قبضہ کرو اور مستحقین میں تقسیم کرو ــــ پھر آپ نے ازواج کو بلایا اور ان سے فرمایا: علیؑ کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا ....

ابن اسحاق نے واقعہ تبوک کے بارے میں سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو اپنے اہل و عیال کے معاملات کا نگران بنایا اور آپ کو ان کی دیکھ بھال اور ضروریات کی فراہمی کا حکم دیا۔ (۲۰۴)

میں کہتا ہوں ــــ جو روایات و عبارات اوپر نقل کی گئی ہیں، ان میں ہماری غرض تاریخی واقعات رقم کرنا اور صحیح و ضعیف میں محاکمہ کرنا نہیں ہے، بلکہ ہمارا مقصد قارئین پر اجمالی طور سے یہ واضح کرنا ہے کہ حضرت رسولؐ وہ دین لے کر آئے کہ جس کے ساتھ دینی حکومت و سلطنت تھی اور یہ کہ آنحضرتؐ صاحب شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ حکومت و سلطنت کے مئوسس و بانی بھی تھے۔ پس وہ جو کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ محض نوع بشر کے لئے ایک بشیر و نذیر تھے اور آپ کے مقاصد میں حکومت اور اس کے لوازمات نہیں تھے۔ یہ بات اسلام کے ان قوانین و موازین سے غفلت یا جہالت کا نتیجہ ہے جو زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہیں نیز یہ آپ کی سیرت و سنت سے ناواقفیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

۹۔ بعض افراد جنہیں نبی اکرمؐ نے بادشاہوں کو دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا

حضرت رسولؐ نے اپنے اصحاب میں سے بعض کو خطوط دے کر بادشاہوں کی طرف بھیجا اور انہیں اسلام کی دعوت دی تھی۔

۱۔ دحیہ بن خلیفہ کلبی کو روم کے بادشاہ قیصر کی طرف بھیجا۔
۲۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی کو کسرائے ایران کے پاس بھیجا۔
۳۔ عمرو بن امیہ ضمری کو شاہ حبشہ نجاشی کی طرف بھیجا۔
۴۔ حاطب بن ابی بلتعہ کو اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے پاس بھیجا
۵۔ عمرو بن عاص سہمی کو عمان کے ازدی بادشاہوں جیفر و عیاذ کے پاس بھیجا۔
۶۔ سلیط بن عمرو (از بنی عامر بن لوی) کو یمامہ کے بادشاہوں ثمامہ بن اثال اور ہوذہ بن علی کی طرف بھیجا۔
۷۔ علاء بن حضرمی کو بحرین کے بادشاہ منذر بن ساوی کی طرف بھیجا۔
۸۔ شجاع بن وہب اسدی کو تخوم شام کے بادشاہ حارث بن ابو شمر غسانی کے پاس بھیجا۔ (۲۰۵)
۹۔ مہاجر بن ابو امیہ مخزومی کو یمن کے بادشاہ حارث کے پاس بھیجا۔ (التراتیب الاداریہ)

ابن جماعہ نے کہا ہے:

"حضرت رسولؐ نے محرم ۷ھ میں ایک ہی دن چھ قاصد بھیجے"۔

شرح المواہب زرقانی و شرح الالفیہ ابن کیران میں ہے کہ آپ نے ایک ہی روز چھ بادشاہوں کی طرف قاصد بھیجے اور ان میں سے ہر ایک نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ اس قوم کی زبان بول سکتا تھا جس کی طرف اسے بھیجا گیا تھا. ابن سعد وغیرہ کی عبارات میں بھی اسی طرح ہے اور یہ ایک معجزہ تھا (۲۰۶)

۱۰۔ وہ افراد جن کو مختلف اطراف میں قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا

۱۔ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد جب نبی اکرمؐ ان بارہ افراد کے پاس سے واپس ہوئے تو آپ نے **مصعب** بن عمیر کو ان کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ وہ انہیں قرآن پڑھائیں. اسلام کی تعلیم دیں اور دین کی سوجھ بوجھ کرائیں. مدینہ میں مصعب کو مقری (قرائت سکھانے والے) کا نام دیا گیا۔

میں کہتا ہوں استبصار ابن قدامہ مقدسی میں ہے کہ **مصعب** بن عمیر مدینہ آیا تو اسعد بن زرارہ کے ہاں اترا — پھر وہ اس کے ساتھ انصار کے گھروں میں جاتا. انہیں قرآن پڑھاتا اور دین حق کی طرف دعوت دیتا تھا۔ پس ان دونوں کی کاوشوں سے انصار کا ایک گروہ اسلام میں داخل ہوا کہ جن میں سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر بھی تھے۔

۲۔ معاذ بن جبل

کتاب الاکتفاء میں ہے کہ حضرت رسول ؐ نے عتاب بن اسید کو مکہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور اس کے ساتھ معاذ بن جبل کو بھی وہاں چھوڑا جو لوگوں کو فقہ اسلامی اور قرآن کی تعلیم دیتا تھا۔

الاستیعاب میں ہے کہ نبی اکرم ؐ نے معاذ بن جبل کو یمن کے شہر جند میں قاضی بنا کر بھیجا. وہ لوگوں کو قرآن پڑھاتا. احکام اسلامی سے واقفیت دلاتا اور ان کے معاملات میں قضاوت کرتا تھا۔ علاوہ ازیں اسے (فتح مکہ کے بعد بھیجے گئے) یمن کے دوسرے عمال سے زکات و صدقات کا مال وصول کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔

۳۔ عمرو بن حزم خزرجی

استیعاب میں ہے کہ نبی کریم ؐ نے عمرو بن حزم کو نجران میں عامل بنایا. تاکہ وہ انہیں دین کے عقائد و احکام سمجھائے. قرآن پڑھائے اور صدقات وصول کرے۔ یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے اور اس سے پہلے وہاں خالد بن ولید کو بھیجا گیا تھا تو وہ لوگ اسلام لے آئے. چنانچہ آپ نے عمرو کو فرائض و سنن اور صدقات و دیات پر مشتمل ایک ہدایت نامہ بھی لکھ کر دیا تھا۔

۴۔ ابو عبیدہ بن جراح

مسند احمد میں انس سے روایت ہوئی ہے کہ جب اہل یمن حضرت رسول ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا: ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص بھیجیں جو ہمیں اسلام کے فرائض و سنن کی تعلیم دے، پس آپ نے ابو عبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ اس امت کا امین ہے ___ پھر اسے شام کا امیر بنا کر بھیجا اور اکثر علاقے اس کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔

۵۔ رافع بن مالک انصاری

الاصابہ میں ابن اسحاق سے منقول ہے کہ رافع بن مالک وہ پہلا شخص ہے جو سورۂ یوسف ؑ لے کر مدینہ آیا. زبیر بن بکار نے اخبار مدینہ میں بیان کیا ہے کہ عقبہ میں جب رافع نے نبی اکرم ؐ سے ملاقات کی تو آپ نے اسے وہ سارا قرآن دیا جو پچھلے دس سال میں نازل ہوا تھا، پس وہ یہ قرآن لے کر مدینہ آیا اور اپنے لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے اس کی قرأت کی۔

۶۔ اسید بن حضیر

الاصابہ میں ابراہیم بن جابر کے حالات بیان کئے گئے ہیں کہ وہ منجملہ ان غلاموں کے تھا جو طائف کے محاصرے میں نبی کریم ؐ کے ہاتھ آئے، پس آپ نے اسے آزاد کر کے اسید بن حضیر کے پاس بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ اس آزاد کردہ کے اخراجات پورے کرے اور اسے تعلیم دے ___ اس واقعہ کو واقدی نے بھی ذکر کیا ہے۔

۷۔ ازرق بن عقبہ ثقفی

الاصابہ میں آیا ہے کہ ازرق بھی ان غلاموں میں سے تھا جو محاصرۂ طائف میں ہاتھ آئے. وہ اسلام لایا اور نبی اکرم ؐ نے اسے آزاد کر دیا، پھر اسے خالد بن سعید بن عاص کے سپرد کیا کہ وہ اس کے اخراجات برداشت کرے اور اسے تعلیم بھی دے (۲۰۷)

تیسرا حکومتی ادارہ. ادارۂ قضائی (عدلیہ)

اس میں بحث کی کئی جہات ہیں

۱۔ عدلیہ کی ضرورت

جو شخص اقوام عالم اور مختلف ادوار کے لوگوں کی تاریخ کی طرف مراجعہ کرے، اس پر مخفی نہیں ہے کہ فصل خصومات اور امر قضاوت و فیصلہ تمام قوموں اور انسانی معاشروں میں ایک خاص اور حساس مقام رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کی درستی پر معاشرے کی سلامتی اور امن و امان نیز اس میں قیام عدل اور حقوق و احترامات کی حفاظت ہوتی ہے، اگر اسے صحیح و درست طریقے پر استوار نہ کیا جائے یا امر قضاوت نااہل افراد کے سپرد کیا جائے تو ظلم و جور اور فتنہ و فساد عام ہو گا، حقوق اور احترامات ضائع ہوں گے اور حکومت کمزور ہو جائے گی بلکہ کسی موقع پر ملک زوال و سقوط کا شکار ہو جائے گا۔

امر قضاوت کے اہتمام و انتظام میں یہ راز ہے کہ یہ دنیا تزاحم و تصادم کا مقام اور مجموعہ اضداد ہے، انسان بھی اپنی طبیعت اور مزاج کے لحاظ سے دوسروں کی حق تلفی پر آمادہ ہو جاتا ہے، کیونکہ حرص و طمع اس کی جبلت و فطرت میں داخل ہے اور زن، زر اور زمین کی محبت کو اس کے لئے مزین کر دیا گیا ہے۔ یعنی "فرزند آدم اگرچہ بوڑھا ہو جاتا ہے مگر دو خصلتیں اس میں شباب پر پہنچ جاتی ہیں اور وہ حرص اور لمبی امیدیں ہیں۔ (۲۰۸)

پس بعض موقعوں پر ایک شخص اپنی طاقت و قوت یا دوسرے کی غفلت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے مال یا حقوق پر تجاوز کرتا ہے۔ اسے یاد رکھیں

اس کے علاوہ کبھی ایک شخص پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے اور وہ اشتباہ یا ناواقفیت کی بناء پر دوسروں کے مال پر قابض ہو جاتا ہے، اس کے نتیجے میں باہم بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات تو جدال و قتال تک کی نوبت آ جاتی ہے اور اموال و نفوس کی تلفی بھی ہوتی ہے۔ اس لئے ایک نافذ الامر عادل ادارے کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کہ جو فریقین کے درمیان حق و عدل کے مطابق فیصلہ کرے کہ ہر صاحب حق اپنا حق پائے اور نزاع و اختلاف دور ہو جائے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلامی صلاح و اصلاح کا حکم دیتی اور اس شخص کے ایمان کی نفی کرتی ہے جو عدلیہ کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے، یوں اسلام اور اسلامی شریعت ادارۂ قضائی (عدلیہ) کا کام ایک اہل فرد کے سپرد کرنے اور اس کے فیصلے پر عمل در آمد کئے جانے کی تاکید کرتی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«انما المومنون اخوة، فاصلحوا بين اخويكم»۔ (۲۰۹)

"بس مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح اور میل جول کرا دیا کرو"۔

۲۔ پھر فرماتا ہے:

فاتقوا الله واصلحوا ذات بينكم - (۲۱۰)

"خدا سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو"۔

۳۔ حضرت رسولؐ سے مروی ہے:

"آپس کی کشیدگیوں کو مٹانا کثرت نماز و روزہ سے افضل ہے"۔ (۲۱۱)

۴۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

فلاوربّك لايومنون حتّی يحكّموك فيما شجر بينهم ثمّ لايجدوا في انفسهم حرجاً ممّا قضيت ويسلّموا تسليماً – (۲۱۲)

"پس (اے رسولؐ) تیرے پروردگار کی قسم کہ یہ لوگ سچے مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں اپنا حاکم نہ بنائیں (پھر) تم جو فیصلہ کرو اس سے کسی طرح تنگ دل بھی نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی خوشی مان لیں"۔

۲۔ فیصلہ کرنے کا حق خدا، اس کے رسولؐ، انبیاء اور اوصیاء کو ہے

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ اصل اولی کا اقتضاء یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی شخص کی دوسرے پر ولایت و حکومت ثابت نہیں ہے، البتہ اس طرح کہ جسے اللہ تعالیٰ والی بنائے یا اسے امر کی اجازت دے اور اس کے حکم کو نافذ العمل قرار دے۔ پھر جب قضاوت بھی ولایت کا ایک شعبہ ہے بلکہ ان میں سب سے اہم ہے اور اس کا لازمہ دوسرے کے اختیار پر مسلط ہونا ہے لہذا خدائے تعالیٰ کے سوا نہ کسی کی قضاوت صحیح ہے اور نہ نافذ العمل ہے مگر یہ کہ جس کو ذات الٰہی اس امر کا والی بنائے یا اسے قضاوت کی اجازت دے، چاہے اس کے نام اور شخصیت کے ساتھ اس کا تعارف کرائے یا اس کے اوصاف بیان کر کے معیار شخصیت سے آگاہ کر دے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الحكم الا لله، يقصّ الحقّ وهو خير الفاصلين – (۲۱۳)

"حکم کرنا تو صرف خدا ہی کے لئے ہے اور وہ حق (حق) بیان کرتا ہے اور وہ تمام فیصلے کرنے والوں سے بہتر ہے"۔

۲۔ پھر فرمایا:

والله يقضي بالحق، والذين يدعون من دونه لايقضون بشيء، انّ الله هوالسميع البصير – (۲۱٤)

"اور خدا ٹھیک (ٹھیک) حکم دیتا ہے اور اس کے سوا جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں وہ تو کچھ بھی حکم نہیں دے سکتے، اس میں شک نہیں کہ خدا سننے اور دیکھنے والا ہے"۔

۳۔ نیز یہ فرمایا:

وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم – (۲۱۵)

"اور نہ کسی ایماندار مرد اور نہ کسی ایماندار عورت کے لئے مناسب ہے کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دیں تو پھر ان کا کچھ اختیار ہو۔"

۴۔ سلیمان بن خالد کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: حکم و فیصلہ کرنے سے بچو کیونکہ حکم دینا صرف امام و رہبر کا حق ہے جو نبی (مثل نبی) قضاوت کا عالم اور مسلمانوں میں عدل و انصاف کرنے والا ہو۔ (۲۱٦)

۵۔ اسحاق بن عمار کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ امیر المومنینؑ نے شریح سے فرمایا: "اے شریح! تم ایسے مقام اور جگہ پر بیٹھے ہو کہ جہاں نہیں بیٹھتا مگر نبی یا وصی یا شقی" (۲۱۷)

۶۔ امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "حکم و فیصلہ کرنا صحیح نہیں مگر جب خدا کے اذن اور اس کی برہان و دلیل سے ہو"۔ (۲۱۸)

فصل خصومات اور لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ قضاوت کرنا بھی انبیاء کے شئون اور ان کی ذمہ داریوں میں شامل تھا، خود نبی اکرمؐ بھی ہمیشہ ان احکام کی بنیاد پر امر قضاوت میں مشغول رہتے جو خدا نے ان پر نازل کئے تھے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يا داود، انّا جعلناك خليفة في الارض، فاحكم بين النّاس بالحق - (۲۱۹)

"اے داؤدؑ! ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا ہے، پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو"۔

گویا اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کے حکم کو ان کے خلیفہ بنائے جانے کی فرع قرار دیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر خلافت نہ ہوتی تو ان کا حکم نافذ نہ ہو سکتا تھا۔

۸۔ نیز یہ بھی فرمایا:

وداود وسليمان اذ يحكمان في الحرث اذ نفشت فيه غنم القوم، وكنّا لحكمهم شاهدين - (۲۲۰)

"اور (اے رسولؐ) ان کو داؤدؑ و سلیمانؑ کا (واقعہ یاد دلاؤ) جب یہ دونوں ایک کھیتی کے بارے میں کہ جس میں رات کے وقت کچھ لوگوں کی بکریاں (گھس کر) اسے چر گئی تھیں فیصلہ کرنے بیٹھے اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے"۔

۹۔ نیز ہمارے نبیؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثمّ لا يجدوا في انفسهم حرجاً ممّا قضيت، ويسلّموا تسليماً - (۲۲۱)

"پس (اے رسولؐ) تمہارے پروردگار کی قسم کہ یہ لوگ سچے مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں اپنا حاکم نہ بنائیں، پھر (یہی نہیں بلکہ) جو فیصلہ تم کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں اور اسے خوش خوش مان لیں"۔

۱۰۔ صحیحہ سلیمان بن خالد میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "حضرت امیر المومنینؑ کی کتاب میں ہے کہ ایک نبی نے اپنے پروردگار کے حضور شکایت کی اور کہا کہ اے پروردگار! میں اس چیز کے بارے میں کس طرح فیصلہ کروں جسے میں نے دیکھا نہیں اور میں موقع پر موجود نہ تھا۔ پس پروردگار نے ان کی طرف وحی کی کہ ان کے درمیان میری کتاب کے مطابق فیصلہ کرو اور انہیں میرے نام کی قسم دلا کر معاملے کا یقین حاصل کرو، نیز فرمایا کہ یہ اس معاملے میں ہو گا جس کے حق میں ثبوت اور گواہ نہ ہوں۔ (۲۲۲)

۱۱۔ ایک اور حدیث میں آنجناب ؑ ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "امام علیؑ کی کتاب میں ہے کہ ایک نبی نے پروردگار کی بارگاہ میں قضاوت کے بارے میں شکایت کی اور کہا کہ میں اس معاملے میں کس طرح فیصلہ کروں جسے نہ میری آنکھ نے دیکھا اور نہ میرے کان نے سنا ہے؟ حکم آیا کہ لوگوں کو میرے نام کی قسم دلاؤ اور گواہوں کے بیانات کی روشنی میں فیصلہ دو۔ (۲۲۳)

۱۲۔ ہشام بن حکم کی خبر میں ابو عبداللہ ؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "حضرت رسول ؐ نے ارشاد کیا کہ میں تمہارے درمیان گواہوں اور قسموں کے ذریعے فیصلے کروں گا، تم میں سے ہر ایک دوسرے کے مقابل اپنی حجت و دلیل کو خوب سمجھتا ہے۔ پس جس کو میں اس کے بھائی کے مال میں سے کاٹ کر دوں تو گویا اسے جہنم کی آگ کا ٹکڑا دیا ہے۔ (۲۲۴)

۱۳۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ ام سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول ؐ نے فرمایا: "میں بس ایک بشر ہوں، تم اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو اور تم میں سے ہر ایک دوسرے کے مقابل اپنی دلیل کو بہتر طور پر سمجھتا ہے، پس میں اس سے جو سنوں اور اس کے مطابق فیصلہ کر دوں تو جس کے لئے میں اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کروں تو وہ نہ لے کیونکہ میں اسے گویا (جہنم کی) آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔ (۲۲۵)

موطاء مالک میں بھی اول الاقضیہ میں ام سلمہ سے حضرت رسول ؐ کا یہ فرمان نقل ہوا ہے۔ (۲۲۶)

پس حضرت رسول ؐ اپنے قاضیوں کو مختلف اطراف میں بھیجا کرتے تھے اور آپ کی طرف سے مقرر ہونے کی بناء پر وہ اس اہم امر کے والی ہوتے تھے۔

۱۴۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ امام علیؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "حضرت رسول ؐ نے مجھے قاضی بنا کر یمن بھیجا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ؐ! آپ مجھے بھیج رہے ہیں جب کہ میں ابھی نو عمر ہوں۔ آپ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی ہدایت کرے گا اور تمہاری زبان کو سالم و ثابت رکھے گا ـــــ پس جب دو فریق تمہارے سامنے آ بیٹھیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ دینا جب تک دوسرے فریق کی بات نہ سن لو جیسا کہ پہلے کی سنی ہے۔ کیونکہ یہ چیز تمہارے لئے قضاوت و فیصلے کو واضح کرنے کے لئے بڑی مناسب ہے۔ امام علیؑ کا ارشاد ہے کہ اس کے بعد میں ہمیشہ اسی طرح فیصلے کرتا رہا یا اس کے بعد مجھے اپنے فیصلے میں کبھی شک نہیں ہوا۔ (۲۲۷)

۱۵۔ ابو داؤد ہی میں اس کی سند کے ساتھ معاذ بن جبل کے کئی اصحاب سے مروی ہے: "حضرت رسول ؐ نے جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ پیش ہو تو اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ اس نے کہا میں خدا کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا، اگر خدا کی کتاب میں کچھ نہ پاؤ تو؟ اس نے کہا کہ پھر سنت رسول ؐ سے فیصلہ کروں گا۔ فرمایا پس اگر سنت رسول ؐ میں بھی نہ پاؤ تو؟ اس نے کہا ـــــ تب میں اپنی رائے سے پوری کوشش کے ساتھ فیصلہ کروں گا اور اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ اس پر حضرت رسول ؐ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا ـــــ حمد ہے اس خدا کی جس نے رسول اللہ ؐ کے نمائندے کو اس بات کی توفیق دی کہ جو رسول اللہ ؐ کو پسند ہے۔ (۲۲۸)

۱۶۔ ابن ماجہ کی سند کے ساتھ معاذ بن جبل سے مروی ہے کہ اس نے کہا: "جب رسول اللہ ؐ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو

فرمایا کہ کسی امر میں کوئی قضاوت و فیصلہ نہ کرنا مگر اس کے مطابق کہ جو کچھ تجھے معلوم ہو، پھر اگر کوئی معاملہ تمہارے لئے دشوار ہو تو صبر و تحمل سے کام لینا یہاں تک کہ وہ تم پر واضح ہو جائے یا اس کے بارے میں مجھے لکھو (اور پوچھو)۔ (۲۲۹)

۱۷۔ امیرالمومنین امام علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں نے حضرت رسولؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر میرے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش ہو کہ جس کے متعلق حکم خدا اور سنت رسولؐ میں کوئی بات نہ ہو تو ایسی صورت میں میرے لئے آپ کا ارشاد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے تم لوگ اہل فقہ اور مومنین کی مجلس مشاورت منعقد کرو اور اس میں محض اپنی رائے سے فیصلہ نہ کرو"۔ طس وابو سعید فی القضاء (۲۳۰)

میں کہتا ہوں ــــ یہ دونوں روایتیں اس قول کو کمزور کرتی ہیں جو معاذ بن جبل کی خبر میں آیا ہے کہ "میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنے میں پوری کوشش کروں گا اور اس میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا" لیکن ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پس امر قضاوت بہت اہم ہے اور وہ ولایت و حکومت کے عظیم شعبوں میں ہے کہ اس میں غیر کے اختیار پر تصرف و تسلط کا پہلو شامل ہے، لہٰذا اصل کا اقتضاء ہے کہ یہ صحیح و نافذ نہیں ہے مگر اس وقت کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جو مالک ملک و ملکوت ہے یا اس کی طرف سے ہو جسے خدائے تعالیٰ نے ولایت بخشی ہے یا جسے اس نے اپنے نبی یا وصی نبی کے ذریعے قضاوت کرنے کی اجازت دی ہو۔

ظاہر یہ ہے کہ لفظ "وصی" جو روایت میں آیا ہے اس سے مراد عام ہے کہ وصایت بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ اور کسی خاص شخص کے لئے قرار دی گئی ہو یا صفات کے ساتھ اس کی معرفت کرائی گئی ہو۔ پس یہ لفظ "وصی" ان فقہاء کو بھی شامل ہے جو حامل شرائط ہیں کہ جنہیں زمانہ غیبت میں قضاوت کی اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ ہر زمانہ میں لوگوں کو قضاوت کی احتیاج ہوتی ہے اور جیسا کہ گزر چکا ہے اس کو کسی بھی زمانہ میں مہمل و معطل نہیں چھوڑا جا سکتا اور اسی طرح ولایت کبریٰ معطل چھوڑنا بھی جائز نہیں ہے، پس اس کے لئے وہ فقیہ معین و مقرر ہے جو جامع الشرائط ہے کہ وہی قدر متیقن ہے۔ اس سلسلے میں مقبولہ عمر بن حنظلہ اور مشہورۂ ابو خدیجہ جو گزر چکی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ نے اپنے شیعوں کو قاضیان جور کی طرف مقدمے لے جانے سے منع کیا اور ان کو ایسے شخص کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے جو اہل بیتؑ کے احکام و فرامین کو جانتا ہو، ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہے کہ قاضی میں اجتہاد اور فقاہت کا پایا جانا معتبر ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

ان دونوں خبروں کا ظاہر یہ ہے کہ امامؑ کی طرف سے منصب قضاوت کا جعل و تقرر اور مقدمہ و معاملہ فقیہ کے پاس لے جانے کا جواز خود آنجنابؑ کے خدا کی طرف سے جعل و تقرر کی فرع ہے، معلوم ہوا کہ اگر آپ قاضی کو نصب نہ فرماتے تو اس کی طرف رجوع کرنا اور اسی طرح اس کی قضاوت شرعی طور پر جائز اور نافذ نہ ہوتی۔

۳۔ قاضی کے شرائط و اوصاف

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اولاً اصل یہ اقتضاء کرتی ہے کہ قضاوت نافذ نہیں ہے مگر اس امر میں جس پر

دلیل قائم ہو۔ ثانیاً یہ کہ آیات و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاوت اللہ، اس کے رسولؐ اور اوصیاء کے لئے ہے۔ ثالثاً یہ کہ زمانہ غیبت میں قضاوت کے معطل ہونے کا قول ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا فقیہ جامع الشرائط کے لئے قضاوت کا متصدی و ذمہ دار ہونا جائز ہے کہ وہی قدر متیقن ہے۔ چونکہ مقبولہ و مشہورہ اور ان کے علاوہ دیگر روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ آگے بیان ہو گا لہٰذا لازمی طور پر لفظ "وصی" سے عنوان عام مراد ہے جو وصایت خصوصی کے ساتھ وصایت عمومی کو بھی شامل ہے یا وہ ان ادلہ سے مستثنیٰ ہے جو حصر اور خصوصیت پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو بھی امت کی طرف سے حاکم منتخب ہو اس فرض کے ساتھ کہ اس کا انتخاب صحیح ہے اور وہ واجد شرائط ہو کہ ان میں فقاہت بھی شامل ہے، وہ شارع کے حکم سے وصی کی منزلت پر ہے۔ غور کریں

۱۔ محققؒ نے شرائع کی کتاب قضاء میں فرمایا ہے: "اور اس میں بلوغ، کمال عقل، ایمان، عدالت، طہارت مولد، علم اور ذکورۃ (مرد ہونا) شرط ہے۔ (۲۳۱)

نیز مسالک میں اس عبارت کی شرح میں ہے: "یہ شرائط ہمارے ہاں موضع اتفاق ہیں"۔ (۲۳۲)

۲۔ علامہ نے القواعد میں فرمایا ہے: "اس میں بلوغ، عقل، ذکورۃ (مرد ہونا)، ایمان، عدالت، طہارت مولد اور علم ہونا شرط ہے"۔ (۲۳۳)

۳۔ المختصر ابو القاسم فرقی میں ہے کہ جو فقہ حنابلہ کی کتاب ہے: "کسی کو قاضی نہیں بنایا جا سکتا جب تک وہ بالغ، عاقل، مسلمان، آزاد، عادل، عالم، فقیہ اور ورع نہ ہو"۔ (۲۳۴)

۴۔ المنہاج نووی میں ہے جو فقہ شافعیہ کی کتاب ہے: "قاضی کے لئے شرط ہے کہ مسلمان، آزاد، مذکر (مرد)، عادل، سمیع (بہرا نہ ہو)، بصیر (نابینا نہ ہو)، ناطق (گونگا نہ ہو)، کافی اور مجتہد ہو"۔ (۲۳۵)

۵۔ ابن رشد نے کہا ہے: "باقی رہیں وہ شرائط جو قضاوت کے جواز میں ہیں تو یہ کہ وہ آزاد، مسلمان، بالغ، ذکر (مرد)، عاقل اور عادل ہو.......... علماء نے اس کے مجتہد ہونے میں اختلاف کیا ہے، پس شافعی نے کہا___ واجب ہے کہ وہ اہل اجتہاد میں سے ہو، اور اسی طرح عبد الوہاب نے اپنے مذہب کے لحاظ سے یہی نقل کیا ہے، ابو حنیفہ نے کہا___ عام آدمی کا حکم و فیصلہ جائز نہیں، اسی طرح ذکورۃ (مرد ہونے) کی شرط کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ پس جمہور نے کہا ہے کہ یہ صحت حکم میں شرط ہے اور ابو حنیفہ نے کہا کہ اموال میں عورت کا قاضی بننا جائز ہے، طبری نے کہا کہ عورت ہر معاملہ میں بلاقید قاضی بن سکتی ہے۔ (۲۳۶)

۶۔ ابو الحسن ماوردی نے کہا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے:

"اور جائز نہیں ہے کہ کسی کو قضاوت کی ذمہ داری سونپی جائے مگر وہ کہ جس میں اس کی شرائط موجود ہوں اور وہ سات ہیں:

(۱) مرد ہو اور یہ شرط بلوغ و ذکورۃ کی جامع ہے۔

(۲) عقل اور اس کے معتبر ہونے پر اجماع ہے، لیکن اس میں وہ عقل کافی نہیں جس سے تکلیف (شرعی فریضے) کا تعلق

ہے کہ وہ بدیہی و ضروری مدرکات کا علم ہے، قاضی کے لئے وہ عقل چاہئے جس میں صحیح تمیز، عمدہ ذہانت و فطانت ہو اور وہ غفلت اور سہوونسیان سے دور ہو۔ تاکہ اپنی ذکاوت کے ذریعے مشکل چیز کی وضاحت اور پیچیدہ فیصلہ کرنے کا اہل ہو۔

(۳) حریت و آزادی یعنی وہ کسی غیر کا مملوک و غلام نہ ہو

(۴) اسلام یعنی جائز نہیں ہے کہ کافر اہل اسلام یا کفار کا قاضی ہو، لیکن ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ ایک کافر اپنے ہم مسلک لوگوں میں قضاوت کر سکتا ہے۔

(۵) عدالت اور یہ ہر قسم کی حکومت و ولایت میں معتبر ہے، عدالت یہ ہے کہ وہ سچ بولتا ہو، امانت میں خیانت نہ کرتا ہو، عفیف و پاکدامن ہو، محرمات اور گناہوں سے بچتا ہو، شک و ریب سے دور ہو، رضاء و غضب سے آزاد ہو اور دین و دنیا میں ایک جیسی مروت سے کام لیتا ہو۔

(۶) سمع و بصر میں سلامت ہو یعنی اندھا بہرا نہ ہوتا کہ ان کے ذریعے حقوق کو صحیح طور پر ثابت کر سکے طالب و مطلوب اور حقدار و بے حق کی پہچان کر سکے، اگر وہ نابینا ہو تو اس کی ولایت و حکومت باطل ہو جائے گی لیکن مالک نے اسے جائز کہا جب کہ اس کی شہادت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

(۷) علم یعنی احکام شرعی کا عالم ہو اور ان کا علم ۔اصول کو جاننے اور فروع کی تطبیق و ریاضت پر مشتمل ہے۔ (۲۳۷)

۷۔ ابو یعلیٰ فراء نے کہا ہے:

"قضاوت کا قلادہ کسی کو پہنانا جائز نہیں مگر وہ جس میں سات شرائط پائے جاتے ہوں ــــ ذکورۃ (مرد ہونا)، بلوغ، عقل، حریت، اسلام، عدالت، سلامت سمع وبصر (اندھا بہرا نہ ہونا) اور علم۔ (۲۳۸)

واضح رہے کہ اس نے جو شرائط ذکر کیے وہ آٹھ ہیں نہ کہ سات مگر یہ کہ پہلی اور دوسری کو ایک شرط شمار کیا جائے جیسا کہ ماوردی نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں ــــ بلوغ و عقل کا اعتبار اس بناء پر ہے کہ صغیر و مجنون قاصر ہیں اور ان پر ولی مقرر ہے، اس لئے ان کے اقوال و افعال شرعی طور پر بے اعتبار ہیں ــــ تو جب ان کی بات خود ان کے حق میں قابل عمل نہیں تو غیر کے حق میں کیونکر نافذ العمل ہوگی۔

جہاں تک ایمان کا تعلق ہے تو اگر اس سے مراد وہ ہے جو کفر کے مقابل ہے تو اس کے اعتبار پر وہ تمام ادلہ دلالت کرتی ہیں جو کفار کی ولایت کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً - (۲۳۹)

"خدا نے کفار کے لئے مومنین پر ہرگز کوئی راہ قرار نہیں دی"۔

نیز نبی اکرمؐ سے مروی ہے: "اسلام ہر چیز سے بلند ہے اور کوئی چیز اس سے بلند نہیں ہے" ۔ (۲۴۰)

پس مومن کے خلاف یا اس کے حق میں فیصلہ کرنا اس پر سبیل اور اس پر بلندی و غلبہ ہے البتہ یہ چیز مسلمان کے کافر

حق میں یا اس کے خلاف قضاوت کرنے میں لازم نہیں آتی اور یہ حکم واضح ہے کہ وہ کافر نہ نبی ہے اور نہ وصی نبی ہے اس لئے اسے قضاوت کا حق نہیں ہے۔

لیکن اگر ایمان سے مراد اس کا امامی (شیعہ اثناء عشری) ہونا ہے تو اس کے اعتبار پر عدم انعقاد کی اصالت کے علاوہ امام کا قول "منکم" یعنی تم میں سے کی شرط دلالت کرتی ہے (کہ غیر امامی کی قضاوت منعقد نہیں ہوتی) اور یہ بات خبر ابو خدیجہ اور مقبولہ میں ہے جیسا کہ اس کا بیان آئے گا (۲۴۱)

علاوہ ازیں قضاوت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد مقدمہ اور مرافعہ پیش کرنے والے دونوں فریقوں کے مذہب پر ہو. لہٰذا اس موضوع کی طبع و مزاج کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا قاضی انہی میں سے ہو اور شاید ہر مذہب کے لئے خود اسی مذہب کا قاضی مناسب ہے۔ اس پر غور کریں

قاضی میں عدالت کے معتبر ہونے پر اصل کے واضح ہونے کے علاوہ کہ جس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے. وہ بہت سے ادلہ جو آیات و روایات میں ہیں وہ ولایت میں عدالت کے اعتبار کو بیان کرتے ہیں, ان کو دیکھنے کے لئے اس کتاب (کی جلد اول) کے چوتھے باب میں چھٹی فصل کی طرف رجوع کریں۔ خاص طور پر سلیمان بن خالد کی ابو عبداللہ سے روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے فرمایا: "حکم دینے اور فیصلے کرنے سے بچو کیونکہ حکم دینا اور فیصلہ کرنا امام و رہبر کے ساتھ مخصوص ہے جو قضاوت کا عالم اور مسلمانوں میں عدل و انصاف کرنے والا ہو یعنی یہ نبی (مثل نبی خ۔ل) یا وصی نبی کے لئے ہے۔ (۲۴۲)

نیز خبر ابو خدیجہ و مقبولہ ابن حنظلہ بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

قاضی کے لئے طہارت مولد (حلال زادہ ہونا) اور اسی طرح ذکورۃ (مرد ہونا) ـــ ان دونوں شرطوں کے معتبر ہونے پر وہ دلائل گواہ ہیں جو والی و حاکم میں ان کی ضرورت واضح کرتی ہیں, اس سلسلے میں مذکورہ باب کی دسویں اور گیارہویں فصل کی طرف مراجعہ کریں۔

قاضی میں حریت و آزادی کے معتبر ہونے میں کلام ہے اور اس پر مذکورہ باب کی بارھویں فصل میں مفصل بحث ہو چکی ہے کہ ہمارے زمانے میں یہ موضوع غیر ضروری ہے۔

قاضی کی سلامتی سمع و بصر یعنی اس کا اندھا بہرانہ ہونا ـــ جب سچے اور جھوٹے کی شناخت اور پھر حق و عدالت کے مطابق قضاوت کرنا ان دونوں قوتوں پر موقوف ہو. تب ان کی رعایت نہایت ضروری ہے ورنہ خصوصاً ان دونوں کے معتبر ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

۴۔ قاضی میں علم کا معتبر ہونا۔

قاضی میں علم کا اعتبار اجمالی طور پر اصل کے لحاظ سے واضح ہونے کے علاوہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا بھی اسی پر موقوف ہے. نیز آیات و روایات میں جو بہت سی ادلہ حاکم و والی میں علم کے اعتبار پر دلالت کرتی ہیں, وہ قاضی کے لئے بھی اس کی تائید

کرتی ہیں جن میں خبر ابو خدیجہ اور مقبولہ عمر بن حنظلہ بھی ہیں نیز ابو عبداللہ ؑ سے سلیمان بن خالد کی خبر میں آیا ہے: "حکم لگانے اور فیصلہ دینے سے بچو کہ حکم وفیصلہ صرف اس امام ورہبر کے لئے مخصوص ہے جو قضاوت کا عالم اور مسلمانوں میں عدل وانصاف کرنے والا ہو، یعنی یہ نبی (مثل نبی) یا وصی کے لئے ہے۔ (۲۴۳)

کلینی نے ابو عبداللہ ؑ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "قاضی چار قسم کے ہیں جن میں سے تین (جہنم کی) آگ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا، ایک وہ شخص جو ظلم وجور کا فیصلہ کرے حالانکہ وہ جانتا ہو تو وہ (جہنم کی) آگ میں جائے گا۔ دوسرا وہ جو ظلم وجور کا فیصلہ کرے اور نہ جانتا ہو تو وہ (بھی جہنم کی) آگ میں جائے گا اور تیسرا وہ جو حق کا فیصلہ کرے اور نہ جانتا ہو تو وہ (بھی جہنم کی) آگ میں جائے گا ـــ پھر وہ جو حق کے مطابق فیصلہ کرے اور جانتا بھی ہو تو وہ جنت میں جائے گا"۔ (۲۴۴)

ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ ابن بریدہ اور اس کے باپ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ؐ نے فرمایا: "قاضی تین قسم کے ہیں کہ ایک جنت میں اور دو (جہنم کی) آگ میں جائیں گے، پس جو جنت میں جائے گا ـــ وہ شخص ہے جو حق کو پہچانتا ہو اور اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ جو شخص حق کو پہچانتے ہوئے فیصلے میں ظلم وجور سے کام لے وہ (جہنم کی) آگ میں جائے گا، نیز جو لوگوں میں جہالت کے ساتھ فیصلے کرے تو وہ (بھی جہنم کی) آگ میں جائے گا"۔ (۲۴۵)

نہج البلاغہ میں ہے: "اور دوسرا وہ شخص ہے جس نے جہالت کی باتوں کو (ادھر ادھر سے) لے لیا ہے، وہ امت کے جاہل افراد میں دوڑ دھوپ کرتا ہے اور فتنوں کی تاریکیوں میں غافل ومدہوش پڑا رہتا ہے اور امن و آشتی کے فائدوں سے آنکھ بند کرلیتا ہے، انسانی شکل وصورت سے ملتے جلتے چند آدمیوں نے اسے عالم کا لقب دے رکھا ہے حالانکہ وہ عالم نہیں ہے، وہ ایسی (بے سود) باتوں کے سمیٹنے کے لئے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے یہاں تک کہ جب وہ اس گندے پانی سے سیراب ہولیتا ہے اور لایعنی باتوں کو جمع کرلیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں پر مشتبہ رہنے والے مسائل کو حل کرنے کا ذمہ لے لیتا ہے، اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اس کے لئے اپنی رائے سے بھرتی کی فرسودہ دلیلیں مہیا کرلیتا ہے اور پھر اس پر یقین بھی کرلیتا ہے، اس طرح وہ شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مکڑی اپنے جالے کے اندر ہوتی ہے، وہ خود یہ نہیں جانتا کہ اس نے صحیح حکم دیا ہے یا غلط ـــ اگر صحیح بات بھی کہی ہو تو اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ غلط نہ ہو اور اس کا جواب غلط ہو تو اسے یہ توقع رہتی ہے کہ شاید یہی صحیح ہو، وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل اور اپنی نظر کے دھندلے پن کے ساتھ تاریکیوں میں بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے، اس نے حقیقت علم کو پرکھا نہ اس کی تہہ تک پہنچا۔ وہ روایات کو اس طرح درہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو، خدا کی قسم! وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہیں جو اس سے پوچھے جاتے ہیں اور نہ اس منصب کے قابل ہے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے، جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس کو وہ کوئی قابل اعتناء علم ہی قرار نہیں دیتا اور جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہے اس سے آگے یہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے اور جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی اسے پی جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خود جانتا ہے (ناحق بہائے ہوئے خون) اس کے ناروا فیصلوں کی وجہ سے پکار رہے ہیں اور غیر مستحق لوگوں کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں (۲۴۶)

اسی طرح کلینی نے بھی کافی میں روایت کی ہے ـــــ مراجعہ کریں (۲۴۷)

پس وہ شیعیان امیر المومنینؑ جو امر قضاوت میں ذمہ دار بنتے ہیں وہ اس خطبہ شریفہ پر غور و فکر کریں اور وہ اپنے عمل اور تسلط کی طرف ملتفت ہوں جو لوگوں کے خون، عزت و ناموس اور اموال پر انہیں حاصل ہے، وہ دھیان دیں کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ہے ـــــ پس ان پر لازم ہے کہ وہ احتیاط اور غور کریں، جو شخص سبیل احتیاط پر چلے وہ راستے سے ہٹا ہوا نہیں ہے۔

مقنعہ مفید" میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جسے قاضی بنایا جائے تو گویا اسے بغیر چھری کے ذبح کیا گیا ہے"۔ (۲۴۸)

انس بن مالک نے نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "قاضی کی زبان جہنم کی آگ کے دو انگاروں کے درمیان ہے یہاں تک کہ وہ لوگوں کے درمیان قضاوت و فیصلہ کرے، پس وہ یا تو جنت کی طرف یا جہنم کی طرف جائے گا۔ (۲۴۹)

ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ نبی کریمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حدود کے اجراء سے بچاؤ اور اگر ان سے نکلنے کی راہ ہو تو انہیں نکل جانے دو، کیونکہ امام و رہبر معاف کر دینے میں غلطی کر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ غلطی سے سزا دے ڈالے" ژ (۲۵۰)

لیکن اس بناء پر کہ قضاوت ایک امر عظیم ہے کہ اس کے بغیر مسلمانوں کی آبادیوں کا نظام درست نہیں رہتا اور ان کے حقوق کی حفاظت نہیں ہو سکتی، پس جو شخص امر قضاوت کا ذمہ دار بنے اسے اس کا اہل ہونا چاہئے، وہ اپنے عمل میں احتیاط سے کام لے تو خدائے تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے اجر عظیم ہو گا۔ چنانچہ جو شخص امر قضاوت کے لئے علم و قدرت رکھتا ہو اور اس میں شرائط پائے جاتے ہوں، اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس فریضے کو ترک کرے جبکہ قدر کفایت موجود ہو۔

حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "امام عادل کی ایک ساعت ستر سال کی عبادت سے افضل ہے"۔ (۲۵۱)

امیر المومنینؑ نے، مالک اشتر کے نام اپنے خط میں اس شخص کے صفات میں کہ جسے قضاوت کے لئے منتخب کرنا چاہیں ـــــ فرمایا:

" پھر یہ کہ لوگوں کے معاملات و مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمہاری رعایا میں تمہارے نزدیک سب سے بہتر ہو، جو واقعات کی پیچیدگیوں سے تنگی اور الجھن میں نہ پڑتا ہو اور جھگڑا کرنے والوں کے رویئے سے غصے میں نہ آتا ہو، نہ اپنے غلط نظریئے پر اڑتا ہو اور نہ حق کو پہچان کر اسے اختیار کرنے میں طبیعت پر بوجھ محسوس کرتا ہو، نہ اس کا نفس ذاتی طمع پر جھک پڑتا ہو اور نہ پوری چھان بین کیے بغیر کسی معاملے کو سرسری طور پر سمجھنے پر اکتفاء کرتا ہو، شک و شبہ کے موقع پر قدم روک لیتا ہو اور دلیل و حجت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہو، فریقین کی بحثا بحثی سے اکتا نہ جاتا ہو، معاملات کی تحقیق میں بڑے صبر سے کام لیتا ہو اور جب حقیقت آئینہ ہو جاتی ہو تو بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہو، وہ ایسا نہ ہو کہ جسے تعریف مغرور بنا دے اور بڑائی دینا جنبہ داری پر آمادہ کر دے اگرچہ ایسے لوگ کم ہی ملتے ہیں۔

پھر یہ کہ تم خود ان (قاضیوں) کے فیصلوں کا بار بار جائزہ لیتے رہنا اور انہیں دل کھول کر اتنا دینا کہ ان کو لوگوں کی احتیاج نہ رہے اور ان کا عذر برطرف ہو جائے، اپنے ہاں انہیں ایسے باعزت مقام پر رکھو کہ تم تک رسائی رکھنے والے لوگ انہیں ضرر پہنچانے کا خیال تک نہ کر سکیں اور وہ تمہارے التفات کی وجہ سے لوگوں کی سازش سے محفوظ رہیں، اس بارے میں انتہائی بالغ نظری سے کام لینا کیونکہ (اس سے پہلے) دین بدکرداروں کے پنجے میں اسیر رہ چکا ہے کہ جس میں نفسانی خواہشوں کی کار فرمائی تھی اور اسے دنیا طلبی کا ذریعہ بنالیا گیا تھا"۔ (۲۵۲)

پس مسلمانوں کے حاکموں اور والیوں پر لازم ہے کہ وہ امر قضاوت اور قاضیوں کے سلسلے میں وہی اہتمام کریں جیسا کہ امیر المومنین نے کیا اور مالک بن اشتر کو بھی حکم دیا کہ وہ اس معاملے کو اہمیت دیں اور قاضیوں کے لئے ایسا انتظام کریں کہ ان کی حاجات و ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

کنزالعمال میں ہے: "جب خدا کسی قوم کے بارے میں خیر و بہتری کا ارادہ کرتا ہے تو حلیم و بردباد افراد کو ان کے والی، علماء کو ان کے قاضی اور ان میں سخی افراد کو مال دار بنا دیتا ہے۔ لیکن جب وہ کسی قوم کے بارے میں خیر کے علاوہ ارادہ کرتا ہے تو ان میں سے بے عقل افراد کو ان کے والی و حاکم، جاہلوں کو ان کے قاضی اور ان میں بخیلوں کو مال دار بنا دیتا ہے۔ فرعن مہران (۲۵۳)

۵۔ کیا قاضی کے علم کے بارے میں معتبر ہے کہ وہ اجتہاد پر مبنی ہو

کیا قاضی کا علم بذریعہ اجتہاد معتبر ہے یا محض تقلید بھی کافی ہے؟ پہلی صورت میں کیا اس کا مطلق طور پر مجتہد ہونا معتبر ہے یا متجزی ہونا بھی کافی ہے؟

۱۔ شیخ نے الخلاف میں کہا ہے: "اور جائز نہیں کہ قضاوت کا عہدہ کسی کے ہاتھ میں ہو مگر وہ جو ان تمام مسائل کا عارف (عالم ۔خ ل) ہو جن کی ولایت و حکومت اس کے سپرد ہو، اس میں سے کسی امر کا اس کی دسترس سے باہر ہونا جائز نہیں ہے اور اس کے لئے کسی غیر کی تقلید کرنا بھی جائز و درست نہیں ہے کہ پھر وہ اس کے مطابق فیصلے کرے۔

شافعی نے کہا ہے: "قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل اجتہاد سے ہو اور جاہل و عامی نہ ہو، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ان تمام چیزوں کا عالم ہو کہ جن کا متولی و ذمہ دار ہے ــــ اس نے کتاب القدیم میں یہی کہا ہے جو ہم نے بیان کیا۔

ابو حنیفہ نے کہا ہے: "یہ جائز ہے کہ قاضی ان چیزوں سے ناواقف ہو جن کا وہ متولی ہے، درآنحالے کہ وہ قابل وثوق ہے، فقہاء سے فتویٰ لیتا اور اس کے مطابق حکم و فیصلہ دیتا ہے۔ البتہ اس نے ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق کیا ہے کہ عامی آدمی کو فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے اور ہماری دلیل فرقہ امامیہ کا اتفاق اور ان کے اخبار ہیں"۔ (۲۵۴)

۲۔ نہایہ کے باب قضاء میں ہے: "مناسب ہے کہ کوئی شخص قضاوت کا ذمہ دار نہ بنے جب تک اسے اپنے نفس پر وثوق نہ ہو کہ وہ اس منصب پر قائم ہو سکتا ہے اور کوئی شخص اس کے لئے اپنے آپ پر وثوق نہیں کر سکتا، تاوقتیکہ عاقل و کامل اور کتاب خدا کے ناسخ و منسوخ، عام و خاص، مستحب و واجب اور محکم و متشابہ کا عالم نہ ہو، نیز سنت کے ناسخ و منسوخ، لغت عرب سے

واقف، کلام عرب کے معانی پر مطلع، وجوہ اعراب میں بصیر اور اللہ تعالیٰ کے محرمات میں ورع، اسباب دنیا سے زاہد اور زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ بجالانے، برے اعمال سے بچنے والا اور ہوا و ہوس سے پرہیز کرنے والا اور تقویٰ پر مائل نہ ہو ــــ پس جب وہ ان صفات کا حامل ہو جو ہم نے بیان کی ہیں تو پھر اس کے لئے جائز ہے کہ وہ قضاوت اور فیصلے کرنے کی ذمہ داری لے سکتا ہے"۔ (۲۵۵)

صاحب نہایہ کے استاد شیخ مفیدؒ نے بھی مقنعہ میں اسی طرح بیان کیا ہے (۲۵۶)
اس کے علاوہ مبسوط سے بھی شیخ کا کلام آگے آئے گا۔

۳۔ ابن زہرہ نے غنیہ میں کہا ہے: "قضاوت کے متولی و ذمہ دار کے لئے ضروی ہے کہ جس حکم میں اس سے رجوع کیا جائے اس میں وہ حق کو جانتا ہو، اس بات کی دلیل اجماع طائفہ ہے، ایک شخص جس چیز کو نہ جانتا ہو اس کا ایسی چیز کا متولی ہونا قبیح اور اس کا متصدی ہونا درست نہیں ہے۔ اسی طرح والی و حاکم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دینے کا اختیار ہے اور وہ حضرت رسولؐ کا نائب ہے، اس میں شک نہیں کہ علم کے بغیر اس کا حکمرانی کرنا بھی قبیح ہے۔ (۲۵۷)

ارشاد الٰہی ہے:

ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئك هم الكافرون - (۲۵۸)

"وہ جو خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا پس یہی لوگ کافر ہیں"

۴۔ محقق نے باب قضاء میں کہا ہے: "اسی طرح اس عالم کے علاوہ جو فتوے میں مستقل ہو کسی اور کی قضاوت منعقد نہیں ہوتی اور اس عہدے کے لئے دوسرے فقہاء کے فتووں پر عمل کافی نہیں ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ قاضی ان تمام چیزوں کا علم رکھتا ہو جن کا متولی و ذمہ دار بنایا گیا ہے نیز یہ کہ وہ قوی حافظہ رکھتا ہو کیونکہ اگر اس پر نسیان کا غلبہ ہو تو اس کو عہدہ قضاء پر نصب و مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ (۲۵۹)

۵۔ مسالک میں کہا گیا ہے: "اس بیان میں عالم سے مراد احکام شرعی میں مجتہد ہونا ہے اور قاضی میں اجتہاد کی شرط پر ہمارے علماء کا اجماع ہے، نیز یہ کہ اس میں حالت اختیار و اضطرار کا کوئی فرق نہیں ہے۔ (۲۶۰)

۶۔ الجواہر میں ہے: "میں نے اس بات میں کسی کی طرف سے اختلاف نہیں پایا بلکہ مسالک وغیرہ میں اس پر اجماع ہوا ہے کہ جس میں حالت اختیار و اضطرار میں کوئی فرق نہیں ہے"۔ (۲۶۱)

۷۔ ماوردی نے کہا ہے: "ابو حنیفہ نے اس شخص کو قاضی بنانا جائز قرار دیا ہے جو اہل اجتہاد میں سے نہ ہو تاکہ وہ اپنے احکام اور قضایا میں دوسروں سے فتویٰ حاصل کرتا رہے، لیکن جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ ایسے شخص کی ولایت و قضاوت باطل اور اس کے احکام مردود ہیں۔ (۲۶۲)

۸۔ بدایۃ المجتہد میں ہے: "فقہاء نے قاضی کے اہل اجتہاد میں سے ہونے میں اختلاف کیا ہے، شافعی نے کہا کہ اس کا اہل اجتہاد میں ہونا واجب ہے، عبدالوہاب نے بھی مذہب حنابلہ کی طرف سے اس کی تائید کی ہے، لیکن ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ ایک عام آدمی کا حکم و قضاوت کرنا جائز ہے"۔ (۲۶۳)

قاضی میں اجتہاد کے معتبر ہونے کے دلائل

میں کہتا ہوں ــــ قاضی میں اجتہاد کے معتبر ہونے پر جو استدلال کیا گیا ہے اس میں علاوہ اصل کے جو حکم کرتی ہے کہ قضاوت صحیح و نافذ نہیں مگر وہ جو دلیل سے ثابت ہو، نیز وہ اجماع جس کا الخلاف، الغنیہ اور مسالک وغیرہ میں دعویٰ کیا گیا ہے اگرچہ ممکن ہے کہ اس تحقق میں مقبولہ عمر بن حنظلہ، خبر ابو خدیجہ اور توقیع صاحب الامرعجہ سے مفید مناقشہ کیا جائے۔

مقبولہ عمر بن حنظلہ کو کلینی ؒ نے روایت کیا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے ــــ اس نے کہا۔ "میں نے اپنے اصحاب میں سے دو مردوں کے بارے میں سوال کیا کہ جن کے درمیان قرض یا میراث کا جھگڑا تھا، انہوں نے بادشاہ کے قاضیوں کے ہاں مقدمہ و مرافعہ کیا ہے تو کیا یہ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص حق یا باطل میں اپنا مقدمہ ان کے پاس لے جائے تو اس نے طاغوت کو اپنا حکم بنایا ہے۔ پس وہ اس کے حق میں کوئی حکم دے تو (اس کی بناء پر) جو کچھ یہ لے گا وہ حرام ہے اگرچہ وہ اس کا ثابت شدہ حق ہو، کیونکہ اس نے یہ حق طاغوت کے حکم سے لیا ہے جبکہ خدا نے حکم دیا ہے کہ طاغوت کی مخالفت اور اس کا انکار کیا جائے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به - (۲٦٤)

"وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف محاکمہ و مرافعہ کریں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس سے کفر اور انکار کریں"۔

ابن حنظلہ کہتا ہے کہ اس پر میں نے امام ؑ سے عرض کیا کہ وہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: وہ دونوں تم میں سے اس کی طرف رجوع کریں جس نے ہماری حدیث کی روایت کی، ہمارے حلال و حرام میں فکر و نظر کی اور احکام کو پہچانا ہے۔ پس وہ اسے بطور حکم و منصف کے اختیار کریں کیونکہ میں نے اسے تم پر حاکم قرار دیا ہے جبکہ وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ دے۔ پھر اگر اس کا فیصلہ منظور و قبول نہ کیا جائے تو گویا خدا کے حکم کو خفیف سمجھا گیا اور ہمارے قول کو رد کیا گیا ہے، پس جو ہمارے حکم کو رد کرے اس نے اللہ (کے حکم) کو رد کیا اور وہ خدا کے ساتھ شرک کرنے کی حد میں ہے۔

میں نے عرض کیا، پس اگر ان دونوں میں سے ہر ایک ہمارے اصحاب میں سے ایک ایک فرد کو منتخب کرے، پھر دونوں راضی ہوں کہ وہ افراد ان کے معاملے میں غور و فکر کریں لیکن وہ جو حکم لگائیں یہ دونوں اس سے اختلاف کریں تو گویا وہ آپ (اہل بیت ؑ) کی حدیث میں اختلاف کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ فیصلہ و حکم وہی ہے جو ان دونوں میں سب سے زیادہ عادل، فقیہ اور حدیث کے عالم نے دیا ہے، اس لئے اس کے علاوہ دوسرے شخص کے حکم و فیصلے کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ (۲٦۵)

اس حدیث کی سند کے متعلق بحث اس کتاب (کی جلد اول) کے پانچویں باب کی تیسری فصل میں کی گئی ہے ــــ وہاں ملاحظہ کریں، نیز یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ فقہاء نے اس حدیث سے منصب ولایت اور فقیہ کی قضاوت پر استدلال کیا ہے لیکن اس میں قدر متیقن صرف قضاوت ہے، وہ بھی اس حدیث کے نصب پر دلالت کے مفروضے کی صورت میں ہے جیسا کہ آپ کے

ارشاد "یقیناً" میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا ہے" سے ظاہر ہوتا ہے۔
یہاں اس حدیث سے تقریب استدلال یہ ہے کہ آپ کا ارشاد "ہماری حدیث کی روایت کی ہے" یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے حکم و فیصلہ کی بنیاد و اساس عترت طاہرہ کی حدیث ہے جبکہ اس کے مقابل کوئی دوسرا قیاس اور ظنی استحسانات پر تکیہ کرتا ہے۔
پس معلوم ہوا کہ حدیث سے فیصلہ دینے کا اقتضا اس کا مجتہد ہونا ہے کیونکہ مقلد کے علم کا منبع مجتہد کا فتویٰ ہوتا ہے نہ کہ وہ احادیث جو ائمہ طاہرین سے صادر ہوئی ہیں۔
نیز آپ کے ارشاد "ہمارے حلال وحرام میں فکر و نظر کی اور ہمارے احکام کو پہچانا ہو" سے بھی ظاہر ہے کہ وہ اہل نظر اور اہل معرفت میں سے ہے جو ائمہ کے احکام اور حلال و حرام میں ان کے فتاویٰ سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ جو حکم و فیصلہ اس نے دیا ہے وہ انہی ذوات کا حکم ہے۔ یہ چیز بھی اس کے اجتہاد کو عیاں کرتی ہے کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کا مقلد ہو اس پر یہ امر صادق نہیں آتا کہ اس نے فکر و نظر کی اور حقیقت کو پہچانا ہے، اس لئے کہ معرفت کے حصول کا قول اس وقت مطابقت کرتا ہے جب کسی چیز کے تمام اوصاف اور خصوصیات کا علم ہو ___ اور کسی چیز کے متعلق اجمالی علم اور اس کی خصوصیات کے ساتھ اس کی پہچان میں بڑا فرق ہے۔
ائمہ طاہرین سے مروی احادیث میں سے ان کے احکام اور حلال و حرام کے بارے میں ان کے فتاویٰ کی تشخیص جبکہ بظاہر وہ باہم معارض یا شرح و تفسیر کی محتاج ہوں، یہ عمل کسی کے لئے ممکن نہیں ہوتا مگر اس کے لئے جو اجتہاد و فقاہت کی قابلیت رکھتا ہو۔
اسی طرح آپ کا ارشاد کہ سائلوں کے منتخب دو اشخاص میں اختلاف رائے کی صورت میں "حکم و فیصلہ وہ ہے جو ان دونوں میں سے زیادہ عادل، فقیہ اور حدیث میں زیادہ سچے شخص کی طرف سے ہو"
پھر اس حدیث کے ذیل میں راوی کا یہ قول "کیا آپ دیکھتے ہیں کہ اگر ان دونوں فقیہوں نے اس معاملے کا حکم کتاب و سنت سے اخذ کیا ہے" پس یہ سب الفاظ ایسے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص کے لئے فقاہت کا حامل ہونا ضروری ہے جسے امام جعفر صادق نے نصب عمومی کے ذریعے قضاوت پر نصب کیا ہے۔
اس میں یہ احتمال کہ یہاں اجتہاد بطور ذریعہ اخذ کے ہے نہ کہ بطور موضوع ___ پس اصل مقصد احکام پر مطلع ہونا اور قضاوت کا وقوع کے موافق ہونا ہے چاہے وہ تقلید ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو، لیکن یہ احتمال ظاہر حدیث کے مخالف ہے۔ تاہم احکام کے بارے میں علم اجتہادی ___ علم تفصیلی ہے جو ان پر احاطہ و عبور سے عبارت ہے اور قوی احتمال یہ ہے کہ ملکہ اجتہاد قضاوت ایسے بلند منصب کے لئے موضوعیت رکھتا ہے۔
اب رہی خبر ابو خدیجہ تو اس میں پہلی خبر وہ ہے جسے اس نے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "یہ جو تم میں سے بعض افراد کسی کے خلاف اپنے مقدمے اہل جور کے پاس لے جاتے ہیں تو ایسا کرنے سے بچو اور پرہیز کرو ___ ہاں دیکھو کہ تم اپنے لوگوں میں ایسے شخص کو چن لو جو ہمارے احکام اور فیصلوں کو جانتا ہے۔ اسے اپنا حکم قرار دو کیونکہ میں نے اسے تمہارے لئے قاضی مقرر کیا ہے پس اپنے مقدمے اس کے پاس لے جاؤ" ۔ (۲۶۶)

ابو خدیجہ کی دوسری خبر یہ ہے کہ اس نے کہا: "امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ نے مجھے اپنے لوگوں کی طرف بھیجا اور فرمایا: ان سے کہنا کہ جب تمہارے درمیان کوئی نزاع یا لین دین کا جھگڑا ہو تو اس سے بچو کہ اسے فاسقوں کے پاس لے جاؤ۔ پس تم میں وہ افراد جو ہمارے حلال و حرام کو پہچانتے ہیں ان میں سے کسی کو چن لو اور اس سے اپنا فیصلہ کراؤ کیونکہ میں نے اسے تمہارے لئے قاضی قرار دیا ہے۔ یاد رکھو کہ تم میں سے کوئی بھی اپنا مقدمہ حاکم جور کے پاس نہ لے جائے"۔ (۲۶۷)

ان دونوں روایات سے استدلال کی وجہ واضح ہے خصوصاً دوسری روایت کے ساتھ کہ لفظ معرفت کسی چیز کے تمام خصوصیات پر احاطہ رکھنے کے مفہوم کا حامل ہوتا ہے۔ بہت ہی قوی احتمال ہے کہ یہ دونوں خبریں اپنی مراد میں متحد ہوں۔ پس پہلی کے کفایت تجزی میں ظہور پر اعتماد مشکل ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

باقی رہی توقیع تو وہ یعقوب بن اسحاق نے حضرت صاحب الامرؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "رہ گئے واقع ہونے والے حوادث تو ان میں ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں ان پر خدا کی حجت ہوں۔ (۲۶۸)

اس بناء پر اس جعل و تقرر میں ولایت و حکومت اور قضاوت بھی شامل ہو سکتی ہے جیسا کہ اثبات ولایت کی فصل میں بیان ہو چکا ہے۔

اس توقیع مبارک سے تقریب استدلال یہ ہے کہ ارجاع (رجوع کرانا) حدیث کے راویوں کی طرف واقع ہوا ہے اور مقلد کے علم کی بنیاد احادیث نہیں ہوتیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

پس یہ روایات ہیں کہ جن سے قاضی کے لئے اجتہاد کے معتبر ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ سلیمان بن خالد کی خبر میں "حکومت و فیصلہ کرنے کا حق اس امام و رہبر کو ہے جو قضاوت کا عالم ہو" یہ لفظ عالم دیگر اخبار میں بھی اس علم کی طرف منصرف ہے جو اجتہاد کے ذریعے حاصل ہوا ہو کیونکہ مقلد کو عالم نہیں کہا جا سکتا مگر یہ کہ عنایت و مجاز سے کہا جائے۔

صاحب الجواہر کا کلام

جو کچھ الجواہر میں کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: "کتاب و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن سے حق، عدل اور انصاف کا حکم صحیح ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان اللہ یامرکم ان تئودوا الامانات الی اھلھا. واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل – (۲۶۹)

" خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان حکم و فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے حکم کرو"۔

یایھا الذین اٰمنوا کونوا قوّامین للّٰہ شھداء بالقسط. ولا یجرمنّکم شنآن قوم علٰی ان لاتعدلوا، اعدلوا ھو

اقرب للتقویٰ - (۲۷۰)

"اے ایمان دارو! خدا (کی خوشنودی) کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو تیار رہو اور تمہیں کسی قبیلے کی عداوت اس جرم میں نہ پھنسا دے کہ تم بے انصافی کرنے لگو (بلکہ) تم (ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہی پرہیز گاری کے بہت قریب ہے"۔

یایها الذین اٰمنوا کونوا قوّامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین. ان یکن غنیاً اوفقیراً فالله اولٰی بهما. فلاتتّبعوا الهوي ان تعدلوا - (۲۷۱)

"اے ایمان والو! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور خدا لگتی گواہی دو اگرچہ (یہ گواہی) خود تمہارے یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کے لئے مضر (ہی کیوں نہ) ہو، خواہ مالدار ہو یا محتاج (کیونکہ) خدا تو (تمہارے بہ نسبت) ان پر زیادہ مہربان ہے تو تم حق سے کترانے میں خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو"۔

ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الکافرون. ..... ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون. .... ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الفاسقون - (۲۷۲)

"جو خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے وہ کافر ہے .... وہ ظالم ہے .... وہ فاسق ہے"۔

امیر المومنین امام علیؑ نے فرمایا: "حکم دو طرح کے ہیں ــــ اللہ کا حکم اور جاہلیت کا حکم تو جو اللہ کے حکم میں خطاء کر جائے وہ جاہلیت کا حکم لگاتا ہے"۔ (۲۷۳)

امام ابو جعفر محمد باقرؑ نے فرمایا: "حکم دو طرح کے ہیں ــــ اللہ کا حکم اور اہل جاہلیت کا حکم اور اللہ عز وجل نے کہا ہے کہ "اللہ سے بہتر کون حکم لگاتا ہے اس قوم کے لئے جو یقین رکھتی ہے" اور میں گواہی دیتا ہوں کہ زید بن ثابت نے فرائض میں جاہلیت کے مطابق حکم دیا ہے"۔ (۲۷۴)

اس کے علاوہ اور بھی نصوص ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اصل مقصد حق کے مطابق حکم کرنا ہے اور وہ نبی کریمؐ اور ان کے اہل بیتؑ کے ساتھ ہے، اس میں شک نہیں کہ وہ شخص بھی اس زمرے میں آجاتا ہے جس نے مثلاً ان سے چند احکام سنے اور ان کے تحت لوگوں میں حکم و فیصلہ دیا ہو، اگرچہ وہ درجہ اجتہاد پر فائز نہ ہو۔

ابو خدیجہ کی خبر میں ہے: "تم اپنے لوگوں میں سے ایسے شخص کو تلاش کرو جو ہمارے احکام اور فیصلوں میں سے بعض کو جانتا ہے، پس اس کو اپنے درمیان مقرر و معین کر لو کیونکہ میں نے اسے قاضی قرار دیا ہے اور مقدمہ و محاکمہ اس کی طرف لے جاؤ"۔ (۲۷۵)

اس بناء پر اس سے مراد مجتہد کی نسبت عموم ہے بلکہ شاید یہ طریق کار ظنی اجتہادی احکام کے مقابلے میں بہتر ہو، نیز بعض اوقات یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس کے پاس صحیح اجتہاد یا تقلید سے احکام اہل بیتؑ ہوں اور ان کے تحت لوگوں کے درمیان حکم و فیصلہ کرے وہ بھی اس میں داخل ہے اور اس کا فیصلہ عدل و قسط پر ہوگا۔

البتہ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ اس حکم و فیصلہ کی صحت ائمہ طاہرینؑ سے اذن و اجازت پر موقوف ہے اور اس قول کی بنیاد سلیمان

بن خالد (۲۷۶) وغیرہ کی خبر پر ہے جو اقتضاء کرتی ہے کہ حکم اور اس پر عمل کا مرتب ہونا امام کی طرف سے اذن و نصب کی وجہ سے ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ نصوص ان کے ایسے شیعوں کے لئے اذن پر دلالت کرتی ہیں جو ان کے احکام کے محافظ ہیں تاکہ وہ ان احکام کے تحت جو قطع و یقین کے ساتھ ان تک پہنچیں، لوگوں کے درمیان حکم و فیصلہ کریں یا صحیح اجتہاد سے یا اسی قسم کی تقلید سے حکم دیں۔

عبداللہ بن طلحہ کی خبر میں ہے: "ایک چور کسی عورت کے گھر میں داخل ہوا، اس کے بیٹے کو قتل کر دیا اور اس کے کپڑے اٹھا لئے ـــــ سائل نے امام جعفر صادقؑ سے اس کے بارے میں حکم و فیصلہ کرانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ان کے درمیان امام کے فرمان کے مطابق فیصلہ کرے۔ (۲۷۷)

وہ جو نصوص میں فیصلے دینے سے شدت کے ساتھ روکا گیا ہے تو یہ ان لوگوں سے متعلق ہے جو ائمہ طاہرینؑ سے اعراض کرتے اور اپنی آراء و قیاسات کے مطابق حکم و فیصلہ کا اجراء کرتے تھے۔

حلبی نے کہا ہے: "میں نے امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ بعض اوقات ہمارے لوگوں سے دو افراد کے درمیان تنازعہ ہو جاتا ہے اور وہ ہم میں سے ایک شخص کے فیصلے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص نہیں (جس سے فیصلہ کرانے سے منع کیا گیا ہے) بلکہ وہ ممانعت ایسے شخص سے کی گئی ہے جو اپنا حکم و فیصلہ منوانے کے لئے تلوار اور کوڑے سے کام لیتا ہے۔ (۲۷۸)

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جو عطائے اذن کو ثابت کرتی ہو، پھر بھی نصوص میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو یہ بتاتی ہو کہ اس ضمن میں اذن دینا جائز نہیں ہے۔ بعض مواقع پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ کے زمانے میں جن افراد کی طرف قضیے اور مقدمے لے جانے کا حکم دیا گیا تھا، وہ درجہ اجتہاد پر فائز نہ تھے اور ان ارشادات نبوی کے مطابق فیصلے کرتے تھے جو انہوں نے آپ سے سن رکھے تھے۔

زمانہ غیبت میں خصوصیت کے ساتھ مجتہد کو نصوص کے ظہور کے مطابق نصب کیا جانا اس بات کا اقتضاء نہیں کرتا کہ غیر مجتہد کو نصب کرنا جائز نہیں ہے، اس بناء پر ممکن ہے اور شاید ظاہر یہ ہے کہ اس سے ہر معاملے میں نصب عمومی مراد ہے۔ وہ اس طرح کہ مجتہد کو وہی اختیارات ہیں جو امامؑ کے لئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجتہد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے مقلد کو نصب کرے تاکہ وہ اسی کے فتاویٰ کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے جو ائمہ طاہرینؑ کے احکام سے مستفاد ہیں۔

قاضی کے لئے اجتہاد کے معتبر ہونے پر دعوائے اجماع کے بارے میں کوئی قول میرے لئے محقق و ثابت نہیں اور شاید اس کے برعکس قول ثابت ہے، کیونکہ تنقیح میں مبسوط سے تین اقوال نقل ہوئے ہیں اور پہلا قول یہ ہے کہ قاضی کا عامی ہونا جائز ہے جبکہ اس نے فقہاء سے استفتاء کیا ہو اور وہ ان کے فتوے کے مطابق فیصلہ کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مجتہد کے فتاویٰ ائمہ طاہرینؑ کے احکام ہیں پس یہ فیصلہ انہی کے احکام کے مطابق ہوا ہے۔ خصوصاً جب ہم دیکھتے ہیں زمانہ غیبت میں قضاوت کرنا احکام شرعی کے باب میں سے ہے اور نصب قضائی کے طور پر نہیں ہے۔ اگر آپ کے ارشاد "میں نے

اس کو قاضی و حاکم مقرر کیا ہے" سے مراد یہی ہو تو اس صورت میں ان احکام سے مقلد کا فیصلہ مجتہد کے فیصلے کی مانند ہے کیونکہ ان سب کی بازگشت لوگوں کے درمیان اہل بیتؑ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کی جانب ہے۔ واللہ العالم (۲۷۹)
جو کچھ الجواہر میں بیان ہوا ہے وہ ہماری تلخیص کی صورت میں ختم ہوا، اس کی طوالت کے باوجود ہم نے اس کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہ ان تمام اہم امور پر مشتمل ہے جن سے قاضی میں اجتہاد کے معتبر نہ ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

الجواہر کے مندرجات کا جواب

میں کہتا ہوں ــــ الجواہر میں قاضی کے لئے اجتہاد کے معتبر نہ ہونے پر جو استدلال کیا گیا ہے اس کا ماحصل و خلاصہ یہ چند امور ہیں:

(۱) ان ادلہ کا اطلاق جو حق، عدل اور قسط کے مطابق فیصلہ و حکم کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔
(۲) تین آیات قرآنی کا مفہوم
(۳) وہ ادلہ جو حق کے مطابق حکم کرنے پر دلالت کرتی ہیں
(۴) خبر ابو خدیجہ
(۵) خبر عبداللہ بن طلحہ
(۶) حلبی کی خبر
(۷) نبی اکرمؐ کے زمانے میں جن افراد کے پاس مقدمات لے جانے کا حکم تھا، مثلاً معاذ بن جبل وغیرہ درجہ اجتہاد پر فائز نہ تھے"
(۸) زمانہ غیبت میں خصوصیت سے مجتہدین کا نصب ہونا یہ اقتضاء نہیں کرتا کہ غیر مجتہد کو نصب کرنا جائز نہیں ہے
(۹) ولایت فقیہ کے عموم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مجتہد کو حق ہے کہ وہ اپنے مقلد کو قضاوت کے لئے نصب و مقرر کرے
(۱۰) قاضی میں اجتہاد کے معتبر ہونے میں جس اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ ثابت نہیں ہوسکا
(۱۱) زمانہ غیبت میں قضاوت احکام شرعی کے بیان کرنے کے باب میں ہے اور یہ نصب قضائی کے طور پر نہیں ہے۔

پہلے امر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اولاً وہ ادلہ اس چیز کے بیان میں ہیں کہ حکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ حق، عدل اور قسط کے مطابق ہو، لیکن وہ اس مطلب کے بیان میں نہیں کہ حق حکم کس کو ہے اور اس کے شرائط کیا ہیں، لہٰذا اس جہت سے اس میں اطلاق نہیں ہے۔ ثانیاً ہماری طرف سے یہ بیان گزر چکا ہے کہ وہ احکام جو معاشرے سے بحیثیت معاشرہ متعلق ہیں وہ معاشرے کے نمائندے کی طرف لوٹتے ہیں کہ جو معاشرے کی ترجمانی و نیابت کرتا ہے اور وہ حاکم ہے، لہٰذا معاشرے کی اکائیوں کے لئے ان احکام کے درپے ہونا جائز نہیں ــــ کیونکہ اس سے ہرج و مرج لازم آتا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ پہلی آیت میں خطاب اس سے ہے کہ جس کے پاس امانتیں ہیں، فریقین کے اخبار میں امانات کی تفسیر امارت و ولایت سے کی گئی ہے جیسا کہ اس کتاب (کی جلد اول) کے پانچویں باب کی تیسری فصل میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

اس کی طرف رجوع کریں۔

پس اس آیت میں مخاطب والی و حاکم ہیں نہ عام لوگ ــــ اس میں غور کریں!

" خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان حکم کرو تو وہ عدل کے مطابق ہو"۔

معلیٰ بن خنیس سے روایت ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد امام جعفر صادقؑ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا: "امام کا عدل یہ ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اپنے بعد والے امام کے سپرد کرے ائمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ عدل کے ساتھ فیصلے کریں اور لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ائمہ کی اتباع و پیروی کریں (۲۸۰)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت میں مخاطب امام ہے اور ادائے امانات و حکم بالعدل ہر دو ذمہ داریوں کا مکلف وہی امام ہے ــــ پس غور کریں۔

دوسرے امر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ما انزل اللہ کے علاوہ تینوں آیات حکم کی حرمت کے بیان میں ہیں اور اس چیز کے بیان میں نہیں کہ حق حکم کسے ہے اور اس کے شرائط کیا ہیں، لہٰذا ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حکم کرنا ہر ایک کے لئے جائز ہے کیونکہ اس جہت سے ان میں اطلاق نہیں ہے۔

تیسرے امر پر بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو پہلے پر وارد ہوا ہے ــــ اس کی طرف رجوع کریں۔

چوتھے امر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ کے احکام اور فیصلوں کو جاننا اور پہچاننا فقیہ کے ساتھ مختص ہے یا اس کی طرف منصرف ہے کیونکہ یہ بیان گزر چکا کہ لفظ علم و عالم اس شخص سے متعلق نہیں کہ جو دوسرے کا مقلد ہو، البتہ اس روایت کی صحت کو فرض کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ تجزی بھی کفایت کرتی ہے لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ قاضی مطلقاً صاحب اجتہاد ہو۔

پانچویں امر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص واقعہ اور قضیہ تھا اور شاید مخاطب مجتہد تھا، نیز اس زمانے میں اجتہاد آسان تھا اور ہمارے آج کے دور کی مانند بہت سے مقدمات اور علوم پر موقوف نہ تھا۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ جو شخص نبی کریمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی روایات کے تحت اللہ تعالیٰ کے احکام کا استنباط کرنے کی اہلیت و قدرت رکھتا ہو وہ صفت اجتہاد سے متصف قرار پاتا تھا۔ یعنی وہ ان لوگوں میں شمار ہوتا کہ جنہوں نے ان کی احادیث روایت کیں، ان کے بتائے ہوئے حلال و حرام پر غور و فکر کیا اور ان کے احکام کو پہچانا ہے، پس وہ فقیہ و مجتہد متصور ہوتا اور نبی اکرمؐ و ائمہ طاہرینؑ کے اصحاب ایسے ہی تھے ــــ اسے یاد رکھیں۔

علاوہ ازیں آپ کے اس ارشاد، اس طرح قضاوت کرو جس طرح میں نے تم سے بیان کیا ہے" کے مطابق یہ قضاوت حکم شرعی بیان کرنے کے معنی میں ہو نہ کہ قضاوت اصطلاحی جس کا مطلب ولایت و حکومت پر متصرف ہونا اور انشاء حکم کرنا ہے ــــ پس اس پر غور کریں۔

چھٹا امر کہ جو حلبی کی خبر ہے تو اس سے تقریب استدلال یہ ہے کہ امامؑ نے تفصیل کے بارے میں سوال نہیں کیا اور تفصیل کا ترک کرنا عموم چاہتا ہے اور وہ غیر مجتہد کو بھی شامل ہے، جیسا کہ عدم جواز کا اس کے لئے حصر کرنا کہ جو اپنے حکم پر تلوار سے

عمل کراتا ہے ـــــ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسے شخص کے علاوہ دوسرے کی قضاوت مطلق طور پر جائز ہے۔ اس خبر کی سند صحیح ہے جسے شیخ نے اپنے اسناد کے ساتھ حسین بن سعید، ابن ابی عمیر، حماد اور حلبی کے واسطے سے روایت کیا ہے ـــــ اسے یاد رکھیں:

لیکن اس خبر پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں:

اولاً یہ کہ یہ خبر قضاوت میں نص نہیں ہے، شاید وہ جس پر فریقین راضی ہوگئے ہیں اس نے ان کے درمیان اس طرح کی مصالحت کرا دی ہو کہ جو بہت سے موارد میں متعارف ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں طرفین تنازعہ کی طرف سے حکم و فیصل منتخب کیا جاتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ آپ کا ارشاد "یہ وہ شخص نہیں ہے" اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ کلام ایک اور گفتگو کے بعد تھا جو ہمارے لئے نقل نہیں ہوئی اور شاید اس میں کوئی اور چیز مراد تھی، پس اس کے ہوتے ہوئے تفصیل کے بارے میں امامؑ کے سوال نہ کرنے پر اعتماد مشکل ہے۔

ثالثاً ممکن ہے کہ کہا جائے یہ خبر عقد اثبات کے بیان میں نہیں تاکہ اس میں اطلاق سے تمسک کیا جائے بلکہ یہ عقد نفی کے مقام پر ہے، یعنی وہ شخص جو اس زمانے میں لوگوں کو اپنے حکم کے آگے جبراً سرنگوں کراتا تھا ـــــ قضاوت کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا تھا اور اس میں حصر یقیناً اضافی ہے، کیونکہ بدیہی و ضروری ہے کہ اہل خلاف کے قاضیوں اور دوسرے لوگوں کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں جو قاضی کے شرائط کے حامل نہ ہوں، چاہے وہ صاحب اختیار و اقتدار نہ ہوں لہٰذا یہ حصر اس کے غیر پر مطلق دلالت نہیں کرتا۔

رابعاً یہ کہ عموم کے ثبوت کے مفروضہ کی بناء پر یہ مقبولہ وغیرہ سے تخصیص پاتا ہے جو قاضی میں اجتہاد کے معتبر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

ساتویں امر پر وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو گزر چکا ہے کہ اس زمانے میں اجتہاد سہل و آسان تھا، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب نبی کریمؐ نے معاذ بن جبل سے فرمایا کہ تم کس ذریعہ سے قضاوت کروگے تو اس نے کہا کہ خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت سے ـــــ گویا اس وقت کتاب و سنت کو سمجھنے اور ان دونوں سے استنباط کرنے کے سوا اجتہاد کی کوئی اور صورت نہ تھی اور اسی کا نام اجتہاد تھا، پس غور کریں۔

آٹھویں امر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مقبولہ و مشہورہ کا ظہور شرعی طور پر قضاوت کا ان افراد میں محصور و محدود ہونا ہے جو قاضی کے لئے مذکورہ شرائط کے حامل ہوں، کیونکہ ان دونوں سے ظاہر ہے کہ یہ قاضی کے شرائط اور جس کی طرف مقدمہ لے جایا جائے اس کی تحدید اور بیان کے مقام پر ہیں نہ کہ صرف ان کے بیان و اظہار میں ہیں جن کو امام نے اپنی طرف سے نصب کرنے میں معتبر قرار دیا ہو، پس غور کریں۔

نویں امر کا جواب بھی اسی بیان سے ظاہر ہوتا ہے اور اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

دسویں امر میں جو اجماع کی نفی کی ہے تو شاید وہ صحیح ہے کیونکہ ہمارے ہاں اجماع کے مخالف نظریہ رکھنے والے موجود ہیں،

جیسا کہ کتاب مبسوط کی نقل سے گمان ہوتا ہے۔ بلکہ اس بناء پر جو گزر چکا ہے کہ اجماع کی بنیاد اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ اس سے کلام معصوم کا حدس قطعی حاصل ہو اور یہاں اس کا ثبوت مشکل ہے۔ نیز یہ کہ بہت سے قدماء اس مسئلہ سے متعرض نہیں ہوئے اور بعض اس سے متعرض ہوئے ہیں، لیکن یہ ہمارے لئے مضر نہیں ہے کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ اصل کا اقتضاء اور اسی طرح مقبولہ کی دلالت بھی قاضی میں اجتہاد کے معتبر ہونے پر ہے۔

لیکن یاد رہے کہ کلام مبسوط کا ظہور قاضی میں اجتہاد کا معتبر ہونا ہے جس پر ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے اور اس بارے میں عدم اعتبار کے قائل ابو حنیفہ اور ان کے تابعین ہیں ـــــ المبسوط میں کہا گیا ہے۔ "کسی شخص کے لئے قضاوت منعقد نہیں ہوتی مگر تین شرائط کے ساتھ اور وہ یہ ہیں کہ وہ اہل علم، اہل عدالت اور اہل کمال ہو۔ ایک گروہ کے نزدیک اہل علم ہونے کی جگہ اس کا اہل اجتہاد ہونا معتبر ہے۔ لیکن کوئی شخص عالم نہیں ہو سکتا جب تک کہ کتاب، سنت، اجماع، اختلاف اور عربی زبان کا عارف نہ ہو اور ان کے نزدیک قیاس بھی ان چیزوں میں شامل ہے۔

کتاب کے بارے میں ضروری ہے کہ وہ اس سے متعلق پانچ علوم ـــــ عام و خاص، محکم و متشابہ، مجمل و مفصل، مطلق و مقید اور ناسخ و منسوخ کا عالم ہو............

اسی طرح سنت کے بارے میں بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اس میں پانچ اصناف علم کو جانتا ہو ـــــ یعنی متواتر و احاد، مرسل و متصل، مسند و منقطع، عام و خاص اور ناسخ و منسوخ ....

بعض لوگ قاضی کے عامی ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ علماء سے فتویٰ حاصل کر کے لوگوں میں قضاوت و فیصلہ کرے لیکن ہمارے نزدیک پہلا قول ہی صحیح ہے۔ (۲۸۱)

میں کہتا ہوں ـــــ انہوں نے لفظ عالم جس مفہوم میں فرمایا ہے وہ مجتہد مطلق کے برابر ہے اور آپ نے اس مسئلے میں تین قول ذکر نہیں کئے جیسا کہ الجواہر میں تنقیح سے حکایت کی گئی ہے، بلکہ دو قول نقل کئے ہیں ـــــ اجتہاد کا معتبر ہونا اور نہ ہونا، ان کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ پہلے قول پر علماء شیعہ کا اتفاق ہے، پس ان کا یہ قول "ایک قوم کے نزدیک عالم ہونے کی جگہ اس کا اہل اجتہاد میں سے ہونا ہے" یہ کوئی دوسرا قول نہیں بلکہ پہلے قول کی دوسری تعبیر ہے۔ نیز ان کا یہ قول "لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو قاضی کے عامی ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں" اس سے مراد علماء شیعہ نہیں ہیں بلکہ علماء اہل سنت مثل ابو حنیفہ اور ان کے ساتھی مراد ہیں ـــــ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

بہرحال ہم قدماء میں کوئی ایسا عالم نہیں پاتے جس نے قاضی میں اجتہاد کے معتبر نہ ہونے کی تصریح کی ہو، نیز نہایہ اور اسی طرح مقنعہ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ لفظ اجتہاد سے تعبیر کئے بغیر کہا گیا ہے کہ قاضی میں کتاب و سنت سے استنباط کی اہلیت و قدرت ہونا معتبر ہے۔

گیارہویں امر پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ مقبولہ و مشہورہ کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ ان دونوں سے حاکم و قاضی کا نصب کرنا ظاہر ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے کہ اس حکم کو عہد نبوت کے ساتھ مخصوص کیا جائے۔ اس لئے کہ زمانہ غیبت میں امر قضاوت کو معطل کرنا اور مسلمانوں کا اس ضروری امر سے محروم ہونا ممکن نہیں کہ جس پر حقوق اور نظام کی حفاظت کا دارومدار

ہے، اگرچہ امام العصرؑ کی غیبت جتنی بھی طوالت پکڑ جائے، اسے یاد رکھیں۔

جامع المدارک میں بعض اساتذہ کے کلمات

جامع المدارک فی شرح المختصر میں سے بعض اساتذہ کے کلام کا ہم اس طرح خلاصہ و وضاحت کرتے ہیں:
"مشہور یہ ہے کہ قضاوت شرعی مناصب میں سے ایک منصب ہے، اس میں غیر کے نفس، اس کے مال یا اس کے امور میں ولایت و تسلط مثل باپ دادا کی ولایت کے ہے اور وہ امر بمعروف اور نہی از منکر کی طرح نہیں ہے۔

قرینہ ذیل سے مقبولہ کا ظاہر یہ ہے کہ آپ کے ارشاد "پس اگر فریقین میں سے ہر ایک ہمارے اصحاب میں سے ایک ایک شخص کو منتخب کرے اور وہ ان دونوں کے فیصلہ دینے پر راضی ہو جائیں، پھر وہ دونوں غور و فکر کریں لیکن حکم و فیصلہ میں باہم اختلاف کریں جب کہ دونوں ہی آپ کی حدیث کی بناء پر اختلاف کر رہے ہوں ___ تب آپ نے فرمایا کہ "حکم و فیصلہ وہ ہے، جو ان دونوں میں سے زیادہ عادل، زیادہ فقیہ اور حدیث میں زیادہ سچے نے دیا ہے"۔

جب وہ مورد شبہات حکمیہ میں سے ہو اور اختلاف حکم میں ہو تو ان میں حاکم کی طرف سے انشاء حکم کے ذریعے قضاوت کرنے کا لزوم متصور نہیں ہے، کیونکہ ان میں لزوم شارع کی طرف سے ثابت ہے اور اس کے مافوق والی کی طرف سے لزوم معقول نہیں ہے۔ ان موارد میں حاکم کا امر و حکم نہیں ہو گا مگر حکم شارع کے ارشاد کے طور پر مثل امر بمعروف اور فقیہ کے اوامر کے مثل بیان احکام بلکہ نبی اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے بیان کی طرح ہو گا۔

پس اگر وارث اور اجنبی موہوب لہ جسے مرض موت میں ہبہ کیا گیا ہے، وہ اس بات میں نزاع کریں کہ مریض کے مواعید ثلث میں سے ہیں یا اصل میں سے ہیں یا وارث زوجہ کی مکانات کے علاوہ اراضی سے محرومی میں اختلاف کریں، اس وقت مواعید کی رقم ثلث یا اصل میں سے نکالنے اور زوجہ کے محروم یا محروم نہ ہونے میں حاکم جو حکم کرے وہ اس حکم الٰہی کا بیان کرنا ہے جو شارع کی طرف سے ثابت ہے اور اس کے علاوہ اس کی اور کوئی حیثیت نہ ہو گی، اس بناء پر مقبولہ استفتاء و افتاء (فتویٰ لینے اور دینے) سے مربوط ہے نہ کہ قضاوت سے جو ولایت کو عمل میں لانے پر مشتمل ہے۔

البتہ اختلاف موضوعی میں ولایت کے عمل میں لائے جانے کا تصور کیا جاتا ہے، جیسا کہ دو اشخاص کسی مال میں جھگڑا کریں جب کہ ایک مدعی اور دوسرا منکر یعنی انکار کرتا ہو۔ پس اس میں اگر قاضی کے روبرو گواہ لانے یا قسم کھانے سے اس جھگڑے کا فیصلہ ہو جائے تو یہ قضاوت ہو گی یہاں تک کہ اس کے حق میں بھی جو اس فیصلے کے خلاف یقین رکھتا ہے، کیونکہ صورت واقعہ قاضی کے لئے مشخص نہیں اور اس میں شرعی مقررات کے مطابق رفع نزاع کرنا مقصود ہے۔

علاوہ ازیں اگر ہم فرض کریں کہ اختلاف حکم شرعی کلی میں تھا تو کس طرح ممکن ہے کہ اس میں حاکم کی طرف مراجعہ کیا جائے جب کہ حاکم اور جس کے خلاف حکم لگایا جا رہا ہے وہ اجتہاداً یا تقلیداً حجت میں باہم اختلاف رکھتے ہوں، پھر حاکم کا حکم اس شخص کے متعلق کس طرح نافذ ہو جو اسے اجتہادی یا تقلیدی طور پر باطل تصور کرتا ہے۔ ادھر مقبولہ میں مذکور ہے کہ جب وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور اسے قبول نہ کیا جائے تو گویا خدا کے حکم کو بے حقیقت سمجھا گیا ہے جب کہ بعض

اوقات محکوم علیہ شبہ حکمیہ کے تحت اس کے فیصلے کو ان کے حکم کے مطابق نہیں سمجھتا اور اسے ان کے حکم کے خلاف گردانتا ہے۔

ممکن ہے کہ اشکال کا تقرر تیسری طرح سے کیا جائے اور وہ یوں کہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے ...... وجوب قبول کا موضوع اس بات کی تشخیص ہے کہ اس کا حکم اہل بیتؑ کے احکام میں سے ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ایسی تشخیص فریقین کریں گے۔ یعنی وہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ یہ حکم اہل بیتؑ کا ہے نہ کہ حاکم یہ تشخیص کرے اور وہ ایسا اعتقاد رکھتا ہو۔ جب وہ اس امر کی تشخیص کر لیں تو وہ قبول کرنے کا لزوم اسی وجہ سے ہو گا اور حکم حاکم ہونے کے باعث نہیں ہو گا کیونکہ اصل میں یہ حکم اس کا نہیں مگر امر بمعروف کی طرح کا نہ کہ ولایت کو عمل لانے کی صورت رکھتا ہو۔ اس سلسلے میں یہ فرق نہیں رکھا جاتا کہ حاکم مجتہد مطلق ہو یا متجزی ہو یا مقلد ہو کیونکہ متخاصمان ایسا حکم قبول واخذ نہیں کریں گے مگر وہ جو ان کی نظر اور ان کے اعتقاد میں اللہ کا حکم قرار پا جائے ــــ بہر حال مقبولہ قضاوت کرنے سے نہیں فتویٰ دینے کے باب سے ہے۔

پس اگر آپ کہیں کہ امامؑ کا قول "تحقیق میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا" منصب کے جعل اور تقرر پر ظہور رکھتا ہے، اس لئے وہ فتویٰ دینے کے باب سے نہیں ہے۔ اس پر میں یہ کہوں گا کہ شاید یہاں جعل، قول و تعریف کے معنی میں ہے جیسا کہ لسان العرب کے حوالے کے ساتھ زجاج سے گزر چکا ہے کہ قول باری تعالیٰ ہے: "انہوں نے ملائکہ کو جو رحمٰن کے بندے ہیں مؤنث قرار دیا ہے"۔ پس رجوع کریں۔ (۲۸۲)

پس ان کا کلام ہماری کچھ وضاحت کے ساتھ ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں ــــ ممکن ہے کہ آنجناب کے اشکال کا جواب یہ دیا جائے کہ اولاً سائل کے قول "ان دونوں کے درمیان قرض یا میراث میں نزاع ہے" کا ظاہر یہ ہے کہ نزاع ایک موضوع میں ہے اور حکم میں نہیں ہے، کیونکہ اختلاف و نزاع (دربارۂ قرض) زیادہ تر موضوع میں ہوتا ہے اور امامؑ کے قول "میں نے اس کو تم پر حاکم مقرر کیا ہے" کا ظاہر بھی یہی ہے کہ منصب جعل کیا گیا ہے اور یہ احتمال کہ جعل کا معنی قول یا تعریف ہو تو یہ بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے۔

پس مقبولہ تین حصوں پر مشتمل ہے، اس کا پہلا حصہ موضوعات میں باب قضاء یا اس سے عام اور احکام سے مربوط ہے ــــ اس کا درمیانی حصہ یعنی آپ کا قول "پس اگر ہر شخص ایک آدمی کو منتخب کرے" یہ دو مجتہدوں کے حکم میں باہمی اختلاف کرنے سے متعلق ہے اور ان میں سے ایک کو افقہ (زیادہ فقیہ) ہونے کے لحاظ سے ترجیح ہوگی ــــ اس کا آخری اور تیسرا حصہ دو حدیثوں کے اختلاف اور حدیث کے مرجحات کے بیان سے مرتبط ہے جو کہ شہرت اور خدا کی کتاب سے موافقت وغیرہ ہے، پس رجوع کریں۔ نیز یہ کہ ایک ہی روایت کا مختلف احکام اور متعدد مسائل پر مشتمل ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جیسا کہ انہیں دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

ثانیاً جو بات انہوں نے آخر میں کہی ہے اس ممانعت کے بارے میں کہ فریقین کی تشخیص سے مراد یہ نہیں کہ حاکم کا حکم ہر ہر واقعہ میں ائمہ طاہرینؑ کا حکم ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حاکم کا حکم ان کی حدیث سے سند رکھتا ہو ان احکام کے مقابلے میں جو قیاس اور ظنی استحسان سے تعلق رکھتے ہیں، جیسا کہ امامؑ کا قضاۃ جور کی طرف رجوع کرنے سے منع فرمانا اور اس کی

طرف رجوع کرانا جو ان کی حدیث کی رعایت کرے اور ان کے حلال و حرام پر نظر رکھے. یہ نہی اور امر شہادت دیتا ہے کہ حکم ان کی تعلیمات کے موافق ہونا چاہئے. پس جب حاکم ان کے شیعوں میں سے ہو تو لامحالہ اس کا حکم ان کے موافق ہو گا۔

ثالثاً یہ کہ امر بمعروف اور نہی از منکر میں امرونہی کا ارشادی ہونا بھی قابل منع و ممانعت ہے. شاید وہ امر ولائی ہو جو شارع کے امرونہی کی تاکید کرتا ہو جب کہ اس کا شاہد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے. مومنین و مومنات میں سے بعض دوسرے بعض کے اولیاء ہیں کہ معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہیں" ۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے ہر ایک پر ولایت کا ایک درجہ ثابت کرنے کے بعد امرونہی کا ذکر کیا ہے تاکہ انہیں اس کا حق حاصل ہو

شاید شبہات حکمیہ اور اختلاف حکمی میں قضاوت اسی طرح نافذ اور واجب الاطاعت ہے لہٰذا جب فرض کیا جائے کہ زوجہ اور دیگر وارثوں میں مکانات کے علاوہ اراضی کے حکم شرعی کے لحاظ سے اجتہادی یا تقلیدی طور پر اختلاف ہو تو کیا کوئی ایسا طریقہ پایا جاتا ہے کہ اس جھگڑے کو ختم کیا جاسکے سوائے اس کے کہ مجتہد و عادل قاضی کی طرف مراجعہ کیا جائے کہ جو ان کے درمیان فیصلہ کر کے اس جھگڑے کو ختم کر دے. اگرچہ اس کا حکم و فتویٰ فریقین میں سے ایک یا اس کے مرجع کے خلاف ہو۔

خلاصہ یہ کہ مقبولہ کا پہلا حصہ قطعی طور پر باب قضاوت سے مربوط ہے جیسا کہ اس سے ظاہر ہے ـــــ اس میں غور کریں۔

جو کچھ ہم نے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ممکن ہے ان تمام امور میں خدشہ کیا جائے جو الجواہر میں مقلد کے امر قضاوت کا ذمہ دار بننے کے بارے میں ذکر ہوئے ہیں۔

المستند میں فاضل نراقی کی گفتار

فاضل نراقی نے المستند میں قاضی میں اجتہاد کے معتبر ہونے کے قول کی نسبت مشہور علماء سے دی اور اس کے لئے اجماع منقول، اصل اور شرط اذن سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ قضاوت غیر مجتہد کیلئے ثابت نہیں ہے ـــــ ان کے اس بیان کا خلاصہ یہ ہے:

"اگر ان کی مراد غیر مجتہد سے قضاوت کی نفی میں وہ شخص ہے کہ جس نے کسی زندہ یا میت مجتہد کی کسی زندہ کے ذریعے تقلید نہ کی ہو بلکہ ظواہر اخبار اور کتب فقہاء کی طرف بغیر قوت اجتہاد کے رجوع کیا ہو تو معاملہ اسی طرح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اگر ان کی مراد یہ ہے کہ غیر مجتہد کے لئے قضاوت کی مطلقاً نفی کی جائے تو اس کے بعد کہ آپ جان چکے ہیں کہ اجماع منقول حجت نہیں اور دیگر ادلہ کا ضعف بھی معلوم ہے. یہ بتانا ضروری ہے کہ جب وہ شخص واقعہ اور اس کی تفاصیل میں مجتہد کے فتوے سے واقف ہو تو وہ اس کے مقلدین میں سے دو متنازعین کے حق میں اللہ کا حکم جانتا ہے. اس لئے یہ مقلد ان دونوں کے بارے میں شارع کے حکم کا عالم و عارف ہے اور گزشتہ اخبار کی بناء پر ماذون اور عالم بالحکم بھی ہو گا اور اس اصل سے خارج

ہو گا مگر یہ کہ اس کے خلاف اجماع ثابت ہو جو محقق و ثابت نہیں ہے. اجماع کس طرح ثابت ہو گا جب کہ اکثر قدماء کے کلمات مجتہد یا اس کے ہم معنی الفاظ سے خالی ہیں۔ مگر ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ان اخبار میں سے اکثر اگرچہ مجتہد اور مقلد مذکور کو شامل ہیں لیکن مقبولہ میں امامؑ کا ارشاد "ان میں سے کہ جنہوں نے ہماری احادیث روایت کی ہیں" اور توقیع مبارک کے الفاظ "پس ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو" مجتہد کے ساتھ مقید ہیں کیونکہ ان سے ذہن میں اسی شخص کا تصور آتا ہے جو حدیث کی روایت کرے اور اس سے اس طریقے سے احکام کا استنباط کرے جو شارع کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ نیز اس کی تخصیص پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو مصباح الشریعہ (۲۸۳) میں مروی ہے اور اس کے ضعف کی تلافی اس قول سے ہوتی ہے کہ جس میں امیر المومنینؑ نے قاضی سے فرمایا:

"کیا تم ناسخ کو منسوخ کے ساتھ پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: کیا تو اللہ تعالیٰ کی امثال قرآنی سے آگاہ و مشرف ہوا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پھر تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا ہے. کیونکہ معنی محتاج ہے معانی قرآن، حقائق سنن، مواطن (بواطن۔ خ ل) اشارات، آداب، اجماع اور اختلاف کا اور ان اصول کی اطلاع و معرفت کا محتاج ہے جن پر انہوں نے اجماع (اجتماع. خ ل) کیا اور جن میں انہوں نے اختلاف کیا ہے. پھر حسن اختیار. عمل صالح، حکمت و دانائی اور تقویٰ کا محتاج ہے۔

نیز امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"اس شخص کے لئے فتویٰ دینا حلال و جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ سے اپنے صفاء باطن اور اخلاص عمل کے ساتھ فتویٰ (اصطفیٰ۔ خ ل) حاصل نہ کرے اور ہر حالت میں اپنے رب کی برہان کے ساتھ نہ ہو کیونکہ جو فتویٰ دیتا ہے وہ حکم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی برہان اور اذن کے بغیر حکم کرنا صحیح نہیں ہے۔ (۲۸۴)

میں کہتا ہوں ــــ فاضل نراقی قدس سرہ کا مقلد کے لئے عالم و عارف کے عنوان کو تسلیم کرنا ان جیسے بزرگان سے بعید ہے اور خصوصاً لفظ عارف کہ جس کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں معرفت کا اطلاق نہیں ہوتا مگر کسی چیز کے خصوصیات و ممیّزات پر احاطہ کرنے سے اور مقلد اس درجے پر نہیں ہوتا۔ پھر اس سے بھی بعید تر تقلید کے ذریعے حکم کا علم حاصل کرنے والے شخص کے لئے ان تمام روایات کے شمول کا احتمال دینا ہے جو علماء کی فضیلت اور ان کی طرف رجوع میں وارد ہوئی ہیں اور جن سے ولایت پر اور قضاوت میں اذن کی بابت استدلال کیا گیا ہے۔

رہ گئی وہ روایت جو کشی نے عروۃ القتات کے بارے میں احمد بن فضل سے لی ہے کہ اس نے کہا: "امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا کہ وہ کیا بات ہے جو تم لوگوں کے بارے میں مجھ تک پہنچی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ کناسہ میں تم لوگوں نے ایک قاضی بٹھایا ہے! راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ پر قربان ہو جاؤں. وہ ایک مرد ہے جسے عروۃ القتات کہا جاتا ہے. وہ ایک مرد ہے جو عقل کا ایک حصہ رکھتا ہے ــــ ہم اس کے پاس جمع ہوتے ہیں. پھر باہم گفتگو اور سوال و جواب کرتے ہیں اور اس کے بعد ان تمام باتوں کو آپ حضرات کے ارشادات کی طرف پلٹاتے ہیں. اس پر آپ نے فرمایا: کوئی ہرج نہیں (۲۸۵)

پس یہ روایت عامی کے قضاوت کا متصدی و ذمہ دار ہونے پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس میں اس کے عدم جواز کا پہلو عیاں ہے۔ یہاں امامؑ کے اعتراض اور راوی کے جواب سے آپ پر یہ چیز ظاہر ہو گئی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح قضاوت جزمی متحق نہیں ہوئی، غور کریں۔

۶۔ کیا فقیہ کا مقلد کو قضاوت پر نصب کرنا جائز ہے؟

وہ ادلہ جو اذن پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، اگرچہ وہ فقہاء و مجتہدین کے ساتھ مختص ہیں ـــــ لیکن بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ جو مجتہد قضاوت کے لئے ماذون ہے، اس کے لئے جائز ہے کہ جو مقلد بذریعہ تقلید مسائل قضاء کا علم رکھتا ہے، وہ اسے امر قضاوت پر نصب کرے۔ اس کی تقریب یہ ہے کہ نبی اور وصی کو ولایت مطلقہ کے اقتضاء سے ہر ایک کو اس منصب کے لئے نصب کرنے کا حق ہے اگرچہ وہ مجتہد نہ ہو اور جو کچھ ان دونوں کے لئے جائز ہے وہ مجتہد جامع الشرائط کے لئے بھی جائز ہے کیونکہ ولایت و نیابت کے ادلہ عموم رکھتے ہیں۔

پس اگر آپ کہیں کہ ہم نبی یا وصی کے لئے عامی شخص کو نصب کرنا جائز تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مقبولہ دلالت کرتی ہے کہ جسے نصب کیا جائے اس میں اجتہاد معتبر ہے تو میں کہوں گا کہ مقبولہ کی دلالت فقیہ کے نصب کرنے پر ہے لیکن اگر یہ شرعی لحاظ سے ضروری ہے اور فقاہت حکم شریعت سے معتبر ہے، پس شاید امام جعفر صادقؑ نے عام طریقے سے نصب کرنا چاہا ہے تو بھی اس میں احتیاط کی اور غیر فقیہ کو نصب نہیں کیا۔ تاکہ اس نصب سے وہ شخص فائدہ نہ اٹھائے کہ جو قضاوت کا اہل نہیں ہے، اس بناء پر شریعت کی رو سے غیر فقیہ کے نصب میں کوئی مانع نہیں خصوصاً جب یہ والی و حاکم کی نگرانی میں کسی خاص فرد کا نصب کرنا ہو جیسا کہ امیرالمومنینؑ کے اشراف و نگرانی میں شریح کا تعین ہوا تھا۔

لیکن ممکن ہے مزید کہا جائے جیسا کہ گزر چکا ہے ـــــ مقبولہ کا ظہور یہ ہے کہ امام ـــــ قاضی اور جس سے شرعاً فیصلہ کرانا جائز ہے، اس کے شرائط بیان کر رہے تھے اور صرف اپنی طرف سے منصوب کے شرائط کا ذکر نہیں کر رہے تھے۔ نیز سلیمان بن خالد اور اسحاق بن عمار کی گزشتہ دو خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاوت شرعی طور پر نبی یا وصی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں دلیل کے ساتھ صرف فقیہ جامع الشرائط کا استثناء ہوا ہے اور اس کے علاوہ کسی کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ ذکر ہوا ہے فقیہ بھی وصی کے مصادیق میں سے ہے کیونکہ وہ ادلہ ولایت کے مقتضیٰ کے مطابق وصی کا وصی ہے، خصوصاً نبی اکرمؐ کے ارشاد " خدایا! میرے جانشینوں پر رحم فرما " میں کوئی استثناء نہیں ہے ـــــ اس پر غور کریں۔

بہرحال مقلد کی قضاوت اور اس کے استثناء پر کوئی دلیل موجود نہیں اور اس پر دلیل کا عموم کافی نہیں ہے کیونکہ اس چیز میں ولایت متحقق نہیں ہوتی کہ جس کی شرعیت و جواز نہ ہو اور دونوں خبروں میں مفہوم حصر کا مقتضیٰ سوائے نبی و وصی کے ہر ایک کی قضاوت پر نصب کے سلسلے میں باہم متعارض ہیں۔ کیونکہ عموم ولایت کا مقتضیٰ اس کی شرعیت اور مفہوم حصر کے عموم کا مقتضیٰ اس کی عدم شرعیت ہے۔ چنانچہ دونوں دلیلوں کے ایک دوسری کو ساقط کر دینے

کے بعد اس مسئلہ میں اصل کی طرف رجوع ہو گا جس کا مقتضیٰ عدم صحت اور عدم شرعیت ہے. پس غور کریں۔

۷۔ کیا جائز ہے کہ مجتہد مقلد عامی کو قضاوت میں وکیل بنائے؟

بعض اوقات کہا جاتا ہے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قضاوت ایک منصب ہے جس پر غیر فقیہ کا جعل و تقرر نہیں ہو سکتا جیسا کہ گزر چکا ہے، لیکن فقیہ کے لئے جائز ہے کہ وہ مقلد جو اس کی تقلید کے ذریعے مسائل تقلید کو جانتا ہے، وہ ادلہ وکالت کے اطلاق کے تحت اسے اپنا وکیل بنائے۔ پھر وہ اس فقیہ کی نیابت میں مختلف معاملوں میں قضاوت کرے کہ جس نے اس کو وکیل بنایا ہے، اس چور کا واقعہ جو ایک عورت کے گھر میں داخل ہوا اور اس کے لڑکے کو قتل کر دیا" شاید اس میں امامؑ کا ارشاد "اس میں اس طرح فیصلہ کرو جیسے میں نے بیان کیا" اس قبیل سے ہو۔ (۲۸۶)

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہم ادلہ وکالت میں اس اطلاق کی ممانعت کرتے ہیں جو معاویہ بن وہب اور جابر بن یزید کی صحیحہ میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: "جو شخص ایک امر کے اجراء کے لئے کسی کو وکیل بنائے، وہ وکالت ہمیشہ کے لئے ثابت ہے یہاں تک کہ وہ اسے اس کے وکالت سے خارج ہونے کی اطلاع دے جیسا کہ اس میں داخل ہونے کی اطلاع دی تھی۔ (۲۸۷)

ابو عبداللہؑ سے صحیحہ ہشام بن سالم میں ہے کہ جب ایک شخص نے دوسرے کو کسی امر میں وکیل بنایا تو آپ نے فرمایا: "ہاں تو جب وکیل کا تعین کیا جائے اور وہ اس مجلس سے اٹھ کھڑا ہو تو اس کا امر وکالت ہمیشہ کے لئے جاری ہے اور ثابت ہے. یہاں تک کہ اسے اس کے وکالت سے معزول کئے جانے کی خبر کسی ثقہ شخص کے ذریعے پہنچائے یا بصورت حاضری اسے معزول کرے"۔ (۲۸۸)

اس اطلاق سے تمسک اس امر پر موقوف ہے کہ یہ دونوں اسی جہت سے مقام بیان میں ہوں، جب کہ یہ اس چیز کے بیان میں نہیں جس میں وکالت دی گئی بلکہ یہ اس امر کے بیان میں ہیں کہ وکالت ثابت ہونے کے بعد باقی رہتی ہے تا آنکہ اس شخص کو معزولی کی خبر نہ پہنچے، پس غور کریں۔

یہاں یہ گمان کرنا کہ وکالت عقلائی امور میں سے ہے جو کسی شرعی دلیل کی محتاج نہیں ہے اور اس میں منع نہ کرنا کافی ہے یہ مدفوع ہے۔

اولاً اس بناء پر کہ بناء عقلاء سے تمسک اس مقام پر صحیح ہے جہاں ان کی بناء ثابت اور اس پر ان کی سیرت مستقر ہو جیسا کہ نبی کریمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے زمانے میں عقود اور اسی قسم کے معاملات میں وکالت رائج رہی ہے۔ لیکن قضاوت میں وکالت کا وجود اس زمانے میں ثابت نہیں ہوا اور وہ کوئی متعارف امر نہ تھا، بعض چیزوں میں وکالت اس پر سیرت و روش کے ثابت ہونے اور اس کے جاری ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

ثانیاً سیرت کے ثابت ہونے کے مفروضہ کی صورت میں جو ادلہ قضاء کے نبی و وصی میں حصر پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ

مقبولہ وغیرہ وہی وکالت کی ممانعت کے لئے کافی ہیں۔

جو طویل بیان گزر چکا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قضاوت اولاًبالذات اللہ تعالیٰ، اس کے رسل اور اوصیاء کے لئے ہے اور ان کے علاوہ کسی کے لئے اس کا ثبوت محتاج دلیل ہے اور اصل میں اس کا عدم نفوذ مگر وہ جو اس کا اہل ہو، اس میں قدر متیقن فقہاء ہیں جن کے لئے زمانہ غیبت میں قضاوت ثابت ہے اور اس کی شاہد مقبولہ، مشہورہ اور ان کے علاوہ دوسری ادلہ ہیں۔

نیز عقل و شریعت جان، مال اور ناموس کے باب میں جس احتیاط کا حکم کرتے ہیں، اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قاضی میں اجتہاد کی شرط کا لحاظ رکھا جائے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ شریح کی امر قضاوت میں مہارت کے باوجود امیرالمومنینؑ نے اس پر یہ شرط عائد فرمائی تھی کہ وہ کسی فیصلے کا اعلان نہ کرے جب تک اسے ان کی خدمت میں پیش نہ کرلے۔

اسی طرح صحیحہ ہشام بن سالم میں امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے مروی ہے" جب امیرالمومنینؑ نے شریح کو قضاوت پر مقرر فرمایا تو آپ نے اس پر پابندی لگائی کہ وہ اپنا کوئی فیصلہ نافذ نہ کرے جب تک اسے آپ کی خدمت میں پیش نہ کرلے"۔ (۲۸۹)

پس آنجناب امر قضاوت کی اہمیت کی طرف ملتفت تھے کیونکہ محترم نفوس، اعراض و نوامیس اور اموال کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے، اس وجہ سے آپ اس میں دقت و احتیاط سے کام لیتے تھے۔

اس بناء پر جب قاضی مجتہد کہ جو جامع الشرائط ہوں وہ مختلف عدالتوں کے لئے مناسب تعداد میں نہ مل سکیں جیسا کہ ہمارے زمانے میں یہی صورت ہے تو اقویٰ نہیں تو احوط ہے کہ ایسے افراد جو اجمالی طور پر قوانین قضاوت پر مطلع اور اس کی اہلیت رکھتے ہوں چاہے تقلید ہی سے کیوں نہ ہو، ان کو مقدمات کی تیاری اور تفتیش و تحقیق کے لئے مقرر کردیا جائے اور پھر حتمی حکم و فیصلے کے لئے قاضی مجتہد جو جامع شرائط ہوں ان کے حوالے کیا جائے، کیونکہ ان پر واجب ہے کہ وہ قضاوت کی ذمہ داری لیں اور اسے بقدر کفایت نبھائیں۔ اسے یاد رکھیں۔

لیکن اگر یہ بھی نہ ہو سکے خواہ اس کا سبب کوئی بھی ہو تو چونکہ حکومت اسلامی کا تصور محکمہ قضاء کے بغیر ممکن نہیں اور اسے معطل چھوڑ دینا مرکز اسلام اور مسلمانوں کے وجود کے لئے ضرر اور خطرے کا موجب ہے۔ پس ایسی صورت میں جائز بلکہ واجب ہے کہ جو فقیہ حکومت اسلامی کے اجراء کے درپے ہے وہ بعض محتاط افراد کو قضاوت پر نصب کرے جو موازین شرعی سے مطلع ہیں، چاہے ان کا علم و اطلاع بر بنائے تقلید ہو، اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ انہیں اس امر کے لئے اپنا وکیل بنائے لیکن ان کے اعمال و افعال کی نگرانی کرتا رہے اور خطاء و غلطی میں تلافی کرے۔ اس کی وجہ ضرورت کے مفروضے کے تحت واضح ہے اور فقہ میں باب تزاحم ایک وسیع باب ہے کہ جس سے بہت سے واقعات و حوادث کا حل نکل سکتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث آئی ہے کہ آپ نے فرمایا: "کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسے خدا نے حرام کیا ہو مگر یہ کہ وہ اس کے لئے حلال ہے جو اس چیز کے بارے میں مضطر و مجبور ہو۔" (۲۹۰)

پس امر قضاوت، امامت کبریٰ سے بلند نہیں ہے، اگر فرض کیا جائے کہ فقیہ واجد شرائط موجود نہیں جو اس کا متصدی

وذمہ دار ہو تو بلاشک اس میں عادل مومنین کا کوشاں ہونا واجب ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے مصالح سے واقف ہیں. لیکن اسے معطل چھوڑنا یا مسلمانوں کے امور سرکش وظالم لوگوں کے حوالے کرنا جائز نہیں ہے۔

۸۔ کیا اجتہاد میں تجزی جائز ہے؟

اگر قاضی میں اجتہاد کے معتبر ہونے کو فرض کیا جائے تو کیا اس میں تجزی (بعض مسائل میں اجتہاد) کافی ہے یا اس کے لئے مجتہد مطلق ہونا ضروری ہے یا اس میں مطلق کے موجود ہونے اور نہ ہونے کی شکل میں تفصیل دی جائے. اس میں کئی وجوہ ہیں اور کفایۃ الاحکام میں تفصیل کو اختیار کیا گیا ہے۔ (۲۹۱)

میں کہتا ہوں۔ کبھی خود تجزی فی الاجتہاد کے فرض کرنے میں اس تقریب کے ساتھ یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ اگر اجتہاد عبارت ہے احکام کے استنباط فعلی سے اس طرح کہ وہ احکام کو ان کے تفصیلی ادلہ سے استخراج کرے تو ممکن ہے اس میں تجزی وتبعیض ہو۔ لیکن اس سے مراد استنباط کا ملکہ اور اس پر قدرت حاصل ہونا ہے تو یہ ایک بسیط و مجرد امر ہے اور اس کا معاملہ عدم و وجود میں دائر ہے. پس اس میں تبعیض فرض نہیں کی جا سکتی۔

البتہ یہ کہا جائے کہ مسائل فقہ کے مبانی سہولت و غموض اور گہرائی کے لحاظ سے مختلف ہیں. شاید بعض مسائل کا استنباط کچھ دقیق مبانی کے ادراک اور ان کا احاطہ کرنے پر موقوف ہے اور ان میں سے بعض مسائل سہل و سادہ مبانی پر منحصر ہیں۔ پھر افراد اپنے ادراک کے مدارج و مراتب کے لحاظ سے مختلف ہیں اس لئے تجزی و تبعیض ممکن ہے اور اس بحث کی تحقیق ایک اور محل پر چھوڑ دی گئی ہے۔

بہرحال کفایہ میں کفایت تجزی کے لئے ابو خدیجہ کی ایک روایت سے استدلال کیا گیا ہے جس میں امام ابو عبد اللہ جعفر صادق نے فرمایا: "تم اپنے لوگوں میں سے ایک مرد کی طرف توجہ کرو جو ہمارے قضایا میں سے کچھ جانتا ہے. پھر اسے اپنے درمیان معین کر لو کیونکہ میں نے اسے قاضی مقرر کیا ہے پس مقدمے اس کے پاس لے جاؤ۔" (۲۹۲)

اس خبر کے ساتھ مقبولہ کوئی معارضہ نہیں کرتی جو قاضی میں اجتہاد کے معتبر ہونے پر اپنے منطوق بلکہ مفہوم کے لحاظ سے بھی ظہور رکھتی ہے. لہٰذا ابو خدیجہ کی خبر کے منطوق کو مقبولہ کے مفہوم پر مقدم کیا جائے گا کیونکہ وہ اس میں زیادہ ظہور رکھتا ہے اور اگر چاہیں تو یوں کہہ لیں کہ مفہوم مقبولہ کا اطلاق ابو خدیجہ کی خبر کے منطوق سے تخصیص پائے گا. لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اولاً اطلاق خبر کا اقتضاء ہے کہ تجزی کافی ہے. اگرچہ ہم مجتہد مطلق پر تمکین بھی رکھتے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ خبر ابو خدیجہ ایک اور نقل کے ساتھ آئی ہے کہ جس میں کہا گیا: "اپنے درمیان اس شخص کو مقرر کرو جو ان افراد میں ہو جو ہمارے حلال و حرام کو جانتے ہیں، کیونکہ میں نے اسے قاضی مقرر کیا ہے۔" (۲۹۳)

اس روایت کا ظہور یہ ہے کہ اجتہاد مطلق معتبر ہے جیسا کہ مقبولہ کا ظہور بھی یہی ہے۔

لیکن ان دونوں نقلوں کا دو روایتیں ہونا جو اس لئے صادر ہوئی ہوں کہ انہیں الگ الگ شمار کیا جائے۔ یہ بات مشکل ہے۔ کیونکہ بڑا قریبی احتمال ہے کہ یہ دونوں دراصل ایک ہوں اور ان میں راویوں کی طرف سے اختلاف واقع ہوا ہو. اس صورت

میں اس روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا. پس اس مسئلہ میں اصل کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور اس کا اقتضاء عدم کفایت ہے۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ آنجناب کے ارشاد "جو ہمارے احکام کو جانتا ہو" اور "ہمارے حلال و حرام کو پہچانتا ہو" سے وہی تفصیلی فعلی معرفت مراد ہے اور واضح ہے کہ تمام احکام کی نسبت سے اس کا تحقق نادر ہے. لہٰذا فعلیت کے لحاظ سے تجزی کافی ہے اور اس قول میں کوئی ہرج نہیں. پس غور کریں۔

۹۔ آیا اعلم کا تعین ممکن ہے یا نہیں؟

محقق نے شرائع کی بحث قضاء میں کہا ہے. جب دو افراد فضیلت میں مختلف اور معتبر شرائط میں یکساں طور پر مکمل ہوں تو اگر افضل کو قاضی بنایا گیا ہو تو جائز ہے لیکن اس سے مفضول کی طرف عدول کیا جا سکتا ہے؟ اس میں تردد ہے مگر وجہ جواز بھی ہے کیونکہ اس سے پیدا ہونے والا خلل و نقص امام کی نگرانی سے ختم ہو جائے گا اور اس کی تلافی ہو جائے گی (۲۹۴)

المسالک میں ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے. "اس میں شک نہیں کہ اعلم کی تقدیم رجحان رکھتی ہے. لیکن کیا یہ متعین ہے؟ اس میں دو قول ہیں جو اس بات پر مرتب ہیں یعنی کیا ہر مقلد پر اعلم کی تقلید واجب ہے یا اسے اختیار ہے؟ اس ضمن میں اصولیین و فقہاء کے دو قول ہیں. ان میں سے ایک جواز ہے کیونکہ اہلیت میں سب (اعلم و غیر اعلم) مشترک ہیں اور جب مشہور ہے کہ اگرچہ صحابہ افضلیت میں مختلف تھے لیکن سب فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا. پس ان کی طرف سے اس پر اجماع ہے۔ دوسرا وہ جو اصحاب و علماء شیعہ میں مشہور ہے اس میں ممانعت ہے. اس کی وجہ یہ ہے کہ اعلم کے قول کے بارے میں ظن اقویٰ ہے اور اقویٰ کی اتباع اولیٰ ہے۔ کیونکہ فتویٰ دینے والوں کے اقوال مقلد کی نسبت سے مثل ادلہ کے ہیں. پس جس طرح دلیل الراجح پر عمل واجب ہے اسی طرح افضل کی تقلید واجب ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادقؑ سے عمر بن حنظلہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "اور جانبین میں سے ہر ایک کے ادلہ میں نظر ہے۔" (۲۹۵)

میں کہتا ہوں۔ اگر متخاصمین کا اختلاف حکم شرعی کلی کی طرف راجح ہو تو پھر ان میں قضاوت کرنے والے میں اعلمیت کے اعتبار کا امر تقلید میں اس کے اعتبار پر مرتب ہونا واضح ہے۔ لیکن اگر ان کا اختلاف موضوعات میں ہو اور یہ شبہ موضوعی ہو جیسا کہ عام دعاوی میں ہوتا ہے تو پھر اعلمیت کا ترتب غیر واضح ہے. اسے یاد رکھیں

لیکن اس مسئلہ میں اصل اعلمیت کے اعتبار کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ وہی قدر متیقن ہے اور جو عدم اعتبار کا قائل ہو وہ دو وجہوں سے استدلال کر سکتا ہے۔

اول۔ مقبولہ. مشہورہ. اور توقیع مبارک کا اطلاق ہے کہ جس سے ولایت فقیہ اور اس کے لئے اذن قضاوت معلوم ہوتا ہے. بلکہ مشہورہ کی ایک نقل کے مطابق تو تجزی بھی کفایت کرتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے. پس مطلق غیر اعلم بدرجہ اولیٰ کافی ہو گا۔

یہ دعویٰ کہ مقبولہ اور مشہورہ اس جہت کے بیان کے مقام میں نہیں ہیں بلکہ قضاۃ جور کی طرف رجوع کرنے کی

ممانعت کے مقام میں ہیں تو یہ مدفوع ہے. کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں عقد نفی اور عقد اثبات کے بیان کے مقام پر ہیں خصوصاً مقبولہ کہ وہ دو مستقل سوالوں اور ان کے جوابوں پر مشتمل ہے. پہلا قضاۃ جور کی طرف رجوع سے منع کرنے اور دوسرا اپنے شیعوں میں سے فقہاء کی طرف رجوع کرنے کے حکم کے متعلق ہے. پس مراجعہ کریں۔

دوم۔ زمانہ پیغمبرؐ اور ائمہؑ میں اعلمیت کو ملحوظ رکھے بغیر آحاد صحابہ کی طرف رجوع کرنے اور کرانے پر سیرت کا استقرار باوجود فضیلت میں واضح اختلاف کے بلکہ نبی اکرمؐ نے خود اپنے اور امیر المومنینؑ کے موجود ہوتے ہوئے بعض صحابہ کی طرف رجوع کرایا کہ جن کے حق میں آپ نے فرمایا "اقضاہم علیؑ بن ابی طالب" (۲۹۶) اسے یاد رکھیں

وہ ادلہ جن سے اعلمیت کے اعتبار پر استدلال کیا گیا ہے

اعلمیت کے اعتبار پر چند امور سے استدلال کیا گیا ہے:

اول۔ اصل

اس پر یہ اعتراض وارد ہوا ہے کہ جو دو دلیلیں پیش کی جاچکی ہیں. اصل ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

دوم۔ جو الجواہر میں ہے:

اجماع جیسے ظاہر الذریعہ میں سید مرتضٰی سے اور محقق ثانی سے شرائع کے باب جہاد میں صراحت کے ساتھ حکایت کی گئی ہے کہ ابتداءً مقدمہ افضل کے پاس لے جانا اور اس کی تقلید کرنا واجب ہے بلکہ ان میں بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ افضل کے موجود ہونے سے مفضول کے لئے اصلاً ولایت نہیں ہے۔ (۲۹۷)

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اجماع مفید و ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا عدم محقق و ثابت ہے. کیونکہ یہ مسئلہ اصحاب میں سے قدماء کی کتب میں مندرج ہی نہیں تھا اور یہ گزر چکا ہے کہ مقبولہ وغیرہ اعلم و غیر اعلم دونوں کو شامل ہیں اور اس پر سیرت بھی مستقر ہے۔

الدروس میں ہے: "اگر کسی جگہ امام حاضر ہو اور اس کے سامنے مقدمہ پیش کیا جائے تو اجماعاً اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے اپنے غیر کی طرف پلٹا دے. کیونکہ نبی کریمؐ نے کئی موقعوں پر حکم و فیصلہ کو امیر المومنینؑ کی طرف پلٹایا۔" (۲۹۸)

الجواہر میں ہے: "محقق ثانی سے اجماع ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوا اور سید مرتضٰی کے اجماع کی بنیاد اس پر ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے امامت عظمٰی کا قلادہ مفضول کی گردن میں ڈالا جا سکتا ہے اور وہ "مانحن فیہ" سے الگ ہے۔" (۲۹۹)

سوم۔ اعلم والے قول پر ظن و گمان زیادہ قوی ہے اور ترجیح مرجوح قبیح ہے۔

دائمی صلاحیت ممنوع ہونے کے علاوہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ شاید مفضول بہت سے فوت شدہ افاضل کے ساتھ موافق ہو، اس کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں کہ یہاں اس رجحان کو اخذ کرنا معین ہے جبکہ احتمال ہے کہ افضل و مفضول میں اختیار

دینے کی صورت میں لوگوں کے لئے معاملہ زیادہ سہل اور آسان ہو جاتا ہے اور مقبولہ وغیرہ کا اطلاق بھی اس بات کا شاہد ہے۔

چہارم۔ وہ جو مالک اشتر کے نام امیر المومنینؑ کے مکتوب میں ہے: "پھر یہ کہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمہارے نزدیک تمہاری رعیت میں سب سے بہتر ہو، جو واقعات کی پیچیدگیوں سے تنگی میں نہ پڑ جاتا ہو، نہ تو جھگڑا کرنے والوں کے رویہ سے غصہ میں آتا ہو اور نہ اپنے کسی غلط نظرئے پر اڑ بیٹھتا ہو۔ (۳۰۰)

اس پر یہ اعتراض آتا ہے کہ اس میں اعلمیت کے اعتبار پر کوئی دلیل و دلالت نہیں ہے کیونکہ آپ کے کلام میں افضل سے مراد وہ ہے جس میں کئی ایک صفات کمال پائی جاتی ہوں کہ جنہیں آپ نے ذکر کیا ہے جیسا کہ مراجعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر اعلمیت کے لئے اس کے اطلاق کے شمول کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی وہ والی و حاکم کی ذمہ داری کے بیان کے مقام میں ہے اور وہ متخاصمین کے فریضے پر دلالت نہیں کرتا۔ اس پر غور کریں

پنجم۔ بعض روایات جو افقہ کے اپنے غیر پر مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہیں

مقبولہ عمر بن حنظلہ میں ہے: "میں نے کہا پس اگر فریقین میں سے ہر ایک نے ہمارے اصحاب میں سے ایک ایک شخص کو منتخب کیا اور وہ راضی ہو گئے کہ یہ دونوں ان کے حق میں ناظر ہوں، پھر انہوں نے حکم لگانے میں اختلاف کیا اور وہ دونوں آپ کی حدیث میں اختلاف کر رہے ہیں، تب آپ نے فرمایا کہ حکم و فیصلہ وہ ہے جو ان دونوں میں زیادہ فقیہ، زیادہ عادل اور حدیث میں زیادہ سچے نے کیا، پس جو فیصلہ دوسرے نے دیا ہو اس کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ (۳۰۱)

شیخ صدوقؒ نے اپنے اسناد کے ساتھ داؤد بن حصین کے ذریعے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ دو آدمیوں نے باہمی اتفاق سے دو عادلوں کو آپس کے موضوع اختلاف میں فیصلہ دینے کے لئے مقرر کیا۔ مگر ان دو عادلوں نے باہم اختلاف کیا۔ پس ان دونوں میں سے کس کا حکم جاری ہو گا؟ آپؑ نے فرمایا: یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں سے زیادہ فقیہ، ہمارے احادیث کا زیادہ عالم اور زیادہ پرہیز گار کون ہے؟ پس اس کا حکم نافذ ہو گا اور دوسرے کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ اسے شیخ نے بھی روایت کیا ہے۔ (۳۰۲)

شیخ نے اپنے اسناد کے ساتھ موسیٰ بن اکیل سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا اپنے بھائی سے کسی معاملے میں جھگڑا تھا، پس ان دونوں نے دو اشخاص پر اتفاق کر لیا کہ وہ ان کے درمیان حکم و فیصلہ کریں اور انہوں نے حکم لگانے میں اختلاف کیا۔ تب آپ نے فرمایا: ان دونوں نے فیصلے میں کس طرح کا اختلاف کیا؟ راوی نے کہا: ان میں سے ہر ایک نے اس فریق کے حق میں فیصلہ دیا جس نے اسے منتخب کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ان دونوں میں سے جو زیادہ عادل اور دین میں زیادہ فقیہ ہے اس کی طرف دیکھا جائے گا اور اسی کا فیصلہ نافذ ہو گا۔ (۳۰۳)

یہاں اس چیز کا احتمال ہے کہ ان تینوں روایات کی بازگشت ایک ہی واقعہ کی طرف ہو جیسے گزر چکا ہے کہ عمر بن حنظلہ سے روایت کرنے والا وہی داؤد بن حصین ہے، پس شاید صدوقؒ کی روایت پہلی روایت کے ایک حصے کی نقل بالمعنی ہے اور اس کی سند میں سے عمر بن حنظلہ ساقط ہو گیا ہے، نیز موسیٰ بن اکیل سائل نہیں بلکہ اس وقت وہاں حاضر تھا جب عمر بن حنظلہ نے

یہ سوال کیا تھا، پس غور کریں۔

صاحب عروہ کے کلام کی نقل اور اس پر تنقید

صاحب عروہ نے ملحقات کتاب القضاء میں ایک شہر یا اس کے قریب رہنے والے اعلم کو تقدیم اور اولیت دینے کے بعد کہا ہے:

''کیونکہ اطلاقات ان اخبار کے ساتھ مفید ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ حکمین کے اختلاف کی صورت میں زیادہ فقاہت، زیادہ صداقت اور زیادہ عدالت رکھنے کے مرجحات کی طرف رجوع کیا جائے یہ دعویٰ کہ اخبار مرجحات جو اس مقام پر عمدہ ہیں، ان کا مورد بالخصوص وہ صورت ہے جب فریقین ایک حکم یا حکمین پر متفق ہو جائیں۔ پس اگر وہ دونوں حکم و فیصلہ دینے میں باہم اختلاف کریں تو یہ روایات مطلقاً اعلم کی طرف رجوع کرنے پر دلالت نہیں کرتیں، ان روایات سے ظاہر یہ ہے کہ تعارض کے وقت مطلقاً ارجح پر انحصار ہے جیسا کہ دو متعارض اخبار میں بلکہ اختلاف کے عدم علم میں بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کیونکہ معارض کے بارے میں بحث و تحقیق واجب ہے۔

لیکن یہ اس صورت میں ہے جب حکم کا مدرک فتویٰ ہو اور اس میں اختلاف اس طرح سے ہو کہ وہ دونوں فتوے میں اختلاف کے باعث فیصلے میں اختلاف کریں، لیکن اگر اصل حکم معلوم ہو اور بینہ و قسم اور جرح و تعدیل وغیرہ میں حق کے اثبات کی طرف بازگشت ہو تو اس صورت میں ان اخبار میں اعلم کے تعین پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ (۳۰۴)

میں کہتا ہوں ــــ آنجناب قدس سرہ نے شبہ موضوعیہ کی نسبت روایات میں دلالت نہ ہونے کا ذکر کیا ہے جو تمام معاملات و مقدمات میں واضح طور پر موجود ہوتا ہے۔

لیکن انہوں نے شبہ حکمیہ میں ان کی دلالت کا ذکر کیا ہے تو اس میں مناقشہ ممکن ہے، کیونکہ جس طرح انہوں نے خود کہا ہے کہ مورد روایات وہ شکل ہے جس میں فریقین میں سے ہر ایک نے ایک ہی شخص کو حاکم منتخب کیا ہے یا دونوں دو افراد کے حاکم ہونے پر راضی ہو گئے ہیں۔ پھر ان دونوں حاکموں نے اپنے حکم میں اختلاف کیا ہے تو اب جھگڑا اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک ان میں سے ایک کے حکم کو ترجیح نہ دی جائے۔ پس امامؑ نے فرمایا کہ ان میں زیادہ فقیہ اور زیادہ عادل کو ترجیح دی جائے، چنانچہ ابتداء امر میں انہیں زیادہ فقیہ کو منتخب کرنے اور اس کے بغیر کسی پر راضی نہ ہونے کے اختیار پر کوئی دلیل و دلالت نہیں ہے۔

بلکہ مقبولہ میں مفروض ہے کہ فریقین میں سے کسی کو غیر افقہ کو منتخب کرنے کا اختیار حاصل ہے، اگر ایسا کرنا جائز نہ ہوتا تو امامؑ پر لازم تھا کہ اس سے منع فرماتے نہ یہ کہ صرف ان کے اختلاف حکم کو بیان کر کے ترجیح پر عمل کرنے پر قناعت کرتے۔ علاوہ ازیں ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ عدالت اور زیادہ صداقت وغیرہ رکھنے والے کے لئے ترجیح ہے، حالانکہ ہم ابتداء میں اس کے انتخاب و اختیار کے لئے کسی کا فتویٰ نہیں پاتے۔

البتہ اگر ہم مسئلہ تقلید کے بارے میں کہیں کہ اعلم کی تقلید معین ہے اور یہی اقویٰ ہے جبکہ ان دونوں کے اختلاف کا تفصیلی علم ہو یا پیش آمدہ مسائل میں اجمالی علم ہو اور فریقین ان کے حکم و فیصلے کو نہ جانتے ہوں تو لامحالہ ان پر واجب ہے کہ

ابتداء ہی سے اعلم کی طرف رجوع کریں۔ لیکن اسے اجتہاد یا صحیح تقلید کے ذریعے جانتے ہوں اور پھر اختلاف نظر رکھتے ہوں جیسے وارثوں کا نظریہ ہو کہ مریض کے مواعید ثلث میں سے ہوتے ہیں اور مرض الموت میں مبتلا ہبہ کرنے والے کا نظریہ ہو کہ وہ اصل ترکہ میں ہوتے ہیں، چنانچہ وہ اس میں قضاوت کے محتاج ہوں تو اس صورت میں اعلم کی طرف رجوع کے معین ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ مقبولہ وغیرہ کا اطلاق عدم اعلمیت کا اقتضاء کرتا ہے، پس اس پر غور کریں۔

بہرحال مقبولہ، مشہورہ اور توقیع شریف جو قضاوت میں اذن پر دلالت کرتی ہیں، ان کے اطلاق کا مقتضیٰ صرف اجتہاد کا کافی ہونا ہے اور اعلمیت معتبر نہیں ہے۔ ہمیں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جو اس اطلاق سے دست کش ہونے کا موجب بنے، لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ اعلمیت معتبر نہیں ہے اور اگر اسے تسلیم بھی کیا جائے تو اس سے مراد ایک شہر یا اس کے قرب میں اعلم شخص ہے نہ کہ مطلق اعلم جیسا کہ واضح ہے کہ یہ سب کچھ مسئلہ قضاوت میں ہے۔

جہاں تک مسئلہ تقلید کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں تفصیل کا مقام کوئی اور ہے، اس میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر تقلید کی سند یہی روایات مثل توقیع شریف، تفسیر امامؑ کی روایت اور اسی قسم کی دیگر روایات ہیں تو ان کا اطلاق عموم اور اعلم کے عدم تعین کا متقاضی ہے۔

اگر ہم کہیں کہ اس میں سند بناء عقلاء ہے کہ ہر فن کا ناواقف اس کے اہل خبرہ و ماہرین کی طرف رجوع کرے، اس میں شریعت کی طرف سے کوئی تاسیس نہیں ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ عقلاء اہل خبرہ مثلاً طبیبوں کے اختلاف کو تفصیلی طور پر جاننے یا مقلد کے پیش آمدہ مسائل کو اجمالی طور پر جاننے کے بعد اعلم کو غیر اعلم پر مقدم سمجھتے ہیں، بلکہ شاید وہ اہم مسائل کے سلسلے میں مثل اس بیمار کے جس کے مرجانے کا خوف ہو یہی روش رکھتے ہیں مگر یہ کہ غیر اعلم کا فتویٰ احتیاط کے مطابق ہو یا اس سے قوی وثوق و اطمینان حاصل ہو۔ البتہ غیر اہم اور سادہ مسائل میں بعض اوقات وہ غیر اعلم کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں جبکہ آسانی سے مل جائے یا اخراجات کم آتے ہوں یا اسی طرح کی اور وجوہات پائی جاتی ہوں۔ لیکن یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ تمام ہی مسائل دینی شارع اور شریعت پر عمل کرنے والوں کے نزدیک اہم ہیں، ان میں فریضہ کی ادائیگی کے لئے مشغول ہونا برائت یقینی حاصل کرنے کے لئے ہے اور اصالت عدم حجیت بھی اعلم کے تعین کا تقاضا کرتی ہے، اس پر غور کریں۔

۱۰۔ قسط، عدل اور حق کے مطابق حکم کے لئے اسلام کا اہتمام

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط ۔ وانزلنا الحدید فیه باس شدید ومنافع للناس - (۳۰۵)

"یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح و روشن معجزے دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور (انصاف کی) ترازو نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم ہی نے لوہے کو نازل کیا جس کے ذریعے سے، سخت لڑائی ہوتی ہے اور اس میں

لوگوں کے نفع کی بہت باتیں ہیں۔ "

اس آیۂ شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنیادی اور اساسی اہداف میں سے رسولوں کا بھیجنا، کتب کا نازل کرنا اور مقررہ موازین کا وضع کرنا ہی قسط ہے اور اللہ تعالیٰ نے لوہے اور ہتھیار کو ان کے نافذ و جاری کرنے کے لئے ضمانت قرار دیا ہے۔

۲۔ نبی اکرمؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین - (۳۰۶)

"اور اگر ان میں فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو کیونکہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ "

۳۔ پھر فرمایا:

یایہا الذین اٰمنوا کونوا قوّامین للّٰہ شہداء بالقسط . ولا یجرمنکم شناٰن قوم علٰی ان لاتعدلوا. اعدلوا ہو اقرب للتقویٰ. واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون - (۳۰۷)

"اے ایمان والو! خدا (کی خوشنودی) کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لئے تیار رہو اور کسی قبیلے کی عداوت تمہیں اس جرم میں نہ پھنسا دے کہ تم ناانصافی کرنے لگو بلکہ (خبر دار) تم (ہر حال میں) انصاف کرو، یہی پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور خدا سے ڈرو کیونکہ تم جو کچھ (اچھا یا برا) کرتے ہو خدا اسے ضرور جانتا ہے۔ "

۴۔ نیز فرمایا:

یایہا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للّٰہ ولوعلٰی انفسکم اوالوالدین والاقربین. ان یکن غنیاً اوفقیراً فاللہ اولٰی بہما. فلاتتبعوا الھوی ان تعدلوا. وان تلووا اوتعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیراً - (۳۰۸)

"اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور خدا لگتی گواہی دو اگرچہ (یہ گواہی) خود تمہارے یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کے لئے مضر (ہی کیوں نہ) ہو، خواہ مالدار ہو یا محتاج (کیونکہ) خدا تو (تمہارے بہ نسبت) ان پر زیادہ مہربان ہے، تم حق سے کترانے میں خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو، اور اگر گھما پھرا کر گواہی دو گے یا بالکل انکار کرو گے تو (یاد رہے جیسی کرنی ویسی بھرنی کیونکہ) جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے "۔

۵۔ پھر فرمایا:

قل امر ربی بالقسط - (۳۰۹)

"کہہ دے کہ میرے پروردگار نے قسط و عدل کا حکم دیا ہے "۔

۶۔ یہ بھی فرمایا:

فان فاءت فاصلحوا بینہما بالعدل واقسطوا. ان اللہ یحب المقسطین - (۳۱۰)

"پھر جب (وہ گروہ) رجوع کرے تو فریقین کے درمیان مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو بے شک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے "۔

۷۔ اور فرمایا:

واوفوا الكيل والميزان بالقسط، لانكلف نفساً الاوسعها، واذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذا قربٰى - (۳۱۱)

"اور انصاف کے ساتھ ناپ تول کیا کرو، ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے اور (چاہے کچھ ہو مگر) جب بات کہو تو انصاف سے اگرچہ وہ (جس کے تم خلاف کہو) تمہارا عزیز ہی (کیوں نہ) ہو"۔

۸۔ اور فرمایا:

ونضع الموازين القسط ليوم القيامة فلاتظلم نفس شيئاً، وان كان مثقال حبة من خردل اٰتينا بها وكفٰى بنا حاسبين (۳۱۲)

"اور قیامت کے دن تو ہم (بندوں کے برے بھلے اعمال تولنے کے لئے) انصاف کی ترازوئیں کھڑی کردیں گے تو پھر کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانہ برابر بھی کسی کا (عمل) ہو گا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کے واسطے بہت کافی ہیں"۔

۹۔ نیز فرمایا:

لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبرّوهم و تقسطوا اليهم. ان الله يحب المقسطين - (۳۱۳)

"جو لوگ تم سے (تمہارے) دین کے بارے میں نہیں لڑے بھڑے اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آنے سے خدا تمہیں منع نہیں کرتا بے شک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

۱۰۔ اور فرمایا:

ان الله يامركم ان تئودوا الامانات الٰى اهلها. واذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل. ان الله نعمّاً يعظكم به. ان الله كان سميعاً بصيراً - (۳۱٤)

"اے ایمان والو! خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں امانت رکھنے والوں کے حوالے کرو اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو خدا تم کو اس کی کیا ہی اچھی نصیحت کرتا اور اس میں تو شک نہیں کہ خدا سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے"۔

۱۱۔ اور فرمایا:

ان الله يامر بالعدل والاحسان وايتاء ذي القربٰى. وينهٰى عن الفحشاء والمنكر والبغي يعظكم لعلكم تذكّرون - (۳۱۵)

"اس میں شک نہیں کہ خدا انصاف اور (لوگوں کے ساتھ) نیکی کرنے اور قرابت داروں کو (کچھ) دینے کا حکم کرتا

ہے اور بدکاری اور ناشائستہ حرکتوں اور سرکشی کرنے سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو"۔

۱۲۔ اور فرمایا:

فلذلك فادع واستقم كما امرت ولا تتبع اهواء هم. وقل آمنت بما انزل الله من كتاب. وامرت لأعدل بينكم. الله ربنا وربكم. لنا اعمالنا ولكم اعمالكم - (۳۱۶)

"تو (اے رسولؐ) تم (لوگوں کو) اسی (دین) کی طرف بلاتے رہو اور جیسا تم کو حکم ہوا ہے (اس پر) قائم رہو اور ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروں نہ کرو اور (صاف صاف) کہہ دو کہ جو کتاب خدا نے نازل کی ہے اس پر میں ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے (اختلافات کے) درمیان انصاف (سے فیصلہ) کروں خدا ہی ہمارا پرور دگار اور وہی تمہارا (بھی) پرور دگار ہے ہماری کار گزاریاں ہمارے ہی لئے ہیں اور تمہاری کارستانیاں تمہارے واسطے ہیں"۔

۱۳۔ نیز فرمایا:

وانزلنا اليك الكتاب بالحق مصدقاً لما بين يديه من الكتاب ومهيمناً عليه فاحكم بينهم بما انزل الله ولا تتبع اهواء هم عمّا جاءك من الحق - (۳۱۷)

"اور (اے رسولؐ) ہم نے تم پر بھی برحق کتاب نازل کی جو کتاب (اس کے پہلے سے) اس کے وقت میں موجود ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان بھی ہے تو جو کچھ تم پر خدا نے نازل کیا ہے اس کے مطابق تم بھی حکم دو اور جہات خدا کی طرف سے آچکی ہے اس سے کترا کے ان لوگوں کی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو"۔

۱۴۔ اور فرمایا:

يا داود انا جعلناك خليفة في الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله. ان الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب - (۳۱۸)

"اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں (اپنا) نائب قرار دیا تو تم لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کیا کرو اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ پیروی تمہیں خدا کی راہ سے بہکا دے گی اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کی بڑی سخت سزا ہوگی کیونکہ ان لوگوں نے حساب کے دن (قیامت) کو بھلا دیا"۔

۱۵۔ امیرالمومنینؑ نے خلیفہ عثمان کی بخشی ہوئی جاگیریں واپس لیں تو فرمایا: "خدا کی قسم! اگر میں ایسا پاؤں کہ اس کے ذریعے عورتوں سے نکاح کیے گئے اور ملک میں کنیزیں لائی گئیں تو بھی میں اسے واپس لوں گا کیونکہ عدل میں وسعت ہے اور جس پر عدل و انصاف تنگی لائے تو ظلم و جور اس کے لئے اور بھی تنگی کا باعث ہوگا۔ (۳۱۹)

۱۶۔ زیاد جو فارس کا عامل تھا، امیرالمومنینؑ نے اس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "عدل و انصاف کو عمل میں لاؤ اور ناحق ظلم اور سختی کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ ناحق سختی لوگوں میں تفرق و ترک وطن کا موجب بنتی ہے اور ظلم تلوار کی طرف لے جاتا ہے۔ (۳۲۰)

حاکم کا ظلم اور اس کے عاملوں کی زیادتیاں امت کے انقلاب برپا کرنے اور تلوار کے ساتھ حکومت کے خلاف قیام کرنے کے بنیادی سبب ہیں۔

۱۷۔ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "عدل شہد سے زیادہ میٹھا، مکھن سے زیادہ ملائم اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا ہے۔ (۳۲۱)

۱۸۔ امام ابو ابراہیم موسیٰ کاظمؑ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وہ زمین کی موت کے بعد اسے زندہ کرتا ہے" کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "بارش سے زندہ نہیں کرتا لیکن اللہ کچھ مردوں کو بھیجتا ہے جو عدل وانصاف کو زندہ کرتے ہیں تو زمین عدل کے زندہ ہونے سے زندہ ہوتی ہے"۔ (۳۲۲)

۱۹۔ نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "امام عادل کی ایک ساعت ستر سال کی عبادت سے افضل ہے اور اللہ کی جو حد زمین میں قائم کی جائے وہ چالیس صبحوں کی بارش سے بڑھ کر ہے"۔ (۳۲۳)

۲۰۔ امیر المومنینؑ نے خلیفہ عثمان سے فرمایا: "پس تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدا کے بندوں میں اس کے ہاں افضل وہ امام عادل ہے جسے ہدایت کی گئی اور وہ (دوسروں کو) ہدایت کرے، پس وہ سنت معلومہ کو قائم کرے اور بدعت مجہولہ کو ختم کرے"۔ (۳۲۴)

۲۱۔ نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب اور نشست کے لحاظ سے زیادہ قریب امام عادل ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مبغوض اور نشست کے لحاظ سے زیادہ دور امام جائر ہو گا۔ (۳۲۵)

۲۲۔ آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہے جب تک وہ ظلم وجور نہ کرے، پس جب وہ ظلم کرتا ہے تو خدا اس کو چھوڑ دیتا ہے اور شیطان اس سے آچمٹتا ہے"۔ (۳۲۶)

۲۳۔ آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "قاضی کی زبان جہنم کے دو انگاروں کے درمیان رہتی ہے یہاں تک کہ وہ لوگوں میں حکم وفیصلہ کرے تو پھر وہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف ہے۔ (۳۲۷)

۲۴۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "خدا تمہیں حکم دیتا ہے امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو" کی تفسیر میں آثار سے وارد ہوا ہے کہ دو بچوں نے ایک تحریر لکھی اور اسے امام حسن مجتبیٰؑ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ آپ فیصلہ کریں کہ ان میں سے کس کا خط زیادہ اچھا ہے، پس امیر المومنینؑ نے یہ معاملہ ملاحظہ کیا تو فرمایا: "اے فرزند! یہ سوچ لینا کہ تم کس طرح فیصلہ کرتے ہو کیونکہ یہ بھی ایک حکم ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے بارے میں تم سے پوچھے گا"۔ (۳۲۸)

۲۵۔ ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ کو یہ فرماتے سنا: "جو دو درہموں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے حکم کے خلاف فیصلہ دے تو وہ رب عظیم کا نافرمان اور منکر ہے"۔ (۳۲۹)

۲۶۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "قسم بخدا کہ میں ظالم کے خلاف مظلوم سے انصاف کروں گا اور ظالم کی نکیل پکڑ کر اسے حق کے گھاٹ پر پہنچاؤں گا چاہے وہ اسے ناپسند ہی کرے"۔ (۳۳۰)

ان کے علاوہ بھی کئی ایک روایات ہیں جو عدل کے وجوب، عدل و عادل کے برکات اور ظلم و ظالم کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں. ان کے مظان اور مقام کی طرف رجوع کریں، اسے یاد رکھیں۔

تاہم عدالت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمام افراد عطایا، اعمال اور مناصب کے لحاظ سے برابر ہوں بلکہ عدالت سے مراد ہر صاحب حق کو اس کا حق دینا ہے اور وہ موازین و ضوابط جو اللہ تعالیٰ نے جاری کیے ہیں، انہیں طبیعتوں، مزاجوں اور قابلیتوں کی بناء پر شخصی تعلقات اور خواہشات پر مقدم رکھنا ہے۔ اگرچہ مناصب و فرائض اہلیتوں اور قابلیتوں کی بنیاد پر تفویض کیے جاتے ہیں لیکن اگر ان میں خصوصی معلومات اور اعلیٰ مہارات کی رعایت نہ ہو تو یہ اس شخص اور قوم دونوں پر ظلم ہے۔

نبی اکرمؐ سے مروی ہے: "جو کسی گروہ سے ایک شخص کو عامل بنائے جب کہ ان میں خدا کے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ فرد موجود ہو تو اس عامل بنانے والے نے خدا، رسولؐ اور مومنین سے خیانت کی ہے"۔ (۳۳۱)

اسی طرح کی اور بھی بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔

مالک اشتر کے نام امیرالمومنینؑ کے مکتوب میں ہے: "اور تمہارے نزدیک نیکو کار اور بدکار دونوں برابر نہ ہوں، کیونکہ یہ نیکوں کو نیکی سے بے رغبت کرنا اور بروں کو بدی پر آمادہ کرنا ہے بلکہ ہر شخص کو اس منزلت پر رکھو کہ جس کا وہ مستحق ہے"۔ (۳۳۲)

یعنی بدکار نے اپنی بدی کی وجہ سے اپنے لئے ملامت اور عتاب لازم کر لیا اور نیکو کار نے اپنی نیکی کے باعث کرامت و عنایت کا استحقاق حاصل کر لیا ہے۔ اسے یاد رکھیں

عدل اجتماعی کے سائے میں مناصب و فرائض کا قابلیتوں اور خصوصیتوں کی بنیاد پر تفویض کرنا لوگوں کی اہلیت میں اضافے اور استعداد کے ظہور کا باعث ہوتا ہے۔

ہاں تو معاشرے کے تمام افراد اور طبقات قانون کی نظر میں برابر ہیں جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

۱۱۔ قانون کی نظر میں مساوات

حکومت اسلامی دوسری حکومتوں سے اس بات میں ممتاز ہے کہ اس میں حقوقی اور جزائی قوانین کے نفاذ میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا، پس حکومت اسلامی میں رئیس و مرؤس، راعی و رعیت، عربی، و عجمی، سرخ و سیاہ اور غنی و فقیر میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے بلکہ اس میں صرف نیک و بد کے درمیان امتیاز ہوتا ہے، کیونکہ ان سب کا حاکم ایک، قانون ایک اور محکمہ بھی ایک ہے۔

البتہ تقویٰ و نیکی کی یہ قداست و کرامت معنوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا. ان اکرمکم عند اللہ اتقیٰکم – (۳۳۳)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ ایک

دوسرے کو شناخت کرے، اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیز گار ہو"۔

نبی کریمؐ سے مروی ہے: "اے لوگو! یاد رکھو کہ تمہارا پروردگار ایک اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، یاد رکھو — کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی سیاہ کو سرخ پر اور کسی سرخ کو سیاہ پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ"۔ (۳۳۴)

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے کہ مناصب و فرائض حاصل نہیں ہوتے مگر اہلیتوں اور قابلیتوں کے ساتھ اور یہ چیز بلاوجہ نہیں ہے لیکن قوانین حقوقی و جزائی میں سب کے لئے ایک ہی معیار و میزان ہے اور نفاذ قانون میں نسب، رنگ، وطن، زبان، اور منصب کا اختلاف کسی فرق و امتیاز کا موجب نہیں بنتا۔

۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب خدا باب قصاص میں توریت سے نقل کرتے ہوئے کہتی ہے:

وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين، والانف بالانف، والاذن بالاذن، والسن بالسن، والجروح قصاص، فمن تصدق به فهو كفارة له، ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون - (۳۳۵)

"اور ہم نے توریت میں یہودیوں پر یہ (حکم) فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخم کے بدلے (ویسا ہی) برابر کا بدلہ (زخم) ہے" پھر جو (مظلوم) ظالم کی خطاء معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیگا، اور جو شخص خدا کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں"۔

پس اس صورت میں ایک نفس کا دوسرے نفس سے کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔ نبی کریمؐ سے مروی ہے: "لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح باہم برابر ہیں"۔ (۳۳۶)

۳۔ آنحضرتؐ سے روایت آئی ہے: "وہ قوم کبھی شائستہ نہیں ہو سکتی کہ جس میں کمزور کا حق طاقتور سے کھلے عام نہ دلایا جائے"۔ (۳۳۷)

۴۔ نبی اکرمؐ نے اس قانون مساوات کو سوادہ کے معاملے میں اپنی ذات پر نافذ کر کے دکھا دیا: "سوادہ بن قیس وہ ہے جس نے نبی کریمؐ کی بیماری کے دوران آپ سے کہا: یا رسول اللہؐ! آپ طائف سے آتے ہوئے ناقہ عضباء پر تھے اور آپ کے ہاتھ میں لمبی شاخ کی چھڑی تھی، آپ نے چھڑی بلند کی اور اپنی سواری کو مارنا چاہتے تھے — لیکن وہ میرے شکم پر آلگی۔ یہ سن کر نبی کریمؐ نے اس سے فرمایا کہ وہ اپنا قصاص لے لے، اس نے کہا: یا رسول اللہؐ! آپ اپنے شکم سے لباس ہٹا دیں۔ تب آپ نے شکم سامنے کر دیا تو سوادہ نے کہا: کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے لب آپ کے شکم پر رکھ لوں، آپ نے اجازت دی تو اس نے کہا: میں خدا کے رسولؐ سے قصاص لینے کی بجائے اس مقام قصاص کے واسطے سے جہنم کی آگ سے پناہ چاہتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے سوادہ! تم معاف کرو گے، یا قصاص لوگے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہؐ! میں معاف کرتا ہوں، آپ

نے دعا کی اور فرمایا: اے معبود! سوادہ بن قیس کو معاف فرما دے جس طرح اس نے تیرے نبی محمدؐ کو معاف کر دیا۔ (۳۳۸)

۵۔ نبی اکرمؐ سے روایت آئی ہے: "قریش کے لئے اس مخزومی عورت کا معاملہ اہمیت اختیار کر گیا کہ جس نے چوری کی تھی، انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اس عورت کے بارے میں نبی کریمؐ سے کون بات کرے ــــ پھر کہنے لگے کہ رسول اللہؐ کی اس سے محبت کی بناء پر اسامہ کے بغیر کون یہ جرأت کر سکتا ہے، پس اسامہ نے آپ سے اس بارے میں بات کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تو اللہ کے حدود میں سے ایک حد کے اجراء کے مقابل سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ اٹھے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد کیا: اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگوں کو اس چیز نے ہلاکت میں ڈالا کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کر لیتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے ــــ قسم بخدا کہ (معاذ اللہ) اگر فاطمہؑ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا"۔ (۳۳۹)

۶۔ صحیحہ محمد بن قیس میں امام ابو جعفر محمد باقرؑ سے مروی ہے: "ام المومنین بی بی ام سلمہ کی ایک کنیز نے کسی قبیلے کی کوئی چیز چوری کر لی، پس اسے نبی کریمؐ کے پاس لایا گیا اور ام سلمہ نے اپنی اس کنیز کے متعلق آنحضرتؐ سے گفتگو کی ــــ اس پر آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! یہ خدا کے حدود میں سے ایک حد ہے جسے ضائع نہیں کیا جا سکتا ــــ پھر آپ نے اس کنیز کا ہاتھ قطع کیا"۔ (۳۴۰)

۷۔ حلبی نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "امیر المومنینؑ نے خلیفہ عمر سے فرمایا کہ اگر تم نے تین چیزوں کی حفاظت کی اور ان پر عمل کیا تو وہ دوسری چیزوں کے مقابل تمہاری کفایت کریں گی اور اگر انہیں ترک کر دیا تو کوئی اور چیز تمہیں نفع نہیں دے گی۔ خلیفہ عمر نے کہا کہ اے ابو الحسنؑ! وہ کونسی چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: دور و نزدیک کے ہر شخص پر حدود قائم کرنا، رضایت و غضب ہر حالت میں کتاب اللہ کے مطابق حکم و فیصلہ کرنا اور ہر سرخ و سیاہ کے درمیان عادلانہ تقسیم کرنا۔ خلیفہ عمر نے کہا کہ آپ نے مختصر مگر بہت بلیغ بات کہی ہے"۔ (۳۴۱)

اس کے ساتھ ایک اور مرسل روایت بھی تھی اور ہم نے اس کا ترجمہ کرنا مناسب نہیں سمجھا (مترجم)

۸۔ اپنے ایک عامل کے نام امیر المومنینؑ نے لکھا کہ جس نے مسلمانوں کا کچھ مال خورد برد کیا تھا: "جو کچھ تم نے کیا ہے، بخدا کہ اگر حسنؑ و حسینؑ بھی ایسا کرتے تو میں ان سے کوئی رعایت نہ کرتا اور نہ وہ مجھ سے اپنی کوئی خواہش پوری کرا سکتے ــــ یہاں تک کہ میں ان سے وہ حق واپس لیتا اور ان کے ظلم سے پیدا شدہ غلط نتائج و اثرات کو مٹا دیتا"۔ (۳۴۲)

۹۔ المناقب سے نقل ہوا ہے: "معاویہ کو خبر ملی کہ نجاشی نے اس کی ہجو کی ہے ــــ اس نے کچھ لوگوں سے سازش کی اور انہوں نے امیر المومنینؑ کے حضور نجاشی کے شراب پینے کی شہادت دے دی اور آپ نے اسے گرفتار کر کے اس پر حد جاری کر دی۔ اس سلسلے میں ایک گروہ امیر المومنینؑ سے ناراض ہو گیا کہ جس میں طارق بن عبداللہ نہدی بھی تھا، پس اس نے کہا: یا امیر المومنینؑ! ہم یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اہل معصیت و اطاعت اور اہل تفرقہ و جماعت، والیان عقل اور معاون فضل کے نزدیک جزاء و سزا میں برابر ہیں تاوقتیکہ آپ کی طرف سے میرے بھائی حارث یعنی نجاشی سے یہ سلوک نہ ہوا تھا۔ اس سلوک

سے ہمارے سینے غصے میں بھر گئے اور ہمارے امور میں افتراق پیدا ہو گیا ہے، اس کے نتیجے میں ہم اس راستے پر جانے پر آمادہ ہو گئے کہ جس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ جو اس راستے پر ہو لیا اس کی راہ جہنم کی آگ کی طرف ہے۔ تب امیر المومنینؑ نے فرمایا: بے شک یہ چیز (عدالت) بہت بھاری اور گراں ہے مگر خشوع کرنے والوں پر اور اے بنی نہد کے بھائی ___ کیا وہ مرد مسلمانوں میں سے نہیں ہے کہ جس نے محرمات خداوندی میں سے ایک کی ہتک کی اور ہم نے اس پر مقررہ حد جاری کی ہے جو اسے پاک کرنے اور اس کا تزکیہ کرنے کے لئے ہے۔ اے بنی نہد کے بھائی ___ یاد رکھو کہ جو بھی حد (والے کام کو) بجا لائے اسے دکھ دیا جائے (اور اس پر حد قائم کی جائے) تو وہ اس کا کفارہ ہے۔ اے بنی نہد کے بھائی ___ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے "کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو کہ وہ تقویٰ کے بہت قریب ہے"۔ پس طارق اور اس کے ساتھ نجاشی بھی اٹھے اور معاویہ کی طرف چلے گئے ___ اور کہا جاتا ہے کہ وہ پلٹ آئے تھے"۔ (۳۴۳)

اس کے باوجود کہ نجاشی شیعان علیؑ کے بڑے لوگوں میں تھا اور اس نے آپ ہی کی حمایت میں معاویہ کی ہجو کی تھی، لیکن جب گواہوں نے اس کے خلاف شراب نوشی کی گواہی دی تو آپ نے اس پر حد جاری کر دی، اس طرح آپ نے قانون کی نظر میں انسانوں کی برابری اور مساوات کا عملی نمونہ قائم کر کے دکھا دیا۔

۱۰۔ عدل و مساوات کے روشن مظاہر میں یہ واقعہ ہے کہ امیر المومنینؑ اپنی حکومت و خلافت کے زمانے میں شریح کے سامنے حاضر ہوئے اور طرف مقابل میں اس یہودی کے پہلو میں تشریف فرما ہوئے جیسا کہ حلیۃ الاولیاء، نزہتہ الابصار اور المناقب میں نقل ہوا ہے: "امیر المومنینؑ ایک یہودی کے ساتھ اپنے مقدمے میں قاضی شریح کے پاس گئے اور فرمایا: اے یہودی! یہ زرہ میری ہے کہ نہ میں نے اسے بیچا اور نہ کسی کو ہبہ کیا ہے۔ یہودی نے کہا: یہ زرہ میری ہے کہ میرے قبضے میں ہے۔ پس شریح نے آنجنابؑ سے بینہ اور گواہ طلب کیئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ قنبر اور حسینؑ اس بارے میں میری گواہی دیتے ہیں۔ شریح نے کہا: بیٹے کی گواہی باپ کے لئے اور غلام کی گواہی اس کے آقا کے حق میں جائز نہیں ہے ___ کیونکہ یہ دونوں بات کو آپ ہی کی طرف کھینچیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا: وائے ہو تم پر اے شریح کہ تو نے کئی وجوہ سے خطاء و غلطی کی ہے! پہلی یہ کہ میں تیرا امام ہوں اور میری اطاعت کرنا تیرے لئے دین اللہ ہے ___ تو جانتا ہے کہ میں باطل بات نہیں کہتا اور تو نے میرے قول کو رد کیا اور میرے دعوے کو باطل قرار دیا ہے۔ پھر تو نے مجھ سے گواہ مانگے اور میرے گواہوں میں ایک غلام اور دوسرا اہل جنت کے دو سرداروں میں سے ایک ہے جبکہ تو نے ان کی گواہی کو رد کر دیا ہے بلکہ ان کے خلاف ادعا کیا ہے کہ یہ بات کو میری طرف کھینچتے ہیں۔ تاہم میں سوائے اس کے تیری کوئی سزا قرار نہیں دیتا کہ تم تین دن یہودیوں میں گزارو اور اس کو نکال دو ___ پس وہ زرہ یہودی کو دے دی گئی اور شریح نے تین دن یہودیوں میں کاٹے اور واپس آ گیا۔ جب یہودی نے یہ ماجرا دیکھا تو کہنے لگا: ہاں یہ امیر المومنینؑ ہوتے ہوئے قاضی کے سامنے پیش ہوئے اور اس نے ان کے خلاف حکم و فیصلہ دیا ہے، وہ مسلمان ہو گیا اور پھر کہا: یہ زرہ آپ ہی کی ہے جو جنگ صفین کے دن ایک خاکستری اونٹ پر سے گر گئی اور میں نے اٹھائی تھی"۔ (۳۴۴)

۱۱۔ جب تقسیم اموال میں برابری کی تقسیم پر کچھ لوگ بگڑے تو آپ نے فرمایا: "کیا تم مجھ پر یہ چیز عائد کرنا چاہتے ہو کہ میں جن لوگوں کا حاکم ہوں ان پر ظلم و زیادتی کر کے (کچھ افراد کی) مدد حاصل کروں، قسم بخدا___ جب تک دنیا کا سلسلہ چلتا رہے گا اور کچھ ستارے دوسرے ستاروں کی طرف جھکتے رہیں گے، میں اس عمل کے قریب بھی نہیں پھٹکوں گا۔ اگر یہ میرا اپنا مال ہوتا تو بھی میں اسے سب میں برابر تقسیم کرتا چہ جائیکہ یہ اللہ کا مال ہے___ دیکھو کسی حق کے بغیر داد و دہش کرنا بے اعتدالی اور فضول خرچی ہے۔ فضول خرچی کسی شخص کو دنیا میں بلند کرتی ہے لیکن آخرت میں پست کرتی ہے___ لوگوں میں اس کی عزت میں اضافہ کرتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل کرتی ہے۔ جو بھی شخص بغیر استحقاق کے یا نااہل افراد کو مال دے گا۔ خدا اس کو ان کے شکریہ سے محروم ہی رکھے گا اور ان کی محبت و دوستی دوسروں ہی کے حصے میں آئے گی۔ اگر کسی دن اس کے پیر پھسل جائیں (تنگ دستی اسے گھیر لے) اور وہ ان کی مدد کا محتاج ہو جائے تو وہ اس کے لئے بہت ہی برے ساتھی اور کمینہ دوست ثابت ہوں گے"۔ (۳۴۵)

۱۲۔ نبی اکرمؐ سے مروی ہے: "محتاجوں کو ذلت کے ساتھ خاموش کرانا چھوڑ دو، یعنی تم میں کوئی شخص مالدار ہوتا ہے___ پس اس کے پاس بیوائیں، یتیم بچے اور محتاج افراد آتے ہیں، ان سے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ تاکہ ہم تمہاری حاجت کے بارے میں سوچ بچار کریں۔ پس انہیں یوں ذلت کے ساتھ خاموش کرا کے چھوڑ دیا جاتا ہے، نہ ان کی حاجت پوری کی جاتی ہے نہ انہیں وہاں سے چلے جانے کو کہا جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی تونگر آدمی اس کے پاس آتا ہے تو وہ شخص اسے اپنے پہلو میں بٹھاتا اور کہتا ہے کہ کیسے آنا ہوا ہے؟ وہ اپنا مقصد بتاتا ہے تو اپنے آدمیوں سے فرمائش کرتا ہے کہ اس کی حاجت پوری کرو اور اس میں بہت جلدی سے کام لو۔ حل عن ابی ہریرہ۔ (۳۴۶)

۱۳۔ اس بحث کے اختتام اور آخر میں ہم حق کے بارے میں وہ تشریح و تفصیل بیان کرتے ہیں جو امیر المومنینؑ نے بیان فرمائی اور آپ کے بہت ہی بلیغ اور لطیف کلمات میں سے ہے، اس میں آپ نے بتایا ہے کہ حق و قانون کے سامنے معاشرے کے تمام افراد اور طبقات ایک ہی مقام پر ہیں___ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

"اما بعد___ اللہ سبحانہ، نے مجھے تمہارے امور کا اختیار دے کر تم پر میرا حق قائم کر دیا ہے اور جس طرح میرا حق تم پر ہے ویسا ہی تمہارا حق مجھ پر ہے، یوں تو حق کے بارے میں باہمی اوصاف گنانے میں بڑی وسعت ہے لیکن آپس میں حق وانصاف کرنے کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ دو آدمیوں میں ایک کا دوسرے پر حق اس وقت ہے جب دوسرے کا بھی پہلے پر حق ہو۔ یہ چیز کہ کسی پر دوسرے کا حق نہ ہو تو یہ امر ذات باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں پر پورا تسلط رکھتا ہے اور وہ تمام چیزیں جن میں اس کی قضاء وقدر کے فرمان جاری ہوئے ہیں، ان میں عدل کرتے ہوئے اس نے___ ہر صاحب حق کا حق اسے دے دیا ہے۔ (۳۴۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اسلام آیا تو اس وقت افراد انسانی مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے نسل...... رنگ و زبان، وطن، مذہب، قبیلہ اور حکومت و سیاست کی بناء پر ایک دوسرے پر تجاوز کرتے اور اپنی برتری دکھاتے تھے۔ ہر گروہ دوسروں کے ساتھ انہی انسانی رشتوں کی مخالفت کرتے ہوئے جنگ وجدل کرتا تھا، پس اسلام نے انہیں وحدت، اخوت، مساوات اور

عادلانہ قوانین کی طرف دعوت دی جو حقوق کی حفاظت کرنے اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔
لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات اور اس کے مقاصد کی معرفت نہیں اور وہ اس کی خوبیوں اور برکتوں کی طرف ملتفت نہیں ہیں، لیکن مغرب کی طرف سے آئے ہوئے نظریات کے فریب میں پھنسے ہوئے اپنے دین اور مذہب کی خصوصیات سے غافل رہنے میں انہیں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔

۱۲۔ قاضی کا استقلال

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ نظام کی پائیداری اور ملک و قوم کی سلامتی امر قضاوت کی مضبوطی و استواری پر موقوف ہے جیسا کہ بیان ہوچکا ہے۔ تاہم یہ چیز قاضی کے استقلال یعنی سیاسی و اقتصادی لحاظ سے اس کی قوت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، تاکہ کوئی شخص اسے لالچ دینے، زیر کرنے اور دباؤ ڈالنے کا خیال نہ کرے۔ چنانچہ امیر المومنین ؑ نے مالک اشتر کے نام اپنے مکتوب میں اس اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے، پس آپ نے قضاوت کے لئے منتخب کیے جانے والے کے اوصاف بیان کرنے کے بعد فرمایا: "پھر یہ کہ تم ان کے کیے ہوئے فیصلوں کا بار بار جائزہ لیتے رہنا، انہیں دل کھول کر اتنا مال دے دینا کہ جس سے ان کا ہر عذر ناقابل سماعت ہو جائے اور انہیں لوگوں سے کوئی احتیاج نہ رہے، انہیں اپنے نزدیک عزت کے بلند مقام پر رکھنا تاکہ تمہارے دربار میں رسائی رکھنے والے افراد ان کو ضرر پہنچانے کا خیال دل میں نہ لائیں اور وہ ان کی سازشوں سے مامون رہیں۔ اس بارے میں انتہائی بالغ نظری سے کام لینا"۔ (۳۴۸)
اس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی اپنے فکر و ارادہ میں مستقل اور آزاد ہو، تصمیم و قرار اور اپنے موقف میں قوی ہو اور مالی و اقتصادی دباؤ سے متاثر نہ ہو۔
ادارہ قضاوت (عدلیہ) جو ادارہ تنفیذی (انتظامیہ) سے الگ اور اپنی جگہ مستقل شمار کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انتظامیہ سے متاثر نہ ہو اور انتظامیہ پر اس کا تسلط و اختیار ہو اور تمام وزراء حکام اور افسران و اہلکاران اس سے خائف رہیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ امیر المومنین ؑ بھی اپنی حکومت و خلافت کے زمانے میں قاضی شریح کی عدالت میں حاضر ہوئے اور اپنے فریق مخالف جو یہودی تھا اس کے ساتھ بیٹھے، اس سے قاضی کی اہمیت اور اس کی حیثیت معلوم ہو سکتی ہے، اگر یہ صورت نہ ہوتی تو حکومتیں اور سیاسی و اقتصادی ادارے قاضی و قضاوت پر اثر انداز ہو جاتے ــــ اس پر غور کریں۔

۱۳۔ قاضی کے بعض آداب

قاضی کے آداب کے بارے میں ہم بعض اخبار اور نہایہ میں سے شیخ کے کلام کی نقل پر اکتفاء کرتے ہیں، اس موضوع کی تفصیل اس کے محل و مقام سے حاصل کی جا سکتی ہے۔
۱۔ محمد بن مسلم نے ابو جعفر ؑ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ؐ نے فرمایا: "جب دو اشخاص اپنا مقدمہ لے کر تمہارے پاس آئیں تو ان میں سے پہلے کے حق میں فیصلہ نہ دو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو، اگر تم ایسا کرو گے تو قضاوت تم پر واضح اور

آسان ہو جائے گی"۔ (۳۴۹)

۲۔ شیخ صدوقؒ نے امام علی رضاؑ سے ان کے آباؤ اجداد اور امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا جبکہ مجھے یمن کی طرف بھیجا: "جب تمہارے سامنے ایک مقدمہ پیش کیا جائے تو ایک فریق کے حق میں فیصلہ نہ دینا جب تک دوسرے سے بھی دریافت نہ کرلو۔۔۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں قضاوت میں کبھی شک و تردید میں نہیں پڑا"۔ (۳۵۰)

۳۔ عیاشی نے امام حسنؑ کے ذریعے امام علیؑ بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے مجھے بھیجا تو فرمایا: "عنقریب لوگ اپنے مقدمات لے کر تمہارے پاس آئیں گے، پس جب فریقین تمہارے پاس آئیں تو ایک کے حق میں فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے کی بات بھی نہ سن لو، کیونکہ یہ زیادہ مناسب ہے کہ تمہیں حق کا علم ہو جائے"۔ (۳۵۱)

۴۔ صحیحہ ہشام بن سالم میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "امیر المومنینؑ اول کلام کا مفہوم اس کے آخری حصے کو دیکھے بغیر معین نہیں فرماتے تھے"۔ (۳۵۲)

۵۔ سکونی نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "جو شخص قضاوت کا فریضہ ادا کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ فریقین کی طرف دیکھنے، اشارہ کرنے اور ان کی نشست کی جگہ میں مساوات و برابری کا لحاظ رکھے"۔ (۳۵۳)

۶۔ مذکورہ بالا سند ہی سے مروی ہے: "ایک شخص امیر المومنینؑ کے ہاں مہمان ہوا اور چند روز ٹھیرا، پھر وہ کسی خصومت (حکومت۔۔۔خ ل) اور مقدمے کے سلسلے میں حاضر ہوا کہ جس کا پہلے امیر المومنینؑ سے ذکر نہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آیا میں تیرا مقدمہ سنوں؟ اس نے کہا۔۔۔جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر تم ہمارے ہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہو جاؤ کیونکہ رسول اکرمؐ نے فریقین میں سے ایک فریق کو مہمان کرنے سے منع کیا ہے مگر یہ کہ فریق مخالف بھی ساتھ ہو"۔ (۳۵۴)

۷۔ سکونی نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جو شخص قضاوت کے درپے ہو وہ غصے کی حالت میں حکم و فیصلہ نہ دے"۔ (۳۵۵)

۸۔ کلینی نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے شریح سے فرمایا: "اپنی مجلس قضاوت میں کسی سے مشورہ (راز کی بات) نہ کرو اور اگر تمہیں غصہ آجائے تو کھڑے ہو جاؤ اور اس حالت میں فیصلہ نہ کرو۔ راوی کہتا ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: قاضی کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہے، پس اگر بات دل کے مطابق ہو تو کہتا ہے اور اس کے خلاف ہو تو رک جاتا ہے"۔ (۳۵۶)

۹۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ سلمہ بن کہیل سے روایت کی ہے کہ میں نے امیر المومنینؑ کو شریح سے یہ فرماتے سنا: "تو قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے والوں اور اہل قدرت میں سے لوگوں کے حقوق ضائع کرنے والوں پر نظر رکھ کہ جو لوگوں کے مال کو حکام سے قرب کا ذریعہ بناتے ہیں، پس ان سے لوگوں کے حقوق وصول کر اور اس کے لئے ان کے مکان و جائداد کو فروخت کردے، کیونکہ میں نے نبی کریمؐ سے سنا ہے کہ خوشحال مسلمان کا ٹال مٹول کرنا قرض خواہ پر ظلم ہے اور

جس کے پاس کوئی مال و جائداد نہ ہو تو اس پر کوئی چارہ نہیں ہے ــــ یاد رکھو کہ لوگوں کو حق پر نہیں ابھار سکتا مگر وہ جو ان کو باطل سے روکے۔

پھر مسلمانوں کے ساتھ اپنی توجہ، گفتگو اور نشست میں برابری رکھ تاکہ تیرا دوست ظلم میں تجھ سے طمع نہ رکھے اور تیرا دشمن تیرے عدل سے مایوس نہ ہو۔

بینہ اور گواہ کے ہوتے ہوئے مدعی کو قسم بھی دے کہ یہ چیز بے خبری کو دور کرنے اور قضاوت کو ثابت کرنے والی ہے۔

تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان ایک دوسرے پر گواہی دینے میں عادل ہیں مگر وہ شخص کہ جسے ایسی حد میں کوڑے مارے گئے ہوں جس سے اس نے توبہ نہ کی ہو یا وہ جو جھوٹی گواہی دینے میں مشہور ہو یا بخیل ہو۔ نیز مجلس قضاء میں کسی کو جھڑکنے اور اذیت دینے سے پرہیز کرو کہ خدا نے قضاوت کو واجب کیا اور اسے باعث اجر اور اچھا ذخیرہ قرار دیا ہے اس کے لئے جو حق کے مطابق فیصلہ کرے۔

تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں صلح کرانا جائز ہے مگر ایسی نہیں کہ جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے، پس جو غائب گواہوں کے ساتھ کوئی دعویٰ کرے تو ان کی حاضری کی میعاد مقرر کر دے، پس اگر وہ انہیں حاضر کر دے تو اس کا حق دلا دے اور اگر گواہوں کو حاضر نہ کرے تو پھر اس کے خلاف فیصلہ سنا دے۔

اس سے بچتا رہ کہ تو قصاص یا کسی حد شرعی یا مسلمانوں کے کسی حق کے بارے میں کوئی فیصلہ نافذ کرے تاوقتیکہ اسے میرے سامنے پیش نہ کرے۔ نیز یہ کہ جب تک کھانا نہ کھالو مجلس قضاوت میں نہ بیٹھو ــــ اسے شیخ اور صدوق نے بھی روایت کیا ہے۔ (۳۵۷)

۱۰۔ عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "مقدمے کے دونوں فریق قاضی و حکم کے سامنے برابر کی جگہ پر بیٹھیں گے"۔ (۳۵۸)

۱۱۔ یہ روایت بھی آئی ہے: "ابو مسعود انصاری اپنے حلقے میں بیٹھا تھا کہ ابواب کندہ سے دو شخص داخل ہوئے اور کہنے لگے: آیا یہاں کوئی ایسا آدمی ہے جو ہمارے درمیان حکم و فیصلہ کرے ــــ پس حلقہ میں سے ایک شخص نے کہا: میں فیصلہ کر سکتا ہوں ــــ تب ابو مسعود انصاری نے اسے کنکریاں ماریں اور کہا ذرا ٹھہرو کہ قضاوت میں جلدی کرنے کو ناپسند کیا جاتا ہے"۔ (۳۵۹)

۱۲۔ ابوہریرہ سے مروی ہے: "نبی اکرمؐ نے حکم و فیصلہ کرنے میں رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت کی ہے"۔ (۳۶۰)

۱۳۔ سماعہ نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "حکم و فیصلہ کرنے میں رشوت لینا خدا کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے"۔ (۳۶۱)

۱۴۔ ام المومنین ام سلمہ سے مروی ہے: "نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں میں قضاوت کے درپے ہو تو اشارہ کرنے، دیکھنے اور نشست میں ان کے درمیان برابری کو ملحوظ رکھے"۔ (۳۶۲)

۱۵۔ انہی ام المومنین سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جو شخص مسلمانوں میں قضاوت کرنے کے درپے ہو تو فریقین میں سے کسی ایک پر آواز بلند نہ کرے جب تک دوسرے پر بھی آواز بلند نہ کرے"۔ (۳۶۳)

۱۶۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: "قاضی کسی ایک فریق کو اپنا مہمان نہ بنائے اور اپنے قریب نہ کرے نیز اس سے بات نہ کرے جب تک دوسرا فریق بھی اس کے ساتھ نہ ہو"۔ (۳۶۴)

۱۷۔ ابو سعید سے مروی ہے: "کوئی قاضی فریقین کے درمیان حکم و فیصلہ نہ کرے مگر یہ کہ وہ سیر و سیراب ہو"۔ (۳۶۵)

۱۸۔ نہایہ شیخ طوسی میں ہے: "قاضی جب قضاوت کے لئے بیٹھنے کا ارادہ کرے تو اسے اپنی وہ حاجات پوری کر لینا چاہئیں جن سے اس کے نفس کا تعلق ہے، تاکہ وہ حکم و فیصلہ کے لئے یکسو ہو اور اس کا دل کسی اور چیز میں مشغول نہ ہو۔ تب وہ نماز کے لئے وضو کرے، پاک و پاکیزہ لباس پہنے اور جس شہر میں فیصلہ کرنا ہو اس کی مسجد اعظم میں جائے اور دو رکعت نماز پڑھے، بعدہ پشت بہ قبلہ بیٹھے تاکہ فریقین مقدمہ اس کے سامنے بیٹھیں تو ان کے چہرے قبلہ کی طرف ہوں۔ جب مجلس قضا میں بیٹھے تو وہ نہ تو بھوکا پیاسا ہو اور نہ حالت خوف و حزن میں ہو اور نہ کسی سوچ بچار میں ہو ــــ بلکہ اس پر ہدایت، سکینت اور وقار کی کیفیت ہو.......... جب دو فریق اس کے پاس آئیں تو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ آغاز کلام نہ کرے، پس اگر وہ دونوں سلام کریں یا ایک سلام کرے تو صرف جواب سلام دے اور کوئی بات نہ کرے ــــ وہ فریقین کو ایک نظر سے دیکھے اور انہیں ایک جیسی جگہ پر بٹھائے، اس کو ان پر کوئی سوال نہ کرنا چاہئے یہاں تک کہ وہ خود ہی گفتگو کا آغاز کریں۔ (۳۶۶)

۱۴۔ قاضی کے اختیارات اور فرائض

ماوردی نے کہا اور اس کا خلاصہ یہ ہے:

قاضی و حاکم کی ولایت عموم یا خصوص سے خالی نہیں ہو گی، پس اگر اس کی ولایت عام و مطلق ہو تو اس کی نظارت و نگرانی دس احکام پر مشتمل ہو گی:

۱۔ فصل منازعات، قطع اختلافات و خصومات میں طرفین کی رضایت سے صلح ہو گی یا ان میں قطعی حکم نافذ کیا جائے گا۔

۲۔ حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والے سے لوگوں کے حقوق اخذ کر کے مستحقین تک پہنچانا، ان کے حقوق اقرار یا شہادت میں سے کسی ایک کے ذریعے ثابت ہوں گے۔

لیکن قاضی کے اپنے علم کے مطابق حکم و فیصلہ کرنے میں اختلاف ہے، پس مالک اور شافعی نے اپنے ایک قول میں اسے جائز قرار دیا ہے، ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اس کے لئے ایسے مقدمات میں اپنے علم کے مطابق حکم کرنا جائز ہے جس کا علم ولایت کے زمانے میں ہوا ہو اور اس میں حکم نہیں کر سکتا کہ جس کا علم اس سے پہلے ہوا ہو۔

۳۔ اس کی ولایت اس پر ثابت ہے جو جنون یا صغر سنی کی وجہ سے اپنے مال سے ممنوع التصرف ہے، وہ انہیں اس میں

تصرف کرنے سے حجر و منع کر سکتا ہے جب کہ وہ ایسا کرنا مناسب سمجھے، تاکہ وہ اموال حقداروں کے لئے محفوظ رکھے جا سکیں۔

۴۔ اوقاف کے مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے شعبوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی نگرانی کرنا، یعنی قاضی ان کا سرمایہ ہاتھ میں لے اور اسے مقررہ مدات میں خرچ کرے، اگر کوئی ان کا نگران ہے تو اس کی رعایت کرے اور اگر نہیں ہے تو ان کا انتظام سنبھالے۔

۵۔ وصیت کرنے والوں کے شروط کے مطابق وصیتوں پر عمل کرانے کے درپے ہو، اس میں ان امور کے بارے میں وصیت پوری کرائے جن کو شارع نے مباح قرار دیا اور ان سے منع نہیں کیا، پس اگر ان کے لئے کوئی وصی ہو تو اس کی مراعات کرے ورنہ خود اس کا ذمہ دار ہو۔

۶۔ وہ بیوہ عورتیں جو نکاح کی خواہشمند ہوں اور ان کا کوئی وارث نہ ہو تو ان کے ہم پلہ مردوں سے ان کے نکاح کرے، البتہ ابو حنیفہ اس امر کو قاضی کے حقوق ولایت میں قرار نہیں دیتا، کیونکہ اس کے نزدیک بیوہ عورتیں بذات خود نکاح کرنے کا حق رکھتی ہیں۔

۷۔ جن لوگوں پر حدود کا اجراء واجب ہو ان پر حد جاری کرے، پس اگر وہ حد حقوق اللہ میں سے ہے اور اقرار یا شہادت سے ثابت ہے تو از خود اسے جاری کرے، لیکن اگر وہ حد حقوق الناس میں سے ہو تو صاحب حق کے مطالبہ پر اس کا اجراء کرے ــــ تاہم ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ وہ ان دونوں طرح کی حدود کا اجراء نہیں کرے گا تاوقتیکہ کوئی اس کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔

۸۔ اپنے علاقے میں عمومی مصالح کی نگرانی کرنا یعنی لوگ جن راستوں اور میدانوں میں عمارت بنانا یا جس طرف جنگلے اور چھجے آگے بڑھانے کا حق نہ رکھتے ہوں انہیں ایسا کرنے سے روکے اور تجاوزات کو ختم کرائے اگرچہ کوئی فریق اس سے رابطہ نہ کرے ــــ لیکن ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ قاضی کے لئے ان شاملات کی نگرانی کرنا جائز نہیں جب کہ ان کے لئے کوئی فریق اس کے پاس نہ آئے۔

۹۔ گواہوں کی چھان بین کرنا، اپنے نائبین کا انتخاب کرنا اور تحقیق کے بعد اگر وہ بہتر ثابت ہوں تو انہیں برقرار رکھنا اور اگر غلط کار ہوں تو انہیں سبکدوش کر دینا یا کسی اور جگہ تبدیل کر دینا۔

۱۰۔ قوی و کمزور اور امیر و غریب کے درمیان عدل و برابری کے ساتھ حکم و فیصلہ دے اور کسی غلط کار کی حمایت میں حقدار کے حق میں کوتاہی کر کے اپنی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ص کی آیت ۲۶ میں فرمایا ہے: اے داوٗد! ہم نے تم کو زمین میں (اپنا) نائب قرار دیا تو تم لوگوں کے درمیان بالکل ٹھیک فیصلہ کیا کرو اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دے گی، اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کی بڑی سخت سزا ہو گی کیونکہ انھوں نے حساب کے دن (قیامت) کو بھلا دیا" ... تا آخر (۳۶۷)

ابو یعلیٰ فراء نے بھی الاحکام السلطانیہ میں اسی طرح ذکر کیا ہے ــــ مراجعہ کریں۔ (۳۶۸)

میں کہتا ہوں ـــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ادوار میں قاضی کا عمل دخل صرف مقدمات کے فیصلے دینے میں منحصر نہیں تھا بلکہ وہ امور عامہ حسبیہ کا نگران بھی تھا کہ جن کے اجراء کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہ ایسے امور ہیں جن کی ذمہ داری کسی شخص خاص پر نہیں اور ان کو یونہی چھوڑ دینا جائز نہیں ہے ـــــ اور عام لوگوں میں سے کسی کا ان کے درپے ہونا بعض اوقات نزاع کا موجب ہوتا ہے جیسا کہ آپ اپنے دور میں دیکھ رہے ہیں کہ ان کی یہی صورت ہے اور حدود و تعزیرات کا قائم کرنا نیز امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔

شاید فقہ کے مختلف ابواب میں ہمارے علماء کے کلمات میں جو لفظ حاکم آیا ہے، اس سے مراد وہی فقیہ ہے جو قضاوت کے لئے منصوب ہے۔ یہاں یہ احتمال بلکہ گمان غالب ہے کہ مقبولہ ابن حنظلہ میں امام جعفر صادقؑ کے ارشاد "میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا ہے" میں سوال کے قرینے سے نیز مشہورۂ ابو خدیجہ میں آپ کے ارشاد "میں نے اسے قاضی مقرر کیا ہے" میں بھی یہی مراد ہے۔

۱۔ اسماعیل بن سعد کی خبر میں ہے کہ اس نے کہا: میں نے امام علی رضاؑ سے ایک ایسے مرد کے بارے میں سوال کیا کہ جو بغیر وصیت کئے مر گیا ـــــ اس نے چھوٹے چھوٹے لڑکے لڑکیوں کے علاوہ اپنے پیچھے کنیزیں اور غلام چھوڑے، کیا یہ جائز ہے کہ اس کی کنیزوں کو فروخت کر دیا جائے؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

نیز ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جو کسی کے ہمراہ سفر کرے اور وصیت کئے بغیر ہی اسے موت آ جائے تو اس کے مال و متاع میں کس طرح تصرف کیا جائے گا جبکہ اس کی اولاد میں بالغ اور نابالغ بچے ہیں؟ آیا جائز ہے کہ اس کا مال اور چوپائے اس کے جوان بچوں کو دیئے جائیں یا قاضی کے سپرد کر دیئے جائیں؟ اگر وہ کسی ایسے شہر میں ہو جہاں قاضی نہیں ہے تو پھر کیا کیا جائے؟ نیز اگر اس نے اپنا مال بڑے بیٹوں کے سپرد کر دیا ہو اور وہ اس کی بے خبری میں ختم ہو گیا، اب وہ ان سے واپس لینے پر قادر نہیں ہے تو کیا کرے؟

آپ نے فرمایا: "جب وہ چھوٹے بچے جوان ہو جائیں تو ان کو ان کے حصے کا مال دینے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے مگر یہ کہ اس شخص نے وہ مال حاکم کے حکم سے اپنے بڑے بیٹوں کو دیا ہو۔

وہ شخص جو وصیت کے بغیر مر گیا اور اس کے جوان اور کم عمر بچے ہوں، کیا اس کے مال اور غلاموں کو فروخت کرنا درست ہے جبکہ قاضی اس امر کا متولی ہو اور وہ اس پر راضی ہو گئے ہوں لیکن حاکم سے اس کے لئے حکم حاصل نہ کیا گیا ہو تو کیا ان اموال کا خریدنا صحیح ہے؟

آپ نے فرمایا: جب وارث راضی ہوں، فروخت میں اس شخص کے بڑے بیٹے قاضی کے ساتھ ہوں اور اس سلسلے میں ایک عادل مرد بھی ہمراہ ہو تو ان اموال کی فروخت میں کوئی حرج نہیں۔ (۳۶۹)

اس خبر سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان ادوار میں کم عمر بچوں کے امور کا اہتمام قاضی کے اختیار میں تھا اور حاکم سے مراد وہی قاضی ہے کہ جسے تسلط حاصل ہے اور یہاں خلیفہ یا حاکم وقت مراد نہیں ہے۔ اسی طرح مرد عادل سے مراد اس وقت کے قاضیوں میں سے ایک مراد ہے اور اس میں کوئی عام عادل شخص مراد نہیں ہے۔ پس غور کریں

۲۔ محمد بن اسماعیل بن بزیع کی خبر میں ہے کہ اس نے کہا: "ہمارے لوگوں میں سے ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے وصیت نہیں کی تھی، پس اس کا معاملہ کوفہ کے قاضی کے پاس لے جایا گیا اور اس نے عبدالحمید کو متوفی کے مال کا نگران بنا دیا... راوی کہتا ہے کہ میں نے امام ابو جعفر محمد باقرؑ کی خدمت میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص فوت ہوا...... جس نے کسی کو وصی نہیں بنایا تھا اور وہ چند کنیزیں چھوڑ گیا، پس قاضی نے ہم میں سے ایک مرد کو مقرر کیا کہ وہ انہیں فروخت کر دے یا اس طرح بتایا کہ وہ مرد اس بارے میں قاضی کے ساتھ ہو۔ اس پر امامؑ نے فرمایا کہ جب ایسے امر میں نگران و قیم تمہارے یا عبدالحمید جیسا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں"۔ (۳۷۰)

۳۔ حفص بن غیاث سے روایت ہے کہ اس نے کہا: "میں نے امام ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ حدود کون قائم کرے ___ بادشاہ یا قاضی؟ آپ نے فرمایا کہ حدود قائم کرنا اس کے لئے ہے جسے حکم و فیصلہ کا حق ہے"۔ (۳۷۱)

جسے حکم و فیصلہ کا حق ہے، اس سے مراد وہی قاضی ہے کہ جس نے کسی واقعہ میں حکم و فیصلہ دیا ہے اور یہ بات مخفی نہیں ہے ___ اسے یاد رکھیں۔

لیکن کتانی نے کہا ہے: "ابن العربی نے الاحکام میں کہا ہے کہ حدود کے دو جزء ہیں ___ پہلے ان کا واجب ہونا اور دوسرے ان کا پورا کرنا ہے۔ نبی اکرمؐ نے یہ فرض ایک گروہ کے سپرد فرمایا تھا کہ جن میں علی ابن ابی طالبؑ اور محمد بن مسلمہ شامل تھے۔ (۳۷۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام و حاکم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حدود کا اجراء ان کا فیصلہ دینے والے کے علاوہ کسی دوسرے کے سپرد کر دے۔ یہ بات قاعدے کے موافق ہے کیونکہ تمام امور اصل میں والی و حاکم کے فرائض میں داخل ہیں۔ لیکن وہ ان میں سے اپنی مرضی سے جو معاملات بھی چاہے ان کے اہل افراد کے سپرد کر سکتا ہے ___ یاد رکھیں۔

ہم نے قاضیوں کے جن فرائض و معمولات کا ذکر کیا ہے، ہمارے ائمہ طاہرینؑ نے جو قاضیان جور کی طرف رجوع کرنے سے روکا اور فقہاء شیعہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا تو یہ بھی انہی فرائض کے لئے ہے جو ان قاضیوں کے سپرد تھے جیسا کہ مقبولہ و مشہورہ میں ہے۔ شاید اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان فقہاء کی طرف ان تمام امور میں رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن میں سرکاری قاضیوں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، یعنی مقدمات کے فیصلے، امور حسبیہ کی انجام دہی، حدود و تعزیرات کو قائم کرنا اور وصایا و اوقاف کی نگرانی ___ مگر یہ کہ مورد سوال کچھ منازعات تھے۔ اس لئے یہ قرینہ قائم کیا جائے کہ رجوع کے اس حکم میں خاص طور پر مقدمات کے فیصلوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے ___ اس پر غور کریں۔

جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ الاستاذ امام مدظلہ، نے مقبولہ کے مفاد اور اس کی دلالت میں قضاوت اور ولایت کبریٰ دونوں کے لئے فقیہ کا نصب ہونا ثابت کیا نیز منازعات میں سے بعض کو والیوں کی طرف اور بعض کو قاضیوں کی طرف لے جانے کی شکل میں تقسیم کیا، اس میں اشکال ہے کیونکہ اس تقسیم سے انصاف میں تاخیر اور کمزوروں پر ظلم ہو تو پھر تمام تنازعات قاضیوں ہی کے سپرد کئے جائیں گے۔

اس بارے میں تفصیلی بحث اس کتاب (کی جلد اول) کے پانچویں باب کی تیسری فصل میں ولایت پر مقبولہ کی دلالت میں

گزر چکی ہے ____ پس اس کی طرف مراجعہ کریں۔

۱۵۔ ولایت مظالم

ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں باب قضاوت کے بعد ولایت مظالم کے نام سے علیٰحدہ باب باندھا ہے اور اسی طرح ابو یعلیٰ فراء نے بھی اپنی کتاب میں یہ باب شامل کیا ہے۔ نیز جیسا کہ ہم ذکر کریں گے ____ رد مظالم متممات یعنی اعلیٰ اختیارات میں سے ہے اور وہ ان مظالم اور شکایات کو دور کرنے میں مرجع اعلیٰ ہو گی کہ جو قاضیوں کے ذریعے دور نہیں ہو سکتیں یا خود ان کی ناانصافی کے بارے میں ہوں۔

ہمارے زمانے میں اس کی نظیر دیوان عالی، محکمہ علیا، دیوان عدالت اور ادارہ تحقیق مظالم ہے جو اپنی وحدت کے ساتھ ان. سب کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

ہمارے زمانے میں اس کی نظیر دیوان عالی، محکمہ علیا، دیوان عدالت اور ادارہ تحقیق مظالم ہے جو اپنی وحدت کے ساتھ ان سب کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

اس ضمن میں ماوردی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے: "مظالم پر نظر و نگرانی کرنے سے مراد ایک دوسرے پر ظلم کرنے والوں کو ڈرا دھمکا کر انصاف کی طرف مائل کرنا اور باہم نزاع کرنے والوں کو دبا کر اس سے باز رکھنا ہے، اس میں ناظر و نگران کے شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ جلیل القدر، صاحب ہیبت، نافذ الامر اور پاکدامن، پرہیزگار اور سیر چشم ہو کیونکہ وہ نظر و نگرانی کے منصب میں ناظر کی سطوت اور قاضی کی مستقل مزاجی کا محتاج ہے اور اس میں ان دونوں کے صفات کا اجتماع ضروری ہے۔ پس اگر وہ ان افراد میں سے ہے مثل امراء و وزراء کے امور عامہ کا ذمہ دار ہے تو اسے رد مظالم کی ذمہ داری الگ سے سونپنے کی ضرورت نہیں اور وہ عموم ولایت کے لحاظ سے اس عمل کا حق رکھتا ہے، اگر وہ ان لوگوں میں سے نہیں تو پھر اسے اس عہدے پر مقرر کرنا ہو گا جبکہ اس میں مذکورہ صفات پائے جاتے ہوں۔

پس نبی اکرمؐ نے زمین کی سیرابی میں نزاع پر مظالم کی نگرانی فرمائی جو زبیر بن عوام اور ایک انصاری کے درمیان ظاہر ہوئی تھی، آپ بہ نفس نفیس وہاں تشریف لے گئے اور زبیر سے فرمایا: "تم اپنی زمین میں پانی پہنچاؤ اور پھر یہ انصاری اپنی زمین کو سیراب کرے" ____ تب وہ انصاری کہنے لگا: "یارسول اللہؐ! یہ اس لئے ہوا کہ زبیر آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے" آپ اس کے اس قول سے غضبناک ہوئے اور فرمایا: "اے زبیر! پانی اس کے شکم پر ڈالو یہاں تک کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے، اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے انصاری کی جسارت کے باعث یہ حکم بطور سزا کے دیا تھا یا یہ حق ہے کہ جسے آپ نے منصف کی حیثیت سے دونوں کے لئے بیان کیا یا یہ عام بات تھی جو اس کو ڈانٹنے کے لئے کی گئی۔

پہلے چار خلفاء میں سے کسی نے رد مظالم کے لئے کسی شخص کو مقرر نہیں کیا کیونکہ صدر اول میں لوگوں پر دین کا غلبہ تھا اور بہت سے افراد عدل و انصاف کی بناء پر حق کی طرف مائل ہوتے یا وعظ و نصیحت کے باعث ظلم سے باز رہتے تھے، ان کے درمیان صرف مشتبہ امور میں نزاعات ہوتے اور ان میں قضاوت سے حکم واضح ہو جاتا تھا۔

لیکن اس کے بعد والیوں کا ظلم اور سرکش لوگوں کا جور و ستم اتنا بڑھا کہ انہیں قوی ترین ہاتھ اور سخت احکام کے سوا کوئی نہ روک سکتا تھا۔ پس عمر بن عبدالعزیز وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے رد مظالم کی طرف خود توجہ کی ـــــ سنن عادلہ کی رعایت کی، مظالم بنی امیہ کو دور کیا اور حق داروں کو حق دلایا، جب اس نے اس معاملے میں زیادہ سختی کی تو اس سے کہا گیا کہ ہم مظالم کو پلٹانے میں غلط نتائج کا خوف و خطرہ محسوس کرتے ہیں، اس نے کہا کہ ہر وہ دن جس میں مجھے دنیاوی طور پر خطرہ ہو وہ قیامت کے دن سے کم ہے کہ جس میں لاحق خطرے سے میں ہرگز نہ بچ سکوں گا۔

بعدہ خلفاء بنی عباس میں سے بعض نے رد مظالم یعنی لوگوں کے چھنے ہوئے اموال واپس دلانے کا کام کیا، ان میں سے پہلا مہدی تھا جس نے اس سلسلے میں اقدام کیا، پھر ہارون، مامون اور آخر میں مہتدی نے اموال و املاک ان کے حق داروں کی طرف پلٹائے۔

اس سے قبل شاہان ایران میں یہ چیز پائی جاتی تھی اور وہ رد مظالم کو ملک کے دستور اور عدل کے قوانین میں تصور کرتے تھے، ان کا یقین تھا کہ ملک کی عام بہتری اور انصاف اس کے بغیر ممکن نہیں اور وہ بذات خود اس کا اہتمام کرتے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں جب قریش میں سردار بہت زیادہ ہو گئے اور اقتدار کئی اشخاص میں تقسیم ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور املاک چھین لینے کا غلط طریقہ عام ہو گیا ہے، پس ایک زبردست حکومت و سلطنت کے بغیر کوئی اسے روک نہیں سکتا ـــــ تب انہوں نے رد مظالم اور مظلوم کے لئے ظالم سے حق لینے کی بابت ایک حلفی معاہدہ کیا...

چنانچہ قریش کے مختلف قبائل اور ان کی شاخوں کے لوگ مکہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر پر باہم یہ معاہدہ کیا کہ کوئی ظلم نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ اسے روکیں گے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلائیں گے۔ یہ معاہدہ حلف الفضول کے نام سے پکارا گیا اور اس میں نبی کریمؐ بھی شامل تھے جب کہ آپ کی عمر شریف پچیس سال تھی، آپ نے اس واقعہ کو یاد کرتے ہوئے فرمایا: چونکہ میں حلف الفضول میں عبداللہ بن جدعان کے گھر موجود تھا، للہذا جو شخص مجھے اس معاہدے کی طرف بلائے میں لبیک کہوں گا اور میں اس معاہدے سے دستکش ہونے کے بدلے میں سرخ اونٹ لینا پسند نہیں کرتا۔ (۳۷۳)

اگرچہ وہ زمانہ جاہلیت کا ایک عمل تھا کہ جس کی طرف قریش کو ایک سیاسی ضرورت نے متوجہ کیا تھا لیکن اس میں نبی اکرمؐ کے موجود ہونے اور پھر آپ نے اس امر کی تاکید میں جو کچھ فرمایا اس سے وہ ایک فعل نبوی اور حکم شرعی ہو گیا ہے۔

فصل: پس جب رد مظالم میں ناظر مقرر ہو تو وہ اس کے لئے کوئی خاص دن مقرر کرے تاکہ مظلومین اور منازعہ کرنے والے اس کے پاس آئیں، اس کے بقایا دن ان دوسرے امور کی انجام دہی کے لئے ہوں جو اس کے سپرد ہوں۔ ہاں مگر یہ صورت ہو کہ رد مظالم کے شعبے میں الگ عملہ متعین ہو جو ہر روز ان پر غور و فکر کرے اور ناظر لوگوں کی فریاد رسی کرتا رہے، تاہم وہ ایسا شخص ہو جو بہ آسانی مل سکتا ہو اور اس کی صحبت میں اچھے لوگ بیٹھتے ہوں۔

اس کی مجلس نظارت میں پانچ قسم کے افراد کی شمولیت ضروری ہے اور ان کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی ـــــ ایک صنف اس کے حامی و مددگار افراد ہیں جو طاقتور کو دبانے اور امور کو سلجھانے میں اس کے معاون ہوں، دوسری صنف قاضی اور

حکام ہیں تاکہ ان سے وہ حقوق معلوم ہو سکیں جو ان کے ہاں ثابت ہیں اور ان معاملات کی معرفت ہو سکے جو ان کے روبرو فریقین کی طرف سے پیش ہوئے ہوں، تیسری صنف فقہاء ہیں کہ وہ مشکل مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کرے، چوتھی صنف کاتب اور منشی ہیں تاکہ وہ ان بیانات کو ضبط تحریر میں لائیں جو فریقین ایک دوسرے کی بابت دیتے ہیں، پانچویں صنف وہ گواہ اور شاہد ہیں جو اس حکم پر گواہی دیں جو کسی قاضی و حاکم کی طرف سے جاری ہوا ہو ـــــ نظارت مظالم کے ساتھ مندرجہ ذیل دس امور کا تعلق ہے:

۱۔ حکام اور والیوں کی طرف سے رعیت پر تعدی و تجاوز پر نظر رکھنا، ان کا مواخذہ کرنا اور ان کی بے راہروی پر گرفت کرنا ـــــ یہ امر نظارت مظالم کے لوازمات میں سے ہے اور ظلم کے خلاف کسی فریادی کی فریاد پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کا فرض ہے کہ والیوں کی روش پر نظر رکھے ـــــ اگر وہ انصاف سے کام لیتے ہوں تو ان کو تقویت دے، ظلم کریں تو انہیں روکے اور عدل و انصاف نہ کریں تو ان کو اس جگہ سے تبدیل کر دے۔

۲۔ عمال کا ان اموال میں جور جو وہ لوگوں سے وصول کرتے ہیں، پس اس سلسلے میں ان قوانین عادلہ کی طرف رجوع کیا جائے جو ائمہ طاہرینؑ کے فرامین میں ہیں، لوگوں کو ان سے واقفیت حاصل کرنے پر آمادہ کیا جائے اور عمال بھی ان کا علم حاصل کریں۔ پس ان اموال کے بارے میں نگرانی کی جائے جو وہ وصول کرتے ہیں، اگر وہ زیادہ وصول کریں اور بیت المال میں لے آئیں تو نظارت مظالم ان کی واپسی کا حکم دے اور مالکوں کو دلوائے۔

۳۔ دفتروں کے کاتب اور منشی جو مسلمانوں کے اموال کی وصولی اور ادائیگی کے امین ہیں، پس ان کے حالات کی جانچ پڑتال کرے، جو اموال ان کے سپرد ہیں اگر وہ ان میں حق سے عدول کریں تو اس کے داخل و خارج میں جو کمی و بیشی ہوئی ہو قانون کے مطابق اس کا ازالہ کرے اور اس تجاوز پر ان کو سزا دے۔ پس یہ تین امور ایسے ہیں جن میں ناظر مظالم کسی مدعی کی نالش کا محتاج نہیں بلکہ اسے خود ہی ان چیزوں پر نظر رکھنی چاہیے۔

۴۔ بیت المال سے روزینہ و تنخواہ پانے والوں کے معاملات کہ ان کو کم دینے یا نہ دینے اور ان پر زیادتی کے بارے میں اپنے دفتر و دیوان کی طرف رجوع کرے اور اسے عطاء عادل کے مطابق جاری کرے، پس جو کمی کی گئی یا اسے روکا گیا ہے اس کی چھان بین کرے ـــــ اگر وہ رقم اہلکاروں نے لے لی ہے تو ان سے واپس لے اور انہوں نے نہیں لی تو بیت المال سے ادائیگی کرائے۔

ایک سالار نے خلیفہ مامون کو لکھا کہ لشکر کئی گروہوں میں بٹ گیا اور انہوں نے لوٹ مار شروع کر رکھی ہے ـــــ مامون نے جواب میں لکھا کہ اگر تم عدل و انصاف کرتے تو لشکر کئی گروہوں میں تقسیم نہ ہوتا اور تم ان کی تنخواہیں پوری پوری ادا کرتے تو وہ لوٹ مار نہ کرتے، چنانچہ اس نے سالار کو معزول کر دیا اور سپاہ کی پوری تنخواہیں انہیں ادا کرائیں۔

۵۔ غصب کئے گئے اموال واپس کرنا اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) غصوب سلطانی یعنی وہ اموال و املاک جن پر والیان جور نے ان میں رغبت کرتے ہوئے یا ان کے مالکوں پر تعدی و تجاوز کرتے ہوئے قبضہ کیا ہو، پس اگر یہ ناظر مظالم کے علم میں آ جائیں تو استغاثہ کرنے سے پہلے ہی از خود تحقیق کر کے واپس

دلائے اور اگر اسے علم نہ ہو تو مالکوں کے دعوے پر واپسی کرانا ہو گی۔

(ب) وہ غصبی اموال جن پر طاقتور لوگوں نے قہر و غلبہ سے قبضہ کیا ہو اور ان پر مالکوں کی طرح تصرف کرتے ہوں تو ان کی واپسی مالکوں کے استغاثے پر موقوف ہے اور اس کے بغیر وہ غاصبوں سے نہیں لئے جائیں گے، البتہ چار میں سے کسی ایک صورت میں لئے جائیں گے، یعنی غاصب اعتراف کرے یا ناظر مظالم کو علم ہو جائے یا غاصب کے خلاف گواہی مل جائے یا اخبار ایک دوسرے کی تائید کریں کہ جن سے کسی سازش کا شبہ نہ ہو۔

۶۔ اوقاف کی نگرانی اور یہ بھی دو قسم کے ہیں:

(الف) وقف عام: اس قسم کے وقف کی خود ناظر مظالم جانچ پڑتال کرے چاہے دعویٰ کرنے والا کوئی بھی نہ ہو، تاکہ وہ انہیں واقف کے شرائط کے مطابق حفظ و صرف کرے۔

(ب) وقف خاص: اس قسم کے وقف میں ناظر مظالم کا دخل اس میں کسی تنازعہ کے رونما ہونے پر ہے جب کہ وقف دار فریقین استغاثہ کریں اور وہ ان میں حکم و فیصلہ نافذ کرے۔

۷۔ ان احکام کو نافذ کرنا کہ جن کے اجراء میں قاضی اپنی کمزوری یا محکوم علیہ کے مقابل عاجز ہونے کی وجہ سے متامل ہوں جب کہ وہ صاحب قوت و غلبہ ہو یا عظیم مرتبہ کا حامل ہو۔

۸۔ ان امور کی نظارت کہ جو مصالح عمومی میں سے ہوں اور امور حسبیہ کے ناظم ان سے عاجز ہوں مثل اس فعل منکر کے جو علانیہ ہوتا ہو یا کسی گزر گاہ پر تجاوز کہ وہ اس کی ممانعت نہ کر سکیں یا کسی حق کے سلسلے میں ظلم کہ جس کے دلا پانے سے وہ عاجز ہوں۔

۹۔ ظاہری عبادات مثل نماز جمعہ، عیدین، حج اور جہاد میں ان کے شروط کی موجودگی میں کوتاہی کئے جانے پر ان کے قائم کئے جانے کے لئے اقدام کرنا، کیونکہ خدا کے عائد کردہ فرائض اور اس کے حقوق اس میں اولویت رکھتے ہیں کہ انہیں ادا کیا جائے۔

۱۰۔ ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا کرنے والے فریقین میں حکم و فیصلہ کرنا، پس ان میں نظارت کرنے میں وہ حق اور اس کے تقاضے سے خارج نہ ہو، ان کے درمیان اسی طرح حکم و فیصلہ کرے جس طرح حکام اور قاضی کرتے ہیں، البتہ بعض اوقات ناظر مظالم کے لئے مظالم میں حکم دینا مشتبہ ہو جاتا ہے اور وہ حکم لگانے میں اس حد سے بڑھ جاتا ہے جس سے آگے بڑھنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

نظارت مظالم اور نظارت قضاء میں فرق

نظارت مظالم اور نظارت قضاء میں دس وجوہ سے فرق ہے:

۱۔ ناظر مظالم زیادہ ہیبت و قدرت رکھتا ہے جو قاضی کو حاصل نہیں ہے۔

۲۔ نظارت مظالم وجوب کی پابندی سے نکل کر جواز کی وسعت تک چلی جاتی ہے اور ناظر کے لئے کہنے اور کرنے کا میدان

کھلا ہے۔

۳۔ ناظر زیادہ دباؤ ڈال کر اور حالات کے شواہد و آثار سے اسباب نزاع کو جان سکتا ہے کہ جن کا دائرہ والیوں اور قاضیوں کے لئے تنگ ہے، پس وہ اس ذریعے سے حق کے ظہور اور باطل کی اصل کو پہچان لیتا ہے۔

۴۔ جس کا ظلم ناظر کے سامنے ظاہر ہو جائے وہ تادیب سے اس کو زیر کر سکتا ہے۔

۵۔ جب امور مشتبہ ہوں تو ناظر فریقین کو کئی بار بلا کر فیصلے میں تعویق و تاخیر کر سکتا ہے، لیکن حکام کے پاس فریقین میں سے کوئی فیصلہ کرانے آجائے تو وہ اس طرح کی تاخیر نہیں کر سکتے۔

۶۔ ناظر کو یہ حق حاصل ہے کہ فریقین کوئی الجھن پیدا کریں تو وہ انہیں امناء کے ساتھ دوبارہ طلب کر سکتا ہے تاکہ جانبین اپنا جھگڑا باہمی رضایت سے صلح کے ساتھ طے کر لیں، لیکن قاضی کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے مگر یہ کہ فریقین دوبارہ آنے پر راضی ہوں۔

۷۔ جب فریقین کی طرف سے ایک دوسرے کے حق سے انکار کے آثار واضح ہوں تو وہ ان کے لئے کفیل مقرر کر سکتا ہے تاکہ دونوں فریق باہمی طور پر انصاف کرنے پر تیار ہو جائیں۔

۸۔ وہ مستورین (پوشیدہ حالت والوں) کی شہادت لے سکتا ہے جب کہ قاضیوں کے ہاں ظاہری عدالت رکھنے والوں کی شہادت معروف ہوتی ہے۔

۹۔ جب اسے گواہوں پر شک ہو تو وہ ان کی رضامندی سے انہیں قسم دلا سکتا ہے اور اس کے لئے جائز ہے کہ ان کی تعداد بڑھا دے تاکہ اس کا شک زائل ہو جائے، لیکن حاکم اور قاضی کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے۔

۱۰۔ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ گواہوں کو پہلے بلالے اور ان سے ان باتوں کے بارے میں سوال کرے جو انہیں مقدمہ کے متعلق معلوم ہیں، جبکہ قاضیوں کی روش یہ ہے کہ وہ مدعی سے کہتے ہیں کہ وہ گواہ لائے۔

یہ وہ دس وجوہ ہیں جن میں نظارت مظالم اور نظارت قضاء میں اختلاف اور تنازعہ بنٹانے میں فرق ہے، لیکن باقی امور میں وہ باہم برابر ہیں۔ (۳۷۴)

ہم ماوردی کے کلام سے جو کچھ نقل کرنا چاہتے تھے وہ یہاں ختم ہوا اور ابو یعلیٰ کے کلام میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ (۳۷۵)

میں کہتا ہوں ـــــ ولایت قضاوت کے لئے ماوردی اور ابو یعلیٰ نے جن دس ذمہ داریوں کا ذکر کیا ہے ان پر غور کرنے اور ولایت مظالم کی ذمہ داریوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ولایت مظالم گویا ولایت قضاوت کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے جس میں بقول ماوردی قوت اور انصاف کا امتزاج ہو جانے سے وہ عام قضاوت سے جدا و الگ ہے، بہرحال ولایت قضاوت اور ولایت مظالم ہر دو ولایت کبریٰ کے خصوصیات میں سے ہیں۔

بعض اوقات خود والیٔ اعظم ان دونوں قسم کی قضاوتوں کے درپے ہوتا ہے، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرمؐ اور امیر المومنینؑ بہت سے مواقع پر ان میں مشغول ہوتے تھے۔ نیز جب آپ امیر المومنینؑ کے کلمات جو آپ کے خطبوں اور مکتوبوں

میں ہیں انہیں دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت احقاق حق اور رد مظالم پر بہت زیادہ متوجہ تھے تا کہ وہ والی و حاکم کی طرف سے عمل میں آئے، کیونکہ آپ ہر دوسرے شخص کی نسبت اس امر پر قدرت رکھتے تھے۔

۱۔ پس جب امیر المومنینؑ خلافت ظاہری پر فائز ہوئے تو خلیفہ عثمان کے دیئے ہوئے اموال اور جاگیریں مسلمانوں کے لئے واپس لے لیں اور فرمایا: "بخدا اگر میں دیکھتا کہ ان اموال سے عورتوں کے ساتھ نکاح کئے اور کنیزیں خریدی گئی ہیں تو بھی میں انہیں واپس لے لیتا کیونکہ عدل و انصاف میں وسعت ہے"۔ (۳۷۶)

۲۔ آنجنابؑ نے مالک اشتر کے نام اپنے خط میں فرمایا: "تم اپنے اوقات میں سے ایک خاص وقت حاجت مندوں کے لئے معین کر دینا جس میں سب کام چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہونا، ان کے لئے ایک کھلی کچہری لگانا اور اس میں اپنے خالق کی خاطر تواضع اور انکساری سے کام لینا ـــــ ایسے میں فوجیوں، دربانوں اور کوتوالوں کو ہٹا دینا تا کہ کہنے والے جو چاہیں بے دھڑک کہہ سکیں"۔ (۳۷۷)

۳۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: "اس کے بعد یاد رکھنا چاہئے کہ حکام کے کچھ خواص اور منہ چڑھے لوگ ہوتے ہیں جن میں خود غرضی، دراز دستی اور بد معاملگی ہوا کرتی ہے، تم کو ایسے لوگوں کے ابھرنے کے وجوہ ختم کر کے اس غلط گروہ کا خاتمہ کر دینا چاہئے۔ دیکھو اپنے کسی حاشیہ نشین اور قرابتدار کو جاگیر نہ دینا اور وہ تم سے کسی ایسی زمین پر قابض ہونے کی توقع نہ باندھے جو آبپاشی یا کسی اور بات میں آس پاس کے لوگوں کے لئے ضرر کا باعث ہو کہ وہ اس کا بوجھ دوسرے پر ڈال دے۔ ایسی صورت میں اس زمین کے فائدے تو اس کے لئے ہوں گے نہ کہ تمہارے لئے ـــــ مگر اس ظلم کا بد نما داغ دنیا و آخرت میں تمہارے دامن پر ہو گا۔ پھر تمہارا اپنا ہو یا بیگانہ، جو حق کسی پر عائد ہوتا ہو اسے نافذ کرنا چاہئے، نیز اس بارے میں تحمل سے کام لینا اور ثواب کا امیدوار رہنا چاہئے، خواہ اس کی زد تمہارے قریبی عزیز یا مصاحب خاص پر ہی پڑتی ہو"۔ (۳۷۸)

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ایسے بڑے بڑے مظالم والی و حاکم کے خواص اور اس کے عمال کی طرف سے واقع ہوتے ہیں اور اس کی وجہ حاکم سے ان کا قرب ہی ہوتا ہے۔

۴۔ اسی طرح ایک عامل کہ جس کے پاس مسلمانوں کا مال تھا اور اس نے اس میں سے کچھ کھینچ لیا تھا، آپ نے اسے خط لکھا جس میں فرمایا: "بخدا جو کچھ تم نے کیا ہے اس کی مثل اگر حسنؑ و حسینؑ بھی کرتے تو میں ان سے رعایت نہ کرتا اور وہ مجھ سے اپنی خواہش پوری نہ کرا سکتے، یہاں تک کہ میں وہ حق ان سے واپس لے لیتا اور ان کے ظلم سے پیدا ہونے والے غلط اثرات کو دور کر دیتا"۔ (۳۷۹)

اس کے علاوہ بھی کلمات آئے ہیں اور ان کے لئے تیسری فصل کی طرف رجوع کریں۔

باب ۶ فصل ۴

حواشی

(۱) سورۂ انعام۔ آیت ۵۷، ۶۲ (۲) سورۂ مائدہ۔ آیت ۴۹، ۵۰ (۳) اصول کافی ۲/۷۴، کتاب الایمان والکفر۔ باب الطاعت والتقوئ۔ حدیث ۲ (۴) تہذیب الاحکام ۶/۳۱۹، آخر کتاب القضاء والاحکام۔ باب الزیادات حدیث ۸۶ (۵) الکافی ۱/۵۹، کتاب فضل العلم۔ باب الرد الی الکتاب والسنّت۔ حدیث ۴ (۶) الکافی ۱/۶۰، کتاب فضل العلم۔ باب الرد الی الکتاب والسنّت۔ حدیث ۶ (۷) الکافی ۱/۲۵، کتاب العقل والجہل۔ حدیث ۲۴ (۸) الکافی ۱/۱۱، کتاب العقل والجہل۔ حدیث ۳ (۹) الکافی ۱/۱۶، کتاب العقل والجہل۔ حدیث ۱۲ (۱۰) سورۂ نساء آیت ۱۱۵ (۱۱) سنن ابن ماجہ ۲/۱۳۰۳، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، حدیث ۳۹۵۰ (۱۲) سنن الترمذی ۳/۳۱۵، ابواب الفتن، الباب ۷، حدیث ۴۲۵۵ (۱۳) مصباح الفقیہ۔ کتاب الصلاۃ/ ۴۳۶ (۱۴) المستصفی للغزالی ۱/۱۷۵ (۱۵) سنن ابن ماجہ ۲/۱۳۰۳، کتاب الفتن، الباب ۸، حدیث ۳۹۵۰ (۱۶) تحف العقول/ ۴۵۸ (۱۷) الوسائل ۱۸/۲۰، الباب ۶ من ابواب صفات القاضی + مستدرک الوسائل ۳/۱۷۵، الباب ۶ من الواب صفات القاضی (۱۸) الکافی ۱/۵۸، کتاب فضل العلم، باب البدع والرای والمقائیس، حدیث ۲۰ (۱۹) الوسائل ۱۸/۲۵، الباب ۶ من ابواب صفات القاضی، حدیث ۱۰ (۲۰) الوسائل ۱۸/۲۵، الباب ۶ من ابواب صفات القاضی، حدیث ۱۱ (۲۱۔ ۲۲) سنن الدارمی ۱/۶۵، باب تغیر الزمان ومایحدث فیہ (۲۳) اعلام الموقعین ۱/۵۳ (۲۴) المحلیٰ لابن حزم ۱/۵۶، مسئلہ ۱۰۰ (۲۵) سورۂ انعام۔ آیت ۳۸ (۲۶) سورۂ نحل۔ آیت ۸۹ (۲۷) سورۂ نحل۔ آیت ۱۴ (۲۸) سورۂ مائدہ۔ آیت ۳ (۲۹) سنن الترمذی ۵/۳۲۸، ابواب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبیؐ۔ حدیث ۳۸۷۶ (۳۰) کنزالعمال ۱/۳۸۱، باب ۲ من کتاب الایمان والاسلام من قسم الافعال۔ حدیث ۱۶۵۷ (۳۱) الوسائل ۱۸/۵۸، باب ۸ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۲۶ (۳۲) لسان العرب ۷/۴۱۰ (۳۳) لسان العرب ۳/۱۳۵ (۳۴) سنن ابو داؤد ۲/۲۷۲، کتاب الاقضیۃ: باب اجتہاد و الرای فی القضاء (۳۵) الوسائل ۱۸/۲۰، باب ۶ من ابواب صفات القاضی (۳۶) الوسائل ۱۸/۴۱، باب ۶ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۵۱ (۳۷) الوسائل ۱۸/۴۱، باب ۶ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۵۲ (۳۸) المحصول/ القسم الثالث من الجزء الثانی/ ۷۴ (۳۹) المستصفی ۲/۳۶۳ (۴۰) المحلیٰ لابن حزم ۱/۷۰، مسئلہ ۱۰۹ (۴۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۶۷ (۴۲) المستصفی ۲/۳۶۳ (۴۳) صحیح مسلم ۳/۱۳۵۸، کتاب الجہاد، باب ۲، ذیل الرقم ۱۷۳۱ (۴۴) سنن الترمذی ۲/۳۹۳، ابواب الاحکام، باب ۲۔ حدیث ۱۳۴۱ (۴۵) نہج البلاغہ فیض/ ۷۳، عبدہ ۱/۵۰، لح/ ۶۰، خطبہ ۱۸ (۴۶) الدر المنثور ۲/۲۵۰ (۴۷) المحصول الرازی/ القسم الثالث من الجزء الثانی/ ۷۰ فی الاجتہاد (۴۸) المحصول/ القسم الثالث من الجزء الثانی/ ۷۹ فی الاجتہاد (۴۹) کنزالعمال ۶/۹۹، الباب ۲ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال۔ حدیث ۱۵۰۱۸ (۵۰) کنزالعمال ۶/۹۹، الباب ۲ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال۔ حدیث ۱۵۰۱۹ (۵۱) کنزالعمال ۵/۶۳۰، الباب ۱

من کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال حدیث ۱۴۱۱۰ (۵۲) الموطالمالک ۱/ج (ادبہ مع آل رسول اللہ و کرم اخلاقہ)
(۵۳) ریاض العلماء ۴/۳۳ (۵۴) روضات الجنات ۴/۳۰۸ (۵۵) نظم الحکم والادارۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ /۳۵
(۵۶) المغنی ۱/۱۴ (۵۷) السنۃ ۱/۲۲۶ (۵۸) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۷/۳۰ (۵۹) مبادی نظم الحکم فی الاسلام لعبد الحمید
المتولی/۳۲۷ (۶۰) نہج البلاغہ فیض/۴۴، عبدہ ۱/۲۴، لح/۴۷۔ خطبہ ۲ (۶۱) نہج البلاغہ. فیض/۸۲۵، عبدہ ۲/ ۲۵۹،
لح/۳۵۷۔ خطبہ ۲۳۹ (۶۲) مستدرک الحاکم ۳/ ۱۵۱، کتاب معرفۃ الصحابہ (۶۳) مستدرک الحاکم ۳/۱۴۹، کتاب
معرفۃ الصحابہ (۶۴) المراجعات /۲۷ المراجعۃ الثامنہ (۶۵) الوسائل ۱۸/۴۱، الباب ۶ من ابواب صفات القاضی۔
حدیث ۵۱ (۶۶) سورۂ نحل۔ آیت ۴۳ (۶۷) سورۂ توبہ۔ آیت ۱۲۲ (۶۸) سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۵۹ (۶۹) سورۂ مریم۔
آیت ۴۳ (۷۰) الوسائل ۱۸/۶۶، الباب ۸ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۵۳ (۷۱) الوسائل ۱۸/ ۱۰۲، الباب ۱۱
من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۱۱ (۷۲) کمال الدین/ ۴۸۳، باب ذکر التوقیعات ...... حدیث ۴ + الوسائل ۱۸/۱۰۱،
الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۹ (۷۳) الوسائل ۱۸/ ۹۵، الباب ۱۰ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۲۰
(۷۴) الاحتجاج للطبرسی/۲۵۵ طبع الثانی ۲/۲۶۳ (۷۵) تنقیح المقال ۳/۱۷۵، ۳۳۶ و ۲/۳۰۵ (۷۶) الوسائل
۱۸/۱۱۰، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۴۵ (۷۷) الکافی ۱/۳۲۹، کتاب الحجۃ باب فی تسمیہ من رآہ۔
حدیث ۱ + الوسائل ۱۸/ ۹۹، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۴ (۷۸) الوسائل ۱۸/ ۱۰۳، الباب ۱۱ من
ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۱۵ (۷۹) الوسائل ۱۸/ ۱۰۵، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۲۳ (۸۰)
الوسائل ۱۸/ ۱۰۵، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۲۴ (۸۱) الوسائل ۱۸/۱۰۶، الباب ۱۱ من ابواب صفات
القاضی۔ حدیث ۲۷ (۸۲) الوسائل ۱۸/ ۱۰۷، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۳۳ (۸۳) الوسائل
۱۸/۱۰۷، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۳۴ (۸۴) الوسائل ۱۸/۱۰۷، الباب ۱۱ من ابواب صفات
القاضی۔ حدیث ۳۵ (۸۵) الوسائل ۱۸/ ۱۰۳، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۱۴ (۸۶) الوسائل
۱۸/ ۱۰۴، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۲۱ (۸۷) الفہرست للطوسی/۱۷ طبع الثانی /۴۱ (۸۸) الوسائل
۱۸/۱۰۸، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۳۶ (۸۹) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۶۲، عبدہ ۳/۱۴۰، لح/۴۵۷۔
مکتوب ۶۷ (۹۰) سیرۃ ابن ہشام ۲/۶۷ (۹۱) سیرۃ ابن ہشام ۴/۲۴۱ + تاریخ الطبری ۴/ ۱۷۲۷ (۹۲) الوسائل
۱۸/۱۰۲، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی حدیث ۱۲ (۹۳) الوسائل ۱۸/۹، الباب ۴ من ابواب صفات القاضی۔
حدیث ۱ (۹۴) الوسائل ۱۸/ ۸۳، الباب ۹ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۳۳ (۹۵) الوسائل ۲/ ۶۱۳ الباب ۳ من
ابواب النفاس۔ حدیث ۷ (۹۶) الوسائل ۱۸/ ۹۹، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۱ (۹۷) الوسائل ۱۸/
۱۰۰، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۶ (۹۸) اصول الکافی ۱/ ۲۱۰، کتاب الحجۃ باب ان اہل الذکر ...... ہم
الائمہ (۹۹) الوسائل ۱۸/۱۰۱، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۱۰ (۱۰۰) اصول الکافی ۱/ ۳۷۸، کتاب
الحجۃ باب مایجب علی الناس عند مضی الامام (۱۰۱) الجوامع الفقہیہ/ ۴۸۵ (۱۰۲) الوسائل ۱۸/ ۶۶، الباب ۸ من ابواب

صفات القاضی۔ حدیث ۵۳ (۱۰۳) الوسائل ۱۸/۱۰۱. الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی حدیث ۹ منقول از کمال الدین/ ۴۸۴ (۱۰۴) تحف العقول/ ۲۳۸ (۱۰۵) الوسائل ۱۸/۹۹. الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۱ (۱۰۶) سورۂ طٰہ۔ آیت ۲۹۔ ۳۲ (۱۰۷) سورۂ فرقان۔ آیت ۳۵ (۱۰۸) تاریخ الطبری ۳/۱۱۷۲. الکامل لابن اثیر ۲/۶۳. شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۳/۲۱۱ (۱۰۹) نہج البلاغہ. فیض/۸۱۲. عبدہ. ۲/۱۸۳. لح/۳۰۱۔ خطبہ ۱۹۲ (۱۱۰) مسند احمد ۱/۸۸. (۱۱۱) مسند احمد ۱/۱۴۸ (۱۱۲) مسند احمد ۶/۷۰ (۱۱۳) سنن ابو داؤد ۲/۱۱۸. کتاب الخراج باب فی اتخاذ الوزیر (۱۱۴) بحار الانوار ۷۲/۳۵۹ ۳ طبعۃ ایران ۷۵/۳۵۹. کتاب العشرۃ الباب ۸۱ (باب احوال الملوک والامراء) حدیث ۷۵ (۱۱۵) بحار الانوار ۷۲/ ۳۴۰ طبعۃ ایران ۷۵/۳۴۰. کتاب العشرۃ الباب ۸۱۔ حدیث ۱۹ (۱۱۶) مسند احمد ۲/۵۲۱ (۱۱۷) القدمۃ لابن خلدون/ ۱۶۶. الفصل ۳۵. طبع الثانی/ ۲۳۷. الفصل ۳۴ من الفصل ۳ من الکتاب الاول (۱۱۸) التراتیب الاداریہ ۱/۱۷ (۱۱۹) سورۂ قیامت۔ آیت ۱۱ (۱۲۰) الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ۳۴ (۱۲۱) نہج البلاغہ. فیض/ ۹۹۶. عبدہ ۳/ ۹۵. لح/ ۴۲۹۔ مکتوب ۵۳ (۱۲۲) الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ۲۲. ۲۶. ۲۷ (۱۲۳) الاحکام السلطانیہ لابی یعلی/ ۲۹. ۳۱ (۱۲۴) سورۂ نساء۔ آیت ۱۴۱ (۱۲۵) سورۂ شعراء۔ آیت ۱۵۱۔ ۱۵۲ (۱۲۶) سورۂ قلم۔ آیت ۳۵۔ ۳۶ (۱۲۷) سورۂ سجدہ۔ آیت ۱۸ (۱۲۸) سورۂ زمر۔ آیت ۹ (۱۲۹) سورۂ نساء آیت ۵ (۱۳۰) سورۂ یوسف۔ آیت ۵۵ (۱۳۱) سورۂ قصص۔ آیت ۲۶ (۱۳۲) الوسائل ۱۱/۳۵. الباب ۱۳ من ابواب جہاد العدو۔ حدیث ۱ (۱۳۳) الکافی ۱/۴۴. کتاب فضل العلم. باب من عمل بغیر علم۔ حدیث ۳ (۱۳۴) الکافی ۱/۴۳. کتاب فضل العلم۔ باب من عمل بغیر علم۔ حدیث ۱ (۱۳۵) الکافی ۱/۲۶. کتاب العقل والجہل ۔ حدیث ۲۹ (۱۳۶) نہج البلاغہ فیض/۹۹۹. عبدہ ۳/۹۷. لح/ ۴۳۰۔ مکتوب ۵۳ (۱۳۷) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۱۳۷. عبدہ ۳/۱۷۶. لح/ ۴۸۸۔ حکمت ۱۱۰ (۱۳۸) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۱۶۹. عبدہ ۳/۱۹۴. لح/ ۵۰۱۔ حکمت ۱۷۶ (۱۳۹) الغرر والدرر ۱/۱۹۸۔ حدیث ۷۷۳ (۱۴۰) الغرر والدرر ۱/ ۲۳۰ حدیث ۹۲۳ (۱۴۱) الغرر والدرر ۳/۱۰۲۔ حدیث ۳۹۲۹ (۱۴۲) الغرر والدرر ۳/۱۰۳۔ حدیث ۳۹۳۱ (۱۴۳) الغرر والدرر ۳/۱۰۹۔ حدیث ۳۹۵۴ (۱۴۴) الغرر والدرر ۳/۱۲۹۔ حدیث ۴۰۳۳ (۱۴۵) الغرر والدرر ۳/۱۲۹۔ حدیث ۴۰۳۵ (۱۴۶) الغرر والدرر ۳/۲۹۵۔ حدیث ۴۵۲۳ (۱۴۷) الغرر والدرر ۳/۳۸۴ حدیث ۴۸۱۸ (۱۴۸) الغرر والدرر ۳/۳۸۵۔ حدیث ۴۸۴۱ (۱۴۹) الغرر والدرر ۳/۳۸۵۔ حدیث ۴۸۱۹ (۱۵۰) الغرر والدرر ۳/۴۲۰۔ حدیث ۴۹۴۸ (۱۵۱) الغرر والدرر ۴/۱۰۔ حدیث ۵۱۱۰ (۱۵۲) الغرر والدرر ۳/ ۴۴۲۔ حدیث ۵۰۴۷ (۱۵۳) الغرر والدرر ۴/ ۱۰۔ حدیث ۵۱۱۳ (۱۵۴) الغرر والدرر ۴/۱۱۔ حدیث ۵۱۱۵ (۱۵۵) الغرر والدرر ۴/۱۱۔ حدیث ۵۱۱۶ (۱۵۶) الغرر والدرر ۴/۱۱۔ حدیث ۵۱۱۸ (۱۵۷) الغرر والدرر ۴/ ۱۱۲۔ حدیث ۵۴۸۶ (۱۵۸) الغرر والدرر ۴/۱۶۴۔ حدیث ۵۶۸۶ (۱۵۹) الغرر والدرر ۴/۱۶۵۔ حدیث ۵۶۸۱ (۱۶۰) الغرر والدرر ۴/ ۱۶۶۔ حدیث ۵۶۸۷ (۱۶۱) الغرر والدرر ۴/۱۶۷۔ حدیث ۵۶۹۲ (۱۶۲) الغرر والدرر ۴/۱۶۷۔ حدیث ۵۶۹۳ (۱۶۳) الغرر والدرر ۴/۱۷۲۔ حدیث ۵۷۱۷ (۱۶۴) الغرر والدرر ۴/ ۴۲۴۔ حدیث ۶۵۶۹ (۱۶۵) الغرر والدرر ۴/ ۵۶۴۔ حدیث

۶۹۹۶ (۱۶۶) الغرر والدرر ۵/۲۱۱۔ حدیث ۸۰۲۵ (۱۶۷) الغرر والدرر ۵/۳۴۹۔ حدیث ۸۶۹۲ (۱۶۸) الغرر والدرر ۵/۴۱۵۔ حدیث ۸۹۹۰ (۱۶۹) الغرر والدرر ۶/۲۳۹۔ حدیث ۱۰۱۲۱ (۱۷۰) الغرر والدرر ۶/۲۳۹۔ حدیث ۱۰۱۲۲ (۱۷۱) الغرر والدرر ۶/۴۰۴۔ حدیث ۱۰۷۹۱ (۱۷۲) الغرر والدرر ۵/۴۹۔ حدیث ۷۷۳۷ (۱۷۳) الغرر والدرر ۵/۵۰۔ حدیث ۷۳۸۳ (۱۷۴) الغرر والدرر ۵/۴۹۔ حدیث ۷۵۳۷ (۱۷۵) الغرر والدرر ۵/۵۰۔ حدیث ۷۸۳۷ (۱۷۶) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۲۰/۲۷۶۔ حدیث ۱۸۴ (۱۷۷) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۲۰/۲۵۵۔ حدیث ۶ (۱۷۸) دعائم الاسلام ۲/۵۳۱. کتاب آداب القضاۃ۔ حدیث ۱۸۹۰ (۱۷۹) بحار الانوار۔ ۷۴/۱۶۵. طبعۃ ایران ۷۷/۱۶۵. کتاب الروضہ الباب ۷ باب ماجمع من مفردات کلماتہ۔ ص۔ (۱۸۰) بحار الانوار ۷۲/۳۶۱. طبعۃ ایران ۷۵/۳۶۱. کتاب العشرۃ باب ۸۱ (باب احوال الملوک والامراء) حدیث ۷۷ (۱۸۱) بحار الانوار ۷۲/۶۷ طبعۃ ایران ۷۵/۶۷. کتاب العشرۃ. الباب ۴۴ (باب الادب ومن عرف قدرہ) حدیث ۴ (۱۸۲) تحف العقول/۳۱۹ (۱۸۳) بحار الانوار ۲۲/۴۰۶. تاریخ نبینا. الباب ۱۲ (باب کیفیت اسلام ابی ذر) حدیث ۲۰. ۷۲/۳۴۲. طبعۃ ایران ۷۵/۳۴۲. کتاب العشرۃ الباب ۸۱ (باب احوال الملوک والامراء) حدیث ۲۷ (۱۸۴) صحیح مسلم ۳/۱۴۵۸. کتاب الامارۃ. باب کراہت الامارۃ بغیر ضرورۃ۔ حدیث ۱۸۲۶ (۱۸۵) صحیح مسلم ۳/۱۴۵۷. کتاب الامارۃ باب کراہت الامارۃ بغیر ضرورۃ حدیث۔ ۱۸۲۵ (۱۸۶) صحیح مسلم ۳/۱۸۵۶. کتاب الامارۃ. باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا (۱۸۷) سنن البیہقی ۱۰/۱۱۸. کتاب آداب القاضی. باب لایولی الوالی امراۃ ولافاسقاً ولا جاہلاً امرالقضاء (۱۸۸) کنزالعمال ۶/۱۹. الباب ۱ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال۔ حدیث ۱۴۶۵۳ (۱۸۹) کنزالعمال ۶/۲۵. الباب ۱ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال۔ حدیث ۱۴۶۸۷ (۱۹۰) کنزالعمال ۶/۴۷. الباب ۱ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال۔ حدیث ۱۴۷۸۹ (۱۹۱) کنزالعمال ۶/۷۷. الباب ۱ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال۔ حدیث ۱۴۹۰۹ (۱۹۲) منہاج البراعۃ ۱۱/۱۴۴ (۱۹۳) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۲/۷ (۱۹۴) الاحکام السلطانیہ/ ۲۲ (۱۹۵) التراتیب الاداریہ للکتانی ۱/۲۴۰. ۲۴۵ (۱۹۶) سیرت ابن ہشام ۴/۲۴۶ (۱۹۷) التراتیب الاداریہ للکتانی ۱/۴۴ (۱۹۸) التراتیب الاداریہ للکتانی ۱/۴۳ (۱۹۹) المغازی ۱/۷ (۲۰۰) الطبقات ۲/۱. القسم الاول من الجزء الثانی (۲۰۱) التراتیب الاداریہ ۱/۳۱۳ (۲۰۲) تحف العقول/۴۸۱ (۲۰۳) المغازی ۱/۷ (۲۰۴) التراتیب الاداریہ ۱/۳۱۴۔ ۳۱۶ (۲۰۵) سیرت ابن ہشام ۴/۲۵۴ (۲۰۶) التراتیب الاداریہ ۱/۱۹۴ (۲۰۷) التراتیب الاداریہ ۱/۴۲ ۴۴ (۲۰۸) جامع السعادات ۳/۷۳ (۲۰۹) سورۂ حجرات۔ آیت ۱۰ (۲۱۰) سورۂ انفال۔ آیت ۱ (۲۱۱) نہج البلاغہ. فیض/۹۷۷. عبدہ. ۳/۸۵. لح/۴۲۱ مکتوب ۴۲ (۲۱۲) سورۂ نساء۔ آیت ۶۵ (۲۱۳) سورۂ انعام۔ آیت ۵۷. (۲۱۴) سورۂ مومن۔ آیت ۲۰ (۲۱۵) سورۂ احزاب۔ آیت ۳۶ (۲۱۶) الوسائل ۱۸/۷. الباب ۳ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۳ (۲۱۷) الوسائل ۱۸/۷. الباب ۳ من ابواب صفات القاضی۔ حدیث ۲ (۲۱۸) مصباح الشریعہ ۴۱. الباب ۶۳ فی الفتیا۔ طبع بیروت/ ۱۶ الباب ۶ فی الفتیا (۲۱۹) سورۂ ص۔ آیت ۲۶ (۲۲۰) سورۂ انبیاء آیت ۷۸ (۲۲۱)

سورۂ نساء آیت ۶۵ (۲۲۲) الوسائل ۱۸/ ۱۶۷. الباب ۱ من ابواب کیفیۃ الحکم. حدیث ۱ (۲۲۳) الوسائل ۱۸/ ۱۶۷. الباب ۱ من ابواب کیفیۃ الحکم۔ حدیث ۲ (۲۲۴) الوسائل ۱۸/ ۱۶۹. الباب ۲ من ابواب کیفیۃ الحکم۔ حدیث ۱ (۲۲۵) سنن ابی داؤد ۲/ ۲۷۰. کتاب الاقضیۃ. باب فی قضاء القاضی اذا اخطاء (۲۲۶) الموطا للمالک ۲/ ۱۰۶. کتاب الاقضیۃ. باب فی الترغیب القضاء بالحق (۲۲۷) سنن ابی داؤد ۲/ ۲۷۰. کتاب الاقضیۃ. باب کیف القضاء (۲۲۸) سنن ابی داؤد ۲/ ۲۷۲. کتاب الاقضیہ. باب اجتہاد الرای فی القضاء (۲۲۹) سنن ابن ماجہ ۱/ ۲۱. المقدمۃ. باب اجتناب الرای والقیاس. حدیث ۵۵ (۲۳۰) کنزالعمال ۵/ ۸۱۲. الباب ۲ من کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال. حدیث ۱۴۴۵۶ (۲۳۱) الشرائع ۴/ ۶۷ (۲۳۲) المسالک ۲/ ۳۵۱ (۲۳۳) القواعد ۲/ ۲۰۱ (۲۳۴) راجع المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۳۸۰ (۲۳۵) المنہاج ۵۸۸. کتاب القضاء (۲۳۶) بدایۃ المجتہد ۲/ ۴۴۹. کتاب الاقضیہ (۲۳۷). الاحکام السلطانیہ/ ۶۵ (۲۳۸) الاحکام السلطانیہ/ ۶۰ (۲۳۹) سورۂ نساء آیت ۱۴۱ (۲۴۰) الفقیہ ۴/ ۳۳۴. کتاب الفرائض. باب میراث اہل الملل. حدیث ۵۷۱۹ (۲۴۱) الوسائل ۱۸/ ۴. الباب ۱ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۵ــــ ۱۸/ ۹۹. الباب ۱۱ منہا. حدیث ۱ (۲۴۲) الوسائل ۱۸/ ۷. الباب ۳ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۳ (۲۴۳) الوسائل ۱۸/ ۷. الباب ۳ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۳ (۲۴۴) الوسائل ۱۸/ ۱۱. الباب ۴ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۶ (۲۴۵) سنن ابی داؤد ۲/ ۲۶۸. کتاب الاقضیہ باب فی القاضی یخطئی (۲۴۶) نہج البلاغہ. فیض/ ۷۱. عبدہ ۱/ ۴۷. لح/ ۵۹. خطبہ ۱۷ (۲۴۷) اصول الکافی ۱/ ۵۵. کتاب فضل العلم. باب البدع الرای والمقائیس. حدیث ۶ (۲۴۸) الوسائل ۱۸/ ۸. الباب ۳ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۸ (۲۴۹) الوسائل ۱۸/ ۱۶۷. الباب ۱۲ من ابواب آداب القاضی. حدیث ۲ (۲۵۰) سنن الترمذی ۲/ ۴۳۸. ابواب الحدود. الباب ۲. حدیث ۱۴۴۷ (۲۵۱) الوسائل ۱۸/ ۳۰۸. الباب ۱ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۵ (۲۵۲) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۰۹. عبدہ ۳/ ۱۰۴. لح/ ۴۳۴. مکتوب ۵۳ (۲۵۳) کنزالعمال ۶/ ۷ الباب ۱ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال. حدیث ۱۴۵۹۵ (۲۵۴) الخلاف ۳/ ۳۰۹. کتاب القضاء المسئلہ ۱ (۲۵۵) النہایہ/ ۳۳۷ (۲۵۶) المقنعہ/ ۱۱۱ (۲۵۷) الجوامع الفقہیہ/ ۵۶۲ (۲۵۸) سورۂ مائدہ۔ آیت ۴۴ (۲۵۹) الشرائع ۴/ ۶۷ (۲۶۰) المسالک ۲/ ۳۵۱ (۲۶۱) الجواہر ۴۰/ ۱۵ (۲۶۲) الاحکام السلطانیہ/ ۶۶ (۲۶۳) بدایۃ المجتہد ۲/ ۴۴۹ (۲۶۴) سورۂ نساء آیت ۶۰ (۲۶۵) اصول الکافی ۱/ ۶۷. کتاب فضل العلم. باب اختلاف الحدیث. حدیث ۱۰۔ الوسائل ۱۸/ ۹۹. الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۱ (۲۶۶) الوسائل ۱۸/ ۴. الباب ۱ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۵ (۲۶۷) الوسائل ۱۸/ ۱۰۰. الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۶ ولفظۃ. علیکم. بعد قولہ جعلتہ لیست فی التہذیب بطبعیہ. وان وجدت فی الوسائل (۲۶۸) الوسائل ۱۸/ ۱۰۱. الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۹. واعتمد فی النقل علی کمال الدین/ ۴۸۴ (۲۶۹) سورۂ نساء۔ آیت ۵۸ (۲۷۰) سورۂ مائدہ۔ آیت ۸ (۲۷۱) سورۂ نساء۔ آیت ۱۳۵ (۲۷۲) سورۂ مائدہ۔ آیت ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۷ (۲۷۳) الوسائل ۱۸/ ۱۱. الباب ۴ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۷ (۲۷۴) الوسائل ۱۸/ ۱۱. الباب ۴ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۸ (۲۷۵) الوسائل ۱۸/ ۴. الباب ۱ من ابواب صفات القاضی.

حدیث ۵ (۲۷۶) الوسائل ۱۸/۷. الباب ۳ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۳ (۲۷۷) الوسائل ۱۹/۴۵. الباب ۲۳ من ابواب قصاص النفس. حدیث ۲ (۲۷۸) الوسائل ۱۸/۵. الباب ۱ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۸ (۲۷۹) الجواہر ۴۰/۱۵ ـ ۲۰ (۲۸۰) الوسائل ۱۸/۴. الباب ۱ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۶ (۲۸۱) المبسوط ۸/۹۹ ـ ۱۰۱ (۲۸۲) جامع المدارک ۶/۳ وما بعدہا (۲۸۳) مصباح الشریعۃ/۴۱ ـ ۴۲. الباب ۲۳ فی **الفتیا** طبع بیروت/ ۱۶ ـ ۱۷. الباب ۶ فی **الفتیا** (۲۸۴) **المستند** ۲/۵۱۷ (۲۸۵) اختیار معرفۃ الرجال/۳۷۱ (۲۸۶) الوسائل ۱۹/۴۵. الباب ۲۳ من ابواب قصاص النفس. حدیث ۲ (۲۸۷) الوسائل ۱۳/۲۸۵. الباب ۱ من احکام الوکالۃ. حدیث ۱ (۲۸۸) الوسائل ۱۳/۲۸۲. الباب ۲ من احکام الوکالۃ. حدیث ۱ (۲۸۹) الوسائل ۱۸/۶. الباب ۳ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۱ (۲۹۰) الوسائل ۱۶/۱۳۷. الباب ۱۲ من کتاب الایمان. حدیث ۱۸ (۲۹۱) کفایۃ الاحکام/۲۶۱ (۲۹۲) الوسائل ۱۸/۴. الباب ۱ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۵ (۲۹۳) الوسائل ۱۸/۱۰۰. الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۶ (۲۹۴) الشرائع ۴/۶۹ (۲۹۵) المسالک ۲/۳۵۳ (۲۹۶) سنن ابی ماجۃ ۱/۵۵. المقدمۃ. الباب ۱۱. حدیث ۱۵۴ (۲۹۷) الجواہر ۴۰/۴۵ (۲۹۸) الدروس/۱۷۱ (۲۹۹) الجواہر ۴۰/۴۵ (۳۰۰) نہج البلاغہ. فیض/۱۰۰۹. عبدہ ۳/۱۰۴. لح/۴۳۴. مکتوب ۵۳ (۳۰۱) الوسائل ۱۸/۷۵. الباب ۹ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۱ **ویعتمد فی النقل** علی الکافی ۱/۶۷. کتاب فضل العلم. باب اختلاف الحدیث. حدیث ۱ (۳۰۲) الوسائل (۱۸/۸۰. الباب ۹ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۲۰ (۳۰۳) الوسائل ۱۸/۸۸. الباب ۹ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۴۵ (۳۰۴) **ملحقات** العروۃ الوثقیٰ لآیۃ اللہ السید محمد کاظم الیزدی ۳/۸ ـ ۹. کتاب القضاء الفصل ۱ **المسئلۃ** ۱ (۳۰۵) سورۂ حدید۔ آیت ۲۵ (۳۰۶) سورۂ مائدہ۔ آیت ۴۲ (۳۰۷) سورۂ مائدہ۔ آیت ۸ (۳۰۸) سورۂ نساء۔ آیت ۱۳۵ (۳۰۹) سورۂ اعراف۔ آیت ۲۹ (۳۱۰) سورۂ حجرات۔ آیت ۹ (۳۱۱) سورۂ انعام آیت ۱۵۲ (۳۱۲) سورۂ انبیاء۔ آیت ۴۷ (۳۱۳) سورۂ **ممتحنہ**۔ آیت ۸ (۳۱۴) سورۂ نساء۔ آیت ۵۸ (۳۱۵) سورۂ نحل۔ آیت ۹۰ (۳۱۶) سورۂ شوریٰ۔ آیت ۱۵ (۳۱۷) سورۂ مائدہ۔ آیت ۱۸ (۳۱۸) سورۂ صٓ۔ آیت ۲۶ (۳۱۹) نہج البلاغہ. فیض/۶۶. عبدہ ۱/۴۲. لح/۵۷ خطبہ ۱۵ (۳۲۰) نہج البلاغہ. فیض/۱۳۰۴. عبدہ ۳/۲۶۶. لح/۵۵۹. حکمت ۴۷۶ (۳۲۱) اصول الکافی ۲/۱۴۷. کتاب الایمان والکفر. باب الانصاف والعدل. حدیث ۱۵ (۳۲۲) الوسائل ۱۸/ ۳۰۸. الباب ۱ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۳ (۳۲۳) الوسائل ۱۸/ ۳۰۸. الباب ۱ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۵ (۳۲۴) نہج البلاغہ. فیض/۵۲۶. عبدہ ۲/۸۵. لح/ ۲۳۴. خطبہ ۱۶۴ (۳۲۵) سنن الترمذی ۲/۳۹۴. ابواب الاحکام. الباب ۴. حدیث ۱۳۴۴ (۳۲۶) سنن الترمذی ۲/۳۹۵. ابواب الاحکام. الباب ۴. حدیث ۱۳۴۵ (۳۲۷) الوسائل ۱۸/۱۶۷. الباب ۱۲ من ابواب آداب القاضی. حدیث ۲ (۳۲۸) مجمع البیان ۲/۶۴ جزء ۳ (۳۲۹) الوسائل ۱۸/۱۸. الباب ۵ من ابواب صفات القاضی. حدیث ۲ (۳۳۰) نہج البلاغہ. فیض/۴۱۷. عبدہ ۲/۲۶. لح/ ۱۹۴. خطبہ ۱۳۶ (۳۳۱) کنزالعمال ۶/۲۵. الباب ۱ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال. حدیث ۱۴۶۸۷. (۳۳۲) نہج البلاغہ. فیض/۱۰۰۰. عبدہ ۳/۹۸. لح/ ۴۳۰. مکتوب ۵۳

(٣٣٣) سورۂ حجرات۔ آیت ١٣ (٣٣٤) تفسیر القرطبی ١٦/ ٣٤٢ فی تفسیر سورۃ الحجرات (٣٣٥) سورۂ مائدہ۔ آیت ٤٥ (٣٣٦) الفقیہ ٤/ ٧٩، ٣. باب النوادر. حدیث ٥٧٩٨ (٣٣٧) نہج البلاغہ. فیض/ ١٠٢١. عبدہ ٣/ ١١٣. لح/ ٤٣٩. مکتوب ٥٣ (٣٣٨) سفینۃ البحار ١/ ٦٧١ باب السین۔ سوادہ بن قیس (٣٣٩) صحیح مسلم ٣/ ١٢١٥. کتاب الحدود. باب قطع السارق الشریف وغیرہ. حدیث ١٦٨٨ (٣٤٠) الوسائل ١٨/ ٣٣٢. الباب ٢٠ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ١ (٣٤١) الوسائل ١٨/ ١٥٦. الباب ١ من ابواب آداب القاضی. حدیث ٢ (٣٤٢) نہج البلاغہ. فیض/ ٩٥٧. عبدہ ٣/ ٧٤. لح/ ٤١٤. مکتوب ٤١ (٣٤٣) بحار الانوار ٤١/ ٩. تاریخ امیر المؤمنین۔ الباب ١٠٠. حدیث ٢ (٣٤٤) بحار الانوار ٤١/ ٥٦. تاریخ امیر المؤمنین۔ الباب ١٠٥. حدیث ٦ (٣٤٥) نہج البلاغہ. فیض/ ٣٨٩. عبدہ ٢/ ١٠. لح/ ١٨٣. خطبہ ١٢٦ (٣٤٦) کنز العمال ٦/ ٢٩. الباب ١ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال. حدیث ١٤٧٠٥ (٣٤٧) نہج البلاغہ. فیض/ ٦٨١. عبدہ ٢/ ٢٢٣. لح/ ٣٣٢. خطبہ ٢١٦ (٣٤٨) نہج البلاغہ. فیض/ ١٠١٠. عبدہ ٣/ ٥. لح/ ٤٣٥. مکتوب ٥٣ (٣٤٩) الوسائل ١٨/ ١٥٨. الباب ٤ من ابواب آداب القاضی. حدیث ٢ (٣٥٠) الوسائل ١٨/ ١٥٩. الباب ٤ من ابواب آداب القاضی. حدیث ٦ (٣٥١) الوسائل ١٨/ ١٥٩. الباب ٤ من ابواب آداب القاضی. حدیث ٧ (٣٥٢) الوسائل ١٨/ ١٥٨. الباب ٤ من ابواب آداب القاضی. حدیث ٣ (٣٥٣) الوسائل ١٨/ ١٥٧. الباب ٣ من ابواب آداب القاضی. حدیث ١ (٣٥٤) الوسائل ١٨/ ١٥٧. الباب ٣ من ابواب آداب القاضی. حدیث ٢ (٣٥٥) الوسائل ١٨/ ١٥٦. الباب ٢ من ابواب آداب القاضی. حدیث ١ (٣٥٦) الوسائل ١٨/ ١٥٦. الباب ٢ من ابواب آداب القاضی. حدیث ٢ (٣٥٧) الوسائل ١٨/ ١٥٥. الباب ١ من ابواب آداب القاضی. حدیث ١ (٣٥٨) سنن ابی داؤد ٢/ ٢٧١. کتاب الاقضیۃ. باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی (٣٥٩) سنن ابی داؤد ٢/ ٢٦٩. کتاب الاقضیۃ. باب فی طلب القضاء والسرع الیہ (٣٦٠) سنن الترمذی ٢/ ٣٩٧. ابواب الاحکام. الباب ٩. حدیث ١٣٥١. (٣٦١) الوسائل ١٨/ ١٦٤. الباب ٨ من ابواب آداب القاضی. حدیث ٨ (٣٦٢) کنز العمال ٦/ ١٠٢. الباب ٦ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال. حدیث ١٥٠٣٢ (٣٦٣) کنز العمال ٦/ ١٠٢. الباب ٢ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال. حدیث ١٥٠٣٣ (٣٦٤) کنز العمال ٦/ ١٠٣. الباب ٢ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال. حدیث ١٥٠٣٧ (٣٦٥) کنز العمال ٦/ ١٠٣. الباب ٢ من کتاب الامارۃ والقضاء من قسم الاقوال. حدیث ١٥٠٤٠ (٣٦٦) النہایہ/ ٣٣٧ (٣٦٧) الاحکام السلطانیہ ٧٠ (٣٦٨) الاحکام السلطانیہ ٦٥ (٣٦٩) فروع الکافی ٧/ ٦٦ (ط۔ القدیم ٢/ ٢٥٣). کتاب الوصایا. باب من مات علی غیر وصیۃ. حدیث ١. الوسائل ١٣/ ٤٧٥. الباب ٨٨ من کتاب الوصایا. حدیث ٣. الوسائل ١٢/ ٢٧٠. الباب ١٦ من ابواب عقد البیع حدیث ١ (٣٧٠) الوسائل ١٢/ ٢٧٠. الباب ١٦ من ابواب عقد البیع. حدیث ٢ (٣٧١) الوسائل ١٨/ ٣٣٨. الباب ٢٨ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ١ (٣٧٢) التراتیب الاداریہ ١/ ٣١٣ (٣٧٣) نہایۃ ابن الاثیر ٣/ ٤٥٦ فی لغت فضل (٣٧٤) الاحکام السلطانیہ ٧٧۔ ٨٤ (٣٧٥) الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ٧٣۔ ٧٩ (٣٧٦) نہج البلاغہ. فیض/ ٢٦.

نہج البلاغہ. (۳۷۸) مکتوب ۵۳. ۴۳۹ لح/ ۱۱۲. عبدہ ۳/ ۲۱. فیض/ نہج البلاغہ. (۳۷۷) خطبہ ۱۵. ۵۷ لح/ ۴۲. عبدہ ۱/
مکتوب ۴۱۴. لح ۷۴. عبدہ ۳/ ۹۵۷. فیض/ نہج البلاغہ. (۳۷۹) مکتوب ۵۳. ۴۴۱ لح/ ۱۱۵. عبدہ ۳/ ۱۰۲۵. فیض/
۴۱

پانچویں فصل

امر بہ معروف و نہی از منکر اور ادارۂ حسبیہ

یہاں امر بہ معروف و نہی از منکر ہر دو کے شروط ۔ سے ا جمالی طور پر متنعرض ہونا اور یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کے کئی مراتب و مدارج ہیں، ان میں سے بعض فرائض عامہ میں سے ہیں جو وجوب عینی اور زیادہ صحیح قول کی بناء پر وجوب کفائی کے طور پر ہر مسلمان پر واجب ہیں۔ ان میں بعض مراتب ایسے ہیں جن کی قدرت سب افراد میں نہیں بلکہ ہر شخص کا ان کے درپے ہونا جائز نہیں ہے، وہ حکومت اسلامی کے خصوصیات اور ادارۂ انتظامیہ کے فرائض میں داخل ہیں ـــــ اور حاکم شرع کی اجازت کے بغیر عام افراد کا ان کے درپے ہونا درست نہیں ہے۔ چنانچہ امر و نہی کی ذمہ داری جس ادارے کو سونپی گئی ہے، اصطلاح میں اس کا نام ادارۂ حسبیہ اور اس کے سربراہ کو محتسب کہتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں بحث کی کئی جہات ہیں

پہلی جہت۔ یہ ہے کہ امر بہ معروف اور نہی از منکر اہم شرعی فرائض میں سے ہیں بلکہ عقل بھی ان کے وجوب کا حکم کرتی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دونوں ان اہم فرائض میں سے ہیں جن پر کتاب و سنت نے زور دیا ہے، دین کی اساس، رسالت الٰہیہ کا تسلسل اور مسلمانوں کے وجود اور نظام کی حفاظت انہیں پر مبنی ہے۔

شاید ان دونوں امور کا اہتمام شریعت اسلامی کے خصوصیات میں سے ہے جو سب لوگوں کے لئے وضع ہوئی اور روز قیامت تک باقی رہنے والی ہے، نیز ہر وہ شخص جو اس شریعت کو تسلیم کرتا ہے اسے اس کی اشاعت اور حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

اس میں یہ راز ہے کہ افراد معاشرہ میں کوئی فرد دنیا میں آنے اور جانے میں تنہا نہیں ہوتا اور ہر بات میں دوسروں سے تعلق رکھتا ہے، انسان فطرتاً اجتماع پسند ہے اور بعض افراد بعض دوسروں سے عقائد، اعمال اور اخلاق میں متاثر ہوتے ہیں جیسا کہ تمام زمانوں اور تمام قوموں میں یہ چیز مشاہدے میں آتی ہے۔ کسی شخص کا راہ راست سے منحرف ہو جانا نہ صرف اس کی ذات کے لئے مضر ہے بلکہ سارے معاشرے کے لئے بھی مضر ہے، پس عقل حکم کرتی ہے کہ عمومی نگرانی کے ذریعے جہاں تک ممکن ہو۔ معاشرے کو فساد اور خرابی سے محفوظ رکھنا ضروری ہے ـــــ چنانچہ شریعت نے بھی اسے واجب قرار دیا اور اہم فرائض میں شمار کیا ہے۔

جس طرح معاشرے کا کوئی فرد کسی وبائی مرض مثلاً طاعون وغیرہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا فوری علاج کیا جاتا

ہے تاکہ اس کے جراثیم دوسرے لوگوں تک سرایت نہ کریں اور عقل اس کے مناسب بلکہ لازم ہونے کا حکم لگاتی ہے، اسی طرح روحانی امراض اور اخلاقی برائیاں بھی ہیں کہ اگر معاشرہ ان کے مقابلے میں پوری طرح کھڑا نہ ہو تو وہ بڑھتی اور پھیلتی جائیں گی اور آخر کار سارے معاشرے کو فساد اور خرابی میں ڈال دیں گی۔

پس امت اسلامی پر اور خصوصاً اس کے نمائندے اور امام پر لازم ہے کہ وہ اپنے پورے وسائل اور قوتوں کے ساتھ ان باتوں کو روکنے کی کوشش کرے جو معاشرے میں خرابیاں پیدا کرتی ہیں، ان چیزوں یعنی امر معروف اور نیکی کو پھیلانے میں مدد دے اور شر و فساد کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کرتا رہے۔ چنانچہ نیکی پھیلانے اور برائی مٹانے کے فریضے کی اہمیت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ امیر المومنینؑ نے اس کو جہاد اور دیگر نیک اعمال سے کئی درجے بلند قرار دیا۔

نہج البلاغہ میں ہے: "(اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے) کہ تمام اعمال خیر اور جہاد فی سبیل اللہ ـــــ امر بہ معروف و نہی از منکر کے مقابلے میں ایسے ہیں جس طرح گہرے سمندر میں لعاب دہن کی چھینٹیں ہوں"۔ (۱)

اس میں یہ حکمت ہے کہ تمام فرائض کی بقا اور اپنے حدود و شرائط کے ساتھ ان کی بقاء اسی فریضے کے ساتھ وابستہ ہے، علاوہ ازیں جہاد ایک ظاہری جنگ ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا جب باطن اور اندر کی اصلاح نہ ہو ـــــ پس سب سے پہلے داخلی اور اندرونی اصلاح ضروری ہے اور اس کے بعد ظاہر حال کی اصلاح کے لئے اقدام کرنا چاہئے، اس پر غور کریں۔

دوسری جہت۔ یہ ہے کہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے درجات و مراتب ہیں

مخفی نہیں ہے کہ ان دونوں فریضوں کے بعض مراتب ایسے ہیں جن کی اہلیت ہر وہ مسلمان رکھتا ہے جو احکام و ضروریات دین کو جانتا ہے، اس میں حاکم و محتسب اور دوسرے لوگ باہم برابر ہیں، یہ مرتبہ کسی برائی کا دل اور زبان سے انکار و مخالفت کرنا ہے۔ پس تمام لوگوں پر واجب ہے اور والی بھی ان میں شامل ہے کہ وہ برائی کی مخالفت کریں اور جو شخص یہ عمل کر رہا ہو اس کی مدد و اعانت کریں، بدی کی مخالفت کی ابتداء سہل طریقے سے کی جائے، اگر منکر زائل ہو جائے تو بہتر ورنہ سختی کرے ـــــ پس اگر منکر کا زائل کرنا نزاع و فساد تک پہنچ جائے تو کیا ہر شخص کے لئے اس کے درپے ہونا جائز ہے یا یہ امام کی ذمہ داری ہے یا اس کی جسے وہ اس کام کے لئے نصب کرے، مطلب یہ کہ منکر کا روکنا حاکم کے اذن و اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے تو بھی اس مسئلے میں دو قول ہیں۔

۱۔ شیخ نے نہایہ میں کہا ہے: "امر بہ معروف و نہی از منکر اسلام کے دو فریضے ہیں اور وہ فرض عین ہیں، کسی کے لئے انہیں ترک کرنے اور چھوڑ دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

امر بہ معروف و نہی از منکر ـــــ دل، زبان اور ہاتھ سے کرنا واجب ہیں، لیکن ضروری ہے کہ مکلف (بالغ و عاقل) اس کی قدرت رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ اس فعل کا ضرر اس تک یا مومنین میں سے کسی تک اب یا آئندہ نہیں پہنچے گا یا وہ ایسا ظن و گمان ہی رکھتا ہو۔

کبھی امر بہ معروف ہاتھ سے ہوتا ہے کہ اس طرح لوگوں کو کسی کے زخم لگانے اور قتل کرنے سے روکے، مگر ایسی لڑائی اور

مار پیٹ حاکم وقت کی اجازت کے بغیر جائز نہیں کہ جسے ریاست کے لئے نصب کیا گیا ہو، لیکن اگر اس کی طرف سے اذن و اجازت نہ ملی ہو تو پھر دل و زبان سے یہ فرض ادا کرنے تک محدود رہے جیسے کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

منکر یعنی برائی کی مخالفت بھی انہی تین طریقوں سے ہوتی ہے جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے، پس برائی سے روکنا یا تو ہاتھ سے ہو گا کہ وہ فاعل کی تادیب کرے یا زخم لگائے یا چوٹ لگائے اور مارے پیٹے لیکن یہ بھی حاکم کی طرف سے اجازت کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے، جب ایسی اجازت نہ ہو تو پھر زبان اور دل سے برائی کی مخالفت کرنے پر اکتفاء کرے

...

تاہم حدود کا اجراء حاکم وقت کے بغیر کسی کے لئے جائز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوب ہو یا جسے امام ان حدود کے قیام کے لئے نصب کرے اور ان دو کے علاوہ کسی کے لئے کسی حالت میں بھی اجرائے حدود جائز نہیں ہے"۔ (۲)

۲۔ محقق نے شرائع میں کہا ہے: "امر بہ معروف و نہی از منکر اجماعاً واجب ہے اور یہ واجب کفائی ہے جو بقدر کفایت افراد کے اس پر قیام کرنے سے باقی لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے، بعض نے کہا ہے واجب عینی ہے اور یہی گمان غالب ہے... اگر وہ ضرب لگانے اور اس کے مشابہ کاموں کے علاوہ روکا جاسکے تو پھر جائز ہے، لیکن اگر زخم لگانے یا قتل کرنے کے سوا نہ روکا جاسکے تو کیا ایسا کرنا واجب ہے؟ بعض کہا ہے ـــــ ہاں! اور بعض نے کہا کہ نہیں مگر اذن امام سے اور یہی اظہر ہے۔ (۳)

پس شیخ و محقق نے فتویٰ دیا ہے کہ زخم لگانا اذن امام کے ساتھ مشروط ہے البتہ دونوں نے ضرب لگانے کے بارے میں اختلاف کیا ہے جیسا کہ مخفی نہیں اور شاید حق محقق کے ساتھ ہو جب تھوڑی سی مار پیٹ کی ضرورت پیش آئے اور وہ زیادہ تکلیف دہ نہ ہو تو یہ سیرت معصومینؑ اور دیگر دلائل کی بناء پر جائز ہے۔

کتاب المختلف میں علامہ نے کہا ہے: "اگر امر بہ معروف و نہی از منکر میں کسی قسم کی تادیب، تکلیف دینے، ضرر پہنچانے، زخم لگانے یا قتل کرنے کی ضرورت ہو تو اس بارے میں شیخ نے الاقتصاد میں کہا ہے کہ ہمارے اصحاب امامیہ کا ظاہراً یہ اعتقاد ہے کہ اس قسم کا عمل ائمہ کی جانب سے یا جسے امام اذن دے اس کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

پھر کہا ہے: "مرتضیٰ اس کے مخالف تھے اور ان کا کہنا ہے کہ اذن کے بغیر بھی ایسا کرنا جائز ہے ـــــ شیخ نے تبیان اور نہایہ میں مرتضیٰ کی موافقت کی نیز الاقتصاد میں بھی ان کے قول کے مطابق کہا ہے ـــــ سلار نے کہا ہے کہ برائی کو روکنے میں زخم و قتل حاکم کے اختیار میں ہے یا جس کو وہ اس کا حکم دے لیکن ابو صلاح نے اس میں حاکم وقت کی شرط قرار نہیں دی اور ابن ادریس کا بھی یہی قول ہے، ابن براج نے اذن امام کی شرط رکھی ہے لیکن واقع کے زیادہ قریب وہی ہے جو سید مرتضیٰ نے کہا ہے۔ (۴)

میں کہتا ہوں ـــــ عدم اشتراط کے قول میں استدلال کیا گیا ہے کہ امر و نہی دنیا کی بہبود کے لئے واجب ہے پس وہ دوسرے امور کی طرح کسی شرط پر موقوف نہیں ہے، نیز یہ کہ یہ دونوں امور نبی و امام پر واجب ہیں پس ان کی تاسی و اقتداء کے وجوب کی

بناء پر ہمارے لئے بھی واجب ہیں۔

اس باب میں وارد آیات و روایات کے اطلاق کی بناء پر اور خصوصاً جو وجوب پر مشتمل ہیں، ہاتھ کا بڑھانا اور کسی کی پیشانی پر مارنا ہی ثابت ہو تو اس میں تاسی کرنا ضروری ہے۔

۱۔ جابر کی خبر میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے: "اپنے دلوں میں (برائی سے) نفرت کرو، زبانوں سے روکو اور پھر ان کی پیشانیوں پر طمانچے مارو"۔ (۵)

۲۔ یحیٰ طویل کی خبر میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے: "خدا نے زبان کا کھلنا اور ہاتھ کا رکنا قرار نہیں دیا بلکہ اس طرح ہے کہ یہ دونوں ایک ہی وقت کھلتے اور ایک ہی وقت رکتے ہیں"۔ (۷)

۴۔ نہج البلاغہ ہی میں ہے: "پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو دل، زبان اور ہاتھ سے برائی کو روکتے ہیں تو یہی وہ افراد ہیں جو خیر و نیکی کے خصائص کو مکمل کرنا چاہتے ہیں"۔ (۸)

۵۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ میں ہے: "تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اگر قوت رکھتا ہو تو اسے ہاتھ سے روکے"۔ (۹)

پہلی وجہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دنیا کی بہبودی کے لئے ان کا واجب ہونا ان کے اذن امام سے مشروط ہونے کے منافی نہیں ہے، ان کے ذریعے ہونے والے ہرج و مرج اور انتظامی خرابی سے بچنا چاہئے جب کہ ان سے زیادہ فساد پیدا ہونے کا خدشہ ہو۔ دوسری وجہ پر یہ اعتراض آتا ہے کہ تاسی واقتداء عمومی احکام میں واجب ہے اور ان وظائف و فرائض میں وجوب نہیں رکھتی مگر یہ کہا جائے کہ اگر خدا کے قول "رسولؐ میں تمہارے لئے بہترین نمونہ عمل ہے" کے اطلاق کو دیکھا جائے تو فرائض میں بھی تاسی واجب ہے جب تک اس کی تخصیص پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔

جو روایات نقل ہوئی ہیں ان میں جابر کی خبر کئی وجوہ سے ضعیف ہے، یحیٰ طویل مجہول ہے مگر یہ کہ اس کی تلافی اس طرح کی جائے کہ اس سے ابن ابی عمیر نے روایت لی ہے۔ نہج البلاغہ کی ہر دو عبارتیں اذن کے شرط ہونے کی نفی نہیں کرتیں کیونکہ وہ اس جہت کے بیان میں نہیں ہیں مثل اس کے جو حج و نماز کی فضیلت میں وارد ہوا ہے۔ ان دونوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وجوب کسی چیز سے مشروط نہیں ہے، علاوہ ازیں پہلا خطبہ آپ نے میدان صفین میں دیا جو اپنے لوگوں کو جنگ پر ابھارنے کے لئے ہے، اس سے واضح ہے کہ جنگ آپ کے اذن اور حکم کے تحت ہو رہی تھی۔ اس میں غور کریں کیونکہ انصاف کا تقاضا ہے کہ جب روایات کا اطلاق اور آیت تاسی وغیرہ جو اس کی ادلہ ہیں تو ممکن ہے ان سے اذن کے شرط نہ ہونے کے بارے میں تمسک کیا جا سکے۔

ممکن ہے اذن کے شرط ہونے میں استدلال کیا جائے کہ نفوس کو بچانا واجب ہے اور خون بہانا اور غیر کے اختیار میں تجاوز کرنا حرام ہے مگر اتنی مقدار کہ جس کا جواز قدر متیقن ہو۔ نیز یہ کہ مارنا اور زخم لگانا قدرت و تسلط پر موقوف ہے اور ہر ہر فرد کے لئے موارد، شروط اور احوال و واقعات کی تشخیص آسان نہیں ہے، یہ صرف اس کے لئے میسر ہے جو معاشرے کے حالات، وسائل اور امکانات پر احاطہ رکھتا ہو۔ نیز یہ کہ ہر شخص کا امر و نہی میں مصروف ہو جانا عموماً بدنظمی اور فساد کا سبب

ہوتا ہے، کیونکہ ضرب و ایلام یعنی مار پیٹ جب کسی اختیار اور قوت کی بناء پر نہ ہو تو اس کے مقابلے میں دوسری طرف سے بھی عکس العمل ہوتا ہے جس سے باہم نزاع اور جنگ و جدل کے باعث معاشرے کا نظام تہ و بالا ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حدود شرعی اور معین تعزیرات کا قائم کرنا حاکم کی ذمہ داریوں میں قرار دیا گیا ہے، لہٰذا ہر ایک ان کے درپے نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ مسائل و احکام کا عالم بھی ہو۔

چنانچہ حفص بن غیاث سے روایت ہے کہ اس نے کہا: "میں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ حدود کون قائم کرے ــــ حاکم یا قاضی؟ آپ نے فرمایا کہ حدود کا قائم کرنا اس کی طرف سے ہے جو صاحب حکم ہے"۔ (۱۰) اسے یاد رکھیں

لیکن مخفی نہ رہے کہ خون اور نظام حکومت کی حفاظت کا تقاضا یہ ہے کہ شرط اذن پر عمل کیا جائے مگر یہ کہ ہم امام تک پہنچنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں اور مرکز اسلام کی حفاظت اور بقاء مسلمین کے لئے یہ اقدام ناگزیر ہو تو پھر ان دونوں سے دفاع کرنے میں اذن امام کی پابندی نہیں ہے ــــ غور کریں۔

البتہ یہاں ایک چیز ہے کہ جس سے باخبر کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ شیخ اور محقق وغیرہم کی عبارات کا ظہور یہ ہے کہ اذن امام وجوب کی شرط ہے جس طرح استطاعت وجوب حج کی شرط ہے اور اس شرط کا حاصل کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ وجوب کی شرط موضوع لہ کے بمنزلہ ہے اور حکم بہ لحاظ رتبہ اس موضوع سے متاخر ہے اس لئے اس کی تاثیر اس کے وجوب میں معقول نہیں ہے۔

لیکن اس کتاب (کی جلد اول) کے تیسرے باب میں امر بہ معروف و نہی از منکر کے مسئلے سے اجمالی تعرض میں ہماری طرف سے یہ اظہار گزر چکا ہے کہ ان کا وجود اذن کے ساتھ مشروط ہے نہ وجوب، جیسا کہ وجود نماز طہارت کے ساتھ مشروط ہے، پس وجوب مطلق ہے اور واجب اذن امام کے ساتھ مشروط ہے تاکہ وہ اس کی جلالت و نگرانی کے تحت کسی بدنظمی اور ہرج و مرج کے بغیر انجام پائے۔

اس بناء پر ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ نیکی کو پھیلانے، بدی کو مٹانے اور حدود الٰہی کے قائم کرنے میں اپنی ہمت کی حد تک سعی و کوشش کرے، البتہ جہاں ضرب لگانے اور زخم پہنچانے کی ضرورت ہو وہاں حاکم سے اذن لینا لازم ہے تاکہ اس کے حکم و نگرانی میں یہ عمل انجام پائے اور معاشرے کے نظام میں کوئی نقص اور ہرج و مرج پیدا نہ ہونے پائے۔

اگر حکومت کی کمزوری فرض کی جائے اور اس کے مددگار کم ہوں تو معروف کے فروغ اور منکر کو مٹانے میں اس کی اعانت کرنا واجب ہے، اگر حکومت حقہ کا عدم وجود فرض کیا جائے تو سب پر واجب ہے کہ کسی معین علاقے میں چھوٹی سی حکومت کے ساتھ اس کا وجود محقق کریں جیسا کہ صحیحہ زرارہ اس پر دلالت کرتی ہے جس میں ان پانچ چیزوں میں سے ولایت کو افضل کہا گیا ہے جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے، کیونکہ یہ باقی چار چیزوں کی ضمانت دیتی ہے اور والی و حاکم ان پانچوں کے لئے دلیل و حجت اور ان کی طرف رہبر و رہنما ہے۔ (۱۱)

پس مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور اس کی پرواہ نہ کریں کہ کون کون

سے فحشاء و منکر اور فتنہ و فساد پھیلائے جا رہے ہیں، اموال غصب کئے جا رہے ہیں اور محترم چیزوں کی ہتک کی جا رہی ہے اور صیہونی کفار مسلمانوں اور دنیا کے دیگر کمزور انسانوں کے حقوق چھین رہے ہیں۔ اس پر غور کرتے ہوئے کہ ان تمام مفاسد اور خرابیوں کا دور کرنا حاکم اسلامی کی ذمہ داریوں میں ہے، ہم نے اپنی جگہ پر کہا ہے کہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے دلائل اپنے وسیع ترین مفہوم میں حکومت عادلہ و ولایت حقہ کی تاسیس کے وجوب پر قوی ترین دلائل ہیں ــــ پس ان کی طرف رجوع کریں۔

تیسری جہت۔ یہ ہے کہ کیا ان کا وجوب عینی ہے یا کفائی

جیسا کہ گزر چکا ہے ــــ شیخ نے نہایہ میں کہا ہے کہ امر بہ معروف و نہی از منکر دونوں واجب عینی ہیں۔

پھر الاقتصاد میں کہا ہے: "فقہاء نے ان کے وجوب کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا ہے کہ ان کا وجوب کفائی ہے اور جب کچھ لوگ ان پر قیام کریں تو دوسروں سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ نے کہا کہ یہ واجب عینی ہیں اور آیات و روایات کے عموم کی بناء پر میرے نزدیک یہی اقویٰ ہے۔ (۱۲)

الشرائع میں پہلے ان کے واجب کفائی ہونے کا فتویٰ دیا اور پھر ان کے وجوب عینی کو اشبہ قرار دیا ہے یعنی یہ امر قواعد و اطلاقات کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے"۔ (۱۳)

الجواہر میں سید، حلبی، قاضی، حلی، فاضل، شہیدین اور ایک اور گروہ سے ان دونوں کے واجب کفائی ہونے کی حکایت کی گئی ہے نیز شیخ، ابن زہرہ، فخر الاسلام اور بعض دوسروں سے ان کے واجب عینی ہونے کا ذکر ہوا ہے۔ (۱۴)

المختلف میں سید مرتضیٰ سے حکایت کی گئی اور انہوں نے ان کے وجوب کفائی پر دلیل و حجت قائم کی ہے: "اس بناء پر کہ شارع کی نظر میں معروف کی تحصیل اور منکر کا دور کرنا مطلوب ہے، اس کی غرض کسی عمل کرنے والے سے متعلق نہیں لہٰذا یہ واجب کفائی ہے"۔

علامہ نے کہا ہے: "قول سید اقرب ہے اور ابو صلاح و ابن ادریس نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے"۔ (۱۵)

میں کہتا ہوں ــــ ظاہر یہ ہے کہ اس دلیل کی بناء پر جو سید نے ذکر کی ہے، حق ان علماء کے ساتھ ہے جو انہیں واجب کفائی قرار دیتے ہیں۔

پس اگر آپ کہیں کہ ہر کلام نفوس میں ایک الگ تاثیر رکھتا ہے، شاید ایک ناجائز کام کرنے والا ایک شخص کے کہنے سے نہ رکے اور دوسرے کے کہنے پر باز آ جائے یا کسی ایک شخص کے منع کرنے پر برائی سے ہاتھ نہ روکے اور کچھ زیادہ افراد کے کہنے پر اسے چھوڑ دے۔ پس جب تک دنیا میں منکر و بدی موجود ہے ہر وہ شخص جو اس سے مطلع ہو، اس سے نہی کرنا اس پر واجب ہے۔ نیز ظاہر آیات و روایات بھی وہی عینیت ہے بلکہ وجوب میں اصل بھی یہی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

اس پر میں کہوں گا ــــ ہم فرض کرتے ہیں کہ کچھ اشخاص اتنی تعداد میں نہی کرنے کو اٹھتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں قطعی یقین ہے کہ یہ روکنے کے لئے کافی ہیں اور طرف مقابل باز آ جانے والی ہے اور ان سے زیادہ لوگوں کا اس پر اثر نہیں ہو

گا، پھر کیا اس کے باوجود بھی دوسرے لوگوں کا ان کے ساتھ شامل ہونا ضروری اور واجب ہے جبکہ وہ جانتے ہوں کہ ان کی شرکت کے بغیر بھی مقصد پورا ہو جائے گا۔ ہاں تو میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی شخص ایسا کرنے کو ضروری سمجھے گا ـــــ پس یہ عمل بلا اشکال واجب کفائی ہے اور ظاہر آیات و روایات کو اس وقت اخذ کیا جاتا ہے جب اس کے خلاف ظاہر نہ ہو۔ اسے یاد رکھیں۔

وجوب کفائی کی تصویر

مناسب ہے کہ یہاں ہم اجمالی طور پر وجوب کفائی کی اصلیت و ماہیت سے متعرض ہوں، اس کے اور واجب عینی کے درمیان فرق اور ان دونوں کے اطلاق کے تقاضا میں فرق بیان کریں تاکہ اس کا حکم واضح ہو، پس ہم کہتے ہیں:

الکفایہ میں کہا ہے: "حقیقت یہ ہے کہ وجوب کفائی ــــ وجوب کی ایک قسم ہے اور اس کا ہر شخص کے ساتھ اس طرح کا تعلق ہے کہ اگر سب لوگ اس پر عمل کو ترک کر دیں تو اس مخالفت کے بدلے میں سب کو سزا ملے گی اور اگر ان میں سے بعض اسے بجالائیں تو دوسروں سے ساقط ہو جائے گا۔ (۱۶)

میں کہتا ہوں ــــ مخفی نہیں ہے کہ (اخوند) قدس سرہ نے جو ذکر کیا ہے وہ اثر و خاصہ کے لحاظ سے اس کی تعریف ہے نہ کہ ماہیت کے لحاظ سے اس کی تعریف ہے۔

ایک اور جگہ کہا ہے: "اطلاق صیغہ امر کا تقاضا یہ ہے کہ وجوب نفسی تعیینی اور عینی ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں ہر ایک میں وجوب کا تقید اور اس کا دائرہ تنگ ہے، پس جب مولا مقام بیان میں ہوں اور قرینہ کسی قید پر دلالت نہ کرے تو حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ مطلق ہو ــــ وہاں کوئی دوسری چیز واجب ہو یا نہ ہو، وہ کسی اور چیز کو بجالائے نہ لائے اور کوئی دوسرا اسے بجالائے نہ لائے"۔ (۱۷)

اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ وجوب عینی و کفائی سب کی طرف متوجہ ہونے میں مشترک ہیں، اس بات میں ایک دوسرے سے الگ ہیں کہ عینی میں وجوب مطلق ہے اور کفائی میں وجوب کسی دوسرے کے بجانہ لانے کے ساتھ مشروط ہے۔ یعنی اگر کچھ لوگ اسے بجالائیں تو دوسروں پر واجب نہیں ہو گا اور اگر اسے کوئی بھی بجانہ لائے تو سب پر واجب رہے گا کیونکہ اس کی شرط سب میں موجود ہے۔

آیت اللہ العظمیٰ بروجردی طاب ثراہ نے فرمایا کہ ہماری توضیح کے ساتھ اس کا خلاصہ یہ ہے: "ایک گروہ کے نزدیک ان دونوں میں مکلّف کی جانب میں فرق ہے، کیونکہ وجوب عینی میں سب افراد عموم استغراقی کے طور پر مکلّف ہیں گویا ہر فرد مستقل طور پر مکلّف ہے۔ لیکن وجوب کفائی میں بعض کے نزدیک لوگ اجمالی طور پر مکلّف ہیں اور دوسروں کے نزدیک افراد میں سے ایک ہی مکلّف ہے۔

اس میں پہلے پر یہ اعتراض ہے کہ معاشرہ بطور معاشرہ ایک امر اعتباری ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، پس اس کی تکلیف و ذمہ داری کا تصور نہیں ہو سکتا۔

دوسرے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اس کا مفہوم افراد میں سے ایک میں مراد ہو تو یہ اشکال ہے کہ مفہوم تکلیف و ذمہ داری کا اہل نہیں، اگر مراد اس کا مصداق یعنی ایک فرد ہے تو وہ ظاہر نہیں جب تک اسے معین نہ کیا جائے۔

پس حقیقت یہ ہے کہ وجوب کی تین اضافتیں ہیں ـــــ پہلی اضافت طالب کی طرف، دوسری مطلوب کی طرف اور تیسری مطلوب منہ کی طرف ہے، وجوب عینی و کفائی کے درمیان مکلّف و مطلوب منہ کا فرق نہیں ہے جیسا کہ لفظ قوم سے ظاہر ہے، ان میں وجوب کے اطلاق اور اس کے اشتراط میں بھی فرق نہیں ہے جیسا کہ کفایہ میں کہا گیا ہے ـــــ بلکہ اس بات میں اشتراک کے بعد کہ ہر فرد مستقل مکلّف ہے ان میں مطلوب و مطلوب بہ کا فرق ہے۔ پس وجوب کفائی میں وہی نفس فعل اپنے ذاتی اطلاق کے ساتھ مطلوب ہے اور وجوب عینی میں وہ فعل اس فاعل خاص سے صدور کی قید کے ساتھ مطلوب ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ اوامر اغراض و مصالح کے تابع ہیں، اگر مصلحت مکلفین میں ہر ایک سے صدور فعل میں ہو جبکہ مصلحت اس فعل پر اس طرح مرتب ہوتی ہو کہ اس کا صدور ایک فاعل خاص سے ہو، جیسا کہ نماز کا امر ہے کہ جہاں ایک شخص کی برائی اور گناہ سے بچنا اور اس کا تکامل خود اس کے نماز پڑھنے سے مرتب ہوتا ہے ـــــ اس صورت میں وجوب عینی ہو گا۔

اگر مصلحت صرف فعل کے تحقق پر فاعل خاص کی دخالت کے بغیر مرتب ہو جیسا کہ میت کی تجہیز و تکفین میں ہے تو اس صورت میں ذمہ داری کا تعلق نفس طبیعت سے اس کے اطلاق کے ساتھ ہونے سے واجب کفائی ہو گا، کیونکہ اس کو کسی خاص شخص سے اس کے صدور کی قید سے مقید کرنا فضول ہو گا۔

چونکہ مکلفین میں سے ہر ایک اس طبیعت مطلقہ کی تحصیل پر قدرت رکھتا ہے اس لئے مولا نے ان میں سے ہر ایک کو اس کا حکم دیا ہے، پس جب وہ طبیعت فعل خارج میں حاصل ہو گئی تو قہراً سب اوامر ان کے متعلق کے حاصل ہو جانے کی بناء پر ساقط ہو جائیں گے اور اگر سب نے عصیان و نافرمانی کی تو سب کو سزا ملے گی۔

خلاصہ یہ کہ وجوب عینی و کفائی میں بہ لحاظ مکلّف نہیں بلکہ مکلّف بہ میں فرق ہے، واجب کفائی میں مکلّف بہ مطلق طبیعت ہے اور واجب عینی میں طبیعت فاعل خاص سے اس کا صدور ہے۔ اس بناء پر متعلق کا اطلاق کفائیت کا تقاضا کرتا ہے البتہ ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ خطاب و تکلیف کی توجہ عینیت کی طرف انصراف کا موجب ہے۔ (۱۸)

استاذ سید قدس سرہ کے کلام کی نقل و توضیح ختم ہوئی، اگر آپ تفصیل چاہیں تو ان کی کتاب نہایت الاصول کے ان مباحث کی طرف رجوع کریں جن سے ہم نے اقتباس کیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے ذکر کیا وہ حق ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ البتہ انہوں نے جو کہا ہے کہ مجموع من حیث المجموع کی جانب تکلیف کا راجع ہونا ممکن نہیں تو یہ قابل خدشہ ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ معاشرتی واجبات اور حدود الٰہیہ سب کی سب مجموعی طور پر معاشرے کے ذمہ ڈالی گئی ہیں اور ان کے پورا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار معاشرے کا قیم یعنی امام و حاکم ہے، جیسا کہ گزشتہ مباحث میں بیان ہوا ہے۔

تاہم واجبات کفائی اس قبیل سے نہیں ہیں، پس غور کریں کیونکہ ممکن ہے واجبات اجتماعی کو بھی واجبات کفائی کی طرف لوٹایا جائے اگرچہ ان کا نافذ کرنا امام اور عمال پر واجب ہے تو بھی امت پر کفائی طور پر حکومت کی تحصیل، اس کی تائید اور مدد و

نصرت واجب ہے مثل حدود وغیرہ کے جن کا اجراء امام پر واجب ہے ــــــ پس غور کریں۔

چوتھی جہت۔ بعض آیات وروایات کا ذکر جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

مخفی نہیں کہ جو آیات وروایات اس مسئلے میں وارد ہوئی ہیں ان کے دو گروہ ہیں، ان میں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک عام فریضہ ہے اور ہر مسلمان اس کا مکلف ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص فریضہ ہے یعنی یہ حکومت کے شئون و ذمہ داریوں میں سے ہے۔

ان دونوں گروہوں میں جمع کا ماحصل یہ ہے کہ اس فریضہ کا ادا کرنا دوسرے فرائض کی طرح علم وقدرت پر موقوف ہے، مثلاً دل سے ناپسند کرنا اور واضح، ضروری اور عام احکام میں ہدایت کرنا ایسی چیز ہے جس پر ہر مسلمان قدرت رکھتا ہے۔ لیکن امرونہی کرنے میں ضرب لگانا اور زخم پہنچانا بلکہ بعض اوقات زبان سے ارشاد کے بھی ایسے مراحل ہوتے ہیں جن پر ہر مسلمان قدرت نہیں رکھتا یا اس کی طرف سے ایسا کرنا ضرر سے خالی نہیں ہوتا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس قہراً یہ فریضہ صاحب اختیار حاکم اور اس کے عمال کے کندھے پر ہوگا، البتہ امت پر اس کی تائید اور نصرت واجب ہے بلکہ حکومت حقہ کے قیام کی سعی و کوشش بھی واجب ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے، چنانچہ ہم اس مسئلے سے متعلق بعض آیات وروایات کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلے گروہ کی آیات

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والمومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض، يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوٰة ويئوتون الزكوٰة ويطيعون الله ورسوله، اولئك سيرحمهم الله، ان الله عزيز حكيم - (۱۹)

"اور ایماندار مردوں اور ایمان دار عورتوں میں سے بعض بعض کے اولیاء ہیں جو اچھے کام کا حکم دیتے اور برے کام سے روکتے ہیں اور نماز پابندی سے پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر خدا عنقریب رحم کرے گا، بے شک خدا غالب (اور) حکمت والا ہے۔

پس اس آیت میں ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کے لئے حکم عام ہے، خصوصیت کے ساتھ مومنہ عورتوں کی بھی تصریح کی ہے تاکہ عمومیت میں نص ہو۔ اس میں ولایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی شخص کا تسلط اور اولویت ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت عامہ کی بناء پر جو اسے اپنے بندوں پر حاصل ہے، ہر مومن و مومنہ کے لئے اس کے غیر پر حق ولایت و تسلط قرار دیا ہے، تاکہ اس کے لئے امرونہی کا حق ثابت ہو ــــــ البتہ ولایت کے کئی مراتب ہیں اور یہاں جواز امرونہی کے مطابق ولایت محدود ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے باب میں امرونہی ارشادی ہیں، کیونکہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے امرونہی کی اطاعت کی طرف ارشاد ہیں مثل فقیہ کے اوامر کے جو احکام کے بیان میں ہوں، پس وہ دونوں ثبوت ولایت اور تسلط

شرعی پر موقوف نہیں ہیں۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے اگرچہ بعض نے گمان کیا ہے بلکہ ادلہ سے ظاہر ہے کہ امرونہی ولائی کا وجوب اللہ تعالیٰ کے امرونہی پر تاکید ہے مثل والدین کے امرونہی ولائی کے جو کسی ایسی چیز کے بارے میں ہوں جس کے بارے میں ان سے پہلے خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو، پس اس سے تخلف بیک وقت اللہ تعالیٰ اور والدین کی نافرمانی ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز کے بارے میں خدا کے امرونہی کی سبقت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ امرونہی ارشادی ہیں اور امرونہی کا ظہور اور ان میں اصل وہی اولویت ہے ـــــ پس غور کریں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون لحدود الله. وبشر المومنين – (۲۰)

"(یہ لوگ) توبہ کرنے والے عبادت گزار (خدا کی) حمد و ثناء کرنے والے (اس کی راہ میں) سفر کرنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیک کام کا حکم دینے والے برے کام سے روکنے والے خدا کی (مقررہ) حدوں کے نگاہ رکھنے والے اور (اے رسولؐ) مومنین کو بہشت کی خوش خبری دے دو۔"

۳۔ خدائے تعالیٰ نے ارشاد کیا:

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله، ولو آمن اهل الكتاب لكان خيراً لهم. منهم المومنون واكثرهم الفاسقون– (۲۱)

"تم اچھا گروہ ہو کہ لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کیے گئے ہو تم (لوگوں کو) اچھے کام کا حکم کرتے اور برے کاموں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو، اگر اہل کتاب بھی (اسی طرح) ایمان لاتے تو ان کے حق میں اچھا ہوتا، ان میں سے کچھ تو ایمان دار ہیں اور اکثر بدکار ہیں"۔

ظاہر یہ ہے کہ خطاب مسلمانوں کو ہے اور "ناس" (لوگوں) سے مراد تمام لوگ ہیں کہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان ـــــ اخراج کے معنی خلق و اظہار کرنا ہے مثل قول خداوندی

"اخرج المرعی (چراگاہ پیدا کی) ـــــ واللہ اعلم، مراد یہ ہے کہ مسلمان اس لحاظ سے کہ مسلمان ہیں بہترین امت خلق کئے گئے ہیں اور انہیں انسانی معاشرے کے نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے، ان کے بہتر اور اچھے ہونے کی بنیاد معروف و نیکی کو پھیلانا اور منکر و بدی سے روکنا اور معاشرہ کی اصلاح کرنا ہے۔

اس بارے میں نبی کریمؐ سے مروی ہے: "تم پر ستر امتیں پوری ہوئی ہیں کہ جن میں سے تم بہترین امت ہو اور خدا کی بارگاہ میں زیادہ مکرم ہو"۔ (۲۲)

لیکن ابن ابی حاتم نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے: "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ آپ نے فرمایا: (اس سے مراد) اہل بیت پیغمبرؐ ہیں۔ (۲۳)

پس یہ ارشاد بطور تطبیق ہے کیونکہ وہ حضرات امت میں سے اس آیت کے کامل مصادیق میں سے ہیں۔
" کنتم " جو اس آیت میں آیا ہے. اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ فعل زاید ہے جو تاکید کے لئے لایا گیا ہے اور مراد یہ ہے تم لوح محفوظ میں خدا کے ہاں بہترین امت ہو یا وہ امت جس کی پہلی کتابوں میں خوش خبری دی گئی ہے۔

پس یہ تین آیات ہیں جو ظہور رکھتی ہیں کہ امر و نہی دیگر فرائض کی حد میں ایک عمومی فریضہ ہے۔

دوسرے گروہ کی آیات

۱۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے.

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر، واولئك هم المفلحون - (۲٤)

" اور تم میں سے ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہونا چاہئے جو نیکی کی طرف بلائیں اور اچھے کام کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور ایسے ہی لوگ (آخرت میں) اپنی دلی مرادیں پائیں گے "۔

کہا گیا ہے کہ سیاق آیت امر و نہی کے واجب کفائی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں ـــــ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں خطاب تمام مسلمانوں کی طرف ہے. لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب پر واجب ہے کہ وہ اس کام کے لئے ایک جماعت کو خاص کر لینے کی کوشش کریں. یہ بات اس کی تائید کرتی ہے جو کچھ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ یعنی حکومت حقہ کی تاسیس ایک عمومی ذمہ داری ہے جس کے مخاطب سب لوگ ہیں اگرچہ شئون حکومت کا پورا کرنا ایک خاص ذمہ داری ہے کہ جن میں امر بہ معروف و نہی از منکر کے خاص مراتب بھی شامل ہیں۔
اللہ کے ارشاد "کنتم خیر امت اخرجت للناس " جو ترتیب کے لحاظ سے بھی اس آیت کے بعد واقع ہوئی ہے اس سے مراد ایک خاص جماعت ہے جس کی شان امر و نہی ہے اور یہ ساری امت کا کام نہیں. اس کی تائید سیاق کی وحدت اور اس آیت کی تفسیر میں آمدہ روایات سے ہوتی ہے جن میں اس کی تطبیق ائمہ اطہار پر ہوئی ہے۔

۲۔ امر و نہی کے وظیفہ خاصہ ہونے میں یہ آیت بھی ہے:

الذين ان مكناهم في الارض اقاموا الصلٰوة وآتوا الزكوٰة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الامور - (۲۵)

" یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکات ادا کریں گے اور نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے اور تمام امور کی بازگشت اللہ کی طرف ہے "۔

پس امر بہ معروف و نہی از منکر جو ان دونوں آیات میں مذکور ہیں وہ زمین پر اقتدار و تمکن سے متعلق ہیں، چنانچہ یہ آیت ـــــ آیات قتال اور بعض کو بعض سے دفع کرنے کے بارے میں ہے۔

اسی طرح نماز کے قائم کرنے اور زکات دینے سے ان دونوں کا شخصی طور پر بجالانا مراد نہیں ہے بلکہ معاشرے میں ان کی

ترویج اور برقراری مراد ہے جو حکومت حقہ کے فرائض میں سے ہے جیسا کہ امام حسینؑ کی زیارت میں آیا ہے: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کی زکات ادا کی اور امر بہ معروف و نہی از منکر کی ہے"۔

۳۔ اس سلسلے میں یہ آیت بھی آئی ہے:

الذين يتبعون الرسول النبي الامي الذي يجدونه مكتوباً عندهم في التوراة والانجيل يامرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحلّ لهم الطيبات ويحرّم عليهم الخبائث ويضع عنهم اصرهم والاغلال التي كانت عليهم – (۲۶)

"جو لوگ پیغمبر نبی امیؐ کے قدم بہ قدم چلتے ہیں جس (کی بشارت) کو اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (وہ نبیؐ) جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور جو پاکیزہ چیزیں ان پر حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتا ہے، وہ (سخت احکام کا) بوجھ جو ان کی گردن پر تھا اور وہ پھندے جو ان پر (پڑے ہوئے) تھے ان سے ہٹا دیتا ہے"۔

روایات

۱۔ مؤثقہ مسعدہ بن صدقہ میں راوی کہتا ہے کہ جب امام جعفر صادقؑ سے امر بہ معروف و نہی از منکر کے بارے میں پوچھا گیا کہ آیا وہ ساری امت پر واجب ہیں تو میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا: "ساری امت پر نہیں! عرض کیا گیا ـــــ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: یہ تو صرف مطاع قوی پر واجب ہے کہ جو معروف کو منکر سے جانتا ہو نہ کہ جو ضعیف و کمزور ہو اور ہدایت کا راستہ نہ پائے کہ کدھر سے کدھر کو ہے اور حق سے باطل کی طرف جاتا ہو، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: تم میں سے ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہونا چاہئے جو نیکی کی طرف بلائیں، اچھے کام کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں"۔ پس یہ حکم خاص ہے اور عام نہیں ہے، جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا: "قوم موسیٰؑ میں سے ایک گروہ ہے جو حق کی ہدایت کرتا اور اس کے ساتھ رہتا ہے" یہ نہیں کہا کہ ہدایت کرنا پوری امت موسیٰؑ پر واجب ہے یا ان کی قوم پر واجب ہے اور وہ لوگ ان دنوں مختلف امتوں میں منقسم تھے۔ امت ایک یا اس سے زیادہ افراد کو کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ابراہیمؑ اللہ کا قانت اور ایک امت تھا یعنی اللہ کا مطیع و فرمانبردار تھا۔ اس کمزوری کے زمانے میں اس شخص پر یہ فریضہ نہیں ہے جو اموال، انصار اور پیرو کار نہیں رکھتا۔

مسعدہ کہتا ہے میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ کہتے سنا جبکہ آپ سے اس حدیث کے بارے میں سوال ہوا: "بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے"۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ اس پر واجب ہے جو اس بات کی معرفت رکھتے ہوئے امر کرے اور وہ بھی اسے قبول کرے ورنہ نہیں ـــــ (۲۷)

اس مؤثقہ میں بھی امر بہ معروف و نہی از منکر کی ایک خاص قسم پیش نظر ہے جو ظاہری قوت و اقتدار پر موقوف ہے، یعنی جس میں مسلح مقابلہ اور زخم و جراحت شامل ہے۔ اسی طرح زبان سے امر و نہی کے بعض مراتب و موارد بھی خصوصیت رکھتے ہیں،

ورنہ امر و نہی جزئی عام موارد میں ایک کو چھوڑ کر دوسرے فرد سے مخصوص نہیں بلکہ وہ بلااشکال عمومی فرائض میں سے ہے ـــــ اسے یاد رکھیں۔

شاید اس موقع پر امام جعفر صادقؑ بعض ایسے افراد کی طرف متوجہ تھے جو ائمہ اطہارؑ اور ان کے شیعوں کے سکوت پر معترض تھے جو اس زمانے کے منکرات کے مقابل انہیں نظر آتا تھا، لیکن وہ اس کام کے لئے ضروری امکانات اور وسائل پر نظر نہ رکھتے تھے، جیسا کہ سدیر صیرفی اور اس کے احتمال کا ذکر ہو چکا ہے۔ پس یہ مؤثقہ ایسے لوگوں کو حقیقت حال سے مطلع کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے ـــــ اس پر غور کریں۔

اس باب کے بعض اخبار امر و نہی کے خاص اور عام وظائف اور مراتب کے جامع ہیں۔

۲۔ محمد بن جریر طبری نے عبدالرحمٰن بن ابو یعلیٰ سے روایت کی ہے کہ جب ہمارا اہل شام سے سامنا ہوا تو امیر المومنینؑ نے فرمایا: "اے اہل ایمان! جو شخص دیکھے کہ ظلم و عدوان پر عمل ہو رہا ہے، برائی کی طرف دعوت دی جا رہی ہے اور جو دل سے اس کو برا سمجھے تو وہ (عذاب سے) محفوظ اور (گناہ سے) بری ہو گیا اور جو زبان سے اس کو برا کہے تو وہ ماجور ہے اور جو شخص شمشیر بکف ہو کر اس برائی کے خلاف کھڑا ہوتا کہ خدا کا بول بالا ہو اور ظالموں کی بات پست ہو جائے تو یہی وہ شخص ہے جس نے ہدایت کا راستہ پالیا اور سیدھے راستہ پر ہو لیا اور اس کے دل میں یقین نے خوشی بکھیر دی"۔ (۲۸)

اہل شام سے مقابلہ کے دن اس خطبے کا ارشاد کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے آپ کی غرض صفین میں اپنے لشکر کو جنگ پر ابھارنا تھا، واضح ہے کہ ان کی جنگ آپ کے جھنڈے تلے اور آپ کے اذن و حکم سے تھی ـــــ پس اس حدیث سے اذن امام کے بغیر منکر و بدی کا تلوار سے روکنا جائز معلوم نہیں ہوتا۔

ہماری طرف سے بیان ہو چکا ہے کہ وہ موارد جہاں امر و نہی ایک وظیفہ خاص ہے اور اذن حاکم کا محتاج ہے، اس میں وجوب نہیں بلکہ واجب مشروط ہے، اس کی تفصیل اور ان کا باہمی فرق ذکر ہو چکا ہے۔

۳۔ سید رضی کہتے ہیں اسی انداز میں آنجنابؑ کا یہ کلام بھی ہے:

"لوگوں میں سے ایک گروہ ہے جو برائی کو زبان اور دل سے برا سمجھتا ہے لیکن اسے ہاتھ سے نہیں مٹاتا، پس اس نے اچھی خصلتوں میں دو کے ساتھ ربط رکھا اور ایک خصلت کو رائیگاں کر دیا، ایک وہ ہے جو دل سے برا سمجھتا ہے لیکن اسے مٹانے کے لئے ہاتھ اور زبان سے کام نہیں لیتا تو اس نے تین خصلتوں میں سے دو عمدہ خصلتوں کو ضائع کر دیا اور صرف ایک سے وابستہ رہا، ایک وہ گروہ ہے جو دل، زبان اور ہاتھ کسی سے بھی برائی کی روک تھام نہیں کرتا تو ایسے لوگ زندوں میں (چلتی پھرتی) لاشیں ہیں۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمام اعمال خیر جہاد فی سبیل اللہ اور امر بہ معروف و نہی از منکر کے مقابلہ میں ایسے ہیں جس طرح گہرے سمندر میں لعاب دہن کے چھینٹے ہوں۔ یہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ایسا نہیں کہ اس کی وجہ سے قبل از وقت موت آ جائے یا رزق میں کمی پڑ جائے، سب سے بہتر وہ حق بات ہے جو جابر سلطان کے سامنے کہی جائے"۔ (۲۹)

۴۔ جابر نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم ہو گی کہ جس میں ایسے

گروہ کی اتباع کی جائے گی جو ریاء کاری کرنے والا، تکلفاً قراءت و عبادت کرنے والا اور اس میں سفیہ و بے وقوف محدث ہو گا جو امر بہ معروف و نہی از منکر کو واجب نہیں سمجھے گا مگر جس وقت ضرر سے محفوظ ہو گا۔ وہ اپنے لئے رخصتیں اور معذرتیں چاہیں گے، علماء کی لغزشوں اور ان کے علم کی خرابیوں کی پیروی کریں گے، وہ نماز روزہ کی طرف بڑھیں گے جب تک وہ ان کے نفس و مال میں نقصان کا باعث نہ ہوں اور اگر نماز ان چیزوں کے لئے مضر ہو جن کا عمل وہ مال و بدن سے کرتے ہیں تو اس کو بھی چھوڑ دیں گے جس طرح انہوں نے زیادہ باشرف فریضے کو چھوڑ دیا ہے۔ ہاں امر بہ معروف و نہی از منکر ایسا عظیم فریضہ ہے کہ جس سے دوسرے فریضے قائم ہوتے ہیں، پس اس وقت ان پر خدا کا غضب پورا ہو جائے گا اور وہ ان سب کو سزا دے گا، تب نیک لوگ بدوں کے گھروں میں اور کمزور طاقتوروں کے گھروں میں ہلاک ہوں گے۔

امر بہ معروف و نہی از منکر انبیاء کی راہ اور صالحین کا طریقہ ہے، یہ ایک ایسا عظیم فریضہ ہے جس سے دوسرے فریضے قائم ہوتے ہیں، راستے مامون ہوں گے اور مکاسب حلال ہوں گے، مظالم پلٹائے جائیں گے اور زمین آباد ہو گی، دشمنوں سے حق لیا جائے گا اور امر حکومت راست ہو گا ـــــ پس اپنے دلوں میں بدی سے نفرت کرو، زبانوں سے سمجھاؤ اور ان کی پیشانیوں پر چوٹیں لگاؤ، اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرو تو اگر وہ وعظ و نصیحت کو قبول کریں اور حق کی طرف پلٹ آئیں تو ان پر کوئی سبیل و راہ نہیں کیونکہ سبیل و راہ تو ان کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور بغیر حق کے زمین پر بغاوت کرتے ہیں، انہیں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ پس اس وقت اپنے بدنوں سے جہاد کرو اور اپنے دلوں میں ان سے بغض رکھو ـــــ تسلط چاہے بغیر، طلب مال کئے بغیر اور ظلم سے کامیابی نہ چاہتے ہوئے یہاں تک کہ وہ اللہ کے امر و حکم کی طرف پلٹ آئیں اور اس کی اطاعت کی راہ پر چلنے لگیں۔

امام جعفر صادقؑ نے مزید فرمایا: خدائے تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کو وحی کی کہ میں تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ افراد پر عذاب کرنے والا ہوں، ان میں سے چالیس ہزار بدکار ہیں اور ساٹھ ہزار نیکو کار ہیں۔ حضرت شعیبؑ نے عرض کیا کہ یہ تو بدکار ہیں لیکن وہ جو نیکو کار ہیں ان پر عذاب کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ ان نیکوں نے برے لوگوں سے مصالحت کر رکھی ہے اور میرے غضب کی وجہ سے ان پر غضبناک نہیں ہوئے"۔ (۳۰)

یہ روایت اعلیٰ مضامین پر مشتمل روایتوں میں سے ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کے مرسل ہونے کے علاوہ یہ دو مجہول راویوں سے مروی ہے اور وہ بشر بن عبداللہ اور ابو عصمت قاضی ہیں، پس مراجعہ کریں۔

مخفی نہیں کہ اس روایت کی جامعیت کے باوجود اس میں امر بہ معروف و نہی از منکر کے ان مراتب کی طرف نظر ہے جو معاشرے میں فرائض کے قائم کرنے، رد مظالم، راستوں کے امن و امان، زمین کی آباد کاری اور ظالموں سے حق لینے سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ ان کی پیشانیوں پر چوٹیں مارنا پڑیں۔ واضح ہے کہ یہ سب امور اپنی وسعتوں کے ساتھ قدرت و غلبہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے، پس اس کے مقدمات و شرائط مہیا کرتے ہوئے تحصیل حکومت قہراً واجب ہے۔

اس روایت نے جن اہم ترین نکات کی تصریح کی ہے ان میں ایک یہ ہے کہ امر و نہی کا ہدف و مقصد اللہ تعالیٰ کے فرائض کو قائم کرنا، عدل و انصاف کو فروغ دینا، زمین کو آباد کرنا اور منکرین کو خدا کی طرف پلٹانا ہے، نہ کہ ان پر غلبہ حاصل کرنا اور

انہیں اپنے زیر حکم لانا، مال و دولت طلب کرنا اور ظلم سے کامیابی حاصل کرنا ـــــ یہ ایک باریک نکتہ ہے جس کی طرف ہر اس شخص کی توجہ ضروری ہے جو جہاد اور مسلح مقابلے کے درپے ہوتا ہے۔ ایک مشہور حدیث میں نبی اکرمؐ نے جہاد بالنفس کو جہاد اکبر قرار دیا ہے، پس ہم شیطانی وسوسوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں جو وہ دلوں میں ڈالتا ہے۔

۵۔ ایک اور جامع روایت ہے کہ جس میں نبی کریمؐ نے فرمایا: "میری امت ہمیشہ خیر و بھلائی پر رہے گی جب تک امر بہ معروف و نہی از منکر کرتے اور نیکی میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہیں گے، پس جب وہ یہ کام نہیں کریں گے تو ان سے برکتیں چھین لی جائیں گی ان میں بعض ایک دوسرے پر مسلط ہو جائیں گے اور زمین و آسمان میں ان کا کوئی ناصر و مددگار نہ ہو گا۔ (۳۱)

۶۔ امیر المومنینؑ نے شہادت سے کچھ دیر پہلے جو وصیت فرمائی اس میں ہے: "امر بہ معروف و نہی از منکر کو ترک نہ کرو ورنہ تمہارے برے لوگ تم پر مسلط ہو جائیں گے، پھر تم دعا کرو گے تو وہ قبول نہیں ہو گی"۔ (۳۲)

۷۔ محمد بن عرفہ سے روایت ہے کہ میں نے امام علی رضاؑ کو یہ فرماتے سنا: "امر بہ معروف و نہی از منکر ضرور کیا کرو ورنہ تم میں برے لوگ تمہارے حاکم بن جائیں گے، پس پھر اگر تمہارے نیکو کار لوگ دعا کریں گے تو وہ ان کے حق میں قبول نہ ہو گی"۔ (۳۳)

۸۔ امام علی رضاؑ کی سند سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ فرمایا کرتے تھے: "جب میری امت امر بہ معروف و نہی از منکر کا فریضہ ایک دوسرے پر ڈال دے گی تو وہ خود یہ موقع دے گی کہ اللہ تعالیٰ اس پر شر و فساد کو مسلط کر دے"۔ (۳۴)

پس جب امت امر بہ معروف و نہی از منکر کا اہتمام کرے، معاشرے کی اصلاح و درستی پر توجہ دے تو وہ صالح امت ہو گی اور ان کے ایک دوسرے سے تعلقات محکم ہوں گے اور وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہو گی کہ جس کا ایک حصہ دوسرے کو سہارا دیتا ہے، تب ان کی ریاست و حکومت ان میں سے صالح و عادل گروہ کے ہاتھ میں ہو گی۔

لیکن جب وہ اس فریضے کو ادا نہ کرے اور اس کا ہر فرد ہوا و ہوس کی پیروی کرے تو امت تفرقہ اور ایک دوسرے سے بغض و حسد کا شکار ہو جائے گی، ان میں سے بعض کچھ دوسرے لوگوں پر لعنت کریں گے اور اشرار و کفار اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے رئیس و حاکم بن جائیں گے اور ان کے وسائل اور ان کے حقوق غصب کر لیں گے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں بعض مسلم ممالک میں یہی حال نظر آتا ہے ـــــ پس کوئی جائے پناہ اور کوئی طاقت نہیں مگر وہ جو خدا کی طرف سے ملتی ہے۔

۹۔ ان جامع روایات میں ایک وہ روایت ہے جو امام حسینؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "امیر المومنینؑ سے روایت کی گئی ہے اور وہ حاکم میں علم کے معتبر ہونے کی فصل میں گزر چکی ہے ـــــ پس مراجعہ کریں۔ (۳۵)

اس روایت میں آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بہ معروف و نہی از منکر سے ابتداء کی ہے جو اس کی طرف سے فریضہ ہے، کیونکہ اسے علم ہے کہ جب یہ فریضہ ادا کیا جائے تو دوسرے سب آسان و سخت فریضے زندہ و قائم ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امر بہ معروف و نہی از منکر اسلام کی دعوت ہے تاکہ رد مظالم اور ظالم کی مخالفت، فئی و غنائم کی تقسیم اور صدقات مناسب

جگہوں سے وصول کر کے حقداروں تک پہنچائے جائیں ـــــ طویل حدیث (۳۶)

۱۰۔ مؤثقہ مسعدہ بن صدقہ میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: "تمہارا کیا حال ہو گا جب تمہاری عورتیں فاسد ہو جائیں گی، تمہارے جوان فاسق ہو جائیں گے اور تم امر بہ معروف و نہی از منکر نہیں کرو گے، پس آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہؐ! کیا ایسا ہو گا؟ فرمایا ـــــ ہاں! بلکہ اس سے بھی بدتر اور تمہارا کیا حال ہو گا جب تم برائی کا حکم دو گے اور نیکی سے روکو گے ـــــ عرض کیا گیا یا رسول اللہؐ! کیا ایسا بھی ہو گا؟ فرمایا ـــــ ہاں! اور تمہارا کیا حال ہو گا جب تم معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھو گے"۔ (۳۷)

۱۱۔ ابو سعید زہری کی خبر میں امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: "ویل و ہلاکت ہے اس قوم کے لئے جو اللہ کے دین کو امر بہ معروف و نہی از منکر کے ساتھ نہیں اپناتے"۔ (۳۸)

۱۲۔ عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک راعی و حاکم ہے اور تم میں ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام و رہبر راعی و حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، مرد اپنے اہل خانہ کا حاکم ہے اور وہ اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی راعی و حاکم ہے اور اس سے اسی کے بارے میں سوال کیا جائے گا ـــــ نوکر اپنے آقا کے مال میں ذمہ دار ہے اور اس سے پوچھا جائے گا، راوی کہتا ہے میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مرد اپنے باپ کے مال میں راعی و حاکم ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال ہو گا اور تم سب کے سب راعی و حاکم ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا"۔ (۳۹)

امر بہ معروف و نہی از منکر کے باب میں اخبار و روایات بہت زیادہ ہیں جو فریقین میں اجمالی طور پر متواتر ہیں پس مراجعہ کریں۔

ان کے وجوب میں مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی شک و تردد نہیں کیا بلکہ یہ ضروریات و بدیہیات دین میں سے ہے۔

پانچویں جہت۔ خواص کی برائیوں پر عوام کے اظہار نفرت کا وجوب اور جب انہیں اس کا علم ہو جائے تو ان کی طرف اس کی نسبت دینا اور انہیں اس سے روکنا۔

۱۔ صدوق نے اپنی اسناد کے ساتھ مسعدہ بن صدقہ سے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "خدا عام لوگوں کو خواص کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہیں کرے گا جبکہ وہ پوشیدہ طور پر برائی کریں اور عام لوگوں کو اس کا علم نہ ہو۔ پس جب خواص منکر و برائی علی الاعلان کرنے لگیں اور عام لوگ اس کو نہ روکیں اور نہ پلٹائیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دونوں گروہوں کے لئے عذاب ہو گا۔

آپ نے مزید کہا کہ رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا "جب کوئی بندہ معصیت و گناہ پوشیدہ طور پر کرے تو وہ سوائے اس کام

کے انجام دینے والے کے کسی کے لئے مضر نہیں ہوتا لیکن اگر وہ اسے ظاہرا طور پر کرے اور اس کو روکا نہ جائے تو وہ عام لوگوں کو ضرر پہنچاتا ہے"۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہرا برائی کرنے سے خدا کے دین میں کمزوری آتی ہے اور اس میں خدا کے مخالفین کی اقتداء کی جاتی ہے"۔ (۴۰)

۲۔ مذکورہ بالا اسناد کے ساتھ روایت ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "خدا عام لوگوں کو خواص کے گناہوں کے باعث عذاب نہیں کرتا اور پھر اوپر والی حدیث کو دوہراتے ہوئے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس مرد کے پاس نہ جائے جسے ظالم حاکم مار رہا ہو نہ کسی قتل ہونے والے کے پاس اور نہ کسی مظلوم کے پاس جائے جبکہ اس کی مدد نہ کر سکتا ہو۔ کیونکہ جب مومن ایسے موقع پر حاضر ہو تو مدد و نصرت کرنا اس پر واجب ہے اور جب تک تم پر حجت ظاہر نہ ہو عافیت کا دامن وسیع ہے۔

نیز فرمایا: جب خدا نے بنی اسرائیل پر تفضّل کیا تو ان میں ہر ایک کو اس طرح قرار دیا کہ وہ اپنے کسی بھائی کو گناہ کی حالت میں دیکھتا تو اسے منع کرتا تھا، اگر وہ اس سے باز نہ آتا تو یہ چیز اسے اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے مانع نہ ہوتی، یہاں تک کہ خدائے عزوجل نے بعض سے بعض کے دلوں پر ضرب لگائی اور ان کے متعلق قرآن میں آیا:

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انہیں داوٗدؑ اور عیسیٰؑ بن مریمؑ کی زبان سے ان کے گناہوں کے بدلے لعنت کی گئی کیونکہ وہ تجاوز کرتے اور اس برائی سے نہیں رکتے تھے جو وہ کرتے تھے"۔ (۴۱)

۳۔ محمد بن سنان کی مرفوعہ میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: "کوئی قوم منکر و برائی کو جاری نہ رکھے گی اور اس میں تغیر نہ کرے گی مگر یہ کہ عنقریب خدا ان کو اپنے عمومی عذاب میں مبتلا کرے گا"۔ (۴۲)

۴۔ عدی سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرمؐ کو یہ فرماتے سنا: "بے شک اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو خاص افراد کے عمل کے باعث عذاب نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ برائی کو دیکھیں اور اس کو نہ روکیں جب کہ روکنے کی قدرت رکھتے ہوں، پس جب وہ ایسا کریں تو خدا ان خاص و عام سب پر عذاب نازل کرے گا"۔ (۴۳)

ان کے علاوہ بھی جو اخبار ان مضامین میں وارد ہوئی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہرا فسق و نافرمانی کے مقابل عام لوگوں کی ذمہ داری بڑی شدید ہے، ان پر واجب ہے کہ وہ برائی کرنے والے خواص کے خلاف قیام کریں اگرچہ ان کے قبضے میں قدرت و اختیار ہو اور یہ مقابلہ مسلح جنگ کو بھی شامل ہے۔

اس کتاب (کی جلد اول) کے پانچویں باب میں چھٹی فصل کے سولہویں مسئلے میں باغی و طاغی حکومتوں کے بر خلاف مسلح جنگ اور انقلاب برپا کرنے کا حکم گزر چکا ہے ـــــ پس رجوع کریں۔

چھٹی جہت۔ دل سے برائی کو ناپسند کرنے کا وجوب، اس پر راضی رہنے کی حرمت اور معروف پر راضی رہنے کا وجوب

۱۔ بہت سے اخبار میں بدی و منکر سے دل میں نفرت کرنے کی ترغیب گزر چکی ہے، ان میں ایک جابر کی خبر ہے اور اس

میں کہا گیا ہے: "پس (برائی سے) دلوں میں نفرت کرو، زبانوں سے روکو اور ان لوگوں کی پیشانیوں پر مارو"۔ (۴۴)

۲۔ سکونی کی خبر میں امام جعفر صادقؑ سے ان کے والد گرامی اور امیر المومنینؑ کے واسطے سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جو کسی برائی میں موقع پر موجود ہو اور اسے ناپسند کرے تو وہ اس کی مثل ہے جو حاضر نہ تھا اور جو اس موقع پر موجود نہ ہو اور اس پر راضی ہو تو وہ اس کی مثل ہے جو وہاں حاضر تھا"۔ (۴۵)

۳۔ محمد بن مسلم کی مرفوعہ میں ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "لوگوں کو رضا و ناراضی جمع کرتی ہے، پس جو شخص کسی امر پر راضی ہو تو وہ اس میں دخیل اور جو ناراض ہو وہ اس سے لاتعلق ہے"۔ (۴۶)

۴۔ نہج البلاغہ میں ہے: "جو کسی قوم کے کسی فعل پر راضی ہو وہ مثل اس کے ہے جو اس میں ان کے ساتھ شامل ہو، باطل میں معاون شخص پر دو گناہ ہیں ــــــ ایک باطل امر انجام دینے کا گناہ اور دوسرا اس پر راضی ہونے کا گناہ ہے"۔ (۴۷)

۵۔ نیز اسی کتاب میں ہے: "لوگوں کو رضا و ناراضی جمع کرتی ہے، ناقہ صالح کی کونچیں ایک شخص نے کاٹیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سب پر عمومی عذاب نازل کیا، کیونکہ وہ سب اس فعل پر راضی تھے ــــــ پس اللہ سبحانہ نے فرمایا: انہوں نے اس (ناقہ) کی کونچیں کاٹیں اور پشیمان ہونے والوں میں سے ہو گئے"۔ (۴۸)

۶۔ امیر المومنینؑ نے اصحاب جمل کے ذکر میں فرمایا: "پس قسم بخدا اگر وہ نہ مارتے مسلمانوں میں سے مگر ایک شخص کو جبکہ اسے بغیر اس کی خطاء کے جان بوجھ کر قتل کرتے تو بھی میرے لئے اس سارے لشکر سے جنگ کرنا حلال ہوتا کہ وہ حاضر تھے اور انہوں نے اسے ناپسند نہیں کیا نہ ہاتھ اور زبان سے دفاع کیا، اس بات کو چھوڑو کہ اب تو انہوں نے اتنے مسلمانوں کو قتل کیا جتنے ان کے سامنے تھے"۔ (۴۹)

۷۔ طلحہ بن زید کی خبر میں امام جعفر صادقؑ سے ان [illegible] یاء کرام سے مروی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "جو شخص ظالمانہ فعل کرتا ہے، جو اس کی اعانت کرتا ہے اور جو ا[illegible] پر راضی ہوتا ہے ــــــ یہ تینوں ہی اس میں شریک ہیں"۔ (۵۰)

۸۔ ابن ابی عمیر کی مرفوع روایت میں ہے کہ ابو عبداللہؑ [illegible] فرمایا: "غیبت کرنے والا تین افراد کا قاتل ہے ــــــ خود اپنے نفس کا قاتل ہے، جس کی غیبت کرتا ہے اس کا قاتل ہے [illegible] جس کے سامنے غیبت کرتا ہے اس کا قاتل ہے"۔ (۵۱)

۹۔ عبدالسلام بن صالح ہروی کی خبر میں ہے کہ میں نے امام ابوالحسن علی رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا، فرزند رسول! آپ امام جعفر صادقؑ سے مروی اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ جس میں آپ نے فرمایا: "جب امام مہدیؑ خروج کریں گے تو وہ امام حسینؑ کے قاتلوں کی اولادوں کو ان کے باپ دادا کی کرتوتوں کی بناء پر قتل کریں گے"۔

اس پر آپ نے فرمایا: "ہاں ایسا ہی ہو گا"۔ میں نے عرض کیا کہ خدائے عزوجل نے فرمایا "کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی

دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

امام علی رضاؑ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے تمام اقوال میں سچا ہے، لیکن قاتلین امام حسینؑ کی اولاد اس پر راضی ہوگی اور اس پر فخر کرے گی۔۔۔۔ پس جو شخص کسی فعل پر راضی ہو تو وہ اسی کی مانند ہے جو اس فعل کو بجالایا۔ اگر کوئی شخص مشرق میں مارا گیا اور اس کے قتل پر کوئی شخص مغرب میں راضی ہوا تو وہ راضی ہونے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاتل کا ساتھی ہے، پس امام قائمؑ ان لوگوں کو اس لئے قتل کریں گے کہ وہ اپنے آباء کے فعل پر راضی تھے"۔ (۵۲)

۱۰۔ اسی سند کے ساتھ امام علی رضاؑ سے مروی ہے اور راوی کہتا ہے کہ میں نے آپ سے عرض کیا۔۔۔۔ حضرت نوحؑ کے زمانے میں کس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو غرق کر دیا تھا، جبکہ ان لوگوں میں بچے بھی شامل تھے اور وہ افراد بھی تھے جن کا کوئی گناہ نہ تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: "قوم نوح میں بچے نہیں تھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مردوں کے اصلاب اور عورتوں کے ارحام کو عقیم کر دیا تھا اور ان کی نسل قطع ہو چکی تھی۔ پس وہ لوگ غرق ہوئے جبکہ ان میں کوئی بچہ نہ تھا کیونکہ خدا اپنے عذاب میں اس کو ہلاک نہیں کرتا جس کا کوئی گناہ نہ ہو، رہے قوم نوح کے باقی افراد تو وہ اللہ کے نبی کی تکذیب کرنے کے باعث اور ان کے علاوہ اس تکذیب کئے جانے پر راضی ہونے کی بناء پر غرق ہوئے، جو شخص کسی فعل کے موقع سے غیر حاضر ہو لیکن وہ اس پر راضی ہو تو وہ مثل اس کے ہے جس نے اسے مشاہدہ کیا ہو اور اسے بجالایا ہو۔ (۵۳)

۱۱۔ امام علی رضاؑ نے اپنے آباء کرام سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب مومن کا دل اس طرح پگھل جائے گا جیسے آگ میں قلعی پگھل جاتی ہے، وہ اپنے دین میں بدعات دیکھتا ہو گا مگر انہیں بدلنے کی ہمت نہ رکھتا ہو گا"۔ (۵۴)

۱۲۔ سلیمان بن خالد کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اگر اہل آسمان و اہل زمین اس بات کو دوست نہ رکھیں کہ رسول کریمؐ کے ساتھ شاہد ہوتے تو وہ اہل جہنم میں سے ہوں گے"۔ (۵۵)

یہ اور دیگر روایات جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ان پر غور کریں۔

مخفی نہیں ہے کہ منکر و بدی کو جاننے کے بعد دل سے اس کو ناپسند کرنا اگرچہ لوازم ایمان میں سے ہے لیکن محض منکر پر دلی رضایت کا مواخذہ کرنا بعض اوقات ان دلائل سے منافات رکھتا ہے جو یہ دلالت کرتی ہیں کہ ایک بندہ جب برائی کا ارادہ کرے تو وہ اس کے خلاف نہیں لکھی جاتی۔ (۵۶)

پس جب خود اس بندہ کے اپنے فعل پر اس کا مواخذہ نہیں ہو سکتا تو دوسرے کے فعل پر راضی ہونے میں کس طرح مواخذہ ہو سکتا ہے؟ اس پر غور کریں۔

پھر شائد ان روایات میں وہ رضایت مراد ہے جو مقام عمل میں بھی ظاہر ہو کیونکہ جو شخص کسی کی طرف سے منکر کے ارتکاب کی خبر سنے تو اس پر واجب ہے کہ اسے روکنے کی کوشش کرے اور منکر کو ختم کرے یا اس کا ارتکاب کرنے والے سے اظہار براءت کرے۔ پس اگر وہ ایسا نہ کرے اور اس کی طرف سے اس پر راضی ہونے بلکہ اس پر فخر و مباہات کے علامات

ظاہر ہوں تو وہ اس منکر میں شریک ہو جائے گا، قوم صالح، اصحاب جمل اور قاتلین حسین ایسے ہی لوگ تھے۔

الجواہر میں آیا ہے: "امر بہ معروف و نہی از منکر صرف دل سے کرنا معقول نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ امر و نہی نہیں ہے، دل سے معروف کو معروف اور منکر کو منکر سمجھنے والا آمر و ناہی نہیں ہے بلکہ یہ تو اس چیز پر ایمان لانے کے توابع میں سے ہے جو نبی کریمؐ لائے ہیں، پس ضروری ہے کہ پہلے مرتبہ میں کوئی دوسرا امر معتبر ہو کہ جس سے یہ امر و نہی شمار ہو اور وہ اعراض اور عدم رضا سے کسی طرح کی ناپسندیدگی ظاہر کرنا ہے۔ (۵۷)

ساتویں جہت۔ جب فعل منکر کا فاعل اس سے نہ رکے تو اس سے براءت کا وجوب

۱۔ سکونی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "رسول کریمؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم بدکاروں سے تیوری چڑھائے ہوئے ملا کریں۔ (۵۸)

۲۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "کم سے کم اظہار نفرت یہ ہے کہ اہل معاصی سے تیوری چڑھا کر ملاقات کرو"۔ (۵۹)

۳۔ حارث بن مغیرہ سے روایت ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: "البتہ میں تم میں ایک مریض گناہ کی وجہ سے کسی بری از گناہ سے مواخذہ کروں گا اور میں ایسا کیوں نہ کروں جبکہ تم کو ایک شخص کے بارے میں ایسی خبر ملتی ہے جو تمہارے اور میرے لئے باعث ننگ و عار ہے ـــــ پھر بھی تم اس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور باتیں کرتے ہو۔ تب قریب سے کوئی آدمی گزرتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ لوگ اس برائی کرنے والے سے بھی بدتر ہیں۔ پس تمہیں کسی کے بارے میں ایسی خبر پہنچے کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو تو اسے اس پر ڈانٹو اور اس سے منع کرو کہ یہ تمہارے اور میرے لئے زیادہ اچھی بات ہے"۔ (۶۰)

۴۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے اس سے کہا: "میں تمہارے نادان افراد کے گناہ تمہارے علماء پر ڈالتا ہوں (یہاں تک کہ فرمایا) جب تمہیں اپنے کسی آدمی کے بارے میں ایسی خبر پہنچے کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو اور جس سے ہمیں ایذاء ہوتی ہے، پس تمہیں کونسی چیز مانع ہے کہ تم اس کے پاس جاؤ ـــــ اسے لعنت ملامت کرو اور پوری طرح سمجھاؤ بجھاؤ، میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں، ایسی صورت میں وہ لوگ ہماری بات کو قبول نہیں کرتے، آپ نے فرمایا پھر ان سے دوری اختیار کرو اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرو۔ (۶۱)

۵۔ شیخ قدس سرہ کی روایت میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے اصحاب میں ایک گروہ سے فرمایا: "بے شک مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں تم میں سے ایک بری شخص سے گناہگار کے بارے میں مواخذہ کروں، مجھے یہ حق کیوں نہ ہو کہ تمہیں اپنے ایک آدمی کے بارے ایک برے فعل کی خبر پہنچتی ہے، پس تم اس سے نفرت نہیں کرتے، نہ اس سے دوری اختیار کرتے ہو اور نہ اسے اذیت دیتے ہو کہ وہ اس برائی کو ترک کر دے"۔ (۶۲)

۶۔ ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "اگر تمہیں کسی شخص کے بارے میں کوئی بری خبر پہنچے تو اس کے پاس جاؤ اور کہو، اے فلاں! تم ہماری جماعت سے الگ ہو جاؤ اور دور ہو جاؤ یا اس برے کام کو چھوڑ دو، پھر اگر وہ

برائی کو چھوڑ دے تو بہتر ورنہ تم لوگ اس سے الگ ہو جاؤ"۔ (۶۳)

ان کے علاوہ بھی اس سلسلے میں روایات آئی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ واجب ہے برائی سے دل میں نفرت کرنا، زبان سے پہلے نرمی اور پھر سختی کے ساتھ منع کرنا یہاں تک کہ نوبت ہاتھ بڑھانے تک پہنچ جائے اور اس کے کئی مرحلے ہیں، احوط ہے کہ یہ حاکم کے اذن سے کیا جائے پس اگر ایسا نہ کیا جاسکے یا اس کا اثر نہ ہوتا ہو تو پھر ایسے شخص سے دوری اختیار کرے اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کر دے، لیکن یہ سب کچھ اس لئے ہو کہ وہ شخص برائی سے رک جائے، اس سے انتقام لینے کے لئے ایسا نہ کیا جائے۔

اس سلسلے میں امر و نہی کے مختلف مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جس کی فقہاء نے صراحت کی اور روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، پس مراجعہ کریں۔

صاحب الجواہر کی عبارت میں دل میں نفرت کرنے کا معنی گزر چکا ہے کہ اس سے مراد برائی کرنے والے سے دوری اختیار کرنا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ ایسا برتاؤ اول یا آخر میں اس یقین کے بعد ہو کہ زبان اور ہاتھ سے کام لینا ممکن نہیں یا یہ دونوں موثر نہیں ہیں، غور کریں۔

آٹھویں جہت۔ ایک شبہ کا ازالہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یاایها الذین آمنوا، علیکم انفسکم - لایضرکم من ضلّ اذا اهتدیتم الی الله مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون - (٦٤)

"اے ایمان والو! تم اپنی خبر لو، جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی گمراہ ہوا کرے تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا تم سبھی کو خدا کی طرف لوٹ کے جانا ہے اس وقت وہ تمہیں بتائے گا جو نیک و بد تم دنیا میں کرتے تھے"۔

اس آیت کو دیکھتے ہوئے کبھی یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب انسان اپنے گھر کو لازم پکڑے اور اپنے نفس کی اصلاح کرے تو پھر جو فساد و گمراہی معاشرے میں پائی جاتی ہو اس کی پرواہ نہ کرے، پس یہ آیت ان ادلہ سے معارض ہے جو امر بہ معروف و نہی از منکر کا وجوب بتاتی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس وہم پیدا کرنے والے مطلب کی بناء پر ان بہت سی آیات و روایات سے دستکش ہونا ممکن نہیں جو اجماع مسلمین پر مشتمل ہیں، تاہم اس آیت کا مقصود اس بات کو بیان کرنا ہے کہ انسان پر واجب ہے وہ اپنے فکر و ارادے میں محکم رہے جبکہ معاشرے کے تمام یا ان میں بعض افراد گمراہی میں پڑے ہوں، اسے اپنے آپ کو ان کے زیر اثر قرار نہیں دینا چاہئے اور ان کے ساتھ شامل نہ ہونا چاہئے جیسا کہ اکثر معاشروں میں ہوتا ہے۔ بلکہ ہر فرد پر واجب ہے کہ خدا کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کرے اور اس کی طرف سے جو فرائض عائد کئے گئے ہیں انہیں ادا کرے کہ ان میں سب سے اہم امر بہ معروف و نہی از منکر ہے، جب وہ ایسا کرے گا تو اس کی ہدایت اسے لازماً نفع پہنچائے گی اور جو گمراہ ہوا ہے اس کی

گمراہی اسے ضرر نہیں دے گی، کیونکہ حق حق ہے کہ جس پر اسے ثواب ملے گا اگرچہ اکثر لوگ اس سے اعراض کریں اور باطل باطل ہے کہ جس پر سزا ہوگی اگرچہ اکثر لوگ اس کی طرف رخ کریں۔

نہج البلاغہ میں ہے۔ "اے لوگو! ہدایت کی راہ میں ہدایت پانے والوں کی کمی سے گھبرا نہ جاؤ کیونکہ لوگ تو اس دنیا کے خوان نعمت پر ٹوٹے پڑتے ہیں جس میں شکم پری کی مدت کم اور گرسنگی کا عرصہ دراز ہے"۔ (۶۵)

مجمع البیان میں اس آیت کے ذیل میں آیا ہے۔ "اس اشکال کے جواب میں کئی وجوہ ہیں ایک یہ ہے کہ آیت بالا امر بہ معروف و نہی از منکر کو ترک کرنے کے جواز پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ بیان کرتی ہے کہ اپنے پروردگار کی اطاعت کرنے والے کا کسی عاصی و نافرمان کے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہو گا۔

دوسری یہ کہ آیت حالت تقیہ کے بارے میں یا اس حالت کے متعلق ہے جب انسان برائی سے نفرت کے اظہار کو موثر نہیں سمجھتا یا جب اس عمل سے فساد پیدا ہوتا ہو۔

روایت ہے کہ ابو ثعلبہ نے نبی اکرمؐ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: "امر بہ معروف و نہی از منکر کرتے رہو یہاں تک کہ تم دیکھو ـــــ دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے، بخل سے کام لیا جاتا ہے، ہوا و ہوس کی پیروی کی جاتی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اتراتا ہے تو پھر تم پر لازم ہے کہ اپنے آپ ہی کو بچاؤ اور خاص و عام کو ان کی حالت پر رہنے دو"۔

تیسری یہ کہ آیت امر بہ معروف و نہی از منکر کی تاکید کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے فرمایا ہے "تم اپنی خبر لو" یعنی تم پر اپنے ہر اہل دین کی خبر گیری لازم ہے جیسا کہ فرمایا "اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو" کفار میں سے جو گمراہ ہیں تمہارے لئے ان کا کوئی ضرر نہیں ہے۔ نیز عطاء کی روایت میں ابن عباس کا قول ہے "تم میں سے ہر ایک دوسرے کو وعظ و نصیحت کرے، ایک دوسرے کو برائی سے منع کرنے اور ایک دوسرے کو اس چیز کی تعلیم دے جو اسے اللہ کے قریب اور شیطان سے دور کرے ـــــ تمہارے لئے مشرکین، منافقین اور اہل کتاب کا گمراہ ہونا مضر نہیں ہے"۔ (۶۶)

نویں جہت۔ امر و نہی کے وجوب میں فقہاء کی بیان کردہ شرائط

محقق نے شرائع میں کہا ہے: "نہی از منکر واجب نہیں جب تک چار شرائط پوری نہ ہوں

۱۔ وہ منکر و برائی کو جانتا پہچانتا ہو تاکہ اس کی مخالفت میں غلطی سے محفوظ رہے۔

۲۔ منکر کی مخالفت کرنے میں اس کی تاثیر کا احتمال رکھتا ہو، پس اگر اسے ظن غالب یا یقین ہو کہ اس کی مخالفت مؤثر نہیں ہوگی تو پھر یہ واجب نہیں ہے۔

۳۔ منکر کا فاعل اس پر برقرار رہنے میں اصرار کرتا ہو، اگر وہ اس سے رک جانے کی کوئی علامت رکھتا ہو اور اس سے ہٹ چکا ہو تو پھر مخالفت کرنا واجب نہیں ہے۔

۴۔ منکر کی مخالفت کرنے میں کوئی فساد کھڑا نہ ہوتا ہو، پس اگر اسے گمان ہو کہ اس کو یا اس کے مال کو یا کسی اور مسلمان کو ضرر پہنچے گا تو اس کا وجوب ساقط ہو جائے گا"۔ (۶۷)

ظاہر یہ ہے کہ یہاں نہی از منکر کا ذکر بطور مثال ہے ورنہ یہ شرائط امر و نہی دونوں کے لئے ضروری ہیں۔

علامہ نے الارشاد میں کہا ہے: "امر و نہی کے جاننے، تاثیر کے احتمال، فاعل کے فعل منکر پر اصرار یا امر کی مخالفت اور امر و نہی کرنے والے، اس کے مال اور اس کے بھائیوں سے ضرر دور ہونے کے شرائط کے ساتھ امر و نہی کرنا واجب ہے"(۶۸)

میں کہتا ہوں ــــ پہلی شرط کا اس طرح سے شرط وجوب ہونا کہ تحصیل علم واجب نہ ہو اور حکم سے ناواقف چاہے کوتاہی کی وجہ سے ہے، وہ اس باب میں معذور ہو ــــ یہ اشکال سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ موضوع وہی معروف و منکر کا واقع ہونا ہے نہ کہ ان دونوں کا معلوم ہونا موضوع ہے، البتہ اس لئے کہ علم، واقع کا طریق و راستہ ہے لہٰذا اس کے بغیر امر و نہی ممکن نہیں ہے ــــ پس وہ اس کے وجود کی شرط ہے اور جاہل و قاصر لامحالہ معذور ہے۔ چنانچہ محقق کرکی حاشیہ میں اور شہید ثانی المسالک میں اس اشکال سے متعرض ہوئے ہیں۔

المسالک میں کہا گیا: "بعض اوقات اس چیز کو دیکھتے ہوئے پہلی شرط کے اعتبار مین مناقشہ کیا جاتا ہے کہ معروف و منکر کا علم نہ ہونا اس نہ جاننے والے پر اس کے وجوب سے منافات نہیں رکھتا، البتہ خود امر و نہی سے منافات رکھتا ہے کہ انسان منکر کا حکم اور معروف سے نہی نہ کرنے لگے۔ پس جو شخص مثل دو عادلوں کی شہادت کے ذریعے کسی معین شخص سے منکر کا وقوع اور معروف کے ترک کو جانتا ہو، اس پر واجب ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کرے کہ جس سے امر و نہی کرنا صحیح ہو، تب وہ امر و نہی کرے جیسے محدث (حدث کرنے والے) سے نماز کا وجوب متعلق ہے اور اس کے شرائط کا حصول اس پر واجب ہے۔

پس حالت جہالت میں امر و نہی کے عدم جواز اور اس شخص پر ان کے وجوب میں کوئی منافات نہیں ہے، جیسا کہ کافر اور محدث پر نماز واجب ہے لیکن اس حالت میں ان کی نماز صحیح نہیں ہے اور محقق کرکی کے حاشیہ سے الجواہر میں بھی اسی طرح حکایت کی گئی ہے۔ (۶۹)

الجواہر میں ان دونوں کا یہ جواب دیا گیا ہے: "علاوہ اس کے یہ اس سے منافات رکھتا ہے جو آپ نے اصحاب سے سنا اور ان میں اس پر اختلاف نہیں جیسا کہ علامہ نے المنتہی میں اعتراف کیا ہے، نیز یہ خبر مسعدہ سے بھی منافات رکھتا ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے اور اس میں اس قوی و مطاع میں وجوب کا حصر ہے جو معروف و منکر کو پہچانتا ہو۔ بلکہ ممکن ہے یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ چیز جو امر بہ معروف و نہی از منکر سے حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مکلّف احکام کو بطور مکلّف جان لے نہ یہ کہ معروف کو منکر سے الگ جاننا پہچاننا اس پر واجب ہو، اس کے علاوہ غیر کو امر و نہی کرنے میں یہ بھی ممکن ہے وہ دونوں ان لوگوں میں سے نہ ہوں جو اسے جانتے ہیں۔

باقی رہی وہ مثال جو ان دونوں نے ذکر کی ہے تو وہ اس گفتگو سے خارج ہے جو ہم کر رہے ہیں، کیونکہ ظاہری طور پر اس وقت خطاب کے تحقق کا موضوع علم ہے بخلاف اس کے جو کسی فعل کو کرے یا کسی چیز کو ترک کرے اور ہم اس کی حرمت کو نہ جانتے ہوں جو اس نے کیا، نہ اس کے وجوب کو جانتے ہوں جسے اس نے ترک کیا، پس امر و نہی کے مقدمہ کے طور پر اس کا یہ جاننا ضروری ہے جب ہم فرض کریں کہ وہ دونوں اسی کی طرف سے ہیں، بلکہ اصل براءت محکم ہے اور اصحاب کی مراد بھی یہی ہے کہ وہ وجوب کی شرط ہے ــــ واللہ اعلم (۷۰)

جو کچھ آنجناب قدس سرہ نے فرمایا ہے جب اس کے صدر کلام کو ذیل کی طرف پلٹایا جائے تو اس کا ماحصل یہ ہے کہ اولاً وہی معروف و منکر اپنے وجود کے ساتھ موضوع ہیں جیسا کہ ان دونوں سے ظاہر ہے نہ کہ اس میں معروفیت و منکریت کا معلوم ہونا اس کا موضوع ہے لیکن ان دونوں کے لئے طریق و راستہ علم ہے اگر علم حاصل نہ ہو تو وہ مورد براءت ہو گا کیونکہ شبہ موضوعیہ وجوبیہ ہے اور اگر ان دونوں کے متعلق علم اگرچہ اجمالی طور پر ہو جیسا کہ اس مثال میں ہے تو اس وقت امرونہی واجب ہوں گے کہ موضوع کا تحقق علم سے ہے اور یہی اصحاب و علماء کی مراد ہے کہ علم وجوب کی شرط ہے، مسعدہ کی خبر میں بھی قوی و مطاع عالم کے لئے امرونہی کا حصر کیا گیا ہے جو معروف کو منکر سے تمیز کر سکتا ہو۔

ثانیاً یہ دعویٰ کرنا ممکن ہے کہ امر بہ معروف و نہی از منکر کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ مکلف ان کے احکام کو اپنی تکلیف و ذمہ داری کے لئے جانے نہ کہ ان کو دوسروں کو امرونہی کرنے کے لئے جاننا واجب ہے۔

میں کہتا ہوں ـــــ اس مثال میں مفروض یہ ہے کہ اجمالی طور پر کسی معین شخص سے منکر کے وقوع یا معروف کے ترک کا علم ہو بغیر اس کے کہ وہ جانے کہ شرعاً معروف و منکر کون سا ہے، پس مسعدہ کی خبر اس کو شامل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ وہ شرعاً معروف کو جانتا ہو ـــــ لہٰذا یہ اشکال اپنی جگہ پر قائم رہا۔

البتہ جو کچھ انہوں نے براءت میں سے شبہ موضوعیہ وجوبیہ میں ذکر کیا ہے تو وہ صحیح ہے لیکن اس کا اجراء بغیر چھان بین کے مشکل ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اصحاب اس شخص کے بارے میں احتیاط کرتے تھے جو یہ احتمال دیتا کہ اسے حج کی استطاعت حاصل ہے یا اس کا مال خمس و زکات کے نصاب تک پہنچ گیا ہے، وہ کہتے تھے کہ یہ شخص اپنے مال کا حساب کرے اور غور و فکر سے فیصلہ دے ـــــ اور اگر مولا فرمائیں کہ "علماء قم کا احترام و اکرام کرو" تو ان کی تلاش و جستجو کرنا واجب ہے

پھر جو دعویٰ انہوں نے ذکر کیا اس کا التزام مشکل ہے، اگر فرض کیا جائے کہ ایک شخص ان تمام مسائل کو جانتا ہے جو مردوں سے متعلق ہیں لیکن وہ عورتوں کے مخصوص مسائل سے واقف نہیں جبکہ وہاں ایسی عورتیں موجود ہیں جو ان مسائل سے واسطہ رکھتی ہیں اور کوئی ایسا شخص نہ ہو جو ان سے باخبر ہو تو کیا اس شخص پر واجب نہیں کہ وہ عورتوں کی رہبری کے لئے یہ مسائل سیکھے اور انہیں امرونہی کرے ـــــ اسے یاد رکھیں۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے اولاً تو مسعدہ کی خبر کا مفاد یہ نہیں ہے مگر وہ جو حکم عقل ہے کہ عمل موضوع کے بارے میں علم اور قدرت پر موقوف ہے، کیونکہ عاجز سے اور اسی طرح جاہل سے اپنے عجز و جہالت کی حالت میں کسی فعل کا صدور ممکن نہیں ہے۔ یہ امر اس سے منافات نہیں رکھتا کہ مابعد کے لئے اس پر عمل و قدرت کا حصول واجب ہو۔

ثانیاً شائد اس خبر میں قوی و مطاع کے ذکر کے قرینے سے ساری امت پر وجوب کی نفی میں وہ امرونہی پیش نظر ہو جو محتسب کی طرف سے ولایت حسبیہ میں واقع ہو، ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ جو شخص امور حسبیہ کے لئے والیوں کی طرف سے منصوب ہو اس کے لئے واجب ہے کہ قوی و مطاع اور معروف و منکر میں امتیاز کر سکتا ہو، یہ شرائط اس اعلیٰ منصب کے لئے ہیں جو ولایت کے شعبوں میں سے ہے، لیکن وہ امرونہی جو عام لوگوں پر جزئی موارد میں واجب ہیں تو وہاں علم ان دونوں کے وجود کی شرط ہے نہ کہ ان کے وجوب کی شرط ہے ـــــ اسے یاد رکھیں۔

لیکن انصاف یہ ہے کہ خبر مسعدہ کی شرطیت علم پر دلالت نفس وجوب کے لئے ناقابل انکار ہے، واللہ اعلم ــــــ اس پر غور کریں۔

یہ سب کچھ تو پہلی شرط کے ساتھ مربوط ہے۔

۲۔ اسے برائی سے روکنے میں اپنی بات یا فعل کے مؤثر ہونے کا احتمال ہو، اخبار و روایات اس شرط کے اعتبار پر حد تواتر تک دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو مؤثقہ مسعدہ میں ہے کہ اس نے کہا: "میں نے ابو عبداللہ ؑ کو کہتے سنا جبکہ آپ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جو نبی اکرم ؐ سے آئی ہے کہ "افضل اور برتر جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے" اس کا معنی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ اس صورت میں ہے کہ وہ (سلطان) اسے معرفت حاصل کرنے کے لئے پوچھے اور اس کو یقین ہو کہ میری بات کو وہ قبول بھی کرے گا ورنہ ایسا نہ کرے"۔ (۷۱)

۲۔ ابن ابی عمیر نے یحییٰ طویل سے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہ ؑ نے فرمایا: "امر بہ معروف و نہی از منکر اس مومن کو کیا جاتا ہے جو نصیحت قبول کرے یا اس جاہل کو جو تعلیم حاصل کرے اور باقی رہا صاحب شمشیر و تازیانہ تو اسے نہیں کیا جاتا"۔ (۷۲)

۳۔ ابان بن تغلب نے ابو عبداللہ ؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "حضرت عیسیٰ ؑ فرمایا کرتے کہ زخمی کا اپنے زخم کے علاج کو ترک کرنا لامحالہ زخم لگانے والے کا شریک بننا ہے، (یہاں تک کہ کہا) پس اسی طرح حکمت کی باتیں ان سے بیان نہ کرو جو ان کے اہل نہیں ہیں ورنہ تم جاہل سمجھے جاؤ گے، نہ ہی ان کے اہل سے ان کو روکے رکھو ورنہ گناہگار ہو گے، تم میں سے ہر ایک کو طبیب کی مانند ہونا چاہئے کہ جب وہ اپنی دوا کا مقام پائے (تو دوا کرے) ورنہ رک جائے"۔ (۷۳)

۴۔ ریان بن صلت کی خبر ہے کہ خراسان میں امام علی رضا ؑ کی خدمت میں ایک گروہ حاضر ہوا، انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ اہل بیت میں ایک گروہ برے کاموں کو بجالاتا ہے، کاش کہ آپ انہیں ان سے منع کرتے! آپ نے فرمایا: میں ایسا نہیں کروں گا۔ عرض کیا گیا: اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا میں نے اپنے والد گرامی سے سنا ہے کہ نصیحت کڑوی ہوتی ہے"۔ (۷۴)

۵۔ حارث بن مغیرہ کی خبر ہے کہ ابو عبداللہ ؑ نے مجھ سے فرمایا: "جب تمہیں کسی شخص کے بارے میں خبر ملے جو ایسے کام کے بارے میں ہو جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اس سے ہمیں اذیت پہنچتی ہے، پس تمہیں کونسی چیز مانع ہے کہ اس کے پاس جا کر اسے ڈانٹ ڈپٹ اور لعنت ملامت کرو اور اس سے بلیغ بات کہو، میں نے عرض کیا: آپ پر قربان جاؤں اس صورت میں وہ ہماری بات قبول نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا: پس ان سے دوری اختیار کرو اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دو"۔ (۷۵)

۶۔ داؤد رقی کی خبر ہے کہ میں نے ابو عبداللہ ؑ کو یہ فرماتے سنا: "مومن کو چاہئے کہ وہ خود کو ذلیل نہ کرے، آپ سے

عرض کیا گیا: وہ خود کو کس طرح ذلیل کرتا ہے، فرمایا: وہ ایسی چیز سے متعرض ہو کہ جس کی طاقت نہیں رکھتا۔ (۷۶)
ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جو اس مقصد پر دلالت کرتے ہیں۔

فروع

اس سلسلے میں چند ایک فروع ہیں جن کی طرف التفات کرنا مناسب ہے۔

۱۔ اگر یہ اخبار نہ ہوتے تو امرونہی کے مطلق وجوب کا قائل ہونا ممکن تھا، یہاں تک کہ عدم تاثیر کا علم ہونے کے باوجود ادلہ کے اطلاق کی بناء پر اس کا فائدہ فاعل پر حجت تمام کرنا تھا۔

۲۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدم تاثیر کے علم کی صورت میں وجوب ساقط ہے نہ کہ جواز، مگر یہ کہ اس میں ایسا ضرر ہو جس کا تحمل جائز نہ ہو۔

۳۔ ادلہ کے اطلاق کا اقتضاء یہ ہے کہ سقوط کے لئے ظن غالب کافی نہیں اگرچہ محقق بلکہ اکثر نے اس کا حکم دیا ہے، مگر یہ کہ اس سے ان کی مراد وہ اطمینان ہو جو عادتاً علم کے ساتھ ملحق ہو، پھر طبیب سے تشبیہ دینا بھی وجوب کو ظاہر کرتا ہے، نیز عدم تاثیر کے ظن وگمان میں بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ طبیب شفاء کے احتمال کی صورت میں بھی دوا دیتا ہے۔ مسعدہ کی خبر میں "وہ اس سے قبول کرے" کے قول سے بالخصوص قبول کرنے کا علم ویقین نہیں اس کا احتمال مراد ہے، اس لئے کہ قبول کرنے کے علم ویقین کو کسی نے بھی شرط قرار نہیں دیا۔

۴۔ المنتھی میں ہے "ہمارے اصحاب نے اسے علی الاطلاق شرط قرار دیا ہے، بہتر ہے کہ اسے زبان سے امر بہ معروف و نہی از منکر کرنے کی شرط قرار دیا جائے نہ دل سے امرونہی کرنے کی۔ (۷۷)

میں کہتا ہوں ـــــ صاحب الجواہر کا کلام گزر چکا ہے اور یہ کہ جو کچھ دل میں ہو اسے امرونہی شمار نہیں کیا جاسکتا، جب تک اس کے ساتھ عدم رضایت کا اظہار شامل نہ ہو چاہے وہ ایک طرح کا اعراض اور دوری ہو۔

۵۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں یہ تعین نہیں کہ تاثیر زمانہ حال ہی میں ہو، پس اگر اس میں تاثیر آئندہ زمانہ کے لئے ہو تو بھی امرونہی واجب ہے، بلکہ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ اگر وہ جانتا ہو کہ اس کی نہی شخص فاعل میں اثر نہیں کرے گی لیکن اس کے غیر میں مؤثر ہوگی کہ جو اسے دیکھے یا سنے گا، پس وہ اس کا موجب بنے گا کہ وہ اس فاعل سے اور اس کے عمل سے اعراض کریں۔ یعنی اگر اس کی طرف سے نہی نہ ہو تو گمان ہے کہ دوسرے لوگ اس کی اتباع کریں گے تو بعید نہیں کہ اس صورت میں نہی کرنا واجب ہو، اگر نہی کرنے والا عالم دین اور اہم شخصیت ہو اور اس کی خاموشی مسلمانوں کے عقائد کے ضعف اور علماء دین کی کمزوری کا باعث ہو، لیکن فاعل کو اس کی نہی ان کے ایمان میں قوت کا موجب ہو تو بھی وجوب کا قائل ہونا ممکن ہے اگرچہ وہ شخص فاعل میں اثر انداز نہ ہو۔

ممکن ہے کہا جائے کہ تجویز تاثیر ان تمام موارد میں صادق آتی ہے، پس اس شرط سے مقصود انکار و مخالفت کی لغویت کی صورت کو خارج کرنا ہو کہ جو اس پر کسی اثر کا مرتب نہ ہونا ہے وہ اس طرح کہ نہ فاعل میں اور نہ اس کے غیر میں کوئی اثر ظاہر

ہو۔ پس غور کریں

۳۔ یہ شرط ہے کہ فاعل اپنے فعل پر اصرار رکھتا ہو، پس اگر اس سے امتناع کی علامت ظاہر ہو یا وہ اس فعل سے اکھڑ چکا ہو تو پھر اس کی مخالفت ساقط ہو گی، شرائع میں اسی طرح آیا ہے۔ (۷۸)

الجواہر میں اس عبارت کی شرح میں کہا ہے. "بلااختلاف جب علامت سے قطع و یقین کا استفادہ مفروض ہو تو پھر بدیہی ہے کہ ان دونوں کا موضوع نہیں بلکہ اس صورت میں وہ حرام ہیں جیسا کہ کئی علماء نے تصریح کی ہے. اسی طرح اس کے اصرار کی اطلاع و علم ہونے کی صورت میں ان کے عدم سقوط پر اشکال نہیں ہے. بلکہ اشکال تو اس کے امتناع پر امارت ظنی کی صورت میں ان کے سقوط پر ہے. جیسا کہ ادلہ کے اطلاق اور وجوب ثابت کا اقتضا ہے مگر یہ کہ مراد ظن غالب ہو جس کے ساتھ احتمال وہمی ہو کہ عقلاء کے نزدیک جس کی پرواہ نہیں کی جاتی"۔ (۷۹)

میں کہتا ہوں ـــــ خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیر سے متعرض ہونا ہتک حرمت اور اپنے نفس پر اس کے اختیار و تسلط کے خلاف ہے اور وہ جائز نہیں مگر یہ کہ وہ منکر کا فاعل ہو تو اس کو روکنا واجب ہے. لیکن ابتدائی احتمال اور شک کی صورت میں اس سے متعرض ہونا قطعاً جائز نہیں اور نہ جستجو کرنا درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ـــــ تجسّس نہ کرو۔ (۸۰)

لیکن اگر گناہ پہلے سے کر رہا ہے اور اس پر عمل کرنے اور جاری رکھنے پر اصرار ہو یا صرف قصد تکرار ہو تو ادلہ کے اطلاق کی بناء پر نہی از منکر کے جواز بلکہ وجوب کا حکم لگایا جائے گا۔ اگرچہ اس میں اشکال ہے. کیونکہ ادلہ کا موضوع وہی منکر ہے اور مفروض یہ ہے کہ وجوب کے پہلے سے موجود ہونے کی بناء پر اس میں شک ہے جب تک اس کے رک جانے یا پشیمان ہونے یا توبہ کرنے کا یقین نہ ہو یا اس کے جواز کا علم نہ ہو مگر جب اس کے اس فعل کو بار بار انجام دینے کا علم ہو جائے یا استمرار کی علامت ظاہر ہو جیسا کہ دوسروں نے کہا ہے یا خارج میں عمل کو برقرار رکھنے اور مجرد قصد کے درمیان تفصیل دی جائے کیونکہ قصد معصیت حرام نہیں کہ اس سے نہی کی جائے۔

اس مسئلہ میں کئی وجوہ ہیں بلکہ کئی اقوال ہیں اور احتیاط ہر حالت میں بہتر ہے۔

تو کیا صرف استمرار عمل سے امتناع کرنا کافی ہے یا توبہ کرنا ضروری ہے. بعض کے کلام سے امتناع اور رک جانے کی صورت میں نہی از منکر کے سقوط کا اظہار ہوتا ہے۔

البتہ جب توبہ واجب ہے تو امر بہ معروف بھی واجب ہے. اگر اس سے اس کے ترک پر اصرار ظاہر ہو بلکہ صرف احتمال کی صورت میں ـــ علماء کے اقوال یہ ہیں:

محقق اردبیلی نے مجمع الفائدہ میں کہا ہے. وہ چیز جو ظاہر ہوتی ہے. یہ ہے کہ علماء ترک منکر پر اکتفاء کرتے تھے اور یہ نقل نہیں ہوا کہ وہ کسی کو توبہ کا مکلف و ذمہ دار ٹھہراتے ہوں. بلکہ ترک منکر پر ہی اسے چھوڑ دیتے اور اسی طرح امر بہ معروف میں وہ صرف اس فعل کے انجام دینے پر ہی آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ (۸۱)

میں کہتا ہوں ـــــ حق یہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے ذکر کیا صحیح ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ تمام اعصار میں یہی روش رہی ہے کہ

شرع مبین کی نگرانی کرنے میں علانیہ نافرمانی سے ممانعت کی جائے محتسب لوگوں کے اندرونی حالات کا تجسس نہیں کرتے تھے اور ظاہری طور پر امرونہی سے اپنا فریضہ ادا کرتے تھے۔

محمد بن مسلم یا حلبی نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "مومنین کی خطاؤں کو تلاش نہ کرتے پھرو کیونکہ جو شخص اپنے بھائی کی لغزشوں کی ٹوہ لگائے اور ان کے پیچھے لگا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کا پیچھا کرے گا. پس جس کی خطاؤں کا پیچھا اللہ تعالیٰ کرے تو وہ اسے رسوا کرے گا اگرچہ وہ اپنے گھر میں بند ہو کر رہے"۔ (۸۲)

زید بن اسلم نے حضرت رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اے لوگو! تمہارے لئے وہ وقت آگیا ہے کہ اللہ کی حدود کو توڑنے سے رکو، جو شخص ان برائیوں میں سے کسی کا مرتکب ہو تو وہ اللہ کے پردہ کی وجہ سے اس پر پردہ ڈالے ـــــ کیونکہ جو اپنا چہرہ ظاہر کرے گا تو ہم اس پر کتاب خدا کی حد جاری کریں گے"۔ (۸۳)

اسی طرح شیخ نے بھی المبسوط کی کتاب الاقرار اور کتاب السرقہ میں روایت کی ہے۔ (۸۴)

سعید بن مسیب سے روایت ہے، میں نے سنا کہ رسول کریمؐ نے قبیلہ اسلم کے ایک فرد ہزال سے فرمایا: "اے ہزال! اگر تم اسے اپنی چادر سے ڈھانپ لو تو تمہارے لئے بہتر ہو گا"۔ (۸۵)

۴۔ "منکر و بدی کو روکنے میں کوئی مفسدہ نہ ہو، پس اگر گمان کرے کہ اس میں خود اس کو یا اس کے مال کو یا مسلمانوں میں سے کسی کو ضرر پہنچے گا تو پھر وجوب ساقط ہو جائے گا اور شرائع میں بھی اسی طرح ہے"۔ (۸۶)

فقہاء نے ضرر سے بہت عام مراد لی ہے کہ وہ نفس، ناموس اور مال میں زمانہ حال یا مستقبل میں ہو، یہاں ضرر کے ظن و گمان پر اس لئے اکتفاء کیا گیا ہے کہ باب ضرر میں بنیاد خوف پر ہے جو ظن کے ساتھ اور بعض مراتب احتمال میں بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

الجواہر میں کہا ہے: "اس سلسلے میں جو کچھ میں نے بغیر اختلاف کے پایا ہے جیسا کہ بعض نے اس کا اعتراف کیا ہے یہ ضرر و ضرار کی نفی، دین میں حرج کی نفی، ملت اسلامیہ کی سہولت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنگی نہیں آسانی کے ارادے کی وجہ سے ہے۔ (۸۷)

پھر وہ اس مسئلہ میں خاص اخبار کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

۱۔ شیخ صدوق نے الخصال میں اپنی اسناد کے ساتھ اعمشی سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "امر بہ معروف و نہی از منکر اس پر واجب ہیں جو اس کے لئے تمکین و قدرت رکھتا ہو، اسے اپنے نفس اور اپنے لوگوں کے بارے میں کوئی خوف لاحق نہ ہو"۔

نیز عیون میں فضل بن شاذان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ امام علی رضاؑ نے مامون کے نام جو خط لکھا، اس میں یہی مضمون ہے لیکن اس میں "وعلیٰ اصحابہ" اور اس کے ساتھیوں" کے الفاظ ساقط ہیں (۸۸)

۲۔ مؤثقہ مسعدہ میں امام جعفر صادقؑ کا فرمان جو گزر چکا ہے: "اس صلح کے زمانے میں امرونہی اس پر واجب نہیں جو اس میں کوئی حرج محسوس کرتا ہے جبکہ نہ وہ اتنی قوت رکھتا ہے نہ اس کے مددگار ہیں اور نہ اس کی اطاعت کی جاتی ہے (۸۹)

۳۔ یحییٰ طویل کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہ ؑ نے فرمایا: "امر بہ معروف و نہی از منکر اس مومن کو کیا جائے گا جو وعظ و نصیحت قبول کرے یا اس جاہل کو جو علم حاصل کرنا چاہے، رہا وہ جو تلوار و تازیانہ رکھتا ہے تو اسے نہیں"۔ (۹۰)

۴۔ مفضل بن یزید کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہ ؑ نے فرمایا: "اے مفضل! جو شخص کسی سلطان جائر سے متعرض ہو تو اگر اسے کوئی مصیبت پڑ جائے گی تو اس پر اجر و ثواب نہیں ملے گا اور نہ ہی اسے صبر کی توفیق حاصل ہوگی"۔ (۹۱)

۵۔ داؤدرقی کی خبر میں ہے کہ میں نے ابو عبداللہ ؑ کو یہ فرماتے سنا: "مومن کے لئے مناسب نہیں کہ وہ خود کو ذلیل کرے، عرض کیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو کس طرح ذلیل کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اپنے کو ایسے کام میں ڈالے جس کی طاقت نہ رکھتا ہو"۔ (۹۲)

اس بارے میں اسی طرح کے اور اخبار بھی ہیں۔

مجمع الفائدہ میں اس پر اس قول سے دلالت کی گئی ہے: "کیونکہ یہ قبیح ہے اور ضرر بھی قبیح ہے، پس قبیح کو قبیح کے ذریعے رفع کرنا بھی قبیح ہے، حرام کو رفع کرنے کے لئے اپنے نفس پر یا مسلمانوں پر ضرر وارد کرنے کا وجوب ظاہر نہیں ہے اگرچہ فرض کیا جائے کہ وہ پہلے سے کم ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے"۔ (۹۳)

شیخ نے کتاب الاقتصاد میں کہا ہے: "اس کے ہاں جو قبیح واقع ہو وہ چھوٹا ہو یا بڑا برابر ہے، قتل نفس یا قطع عضو ہو یا مال کثیر چھینا جائے یا قلیل اور یہ سب مفسدہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (۹۴)

میں کہتا ہوں ــــــ ممکن ہے کہا جائے کہ امر بہ معروف و نہی از منکر کی غرض حصول ثواب نہیں ہے بلکہ وہ دونوں اپنے وسیع دائرے کے ساتھ اصلاح معاشرہ اور فساد و منکر کو مٹانے کے لئے جاری کئے گئے، نیز احکام اور ان کے مصالح کے معیاروں کی رعایت اور مراتب ضرر و مراتب منکر کے اختلاف کا مقتضی یہ ہے کہ دونوں قسم کی دلیلوں کا تزاحم و موازنہ کیا جائے اور جس کی اصلاً اہمیت ہو اسے مقدم سمجھا جائے۔ چنانچہ بعض اوقات ایک شخص کسی فرد یا جماعت کو قتل کرنا یا کسی محترم مسلمان عورت پر تجاوز کرنا چاہتا ہے، اب اگر اس کو نہی کرنے اور روکنے والے کے لئے کچھ نقصان و خسارہ ہو تو کیا ممکن ہے کہ یہاں نہی از منکر کے عدم وجوب کی بات کی جائے؟ بعض اوقات کوئی کسی بڑی برائی کو علی الاعلان کرنا چاہتا ہے، وہ معاشرے میں سرایت کرنے والی ہے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گا یا اس کا ارتکاب کرنے والا سماجی یا دینی شخصیت رکھتا ہے کہ لوگ طبعاً اس کی پیروی کریں گے یا اس کا عمل دین کی بنیاد کو منہدم کرنے کا موجب ہے یا وہ اپنے عمل سے قوانین اسلام میں سے کسی ایک کو بدلنا چاہتا ہے یا مسلمانوں کے شئون یعنی ان کی سیاست، اقتصاد اور ان کی ثقافت وغیرہ ایسے اہم امور پر ظالم و غاصب سلطنت کو مسلط کر دینا چاہتا ہے کہ جس کے مقابل سکوت و خاموشی جائز نہیں ہے، اس میں نہی کرنے والا وہ ہے جس کا قول قابل قبول ہے یا اس کا اقدام اور نہی کرنا لامحالہ اس مرتکب کی وحشت و خفت یا اس کی اجتماعی وضع و کیفیت میں تزلزل کا موجب ہے تو اس وقت مالی نقصان، قید و بند یا تنگی کے ظن و گمان پر نہی کرنا اور اس شخص کو روکنا واجب نہیں ہو گا؟ اس چیز کا ملتزم ہونا بہت ہی مشکل ہے۔ اسے یاد رکھیں۔

علاوہ اس کے بہت سی روایات ہیں جو منکر و فساد کے مقابلے میں اقدام کرنے کے وجوب اور اس کے خلاف قیام کرنے پر

دلالت کرتی ہیں اگرچہ اس میں ضرر و تنگی کا امکان ہو۔

ا۔ پس جابر کی خبر میں امام ابوجعفر محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "آخری زمانے میں ایک ایسی قوم ہوگی جس میں ریاء کار افراد کی پیروی کی جائے گی جو تکلف سے قراءت کریں گے اور نمائشی عبادت کریں گے، حدیث بیان کرنے والے سفیہ و بےوقوف ہوں گے، وہ مربہ معروف و نہی از منکر کو واجب نہیں سمجھیں گے مگر جب ضرر سے مامون ہوں، وہ اپنے نفس کے لئے رخصتیں اور معذرتیں طلب کریں گے، وہ علماء کی لغزشوں اور ان کے علم کے فساد کا پیچھا کریں گے، وہ نماز و روزہ اور دیگر امور خیر کی طرف رغبت کریں گے جن سے ان کی جان و مال کو گزند نہ پہنچے، وہ جو دیگر عمل کریں گے اگر نماز ان کے ساتھ مل کر ان کے اموال و ابدان کے لئے مضر ہوگی تو اسے چھوڑ دیں گے اور یوں تمام فرائض سے زیادہ کامل اور باشرف فرض کو چھوڑ دیں گے... پس ان سے اپنے دلوں میں نفرت کرو، زبان سے منع کرو اور ہاتھ سے ان کی پیشانیوں پر مارو۔۔۔۔۔ پس اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرو"۔ (۹۵)

۲۔ جابر کی ایک اور خبر میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے: "جو سلطان جائر کے ہاں چل کر جائے، اسے اللہ کے تقویٰ و خوف کا حکم دے، اسے عذاب سے ڈرائے اور نصیحت کرے تو اس کو جن و انس اور ان کے اعمال کی مثل اجر ملے گا"۔ (۹۶)

واضح ہے کہ سلطان جائر کو وعظ کہنا اور ڈرانا سخت رد عمل اور مصیبت کا موجب ہے۔

۳۔ تحف العقول کی روایت میں نواسہ رسول شہید کربلاؑ سے مروی ہے: "خدا نے ان پر اس کا عیب اس لئے لگایا کہ وہ ظالم بادشاہوں سے برائیاں اور فساد دیکھتے اور انہیں منع نہ کرتے تھے، اس میں وہ ان سے ملنے والے نفع میں رغبت اور ان کے دبدبے سے خوف کھاتے ہوئے سکوت کرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مجھ سے ڈرو اور دوسرے لوگوں سے نہ ڈرو" (۹۷)

۴۔ نہج البلاغہ میں ہے: "امر بہ معروف و نہی از منکر موت کو قریب نہیں لاتے اور رزق میں کمی کا باعث نہیں بنتے۔۔۔۔۔ ان میں سب سے افضل عمل ظالم امام و حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے"۔ (۹۸)

۵۔ نہج البلاغہ میں ہے: "جو بدی کو تلوار کے ساتھ روکے تاکہ خدا کا کلمہ بلند اور ظالموں کی بات پست ہو تو یہ وہ شخص ہے جس نے ہدایت کی راہ پالی اور اس پر قائم ہو گیا اور اس نے اپنے دل میں یقین کا چراغ روشن کر لیا"۔ (۹۹)

۶۔ مسعدہ کی خبر میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "خدا عام لوگوں کو خواص کے گناہوں پر عذاب نہیں کرتا جبکہ وہ یہ برائیاں پوشیدہ طور پر کریں اور عام لوگ ان کو نہ جانتے ہوں، لیکن جب خاص لوگ علانیہ برے کام کریں اور عام لوگ ان کی مخالفت نہ کریں اور انہیں نہ بدلیں تو ان دونوں پر اللہ عزوجل کا عذاب ہو گا"۔ (۱۰۰)

۷۔ شہید کربلاؑ نے اپنے اصحاب اور حر ریاحی کے ساتھیوں سے فرمایا: "اے لوگو! بے شک نبی اکرمؐ نے فرمایا جو کسی ظالم حکمران کو دیکھے کہ وہ اللہ کے حرام کئے ہوئے اعمال کو حلال سمجھے، اللہ کے عہد و میثاق کو توڑے، سنت رسولؐ کی مخالفت

کرے اور اللہ کے بندوں میں گناہ وظلم کے ساتھ عمل کرے ــــ پس قول و فعل سے کوئی اسے نہ بدلے تو اللہ کو حق پہنچتا ہے کہ اسے اس کی اصل جگہ میں داخل کرے، یاد رکھو کہ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت کو لازم پکڑ رکھا ہے"۔ (۱۰۱)

۸۔ نیز آپ نے مقام ذی حسم پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے روکا نہیں جارہا (تو ان حالات میں) مومن کا لقاء الٰہی کی طرف راغب ہونا برحق ہے، وہ موت کو نہیں سمجھتا مگر شہادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا باعث پریشانی اور وجہ ملال ہے"۔ (۱۰۲)

آپ مسلمانوں کے امام و مقتدیٰ ہیں، آپ نے اپنے قیام اور تحریک کو اس وجہ سے درست سمجھا جس کی طرف اپنے دونوں خطبوں میں توجہ دلائی ہے، آپ اور آپ کی اولاد و اصحاب اسی راہ میں شہید ہوئے۔ آپ کی زیارت میں آیا ہے:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کو قائم کیا، زکات ادا کی اور امر بہ معروف و نہی از منکر بجالائے"

پس تمام مسلمانوں اور خاص کر آپ کے شیعوں پر لازم ہے کہ آپ کی پیروی کریں اور آپ کے عمل سے ہدایت حاصل کریں۔

۹۔ حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اسلام کی چکی گردش کرتی رہے گی جب تک تم اس طرف پھرو جدھر قرآن پھرے، قریب ہے کہ قرآن و سلطان کی آپس میں جنگ ہو اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ کیونکہ عنقریب تم پر ایسے بادشاہ مسلط ہوں گے کہ جس چیز کا تمہیں حکم دیں گے خود اس کے غیر پر عمل کریں گے، پس اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو وہ تمہیں گمراہ کریں گے اور ان کا حکم نہ مانا تو تمہیں قتل کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اگر ہم اس زمانے کو پائیں تو کیا کریں؟ فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے اصحاب کی طرح ہو جانا کہ جن کو آرے سے چیرا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا ــــ اطاعت خدا میں موت نافرمانی کی زندگی سے بہتر ہے"۔ (۱۰۳)

۱۰۔ ابو العطاء نے کہا: "امیر المومنین امام علی بن ابی طالبؑ محزون و مغموم اور ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے نکلے اور فرمایا کہ تمہاری کیا حالت ہو گی جب تم پر ایسا زمانہ سایہ ڈال رہا ہے کہ جس میں حدود کو معطل کر دیا جائے گا، مال کو دست بدست منتقل کیا جائے گا۔ اس زمانہ میں اولیاء خدا سے دشمنی کی جائے گی اور خدا کے دشمنوں سے دوستی رکھی جائے گی۔ ہم نے عرض کیا: یا امیر المومنینؑ! اگر ہم اس زمانہ کو پائیں تو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: حضرت عیسیٰؑ کے اصحاب (کی طرح) ہو جانا جن کو آرے سے چیرا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا ــــ اللہ عزوجل کی اطاعت میں موت اس کی نافرمانی میں زندہ رہنے سے بہتر ہے"۔ (۱۰۴)

۱۱۔ کنز العمال میں ہے: "عنقریب تم پر ایسے ائمہ و حکام مسلط ہوں گے جو تمہارے رزق کے مالک بن جائیں گے، وہ تم سے باتیں کرنے میں تم سے جھوٹ بولیں گے، عمل کے وقت برے عمل کریں گے، وہ تم سے راضی و خوش نہیں ہوں گے جب تک ان کے برے کاموں کو اچھا قرار نہ دو گے اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرو گے، پس ان کا حق ادا کرنا اور جب وہ تجاوز کریں تو جو اس پر مارا جائے وہ شہید ہے"۔ (۱۰۵)

ان کے علاوہ بھی بہت سے اخبار ہیں جن میں سے بعض اس کتاب (کی جلد اول) کے تیسرے باب کی چوتھی فصل کی چھٹی روایت کے ذیل میں اور بعض (اس کتاب کی جلد اول کے) پانچویں باب کی چھٹی فصل کے سولہویں مسئلے میں گزر چکے ہیں. پس مراجعہ کریں۔

مگر یہ کہا جائے کہ ان میں بعض روایات میں مطمح نظر ظالم و جائر کی اس کے جور میں اطاعت نہ کرنا ہے نہ کہ اسے امر بہ معروف و نہی از منکر کرنا ہے، پس پہلی چیز میں ضرر کا متحمل ہونا جائز اور دوسری میں جائز نہیں. غور کریں

۱۲۔ ابن مسکان نے یمان بن عبیداللہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: "میں نے یحیٰی بن ام الطویل کو کناسہ پر پڑا دیکھا. تب اس نے پکار کر کہا. اولیاء خدا کی جماعت! ہم اس سے بری ہیں جو تم سن رہے ہو. پس جو امیرالمومنین امام علیؑ کو سب و شتم کرے اس پر خدا کی لعنت ہے، ہم بری ہیں آل مروان سے اور خدا کو چھوڑ کر جس کی وہ عبادت کرتے ہیں ـــــ پھر اس نے اپنی آواز نیچی کر کے کہا کہ جو اولیاء خدا کو سب و شتم کرے. اس کے پاس نہ بیٹھو اور جو اس حقیقت پر شبہ کرے جس پر ہم ہیں تو اس سے راز و نیاز کی باتیں نہ کرو"۔ (۱۰۶)

علامہ مجلسی قدس سرہ نے مرآۃ العقول میں امام علی زین العابدینؑ کے اصحاب کی ایک جماعت کا ذکر کیا کہ ان میں یحیٰی بن ام الطویل ہے. پھر لکھا کہ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ حجاج نے اسے بلایا اور کہا (نعوذ باللہ) ابو تراب پر لعنت کرو. بعد میں اسے قتل کر دیا اور اس کے ہاتھ پیر کاٹنے کا حکم دیا۔

میں کہتا ہوں ـــــ گویا یہ جلیل القدر افراد ائمہ طاہرینؑ کے اصحاب خاص تھے جن کو ترک تقیہ کی اجازت ملی ہوئی تھی یا وہ جانتے تھے کہ ان کے لئے تقیہ فائدہ مند نہیں ہے. وہ ہر حالت میں معصومینؑ کی روایت بیان کرنے یا کسی اور وجہ سے شہادت پا کر رہیں گے۔ کیونکہ تقیہ اس وقت واجب ہے جب اس سے فائدہ ہو. اگرچہ بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ دین و اہل دین کی بقاء کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن جب ضلالت و گمراہی اس حد کو پہنچ جائے کہ وہ دین کے کلی طور پر کمزور یا ختم ہونے کا موجب بنے تو اس وقت تقیہ نہیں ہے. چاہے وہ قتل و شہادت کا موجب بنے جیسا کہ امام حسینؑ نے جب دیکھا کہ حق کے آثار بالکل مٹتے جا رہے ہیں تو آپ نے تقیہ و مصلحت کو ترک کر دیا"۔ (۱۰۷)

یہ بیان اسی بات کی تائید کرتا ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ دو دلیلوں کے درمیان تزاحم کی صورت میں فیصلہ کیا جائے اور ان میں سے اہم چیز کو اختیار کیا جائے۔ اسے یاد رکھیں۔

جو روایات گزر چکی ہیں ان میں سے اکثر کے ضعف کے باوجود انہیں قوت و قدرت نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا جائے اور یہ ایک شرط عقلی ہے یا انہیں ابتدائی تیاریوں اور مقدمات کے فراہم نہ ہونے پر محمول کیا جائے. اس طرح کہ اس کا عمل لغو ہو اور اس پر کوئی اثر مرتب نہ ہو سوائے نفس و جان کی ہلاکت کے یا کوئی جزئی مورد ہو کہ جس میں اپنے نفس کو مہالک میں ڈالنا جائز نہ ہو وغیرہ۔

مختصر یہ کہ اس مقام پر باب تزاحم کو جاری کیا جائے اور جو اصل کے اعتبار سے اہم ہو اسے اختیار کیا جائے اور اصحاب پیغمبرؐ و ائمہؑ کی سیرت یہی تھی جو شرعی قوانین پر کاربند تھے جیسے ابوذر، میثم تمار، حجر بن عدی، رشید، مسلم، ہانی، قیس بن مسہر، زید بن

علیؑ اور حسین بن علی شہید فخ کہ جو حق کے دفاع کے راستے پر شہید ہوئے،

پس الجواہر میں ان کا قول ہے: "اور جو مومن آل فرعون اور ابوذر کے ساتھ واقع ہوا وہ خاص امور کی بناء پر ہے جس پر دوسرے موارد کا قیاس نہیں کیا جاسکتا" ۔ (۱۰۸) یہ کلام بلاوجہ ہے، پس غور کریں۔

یہ سب کچھ وہ ہے جو پہلے کہا گیا ہے۔

ثانیاً یہ ہے کہ محقق اور ان کے امثال کا محل بحث وہ امرونہی ہیں جو جزئی موارد میں عام افراد سے صادر ہوتے ہیں، باقی رہا وہ صاحب منصب جو حاکم کی طرف سے اس مقصد کے لئے مامور ہو تو لازم ہے کہ یہ کام اس شخص کے سپرد کیا جائے جو معروف و منکر کا عالم اور امرونہی پر قدرت رکھتا ہو، اگرچہ وہ ایسی طاقت وقدرت ہو جو حکومت کی طرف سے حاصل ہو اور شاید خبر مسعدہ میں یہی مراد ہے جہاں آپ نے فرمایا "وہ قوی، مطاع اور عالم ہو" ۔ اگر حکومت عادلہ موجود نہ ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کی مدد وتعاون سے اجتماعی صورت بنائیں اور طاغوتوں کے مقابلے میں قیام کرنے کے لئے قدرت و حکومت کے مقدمات فراہم کریں، جیسا کہ اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے، مراجعہ کریں۔

الجواہر میں امرونہی کے وجوب کی چار شرائط بیان کرنے کے بعد کہا ہے: "بہائی رحمہ اللہ کی اربعین میں علماء سے مزید نقل ہوا ہے، وہ یہ کہ امر بہ معروف و نہی از منکر واجب نہیں ہیں مگر اس وقت کہ آمر وناہی محرمات سے اجتناب کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے قول کی بناء پر عادل ہو کہ جس میں کہا گیا "کیا لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو" نیز یہ ارشاد "وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے" پھر یہ کہ "اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو خود نہیں کرتے ہو" ۔ (۱۰۹)

محمد بن ابو عمیر کی روایت میں امام جعفر صادقؑ کا ارشاد جو الخصال و روضۃ الواعظین سے مروی ہے: "امر بہ معروف و نہی از منکر وہ کرے جو تین صفات رکھتا ہو ـــــ اس چیز کا عامل ہو جس کا حکم دے، اس کا تارک ہو جس سے نہی کرے۔ (۱۱۰)

نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: "معروف کا حکم دو اور خود اس کے مطابق عمل کرو، منکر سے روکو اور خود بھی اس سے بچو کیونکہ ہمیں خود بچنے اور رکنے کے بعد دوسروں کو روکنے کا حکم دیا گیا ہے" ۔ (۱۱۱)

ایک خبر میں ہے: "وہ معروف کا حکم نہ دے جسے حکم دیا گیا ہے کہ اس کے مطابق عمل کرے اور وہ منکر سے نہ روکے جس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس سے رکے، اس لئے کہ غیر کو ہدایت کرنا خود ہدایت حاصل کرنے کی فرع ہے اور دوسرے کو سیدھا کرنا خود سیدھا ہونے کے بعد ہے" ۔

اس میں اعتراض یہ ہے کہ پہلی آیت جس چیز کا حکم دے رہی ہے اس پر عمل نہ کرنے کی مذمت پر دلالت کرتی ہے، دوسری آیت میں احتمال ہے کہ ملامت اس قول پر ہے "ہم نے فلاں کام کیا" یا جو لفظ اس پر دلالت کرے، حالانکہ کوئی فعل سرزد نہیں ہوا اور تیسری عبارت اس امام کی طرف اشارہ ہے جو تمام افراد کے لئے امر بہ معروف و نہی از منکر پر قائم ہو، نیز یہ ان ائمہ جور پر تعریض ہے جنہوں نے ائمہ عدل کا روپ بنا رکھا ہے۔ یہ اس بناء پر ہے کہ جو ادلہ امرونہی کا کتاب، سنت اور

اجماع سے امر کرتی ہیں وہ مطلق ہیں اور ان میں عدالت کی شرط موجود نہیں، بلکہ ان کا شرائط کو چار میں منحصر کرنے کا ظاہر یہ ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور شرط نہیں ہے ـــــ الجواہر کا کلام ختم ہوا۔ (۱۱۲)

میں کہتا ہوں ـــــ ارشاد دیلمی میں منقول ہے: "نبی اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا، آیا ہم معروف کا حکم نہ دیں جب تک خود سارے معروفات پر عمل نہ کرتے ہوں اور منکر سے نہ روکیں جبکہ خود منکرات سے نہ بچتے ہوں؟ آپ نے فرمایا، نہیں ـــــ بلکہ معروف کا حکم دو اگرچہ خود سارے اچھے اعمال نہیں کرتے ہو اور منکر سے روکو چاہے خود سارے منکرات سے نہیں بچتے ہو"۔ (۱۱۳)

معالم القربۃ میں ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: "نیکی کا حکم دو اگرچہ خود تمام اچھے کام نہیں کرتے ہو اور برائی سے روکو چاہے تم خود ساری برائیوں سے نہیں رکتے ہو"۔ (۱۱۴)

کشف الغطاء میں کہا ہے کہ واجب کا حکم دینا اور حرام سے منع کرنا چودہ شروط سے واجب کفائی ہے:

اس کی چودہ شروط یہ ہیں

۱۔ تکلیف یعنی بلوغ و عقل کہ امر و نہی کے وقت ان کا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ فعل کے واجب و حرام ہونے کا علم اور احتمال کی صورت میں بر بناء احتیاط سنت میں داخل ہو گا۔

۳۔ امکان تاثیر اور اس کے عدم کی صورت میں سنت سے ملحق ہو گا۔

۴۔ عدم تقیہ اگرچہ صرف اطلاع کے طور پر ہو۔

۵۔ عدم فساد یعنی اس سے مامور یا کسی اور پر مشکل نہ پڑے۔

۶۔ اس کے علاوہ اس امر پر کسی دوسرے کے قیام کا گمان نہ ہو۔

۷۔ جس سے خطاب کا تعلق ہے اس سے وقوع فعل کا گمان ہو۔

۸۔ اس کی یا کسی اور کی طرف خطاب نہ ہوا ہو کہ جس کی تاثیر کا گمان ہو۔

۹۔ مامور کے لئے یا اس کی وجہ سے کسی غیر کے لئے معصیت کے ارتکاب یا واجب کے ترک پر برانگیخت نہ ہو۔

۱۰۔ آمر کے اعتبار سے کوئی نقص و خلل مرتب نہ ہو۔

۱۱۔ مامور آمر کی مراد کو سمجھے۔

۱۲۔ فوری واجب امر میں وقت تنگ ہو۔

۱۳۔ نماز وغیرہ جیسے کسی واجب مضیق سے معارضہ نہ ہو۔

۱۴۔ مامور ایسے افراد میں سے ہو کہ اس کی طرف نظر اور لمس کرنا جائز ہو جبکہ فعل ان پر موقوف ہو۔

دسویں جہت۔ حسبہ کا مفہوم، محتسب کے شرائط اور محتسب و رضاکار میں فرق

جو ادارے مسلمانوں کی خلافت میں موجود تھے ان میں ایک ادارہ حسبہ بھی تھا اور بعض اوقات اسے ولایۃ الحسبہ سے تعبیر کیا

جاتا ہے، اس کی ابتداء زمانہ پیغمبرؐ سے ہے جیسا کہ عنقریب ظاہر ہو گا۔ (۱۱۵)

اس ادارہ کا وظیفہ ان دونوں کے مختلف مراتب اور وسیع مفہوم کے ساتھ اجمالی طور پر امر بہ معروف و نہی از منکر کرنا تھا، شائد آج کل بھی بعض مسلم ممالک میں یہ ادارہ اسی نام یا اس کے قریب قریب کسی نام سے موجود ہے اور اب اس کے فرائض مختلف وزارتوں اور محکموں میں منقسم ہیں جو شعبہ انتظامیہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ اس کے بعض فرائض شعبہ قضاء (عدلیہ) کے سپرد کیئے گئے ہیں۔

خلافت کی ابتداء اور سادگی کے زمانے میں یہ امر خود خلیفہ اور حاکم اعلیٰ کی نگرانی میں رہتا بلکہ بعض اوقات حاکم ہی اس کے متعلقہ فرائض ادا کرتا تھا اور یہاں ہم اس سے اجمالی طور پر متعرض ہوتے اور کہتے ہیں:

۱۔ ابن کثیر نے کہا ہے: حسبہ اسم ہے احتساب سے جیسے عدہ ہے اعتداد سے ـــــ احتساب اعمال صالحہ اور مکروہات میں ہوتا ہے، اس کا معنی طلب اجر میں جلدی کرنا اور اسے صبر و تسلیم کے ساتھ حاصل کرنا یا مختلف اقسام کی نیکیوں کو عمل میں لانا اور مقررہ طریقے سے اس ثواب کی طلب میں جو اس سے ملتا ہے نیکی پر قائم ہونا ہے۔ (۱۱۶)

۲۔ صحاح میں ہے: میں نے اس کا اس طرح محاسبہ کیا جیسے میں نے اس فعل کو ناپسند کیا، ابن درید نے کہا. واحتسبت بکذا میں نے اس طرح اللہ سے اجر طلب کیا ـــــ اس کا اسم حسبہ ہے زیر کے ساتھ اور اس کا معنی اجر ہے"۔ (۱۱۷)

۳۔ مجمع البحرین میں ہے: احتسب فلاں، اس نے اللہ کی رضا اور اس سے ثواب طلب کرنے کے لئے عمل کیا، اسی سے حسبہ ہے زیر کے ساتھ اور اس کا معنی اجر ہے... حسبہ سے مراد امر بہ معروف و نہی از منکر ہے اور ان دونوں کے واجب عینی یا کفائی ہونے میں اختلاف ہے۔ (۱۱۸)

میں کہتا ہوں ـــــ احتمال ہے کہ حسبہ، محاسبہ ہو کہ جس کا معنی ایک شخص کا دوسرے کی نگرانی کرنا اور اس کا حساب کتاب رکھنا ہے، شایدٗ حسیب کہ جس کا معنی محاسب ہے وہ اسی سے ہو ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور خدا حساب کرنے کے لئے کافی ہے"۔ (۱۱۹) اسے یاد رکھیں

۴۔ ابن اخوہ کی معالم القربتہ کے آغاز میں ہے:

حسبہ، امور دینی کے اصول و قواعد میں سے ہے اور صدر اول کے ائمہ و حاکم اس میں صلاح و درستگی کے عموم اور اس کے بہت بڑے ثواب کی بناء پر اسے خود انجام دیتے تھے۔ یہ امر بہ معروف ہے جب اس کا ترک ظاہر ہو اور نہی از منکر ہے جب اس کا فعل ظاہر ہو، اس کا مقصد لوگوں میں اصلاح کرنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تمہاری بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر و بھلائی نہیں مگر وہ جو صدقہ کا یا نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے"۔ محتسب وہ ہے جسے امام یا اس کا نائب رعیت کے حالات میں فکر و نظر کرنے کے لئے نصب کرے، نیز ان کے امور و مصالح سے باخبر رہے، ان کی خرید و فروخت، ضروریات اور ان کے راستوں کے انتظام نیز امر بہ معروف و نہی از منکر کے لئے مقرر کرے (خ ل)

محتسب کی شرط ہے کہ وہ مسلمان، آزاد، بالغ، عاقل، عادل اور قادر ہو تا کہ اس زمرے سے بچہ، مجنون اور کافر نکل جائے اور اس میں رعیت کے افراد داخل رہیں اگرچہ ماذون نہ ہوں اور اس میں فاسق، غلام اور عورت داخل ہو۔ نیز وہ دین کے

معاملے میں پختہ رائے اور مضبوط ہو احکام شریعت کو جانتا ہو، اسے معلوم ہو کہ وہ کس چیز کا حکم دے رہا ہے اور کس سے منع کر رہا ہے کیونکہ حسن وہ ہے جسے شریعت حسن قرار دے اور قبیح وہ ہے جسے شریعت قبیح قرار دے ـــــ نبی کریمؐ نے فرمایا: جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ حسن ہے۔ (۱۲۰)

میں کہتا ہوں ـــــ یہ جو انہوں نے اپنا قول ذکر کیا ہے کہ اس میں رعیت کے افراد داخل ہیں.... لامحالہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو رضا و رغبت سے حسبہ کے درپے ہوں، پس یہ ماقبل سے منافات نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ جو انہوں نے کہا ہے کہ صدر اول کے ائمہ و حاکم خود ہی امر حسبہ کے نگران ہوتے تھے، یہ ایک ایسی بات ہے جو اخبار و تواریخ کی طرف مراجعہ کرنے والے پر عیاں ہو جائے گی۔ عنقریب اس کے بعض موارد کا ذکر آئے گا۔

۵۔ کتانی نے ابن سعید کی التنیسیر سے نقل کیا ہے: "معلوم ہونا چاہئے کہ حسبہ دین کے عظیم خصوصیات سے ہے، اس کی مصلحت کے عام ہونے اور اس کی منفعت کے عظیم ہونے کی بناء پر خلفاء راشدین بذات خود اس کے نگران ہوا کرتے تھے۔ وہ اس معاملے کو دوسروں کے سپرد نہ کرتے تھے اگرچہ دیگر امور میں مشغول ہوتے کہ جن میں جہاد اور جنگ کی تیاری اور لشکروں کی روانگی جیسے اہم معاملے بھی تھے"۔ (۱۲۱)

۶۔ کتانی نے کشف الظنون سے نقل کیا ہے: "احتساب ایک ایسا علم ہے جو ایسے امور کے بارے میں بحث کرتا ہے جو اہل شہر و بلد کے درمیان جاری ہوتے ہیں جن کے بغیر تمدن کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک وہ قانون عدل کے مطابق انجام نہ پائیں کہ معاملہ کرنے والے ایک دوسرے سے رضامند ہو جائیں۔ ان میں لوگوں کے امور کی درستی کے لئے امر بہ معروف و نہی از منکر ضروری ہے تاکہ ان کے درمیان جھگڑا فساد نہ ہو اور خلیفہ و حاکم جس طرح مناسب سمجھے امر و نہی جاری کرے۔ اس امر کے بعض مبادی فقہی اور بعض استحسانی ہیں جو خلیفہ کی رائے سے ہیں، اس کی غرض ان امور کی انجام دہی کا ملکہ حاصل کرنا اور اس کا فائدہ معاشرتی قواعد کا کامل طور پر جاری ہونا ہے۔

علم حسبہ ایک دقیق علم ہے اسے کوئی درک نہیں کر سکتا مگر وہ جو بہترین فہم و ذکاء رکھتا ہو، کیونکہ اشخاص، زمانے، اور حالات ہمیشہ ایک طرح کے نہیں ہوتے بلکہ ہر زمانہ اور ہر حالت کے لئے ایک خاص سیاست و تدبیر درکار ہوتی ہے۔ یہ سخت ترین امور میں سے ہے اور اس منصب کی لیاقت نہیں رکھتا مگر وہ جو قدسی قوت رکھتا ہو اور ہوا و ہوس سے خالی ہو۔ (۱۲۲)

۷۔ قاضی ابویعلیٰ فراء نے احکام حسبہ کے بارے میں کہا ہے: حسبہ سے مراد امر بہ معروف ہے جب اس کا ترک ظاہر ہو اور نہی از منکر ہے جب اس کا فعل ظاہر ہو، اگرچہ یہ ہر مسلمان سے صحیح و مناسب ہے تاہم محتسب اور از خود امر و نہی کرنے والے میں نو وجوہ سے فرق ہے۔

۱۔ محتسب پر امر و نہی فرض عینی ہے کہ وہ حکم ولایت سے اس پر مامور ہے اور اس کے غیر کے لئے یہ فرض کفایہ ہے۔

۲۔ محتسب کا اس پر قیام اس کے حقوق تصرف میں سے ہے، اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں

مشغول ہو، لیکن رضا کارانہ امرونہی کرنے والے کا عمل نوافل و مستحبات میں سے ہے اور اس کے لئے اسے چھوڑ کر دوسرے امور میں مصروف ہونا جائز ہے۔

۳۔ محتسب کو نصب کیا گیا ہے کہ واجب امور میں اس سے مدد طلب کی جائے اور رضا کار اس امر کے لئے منصوب نہیر ہے۔

۴۔ محتسب پر واجب ہے کہ مدد طلب کرنے والے کی مدد کرے لیکن رضا کار پر ایسا کرنا واجب نہیں ہے۔

۵۔ محتسب کے لئے لازم ہے کہ منکرات ظاہرہ کے بارے میں تحقیق کرے تاکہ ان کو روکے اور جو معروف ظاہر چھوڑا گیا ہے اس کی جستجو کرے اور اس کا حکم دے جبکہ از خود امرونہی کرنے والے پر تحقیق کرنا لازم نہیں ہے۔

۶۔ محتسب کو حق حاصل ہے کہ وہ برائی کو روکنے کے لئے کچھ مددگار جمع کرے اور زیادہ قوت پیدا کرے کیونکہ وہ اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے لیکن رضا کار کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اپنے لئے مددگار فراہم کرے۔

۷۔ محتسب کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی برائی پر شرعی تعزیر لگائے اور حدود میں دخل نہ دے لیکن رضا کارانہ امرونہی کرنے والا تعزیر کا اجراء نہیں کر سکتا۔

۸۔ محتسب کا حق ہے کہ وہ امر حسبہ پر بیت المال سے معاوضہ حاصل کرے اور منتطوع یعنی اپنی مرضی سے امرونہی کرنے والا کوئی آذوقہ نہیں لے سکتا۔

۹۔ محتسب کو حق ہے کہ جن چیزوں کا تعلق عرف سے ہے نہ کہ شریعت سے، ان میں اپنی رائے سے اجتہاد کرے مثلاً بازاروں میں عارضی طور پر چیزیں بیچنے کی جگہیں اور مکانوں کے چھجے وغیرہ لگانے کا معاملہ اور جہاں تک ہو سکے انہیں روکے لیکن یہ حق رضا کار کے لئے نہیں ہے۔

پس والی حسبہ اور اس کے غیر کے درمیان فرق ہو گا اگرچہ وہ امر بہ معروف و نہی از منکر کا عمل ہی کیوں نہ ہو، البتہ رضا کار کے لئے جائز ہے کہ ان نو شرائط کے مطابق امرونہی کرے۔

والی حسبہ کے شروط میں ہے کہ وہ خبیر، عادل، صاحب رائے، مستقل مزاج اور دین کے معاملے میں سخت ہو اور منکرات ظاہرہ کو جانتا ہو، آیا اس کے لئے ضروری ہے کہ احکام دین کے سلسلے میں اہل اجتہاد میں سے ہو کہ اپنی رائے کی بابت اجتہاد کرے اور احتمال ہے کہ اسے اجتہاد کا اہل ہونا چاہئے اور اس کے شرط نہ ہونے کا احتمال بھی ہے جبکہ وہ متفق علیہ منکرات کا عارف ہو"۔ (۱۲۳)

ماوردی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ (۱۲۴)

میں کہتا ہوں ـــ ابویعلیٰ اور ماوردی نے محتسب اور منتطوع (رضا کارانہ امرونہی کرنے والے) میں جو فرق ذکر کئے ہیں ان سے بعض میں نظر بلکہ رکاوٹ ہے خصوصاً دوسرے اور چھٹے فرق میں اشکال واضح ہے۔

گیارھویں جہت بعض موارد کا ذکر جن میں نبی اکرمؐ یا امیر المومنینؑ امر حسبہ کے درپے ہوئے یا اس کے متعلق امر فرمایا۔

۱۔ عنقریب فصل احتکار میں آئے گا کہ نبی کریمؐ ذخیرہ اندوزوں کے پاس سے گزرے، پس ان کے ذخیروں کے بارے میں حکم دیا کہ "انہیں بازاروں میں لے جاکر ایسی جگہ رکھا جائے جہاں وہ سب کی نگاہوں کے سامنے رہیں۔ (۱۲۵)

۲۔ نیز عنقریب حذیفہ بن منصور کی روایت میں آئے گا کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: اے فلاں! مسلمانوں نے ذکر کیا ہے کہ خوراک (گیہوں) ختم ہوگئی ہے مگر اس میں سے کچھ مقدار تمہارے پاس ہے، پس اسے باہر نکالو اور جس طرح چاہو فروخت کرو۔ (۱۲۶)

۳۔ ابن ابی یعفور کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: ایک مرد نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یارسول اللہؐ! میں نے ایک شخص سے خدا کی وجہ وچہرے کے واسطے سے سوال کیا تو اس نے مجھے پانچ کوڑے مارے ہیں، تب نبی اکرمؐ نے بھی اسے پانچ کوڑے لگائے اور فرمایا کہ اپنے منحوس چہرے کے لئے سوال کرو۔ (۱۲۷)

۴۔ سعد الاسکاف کی خبر میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے: نبی کریمؐ مدینہ کے بازار میں گیہوں کے قریب سے گزرے، پس اس کے مالک سے فرمایا کہ تمہاری گندم صاف ستھری ہے اور پھر اس سے نرخ دریافت کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اس میں اپنا ہاتھ داخل کریں (پھیریں۔ یب)، آپ نے ایسا کیا تو اس میں سے خراب گندم نکلی۔ آپ نے اس کے مالک سے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں تو نے مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور غلے میں ملاوٹ کو جمع کر دیا۔ (۱۲۸)

۵۔ ابو ہریرہ سے مروی ہے: حضرت رسولؐ گیہوں کے ایک انبار کے قریب سے گزرے تو آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا، آپ کی انگلیوں کو تری لگی تو فرمایا: اے گیہوں والے! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا اس پر مینھ پڑا ہے۔ یارسول اللہؐ! آپ نے فرمایا پھر اسے گیہوں کے اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھتے پس فرمایا جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (۱۲۹)

۶۔ ابو ہریرہ ہی سے روایت ہوئی ہے: حضرت رسولؐ ایک شخص کے قریب سے گزرے جو گندم فروخت کر رہا تھا، آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ کس طرح بیچتے ہو، اس نے آپ کو خبر دی ــــ پس آپ کی طرف وحی آئی کہ اس میں اپنا ہاتھ داخل کریں، آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو وہ تر کی ہوئی معلوم ہوئی، تب آپ نے فرمایا کہ جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (۱۳۰)

۷۔ محمد بن راشد سے روایت ہے کہ میں نے مکحول کو یہ کہتے سنا: حضرت رسولؐ ایک مرد کے قریب سے گزرے جو گندم فروخت کر رہا تھا اور اس نے اچھی بری گندم ملا رکھی تھی، آپ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے ایسا کرنے پر آمادہ کیا؟ اس نے کہا، میں نے چاہا کہ یہ خراب گندم بھی کام آجائے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک قسم کو دوسری سے الگ کرو ــــ ہمارے دین میں دھوکہ دینا جائز نہیں۔ عب (۱۳۱)

۸۔ ابن عمر سے مروی ہے: حضرت رسولؐ کے زمانے میں لوگ گندم وغیرہ قافلے والوں سے خریدتے تھے، آپ کسی کو بھیجتے کہ وہ اسے اس طرح نہ بیچیں جب تک اس جگہ منتقل نہ کریں کہ جہاں غلہ فروخت کیا جاتا ہے۔ (۱۳۲)

۹۔ سالم بن عبداللہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے دیکھا کہ حضرت رسولؐ کے زمانے میں کچھ لوگ غلہ اٹے سٹے میں خرید لیتے، جب وہ اسے بیچتے تو انہیں مارا جاتا یہاں تک کہ وہ اسے اپنے اونٹوں پر لاد لیتے تھے (۱۳۳)

۱۰۔ کتانی نے استیعاب سے نقل کیا ہے: فتح مکہ کے بعد حضرت رسولؐ نے سعید بن سعید بن عاص کو مکہ کے بازار کا عامل مقرر کیا۔ (۱۳۴)

۱۱۔ اسی کتاب میں استیعاب سے مروی ہے: سمراء بنت نہیک اسدیہ نے زمانہ پیغمبرؐ دیکھا تھا اور بڑی عمر پائی، اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا ہوتا اور وہ بازاوں سے گزرتے وقت اس کے ذریعے امر و نہی کرتی تھی۔ (۱۳۵)

میں کہتا ہوں ـــ کبھی کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ عمل حسبہ حضرت رسولؐ کے زمانے میں نہیں ہوتا تھا، بلکہ خلیفہ عمر کے عہد میں تھا، ابن سعید سے مروی ہے کہ اس خاتون کی ولایت ایک خاص امر میں تھی جو عورتوں سے تعلق رکھتا تھا۔

۱۲۔ ابوسعید سے مروی ہے: حضرت رسولؐ ایک قصاب کے پاس سے گزرے جو ایک بکری کی کھال اتار رہا تھا اور وہ اس میں پھونکیں مارتا تھا ـــ آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو ہمیں دھوکہ دے ـــ بلکہ وہ اپنا ہاتھ اس کے گوشت اور چمڑے کے درمیان ڈالے اور پانی نہ لگائے۔ (۱۳۶)

۱۳۔ نیز اسی کتاب میں کلیب بن وائل سے مروی ہے: میں نے امام علیؑ کو دیکھا کہ قصابوں کے پاس سے گزرے، پس فرمایا ـــ اے قصابوں کی جماعت! پھونکو نہیں کہ جو گوشت میں پھونکے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ عب (۱۳۷)

۱۴۔ امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ تاجروں کو احتکار و ذخیرہ اندوزی سے نہی کرے اور اس کے بعد جو ایسا کرے اسے سزا دیا کرے۔ (۱۳۸)

۱۵۔ امیر المومنینؑ نے اہواز میں اپنے قاضی رفاعہ کو ذخیرہ اندوزی سے روکنے کا حکم دیا اور جو اس کا مرتکب ہو اس کو سزا دینے نیز جو چیز اس نے ذخیرہ کی ہو اسے بازار میں لے آنے کی تاکید فرمائی۔ (۱۳۹)

۱۶۔ ابن حزم نے حبیش سے روایت کی ہے، اگر آپ انہیں رہنے دیتے تو مجھے ان کی فروخت سے کوفہ کے وظائف کے برابر منافع حاصل ہوتا۔ (۱۴۰)

۱۷۔ ابن حزم ہی نے ابو الحکم سے روایت کی ہے: امام علی بن ابی طالبؑ نے ایک لاکھ کی ذخیرہ شدہ گندم جلا دی۔ (۱۴۱)

۱۸۔ حبابہ والبیہ کی خبر میں ہے: میں نے امیر المومنینؑ کو شرطۃ الخمیس میں دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں کوڑا تھا جس سے آپ بام مچھلی، سانپ مچھلی اور زمار مچھلی بیچنے والوں کو مارتے تھے۔ (۱۴۲)

۱۹۔ رزین نے روایت کی ہے: میں کوفہ کے وضو گاہ میں وضو بنا رہا تھا کہ اچانک وہاں ایک مرد آیا، اپنے جوتے اتارے اور اپنا کوڑا ان پر رکھ دیا۔ پھر میرے ساتھ وضو کرنے لگا، میں نے اس میں مزاحمت کی اور لوٹا اس کے ہاتھوں پر گر پڑا۔ پس اس نے کھڑے ہو کر وضو کیا اور جب فارغ ہوا تو میرے سر پر تین کوڑے مارے، پھر کہا اس کام میں مزاحمت کرنے سے بچو ـــ اب یہ لوٹا توڑ دو اور اس کا تاوان ادا کرو۔ تب میں نے کہا، یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا ـــ امیر المومنینؑ! اس پر میں آپ کی طرف بڑھا تاکہ عذر خواہی کروں لیکن آپ چل پڑے اور میری جانب توجہ ہی نہ کی۔ (۱۴۳)

۲۰۔ طلحہ بن زید کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: امیر المومنینؑ کے پاس ایک ایسے شخص کو لائے جو مشت زنی کا مرتکب

ہوا تھا، آپ نے اس کے ہاتھ پر اتنے کوڑے مارے کہ وہ سرخ ہو گیا۔۔۔اس کے بعد آپ نے بیت المال کے خرچ پر اس کی شادی کر دی۔ (۱۴۴)

۲۱۔ زرارہ کی خبر میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے: امیر المومنینؑ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا کہ جس نے مشت زنی کی تھی، پس آپ نے اس کے ہاتھ پر اتنا مارا کہ وہ سرخ ہو گیا۔ راوی کہتا ہے، اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا کہ پھر اس کی شادی مسلمانوں کے بیت امال سے کرائی گئی۔ (۱۴۵)

۲۲۔ صحیحہ ہشام بن سالم میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: امیر المومنینؑ نے مسجد میں ایک داستان گو کو دیکھا تو اسے کوڑے مار کر وہاں سے بھگا دیا۔ (۱۴۶)

۲۳۔ سکونی کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: امیر المومنینؑ کے پاس ایک عیسائی مرد کو لایا گیا جو مسلمان ہو چکا تھا، اس کے پاس ایک سئور تھا جسے بھون کر اس میں مصالحہ وغیرہ ڈالا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے اس فعل پر آمادہ کیا؟ اس نے کہا میں بیمار ہوا اور گوشت کھانے کو اتنا جی چاہا کہ میں صبر نہ کر سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا اس کی بجائے تو بکری کا گوشت لے لیتا ۔۔۔ پھر فرمایا اگر تو نے اس میں سے کھایا ہے تو میں تجھ پر حد جاری کروں گا، لیکن ابھی میں تجھے اتنا ماروں گا کہ تو دوبارہ ایسا نہ کرے، پس آپ نے اسے اتنا مارا کہ اس کا پیشاب خطاء ہو گیا۔ (۱۴۷)

۲۴۔ سکونی کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: مکتب کے بچوں نے اپنی تختیاں امیر المومنینؑ کے سامنے رکھیں تا کہ آپ انہیں ملاحظہ کریں (کہ کون سی اچھی ہے) آپ نے فرمایا، یاد رکھو! یہ بھی ایک محاکمہ وفیصلہ ہے اور اس میں ظلم و جور حکم و فیصلہ میں ظلم و جور کی مانند ہے۔ نیز فرمایا کہ اپنے استاد کو بتا دینا کہ اگر اس نے تادیب میں تمہیں تین سے زیادہ ضربیں لگائیں تو میں اس سے قصاص لوں گا۔ (۱۴۸)

۲۵۔ کلینی اور شیخ نے اپنی سند کے ساتھ جابر سے روایت کی ہے کہ ابو جعفرؑ نے فرمایا: جب امیر المومنینؑ کوفہ میں تمہارے پاس تھے تو ہر صبح سویرے قصر امارت سے نکلتے اور کوفہ کے ایک ایک بازار کا دورہ فرماتے، آپ کے کندھے پر ایک کوڑا ہوتا کہ جس کا نام سبیبہ تھا۔ پس آپ ہر بازار میں کھڑے ہوتے اور پکار کر کہتے ۔۔۔ اے گروہ تاجران! خدا سے ڈرو۔ جب وہ آپ کی آواز سنتے تو جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہوتا اسے پھینک دیتے اور دل سے آپ کی طرف متوجہ ہو کر کانوں سے آپ کی آواز سنتے، آپ فرماتے کہ سب سے پہلے طلب خیر کرو اور جہاں تک ہو سکے برکت حاصل کرو، حلم و بردباری سے مزین رہو اور گاہکوں کا قرب حاصل کرو، قسم کھانے سے باز رہو اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو، ظلم سے دوری اختیار کرو اور مظلوموں سے انصاف کرو، رباء و سود کے قریب نہ جاؤ، کیل و وزن پورا پورا کرو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں نقصان نہ پہنچاؤ اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش نہ کرو ۔۔۔ اسی طرح آپ کوفہ کے تمام بازاروں کا دورہ کرتے اور پھر واپس آ کر لوگوں کے ساتھ بیٹھتے۔

صدوق نے بھی اپنی سند کے ساتھ محمد بن قیس کے واسطے سے ابو جعفرؑ سے ایسی ہی روایت کی ہے۔ (۱۴۹)

۲۶۔ الغارات میں ابو سعید سے مروی ہے: امیر المومنینؑ بازار میں آ کر فرمایا کرتے، اے اہل تجارت! خدا سے ڈرو اور قسم

کھانے سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے پونجی گھٹ جاتی ہے، اور برکت بھی کم ہوتی ہے، تاجر فاجر ہے مگر وہ نہیں جو حق لے اور حق دے۔ السلام علیکم

پھر کچھ روز رکے رہتے اور بعد میں آتے تو دوبارہ اسی قسم کی گفتگو فرماتے، پس جب آپ آتے تو کچھ لوگ کہتے ـــــ مردشکنبہ آگیا! تب آپ بازار کے درمیان آتے اور فرماتے کہ جب میں آتا ہوں تو یہ کہتے ہیں ـــــ مردشکنبہ آگیا! تو اس سے ان کی مراد کیا ہے؟ کسی نے کہا، یہ کہتے ہیں کہ بڑے پیٹ والا آگیا ـــــ آپ نے فرمایا، اس پیٹ کے نچلے حصہ میں کھانا اور اوپر والے حصے میں علم ہے، نیز مستدرک میں بھی اسی سے روایت ہوئی ہے۔ (۱۵۰)

۲۷۔ دعائم میں امیرالمومنینؑ کے بارے میں مروی ہے: آپ بازاروں میں آتے تو آپ کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا جس سے آپ اسے مارتے جو کم تول رہا ہو یا مسلمانوں کے ساتھ لین دین میں دھوکہ کرتا ہو، اصبغ کہتے ہیں، ایک دن میں نے آپ سے عرض کیا ـــــ یاامیرالمومنینؑ! میں اس کام میں آپ کی کفایت کرتا ہوں لہٰذا آپ گھر میں بیٹھا کریں، آپ نے فرمایا اے اصبغ تم نے مجھ سے خلوص نہیں برتا اور نصیحت و خیرخواہی نہیں کی ہے۔ پس آپ خود نبی اکرمؐ کے شہباء نامی خچر پر سوار ہو کر ایک ایک بازار کا دورہ فرمایا کرتے، ایک دن قصابوں کے بازار میں آئے تو فرمایا، اے قصابوں کی جماعت! جانور کی جان نکلنے سے پہلے اس میں جلدی نہ کیا کرو اور گوشت میں پھونکا نہ کرو۔ پھر کھجوروں کی منڈی میں آئے اور فرمایا، تم اپنا خراب مال بھی اسی طرح سامنے رکھو جس طرح عمدہ مال رکھتے ہو، بعدہ، مچھلی منڈی میں آئے اور فرمایا، پاک و پاکیزہ مچھلی کے علاوہ کچھ اور فروخت نہ کرو اور وہ مچھلی نہ بیچو جو مر کر پانی میں تیر گئی ہو۔ اس کے بعد کناسہ میں آئے جہاں ہر قسم کا کاروبار ہوتا تھا ـــــ یعنی غلاموں، جانوروں، رسیوں نیز سناروں، بزازوں اور درزیوں کی دکانیں تھیں۔ وہاں آپ نے پکار کر کہا، اے گروہ تاجران! تمہارے بازاروں میں قسمیں بہت کھائی جاتی ہیں، پس اپنی قسموں کا صدقہ دیا کرو اور قسم کھانے سے پرہیز کرو کیونکہ خدا اسے بہبودی نہیں بخشتا جو اس کے نام کی جھوٹی قسم کھاتا ہو۔ (۱۵۱)

۲۸۔ صدوق سے ان کی سند کے ساتھ امیرالمومنینؑ کے قضایا کے بارے میں روایت ہے: ایک شخص آنجنابؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یہ شخص گمان کرتا ہے کہ اسے میری ماں کے ساتھ احتلام ہوا ہے، پس آپ نے فرمایا کہ خواب تو سائے کی طرح ہوتا ہے اور اگر تم چاہو تو میں تمہاری خاطر سے اس کے سائے پر کوڑے مارتا ہوں، اسکے بعد فرمایا تاہم اسے تادیب کرتا ہوں کہ وہ پھر کبھی کسی مسلمان کو ایسی اذیت نہ دے۔ (۱۵۲)

صحیحہ حسین بن ابو العلاء میں بھی ابو عبداللہؑ سے اسی طرح روایت ہوئی اور کہا ہے کہ آپ نے اسے سخت تکلیف دینے والی ضرب لگائی۔ (۱۵۳)

۲۹۔ کتانی نے مسند عبد بن حمید سے مطرف کی یہ روایت نقل کی ہے: میں مسجد سے نکلا تو اچانک ایک شخص پیچھے سے پکارنے لگا کہ اپنی چادر زمین سے اوپر رکھو کیونکہ اس سے تمہارا لباس پاک و پاکیزہ رہتا ہے اور زیادہ دیر تک کام دیتا ہے۔ پس میں اس کے عقب میں گیا، وہ تہبند باندھے اور کندھے پر چادر ڈالے ہوئے تھا، اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا گویا وہ ایک دیہاتی عرب تھا۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ ایک شخص نے بتایا یہ امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ ہیں، پھر آپ اونٹوں

کے اترنے کی جگہ پہنچے اور فرمایا، اپنا مال بیچو لیکن قسم نہ کھاؤ کہ یہ پونجی کو گھٹاتی اور برکت کو ختم کر دیتی ہے، اس کے بعد آپ کھجوریں بیچنے والوں کے پاس آئے اتفاقاً وہاں ایک غلام بیٹھا رو رہا تھا، آپ نے اس سے پوچھا ـــ کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا میں نے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں لیکن میرے آقا نے واپس کر دی ہیں۔ اس پر آپ نے کھجوروں والے سے کہا کہ واپس لے لو اور اس کا درہم دے دو کیونکہ اس میں بے چارے غلام کا کوئی قصور نہیں ہے، پس اس نے ایسا ہی کیا۔ (۱۵۴)

تاریخ ابن عساکر اور کنز العمال میں بھی مسند علی سے ابو مطر کی ایسی ہی روایت نقل ہوئی ہے پس مراجعہ کریں۔ (۱۵۵)

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی روایات آئی ہیں اور ہر جستجو کرنے والا ان سے مطلع ہو سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں ـــ ان کثیر روایات کے نقل کرنے میں ہمارا مقتضیٰ یہ نہیں ہے کہ ان سب کی صحت کو لازم قرار دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک پر اعتماد کیا جائے بلکہ ہماری غرض نبی کریمؐ اور امیر المومنینؑ کی طرف سے امر حسبہ کے اجمالی اہتمام کو ثابت کرنا ہے۔ یعنی وہ دونوں بزرگ ہستیاں اس کے درپے ہوئیں اور ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے بعض روایات کا صدور اجمالی طور پر متحقق ہے اور یہ بات ہمارے لئے ان سے استدلال کرنے میں کافی ہے، پس غور کریں۔

بارھویں جہت: محتسب کا وظیفہ و فریضہ

اجمالی طور پر محتسب کا فریضہ معاشرے میں معروف و نیکی کی نشر و اشاعت اور اسے عام کرنا اور ہر طرح کے منکر یعنی ناپسندیدہ افعال کو روکنا اور ختم کرنا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ معروف سے مطلقاً وہ چیز مراد ہے کہ جس کو واجب و مندوب میں سے عقل یا شریعت حسن اور اچھا سمجھتے ہیں بلکہ وہ مباحات بھی اس میں شامل ہیں جو کسی جہت سے معاشرے کے لئے مصلحت و بہتری کا رجحان رکھتے ہیں۔ منکر سے مراد وہ امور ہیں جن کو عقل یا شریعت برا سمجھتے ہیں، وہ حرام ہوں یا مکروہ یا ایسے مباحات جو عرفی طور پر بعض جہات سے پستی کا پہلو رکھتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے امور ایسے ہیں جو ذاتی طور پر حرام نہیں ہیں لیکن معاشروں، شہروں اور ملکوں کے مصالح ان کی نسبت افراد کی آزادیوں کی تحدید کا تقاضا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اہل نظر پر مخفی نہیں ہے۔

محقق نے شرائع میں کہا ہے: "اور معروف کی دو قسمیں ہیں واجب اور مستحب، پس واجب کا امر دینا واجب اور مستحب کا امر کرنا مستحب ہے لیکن منکر میں کوئی تقسیم نہیں اور اس سے نہی کرنا ہر فرد پر واجب ہے"۔ (۱۵۶)

الجواہر میں کہا ہے: "گویا یہ اصطلاح ہے ورنہ ممکن ہے منکر کی بھی حرام و مکروہ میں تقسیم کی جائے، وہ اس طرح کہ حرام سے نہی کرنا واجب اور مکروہ سے نہی کرنا مستحب ہو"۔ (۱۵۷)

میں کہتا ہوں ـــ جو کچھ انہوں نے ذکر کیا صحیح ہے اور اسی بناء پر حمزہ نے الوسیلہ میں کہا ہے: "اور امر بہ معروف تابع ہے معروف کے وجوب و استحباب کے اور نہی از منکر تابع ہے منکر کے، پس اگر منکر فعل حرام ہے تو اس سے نہی کرنا واجب اور

اگر وہ مکروہ ہے تو اس سے نہی کرنا مستحب ہوگی۔ (۱۵۸)
بہر حال ہم یہاں بعض ایسے بیانات پیش کرتے ہیں جو محتسب کے فرائض سے متعرض ہوئے ہیں:
مقدمہ ابن خلدون میں ہے:

"باقی رہا حسبہ تو وہ امر بہ معروف و نہی از منکر کے باب میں فریضہ دینی ہے، یہ اس کی ذمہ داری ہے جو مسلمین کے امور کے لئے قائم ہے یا اس کے لئے جسے وہ اس کا اہل سمجھتے ہوئے مقرر و معین کرے گا۔ پس یہ اس کا فریضہ ہوگا اور وہ اس کے لئے اعوان و انصار فراہم کرے گا۔ وہ منکرات کے بارے میں تحقیق کرے گا اور ان پر مناسب حال تعزیر و تادیب کرے گا، لوگوں کو عوامی مفادات کا لحاظ رکھنے پر آمادہ کرے گا مثلاً راستوں میں تجاوز اور ان میں تنگی کرنے سے روکے گا، باربرداری کرنے والوں اور کشتی والے ملاحوں کو زیادہ بوجھ لادنے سے منع کرے گا، جن عمارتوں کے گر جانے کا امکان ہو ان کے انہدام کا حکم دے گا، جن چیزوں سے رہ گزروں کو ضرر پہنچنے کی توقع ہے ان کو زائل کرے گا، ان اساتذہ کو سزا دے گا جو مکاتب میں بچوں کو حد سے زیادہ مار پیٹ کرتے ہیں، اس کا یہ حکم جاری کرنا کسی تنازعہ کے سر اٹھانے اور اس سے کسی کے مدد طلب کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اس کو نظارت و نگرانی کرنے اور حکم لگانے کا حق ہے، چاہے یہ امور از خود اس کے علم میں آئیں یا اس سے مرافعہ کیا جائے۔ اسے ہر قسم کے دعووں میں مطلق طور پر حکم دینے کا حق نہیں، وہ ایسے احکام جاری کرے گا جو ملاوٹ، دھوکہ دہی اور ناپ تول سے متعلق ہیں نیز وہ ٹال مٹول کرنے والوں کو انصاف پر آمادہ کرے گا اور اسی طرح کے دیگر امور جن میں گواہی لینے اور فیصلہ سنانے کی ضرورت نہیں ہوتی، گویا یہ ایسے احکام ہیں کہ جن کی عمومیت اور ان کے سہل ہونے کے باعث قاضی کو ان میں دخل نہ دینا چاہئے اور انہیں محتسب کے سپرد کر دینا چاہئے تاکہ وہ ان کو انجام دے، یہ امور اس لئے محتسب کے حوالے کئے گئے ہیں تاکہ یہ منصب قضاوت کے زیر نظر رہے۔ (۱۵۹) اسے یاد رکھیں۔

میں کہتا ہوں ـــــ ابن اخوہ محمد بن محمد بن احمد قرشی (متوفی ۷۲۹ ھ) نے حسبہ پر ایک جامع کتاب تالیف کی ہے جس کا نام "معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ" ہے، اس میں بہت سے باب اور فصلیں ترتیب دی گئی ہیں۔ اس کے ستر ابواب ہیں جن میں مختلف جہتوں سے محتسب کے فرائض کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ پس ہم اس کی کتاب سے تلخیص کرتے ہوئے ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ وہ ایسے امور پر مشتمل ہے جن سے زیادہ تر سابقہ پڑتا ہے اور اس تذکرے کا نفع عام ہے۔ تاہم اس نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں بحث و اشکال کی بڑی گنجائش ہے جیسا کہ اہل فن پر مخفی نہیں ہے، اس کے باوجود میں علماء کو اس کتاب کا مطالعہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ اس موضوع پر بڑی اہم کتاب ہے۔ (۱۶۰)

۱۔ اسکے دوسرے باب میں جو کچھ کہا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

"امابعد بیشک امر بہ معروف و نہی از منکر دین کا قطب اعظم ہیں، یہ وہ کام ہے جس پر خدا نے تمام انبیاء کو آمادہ کیا ہے، اگر اس کی بساط الٹ دی جائے اور اس کے بارے میں علم و عمل ترک کر دیا جائے تو نبوت کے تعلیمات کا سلسلہ معطل اور دین کمزور ہو کر رہ جاتا ہے جس سے عملی زندگی میں ایک عام سستی کے ساتھ ساتھ ہر طرف توڑ پھوڑ ہونے سے بستیاں تباہ و برباد ہونے لگتی ہیں اور لوگ ہلاکت کے گہرے کنوئیں میں جا گرتے ہیں ـــــ پس جو شخص عمل کی اس سستی و کمزوری کی تلافی اور اس

رخنے کو پر کرنا چاہتا ہے، وہ اپنے علم کے ساتھ اس ذمہ داری کا احساس کرتا ہے اور اس مٹنے والی سنت کی اہمیت کی بناء پر اسے زندہ کرنے اور نافذ کرنے کے لئے دوسرے ہر ارادے کو چھوڑ کر اس کا عزم وارادہ کرتا ہے۔ وہ لوگوں میں امور حسبہ کے احیاء کی خاطر قربت کی نیت سے کوشاں ہوتا اور قرب الٰہی کے اعلیٰ درجات حاصل کرتا ہے۔

جہاں تک امر بہ معروف ونہی از منکر کا تعلق ہے اس کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خیر کی دعوت دے، معروف ونیکی کا حکم دے اور منکر و برائی سے روکے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں" نیز فرمایا "اور مومن مرد اور مومنہ عورتوں میں بعض ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں" اس بارے میں جو اخبار وارد ہوئے ہیں ان میں ایک وہ ہے جسے حسن نے نبی کریمؐ سے روایت کیا ہے۔ "جو شخص امر بہ معروف ونہی از منکر کرے تو وہ خدا کی زمین میں اس کا خلیفہ، اس کے رسولؐ کا خلیفہ اور اس کی کتاب کا خلیفہ و جانشین ہے"۔

درہ بنت ابی لہب سے مروی ہے۔ "ایک شخص نبی اکرمؐ کی خدمت میں آیا جبکہ آپ منبر پر رونق افروز تھے۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ! لوگوں میں بہترین فرد کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا "جو ان میں زیادہ امر بہ معروف اور زیادہ نہی از منکر کرے، خدا سے بہت زیاد ڈرتا ہو اور صلہ رحمی زیادہ کرتا ہو"۔

ابو ثعلبہ نے روایت کی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے قول "جو گمراہ ہوا وہ تمہیں ضرر نہیں پہنچاتا جبکہ تم نے ہدایت حاصل کر لی" کی تفسیر نبی کریمؐ سے دریافت کی تو آپ نے فرمایا ـــــ اے ابو ثعلبہ! نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک، پس جب تو دیکھے کہ حرص کی پیروی اور ہوا وہوس کا دامن پکڑا جاتا ہے اور دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے، ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اتراتا ہے تو تجھ پر اپنے نفس کا خیال رکھنا لازم ہے اور اس وقت عوام کو رہنے دے۔ (۱۶۱)

ابن عباس سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ ہمیں معروف ونیکی کا حکم دیتے ہیں یہاں تک کہ معروف میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی کہ جس پر ہم نے عمل نہ کیا ہو۔ اسی طرح آپ ہمیں منکر و برائی سے روکتے ہیں یہاں تک کہ منکر میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کو ہم ترک نہ کر دیا ہو لیکن ہم خود امر ونہی نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا: "معروف کا حکم دو چاہے تم اس سارے پر عمل نہیں کرتے اور منکر سے منع کرو اگرچہ خود تمام منکرات سے نہیں رکتے ہو"۔

امام علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا: "افضل جہاد امر بہ معروف ونہی از منکر ہے، پس جس نے امر بہ معروف کیا اس نے مومنین کی پشت مضبوط کی اور جس نے نہی از منکر کیا اس نے منافقین کی ناک رگڑی"

نبی اکرمؐ نے فرمایا: "کوئی شخص امر بہ معروف ونہی از منکر نہیں کرتا مگر یہ کہ رفیق ہے اس کا جو اس کا حکم دیتا ہے اور رفیق ہے اس کا جو اس میں نہی کرتا ہے، وہ جانتا ہے اسے جس کا حکم دیتا ہے اور جانتا ہے اسے جس سے نہی کرتا ہے، وہ فقیہ و سمجھنے والا ہے اس کا جس کا حکم دیتا ہے اور فقیہ و سمجھنے والا ہے اس کا جس سے نہی کرتا ہے"۔

یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ امر ونہی میں شرط نہیں کہ وہ فقیہ مطلق ہو بلکہ اس میں فقیہ ہو جس کا حکم دے رہا ہے۔

بعض سلف نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور کہا کہ جب تم میں سے کوئی امر بہ معروف کرنا چاہے تو اپنے نفس کو صبر پر آمادہ کرے اور خدا کی طرف سے ثواب کا یقین رکھے، پس جو شخص ثواب پر یقین و وثوق رکھتا ہو وہ کسی اذیت و تکلیف کی پروانہیں کرے گا۔

پس حسبہ کے آداب میں سے ایک اپنے نفس کو صبر و استقامت پر آمادہ کرنا ہے، اسی لئے خدائے تعالیٰ نے لقمان کے قول کی حکایت کرتے ہوئے حسبہ کے ساتھ صبر کا ذکر فرمایا ہے: "اے بیٹے! نماز قائم کر، امر بہ معروف و نہی از منکر کر اور جو مصیبت تم پر آئے اس پر صبر کر کیونکہ یہی چیز امور کی پختگی کا باعث ہے"۔

نبی کریم ؐ نے فرمایا: جو آنکھ کسی منکر اور اللہ کی نافرمانی کو دیکھے اور اسے نہ بدلے تو خدا قیامت کے روز اسے رلائے گا اگرچہ وہ اللہ کا ولی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت رسول ؐ نے فرمایا: جو شخص کسی برے کام کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے اور یہ قدرت بھی نہیں رکھتا تو پھر دل سے نفرت کرے اور یہ ایمان کا کمزور مرتبہ ہے۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ حضرت رسول ؐ نے فرمایا: میری امت کے شہداء میں افضل وہ ہے جو امام جائر کے مقابلے میں اٹھے، اس کو امر بہ معروف و نہی از منکر کرے اور وہ اس بات پر اسے قتل کر دے تو یہ وہ شہید ہے جس کی منزل جنت میں حمزہ و جعفر کے مابین ہوگی۔ (۱۶۲)

۲۔ امر بہ معروف و نہی از منکر میں علماء کی سیرت یہ رہی ہے کہ وہ اس میں بادشاہوں کی قوت و سطوت کی پروانہیں کرتے تھے اور خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھتے کہ وہ انہیں مقام شہادت عطاء فرمائے گا، پس جب انہوں نے خدا کے لئے اپنی نیت کو خالص کر لیا تھا تو ان کا کلام پتھر جیسے سخت دلوں پر اثر کرتا تھا۔ لیکن اب علماء پر دنیا کی محبت کا غلبہ ہو گیا ہے، جس پر دنیا کی محبت غالب ہو وہ تو کمزور لوگوں پر بھی حسبہ و محاسبہ کی قدرت نہیں رکھتا ___ پھر وہ بڑے لوگوں اور حاکموں کے مقابل کس طرح یہ جرأت کرے گا، حالانکہ بزرگ علماء کا طریقہ والیوں اور حاکموں پر حسبہ کرنا تھا۔

سفیان ثوری سے روایت ہے: خلیفہ مہدی عباسی نے حج کیا اور میں نے دیکھا کہ وہ جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار رہا تھا جبکہ کچھ لوگ اس کے دائیں بائیں کھڑے دوسرے لوگوں کو کوڑے مار رہے تھے۔ پس میں وہاں رک گیا اور کہا: اے حسین چہرے والے! ہم سے حدیث بیان کی ایمن بن نابل نے اور اس نے قدامہ سے روایت کی ہے کہ اس نے حضرت رسول ؐ کو قربانی کے دن جمرہ پر کنکریاں مارتے دیکھا کہ آپ اونٹ پر تھے، وہاں نہ کسی کو مارا جا رہا تھا، نہ دھکیلا جا رہا تھا، نہ کوڑے مارے جا رہے تھے اور نہ آنے جانے میں رکاوٹ کی جا رہی تھی، مگر یہ آپ ہیں کہ یہاں لوگوں کو مار پیٹ کر دائیں بائیں دھکیلا جا رہا ہے"

ابو داؤد نے کہا: جب کوئی شخص اپنے پڑوسیوں میں محبوب اور اپنے بھائیوں میں قابل تعریف ہو تو جان لے کہ وہ دھوکے باز ہے۔ (۱۶۳)

۳۔ بعض علماء نے کہا ہے: ہر وہ فعل یا قول یا ارادہ معروف ہے جو شرعاً حسن و پسندیدہ ہو اور ہر قول، فعل اور ارادہ منکر ہے

جو شرعی طور پر قبیح ہو ـــــ ترک واجب کی مخالفت اور فعل حرام کی ممانعت کرنا واجب ہے اور ترک مندوب اور فعل مکروہ کی مخالفت مندوب و مستحب ہے۔ ان کی مخالفت اگر ممکن ہو تو ہاتھ سے کرے ورنہ زبان یا دل سے کرے۔ لوگوں اور والیوں پر واجب ہے کہ وہ یہ کام کریں اور جو کر رہا ہو اس کی تقویت و اعانت کریں کیونکہ اس میں دین کی حفاظت اور بقاء ہے، جس چیز کی مخالفت واجب ہو جو اس کی مخالفت نہ کرے اس کی مخالفت واجب ہے اور اس مخالفت کا آغاز آسان عمل سے کرے، اگر اس سے برائی ختم ہو جائے تو بہتر ورنہ سختی کرے، پس اگر اس طرح برائی ختم ہو جائے تو بہتر ہے وگرنہ اسے حاکم کے سامنے لے جائے۔ البتہ کسی غیر مکلّف کو نہی نہ کرے مگر صرف تادیب اور ڈانٹ کی حد تک اور نہ کافر ذمی کو نہی کرے کہ جو علانیہ نافرمانی نہیں کرتا اور برے فعل کا مرتکب نہیں ہوتا۔ (۱۶۴)

۴۔ امر بہ معروف کی تین اقسام ہیں: ان میں پہلی قسم وہ ہے جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، دوسری وہ ہے جس کا تعلق انسانوں کے حقوق سے ہے اور تیسری وہ ہے جو ان دونوں کے درمیان مشترک ہے۔

جن امور کا تعلق اللہ سے ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جس کا امر جماعت میں لازم ہے نہ کہ انفرادی صورت میں مثل وطن مسکونی میں نماز جمعہ کو ترک کرنا، پس اگر وہ لوگ اتنی تعداد میں ہیں جن سے جمعہ کا انعقاد متفق علیہ ہے مثلاً چالیس یا اس سے زیادہ افراد ہیں تو واجب ہے کہ انہیں جمعہ قائم کرنے پر آمادہ کرے، اس پر عمل کرنے کا حکم دے اور اس کے ترک کرنے پر تادیب کرے ... مساجد میں نماز جماعت کا قیام اور ان میں نمازوں کے اوقات میں اذان دینا اسلام کے شعائر اور لازمی احکامات میں سے ہیں جن کے ذریعے نبی کریمؐ نے مرکز اسلام اور مرکز شرک کے درمیان تفریق فرمائی ہے۔ پس اگر اہل محلّہ یا اہل شہر اس بات پر اتفاق کر لیں کہ مساجد میں نماز کے اوقات میں اذان نہیں ہوگی اور نماز میں جماعت نہیں ہوگی، اس صورت میں محتسب کو حکم ہے کہ وہ انہیں اذان کا حکم دے اور نماز میں جماعت کا امر کرے۔ لیکن اگر لوگوں میں اکا دکا فرد اپنی نماز میں اذان و اقامت ترک کرے یا نماز چھوڑے تو محتسب کو اس پر اعتراض کا حق نہیں جبکہ وہ اسے اپنی عادت نہ بنالے کیونکہ یہ ان مستحبات میں سے ہیں جو عذر کی صورت میں ساقط ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ شخص ان چیزوں کے ترک کے ساتھ ان میں شک بھی کرے یا اسے اپنی روش قرار دے لے اور یہ خوف ہو کہ یہ عمل دوسرے لوگوں میں سرایت کرے اور وہ اس کی اقتداء کرنے لگیں تو اس کی تادیب میں مصلحت کا لحاظ رکھنا اور اپنی عبادت میں اس نے جن سنن کو غیر اہم سمجھا ہے اس پر اسے ڈانٹنا اور ترک جماعت وغیرہ سے باز رکھنا معتبر ہے۔ اس صورت حال کی شاہد وہ روایت ہے جس میں نبی اکرمؐ نے فرمایا: "میں نے ارادہ کیا کہ اپنے اصحاب کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کا حکم دوں اور اس کے لئے اذان و اقامت کہی جائے ـــــ تب میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز جماعت میں حاضر نہیں ہوئے، پس ان کے گھروں کو جلا کر ان پر گرا دوں۔ (۱۶۵)

۵۔ وہ امور جن کا تعلق افراد سے ہے مثل نماز میں تاخیر کرنے کے حتی کہ اس کا وقت گزر جائے، ایسے شخص کو نصیحت کی جائے اور نماز بجالانے کا حکم دیا جائے نیز اس کے بارے میں اس کا عذر بھی سنا جائے۔ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے اسے بھول کر ترک کیا ہے تو اسے اس کی ادائیگی پر آمادہ کرے کہ یاد آنے پر بجالائے اور اس کو تادیب نہ کی جائے۔ اگر اس نے نماز کو

اہمیت نہ دینے اور سستی کی بناء پر اسے چھوڑا ہے تو اس کو تادیب کرے اور جبری طور پر اس سے نماز ادا کرائے، البتہ جب وقت نماز جاری ہو اور اس کو تاخیر میں ڈالے تو اس پر اعتراض نہیں۔ (۱۶۶)

۶۔ وہ امر بہ معروف جو حقوق الناس یعنی انسانوں کے حقوق سے متعلق ہے، اس کی دو قسمیں ہیں عام اور خاص ـــ عام وہ ہے جیسے شہر کے راستے معطل ہو گئے یا اس کی فصیل ٹوٹ گئی، اسی طرح شہر والوں کی مسجدیں منہدم ہو گئی ہیں۔ اگر وہاں بیت المال نہ ہو تو پھر ان کی فصیل کی تعمیر، راستوں کی درستی اور مساجد کی بحالی ان لوگوں کے ذمے ہو گی جو ان میں سے اس کی مقدرت رکھتے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک اس کا حکم دینے کے لئے متعین نہیں ہے، پس اگر صاحبان تمکن وقدرت نے اس کام کا آغاز کر دیا تو اس سلسلے میں حکم دینے کا حق محتسب سے ساقط ہو جائے گا۔

معروف کے خاص موارد وہ حقوق ہیں جو ضائع ہو گئے ہیں مثلاً ان قرضوں کے جن کے ادا کرنے میں ٹال مٹول اور تاخیر کی گئی تو محتسب کو چاہئے کہ قرضداروں کو حکم دے کہ وہ مقدور کی صورت میں ان کی ادائیگی کریں جبکہ قرض خواہ محتسب سے مدد کی درخواست کریں۔ (۱۶۷)

۷۔ وہ معروف امور جو حقوق اللہ اور حقوق الناس میں مشترک ہیں، مثلاً اولیاء کو آمادہ کرنا کہ وہ بیوہ عورتوں کا ان کے ہم پلہ مردوں سے نکاح کریں جبکہ ان عورتوں کی رضامندی حاصل ہو۔ اس کے علاوہ ان عورتوں پر عدہ کے احکام لازم قرار دینا ہے جن کو طلاق ہوئی ہو، ان میں سے جو عورتیں احکام عدہ کی خلاف ورزی کریں تو محتسب کو ان کی تادیب کا حق ہے، لیکن ان کے اولیاء میں جو انہیں ایسا کرنے سے روکے اسے تادیب کرنے حق نہیں ہے۔ جو شخص بچے کی ولدیت کا انکار کرے جبکہ اس کی ماں کا فراش اس کے ہاں ثابت ہو تو جبری طور پر اس بچے کو اس شخص کے نسب میں داخل کرے اور اس انکار کی پاداش میں اس پر تعزیر لگائے، آقاؤں سے غلاموں اور کنیزوں کے حقوق منجملہ رہائش، خوراک اور لباس وغیرہ لے کر دے ـــ جیسے نبی کریمؐ نے فرمایا "مملوک وغلام کے لئے معروف طریقے پر خوراک اور لباس کا حق ہے" نیز یہ کہ ان کے آقا ان سے وہ کام نہ لیں جن کی ان میں طاقت نہیں ہے۔ جو کسی چوپائے کا مالک ہو اس پر واجب ہے کہ اس کے لئے گھاس اور پانی کا انتظام کرے اور اس پر اتنا بوجھ نہ لادے جو اس کے لئے تکلیف کا باعث ہو جیسا کہ غلام کے بارے میں حکم ہے، اس چوپائے کا دودھ نہ نکالے مگر وہ جو اس کے بچے سے بچ جائے کیونکہ وہ دودھ اسی بچے کی غذا کے لئے خلق ہوا ہے، لہٰذا اس سے چھیننا جائز نہیں ہے، اگر وہ اس چوپائے پر کچھ خرچ کرنے سے پہلوتہی کرے تو محتسب اسے اس امر پر مجبور کرے۔ (۱۶۸)

۸۔ اسی طرح نہی از منکر کی بھی تین اقسام ہیں ـــ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہے، دوسری وہ جو انسانوں کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور تیسری وہ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق الناس میں مشترک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں نہی از منکر کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق عبادات سے ہے، دوسری کا تعلق ممنوعات سے ہے اور تیسری معاملات سے متعلق ہے۔

جس قسم کا تعلق عبادات سے ہے مثلاً یہ کہ کوئی شخص نماز کی ہیئت کی مخالفت کرنے کا ارادہ کرے تو محتسب اسے روکے اور ایسا کرنے والے کی تادیب کرے، مثال کے طور پر جب وہ اپنے بدن، لباس یا نماز کی جگہ کو پاک رکھنا چھوڑ دے تو محتسب

اسے اس سے باز کرے جبکہ یہ چیز ثابت ہو جائے، ہاں صرف تہمت کی بناء پر مواخذہ نہ کرے لیکن متہم ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ساقط کرنے اور واجبات کے ترک پر وعظ و نصیحت کرنا اور عذاب سے ڈرانا جائز ہے۔ اگر وہ دیکھے کہ کوئی آدمی ماہ رمضان میں دن کے وقت کچھ کھا رہا ہے تو اس سے اس کھانے کا سبب دریافت کرنے سے پہلے اس کی تادیب پر اقدام نہ کرے کیونکہ ممکن ہے وہ بیمار یا مسافر ہو۔ جب اس کی حالت میں شک و ریب کی علامات موجود ہوں تو محتسب پر لازم ہے کہ اس سے پوچھ گچھ کرے، اگر وہ شخص کوئی عذر پیش کرے جو اس کی حالت کے مطابق ہو تو اسے چھوڑ دے اور تادیب نہ کرے، اسے حکم دے کہ وہ پوشیدہ طور پر کھائے پیئے تاکہ اس پر تہمت نہ آئے۔ لیکن اس معاملے میں اسے قسم دلانا لازم نہیں ہے کیونکہ اپنا حال بیان کرنا اس شخص کی اپنی ایمانداری پر منحصر ہے، لیکن اگر وہ کوئی عذر نہیں رکھتا تو اسے علانیہ نہی کرے اور ڈانٹ ڈپٹ کرے .... (۱۶۹)

۹۔ اگر محتسب دیکھے کہ ایک شخص لوگوں سے سوال کرتا اور صدقہ طلب کرتا ہے جبکہ یہ جانتا ہے کہ وہ مال یا اپنے پیشے کی بناء پر غنی و تونگر ہے تو اسے ایسا کرنے سے روکے اور تادیب کرے اور محتسب دوسروں کی نسبت اس کے لئے زیادہ خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ خلیفہ عمر نے صدقہ کے ایک حقدار کے مقابل غیر مستحق کو اس سے روکا تھا۔ (۱۷۰)

۱۰۔ اسی طرح اگر بعض افراد جو علم کی طرف نسبت رکھتے ہیں، وہ کوئی ایسا قول وضع کریں جو اجماع کے خلاف ہو، نص کی مخالفت کرے اور اس وقت کے علماء اس قول کو رد کر دیں تو محتسب ان کو روکے اور تنبیہ کرے، پس اگر وہ اپنے اس قول سے دستکش ہو جائیں تو خیر ورنہ یہ معاملہ حاکم کے سامنے لے جائے کیونکہ وہ دین کی حفاظت کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

اسی طرح جب بعض مفسرین اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایسی تاویل کریں جس میں ظاہری تنزیل سے تکلفاً باطنی بدعات کی طرف رخ کریں اور اس کے عمیق معانی نکالیں یا بعض راوی ایسی غیر مانوس احادیث بیان کریں کہ جن سے فاسد تاویل نکلتی ہو اور نفوس اس سے نفرت کریں تو محتسب پر لازم ہے کہ ان کو روکے اور منع کرے لیکن اس کا یہ عمل اس وقت صحیح ہو گا جب وہ حق اور باطل میں تمیز کر سکتا ہو۔

اگر ایک جاہل محتسب ایسی بات میں دخل اندازی کرے جس کو نہیں جانتا تو اس کا فساد اور بگاڑ اس کی طرف سے کی گئی اصلاح سے زیادہ ہو گا، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ عامی کو محتسب نہ بنایا جائے مگر ان امور میں جو سب پر ظاہر و واضح ہوں۔ (۱۷۱)

۱۱۔ وہ نہی جس کا تعلق محظورات و ممنوعات کے ساتھ ہو، پس وہ یہ ہے کہ محتسب لوگوں کو شک و شبہ اور تہمت کے مواقع سے روکے ــــ جیسے نبی کریمؐ نے فرمایا "جو تجھے شک و شبہ میں ڈالے اسے چھوڑ کر اس کی طرف جا کہ جو تجھے شک میں نہ ڈالے" پس پہلے انذار کرے اور ڈرائے ــــ تادیب میں جلدی نہ کرے۔ ابراہیم نخعی نے حکایت کی ہے کہ خلیفہ عمر نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ طواف کرنے سے منع کیا، اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص عورتوں کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، آپ نے اسے کوڑے لگائے۔ اس شخص نے کہا ــــ بخدا کہ اگر میں نے اچھا عمل کیا ہے تو آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے، اگر میں نے برا کام کیا ہے تو آپ نے اس سے پہلے مجھے باخبر نہیں کیا۔ خلیفہ عمر نے اس سے کہا کیا تو نے میرا حکم نامہ نہیں دیکھا؟

اس نے کہا میں نے آپ کا کوئی ایسا حکم نامہ نہیں دیکھا، تب خلیفہ نے وہ کوڑا اس کی طرف پھینکا اور کہا کہ تو مجھ سے اپنا قصاص لے لے، اس نے کہا آج نہیں لوں گا ـــــ خلیفہ عمر نے کہا تو پھر معاف کر دو! اس نے کہا معاف بھی نہیں کروں گا. پس وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور دوسرے دن آمنا سامنا ہوا تو خلیفہ کا رنگ متغیر ہو گیا......

اگر راستے میں کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ چلتے دیکھے اور شک و شبہ کے علامات ظاہر نہ ہوں تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ اس سے مانع نہ ہو کیونکہ لوگوں کو اس طرح راستہ چلنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ تاہم اگر وہ کسی خالی راستے میں شک و شبہ والی جگہ پر کھڑے ہوں تو انہیں اس سے منع کرے لیکن اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ شاید وہ آپس میں محرم ہوں ـــــ ان کی تادیب کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لے، اس صورت میں مرد سے کہے کہ اگر یہ تمہاری محرم ہے تو اس کو مشکوک مقامات پر نہ لاؤ اور اگر اجنبی ہے تو ایسی خلوت کرنے میں خدا سے ڈرو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں داخل کرتی ہے......

محتسب پر لازم ہے کہ ایسے مقامات پر نظر رکھے جہاں عورتیں اکٹھی ہوتی ہیں مثل اس ترنجن کے جہاں وہ مل کر چرخہ کاتتی ہیں یا وہ بازار جہاں عورتوں کی چیزیں بکتی ہیں یا وہ حمام جہاں عورتیں اکثر جاتی ہیں نیز نہروں اور تالابوں کے کنارے جہاں وہ کپڑے دھوتی ہیں، پس جب ایسی جگہوں پر کسی جوان آدمی کو دیکھے جو کسی عورت سے باتیں کرتا یا اسے تاڑ رہا ہو تو اسے تعزیر لگائے اور وہاں کھڑا رہنے اور ٹھہرنے سے منع کرے جبکہ اس عورت سے وہ عام لین دین کا کوئی معاملہ نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بد خصلت نوجوان اس طرح کے مقامات پر آکھڑے ہوتے ہیں اور عورتوں کو تنگ کرنے کے سوا ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا، پس ایسا کوئی بھی نوجوان اگر ان مقامات پر بلا ضرورت کھڑا ہو تو محتسب اسے تعزیر لگائے۔ (۱۷۲)

۱۲۔ مذکورہ کتاب کے تیسرے باب میں کہا گیا اور اس کا خلاصہ یہ ہے:

جب کوئی شخص علی الظاہر شراب اپنے پاس رکھے، اگر وہ مسلمان ہو تو اس کی شراب بہا دے اور اسے تادیب کرے لیکن اگر وہ کافر ذمی ہو تو اسے اعلانیہ شراب رکھنے پر تادیب کرے البتہ اس کی شراب بہا دینے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے......

ایک روایت ہے کہ خلیفہ عمر نے بر سر منبر کہا: اے لوگو! شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے اور وہ پانچ چیزوں سے بنتی ہے کہ وہ گندم، جو، کشمش، کھجور اور انگور ہیں۔ شراب وہ ہے جو عقل کو معطل کر دے۔ حضرت رسولؐ نے شراب سے تعلق رکھنے والے جن دس افراد پر لعنت کی ہے، ان میں ایک وہ ہے جو عصیر (انگور کا شیرہ) کسی شراب بنانے والے کے ہاتھ بیچتا ہے، شافعی نے کہا کہ میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں بیشک یہ گناہ میں اعانت ہے اور یہ فعل ایسا ہی ہے جیسے چور، ڈاکو اور کافر حربی کے ہاتھ جنگی ہتھیار فروخت کرنا ہے۔

جو شخص شراب پیے جبکہ وہ بالغ و عاقل اور مسلمان ہو تو اس پر حد واجب ہے.... لیکن کافر حربی، دیوانے اور بچے پر حد نہیں اور کافر ذمی پر بھی حد نہیں ہے کیونکہ وہ شراب کی حرمت کا عقیدہ نہیں رکھتا نیز جسے شراب پینے پر مجبور کیا گیا ہو اس پر بھی حد واجب نہیں ہے۔

اس کے علاوہ دیگر حرام قسم کے لہوولعب کی چیزیں مثل بانسری، طنبور، سارنگی اور رباب وغیرہ تو محتسب پر لازم ہے کہ انہیں توڑ دے یہاں تک کہ وہ اس طرح کی لکڑی میں بدل جائیں جو لہو ولعب کے علاوہ کسی اور کام میں آسکے۔ اگر کوئی کھلم کھلا ان آلات لہو ولعب کو اپنے پاس رکھے تو اسے تادیب کرے اور ان چیزوں کی لکڑی کسی اور کام آسکتی ہو تو اسے نہ توڑے اگر کسی دوسرے کام کی نہ ہو تو ان سازوں کو توڑ دے .... اگر ان سازوں کے الگ الگ حصے مال شمار ہوتے ہوں تو کیا انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے قبل ان کا فروخت کرنا جائز ہے؟

اس بارے میں دو وجہیں ہیں.....

یہی دو وجہیں ان بتوں اور مجسّموں کے سلسلے میں بھی ہیں جو سونے اور لکڑی وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں۔ باقی رہے وہ کھیل کے آلات اور چیزیں جن میں معصیت مطلوب نہیں ہوتی جیسے باندیوں کو اولاد کی تربیت کے لئے تیار کرنے کی چیزیں تو ان میں اہم وجہ تدبیر ہے..... جیسا کہ حضرت رسولؐ بی بی عائشہ کے پاس گئے تو ان کو گڑیوں سے کھیلتے پایا لیکن آپ نے انہیں کھیلنے دیا اور اس فعل کو ناپسند نہیں فرمایا.....

بعض مباح افعال کے علانیہ انجام دینے سے روکنا ناجائز نہیں ہے جیسے اپنی بیویوں کے متعلق مباح افعال کھلے عام کرنے سے روکا جاتا ہے۔ رہ گئے وہ ناروا افعال جو ظاہر نہیں ہوتے تو ان کی جستجو کرنا اور انہیں طشت ازبام کرنا محتسب پر لازم نہیں ہے۔ پس جو کوئی ان برے کاموں میں سے کوئی کام کرے تو خدا کے پردے سے اس پر پردہ ڈالے رکھے کیونکہ جو شخص ظاہری طور پر ایسا کام کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی مقررہ حد جاری کی جائے گی۔

جس برے کام کو محتسب روکتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ظاہراً کیا گیا ہو۔ پس جو شخص اپنے گناہ کو چھپائے رکھے اور اسے اپنے گھر کے اندر محدود رکھے تو جائز نہیں کہ محتسب اس کی ٹوہ لگائے۔ البتہ اگر کسی ایسے حرام کا ارتکاب ہو رہا ہو جس کا بعد میں تدارک نہ ہو سکے گا مثلاً محتسب کو ایسے ثقہ آدمی نے خبر دی ہو جس کی سچائی کا اعتبار ہو کہ ایک شخص کسی آدمی کے پاس خلوت میں ہے تاکہ اسے قتل کرے یا ایک عورت کے ساتھ ہے کہ اس سے زناء کرے......

حکایت کی گئی ہے کہ خلیفہ عمر ایک ایسے گروہ کے پاس گئے جو مل کر شراب پیتے اور شراب فروش کی دکان میں آگ جلا کر اس کے گرد بیٹھا کرتے تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ میں نے تمہیں شراب پینے سے روکا اور اس دکان میں آگ جلا کر بیٹھنے سے منع کیا تھا لیکن تم نے یہ دونوں کام کیے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ خدا نے آپ کو لوگوں کے گناہوں کی ٹوہ لگانے سے منع کیا ہے لیکن آپ نے ایسا کیا ہے۔ نیز خدا نے بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے سے ممانعت کی ہے اور آپ بلا اجازت داخل ہوئے ہیں۔ اس پر خلیفہ عمر نے کہا کہ یہ دو باتیں میری دونوں باتوں کے مقابل ہو گئیں۔ وہ واپس چلے گئے اور ان لوگوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔

پس اگر محتسب کسی گھر سے لہو ولعب اور برائی کی آوازیں سنے کہ جو گھر والے ظاہر بظاہر بلند کر رہے ہوں تو وہ انہیں گھر کے باہر سے ہی اس بات سے منع کرے اور بغیر اجازت کے اس گھر میں داخل نہ ہو کیونکہ جو برائی سامنے ہے اس سے زیادہ کی جستجو کرنا اس کا حق نہیں ہے۔ (۱۷۳)

۱۳- چوتھے باب میں اہل ذمہ پر حسبہ کے ذکر میں کہا اور اس کا خلاصہ یہ ہے:

معلوم ہونا چاہئے کہ اہل ذمہ کے بارے میں تساہل اور ڈھیل سے کام لینا دینی امور میں بہت بڑے خطرے کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں یہ فرمایا ہے: "اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کی طرف محبت ظاہر کرو حالانکہ میں جانتا ہوں جسے تم چھپاتے ہو اور جسے ظاہر کرتے ہو اور تم میں سے جو شخص یہ کام کرے وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا"۔ نیز ایک حدیث میں نبی اکرمؐ سے وارد ہوا کہ آپ نے فرمایا: "البتہ میں یہود و نصاریٰ کو ضرور ہی جزیرہ عرب سے نکال دوں گا اور یہاں کسی کو نہیں رہنے دوں گا مگر وہ جو مسلمان ہو"۔

ہاں تو یہ کافر سے طلب اعانت کو ترک کرنے کے متعلق ایک قابل اعتماد اصل ہے۔ پھر ان کو مسلمانوں کا سرپرست و حاکم کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟ اس لئے محتسب پر لازم ہے کہ اہل ذمہ پر نظر رکھے۔ جو کچھ ان پر لازم کیا گیا یا جو انہوں نے اپنے لئے لازم کر لیا ہو۔۔ اس میں انہیں کوئی رعایت نہ دے جس سے وہ ان باتوں کی قول یا فعل سے خلاف ورزی کریں۔

ان کو دارالاسلام (اسلامی مملکت) میں گرجے اور کنیسے بنانے سے روکا گیا ہے۔ جیسا کہ خلیفہ عمر نے ان گرجوں اور کنیسوں کو گرا دینے کا حکم دیا جو ہجرت مدینہ کے بعد تعمیر کئے گئے تھے لیکن ظہور اسلام سے پہلے کے رہنے دیئے اور وہ نہ گرائے گئے۔ اسی طرح مصر کے قبطیوں سے مصالحت کی اور ان میں سے بعض گرائے گئے مگر انہیں رہنے دیا جو قبل از بعثت بنائے گئے تھے ـــ البتہ ان میں کسی کا کوئی حصہ ٹوٹ جاتا تو اسے دوبارہ بنانے سے منع نہیں کیا جاتا تھا....

امام و حاکم پر واجب ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو اسلامی مملکت میں رہتے ہوں ان کی جان و مال کا تحفظ کرے اور اگر کوئی شخص یا گروہ، ان لوگوں کو اذیت دینے پر آمادہ ہو تو اسے روکے۔ نیز مسلمانوں کے ساتھ کسی جھگڑے میں وہ اسلامی عدالت سے رجوع کریں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے....

امام و حاکم ان غیر مسلم لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق جزیہ وصول کرے یعنی ہر سال ان میں غریب آدمی سے ایک دینار فی کس، درمیانے درجے والے سے دو دینار اور مالدار آدمی سے چار دینار فی کس لیا کرے..... جزیہ کے ساتھ ان پر احکام اسلام کا لحاظ رکھنے کی پابندی لگائے۔ پس اگر ان میں کوئی شخص اس لزوم سے انکار کرے یا مسلمانوں سے جنگ کرے یا مسلمان عورت کو اپنے پاس رکھے اور نکاح کے نام پر متصرف رہے یا کسی مسلمان کو اس کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈالے یا مسلمان کا مال لوٹے یا مشرکین کو پناہ دے یا ان کو مسلمانوں کے پوشیدہ امور سے آگاہ کرے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا خدائے تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور ان کے دین کے بارے میں ایسی بات کہے جو جائز نہیں ہے تو ان امور میں ہر ایک کے ارتکاب سے اس کا معاہدہ اور ذمہ ختم ہو جائے گا۔ پس ایسے شخص کو فوراً قتل کر دیا جائے گا اور صحیح ترین قول کے مطابق اس کا مال غنیمت کے طور پر لے لیا جائے گا۔ (۱۷۴)

۱۴- اسی کتاب کے پانچویں باب میں اہل جنائز کے امور و حالات کی نگرانی اور ان کی تجہیز و تکفین، نماز جنازہ اور وارثان کی معیت میں ان کی تدفین کا ذکر ہے۔

محتسب کسی شخص (مرد و عورت) کو اس پر قادر نہ ہونے دے کہ وہ عورتوں اور مردوں میں سے کسی میت کو غسل دے۔

مگر وہ شخص جو ثقہ، امین، صالح اور خبیر ہو، جس نے فقہ میں کتاب الجنائز پڑھی ہو اور وہ اس کے واجبات، سنن اور مستحبات کو جانتا پہچانتا ہو ـــــ اس بارے میں محتسب اس شخص سے پوچھ گچھ کر کے اطمینان کر لے .... وہ غسل دینے میں میت کو لوگوں کی نظروں سے اس طرح پوشیدہ رکھے کہ جہاں غسل دینے والے اور اس کی اعانت کرنے والے کے علاوہ کوئی نہ ہو غسل دینے والا بھی میت کو نہ دیکھے مگر بدن کا وہ حصہ جس میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو کیونکہ بعض اوقات میت کے بدن میں کوئی عیب ہوتا ہے اور وہ اسے نہ دیکھے اور پردہ کرے، بہتر یہ ہے کہ قمیص کے اندر ہی اندر غسل دے کہ اس کے لئے پردہ پوشی کا اچھا طریقہ ہے .....

میت کو کفن دینا فرض کفائی ہے اور یہ اس کے ذاتی مال میں واجب ہے، اس کے بعد میت کے قرض اور وصیت وغیرہ کی نوبت آتی ہے، اگر یہ میت عورت ہے کہ جس کا شوہر موجود ہے تو پھر کفن شوہر پر واجب ہے .... قبر ایک محترم چیز ہے ـــ اس پر چلنا، بیٹھنا اور اس کے ساتھ ٹیک لگانا مکروہ ہے، زائر کو قبر کے اتنا قریب جانا چاہئے کہ جتنا صاحب قبر کے زندہ ہونے کی صورت میں اس کے قریب جاتا، قبر کا کھولنا حلال نہیں ہے، مگر یہ کہ طول مدت کے باعث میت کا نشان مٹ چکا ہو یا اسے غصبی زمین میں دفن کیا گیا ہو اور مالک اس کے نکالنے کا مطالبہ کرتا ہو۔

محتسب جنازوں اور مقبروں کی نگرانی کرے، پس اگر کوئی نوحہ اور بین کرنے والی وہاں آئے تو اسے تعزیر لگائے کیونکہ نوحہ کرنا حرام ہے اور حضرت رسول ؐ نے فرمایا کہ نوحہ کرنے والی اور جو اس کے اردگرد ہوں وہ سب جہنم کی آگ میں ہیں ...

البتہ گریہ وبکاء کہ جس میں چیخ و پکار نہ ہو، گریبان چاک نہ کیا جائے اور سر منہ نہ پیٹا جائے وہ جائز ہے۔ پس جب جنازہ اٹھے تو عورتوں کو حکم دے کہ وہ مردوں سے پیچھے رہیں اور ان میں مخلوط نہ ہوں نیز انہیں میت کے پیچھے سر کھولنے سے منع کرے اور منادی کو حکم دے کہ وہ شہر میں ان امور کی ممانعت کا عام اعلان کرے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ عورتوں کو جنازے کے ساتھ نکلنے سے روکے، جب کسی عورت کو بین کرتے یا گانا گاتے یا برا کام کرتے سنے تو اسے توبہ کرائے اور اگر وہ دوبارہ ایسا فعل انجام دے تو اس کو تعزیر لگائے اور شہر بدر کر دے ... (۱۷۵)

میں کہتا ہوں نوحے کی مطلق حرمت میں اختلاف نظر ہے۔

۱۵۔ چھٹے باب میں منکرو ناپسندیدہ معاملات مثل بیع فاسدہ، رباء و سود، سلم فاسد، اجارہ فاسدہ، شرکت فاسدہ اور عقد، عاقدو معقود علیہ کے شروط کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، پس رجوع کریں۔ (۱۷۶)

چنانچہ کہا گیا ہے:

محتسب کے لئے جائز نہیں ۔ جروں کے لئے چیزوں کی فروخت کا نرخ مقرر کرے کیونکہ نرخ کا تعین خدا کے اختیار میں ہے، پس امام و حاکم اس میں تصرف نہ کرے اور اگر وہ قحط کے برسوں کے ماسوا ایسا کرے تو اس کا یہ فعل حرام میں داخل ہو گا، جیسا کہ حضرت رسول ؐ کے زمانے میں جب بھاؤ چڑھ گئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ! ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیں، اس پر آپ نے فرمایا! "بیشک اللہ تعالیٰ ہی تنگی و فراخی کرنے والا، رزق دینے والا اور نرخ مقرر کرنے والا ہے، پس میں امیدوار ہوں کہ خدا کی بارگاہ میں جاؤں تو جان و مال کے بارے میں کوئی بھی کسی ناانصافی کا مجھ سے بدلہ چاہنے والا نہ ہو

لیکن اگر ہم کہیں کہ نرخ مقرر کرنا جائز ہے تو جب امام و حاکم نرخ مقرر کرے اور لوگ اس کے مطابق مال فروخت کریں تو ٹھیک ہے، اگر وہ مقررہ نرخوں کی پابندی نہ کریں تو کیا بیع منعقد ہوگی یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ بیع منعقد ہوگی البتہ حاکم اس خلاف ورزی پر ان کو تعزیر لگائے۔ جب محتسب یہ دیکھے کہ کوئی شخص چیزیں اس وقت خریدتا ہے جب وہ ارزاں ہوں اور پھر انتظار کرتا ہے کہ ان کی قیمتیں بڑھیں اور وہ ان کو بیچے تو محتسب اسے ان چیزوں کی فروخت پر مجبور کر سکتا ہے کیونکہ ذخیرہ اندوزی حرام اور ذخیرہ کرنے والا ملعون ہے ___ نیز فرمایا "جو شخص چالیس دن تک گندم کو ذخیرہ کرے اور پھر اس کی پوری قیمت صدقہ میں دے تو بھی ذخیرہ اندوزی (کے جرم) کا کفارہ نہ ہوگا.... کھوٹے سکے کو گردش میں لانا لوگوں پر ظلم ہے کہ جس سے لین دین کرنے میں ان کو ضرر پہنچتا ہے، پس محتسب پر لازم ہے کہ وہ ایسا کرنے والوں کو حکم دے کہ وہ ان کھوٹے سکوں کو توڑ دیں یا پگھلا کر ان کی شکل بدل دیں اور انہیں چلانے میں لوگوں کو دھوکہ نہ دیں.... تاجر پر حرام ہے کہ وہ اپنے مال کی وہ صفات بیان کرے جو اس میں موجود نہ ہوں، اگر وہ ایسا کرے تو یہ تلبیس (غلط فہمی میں ڈالنے) کا گناہ اور اس کے ساتھ جھوٹ کا گناہ بھی ہے.... اس کو قسم بھی نہیں کھانا چاہئے ___ اگر وہ اس میں جھوٹا ہے تو جھوٹی قسم گناہان کبیرہ میں ہے اور اگر سچا ہے تو اس نے خدا کو اپنی قسم میں آگے رکھا...... (۱۷۷)

۱۶۔ ساتویں باب میں مردوں کے لئے ریشم اور سونا پہننے کی حرمت، سونے چاندی کے برتن رکھنے کی مطلق حرمت اور خانہ کعبہ و مساجد میں سونے چاندی کی قندیلوں سے زیبائش کرنے کی ممانعت کا ذکر کیا ہے۔ (۱۷۸)

۱۷۔ آٹھویں باب میں بازاروں اور راستوں میں حسبہ و نگرانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا اور اس کا خلاصہ یہ ہے: کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ تنگ راستوں اور بازاروں میں سر راہ بیٹھے، اسی طرح اپنی دکان کا پرنالہ بازار کی طرف رکھنا بھی جائز نہیں کہ اس سے گزرنے والوں کو تنگی کا سامنا ہوتا ہے ___ پس محتسب پر واجب ہے کہ اس سے روکے اور کسی نے ایسا کیا ہو تو اس کا ازالہ کرائے۔ بازار کی طرف جنگلے لگانا، تنگ راستے میں درخت اگانا اور چبوترے بنانا بھی جائز نہیں ہے.... جوینی نے کہا ہے کہ شارع عام میں درخت لگانا یا چبوترہ بنانا جائز نہیں اور اس میں راستے کے تنگ یا فراخ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات رات کے وقت تنگ راستوں میں مویشیوں کی بھیڑ بھاڑ ہو جاتی ہے اور افراتفری کا عالم ہوتا ہے، مزید یہ کہ طول مدت کے نتیجے میں درخت اور مکانوں کی تعمیر کی حدیں مشتبہ ہو جاتی ہیں جس سے راستے متاثر ہوتے ہیں اور ہر وہ چیز جو راستہ چلنے والوں کی اذیت کا موجب ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ نیز گھوڑوں اور سواری کے جانوروں کو راستے میں باندھنا بھی ناروا فعل ہے سوائے اس کے کہ انہیں اترنے یا چڑھنے کے لئے وہاں ٹھیرایا جائے، اس کے علاوہ راستے کے اطراف میں کوڑا کرکٹ پھینکنا، تربوز اور دیگر پھلوں کے چھلکے ڈال دینا یا اتنا چھڑکاؤ کرنا جس سے لوگوں کا پھسلنا ممکن ہو، یہ سب افعال ناجائز ہیں۔

تنگ راستوں کی طرف پرنالے لگانا کہ جن سے گزر گاہ تنگ اور کپڑے ناپاک ہوتے ہیں، بارش کا پانی اور کیچڑ راستے کی طرف نکالنا اور اسے ہٹانے کی کوشش نہ کرنا وغیرہ منکر اور برے افعال ہیں، محتسب پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو ان امور کا ذمہ دار ٹھیرائے اور ازالہ کرائے۔ (۱۷۸۔ الف)

۱۸۔ محتسب کو چاہئے کہ جن چوپاؤں پر لکڑی کے گٹھے، بھوسے کے بورے اور پانی کی مشکیں لدی ہوں یا گوبر، کوڑا اور کانٹے دار جھاڑیاں لادی گئی ہوں انہیں راستوں میں آنے سے روکے تاکہ لوگوں کے کپڑے پھٹ جانے اور نجس ہونے سے محفوظ رہیں، اگر ان کے مالک انہیں کسی کھلی جگہ لے جاسکیں تو بہتر ورنہ نہ روکے کیونکہ لوگوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز وہ ایندھن، بھوسہ، اینٹیں اور سبزی ترکاری سے لدے ہوئے چوپاؤں کے مالکوں سے کہے کہ جب وہ انہیں کھلی جگہوں میں ٹھیرائیں تو ان پر سے بوجھ اتار لیں کیونکہ وہ ان کی اذیت کا باعث ہوتے ہیں، حضرت رسولؐ نے جانوروں کو تکلیف پہنچانے سے منع فرمایا سوائے ان کے جو ذبح کئے اور کھائے جاتے ہیں۔

محتسب بازار کے لوگوں کو حکم دے کہ وہ اپنی دکانوں کے کوڑا کرکٹ اور دیگر گندی چیزوں کو ٹھکانے لگائیں اور بازار کو صاف ستھرا رکھیں کیونکہ حضرت رسولؐ نے ضرر و ضرار یعنی ایک دوسرے کو تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے۔ (۱۷۹)

۱۹۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ چھت یا کھڑکیوں میں سے پڑوسیوں کے گھروں میں تاک جھانک کرے، مردوں کے لئے عورتوں کی گزرگاہوں میں بیٹھنا جائز نہیں، پس جو شخص ایسا کرے محتسب اسے تعزیر لگائے۔ (۱۸۰)

۲۰۔ اس کتاب کے نویں اور دسویں باب میں قنطار، رطل، مثقال، درہم، اور ناپ تول کے پیمانوں اور اوزان پر گفتگو کی گئی ہے:

اس بناء پر کہ ناپ تول کے پیمانے اور اوزان لوگوں کے باہمی لین دین کی بنیاد ہیں اور خرید و فروخت کی جانے والی اشیاء کا اندازہ اور اعتبار انہیں کے ذریعے ہوتا ہے، پس محتسب پر لازم ہے کہ وہ ان کی تحقیق اور نگرانی کرے تاکہ ان سے کیا گیا معاملہ وجہ شرعی کے مطابق ہو..... وہ ترازو اور میزان سے کام لینے والوں کو حکم دے کہ ان کو صاف ستھرا رکھیں، کیونکہ بعض اوقات ان پر ایسی چکنائی اور میل کچیل ہوتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہے پس محتسب پر ان کی دیکھ بھال کرنا لازم ہے۔

اے محتسب! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تم وزن و پیمانہ ایسی چیز کے نگران مقرر ہوئے ہو کہ جن میں بے قاعدگی کرنے سے گزری ہوئی قومیں ہلاک و نابود ہوئی ہیں، پس ان کی طرف توجہ رکھو اور بذات خود ان کی جانچ پڑتال کرو، ناپ تول کرنے والوں کی چالاکیوں پر ان کو ہرگز معاف نہ کرو کیونکہ اس سے وہ باز نہیں رہتے۔ یہ عام آدمی ہیں اور ان کا مطلب و مقصد زیادہ کمانے اور زیادہ کھانے کے سوا کچھ نہیں اور ان کے لئے موثر چیز تعزیر ہی ہے۔

محتسب کو چاہئے کہ ترازو اور کانٹے وغیرہ کا وقفے وقفے سے امتحان و آزمائش کرتا رہے کیونکہ لکڑی لوہا اور ایسی وزنی چیزیں تولنے سے وہ خراب ہو جاتے ہیں۔

چیزیں تولنے کے باٹ لوہے کے ہونا چاہئیں، محتسب ان کا وزن معین کرے اور ان پر اپنی مہر لگائے، یہ اوزان اور باٹ پتھر کے نہ ہوں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے سے کم ہو سکتے ہیں۔

محتسب کے لئے ضروری ہے کہ وہ دکانداروں کی اطلاع و علم کے بغیر ان کے باٹوں کا اچانک معائنہ کرے۔ (۱۸۱)

۲۱۔ اس کتاب کا مؤلف گیارہویں باب میں گندم، آٹا اور گھاس چارہ فروخت کرنے والوں کی نگرانی کے معاملے کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے۔

تاجروں اور دکانداروں کا غلے کو ذخیرہ کر رکھنا. عمدہ گندم میں کمتر گندم ملانا اور نئی میں پرانی جنس کی ملاوٹ کرنا حرام ہے کیونکہ یہ لوگوں کے ساتھ فریب اور دھوکہ ہے. آٹے کی چکی اور مل والوں پر لازم ہے کہ پیسنے سے پہلے غلے کو چھان کر اس سے گرد و غبار نکال دیں. پیستے وقت گندم پر تھوڑا سا پانی چھڑک دیں کہ ایسا کرنے سے آٹے میں زیادہ سفیدی آتی ہے. انہیں چاہئے کہ ہر تین ماہ یا اس سے کم عرصے کے بعد آٹے کی چھلنیاں بدل دیں محتسب کے لئے ضروری ہے کہ وہ آٹے کا معائنہ کرے. اس لئے کہ وہ لوگ اس میں بیسن یا لوبیے کا آٹا ڈال دیتے ہیں تاکہ اس میں زیادہ چمک پیدا ہو جائے یہ سراسر دھوکہ ہے اور جسے اس کا مرتکب پائے اسے ایسا کرنے سے روکے اور اس کی تادیب کرے۔ وہ انہیں اس کی ہدایت کرے کہ وہ چکیاں رہانے کے فوراً بعد آٹا نہ پیسیں کہ اس طرح پتھر کے ریزے آٹے میں مل جائیں گے جو لوگوں کے لئے مضر ہیں. محتسب چکی والوں کو پابند کرے کہ وہ پیسنے سے پہلے غلے کو چھڑنے اور پھٹکنے کا خاص خیال رکھیں تاکہ اس میں گرد و غبار نہ رہنے پائے۔

مال مویشی رکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ خدائے تعالیٰ سے ڈریں اور ان سے بہت زیادہ کام نہ لیں نیز انہیں دن اور رات کے ایک حصے میں آرام کا موقع دیں. علاوہ ازیں آٹے کے لئے جو اوزان اور باٹ مقرر کئے گئے ہوں محتسب ان کی جانچ پڑتال کیا کرے۔ (۱۸۲)

۲۲۔ بارہویں باب میں روٹی والے نانبائیوں کے حسبہ کا ذکر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

ضروری ہے کہ محتسب روٹی پکانے والوں کو حکم دے کہ وہ تنور والی جگہ کی چھت اونچی رکھیں اور اس میں دھواں نکلنے کے لئے کھلے سوراخ بنائیں. وہ انہیں اس بات کی ہدایت کرے کہ وہاں جھاڑو دے کر صفائی کرتے رہیں اور گندگی و بدبو نہ رہنے دیں. آٹا گوندھنے اور برتن دھونے کے لئے پاک صاف پانی استعمال کریں.... یہ حکم بھی دے کہ کوئی شخص اپنے پاؤں، گھٹنوں اور کہنیوں سے آٹا نہ گوندھے کیونکہ اس سے رزق کی اہانت ہوتی ہے اور بعض اوقات اس آدمی کی بغلوں اور بدن کا پسینہ آٹے میں جا گرتا ہے... اس لئے کوئی آدمی آٹا نہ گوندھے مگر یہ کہ اس نے تنگ آستینوں کی قمیص پہنی ہو اور چہرے پر کپڑا لپیٹے ہوئے ہو. اس لئے کہ کبھی اسے چھینک آجاتی ہے یا کسی سے بات کرتا ہے تو ناک یا منہ کے چھینٹے آٹے میں آپڑتے ہیں. اسی طرح اس کی پیشانی پر سفید پٹی بندھی ہو تاکہ پسینہ اس میں جذب ہو اور کہنیوں تک کے بال مونڈے ہوئے ہوں کہ وہ ٹوٹ ٹوٹ کر آٹے میں نہ گریں. جب وہ دن کے وقت آٹا گوندھے تو ایک آدمی اس کے ساتھ ہو جو پنکھا ہلا کر مکھیاں ہٹائے کہ ان میں سے کوئی آٹے میں نہ گر پڑے.... محتسب تنور والوں کو پابند کرے کہ جب تک آٹے کا خمیر نہ اٹھے وہ روٹی نہ پکائیں. اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خمیر نہ اٹھا ہو تو وہ ترازو پر اور معدے میں بھی بھاری اور بوجھل ہوتا ہے.... ان کو حکم دے کہ جب تک روٹی اچھی طرح پک نہ جائے اسے تنور سے نہ نکالیں اور وہ جلی ہوئی بھی نہ ہو. پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر تنور والے کے لئے ایک تعداد مقرر کرے اور وہ اس سے کم روٹی تیار نہ کرے تاکہ کسی وقت شہر والے روٹی کی کمی محسوس نہ کریں اور وہ دن کے آخر میں سارے تنوروں کی جانچ پڑتال کرے..... (۱۸۳)

۲۳۔ تیرہویں باب اور چند دیگر ابواب میں طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں تیار کرنے والوں کے حسبہ و نگرانی کا

تذکرہ ہے:

گوشت اور قیمہ بھوننے والے. کلیجی پکانے والے. اچار چٹنی بنانے والے. سری پائے بیچنے والے. تکے کباب بنانے والے. حلیم و ہریسہ بنانے والے. مچھلی تلنے والے. مٹھائیاں بنانے والے. وغیرہم کا ذکر کیا ہے. اس میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو ان میں استعمال ہوتی ہیں اور پھر ان کے بنانے کے طریقوں کا بیان ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ محتسب ان سب کے افعال کی نگرانی کرے تاکہ وہ اچھی اور عمدہ چیزیں تیار کریں اور دھوکہ فریب کرنے سے گریز کریں جس سے صفائی. صحت و سلامتی اور تول کی رعایت ممکن ہو۔ (۱۸۴)

۲۴۔ سولھویں باب میں ذبح و نحر کرنے کی کیفیت. ان کے شرائط اور آداب کے علاوہ قصاب اور ذبیحہ کی کھال اتارنے والے کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

بکرے کے پیروں کو سختی سے نہ کھینچے اور اسے کند چھری سے ذبح نہ کرے کہ اس میں حیوان کو تکلیف و اذیت ہوتی ہے اور نبی اکرمؐ نے جانور کو دکھ پہنچانے سے منع فرمایا ہے. بکرے کو ذبح کرنے کے فوراً بعد کھال نہ اتاری جائے بلکہ اسے ٹھنڈا ہونے دیا جائے .... محتسب ان لوگوں کو اپنی دکانوں کے آگے ذبح و نحر کا عمل کرنے سے روکے کیونکہ اس سے راستہ خون اور فضلے سے گندا ہو جاتا ہے نیز راستہ تنگ ہو جانے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ انہیں اپنی دکانوں کے چبوتروں سے آگے تک گوشت لٹکانے سے منع کرے اور انہیں حکم دے کہ وہ بکرے کے گوشت میں بھیڑ کے گوشت کی ملاوٹ نہ کریں اور دونوں کو الگ الگ رکھیں بلکہ وہ ہر قسم کے گوشت کی نشانی مقرر کریں. وہ بکری کی چربی بھیڑ کی چربی میں مخلوط نہ کریں. عمدہ جانور کے گوشت میں دبلے پتلے جانور کا گوشت نہ ملائیں اور نر کا گوشت مادہ کے گوشت میں شامل نہ کریں .... بعدہ مئولف نے جانوروں کی قسمیں بتائی ہیں. پھر یہ بتایا ہے کہ کن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اور کن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔۔ پس مراجعہ کریں۔

پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو" کے مطابق وہ چیز جس میں ضرر ہو مثل زہر. شیشہ. مٹی اور پتھر وغیرہ کا کھانا جائز نہیں ہے. کوئی نجس چیز حلال نہیں ہے کیونکہ وہ خبائث یعنی گندی چیزوں میں سے ہے۔ (۱۸۵)

۲۵۔ چوبیسویں باب میں شربت سازوں کے حسبہ کا تذکرہ کیا ہے اور اس سے مراد مختلف قسم کے شربت تیار کرنے والے ہیں جنہیں وہ مختلف جڑی بوٹیوں سے علاج و معالجہ کے لئے بناتے ہیں۔ پس اس باب میں ملاوٹ اور دھوکہ بہت زیادہ ہوتا ہے کہ جس کی شناخت ممکن نہیں ہوتی کیونکہ جڑی بوٹیاں اور شربت مختلف مزاج رکھتے ہیں اور علاج میں ان کو ایک دوسرے میں ملایا جاتا ہے .... پس اس معاملے میں ان لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اس سے ڈریں. محتسب کو چاہئے کہ انہیں وعظ و نصیحت کرے اور خوف خدا دلاتے ہوئے اس کے عذاب سے ڈرائے نیز اپنی طرف سے تعزیر کی دھمکی بھی دے. علاوہ ازیں وہ ان کے بنائے ہوئے شربتوں اور ان کی جڑی بوٹیوں کا اچانک جائزہ لیتا رہے ....

شربت بہت سے ہیں جن کے الگ الگ نام ہیں اور وہ ستر سے زیادہ ہیں. ہم ان میں سے کچھ مشہور شربتوں کے ناموں کا ذکر کریں گے ..

معجونوں کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں. اسی طرح سفوف. گولیاں. چٹنیاں اور جوارشیں ہیں نیز فتیلے اور وہ دوائیں جن کو پکا کر برتا جاتا ہے وہ بہت زیادہ ہیں. اگر میں ان سب کو شمار کروں تو طول کلام ہو گا۔ (۱۸۶)

میں کہتا ہوں ــــ حقیقت یہ ہے کہ اس باب اور آئندہ باب میں انواع و اقسام کی دواؤں کے بنانے کی تراکیب ہیں حسبہ و نگرانی سے مراد کچھ مخفی امور پر نظر رکھنا ہے جن میں بہت زیادہ دھوکہ ہوتا ہے جیسا کہ مولف مذکور نے ذکر کیا ہے. لہٰذا یہ نگرانی بڑی دقت و باریک بینی کی محتاج ہے۔

۲۶۔ پچیسویں باب میں عطاروں اور موم بتی بنانے والوں کے حسبہ و نگرانی سے تعرض کیا اور کہا ہے:

یہ باب ان اہم اشیاء سے متعلق ہے کہ جن کی طرف محتسب کو خصوصی توجہ رکھنا اور ان کے نقائص کو جاننا چاہئے. اس پر واجب ہے کہ کسی شخص کو مختلف جڑی بوٹیوں اور طرح طرح کے عطروں کی خرید و فروخت کی اجازت نہ دے مگر اس کو جو اس کا ماہر خاص اور اس کام کا گہرا تجربہ رکھتا ہو. نیز وہ اس کے نزدیک ثقہ و امین ہو اور خدا سے ڈرتا بھی ہو۔ اس لئے کہ جڑی بوٹیاں پنساریوں سے مفرد شکل میں خریدی جاتی ہیں اور پھر انہیں مرکب کیا جاتا ہے. لہٰذا ضروری ہے کہ خریدنے والا ان کی پہچان کر سکتا ہو۔ لیکن بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ کوئی نادان کسی پنساری سے ایک جڑی بوٹی اس اعتماد کے ساتھ خریدتا ہے کہ یہی اصل چیز ہے. پھر ایک اور ناسمجھ اس سے یہ بوٹی خرید کر اس کے مفید ہونے کے یقین کے ساتھ اسے استعمال کرتا ہے لیکن اس سے برعکس نتیجہ سامنے آتا ہے اور وہ تکلیف اٹھاتا ہے۔

اس کے بعد مولف مختلف دواؤں میں ملاوٹ اور دھوکے سے متعرض ہوا اور پھر موم بتی میں ملاوٹ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: یہ سب کچھ ملاوٹ اور فریب کاری ہے. پس محتسب ان باتوں کی نگرانی کرے اور کسی صورت میں اس سے پہلوتہی نہ کرے۔ (۱۸۷)

میں کہتا ہوں ــ یہ وہ باتیں ہیں جن کی طرف ہم نے دواؤں کے بارے میں حسبہ کی اہمیت کے تحت مختصراً اشارہ کیا ہے. پس ضروری ہے کہ دوا سازی کے اداروں پر نظر رکھی جائے۔ تاہم ان اداروں کی دیکھ بھال کرنے اور ان میں کام کرنے والے افراد کی اہلیت کو جانچنے کے لئے ادارۂ حسبہ ایسے ماہرین کی خدمات حاصل کرنے کا محتاج ہے جو مختلف علوم و فنون پر واقعی دسترس رکھتے ہوں۔

۲۷۔ مذکورہ کتاب کے چھبیسویں باب اور اس کے مابعد عام دکانداروں نیز دودھ والوں اور کپڑے والوں کے حسبہ و نگرانی کا تذکرہ ہوا ہے. اس میں کہا گیا ہے کہ ان کا مال صاف ستھرا اور صحیح و سالم ہونا چاہئے. ان کے ناپ تول کے باٹ اور پیمانے معیاری اور منظور شدہ ہونے چاہئیں. ان کو بیع و فروخت اور معاملات کے صحیح ہونے کے احکام میں حلال و حرام کا علم ہونا چاہئے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ مال کی مقدار بتانے میں سچ بولیں. اس کی قیمت خرید ٹھیک ٹھیک بتائیں اور فروخت کی جانے والی چیزوں کے ظاہری اور پوشیدہ نقائص بیان کر دیں کیونکہ کسی کو دھوکا دینا حرام ہے۔ (۱۸۸)

۲۸۔ انتیسویں باب میں دلالوں کے حسبہ کا بیان ہے:

اس میں کہا ہے کہ کوئی شخص دلال بن کر لوگوں کے اموال میں خرید و فروخت کی صورت میں تصرف نہ کرے جب تک وہ

محتسب کے حضور میں ثقہ و عادل اہل خبرہ کے ذریعے جن کی شہادت شرعاً قبول کی جاتی ہے یہ ثابت نہ کرے کہ وہ اہل دین اور اہل امانت میں سے ہے اور بولی دینے میں سچا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دلال لوگوں کے اموال اپنی حوالگی میں لیتے ہیں اور لوگ ان چیزوں کی فروخت میں ان کی امانتداری پر اعتماد کرتے ہیں۔ دلالوں میں کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کسی مال و جنس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کرے مگر یہ کہ اس کا مالک اس میں اضافہ کرے۔ وہ بزاز کے ساتھ اپنی پوشیدہ سازگاری نہ بنائے اور نہ کسی چیز کو اپنے لئے خریدے جبکہ مالک کو اس دھوکے میں ڈالے کہ اس چیز کو دوسرے آدمیوں نے خریدا ہے اور دوسرے کو گانٹھ لے کہ وہ اس سے خریدے گا..... جب بولی دینے والا مال میں کوئی عیب دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ خریدار کو اس سے آگاہ کرے اور محتسب پر لازم ہے کہ وہ دلالوں سے ان تمام باتوں کی پابندی کرائے۔ (۱۸۹)

۲۹۔ تیسویں باب اور اس کے مابعد ابواب میں اہل صنعت و حرفت کے حسبہ و نگرانی کا ذکر ہوا ہے جن میں کپڑا بننے والے، کپڑے دھونے والے، ریشم بنانے اور بیچنے والے، کپڑا رنگنے والے، روئی اور السی بیچنے والے، زیور بنانے والے، تانبے کا کام کرنے والے، لوہے کا کام کرنے والے، جوتے بنانے والے شامل ہیں۔ پس انہیں عمدہ طریقے سے کام کرنے، لوگوں سے عدل و انصاف سے پیش آنے اور دھوکہ فریب، خیانت، چوری کو ترک کرنے نیز امانت کی حفاظت کرنے اور کام میں جھوٹے وعدے کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا جائے۔ (۱۹۰)

۳۰۔ چھتیسویں باب میں نقدی و صرافی کا کام کرنے والوں کے حسبہ و نگرانی کا تذکرہ ہے۔

اس میں کہا ہے کہ سونے چاندی اور نقدی کی خرید و فروخت کو ذریعہ معاش بنانے میں اس کا معاملہ کرنے والے کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے، محتسب پر لازم ہے کہ وہ صرافہ بازار پر کڑی نظر رکھے اور حالات کی جستجو کرے، اگر اسے معلوم ہو کہ وہاں کسی نے سود لیا ہے یا صرافی میں بد معاملگی کی ہے جو ناجائز ہے تو اسے تعزیر لگائے اور اگر وہ دوبارہ ایسا کام کرے تو اسے بازار سے نکال باہر کرے۔ (۱۹۱)

۳۱۔ چالیسویں باب میں حیوانات کے علاج معالجہ کے حسبہ و نگرانی کا ذکر کیا ہے۔

اس میں کہا ہے کہ جانوروں کا علاج ایک اعلیٰ درجے کا علم ہے جسے فلاسفہ نے اپنی کتب میں لکھا اور اس کے متعلق کئی کتابیں تالیف کی ہیں، یہ انسانوں کے علاج سے زیادہ کٹھن ہے کیونکہ حیوان قوت گویائی نہیں رکھتے کہ اپنی بیماری اور تکلیف کو بیان کریں۔ ان کی بیماری اور تکلیف کا حال محض علامتوں پر توجہ کر کے معلوم کیا جاتا ہے، یعنی جانوروں کا طبیب ان کے علاج میں حسن بصیرت کا محتاج ہے۔ پس کوئی شخص جانوروں کا علاج نہ کرے مگر وہ جو ان کا فصد کھولنے، کوئی عضو کاٹنے اور زخم داغنے کی خبر و معرفت رکھتا ہو، اگر اس کام میں ضروری مہارت کے بغیر وہ جانوروں کے علاج میں کوئی اقدام کرے جس سے جانور کو اذیت پہنچے یا ہلاکت تک پہنچ جائے بہر صورت اس کا تاوان اس پر لازم ہے اور یہ اس کی شرعی سزا ہے لیکن انتظامی لحاظ سے اس کی سزا یہ ہے کہ محتسب اسے کوڑے لگائے .... جانوروں کا علاج کرنے والے (بیطار) کے لئے ضروری ہے کہ وہ جانوروں کی بیماریوں اور ان سے پیدا ہونے والے نقائص کی معرفت رکھتا ہو اور جب اختلاف ہو تو لوگ بھی باخبر شخص ہی کی طرف رجوع کریں۔ بعض حکماء نے کتاب البیطرة میں ذکر کیا ہے کہ جانوروں میں تین سو بیس قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی

ہیں، اور ہم ان میں سے بعض مشہور بیماریوں کا ذکر کرتے ہیں۔ (۱۹۲)

۳۲۔ اکتالیسویں باب میں غلاموں، کنیزوں، حیوانوں اور مکانوں کی دلالی کرنے والوں کے حسبہ و نگرانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

ضروری ہے کہ غلاموں اور کنیزوں کی دلالی نہ کرے مگر وہ شخص کہ جس کی امانتداری، پاکدامنی اور خوش کرداری لوگوں کے نزدیک مسلمہ ہو اور اس کی عدالت ظاہر ہو کیونکہ لوگوں کے غلام اور کنیزیں اس کی سپردگی میں رہتے ہیں اور بعض اوقات وہ ان کے ساتھ خلوت میں بھی رہتا ہے۔

جب فروخت کی جانے والی چیز میں کسی عیب کا اسے علم ہو تو اس پر واجب ہے کہ خریدار کو اس سے باخبر کردے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا ہے، دلال کے لئے لازم ہے کہ چیزوں کے عیوب کو بہت جاننے پہچاننے والا ہو۔ دلالی کرنے والوں سے عہد لیا جائے اور انہیں قسم دلائی جائے کہ وہ ایسی چیز نہیں بیچیں گے جس کے بارے میں یہ شبہ ہو کہ یہ مالک کے ہاتھ سے کسی تحریر، اقرار یا رہن کی وجہ سے نکل گئی ہے، مشتبہ چیزوں اور نابالغ و یتیم کے مال کو بھی فروخت نہ کرے مگر اس کے وصی و سرپرست کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے۔ (۱۹۳)

۳۳۔ بیالیسویں باب میں حماموں اور ان کے مالکوں کے حسبہ کا ذکر کیا اور کہا ہے:

محتسب مالکوں کو حکم دے کہ وہ حماموں کو صاف ستھرا رکھیں، پانی ٹھیک طریقے سے گرم کریں ـــــ بعض حکماء نے کہا ہے کہ بہترین حمام وہ ہے جس کی عمارت قدیم اور فضا کھلی ہو اور اس میں میٹھا پانی استعمال کیا جاتا ہو، حمام میں فوائد بھی ہیں اور اس میں مضرت بھی ہے۔ ابن عمر کا قول ہے کہ حمام ان اچھی چیزوں میں سے ہے جو ہمارے لئے نئی ہیں اور حضرت رسولؐ کے صحابہ ملک شام میں حمام سے متعارف ہوئے اور اس میں داخل ہوئے، لازم ہے کہ حمام میں ضرورت سے زیادہ پانی نہ بہایا جائے...

ضروری ہے کہ محتسب حمام والوں کو اس میں جھاڑو دینے اور دھونے کا حکم دے، وہ اسے استعمال شدہ پانی کے علاوہ پاک و پاکیزہ پانی سے دھوئیں اور یہ عمل دن میں کئی مرتبہ کریں، فرش کو سخت چیز سے رگڑیں تاکہ تیل صابن اور دوسری چیزوں کی جمی ہوئی تہ اتر جائے اور لوگ اس پر سے پھسلنے نہ پائیں...

محتسب پر لازم ہے کہ جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے حمام والوں سے ان کی پابندی کرائے، اس کے علاوہ وہاں جو شخص ظاہراً اپنی شرمگاہ کھولے اسے تعزیر لگائے کیونکہ شرمگاہ کھولنا حرام ہے، حضرت رسولؐ نے شرم گاہ دیکھنے اور دکھانے والے ہر دو پر لعنت کی ہے اور اس بارے میں عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ خطرے میں ہیں۔ (۱۹۴)

۳۴۔ چوالیسویں اور پینتالیسویں باب میں طبیبوں، زخموں، ٹوٹی ہڈیوں اور اعضاء کا علاج کرنے والے جراحوں، سینگیاں لگانے والے اور ختنہ کرنے والے حجاموں کے حسبہ و نگرانی کے بارے میں کہا ہے: ضروری ہے کہ کوئی ان کاموں میں ہاتھ نہ ڈالے مگر وہ جس کی امانت و دیانت کے ساتھ تشریح یعنی بدن کے جوڑوں، پٹھوں اور رگوں سے پختہ واقفیت ظاہر و باہر ہو اور وہ ان کی ہیئت و کیفیت پر پوری طرح عبور رکھتا ہو...

طب کے بارے میں کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: طب علم نظری بھی ہے اور عملی بھی ــــ اس کا حاصل کرنا شریعت اسلامی میں مباح قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں انسان کے بدن شریف کے امراض کا دفعیہ اور صحت کی حفاظت کے اسباب فراہم ہیں۔

اس سلسلے میں کئی ایک احادیث وارد ہوئی ہیں، پس حضرت رسولؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر یہ کہ اس کی دوا (بھی) نازل کی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے لوگو! دوا استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر یہ کہ اس کی شفاء (بھی) نازل کی ہے...

دواء و علاج کرنا واجب کفائی ہے اور علم طب کی طرف مسلمانوں میں بہت کم افراد متوجہ ہوتے ہیں اور کئی ایسے شہر و دیہات ہیں جن میں کوئی مسلمان طبیب نہیں ــــ وہاں طبیب ہے بھی تو وہ غیر مسلم اہل ذمہ میں سے ہوتا ہے۔ طبیب وہ ہے جو بدن کی ترکیب، اعضاء کے جوڑ بند اور ان میں پیدا ہونے والے امراض کے اسباب، علامات اور مفید دواؤں کو جانتا ہو، اگر ان دواؤں میں کوئی سی نہ مل سکے تو اس کے بدل میں استعمال ہونے والی دواء سے واقف ہو، پس جو شخص ایسا نہ ہو اور یہ قابلیت نہ رکھتا ہو وہ لوگوں کے علاج میں دخیل نہ ہو...

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جو طبیب ہونے کا دعویٰ کرے جبکہ اس سے پہلے اس کے بارے میں کسی کو طب و معالجہ کا علم نہ ہو تو وہ اپنی کسی بھی غلطی کی تلافی کا ذمہ دار ہے۔

ضروری ہے کہ طبیب و حکیم اپنے فن میں مقدم و ماہر ہوں اور حکایت کی گئی ہے کہ یونان کے بادشاہ ہر شہر میں ایک معالج مقرر کرتے تھے جو علم و حکمت میں شہرت رکھتا ہو، پھر اس شہر کے تمام اطباء اس کے سامنے پیش ہوتے اور وہ ان کی آزمائش و امتحان کرتا، پس جسے علم میں ناقص پاتا تو اسے علم طب کے حصول پر مامور کرتا اور علاج سے روک دیتا...

محتسب کو چاہئے کہ وہ حکیموں اور ڈاکٹروں سے وہ عہد و پیمان لے جو بقراط نے دوسرے طبیبوں سے لیا تھا، وہ انہیں قسم دلائے کہ کسی کو ہرگز مضر دواء نہیں دیں گے، نہ کسی دوا میں زہر ملائیں گے اور نہ عوام میں سے کسی کو زہریلی چیز دیں گے، نہ عورتوں کو ایسی چیز کی خبر دیں گے جس سے حمل ساقط ہوتا ہے اور نہ مردوں کو ایسی دواء بتائیں گے جس سے نسل منقطع ہو جائے، نیز یہ کہ جب مریضوں کے ہاں جائیں تو مستورات کی طرف سے اپنی نظریں ہٹائے رکھیں، کسی کا راز فاش نہ کریں اور کسی کی پردہ دری نہ کریں ــــ وہ کسی ایسی چیز کی طرف مائل نہ ہوں جو ان کے لئے نامناسب اور بری سمجھی جائے۔ (۱۹۵)

میں کہتا ہوں ــــ اس سلسلے میں حکیم، ڈاکٹر اور جراح و سرجن کی اجرت اور فیس بڑا اہم امر ہے، ان پر لازم ہے کہ اس میں ہر ایک سے عدل و انصاف کریں اور خصوصاً مفلس لوگوں کے علاج میں بقدر کفایت اجرت لیں اور اپنے فن شریف کو دیگر تجارتی چیزوں کے ساتھ نہ ملائیں۔ محتسب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اطباء کے علاج و دواء کے کاموں پر نظر رکھے اور وعظ و نصیحت اور تخویف کے ذریعے انہیں لوگوں پر ظلم و زیادتی سے روکے۔

۴۵۔ چھیالیسویں باب میں بچوں کے معلم و ادیب افراد کے حسبہ و نگرانی کا ذکر کیا اور کہا ہے:

انسان کو معلم بننا چاہئے کہ یہ سب سے افضل ذریعہ معاش ہے کیونکہ حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو خود قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور پھر دوسروں کو اس کی تعلیم دے"۔ ایک اور حدیث میں ہے "زمین پر چلنے والوں میں سے بہترین افراد وہ معلم و استاد ہیں کہ جب دین فراموش کیا جانے لگے تو وہ اسے پھر سے زندہ کریں"

اس صورت میں معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک کردار، صاحب عفت اور امانتدار ہو ــــــ وہ قرآن پاک کا حافظ اور محافظ ہو، اس کی تحریر خوش نما ہو، علم حساب سے واقف ہو اور بہتر یہ ہے کہ وہ شادی شدہ ہو اور اس کام میں کنوارے اور بے زوجہ کے شخص کو داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے مگر یہ کہ وہ بہت بوڑھا آدمی ہو، دینداری اور نیکوکاری میں شہرت رکھتا ہو ــــــ تاہم اسے اذن تعلیم دینے کے لئے اس کی اہلیت کا ثبوت حاصل کیا جائے۔ معلم چھوٹے بچوں کے ساتھ نرمی برتے اور حروف ابجد کے بعد قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتوں کی تعلیم دے۔ (۱۹۶)

۳۶۔ سینتالیسویں باب میں مساجد کے خدمت گزاروں، اذان دینے والوں اور نگرانوں کے حسبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

لازم ہے کہ محتسب جامع مسجد اور دیگر مساجد کے منتظمین و خدام پر نگرانی رکھے اور انہیں حکم دے کہ وہ ان میں ہر روز جھاڑو دیں اور کوڑا کرکٹ نکال کر انہیں صاف رکھیں، چٹائیوں کو صاف کریں، قندیلوں کو دھوئیں اور دیواروں کو جھاڑیں پونچھیں، نماز کے اختتام پر دروازے بند کریں اور انہیں دیوانے افراد اور بچوں کی دستبرد سے محفوظ رکھیں۔ نیز وہ ایسے لوگوں کو وہاں نہ آنے دیں جو وہاں کھانا کھائیں، سوئیں یا وہاں بیٹھ کر کوئی چیز بنائیں یا کوئی چیز فروخت کریں یا گمشدہ چیز کا اعلان کریں یا وہاں بیٹھ کر مادی نفع و نقصان کی باتیں کریں ــــــ یہ وہ امور ہیں جن کو مساجد میں انجام دینے سے شریعت نے منع کیا ہے، اس کے علاوہ محتسب کو چاہئے کہ وہ مسجد کے قریب رہنے والوں کو نماز جماعت کی پابندی کرنے پر آمادہ کرے کہ وہ اذان سننے کے بعد دینی تعلیمات کے اظہار اور شعائر اسلامی کو زندہ رکھنے کے لئے مسجد میں آئیں جیسا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "مسجد کے ہمسائے کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں"۔

مسجد کے امام و پیش نماز کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرد، عاقل، قاری اور فقیہ ہو، وہ الفاظ کو کرختگی اور ہلکے پن کے بغیر ٹھیک ٹھیک ادا کرے ...

جمعہ کی اذان کے بعد لوگوں کی گردنوں پر سے پھاند کر گزرنے والوں اور آگے جا کر بیٹھنے والوں کو روکنا محتسب کا فرض ہے، کیونکہ اس سے صفوں میں پہلے سے بیٹھے ہوئے نمازیوں کو اذیت پہنچتی ہے، جامع مسجد اور دیگر مساجد کے جو پیش نماز لمبی سورتیں پڑھ کر نماز کو اتنا طول دیتے ہوں کہ جس سے بوڑھے اور کمزور عاجز ہوں اور کاروبار والے لوگ اپنے کاموں سے رہ جاتے ہوں تو محتسب ایسے ائمہ مساجد کو ایسا کرنے سے روکے جیسا کہ حضرت رسولؐ نے معاذ کو اس سے منع فرمایا جبکہ اس نے اپنے لوگوں میں نماز کو طول دیا تھا ــــــ آپ نے فرمایا: "اے معاذ! کیا تم لوگوں کو آزمائش اور اذیت میں ڈالتے ہو؟"

اذان کے متعلق کہا ہے کہ گلدستہ اذان پر جا کر وہ شخص اذان دے جو ثقہ، امین اور اوقات نماز کی پہچان کر سکتا ہو کیونکہ حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے کہ "مؤذن امین اور ائمہ ضامن ہیں پس خدا ائمہ کو ہدایت دے اور مؤذنوں کو بخشے"۔

محتسب کو چاہیئے کہ وہ مؤذنوں کی آزمائش کرے کہ آیا وہ اوقات نماز کی پہچان رکھتے ہیں یا نہیں؟ ان میں سے جو اوقات کی معرفت نہ رکھتا ہو اس کو اذان دینے سے روک دے یہاں تک کہ وہ ان کی پہچان کے قابل ہو جائے ... پس مؤذن پر واجب ہے کہ وقت کی پہچان کرنے کی قابلیت پیدا کرے اور کتب فقہ میں سے اذان و اقامت کا باب سمجھ کر پڑھے۔

اذان کہنے والے کا خوش الحان ہونا مستحب ہے لیکن محتسب اسے اذان میں راگ رنگ داخل کرنے سے روکے نیز فصول اذان کو طول دینے اور ان میں طرب کا پہلو پیدا کرنے سے منع کرے، اسے حکم دے کہ جب گلدستہ اذان پر چڑھے تو لوگوں کے گھروں کی طرف سے آنکھیں بند کرلے اور اس سے ایسا کرنے کا عہد و پیمان لے، یہ پابندی بھی لگائے کہ مؤذن کے علاوہ کوئی اور گلدستہ اذان پر نہ چڑھے...

محتسب مسجد کے منتظمین کو حکم دے کہ وہ جمعہ کے دن دروازوں پر کھڑے ہوں اور فقراء کو وہاں جمع ہو کر مانگنے تانگنے سے منع کریں کیونکہ ان کے اندر آ جانے سے لوگ ذکر و عبادت کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکتے اور اس طرح انہیں اذیت ہوتی ہے۔ فقراء وغیرہ اور خاص کر وہ افراد نمازیوں کو پریشان کرتے ہیں کہ جو وہاں ایسے اخبار و واقعات بیان کرتے ہیں جن کے لئے اسلام میں کوئی دلیل و برہان نہیں ہے۔ (۱۹۷)

۴۷۔ اڑتالیسویں باب میں واعظوں کے حسبہ کی طرف توجہ دیتے ہوئے کہا ہے:

محتسب پر واجب ہے کہ وعظ و نصیحت کرنے والوں کے معاملے پر گہری نظر رکھے اور کسی شخص کو اس کام کا موقع نہ دے مگر اسے کہ جو دین و دیانت اور خیر، فضیلت میں مشہور ہو نیز یہ کہ وہ قرآن و سنت اور فقہ و ادب کا عالم ہو اور صالحین و متقدمین کے اخبار و حکایات کا جاننے والا ہو، محتسب ان باتوں میں اس شخص کا امتحان لے، اگر وہ ان علوم و فنون سے متعلق سوالات کا جواب دے سکے تو بہتر ورنہ اسے وعظ کہنے سے روک دے، جیسا کہ امام علی مرتضیٰؑ نے حسن بصری کی آزمائش کی جب وہ لوگوں میں گفتگو کر رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: دین کا ستون کیا ہے؟ اس نے کہا: ورع و پرہیزگاری! آپ نے دریافت کیا: دین کی آفت و مصیبت کیا ہے؟ اس نے کہا: حرص و طمع! پس فرمایا: ہاں اب چاہو تو بات کرو... چنانچہ جو شخص ان باتوں کو نہ جانتا ہو اور ان سے جاہل ہو تو اسے وعظ کرنے سے روک دے اور اگر وہ نہ رکے تو اسے تعزیر لگائے۔

ایک ایسا شخص جو وعظ و کلام میں سے کچھ جانتا ہو اور اس نے بعض احادیث اور صالحین کے کچھ اخبار یاد کر رکھے ہوں، وہ وعظ کے ذریعے اپنی روزی میں امانت کا طالب ہو تو اس کے لئے یہ عمل مباح ہے بشرطیکہ منبر پر نہ جائے اور اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر گفتگو کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ منبر پر جانا ایک خاص حیثیت رکھتا ہے اور اس پر جانے کی لیاقت نہیں رکھتا مگر وہ جو ان اوصاف کا حامل ہو جن کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔ منبر کے علو و بلندی کے لئے یہی کافی ہے کہ نبی کریمؐ اور آپ کے بعد خلفاء و ائمہ اس کو زینت دیتے تھے پس منبر پر جانے کا موقع کسی کو نہ دیا جائے مگر اس کو جو دین و دیانت اور خیر و صلاح کے ساتھ مشہور ہو جیسا کہ گزر چکا ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وعظ کی مہارت رکھتا ہو، اس میں کوشاں رہتا ہو، اس میں زیادہ فعال ہو اور زیادہ بول سکتا ہو...

اگر واعظ نوجوان ہو جو لباس وغیرہ میں، عورتوں کے لئے زیبائش کرتا ہو، زیادہ اشعار پڑھتا اور اشارات و حرکات کرتا ہو

جبکہ اس مجلس میں عورتیں بھی ہوں تو اس کا یہ عمل ناجائز ہے اور اس کو منع کرنا اور روکنا واجب ہے، اس کے وعظ سے نیکی و خوبی کی نسبت فساد و خرابی زیادہ ہے اور یہ امر اس کے احوال و قرائن سے واضح ہو گا۔ لہٰذا وعظ و نصیحت کا فریضہ کسی کے سپرد نہیں کرنا چاہئے مگر وہ جس کا ظاہر ورع و اجتہاد، اس کی ہیئت میں وقار و سکون اور اس کی صورت نیک و صالح افراد جیسی ہو ورنہ وہ لوگوں میں گمراہی کے پھیلنے کا باعث بنے گا ___ نیز اس ضمن میں واجب ہے کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان پردہ لٹکا دیا جائے تاکہ ان پر کسی کی نظر نہ پڑے کیونکہ یہ فساد و خرابی کا موجب بھی بن سکتا ہے۔ (۱۹۸)

۳۸۔ انچاسویں باب میں نجومیوں اور عاملوں کے حسبہ کے بارے میں کہا ہے:

جہاں تک نجومیوں کا تعلق ہے تو ایسی بہت سی احادیث آئی ہیں جو علم نجوم میں مشغول ہونے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو اٹکل سے باتیں بنانے والے نجومی کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے کفر کیا ہے ہر اس چیز سے جو خدا نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر نازل کی ہے... اس بناء پر نجومیوں کا مواخذہ کیا جائے اور اسی طرح عاملوں اور تعویذ لکھنے والوں پر بھی گرفت کی جائے کہ وہ گھر کے دروازے، گلی کوچے اور دکان کے اندر نہ بیٹھیں بلکہ شارع عام پر ڈیرا لگائیں کیونکہ عام طور پر ان کے پاس عورتیں آتی ہیں، محتسب ان کو ایک جگہ جمع کر کے ان سے اس بات کا حلف لے کہ وہ کسی کو جذباتی محبت میں مبتلا کرنے، کسی کو شل کر دینے اور کسی کی زبان بندی یا کسی کو ہلاک کرنے کے ہرگز نقش و تعویذ نہیں دیں گے کیونکہ کسی پر سحر و جادو کرنا حرام ہے، جب ان میں سے کسی کو ایسا کرتے دیکھے تو وہ اسے تعزیر لگائے اور دوسرے لوگ بھی اس سے کنارہ کشی کریں۔ (۱۹۹)

۳۹۔ مذکورہ کتاب کے پچاسویں باب میں شرعی حدود و تعزیرات کا تذکرہ ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ کن کن امور میں حد واجب ہے اور کن میں تعزیر و تادیب ہے، پھر حدود و تعزیرات کی کیفیت اور ان کے اجراء کا ذریعہ کہ جس میں قید و جرمانہ کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ (۲۰۰)

چونکہ ان میں سے بعض کا بیان عنقریب تعزیرات کی فصل میں ہو گا اس لئے یہاں ہم ان کا تذکرہ نہیں کریں گے۔

اس باب میں کہا ہے:

محتسب کسی انسان یا حیوان کو خصی کرنے سے روکے گا اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کی تادیب کرے گا، اس سلسلے میں اگر کبھی قصاص و دیت کا موقع آئے تو وہ اس پر عمل کرے گا مگر یہ کہ اس میں کوئی تخاصم اور تنازع نہ ہو...

محتسب آلات لہو و لعب کی خرید و فروخت اور ان کے استعمال کی ممانعت کرے گا اور ایسا کرنے والوں کی سخت تادیب کرے گا، اسی طرح مانگنے والوں اور قرآن پڑھ کر بازار میں گداگری کرنے والوں کو روکے گا کیونکہ شریعت میں اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ (۲۰۱)

۴۰۔ باب ۵۱ میں قاضیوں اور گواہوں کا ذکر کیا اور اس میں قضاوت کے معنی، اس بارے میں وارد آیات و روایات، نبی کریمؐ اور خلفاء کا اس پر متوجہ ہونا، قاضی و گواہ کے شرائط، قضاوت کے آداب اور بعض محرمات شرعی کا بیان ہے، ہم زیر نظر کتاب میں اس باب کی چوتھی فصل میں ادارۂ عدلیہ میں قضاوت کے بارے میں مفصل بحث کر آئے ہیں لہٰذا یہاں ان کا اعادہ

نہیں کریں گے۔

اس باب میں کہا ہے:

محتسب دیکھے کہ کوئی شخص مجلس قضاوت میں بے وقوفی کی باتیں کرتا ہے یا حاکم کے فیصلے پر طعن و تشنیع کرتا ہے یا اس فیصلے کی اطاعت نہیں کرتا تو وہ اسے تعزیر لگائے گا۔ اگر وہ دیکھے کہ قاضی کسی شخص پر غصہ کر رہا ہے اور اسے سخت سست کہہ رہا ہے یا گفتگو میں اس سے بغض و کینہ ظاہر کر رہا ہے تو وہ اسے وعظ و نصیحت کے ساتھ خدا کا خوف دلائے گا اور ایسا کرنے سے روکے گا کیونکہ قاضی حالت غضب میں فیصلہ نہیں دے سکتا، نہ ہی ناروا گفتگو کر سکتا ہے اور نہ اسے سخت مزاج ہونا چاہئے، علاوہ ازیں اگر قاضی کے قریب رہنے والے ملازمین اور غلاموں میں کوئی خوبصورت نوجوان ہو تو وہ اسے عورتوں کو حاضر کرنے کے لئے ان کی طرف نہ بھیجے۔ (۲۰۲)

۴۱۔ باب ۵۲ میں امراء و حکام کے حسبہ کا ذکر کیا اور کہا ہے:

محتسب کے لئے ضروری ہے کہ وہ امیروں، حاکموں اور والیوں کے درباروں میں جائے اور انہیں لوگوں پر شفقت کرنے اور ان سے نیک سلوک کرنے کا حکم دے، ان سے وہ حدیثیں بیان کرے جو حضرت رسولؐ سے وارد ہوئی ہیں جیسے آپ نے فرمایا: ”جو شخص مسلمانوں کا امیر اور والی و حاکم بنے لیکن ان کے معاملات کو سدھارنے کے لئے خلوص نیت کے ساتھ پوری کوشش نہ کرے تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا“ ـــــ ایک روایت میں ہے کہ ”وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکتا“۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: ”جو شخص دس افراد کا امیر بھی بنایا گیا ہو، وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن میں بندھا ہو گا، یہاں تک کہ اس کا عمل اسے کھلوائے گا یا بندھا ہی رہنے دے گا“۔

خلیفہ عمر بن خطاب رات کو اپنے پہرے داروں کے ساتھ گشت کرتے اور جہاں کوئی خرابی دیکھتے اس کا تدارک کرتے تھے، وہ کہا کرتے کہ اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی بھوکی مر گئی تو مجھے خوف ہے کہ قیامت میں اس کی بابت مجھ سے سوال کیا جائے گا...

مکحول دمشقی نے کہا: قیامت کے روز ایک منادی پکارے گا ـــــ کہاں ہیں ظالم و جائر حاکم اور ان کے مدد گار؟ پس ان میں سے کوئی نہیں بچے گا یہاں تک کہ جس نے ان کے لئے قلم بنایا ہو یا ان کی دوات میں روشنائی ڈالی، پس ان میں سے ہر ایک وہاں حاضر کیا جائے گا اور پھر سب کو ایک آتشی تابوت میں بند کر کے جہنم کے شعلوں میں پھینک دیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسی جگہ نہیں کھڑا ہو گا جہاں کسی مظلوم پر سختی کی جا رہی ہو مگر یہ کہ جو وہاں حاضر تھا اس پر لعنت کی گئی ہے، اس لئے کہ اس نے مظلوم کا دفاع نہیں کیا۔

ولایت و حکومت ایک عظیم ذمہ داری ہے اور اس میں بڑا خطرہ اور سخت مصیبت ہے، والی صحیح اور کامیاب نہیں رہ سکتا مگر یہ کہ وہ عالم و فاضل افراد اور نیک و صالح بزرگوں سے تعلق رکھے جو اسے طریق عدل سے باخبر کریں اور ولایت و حکومت کی دشواری کو اس کے لئے آسان بنائیں، والی و حاکم کے اہم اوصاف میں سے عدل و انصاف ہے جو عوام و خواص کے دلوں میں گھر کر سکتا ہے، وہ اپنے خاص آدمیوں اور قریبی ساتھیوں کو ہر وقت زیر نظر رکھے اور انہیں واجبات ادا کرنے والوں سے

مقررہ رقم یا مقدار سے زیادہ وصول کرنے سے روکے...

وہ اپنے قول وکلمات سے ظلم کو روکنے میں نرم گوئی اور خوش خوئی سے کام لے، وہ سخت مزاج اور تلخ کلام نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. (اے رسولؐ) اگر تم سخت دل اور سخت مزاج ہوتے تو لوگ تمہارے گردو پیش سے دور ہٹ جاتے۔ (۲۰۳)

۴۲۔ باب ۵۳ میں ان امور کا بیان ہے جن کا بجالانا خود محتسب پر واجب ہے، ہم اس کا خلاصہ مع اس بیان کے ماحصل کے ذکر کریں گے جو مئولف نے باب اول میں آداب حسبہ کے ضمن میں درج کیا ہے، رہے وہ امور جو محتسب پر واجب ہیں یا جنہیں خود اسی کو بجالانا چاہئے وہ اس فصل کے آخر میں بیان ہوں گے، انتظار کریں۔

۴۳۔ باب ۵۴ میں ملاحوں اور دوسری سواریوں کے مالکوں کے حسبہ و نگرانی کا تذکرہ کیا اور کہا ہے:

محتسب ملاحوں اور دوسری سواریوں کے مالکوں کو پابند کرے کہ وہ ان پر حد سے زیادہ بوجھ نہ لادیں کہ جس کے باعث وہ ڈوب جائیں، نیز آندھی اور جھکڑ میں انہیں سواریوں کو حرکت میں لانے اور چلانے سے روکے اور جب سواریوں پر مرد عورتیں اکٹھے ہوں تو ان کے درمیان پردہ لٹکانے کا حکم دے۔ (۲۰۴)

میں کہتا ہوں ــــــ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اہم امر ہے کہ جس کا اہتمام بسوں، ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں میں بھی ہونا چاہئے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

۴۴۔ باب ۴۳ میں حماموں کے حسبہ کے بعد بیری کے پتے اور بیر بیچنے والوں کی نگرانی کے متعلق بات کی ہے۔ (۲۰۵)

باب ۵۵ سے باب ۷۰ تک مختلف امور کے حسبہ کا ذکر ہوا ہے، باب ۵۵ میں مٹی کے برتن اور نمدے بیچنے والوں، باب ۵۶ میں مٹی کے برتن بنانے والوں، باب ۵۷ میں سوئیاں اور لوہے کی چیزیں بنانے والوں، باب ۵۸ میں تکلے اور نیزے بنانے والوں، باب ۵۹ میں تیر و کمان بنانے والوں، باب ۶۰ میں کنگھیاں بنانے اور بیچنے والوں، باب ۶۱ میں شیرہ اور تیل بیچنے والوں، باب ۶۲ میں چھلنی بنانے والوں، باب ۶۳ میں چمڑا رنگنے اور پکانے والوں، باب ۶۴ میں توبرے اور تھیلے بنانے والوں، باب ۶۵ میں پوستین بنانے والوں، باب ۶۶ میں چٹائیاں اور فرش بنانے والوں، باب ۶۷ میں بھوسہ و چارہ بیچنے والوں، باب ۶۸ میں لکڑی و ایندھن بیچنے والوں، باب ۶۹ میں آرے والوں، ترکھانوں اور عمارتیں بنانے والوں، مالش کرنے والوں، انڈے مرغی بیچنے والوں، درندے بیچنے والوں اور مچھلی بیچنے والوں، باب ۷۰ میں چاول بیچنے والوں، پنکھے بنانے والوں، جھاڑو بیچنے والوں، گوند اور بروزہ بیچنے والوں، پانی بھرنے والوں، کپڑے دھوئے والوں اور مرغوں اور مینڈھوں کو لڑانے والوں کے حسبہ و نگرانی کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ (۲۰۶)

جو شخص ان تمام امور میں محتسب کی ذمہ داریوں کو جاننا چاہے تو وہ مذکورہ کتاب کی طرف رجعہ کرے، ان سب میں حکم ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ محتسب ان تمام اعمال وافعال اور پیشوں میں استعمال ہونے والے آلات، مال و مواد، کام کرنے کے مقامات، اجرت و مزدوری کی مقدار اور کام کرنے والے کی مہارت وغیرہ پر نظر رکھے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو تعزیر

لگائے اور سزا دے۔

پس یہ وہ بیانات ہیں جو ہم نے ابن اخوہ کی کتاب سے نقل کئے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں یہ ذمہ داریاں مختلف وزارتوں اور اداروں میں تقسیم ہو چکی ہیں لیکن ان میں سے اکثر چیزوں کے نگران پولیس افسر ہوتے ہیں۔

ابن اخوہ نے جن امور کا ذکر کیا ہے ان میں اکثر ایسے ہیں جن پر کتاب و سنت کے عمومات سے استدلال کیا جا سکتا ہے اگرچہ بعض میں اشکال کی گنجائش ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں کثرت مشاغل کے باعث امور حسبہ کی زیادہ تحقیق نہیں کر سکتا، اس لئے میں نوجوان علماء و دانشور برادران سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس موضوع میں مزید کوشش کریں کیونکہ بہت سے مسلم ملکوں میں اس کی ضرورت ہے، لہٰذا وہ تحقیق و تلاش کر کے ان شعبوں اور عنوانوں کو موجودہ زمانے کے نظام پر منطبق کریں۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان مسائل نیز حکومت و سلطنت سے متعلقہ امور سے علماء اہل سنت ہی متعرض ہوئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ اور ان کے علماء مختلف ادوار میں حکومت سے الگ تھلگ رہے اور بہت کم مدت تک ان کا اس سے واسطہ پڑا ہے، تاہم اہل بیت اطہارؑ کی طرف سے ان مسائل پر دلالت کرنے والے اخبار و روایات بہت زیادہ ہیں اور ہر جستجو کرنے والا ان سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔

خاتمہ

معالم القربتہ کے پہلے اور ۵۳ ویں باب میں ابن اخوۃ نے محتسب کے آداب و شرائط بیان کئے ہیں اور وہ چیزیں جو اس پر واجب ہیں یا جو احتساب میں اس کے لئے ضروری ہیں، ہم انہیں فائدہ کی تکمیل کے لئے اس کتاب سے خلاصہ کے طور پر نقل کرتے ہیں۔

۱۔ باب ۱ میں کہا ہے:

محتسب پر واجب ہے کہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو اور اس کا قول اس کے فعل کے مخالف نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟" نیز نبی کریمؐ سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جس رات مجھے معراج پر لے جایا گیا، میں نے کچھ مرد دیکھے کہ جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے کہا اے جبرائیل! یہ کون ہیں، انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے لیکن اپنے آپ کو بھول جائیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ حضرت شعیبؑ کے بارے میں خبر دیتا ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے روکا تو کہا! "اور میں نہیں چاہتا کہ اس چیز میں تمہارے برخلاف چلوں کہ جس سے تمہیں منع کر رہا ہوں، میں نہیں چاہتا مگر اصلاح کہ جس کی استطاعت رکھتا ہوں"۔

محتسب کو ایسا نہیں ہونا چاہئے جیسے کہا گیا:

"اس عادت و حرکت سے منع نہ کرو کہ جس کو تم اختیار کئے ہوئے ہو، اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے بہت بڑا ننگ و عار ہے۔ (۲۰۸)

میں کہتا ہوں ـــــ وسائل میں صحیح سند کے ساتھ ابو عبداللہؑ سے مروی ہے:

"سب سے بڑی حسرت قیامت کے دن اس کے لئے ہو گی جو عدل و انصاف کی تعریف و توصیف کرتا تھا اور پھر اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دوسری طرف نکل جاتا تھا"۔ (۲۰۸۔الف)

قتیبہ الاعشی کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا:

"قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہو گا جو عدل و انصاف کی تعریف کرے اور پھر اس کا عمل اس کے بر خلاف ہو۔ (۲۰۹)

اللہ تعالیٰ کا قول ہے! "پس منہ کے بل پھینکے جائیں گے اس میں وہ اور گمراہ ہونے والے" ابو بصیر کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے اس قول خداوندی کے بارے میں فرمایا:

"اے ابو بصیر! وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زبان سے عدل و انصاف کی تعریف کی ہو پھر اس کے خلاف عمل کیا ہو۔ (۲۱۰) اسے یاد رکھیں۔

۲۔ ابن اخوہ نے کہا ہے:

محتسب پر واجب ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور خلوص نیت کے ساتھ اس کی رضا کا طالب ہو، وہ اپنے عمل میں دکھاوا نہ کرے اور نہ اس میں کسی سے نزاع و جھگڑا کرے، وہ اپنی اس ریاست و سرداری میں لوگوں پر فخر جتانے اور ان سے مقابلہ کرنے سے پرہیز کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ اس پر قبولیت کا سایہ کر دے اور توفیق کا علم لہرا دے، دلوں میں اس کی ہیبت و جلالت، خوشی و رضاء اور اس کے قول کو سننے اور عمل کرنے کا جذبہ پیدا کر دے۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا: جو مخلوق کو ناراض کر کے خدا کو راضی رکھے تو وہ اسے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا اور جو خدا کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرے تو خدا اس کو انہیں کے سپرد کر دے گا، جو اپنے اور اپنے خدا کے درمیان اچھا معاملہ کرے تو خدا اس کے اور لوگوں کے درمیان بہتر صورت بنا دے گا، جو اپنے باطن کی اصلاح کرے تو خدا اس کے ظاہر کو سنوار دے گا اور جو آخرت کے لئے عمل کرے، خدا امور دنیا میں اس کی کفایت کرے گا۔ (۲۱۱)

۳۔ محتسب کو چاہئے کہ مونچھیں کاٹنے، بغلوں کے بال صاف کرنے، زیر ناف بال مونڈنے، ناخن کاٹنے، کپڑوں کو صاف رکھنے، کستوری وغیرہ کی خوشبو لگانے میں حضرت رسولؐ کے طریقوں پر کاربند رہے، یہ ساری باتیں مقررہ فرائض و سنن کے ساتھ ساتھ اس کا معمول ہونا چاہئیں۔ (۲۱۲)

۴۔ محتسب کی شرائط میں سے ہے کہ وہ لوگوں کے اموال کی نسبت بے لوث ہو، وہ معاش کے لئے کوشش کرنے والوں اور ارباب صنعت و حرفت سے ہدیہ قبول کرنے سے پرہیز کرتا ہو کیونکہ یہ رشوت ہے، حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ خدا رشوت دینے اور لینے والے ہر دو پر لعنت کرتا ہے، اس میں دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا باکردار ہونا اس کی عزت اور ہیبت کو

بڑھاتا ہے۔ (۲۱۳)

۵۔ محتسب کے آداب میں لوگوں سے تعلقات کو محدود رکھنا ہے ــــ کسی شیخ و بزرگ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک بلی پال رکھی تھی جس کے لئے قصاب سے روزانہ چھیچھڑے لیتے تھے۔ ایک روز انہوں نے قصاب سے کوئی ناروا فعل دیکھا تو گھر آکر بلی کو نکال دیا اور پھر قصاب سے باز پرس کی، وہ کہنے لگا. اگر یہ بات ہے تو آئندہ آپ کی بلی کے لئے میں کچھ نہیں دوں گا۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں نے بلی کو گھر سے نکالنے اور تجھ سے اپنی غرض کو قطع کرنے کے بعد ہی تمہارا احتساب کیا ہے۔

جن شرائط اور آداب کا وہ خود پابند ہے، اپنے غلاموں اور عملے کے لوگوں کو بھی ان پر کاربند رہنے کی تاکید کرتا رہے کیونکہ محتسب پر اکثر تہمتیں انہی لوگوں کی وجہ سے لگائی جاتی ہیں۔ (۲۱۴)

۶۔ محتسب کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ملائمت اور ہمدردی کی صفات کے علاوہ کشادہ روئی پائی جائے اور وہ امرونہی کرتے وقت اخلاق و آداب کا لحاظ رکھتا ہو کیونکہ یہ طریقہ لوگوں کے دلوں کو کھینچنے اور مقصد حسبہ کے حصول کے لئے زیادہ مفید ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے فرمایا۔ "خدا کی رحمت کے سبب سے تم ان لوگوں کے لئے نرم اور مہربان ہو گئے ہو، اگر تم سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چلے جاتے"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی غلطی پر ٹوکنے میں شدت کرنا بعض اوقات اس پر جمے رہنے پر ابھارتا ہے اور وعظ و نصیحت میں تلخ نوائی سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ حکایت کی گئی ہے کہ ایک شخص خلیفہ مامون عباسی کے دربار میں آیا اور اس کو بڑے تند و تیز لہجے میں وعظ و نصیحت کرنے لگا، مامون نے کہا. اے فلاں! اللہ تعالیٰ نے اسے جو تجھ سے بہتر تھا اس کی طرف بھیجا جو مجھ سے برا تھا، پس موسیٰؑ وہارونؑ سے کہا گیا: "پس تم دونوں اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شائد وہ نصیحت قبول کرے یا اس میں خوف پیدا ہو جائے"۔ پھر اس امرونہی کرنے والے کی طرف سے منہ موڑ لیا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوا، سچ تو یہ ہے کہ انسان نرمی و رفق سے وہ چیز حاصل کر لیتا ہے جو سختی و تلخی سے نہیں پا سکتا ــــ جیسا کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ رفیق و مہربان ہے، وہ ہر نرم دل والے کو پسند کرتا ہے اور نرمی برتنے پر وہ چیز بخش دیتا ہے جو سختی کرنے پر نہیں دیتا"۔ (۲۱۵)

میں کہتا ہوں ــــ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "امر بہ معروف و نہی از منکر صرف وہی شخص کرے جس میں تین صفات موجود ہوں ــــ جس چیز کا حکم دے رہا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہو، جس چیز سے منع کر رہا ہے اس سے خود بھی بچتا ہو، حکم کرنے میں عادل ہو یعنی کسی چیز کا امر کرنے اور نہی کرنے میں عادل ہو کہ امرونہی میں نرمی و ملائمت سے کام لے۔ (۲۱۶)

۷۔ معالم القربتہ کے باب ۵۳ میں کہا ہے۔

محتسب کو چاہئے کہ بازاروں پر خاص توجہ رکھے اور سوار ہو کر ان میں گشت لگاتا رہے، خرید و فروخت کرنے والوں پر نظر رکھے، دکانوں اور راستوں میں کوئی رکاوٹ نہ آنے دے، ناپ تول کے پیمانوں کی جانچ پڑتال کرے، کھانے پینے کی چیزوں

میں ملاوٹ کرنے والوں پر کڑی نگاہ رکھے نیز یہ کام دکانداروں کے علم واطلاع کے بغیر اچانک بھی کیا کرے، جن دکانوں پر دن کو چھاپہ نہیں مار سکتا ان کو رات کے وقت سربہ مہر کرے ـــــ ایسے وقت میں اس کے ساتھ ایک ثقہ وامین شخص ہونا چاہئے کہ جس کی بات پر اعتماد کیا جاسکے۔ اس کے باوجود کسی کے کہے سنے پر تکیہ نہ کرے مگر وہ کہ جسے خود دیکھے اور پھر کاروائی کرے، تاہم چھاپہ مارنے کے کام میں کبھی ڈھیل نہ کرے۔ کہا گیا ہے کہ علی بن عیسیٰ جو ایک وزیر تھا، اس نے بغداد کے محتسب کو لکھا جو زیادہ تر اپنے گھر میں بیٹھا رہتا تھا۔ حسبہ ونگرانی کے کام میں چھپ کے بیٹھے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، پس بازاروں میں گشت لگایا کرو تاکہ تمہاری روزی تمہارے لئے حلال ہو جائے، بخدا کہ اگر تم دن کو اپنے گھر میں پڑے رہا کرو گے تو میں تمہارے گھر کو آگ لگا کر تم پر گرادوں گا۔ (۲۱۷)

۸۔ محتسب پر لازم ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق اپنے قاصد، ملازم اور مددگار بنائے رکھے، وہ کہیں بیٹھا ہو یا سوار ہو کر چل پھر رہا ہو ـــــ یہ لوگ اس کے ساتھ ساتھ رہیں، اس لئے کہ یہ طریقہ اس کے احترام اور اس کی ہیبت کو بڑھانے اور قائم رکھنے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اپنے ان ساتھیوں اور ملازموں کے ذریعے وہ قرضوں کی وصولی میں لوگوں کی مدد کر سکتا ہے اور ان کا حق انہیں دلا سکتا ہے، اس کے ان معاونوں میں خوش کرداری، سیرچشمی اور جرأت وہمت ہونا ضروری ہے، وہ انہیں ادب وتہذیب سکھائے اور سمجھائے کہ وہ اس کے سامنے کس طرح اٹھیں بیٹھیں، قرضہ، تاوان ادا کرنے والوں کو کس طرح پکڑیں اور مقدمے کے جس فریق کو طلب کیا جائے اسے نہ بتائیں کہ اس کو کیوں بلایا گیا ہے تاکہ وہ کوئی بہانہ نہ گھڑ سکے ـــــ پس جس کو وہ طلب کرے اسے اسی حالت میں حاضر کریں جیسا کہ اسے پکڑا گیا... محتسب کے قاصدوں اور پیادوں میں کوئی کسی کو بلانے یا ڈھونڈنے نہ جائے مگر یہ کہ اسے یہ حکم دیا جائے، جب کسی کی طرف جائے تو پکے ارادے اور بلند ہمت کے ساتھ پوری سرعت وتیزی کے ساتھ کام کرے، اس سے وہ شخص خائف ہوگا اور گناہ وبرائی سے باز رہے گا۔ (۲۱۸)

باب ۶ فصل ۵

حواشی

(۱) نہج البلاغہ. فیض / ۱۲۶۳. عبدہ ۳ / ۲۴۳. لح ۵۴۲. حکمت ۳۷۴ (۲) النہایہ ۲۹۹ (۳) الشرائع ۱ ۳۴۱۔ ۳۴۳ (۴) المختلف ۱/ ۳۳۹ (۵) الوسائل ۱۱ / ۴۰۳. الباب ۳ من ابواب الامروالنہی. حدیث ۱ (۶) الوسائل ۱۱ ۴۰۴. الباب ۳ من ابواب الامروالنہی. حدیث ۲ (۷) الوسائل ۱۱ / ۴۰۵. الباب ۳ من ابواب الامروالنہی. حدیث ۸ (۸) الوسائل ۱۱/ ۴۰۶. الباب ۳ من ابواب الامروالنہی. حدیث ۹ (۹) الوسائل ۱۱ / ۴۰۷. الباب ۳ من ابواب الامروالنہی. حدیث ۱۲ (۱۰) الوسائل ۱۸/ ۳۳۸. الباب ۲۸ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۱ (۱۱) الوسائل ۱ ۷. الباب ۱ من ابواب مقدمتہ العبادات. حدیث ۲/ (۱۲) الاقتصاد / ۱۴۷. فصل فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (۱۳)

الشرائع ۱/ ۳۴۱ (۱۴) الجواہر ۲۱/ ۳۵۹ (۱۵) المختلف ۱/ ۳۳۸ (۱۶) کفایۃ الاصول ۱/ ۲۲۸ (۱۷) کفایۃ الاصول ۱/ ۱۱۲ (۱۸) نہایۃ الاصول ۱/ ۲۱۰. ۲۱۱ (۱۹) سورۂ توبہ۔ آیت ۷۱ (۲۰) سورۂ توبہ۔ آیت ۱۱۲ (۲۱) سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۱ (۲۲) مجمع البیان ۱/ ۴۸۶ (الجزء ۲) الدر المنثور ۲/ ۶۴. فی المجمع طعبۃ صیدا۔ سنہ ۱۳۳۳ "انتم زینتم ستین امۃ" بدل "انتم وفیتم سبعین امۃ" (۲۳) الدر المنثور ۲/ ۶۴ (۲۴) سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۰۴ (۲۵) سورۂ حج۔ آیت ۴۱ (۲۶) سورۂ اعراف۔ آیت ۱۵۷ (۲۷) الوسائل ۱۱/ ۴۰۰. الباب ۲ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱. الکافی ۵/ ۵۹ باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر. حدیث ۱۶ (۲۸) نہج البلاغہ. فیض ۱۲۶۲. عبدہ ۳/ ۲۴۳. لح ۵۴۱. حکمت ۳۷۴ (۲۹) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۲۶۳. عبدہ ۳/ ۲۴۳. لح/ ۵۴۲. حکمت ۳۷۴ (۳۰) تہذیب الاحکام ۶/ ۱۸۰. باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر. حدیث ۲۱. فروع الکافی ۵/ ۵۵ باب الامر بالمعروف والنہی عن امنکر. حدیث ۱. الوسائل ۱۱/ ۳۹۴. ۴۰۲. ۴۰۳ الباب ۱. ۲ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۶ والباب ۳ منہا. حدیث ۱ (۳۱) الوسائل ۱۱/ ۳۹۸. الباب ۱ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱۸ (۳۲) نہج البلاغہ. فیض/ ۹۷۸. عبدہ ۳/ ۸۶. لح/ ۴۲۲. مکتوب ۴۷ (۳۳) الوسائل ۱۱/ ۳۹۴. الباب ۱ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۴ (۳۴) الوسائل ۱۱/ ۳۹۴. الباب ۱ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۵ (۳۵) راجع الفصل السابع من الباب الرابع (۳۶) تحف العقول/ ۲۳۷ (۳۷) الوسائل ۱۱/ ۳۹۶. الباب ۱ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱۲ (۳۸) الوسائل ۱۱/ ۳۹۳. الباب ۱ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱ (۳۹) صحیح البخاری ۱/ ۱۶۰. کتاب الجمعہ باب الجمعہ فی القری والمدن (۴۰) الوسائل ۱۱/ ۴۰۷ الباب ۴ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱ (۴۱) الوسائل ۱۱/ ۴۰۸. الباب ۴ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۲ (۴۲) الوسائل ۱۱/ ۴۰۸. الباب ۴ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۳ (۴۳) مسند احمد ۴/ ۱۹۲ (۴۴) الوسائل ۱۱/ ۴۰۳. الباب ۳ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱ (۴۵) الوسائل ۱۱/ ۴۰۹. الباب ۵ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۲ (۴۶) الوسائل ۱۱/ ۴۱۱. الباب ۵ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۹ (۴۷) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۱۶۳. عبدہ ۳/ ۱۹۱. لح/ ۴۹۹. حکمت ۱۵۴ (۴۸) نہج البلاغہ. فیض ۶۵۰. عبدہ ۲/ ۲۰۷. لح/ ۳۱۹. خطبہ ۲۰۱ (۴۹) نہج البلاغہ. فیض ۵۵۶. عبدہ ۲/ ۱۰۴. لح/ ۲۴۷. خطبہ ۱۷۲ (۵۰) الوسائل ۱۱/ ۴۱۰. الباب ۵ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۶ (۵۱) الوسائل ۱۱/ ۴۱۰. الباب ۵ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۷ (۵۲) الوسائل ۱۱/ ۴۰۹. الباب ۵ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۴ (۵۳) الوسائل ۱۱/ ۴۱۰. الباب ۵ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۵ (۵۴) الوسائل ۱۱/ ۴۱۱. الباب ۵ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۸ (۵۵) الوسائل ۱۱/ ۴۱۱. الباب ۵ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱۰ (۵۶) الوسائل ۱/ ۳۶ وما بعدہا. الباب ۶ من ابواب مقدمۃ العبادات. حدیث ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۱۰ (۵۷) الجواہر ۲۱/ ۳۶۸ (۵۸) الوسائل ۱۱/ ۴۱۳. الباب ۶ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱ (۵۹) الوسائل ۱۱/ ۴۱۳. الباب ۶ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱ (۶۰) الوسائل ۱۱/ ۴۱۴. الباب ۷ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۲ (۶۱) الوسائل ۱۱/ ۴۱۵. الباب ۷ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۳ (۶۲) الوسائل ۱۱/ ۴۱۵ الباب ۷ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۴ (۶۳) الوسائل ۱۱/ ۴۱۵. الباب ۷ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۵ (۶۴) سورۂ مائدہ۔

آیت ۱۰۵ (۶۵) نہج البلاغہ . فیض / ۶۴۹ . عبدہ ۲ ۲۰۷ . لح ۳۱۹ . خطبہ ۲۰۱ (۶۶) مجمع البیان ۲ ۲۵۴ الجزء ۳ (۶۷)
الشرائع ۱ ۳۴۲ (۶۸) الارشاد للعلامۃ . المقصد الخامس فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر . المنتہی ۲ ۹۹۳ . التذکرہ ۱ ۴۵۸
(۶۹) المسالک ۱ / ۱۶۱ (۷۰) الجواہر ۲۱ / ۳۶۷ (۷۱) الوسائل ۱۱ / ۴۰۰ . الباب ۲ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۱
(۷۲) الوسائل ۱۱ ۴۰۰ . الباب ۲ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۲ (۷۳) الوسائل ۱۱ ۴۰۱ . الباب ۲ من ابواب
الامر والنہی . حدیث ۵ (۷۴) الوسائل ۱۱ / ۴۰۲ . الباب ۲ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۷ (۷۵) الوسائل ۱۱ ۴۱۵ .
الباب ۷ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۳ (۷۶) الوسائل ۱۱ / ۴۲۵ . الباب ۱۳ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۱ (۷۷)
المنتہی ۲ ۹۹۳ (۷۸) الشرائع ۱ / ۳۴۲ (۷۹) الجواہر ۲۱ / ۳۷۰ (۸۰) سورۂ حجرات ۔ آیت ۱۲ (۸۱) مجمع الفائدۃ .
المقصد الخامس فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (۸۲) الکافی ۲ / ۳۵۵ . کتاب الایمان والکفر . باب من طلب عثرات
المومنین . الوسائل ۸ / ۵۹۴ . الباب ۱۵۰ من ابواب احکام العشرۃ (۸۳) الموطا ۲ / ۱۶۹ . کتاب الحدود . باب ماجاء فیمن
اعترف علی نفسہ بالزناء (۸۴) المبسوط ۳ / ۲ . ۸ / ۴۰ (۸۵) الموطا ۲ / ۱۶۶ . کتاب الحدود . باب ماجاء فی الرجم (۸۶)
الشرائع ۱ ۳۴۲ (۸۷) الجواہر ۲۱ / ۳۷۱ (۸۸) الوسائل ۱۱ ۳۹۸ . الباب ۱ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۲۲ (۸۹)
الوسائل ۱۱ ۴۰۰ . الباب ۲ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۱ (۹۰) الوسائل ۱۱ ۴۰۰ . الباب ۲ من ابواب الامر والنہی .
حدیث ۲ (۹۱) الوسائل ۱۱ ۴۰۱ . الباب ۲ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۳ (۹۲) الوسائل ۱۱ ۴۲۵ . الباب ۱۳ من
ابواب الامر والنہی . حدیث ۱ (۹۳) مجمع الفائدۃ . المقصد الخامس فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (۹۴) الاقتصاد ۱۴۹ .
فصل فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (۹۵) الوسائل ۱۱ ۳۹۴ ۔ ۴۰۲ ۔ ۴۰۳ . الباب ۱ ۔ ۲ من ابواب الامر والنہی .
حدیث ۶ . الباب ۳ منہا . حدیث ۱ (۹۶) الوسائل ۱۱ ۴۰۶ . الباب ۳ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۱۱ (۹۷) الوسائل ۱۱
۴۰۳ . الباب ۲ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۹ (۹۸) الوسائل ۱۱ ۴۰۶ . الباب ۳ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۹
(۹۹) الوسائل . ۱۱ ۴۰۵ . الباب ۳ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۸ (۱۰۰) الوسائل ۱۱ ۴۰۷ . الباب ۴ من ابواب
الامر والنہی . حدیث ۱ (۱۰۱) تاریخ الطبری ۷ ۳۰۰ . طبعۃ لیدن (۱۰۲) تاریخ الطبری ۷ ۳۰۱ . تحف العقول ۲۰۵
(۱۰۳) الدر المنثور ۲ ۳۰۱ (۱۰۴) نہج السعادۃ ۲ ۶۳۹ (۱۰۵) کنز العمال ۶ ۶۷ . الباب ۱ من کتاب الامارۃ والقضاء .
حدیث ۱۴۸۷۶ (۱۰۶) اصول الکافی ۲ ۳۷۹ . کتاب الایمان والکفر . باب مجالستہ اہل المعاصی . حدیث ۱۶ (۱۰۷) مرآۃ
العقول ۱۱ ۹۸ . طبعۃ القدیم ۲ ۳۷۰ (۱۰۸) الجواہر ۲۱ ۳۷۳ (۱۰۹) سورۂ بقرہ ۔ آیت ۴۴ . سورۂ صف ۔ آیت ۲ ۔ ۳
(۱۱۰) الوسائل ۱۱ / ۴۰۳ ۴۱۹ . الباب ۱۰ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۳ . والباب ۲ منہا . حدیث ۱۰ (۱۱۱) الوسائل
۱۱ ۴۲۰ . الباب ۱۰ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۸ ۔ نہج البلاغہ ۔ خطبہ ۱۰۵ (۱۱۲) الجواہر ۲۱ ۳۷۳ (۱۱۳) الوسائل
۱۱ ۴۲۰ . الباب ۱۰ من ابواب الامر والنہی . حدیث ۱۰ (۱۱۴) معالم القربۃ ۱۷ طبعۃ مصر ۶۴ (۱۱۵) کشف الغطاء
۴۲۰ (۱۱۶) النہایۃ لابن الاثیر ۱ ۳۸۲ (۱۱۷) الصحاح للجوہری ۱ ۱۱۰ (۱۱۸) مجمع البحرین ۱۰۶ (۱۱۹) سورۂ نساء آیت
۶ ۔ سورۂ احزاب ۔ آیت ۳۹ (۱۲۰) معالم القربۃ ۷ ۔ ۸ . طبعۃ مصر ۵۱ (۱۲۱) التراتیب الاداریہ ۱ ۲۸۶ (۱۲۲)

التراتیب الاداریہ ۱/ ۲۸۷ (۱۲۳) الاحکام السلطانیہ/ ۲۸۴ (۱۲۴) الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ۲۴۰ (۱۲۵) الوسائل ۱۲/ ۳۱۷. الباب ۳۰ من ابواب آداب التجارۃ. حدیث ۱ (۱۲۶) الوسائل ۱۲/ ۳۱۷. الباب ۲۹ من ابواب التجارۃ. حدیث ۱ (۱۲۷) الوسائل ۱۸/ ۵۷۷. الباب ۲ من ابواب بقیۃ الحدود والتعزیرات. حدیث ۱ (۱۲۸) الوسائل ۱۲/ ۲۰۹. ۲۱۰ الباب ۸۶ من ابواب مایکتسب بہ. حدیث ۸ (۱۲۹) سنن الترمذی ۲/ ۳۸۹. ابواب البیوع. الباب ۷۲. حدیث ۱۳۲۹ (۱۳۰) سنن ابی داؤد ۲/ ۲۴۴. کتاب الاجارۃ. باب فی النہی عن الغش (۱۳۱) کنزالعمال ۴/ ۱۵۹. الباب ۲ من کتاب البیوع من قسم الافعال. حدیث ۹۹۷۴ (۱۳۲) صحیح البخاری ۲/ ۱۴. کتاب البیوع. الباب ۴۹ (۱۳۳) صحیح البخاری ۲/ ۱۵. کتاب البیوع. الباب ۵۴ (۱۳۴) التراتیب الاداریہ ۱/ ۲۸۵ (۱۳۵) التراتیب الاداریہ ۱/ ۲۸۵ (۱۳۶) کنزالعمال ۴/ ۱۵۸. الباب ۲ من کتاب البیوع من قسم الافعال. حدیث ۹۹۷۲ (۱۳۷) کنزالعمال ۴/ ۱۵۸. الباب ۲ من کتاب البیوع من قسم الافعال. حدیث ۹۹۶۹ (۱۳۸) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۱۷. عبدہ ۳/ ۱۱۰. لح/ ۴۳۸. مکتوب ۵۳ (۱۳۹) دعائم الاسلام ۲/ ۳۰. کتاب البیوع. الفصل ۶. حدیث ۸۰ (۱۴۰) المحلی ۶/ ۶۵. (الجزء ۹) المسالۃ ۱۵۶۷ (۱۴۱) المحلی ۶/ ۶۵. (الجزء ۹). لمسالۃ ۱۵۶۷ (۱۴۲) الوسائل ۱۶/ ۳۳۲. الباب ۹ من ابواب الاطعمۃ المحرمہ. حدیث ۳ (۱۴۳) الوسائل ۱۸/ ۵۸۳. لباب ۹ من ابواب بقیۃ الحدود والتعزیرات. حدیث ۱ (۱۴۴) الوسائل. ۱۸/ ۵۷۴. الباب ۳ من ابواب نکاح البہائم و ..... حدیث ۱ (۱۴۵) الوسائل ۱۸/ ۵۷۵. الباب ۳ من ابواب نکاح البہائم و ...... حدیث ۲ (۱۴۶) الوسائل ۱۸/ ۵۷۸. الباب ۴ من ابواب بقیۃ الحدود والتعزیرات. حدیث ۱ (۱۴۷) الوسائل ۱۸/ ۸۵۰. الباب ۷ من الابواب بقیۃ الحدود والتعزیرات. حدیث ۱ (۱۴۸) الوسائل ۱۸/ ۵۸۲. الباب ۸ من ابواب بقیۃ الحدود والتعزیرات. حدیث ۲ (۱۴۹) الوسائل ۱۲/ ۲۸۴. الباب ۲ من ابواب آداب التجارۃ. حدیث ۱ (۱۵۰) الغارات ۱/ ۱۱۰. المستدرک ۲/ ۴۶۳. الباب ۳ من ابواب آداب التجارۃ. حدیث ۴ (۱۵۱) دعائم الاسلام ۲/ ۵۳۸. کتاب آداب القضاۃ. حدیث ۱۹۱۳ (۱۵۲) الوسائل ۱۸/ ۴۵۸. الباب ۲۴ من ابواب حدالقذف (۱۵۳) الوسائل ۱۸/ ۴۵۸. الباب ۲۴ من ابواب حدالقذف. حدیث ۱ (۱۵۴) التراتیب الاداریہ ۱/ ۲۸۹ (۱۵۵) تاریخ ابن عساکر. ترجمۃ الامام علیؑ بن ابی طالب ۳/ ۱۹۴. کنزالعمال ۱۳/ ۱۸۳. باب فضائل الصحابہ من کتاب الفضائل من قسم الافعال. حدیث ۳۶۵۴۷ (۱۵۶) الشرائع ۱/ ۳۴۱ (۱۵۷) الجواہر ۲۱/ ۳۶۵ (۱۵۸) الجوامع الفقہیہ/ ۳۷۳ (۱۵۹) المقدمۃ لابن خلدون. الفصل ۳۲ من الفصل ۳ من الکتاب الاول = طبعۃ اخری/ ۲۲۵. الفصل ۳۱ (۱۶۰) اختلاف الصفحات بین طبعۃ لیدن وطبعہ مصر (۱۶۱) احیاء العلوم ۲/ ۳۰۸۔ الدر المنثور ۲/ ۳۳۵ (۱۶۲) معالم القربۃ/ ۱۵ طبعۃ مصر/ ۶۱ (۱۶۳) معالم القربۃ/ ۲۰ طبعۃ مصر/ ۷۰ (۱۶۴) معالم القربۃ ۲۲ طبعۃ مصر/ ۷۲ (۱۶۵) معالم القربۃ/ ۲۲ طبعۃ مصر/ ۷۳ (۱۶۶) معالم القربۃ/ ۲۴ طبعۃ مصر/ ۷۵ (۱۶۷) معالم القربۃ ۲۶ طبعۃ مصر/ ۷۶ (۱۶۸) معالم القربۃ ۲۶ طبعۃ مصر/ ۷۷ (۱۶۹) معالم القربۃ/ ۲۷ طبعۃ مصر/ ۷۸ (۱۷۰) معالم القربۃ ۲۹ طبعۃ مصر/ ۷۹ (۱۷۱) معالم القربۃ/ ۲۹ طبعۃ مصر/ ۷۹ (۱۷۲) معالم القربۃ/ ۳۰ طبعۃ مصر/ ۸۰ (۱۷۳) معالم القربۃ ۳۲ طبعۃ مصر/ ۸۴ (۱۷۴) معالم القربۃ/ ۳۸ طبعۃ مصر/ ۹۲ (۱۷۵) معالم القربۃ/ ۴۶ طبعۃ مصر ۱۰۱ (۱۷۶) معالم

القربة / ۵۲ طبعة مصر/ ۱۰۸ (۱۷۷) معالم القربة / ۶۴ طبعة مصر/ ۱۲۰ (۱۷۸) معالم القربة ۷۶ طبعة مصر ۳ ۱۳۳ -
(۱۷۸ - الف) معالم القربة / ۷۸ طبعة مصر/ ۱۳۵ (۱۷۹) معالم القربة / ۷۹ طبعة مصر ۱۳۶ (۱۸۰) معالم القربة ۷۹
طبعة مصر ۱۳۶ (۱۸۱) معالم القربة / ۸۰ طبعة مصر/ ۱۳۷ (۱۸۲) معالم القربة / ۸۹ طبعة مصر ۱۵۲ (۱۸۳) معالم القربة
۹۱ طبعة مصر ۱۵۴ (۱۸۴) معالم القربة / ۹۲ طبعة مصر/ ۱۵۶ من الباب ۱۳ الی الباب ۲۳ الاالباب ۱۶ (۱۸۵) معالم القربة
۹۸ طبعة مصر/ ۱۶۲ (۱۸۶) معالم القربة / ۱۱۵ طبعة مصر/ ۱۸۵ (۱۸۷) معالم القربة / ۱۲۱ طبعة مصر ۱۹۹ (۱۸۸) معالم
القربة ۱۲۸ طبعة مصر/ ۲۰۷ (۱۸۹) معالم القربة / ۱۳۵ طبعة مصر/ ۲۱۶ (۱۹۰) معالم القربة ۱۳۶ طبعة مصر ۲۱۸ من
الباب ۳۰ الی الباب ۳۹ الاالباب ۳۶ (۱۹۱) معالم القربة / ۱۴۳ طبعة مصر/ ۲۲۷ (۱۹۲) معالم القربة ۱۵۰ طبعة مصر
۲۳۴ (۱۹۳) معالم القربة / ۱۵۲ طبعة مصر/ ۲۳۸ (۱۹۴) معالم القربة / ۱۵۴ طبعة مصر/ ۲۴۰ (۱۹۵) معالم القربة / ۱۵۹
طبعة مصر ۲۴۷ (۱۹۶) معالم القربة / ۱۷۰ طبعة مصر/ ۲۶۰ (۱۹۷) معالم القربة / ۱۷۲ طبعة مصر ۲۶۳۰ (۱۹۸) معالم
القربة ۱۷۹ طبعة مصر/ ۲۷۱ (۱۹۹) معالم القربة / ۱۸۲ طبعة مصر/ ۲۷۵ (۲۰۰) معالم القربة ۱۸۴ طبعة مصر ۲۷۷
(۲۰۱) معالم القربة / ۱۹۷ طبعة مصر/ ۲۹۱ (۲۰۲) معالم القربة / ۲۰۸ طبعة مصر/ ۳۰۵ (۲۰۳) معالم القربة ۲۱۶ طبعة
مصر ۳۱۶ (۲۰۴) معالم القربة / ۲۲۲ طبعة مصر/ ۳۲۴ (۲۰۵) معالم القربة / ۱۵۸ طبعة مصر/ ۲۴۵ (۲۰۶) معالم
القربة ۲۲۲ طبعة مصر/ ۳۲۵ (۲۰۷) معالم القربة / ۱۲ طبعة مصر/ ۵۶ - (۲۰۸) الوسائل ۱۱/ ۲۳۴. الباب ۳۸ من
ابواب جهاد النفس. حدیث ۱ (۲۰۹) الوسائل ۱۱/ ۲۳۴. الباب ۳۸ من ابواب جهاد النفس. حدیث ۲ (۲۱۰) الوسائل ۱۱
۲۳۵. الباب ۳۸ من ابواب جهاد النفس. حدیث ۴ (۲۱۱) معالم القربة / ۱۲ طبعة مصر/ ۵۷ (۲۱۲) معالم القربة ۱۳ طبعة
مصر ۵۸ (۲۱۳) معالم القربة ۱۳ طبعة مصر ۵۹ (۲۱۴) معالم القربة / ۱۴ طبعة مصر ۵۹ (۲۱۵) معالم القربة ۱۴ طبعة
مصر ۶۰ (۲۱۶) الوسائل ۱۱/ ۴۱۹. الباب ۱۰ من ابواب الامر والنهی. حدیث ۳ (۲۱۷) معالم القربة ۲۱۹ طبعة مصر
۳۲۰ (۲۱۸) معالم القربة ۲۲۰ طبعه مصر/ ۳۲۲

چھٹی فصل

شرعی تعزیرات پر بحث و گفتگو

شیخ نے المبسوط کی کتاب الاشربہ کے اواخر میں کہا ہے: "جو شخص کوئی ایسا گناہ کرے کہ جس سے حد واجب نہ ہوتی ہو تو اسے تعزیر لگائی جائے گی، مثلاً اس نے غیر محفوظ مال سے نصاب کے برابر چوری کی یا محفوظ مال سے نصاب سے کم چوری کی ہے یا اجنبی عورت سے اس کی شرمگاہ کے علاوہ بد فعلی کی ہے یا اس کا بوسہ لیا ہے یا کسی کو گالی دی ہے یا کسی کو مارا پیٹا ہے تو امام و حاکم اسے تعزیر لگائے گا"۔ (۱)

محقق نے شرائع کی کتاب الحدود میں کہا ہے: "جو شخص کوئی فعل حرام کرے یا واجب کو ترک کرے تو ضروری ہے کہ امام و حاکم اسے تعزیر لگائے کہ حد کی مقدار تک نہ پہنچے، اس کی مقدار کا تعین امام کا حق ہے یعنی اگر وہ شخص آزاد ہے تو تعزیر آزاد کے لئے مقررہ حد پر نہ ہو اور اگر غلام ہے تو غلام کے لئے مقررہ حد تک نہ پہنچے۔ (۲)

الجواہر میں ہے: "نص و فتویٰ کے لحاظ سے اس میں کوئی اختلاف و اشکال نہیں ہے"۔ (۳)

علامہ نے القواعد میں کہا ہے: "جو شخص کوئی فعل حرام کرے یا واجب کو ترک کرے تو امام کو حق ہے کہ وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق تعزیر لگائے جو حد شرعی کی مقدار تک نہ پہنچے، یعنی وہ آزاد ہے تو یہ تعزیر آزاد کے لئے مقررہ حد کو نہ پہنچے اور غلام ہے تو غلام کے لئے مقررہ حد شرعی کے برابر نہ ہو۔ (۴)

میں کہتا ہوں ــــ مخفی نہ رہے کہ محقق و علامہ کی مراد بھی وہی محرمات ہیں جن کے بارے میں شرعی حدود معین نہیں ہیں، اس حکم کے واضح ہونے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہونے کے علاوہ اس پر بہت سے امور دلالت کرتے ہیں جیسا کہ الجواہر کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے۔

۱۔ نبی کریمؐ اور امیر المومنینؑ کی سیرت کا اس پر استقرار ہے جیسا کہ ہم نے ان بزرگواروں کے حسبہ کے بہت سے موارد کا ذکر کیا ہے اور مورد کی خصوصیت کی نفی کی ہے۔

۲۔ وہ اخبار جو برائی سے روکنے پر دلالت کرتے ہیں اگرچہ ہاتھ سے بھی ہو جیسا کہ امام محمد باقرؑ سے جابر کی روایت گزر چکی ہے کہ فرمایا: "پس دلوں سے نفرت کرو، زبانوں سے روکو اور ان کی پیشانیوں پر مارو"۔ (۵)

امام جعفر صادقؑ سے یحییٰ طویل کی خبر میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے زبان کا کھلنا اور ہاتھ کا رکنا قرار نہیں دیا بلکہ اس نے ان دونوں کو اس طرح رکھا ہے کہ اکٹھے کھلتے اور اکٹھے ہی رکتے ہیں"۔ (۶)

امیر المومنینؑ سے ابن ابی لیلیٰ کی خبر میں ہے: "جو شخص برائی کو تلوار سے روکے تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند اور ظالموں کا قول پست ہو تو یہ وہ ہے جس نے ہدایت کا راستہ پا لیا ہے"۔ (۷)

امام حسن عسکریؑ سے مروی ہے: "تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے اسے ہاتھ سے روکے جبکہ اتنی قوت رکھتا ہو"۔ (۸)

ان کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں جو فریقین کے طریقوں سے وارد ہوئی ہیں پس مراجعہ کریں۔ یہ بحث گزر چکی ہے کہ امر بہ معروف و نہی از منکر میں جب مار پیٹ اور زخم لگانے تک نوبت پہنچ جائے تو کیا اس کے درپے ہونا ہر ایک کے لئے جائز ہے یا صرف امام یا جسے وہ نصب کرے یہ اسی کے ساتھ مخصوص ہے، آپ جان چکے ہیں وہی دوسرا قول احوط ہے، اسے یاد رکھیں۔

لیکن ممکن ہے یہ کہا جائے کہ یہ استدلال باب امرونہی اور باب تعزیر میں خلط ملط ہے کیونکہ ان روایات میں منکر و برائی سے منع کرنا مقصود ہے، لہٰذا یہ اس کے وقوع کے بعد جواز تعزیر پر دلالت نہیں کرتی ہیں۔ ـــــ پس غور کریں

۳۔ وہ روایات جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جرم و گناہ کے لئے ایک حد (سزا) مقرر کی ہے اور جو شخص ان حدود میں سے کسی حد سے تجاوز کرے تو اس کے لئے شرعی حد مقرر کی ہے۔ (۹)

یہ روایات مستفیضہ اور قریب تواتر ہیں۔

ابن رباط نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک حد مقرر کی ہے اور جو خدا کی حدود سے تجاوز کرے تو اس پر حد مقرر کی ہے۔ (۱۰)

اس کے علاوہ بھی روایات ہیں، ان کے لئے الوسائل میں مقدمات حدود کے باب ثانی کی طرف رجوع کریں۔ (۱۱)

واضح ہے کہ ان اخبار میں اصطلاحی حد کے علاوہ حد کا عام مفہوم مراد ہے کیونکہ حد خاص موارد کے سوا کہیں ثابت نہیں ہوتی، پس غور کریں

معالم القربتہ کے باب ۵۰ میں ہے: "تعزیر وہ فعل ہے جو حدود و تادیب کے علاوہ امام یا اس کے نائب کے ساتھ مخصوص ہے، تعزیر کے جواز کی دلیل وہ روایت ہے جس میں نبی کریمؐ نے فرمایا: میوہ اور کھجور کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں جب تک اسے کھجوریں سکھانے کی جگہ پر منتقل نہ کیا جائے، پس جب وہاں لے جائیں اور اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو پھر ہاتھ کاٹا جائے، اگر اس سے کم ہو تو تادیب کے طور پر چند کوڑے لگائے جائیں۔

جو شخص کوئی ایسا گناہ کرے کہ جس میں نہ حد اور نہ کفارہ ہو مثل حرام قسم کی مباشرت جو شرمگاہ کے علاوہ کی جائے، ایسی چوری جو نصاب سے کم ہو، زناء کے علاوہ کوئی تہمت لگائے، ایسی خیانت جس کا بدلہ نہ ہو سکے اور جھوٹی گواہی وغیرہ کی طرح کے گناہ میں اسے تعزیر لگائی جائے ـــــ خلفاء راشدین کی سیرت میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بیوی کی نافرمانی پر شوہر کے لئے اسے مارنا اور ضرب لگانا مباح کیا ہے، ہم نے دوسرے ایسے گناہوں کا اسی پر قیاس کیا ہے کہ امام یا اس کے نائب کی رائے کے مطابق ان کے بدلے میں تعزیر لگائی جائے۔ (۱۲)

میں کہتا ہوں ـــــ جو کچھ اس نے نبی اکرمؐ سے روایت کیا ہے وہ ایک خاص مورد میں ہے، پس اس پر اور زوجہ کی نافرمانی کی صورت میں اسے شوہر کے مارنے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہمارے نزدیک قیاس کی حجیت ممنوع ہے، البتہ اگر دونوں

موارد کا ذکر باب مثال میں ہو اور روایات کثیرہ کا مجموعہ مراد ہو جو مختلف موارد میں وارد ہوئی ہیں کہ ان میں سے ایک وہ ہے جو اس شخص کی تعزیر میں ہے جو کسی آدمی کو گالی دے یا اس کی ہجو کرے یا اس کی طرف ایسی بات کی نسبت دے جو اس میں نہ پائی جائے۔ (۱۳)

ان روایات کی کسی مورد میں خصوصیت اور کسی چیز سے متعلق کئے بغیر ان سے استدلال کرنا صحیح ہے اور یہ اس مقام پر چوتھی دلیل ہوگی، اسے یاد رکھیں

نہایۂ ابن اثیر میں ہے: حدیث حدود میں ہے کہ "پھل اور میوے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جب تک اسے سکھانے کی جگہ میں نہ لے جایا جائے"۔ (۱۴)

یہ حدیث ہمارے طرق سے بھی مروی ہے جیسا کہ سکونی کے واسطہ سے ابو عبداللہؑ سے روایت ہوئی ہے: "حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میوہ اور کھجور خام کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا"۔ (۱۵)

اس مسئلہ میں بحث کے جہات

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے جب آپ اسے جان چکے ہیں تو اس مرحلے پر اس مسئلے کے بہت سے جہات کی طرف توجہ دینا اور ان پر بحث کرنا ضروری ہے۔

پہلی جہت: حدود تعزیرات کے قائم کرنے میں اسلام کا اہتمام

مخفی نہیں ہے کہ معاشرت کا نظام اور اس کی حفاظت ــــــ راستوں کے امن و امان، قسط و عدل کے قیام، آزادیوں کی حد بندی، قوانین و مقررات کے تعین اور ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کی تادیب اور مجرمین کو سزا دینے پر موقوف ہے۔ کیونکہ اہل فساد کو عقوبت و سزا اور بدنامی و رسوائی کا خوف نہ ہو تو جان و مال اور عزت و ناموس کی حرمت باقی نہ رہے، زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے اور ہر طرف بے لگامی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہو جائے۔

انسانوں میں سے عقلاء ہر زمانے میں اس روش پر رہے ہیں کہ مقررات وضع کریں، لوٹ کھسوٹ پر پابندی لگائیں اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں پر سزاؤں کا اجراء کیا جائے، یہ ایک ایسا امر ہے کہ معاشرے کی حفاظت اور نظام زندگی کی بقاء میں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اسلام نے ان تمام امور میں اپنی جامعیت کے لحاظ سے نوع انسانی کی معاش، معاد اور دو جہان میں اس کی فلاح و کامیابی کے لئے جملہ امور کا خاص اہتمام کیا ہے۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبينات وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط، وانزلنا الحديد فيه بأس شديد ومنافع للناس وليعلم الله من ينصره ورسله بالغيب. ان الله قوي عزيز - (۱۵ - الف)

"ہم نے اپنے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ قسط و عدل کے ساتھ قیام کریں اور ہم نے لوہے کو نازل کیا کہ جس میں بہت ہی شدت و مضبوطی ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں، تاکہ خدا

جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں مدد کرتا ہے، بے شک اللہ قوی و غالب ہے "۔

پس سب کی سب آسمانی رسالتیں ان امور کی کفیل ہیں کہ جن میں لوگوں کی اصلاح و درستگی ہے، سب سے آخر میں ہمارے نبی کریمؐ کی شریعت ہے اور خدا نے اپنی کتابوں اور ان کے موازین و مقررات کے نافذ ہونے کے لئے لوہے اور ہتھیاروں کو ضمانت قرار دیا ہے جن سے اس کے رسولوں کی نصرت، قسط و عدل کا قیام اور اس کے احکام کی نشر و اشاعت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد " زمین کو زندہ کرتا ہے اس کی موت کے بعد " کے بارے میں عبدالرحمٰن بن حجاج کی خبر ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: " وہ بارش کے ساتھ زمین کو زندہ نہیں کرتا بلکہ کچھ مردوں کو بھیجتا ہے جو عدل و انصاف کو زندہ کرتے ہیں تو زمین عدل سے زندہ ہو جاتی ہے، زمین میں اللہ تعالیٰ کی ایک حد کا قائم ہونا چالیس روز کی بارش سے زیادہ فائدہ بخش ہے۔ اس مضمون کی روایات مستفیضہ یعنی قریب تواتر ہیں، پس وسائل کی طرف رجوع کریں۔ (۱۶)

حضرت رسولؐ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک حد مقرر کی ہے اور جو شخص اس حد سے آگے بڑھے اس کے لئے حد (سزا) مقرر ہے۔ (۱۷)

اصحاب کے فتاویٰ اور ان کی روایات سے ظاہر ہے کہ حدود کا اپنی اصل صورت میں قائم ہونا واجب ہے اور ان کو معطل چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔

امیر المومنینؑ سے میثم کی خبر میں ہے: "... اے محمدؐ! جو شخص میرے حدود میں سے کسی حد کو معطل کرے تو اس نے میری مخالفت کی اور اس طرح سے میری دشمنی چاہی ہے "۔ (۱۸)

ام المومنین بی بی ام سلمہ نے نبی اکرمؐ سے اپنی اس کنیز کی سفارش کی کہ جس نے چوری کی تھی، اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا: "اے ام سلمہ! یہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد ہے اور اسے ضائع نہیں کیا جا سکتا، پس حضرت رسولؐ نے اس کنیز کا ہاتھ کاٹ دیا"۔ (۱۹)

صحیحہ حلبی میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "امیر المومنینؑ کی کتاب میں ہے کہ آپ اجرائے حدود میں ایک کوڑا، آدھا کوڑا اور اس کا کچھ حصہ مارا کرتے تھے، جب آپ کے پاس کوئی نابالغ لڑکا یا لڑکی لائی جاتی تو بھی آپ خدائے تعالیٰ کی کسی حد کو باطل نہ کرتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ کس طرح مارا کرتے تھے؟ فرمایا: آپ کوڑے کو اس کے نصف یا ثلث سے پکڑتے اور پھر ان کی عمر کے لحاظ سے مارتے اور اللہ تعالیٰ کی حد کو ضائع نہ ہونے دیتے۔ (۲۰)

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: تم باہم حدود معاف کر دیا کرو لیکن جس حد کی خبر مجھ تک پہنچ جائے وہ واجب ہو جاتی ہے۔ (۲۱)

ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، پس مراجعہ کریں۔

البتہ جب کوئی مجرم گواہی قائم ہونے سے پہلے توبہ کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی جیسا کہ اگر ثبوت حد خود مجرم کے اقرار سے ہو نہ کہ گواہوں کے ذریعے ہوا ہو تو امام کو معاف کرنے کا حق ہے بلکہ ایک قول کے مطابق مطلقاً معاف کر

دینے کا حق ہے۔ (۲۲)

اس بارے میں عنقریب اجمالی بحث آئے گی اور اس کی تحقیق کتاب حدود سے متعلق ہے، یہ بیان مقررہ حدود سے تعلق رکھتا ہے، باقی رہیں تعزیرات تو کیا ان کا نافذ کرنا واجب ہے یا امام کو اختیار ہے یا ان میں تفصیل ہے، اس مسئلہ میں کئی وجوہ ہیں۔

شیخ نے الخلاف کی کتاب اشربہ کے مسئلہ ۱۳ میں کہا ہے: "تعزیر اختیار امام میں ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، مگر یہ کہ جب اسے علم ہو کہ اس شخص کو تعزیر کے سوا کوئی چیز جرم سے نہیں روکتی تو پھر اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، اگر امام کو اس بات کا علم ہو کہ تعزیر کے علاوہ کوئی بات کارگر ہو سکتی ہے مثلاً مجرم کو نصیحت کرنا یا ڈانٹ ڈپٹ کرنا تو اسے اختیار ہے کہ ایسا کرے لیکن تعزیر لگانا بھی جائز ہے۔ ابو حنیفہ بھی اس کا قائل ہے اور شافعی نے کہا ہے کہ وہ تمام حالات میں بااختیار ہے، ہماری دلیل اخبار کے ظواہر ہیں اور تعزیر کا امر بھی اس میں شامل ہے جو وجوب کا اقتضاء کرتا ہے"۔ (۲۳)

المبسوط کی کتاب اشربہ کے اواخر میں کہا ہے: "تعزیر امام کے اختیار میں ہے لیکن وہ اس کے لئے واجب نہیں ہے، پس اگر وہ مناسب سمجھے تو تعزیر لگائے خواہ اس کی رائے یہ ہو کہ مجرم کو تعزیر کے علاوہ کوئی چیز نہ روک سکے گی یا وہ اس کے بغیر ہی جرم سے باز آجائے گا، بعض نے کہا ہے جب اسے معلوم ہو کہ وہ تعزیر کے بغیر ہی باز آجائے گا تو اس کو اختیار ہے کہ تعزیر لگائے یا اسے چھوڑ دے، اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ تعزیر کے سوا کوئی چیز مجرم کو نہیں روک سکتی تو پھر تعزیر لگانا ضروری ہے اور یہ احوط ہے۔ (۲۴)

شیخ کے کلام کا ظہور یہ ہے کہ تعزیر ضرب اور مارپیٹ کے ساتھ مختص ہے اور ڈانٹ ڈپٹ یا سختی کرنا اس کے مصادیق میں سے نہیں ہے۔ اسے یاد رکھیں

اسی طرح شرائع اور القواعد سے اس مسئلہ کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے، ان عبارتوں کا ظہور بھی وجوب اور تعیین میں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

ابن قدامہ کی کتاب المغنی میں ہے: "جن امور میں شرعاً تعزیر مقرر ہے جب امام کی رائے ہو تو ان میں تعزیر لگانا واجب ہے ــــ مالک اور ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے اور شافعی نے کہا ہے کہ واجب نہیں، کیونکہ ایک شخص نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں آکر کہا: میرا ایک عورت سے آمنا سامنا ہوا اور میں نے وطی و جماع کے علاوہ سب کچھ کیا، آپ نے پوچھا: کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! اس پر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ "نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں" نیز انصار کے متعلق آپ نے فرمایا: ان میں سے نیک آدمی کی نیکیوں کو قبول کرو اور برائی کرنے والے کو رہنے دو"۔ (۲۵)

لیکن تعزیر کے بارے میں جو کثیر اخبار وارد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے اور اکثر اصحاب کے کلمات سے بھی اپنے موارد میں وجوب تعزیر ظاہر ہے، اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ اگر گواہوں کے بیانات سے پہلے کوئی مجرم توبہ کرے تو تعزیر ساقط ہے، اسی طرح اگر تعزیر کا ثبوت اقبالی بیان سے ہوا ہو تو حاکم کے لئے معاف کر دینا جائز ہے لیکن گواہوں کے ذریعے

ثبوت تعزیر کی صورت میں معاف کرنا جائز نہیں جیسا کہ حدود کے سلسلے میں گزر چکا ہے۔

پس آپ اس باب کی روایات اور اصحاب کے کلمات دیکھیں تو وہ ایسے اقوال سے بھرے ہوئے ہیں، جیسے (عزر) اسے تعزیر لگائی جائے، (یعزر) اسے تعزیر لگائی جائے گی، (ادب) اسے تادیب کی جائے، (یودب) اسے تادیب کی جائے گی، (ضرب) اسے مارا پیٹا جائے، (یضرب تعزیراً) اسے تعزیر کے طور پر مارا جائے گا یا اس پر تعزیر واجب ہے، (جلد) اسے کوڑے مارے جائیں، (یجلد) اسے کوڑے مارے جائیں گے اور اسی قسم کے الفاظ جو خبر کی شکل میں ہیں لیکن ان سے قطعی امر و انشاء مراد ہے، یہ بات اپنے مقام پر ثابت ہے کہ اس طرح کی تعبیروں کا وجوب میں ظہور امر و حکم سے قوی اور تاکیدی ہے کیونکہ اس کی بناء امر کے بجالانے اور جس کے لئے امر دیا جائے اس میں تاثیر پر ہے اور خارج میں اس فعل کے وقوع اور اس امر کی بجا آوری پر قائم ہے پس وہ اس کی خبر دے رہا ہے ـــــ مگر یہ کہا جائے چونکہ غیر کو تعزیر لگانا اس کی ذات و اختیار پر تصرف ہے کہ جو طبعاً حرام ہے تو اس مقام پر امر اور اس کے ہم معنی کلام کی غرض صرف حرمت و خطرہ کو رفع کرنا ہے لہٰذا وہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا، پس غور و تامل کریں۔ نیز ہمارے بعض فقہاء نے بھی اس کو وجوب سے تعبیر کیا ہے، اس کا ظاہر وجوب اصطلاحی ہے اور اس کے لغوی معنی یعنی ثبوت پر حمل کرنا خلاف ظاہر ہے۔

پس الغنیہ میں ہے: "فصل۔ اور معلوم ہونا چاہئے کہ تعزیر واجب ہے کسی فعل قبیح یا کسی واجب کے ترک کرنے پر جس کے لئے شارع کی طرف سے حد و سزا مقرر نہیں کی گئی یا اس میں حد تو وارد ہے لیکن اس کے قائم کرنے کے شروط مکمل نہیں ہیں، جیسے مقدمات زناء اور لواطت کہ ایک ہی چادر میں سونے، باہم پیوست ہونے اور بوسہ لینے پر تعزیر لگائی جائے گی۔ (۲۶)

التحریر کی کتاب حدود کے اواخر میں ہے: "تعزیر واجب ہے اس جرم میں کہ جس کے بدلے میں حد مقرر نہیں ہے مثلاً حالت حیض میں بیوی سے ہم بستری کرنے اور اجنبی عورت سے شرمگاہ کے علاوہ اختلاط کرنے پر تعزیر لگائی جائے ... اس میں مارنا پیٹنا اور سرزنش کرنا ہے نہ کہ قید، قطع ید اور ضبط مال ہے، تعزیر ان امور میں واجب ہے جن کا شرعی طور پر جواز نہ ہو، اگر کوئی تعزیر لگانے سے مرجائے تو کسی پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (۲۷)

ان بزرگوں کے کلام کا ظہور حد کی مثل تعزیر کا وجوب ہے

البتہ علامہ کے نزدیک تعزیر مارنے پیٹنے میں منحصر نہیں ہے بلکہ قید اور سرزنش کو بھی شامل ہے، اس سلسلے میں عنقریب بحث ہوگی، اسے یاد رکھیں

نیز گزشتہ ادلہ کے علاوہ صحیحہ حلبی بھی تعزیر کے وجوب پر دلالت کرتی ہے جو کچھ ہی پہلے ذکر ہوئی ہے، اس میں نابالغ لڑکے اور لڑکی کے قرینے سے لفظ حد کا مفہوم تعزیر کو بھی شامل ہے، کیونکہ ان دونوں کے لئے حد اصطلاحی نہیں تعزیر ہی ثابت ہے بلکہ احتمال ہے کہ میثم کی گزشتہ خبر میں حد سے مراد عام ہو کہ یہ لفظ ان معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، غور کریں

البتہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ صاحبان عزت کی غلطیوں کو معاف کرو مگر حدود میں معافی نہ دو"۔ (۲۸)

دعائم میں نبی اکرمؐ سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: "شبہ کے مواقع پر حدوں کو چھوڑ دو، شریف لوگوں کی لغزشوں کو معاف کر دو مگر اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کو معطل نہ کرو۔ (۲۹)

شائد اس حدیث سے حدود اور تعزیرات کے نافذ ہونے میں وجوب و عدم وجوب کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اس حدیث کی صحت کے فرض کی بناء پر احتمال ہے کہ اس میں حدود سے مراد عام ہے جو تعزیرات کو بھی شامل ہے، پس مقصود یہ ہو گا کہ اگرچہ حدود و تعزیرات کے اجراء میں سب لوگ برابری کی سطح پر ہیں لیکن ان کے اجراء کے بعد صاحب احترام اور اس کے غیر میں قرب و دوری اختیار کرنے اور انہیں جذب کرنے اور ان کے ساتھ تعلقات رکھنے میں فرق ہونا چاہئے۔

نہج البلاغہ میں ہے: "صاحبان مروت کی لغزشوں کو معاف کرو کیونکہ ان میں سے کوئی نہیں پھسلتا مگر یہ کہ اس کا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو اسے اٹھا لیتا ہے۔ (۳۰)

الغرر والدرر میں بھی اسی طرح آیا ہے لیکن اس میں حدود کا استثناء نہیں ہے۔

تحف العقول میں یہ حدیث آئی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: "مصیبت زدہ لوگوں کی لغزشوں کو معاف کرو، (۳۱) اسے یاد رکھیں۔

ظاہر یہ ہے کہ امام کے لئے ان جرائم میں عفوو در گزر کرنا جائز ہے جو حقوق اللہ میں سے ہوں جب کہ ان میں کوئی خاص حد مقرر نہ ہوئی ہو لیکن یہ اس وقت کیا جائے جب اس میں مصلحت ہو اور یہ مجرم کے اپنی روش پر باقی رہنے کا باعث نہ بنے۔

ممکن ہے یہ ان کثیر آیات و روایات کے اطلاق میں سے سمجھا جائے جو لغزشوں کو معاف کرنے اور در گزر کرنے کے باب میں وارد ہوئی ہیں اور عنقریب دسویں جہت میں ان پر گفتگو ہو گی، انتظار کریں۔

دوسری جہت: تعزیر کا حکم کمسنوں کے لئے بھی عمومیت رکھتا ہے۔

المبسوط، شرائع اور القواعد سے جو کچھ بیان ہو چکا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم ہر فعل حرام کے لئے عموم رکھتا ہے اور اس میں چھوٹے بڑے سب شامل ہیں۔

لیکن الجواہر میں ہے: "کبھی کہا جاتا ہے کہ تعزیر صغائر سے نہیں کبائر کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ وہ شخص ایسا ہو جو کبائر سے اجتناب کرتا ہو اور اس صورت میں اس کا کفارہ ہو جاتا ہے اور اس پر کوئی تعزیر نہیں ہوتی، لیکن اگر وہ کبائر سے نہ بچتا ہو تو بعید نہیں کہ صغائر کے لئے بھی تعزیر ہو۔ (۳۱۔ الف)

میں کہتا ہوں ـــــ صاحب الجواہر کی نظر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف ہے:

ان تجتنبوا کبائر ماتنهون عنه نكفرعنكم سيأتكم ، وندخلكم مدخلاً كريماً - (۳۲)

"جن کاموں کی تمہیں مناہی کی جاتی ہے اگر تم ان میں گناہان کبیرہ سے بچتے رہو تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں سے

در گزر کریں گے اور تم کو بہت اچھی عزت کی جگہ پہنچا دیں گے"۔

پس اگر کہیں کہ جب کبائر سے اجتناب کی صورت میں صغائر پر تعزیر ثابت نہیں ہوئی ہے ہم مطلق طور پر ان میں تعزیر کے نہ ہونے کے قائل ہوں کیونکہ اس میں فصل کا قول نہیں آیا۔ لیکن میں کہوں گا جب تک اس کی بازگشت عدم فصل کے قول کی طرف نہ ہو اس کی حجیت پر کوئی دلیل نہیں ہے، یہ مسئلہ ہمارے قدیم علماء کے ہاں مذکور نہیں ہوا کہ جس سے ہم اس قول کو محکم کر سکیں، اسے یاد رکھیں۔

ممکن ہے کہ خود کبائر کے اختصاص میں اشکال کیا جائے کیونکہ فرض یہ ہے کہ گناہ صغیرہ بھی شرعی طور پر حرام اور نامطلوب ہے، وہ آیت جو کفارہ ہو جانے پر دلالت کرتی ہے اس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے لہٰذا فعلاً اس پر تعزیر کے جائز ہونے سے کوئی منافات نہیں ہے تاکہ فاعل کو برائی پر قائم رہنے اور دوسرے کو ایسا کرنے سے باز رکھا جائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "خدا نے ہر چیز کی حد مقرر کی ہے اور جو اس حد سے تجاوز کرے تو اس کے لئے بھی حد قرار دی ہے"۔ (۳۳)

اس ارشاد کا عموم بھی صغائر پر تعزیر کو شامل ہے ــــ پس غور کریں۔

تیسری جہت۔ لغوی لحاظ سے تعزیر کا مفہوم۔

۱۔ صحاح میں کہا ہے: تعزیر کے معنی تعظیم و توقیر ہیں اور اس کا معنی تادیب بھی ہے اور اسی وجہ سے حد سے کم مارنے کو تعزیر کا نام دیا گیا ہے۔ (۳۴)

۲۔ قاموس میں ہے: "عزر" کا معنی ملامت کرنا ہے، "عزرہ" اس نے اسے ملامت کی، "یعزرہ" وہ اسے ملامت کرتا ہے، "عزروہ" انہوں نے اسے ملامت کی ــــ تعزیر کے معنی شرعی حد سے کم مارنا یا اس کا معنی شدید ترین ضرب ہے اور اس کا معنی تعظیم و تکریم بھی ہے جو ضرب کی ضد ہے (۳۵)

۳۔ لسان العرب میں ہے: "عزر" کا معنی ملامت کرنا ــــ "عزرہ" اس نے اسے ملامت کی ــــ "یعزرہ عزراً" وہ اسے ملامت کرتا ہے ملامت کرتے ہوئے ــــ عزرہ کا معنی ہے اس نے اس کی تردید کی اور عزر و تعزیر اس ضرب اور مار کو کہتے ہیں جو حد سے کم ہو کہ وہ مجرم کو اعادہ کرنے اور نافرمانی سے روکتی ہے، بعض نے کہا ہے کہ وہ شدید ترین ضرب کے معنی میں ہے اور عزرہ کا معنی ہے اس نے اسے تعزیر لگائی ہے ــــ العزر کا معنی ہے منع و روکنا، العزر کا معنی دین کے دروازے پر رک جانا ہے، تعزیر کا معنی فرائض و احکام پر رک جانا ہے اور تعزیر کی اصل تادیب ہے اس لئے حد سے کم ضرب کو تعزیر کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ صرف تادیب ہے ــــ اور وہ برعکس معنی رکھتا ہے کہ عزرہ کا معنی ہے کہ اسے بڑا اور محترم سمجھا ہے (۳۶)

۴۔ راغب نے المفردات میں کہا ہے: التعزیر کا معنی تعظیم کے ساتھ نصرت کرنا ہے ــــ اس نے کہا ہے تعزروہ و عزرتموہم ــــ تعزیر کا معنی ہے حد سے کم ضرب لگانا اور مارنا، اس کی بازگشت پہلے معنی کی طرف ہے کیونکہ یہ تادیب ہے اور تادیب بھی ایک قسم کی نصرت ہے، پہلی نصرت ہے اس چیز کو ختم کرنا جو اس کے لئے مضر ہو اور دوسری نصرت ہے اسے اس چیز

سے ہٹانا ہے کہ جو اس کے لئے مضر ہو۔ پس جس کو آپ ہٹائیں اس چیز سے جو اس کے لئے مضر ہے تو آپ نے اس کی نصرت کی ہے، اسی لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، راوی نے عرض کیا: جب وہ مظلوم ہو اس وقت تو میں اس کی مدد کروں گا لیکن اگر وہ ظالم ہو تو پھر اس کی مدد کیسے؟ آپ نے فرمایا: اس کو ظلم سے روک کر (۳۷)

۵۔ نہایہ ابن اثیر میں ہے: تعزیر کا معنی ہے اعانت، عزت و توقیر اور بار بار مدد کرنا ـــــ تعزیر کا اصل معنی منع کرنا اور رد کرنا ہے، پس جس کی آپ نے مدد کی ہے تو اس سے اس کے دشمنوں کو رد کیا اور ان کو اسے اذیت دینے سے منع کیا اور روکا ہے۔ اس لئے اس تادیب کو جو حد سے کم ہو تعزیر کہا گیا ہے کیونکہ وہ گناہگار کو روکتی ہے کہ وہ دوبارہ گناہ نہ کرے۔ (۳۸) اسے یاد رکھیں۔

۶۔ محقق نے شرائع میں کہا ہے: ہر وہ جرم و گناہ کہ جس کی سزا مقدر ہے اس کو حد کا نام دیا گیا ہے اور جس کی سزا و عقوبت مقرر نہیں اسے تعزیر کہا جاتا ہے۔ (۳۹)

مخفی نہیں کہ اس عبارت میں کچھ نہ کچھ غلط فہمی کا شائبہ ہے کیونکہ حد اور تعزیر سزاؤں کے نام ہیں اور ان گناہوں کے نام نہیں کہ جن کی یہ سزائیں ہیں۔

۷۔ المسالک میں ہے: لغوی اعتبار سے تعزیر کا معنی تادیب ہے اور شرعاً وہ عقوبت و اہانت ہے کہ عموماً اصل شریعت میں اس کا تعین نہیں ہے۔ (۴۰)

میں کہتا ہوں ـــــ اس عبارت میں لفظ "عموماً" اس لئے لایا گیا ہے کہ اس قسم کی تعزیر کو بھی شامل ہو کہ جو معین ہے مثلاً روزہ دار بیوی سے ہم بستری کرے یا چوپائے سے بدفعلی کرے تو اس کو ۲۵ کوڑے لگائے جاتے ہیں، پس مراجعہ کریں۔

۸۔ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں کہا ہے: تعزیر ان گناہوں کی سزا و عقوبت ہے جن میں شارع نے حدود سزا کا تعین نہیں کیا اور اس کا حکم فعل و فاعل کی حالت میں تبدل کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ (۴۱)

ابو یعلیٰ فراء کی احکام السلطانیہ میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ (۴۲)

۹۔ معالم القربۃ میں ہے: حدود و تادیب کے علاوہ تعزیر وہ فعل ہے جو امام یا نائب امام کے ساتھ مخصوص ہے، باقی رہا شوہر کا اپنی بیوی کو ضرب لگانا یا استاد کا اپنے شاگرد کو مارنا تو اس کا نام تادیب ہے ـــــ تعزیر کی اصل عزر ہے کہ جس کا معنی منع کرنا اور ڈانٹنا ہے، کہا جاتا ہے "عزرہ" جب اس کو بلند کرے اور وہ اسماء اضداد میں سے ہے اور اسی سے مدد و نصرت کو بھی تعزیر کہتے ہیں، کیونکہ وہ دشمن کو دفع کرتی ہے ـــــ اس میں آپ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے "وتعزروہ وتوقروہ" اور اس کی عزت و توقیر کرو۔ (۴۳)

۱۰۔ ابن قدامہ حنبلی نے کہا ہے: تعزیر کسی گناہ پر وہ شرعی سزا و عقوبت ہے کہ جس میں کوئی حد مقرر نہیں ہے.... تعزیر کی اصل منع کرنا ہے اسی سے تعزیر بہ معنی نصرت کے ہے کیونکہ اس میں اس کے دشمن کو اس سے منع کرنے کا مفہوم ہے۔ (۴۴)

میں کہتا ہوں ــــــ مخفی نہیں کہ اکثر اہل لغت اور فریقین کے کلمات کا ظاہر یہ ہے کہ تعزیر جسمانی ضرب اور عقوبت کے ساتھ اختصاص رکھتی ہے، بعض کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہانت، تہدید اور سرزنش وغیرہ ایسے امور کو بھی شامل ہے اور عنقریب اس کی تفصیل آئے گی، انتظار کریں ۔

چوتھی جہت: کیا تعزیر سے مراد ضرب لگانا، تکلیف پہنچانا یا مطلق تادیب ہے؟

آپ تیسری جہت میں پڑھ چکے ہیں کہ عزر و تعزیر اہل لغت کے کلمات میں عزت و توقیر، منع ورد اور ملامت، تادیب اور توقیف کے معانی میں ذکر ہوئے ہیں۔

صحاح میں ہے: تعزیر ہی تادیب ہے اور اسی لئے حد سے کم ضرب لگانے کو تعزیر کہا گیا ہے۔

لسان العرب میں ہے: عزر و تعزیر حد سے کم ضرب لگانے کے معنی میں ہے اور گناہگار کو اس فعل کے دوبارہ ارتکاب سے روکتی ہے، تعزیر کی اصل تادیب ہے اور اسی لئے حد سے کم ضرب کو تعزیر کہا گیا ہے کیونکہ وہ ادب سکھاتی ہے۔

پس اکثر اہل لغت کے کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ہیئت کے لحاظ سے یہ لفظ ضرب کے معنی میں وضع نہیں ہوا بلکہ منع، تادیب اور اسی قسم کے معانی کے لئے وضع کیا گیا ہے، ضرب کے معنی میں اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ یہ اس مفہوم کے مظاہر میں سے ہے جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے۔

لیکن بہت سے فقہاء کے کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعزیر کا لفظ اس ضرب کے معنی میں ہے جو حد سے کم ہو جیسا کہ بعض اہل لغت مثلاً قاموس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور شاید ہمارے زمانے کے عرفی استعمالات میں اس کا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے لیکن بعض فقہاء خصوصاً فقہاء اہل سنت کے کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح میں بھی مطلق طور پر اس چیز کے معنی میں ہے جس سے منع و تادیب ثابت ہو، پس یہ سرزنش، تہدید، قید اور مالی سزا کو بھی شامل ہے۔ ہاں تو یہاں کوئی نقل اور شرعی حقیقت موجود نہیں ہے بلکہ اس کا لغوی مفہوم اپنے عموم کے ساتھ ملحوظ ہے، پس تعزیر سے ضرب لگانا مراد نہیں ہے مگر یہ اس کا ایک مشہور مصداق ہے جو اس کے دوسرے مصادیق میں شمار ہوتا ہے۔ غالباً تعزیر کو ضرب کے معنی میں اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ وہ زیادہ شدت اور تاثیر رکھتی ہے، اس سے عام افادیت کی زیادہ توقع رکھی جاتی ہے اور یہ حصول مقصد کا آسان ذریعہ ہے۔

اسی طرح بعض دوسرے فقہاء کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ تعزیر سے بالخصوص ضرب ہی مراد ہے، لیکن اس کا اختیار کیا جانا کوئی متعین امر نہیں ہے بلکہ رتبہ و ترتیب کے لحاظ سے وہ سرزنش، شہربدری اور ایسی ہی دیگر سزاؤں سے متاخر ہے اور اس کی نوبت اس وقت آتی ہے جب یہ سزائیں غیر موثر ہو جاتی ہیں۔ بہر حال ضرب لگانا اور بدنی سزا اس کے لئے متعین ہے جو مطلقاً خلاف ورزی کرے یا اس صورت کے ساتھ مشروط ہے جب گناہ سے روکنا، سرزنش کرنا، شہربدر کرنا وغیرہ موثر نہ ہوں اور وہ شخص اس فعل سے باز نہ آئے تو ضرب لگائی جائے گی یا یہ کہ امام کو اختیار ہے کہ دیگر سزاؤں اور ضرب لگانے میں سے جو مناسب سمجھے اس کا حکم دے، اس بارے میں کئی وجوہ اور بہت سے اقوال ہیں ــــ ان میں سے اکثر اقوال شرائع اور

القواعد کے بیانات میں گزر چکے ہیں، ان کا ظاہر یہ ہے:
تعزیر کا پہلا مفہوم وہی ضرب لگانا ہے۔
لیکن اس بارے میں کچھ اور اقوال بھی ہیں۔

۱۔ شیخ نے المبسوط کی کتاب الاشربہ میں کہا ہے: "جب کوئی انسان ایسا فعل کرے کہ جس سے وہ لائق تعزیر ہو مثلاً کسی عورت کا بوسہ لیا جو حرام ہے یا اس کی شرمگاہ کے علاوہ اختلاط کیا یا کسی لڑکے کی دونوں رانوں کے بیچ میں بدفعلی کی جو ہمارے نزدیک لواطت ہے یا کسی کو مارا پیٹا یا اسے ناحق گالی گلوچ کیا تو امام کو حق ہے کہ اسے تادیب کرے، پس اگر اس کی رائے ہو تو اسے سرزنش کرے یا قید میں ڈال دے تو وہ ایسا کرے گا، اگر اس کی رائے میں اسے تعزیر لگانا ضروری ہو تو پھر تعزیر لگانے میں اتنے کوڑے لگائے گا جو حد کی کم از کم مقدار تک نہ پہنچے اور وہ چالیس کوڑے ہیں، اگر وہ ایسا کرے اور وہ شخص صحیح و سالم رہے تو اس میں کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر وہ ہلاک ہو جائے تو ایک گروہ کے نزدیک امام و حاکم اس کے خون کا ذمہ دار ہے۔

لیکن ایک اور گروہ نے کہا، جب امام کو معلوم ہو کہ اس شخص کو تعزیر کے علاوہ کوئی چیز گناہ سے نہیں روک سکتی تو اس پر واجب ہے کہ اسے تعزیر لگائے ـــــ اگر وہ سمجھتا ہو کہ بغیر تعزیر کے کسی اور سزا سے بھی رک جائے گا تو اسے اختیار ہے کہ تعزیر لگائے یا چھوڑ دے، پس اگر وہ ایسا کرے تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں چاہے وہ تعزیر واجب لگائے یا تعزیر مباح لگائے اور ہمارے مذہب کا تقاضا بھی یہی ہے۔ (۴۵)

اس سے ظاہر ہے کہ تادیب میں وسعت ہے اور تعزیر کا انحصار ضرب اور مارپیٹ پر ہے، لیکن امام و حاکم ضرب اور غیر ضرب میں ہر ایک کا اختیار رکھتا ہے، پہلی جہت کے ذیل میں شیخ کا ایک اور قول المبسوط کی کتاب الاشربہ کے اواخر سے اور دوسرا قول الخلاف کی بحث اشربہ کے مسئلہ ۱۳ میں گزر چکا ہے اور یہ دونوں اس مقام سے مناسبت رکھتے ہیں ـــــ پس مراجعہ کریں۔

۲۔ التحریر کی کتاب حدود کے آخر میں ہے: تعزیر ہر اس جرم و جنایت میں واجب ہے کہ جس میں حد نہیں ہے..... اور وہ سرزنش، قید اور ضرب لگانے سے جاری ہوتی ہے، لیکن زخم لگانا، ہاتھ کاٹنا اور مال ضبط کرنا اس میں شامل نہیں ہے۔ (۴۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تادیب عام اور تعزیر خاص ہے اور امام و حاکم ان دونوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنے میں مختار ہے۔

۳۔ القواعد کی جو عبارت ہم نے پیش کی ہے، کشف اللثام میں اس کی شرح اس طرح ہوئی ہے: پس برائی سے روکنے کے وجوب کی بناء پر فعل حرام کے ارتکاب یا واجب کے ترک پر تعزیر کا وجوب ظاہر ہے جبکہ وہ منع کرنے اور سرزنش کرنے پر اس سے باز نہ آئے اگر ضرب کے بغیر کسی طرح گناہ سے رک جائے تو پھر مخصوص موارد کے سوا تعزیر لگانے کی کوئی دلیل نہیں کہ جن میں تادیب و تعزیر کے متعلق نص وارد ہوئی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے اور ان کے غیر کے کلام میں تعزیر نہی کے

ان مراتب کو بھی شامل ہو جو ضرب سے کمتر ہیں۔ (۴۷)

میں کہتا ہوں ـــــ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے باب تعزیر اور باب نہی از منکر کو خلط ملط کر دیا ہے، گویا انہیں وہم ہوا ہے کہ تعزیر ہر منکر و برائی کو روکنے کے لئے واقع ہوئی ہے، پس اگر وہ اس کے بغیر گناہ سے باز آجائے تو پھر اس کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن یہ کہنا ممکن ہے کہ تعزیر کا حکم دینے کی حکمت و مصلحت فاعل کو آئندہ کے لئے اس فعل سے روکنا ہے یا ان لوگوں کو جو اس تعزیر کے وقت موجود ہوں یا اس کے بارے میں سنیں، جیسا کہ حدود کے تعین میں بھی یہی مقصد ہے، پس اس میں غور کریں۔

اس کے علاوہ انہوں نے جو احتمال دیا ہے کہ تعزیر ـــــ نہی و سرزنش کو بھی شامل ہے تو شاید یہ بات انہوں نے علامہ کی تحریر یا اسی قسم کی دوسری کتابوں سے اخذ کی ہے۔

ممکن ہے اس پر اعتراض کیا جائے کہ اولاً یہ بات ہمارے اصحاب کے کلمات کے برخلاف ہے، اگرچہ اسے بہت سے اہل سنت مولفین نے اختیار کیا ہے جیسا کہ اس کا ذکر آئے گا۔ ثانیاً یہ کہ اس باب کے بہت سے اخبار و روایات میں لفظ تعزیر مذکور نہیں ہے کہ اسے عمومیت پر حمل کیا جائے بلکہ مطلقاً ضرب یا اس کی خاص مقدار یا نہایہ کی مانند اسے ضرب سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ اسحاق بن عمار کی خبر اور صحیحہ حماد بن عثمان میں ہے اور ان دونوں میں تعزیر کی مقدار کی بابت سوال کیا گیا ہے۔ (۴۸)

باقی رہے وہ کلمات جن میں لفظ تعزیر بطور اطلاق واقع ہوا تو اگرچہ وہاں یہ لغت کے لحاظ سے عام ہے اور اس میں ضرب وغیر ضرب شامل ہے لیکن صدور اخبار کے زمانہ میں ضرب کا مقام عمل میں متعارف ہونا شاید اس بات کا موجب ہے کہ مطلقات کو ضرب کی طرف منصرف سمجھا جائے، اسے یاد رکھیں

لیکن اقوی اس لفظ کی تعمیم اور عام ہونا ہے جیسا کہ اس کا ذکر آئے گا۔

۴۔ ماوردی نے کہا ہے۔ تعزیر کا حکم فاعل کے حال میں اختلاف کے ساتھ مختلف ہونے والا ہے، پس وہ ایک وجہ سے حدود کے موافق ہے کہ زجر و توبیخ اور تادیب کی غرض طلب اصلاح ہے اور فعل و فاعل کے حال میں اختلاف سے اس میں فرق پڑ جاتا ہے، لیکن تین وجوہ کی بناء پر یہ حدود سے مختلف ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ارشاد پیغمبرؐ: "صاحب عزت لوگوں کی خطاؤں سے صرف نظر کرو" کی بناء پر صاحب عزت اور محتاط کی تادیب خفیف اور سفیہ واحمق کی تادیب سخت ہوتی ہے جبکہ حدود کے اجراء میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔ پس حکم ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام و منزلت پر رکھو اگرچہ حدود مقدرہ و معینہ میں وہ برابر ہیں، یعنی جس کی منزلت بلند ہے اس کی تعزیر اس سے اعراض کرنے میں ہے جبکہ اس سے پست شخص کی تعزیر اس کے ساتھ سختی کرنا اور اس کے لئے تلخی و سختی کے ساتھ ڈانٹ اور جھڑک ہے کہ جس کی غرض اسے اس طرح کمتر قرار دینا ہے جس میں تہمت اور گالی گلوچ نہ ہو، پھر اسے ان لوگوں کی سطح پر رکھا جائے جن کو ان کی بری حرکتوں کے باعث قید کیا جاتا ہے، پس ان میں بعض کو ایک دن اور بعض کو اس سے زیادہ مدت تک قید میں رکھا جائے گا تاکہ غرض اصلاح حاصل ہو۔ (۴۹)

ابو یعلیٰ فراء نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ (۵۰)

۵۔ معالم القربتہ میں ہے: فعل و فاعل کی حالت میں اختلاف کے ساتھ تعزیر کی شکل میں فرق پڑ جاتا ہے، پس یہ ایک جہت سے حدود کے ساتھ موافقت رکھتی ہے اور وہ اصلاح کے لئے فاعل کو جھڑکنا اور اس کی تادیب کرنا ہے ـــــ لیکن ایک جہت سے حدود کے ساتھ تخالف رکھتی ہے کہ اس میں صاحبان عزت کی تادیب احمق لوگوں کی نسبت خفیف ہوتی ہے۔ پس لوگوں میں ان کے مراتب کے لحاظ سے تعزیر میں نرمی و سختی رکھی جائے اگرچہ مقررہ حدود کے اجراء میں وہ سب برابر ہیں، صاحب اعزاز و اکرام کی تعزیر اس سے اعراض و بے توجہی سے پیش آنا ہے، جو اس سے پست ہے اس کی تعزیر سخت و تلخ گفتگو سے ہوگی جس میں مقصد اسے زچ کرنا ہے، جو اس سے پست درجے میں ہو اسے قید و بند کے ساتھ تعزیر کی جائے اور اس میں ان کے برے افعال کو پیش نظر رکھنا ہوگا، کسی کو ایک دن اور کسی کو اس سے زیادہ مدت تک قید میں ڈالا جائے گا۔ ابو عبداللہ زبیری جو شافعی کے اصحاب میں سے ہے، اس نے کہا ہے کہ پوچھ گچھ اور تفتیش کے لئے اسے ایک ماہ تک بند کیا جائے اور پھر تادیب کے لئے چھ ماہ تک قید میں رکھا جائے گا۔ اگر امام یا اس کا نائب اسے کوڑے لگانا ضروری سمجھے تو لگائے لیکن ان کی مقدار اتنی ہو جو کم سے کم حد شرعی تک نہ پہنچے، کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جو ایسا کام کرے جس پر حد نہیں ہے تو تعزیر لگائی جائے، اس لئے کہ یہ گناہ اس سے کم ہیں لہٰذا ان میں وہ سزا واجب نہیں جو بڑے گناہوں میں ہے.... (۵۱)

۶۔ شافعیوں کی کتاب فقہ المنہاج نووی میں ہے: فصل۔ ہر اس معصیت و گناہ پر تعزیر لگائی جائے جس کے لئے حد نہیں اور نہ قید و کفارہ ہے، اس میں مار پیٹ، سر پر چوٹ لگانے اور ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا جائے گا، امام و حاکم اس کی جنس اور مقدار میں اجتہاد کرے گا اور مناسب سزا دے گا ـــــ لیکن کہا گیا ہے کہ اگر اس معصیت کا تعلق کسی انسان سے ہے تو اس کے لئے سرزنش کافی نہیں ہے۔ (۵۲)

۷۔ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں کہا ہے: فصل۔ تعزیر میں ضرب لگانا، قید کرنا اور سرزنش کرنا شامل ہے۔ (۵۳)

۸۔ احیاء العلوم میں ہے: چوتھا رکن احتساب ہے اور اس کے درجات و آداب ہیں۔

اس کے درجات میں پہلا درجہ گناہ و معصیت کی شناخت، دوسرا درجہ گناہ کرنے والے کو بتانا اور جتانا، تیسرا درجہ گناہ گار کو وعظ و نصیحت کرنا، چوتھا درجہ اسے ملامت کرنا اور سخت سست کہنا، پانچواں درجہ ہاتھ سے روکنا اور مزاحمت کرنا، چھٹا درجہ ضرب لگانے کی دھمکی دینا، ساتواں درجہ ضرب لگانا، آٹھواں درجہ اعوان و انصار جمع کرنا، ہتھیار نکالنا اور گناہگار پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔

اس کے بعد ان تمام درجات کی تشریح اور ان کے خصوصیات کی تفصیل بیان کی ہے، پس مراجعہ کریں۔ (۵۴)

۹۔ فقہ حنفیہ کی کتاب بدائع الصنائع کاشانی میں ہے: اور ہمارے بعض مشائخ نے لوگوں کے احوال و مراتب کے لحاظ سے تعزیر میں درجہ بندی کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ تعزیر کے چار مراتب ہیں ـــــ اشراف الاشراف، اشراف، متوسط، پست

(۱) اشراف الاشراف

یہ سادات علوی اور فقہاء ہیں، پس ان کی تعزیر صرف ان کی خطاء کو ان پر واضح کر دینا ہے۔

(۲) اشراف

یہ سردار قبیلہ اور رئیس قصبہ و دیہہ وغیرہ ہیں، ان کی تعزیر ان کی خطاء کو ان پر واضح کرنا اور پھر قاضی و محتسب کے پاس لے جانا اور اس بات کو سر محفل بیان کرنا ہے۔

(۳) متوسط یعنی درمیانہ درجے کے لوگ

یہ عام خوشحال لوگ ہیں، ان کی تعزیر ان کی خطاء کو ان پر واضح کرنا، قاضی کے پاس لے جانا اور پھر قید و بند میں ڈالنا ہے۔

(۴) یہ خوشحال لوگوں سے پست اور بری عادت والے افراد ہیں، ان کی تعزیر ان کی خطاء کو ان پر واضح کرنا، قاضی کے پاس لے جانا، ضرب لگانا اور قید کرنا ہے، کیونکہ ڈانٹ ڈپٹ اور سزا سے متاثر ہونے میں لوگوں کے مراتب مختلف ہیں۔ (۵۵)

۱۰۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے: خلاصہ یہ کہ تعزیر حاکم کے لئے ایک وسیع باب ہے اور ممکن ہے وہ اس کے تحت ان تمام جرائم کی مناسب سزا تجویز کرے جن کے لئے شارع نے کوئی حد یا کفارہ مقرر نہیں کیا یعنی وہ ہر حالت و کیفیت اور ہر جرم کو مدنظر رکھتے ہوئے سرزنش، ضرب، قید اور جلا وطنی کی سزا کا حکم سنائے اور عمل کرائے۔ (۵۶)

۱۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: تعزیر میں ضرب لگانا، قید و بند، جلا وطن کرنا، تاوان وصول کرنا اور سرزنش کرنا اور اسی طرح کی سزائیں شامل ہیں، ایک شخص کو برائی سے روکنے کے لئے حاکم ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے وہ اسے دے گا اور اس میں لوگوں کے حالات کے مطابق فیصلہ کرے گا، یہاں تک کہ حنفی اور مالکی فقہاء کے نزدیک وہ سزائے موت بھی دے سکتا ہے اور یہ بھی تعزیر شمار ہوگی۔

تعزیر کا معاملہ ہر زمانے اور ہر مقام پر حکومت کے ہاتھ میں ہوتا ہے، وہ قاضیوں کے لئے نظام اور قوانین بنائے گی اور وہ مصلحت کے مطابق تعزیر میں ان قوانین پر عمل کریں گے۔ (۵۷)

میں کہتا ہوں ـــــ علماء اہل سنت میں سے ان مولفین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصطلاح کے مطابق ان کے نزدیک تعزیر کا مفہوم ضرب لگانے اور اذیت پہنچانے سے زیادہ وسیع ہے جیسا کہ لغت کے لحاظ سے بھی اس میں وسعت پائی جاتی ہے، حتیٰ کہ یہ تو زجر و توبیخ، قید و بند اور جلا وطنی کو بھی شامل ہے، پس جو کچھ انہوں نے ذکر کیا وہ بعید نہیں ہے۔ البتہ ظاہری طور پر تعزیر کے طور پر ضرب لگانا معروف ہو گیا ہے کیونکہ وہ عام طور پر اپنی شدت، تاثیر اور افادیت کے اعتبار سے حصول مقصد کے لئے زیادہ آسان اور سہل ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

ضرب و اذیت کے ساتھ یا اس کے بغیر تادیب کے متعلق روایات و واقعات

۱۔ حضرت رسولؐ نے حکم بن ابو العاص کو طائف کی طرف جلا وطن کیا تھا، کیونکہ اس نے آپ کے بعض حرکات و سکنات کی نقل اتاری تھی۔ پس آپ نے جلاوطنی کے علاوہ اسے ملامت بھی کی اور فرمایا: "پس اسی طرح ہو جا" چنانچہ اس پر ہمیشہ کے

لئے رعشہ ولرزہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ (۵۸)

۲۔ آنحضرتؐ نے ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک سے دوری اختیار کرلی اور لوگوں کو ان سے بات کرنے سے روک دیا اور ان کی بیویوں کو ان سے الگ رہنے کا حکم دیا، یہاں تک کہ زمین ان پر تنگ ہوگئی ــــ ان کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سفر تبوک میں حضرت رسولؐ کا ساتھ نہ دیا اور حکم کی خلاف ورزی کی تھی، پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کی اور سورہ توبہ میں ان کے بارے میں ایک آیت نازل ہوئی ــــ پس مراجعہ کریں۔ (۵۹)

۳۔ سنن ابو داؤد میں ابوہریرہ سے مروی ہے: نبی اکرمؐ کی خدمت میں ایک مخنث (ہیجڑے) کو لایا گیا کہ جس نے اپنے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگا رکھی تھی، آپ نے فرمایا "اسے کیا ہوا ہے" عرض کیا گیا کہ یہ عورتوں سے مشابہت پیدا کرتا ہے ــــ پس آپ نے حکم دیا کہ اسے مقام نقیع کی طرف نکال دیا جائے۔ تب لوگوں نے عرض کیا: آیا ہم اسے قتل کردیں؟ آپ نے فرمایا: "مجھے نماز پڑھنے والوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے" ابو اسامہ نے کہا ہے کہ نقیع مدینہ کے نواح میں ایک مقام ہے اور یہ بقیع کے علاوہ ایک جگہ کا نام ہے۔ (۶۰)

۴۔ اسی کتاب میں ابن عباس سے مروی ہے کہ مردوں میں سے جو مخنث ہیں اور عورتوں میں سے جو مردوں سے مشابہت پیدا کرنے لگتی ہیں، نبی کریمؐ نے ان پر لعنت کی اور فرمایا "انہیں اپنے گھروں سے خارج کردو اور فلاں فلاں کو بھی نکال باہر کرو۔ (۶۱)

۵۔ الوسائل میں مکارم الاخلاق سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے مخنثوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ (۶۲)

۶۔ التاج الجامع للاصول میں ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ضرب لگانے کے ساتھ جلا وطن بھی کیا، ابو بکر و عمر نے ضرب لگانے کے ساتھ ساتھ جلا وطن کیا ــــ ترمذی، حاکم اور ابن خزیمہ نے اس کی روایت کی اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (۶۳)

۷۔ الغرر والدرر میں امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ بعض ایسے گناہ ہیں جن کی سزا گناہ گار کو آگاہ کرنا اور جتلا دینا ہوتی ہے۔ (۶۴)

۸۔ صدوق نے اپنی اسناد کے ساتھ برقی اور اس کے باپ سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: امام و حاکم پر واجب ہے کہ علماء میں سے فاسقوں کو، اطباء میں سے جاہلوں کو اور کرایہ داروں میں سے مفلسوں کو قید میں ڈالے نیز فرمایا کہ حدو سزا کے بعد امام ان کو قید رکھے تو یہ ظلم ہے۔ (۶۵)

۹۔ طلحہ بن زید کی خبر میں امام جعفر صادقؑ و امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں ایک مرد کو لایا گیا جو ایک عورت کے گھر میں اس کے بستر پر پایا گیا تھا، آپ نے پوچھا کہ تم لوگوں نے اس کے علاوہ کچھ اور بھی دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ــــ نہیں؟ پس آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کو بیت الخلاء میں لے جاؤ اور وہاں اسے پیٹ اور پیٹھ کے بل لٹاؤ اور رگیدو ــــ پھر چھوڑ دو۔ (۶۶)

۱۰۔ حفص بن بختری کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ ایک مرد کو امیر المومنینؑ کی خدمت میں لایا گیا جو دوسرے شخص کے بستر پر پایا گیا، پس آپ نے حکم دیا کہ اسے بیت الخلاء میں لے جاکر وہاں اچھی طرح رگیدو اور پھر ایسا ہی کیا گیا۔ (۶۷)

مخفی نہیں کہ لواطت اور اس سزا کے درمیان بڑی مناسبت ہے اور یہ کہ فاعل کو اس سے باز رکھنے اور روکنے کے لئے یہ سزا ضرب لگانے سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

۱۱۔ غیاث بن ابراہیم کی خبر میں امام جعفر صادقؑ و امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ امیر المومنینؑ جب کسی جھوٹے گواہ کو گرفتار کرتے تو اگر وہ مسافر ہوتا تو اسے اس کے قبیلے میں اور تاجر ہوتا تھا تو بازار میں بھجواتے، پھر وہاں اسے ادھر ادھر پھرایا جاتا اور بعدہ کچھ دن قید رکھ کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ (۶۸)

۱۲۔ سکونی کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ امیر المومنینؑ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کسی لڑکی کے کان سے ایک موتی اڑالیا تھا، آپ نے فرمایا کہ یہ علانیہ جرم و فساد ہے، پس اسے ضربیں لگائی گئیں اور پھر قید میں بھی ڈالا گیا۔ (۶۹)

۱۳۔ عباد بن صہیب کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ سے ایک نصرانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کسی مسلمان پر تہمت لگائی اور اسے کہا، اے زانی! پس آپ نے فرمایا کہ اس کو اسی کوڑے مسلمان کے حق کی بناء پر لگائے جائیں، ایک کم اسی کوڑے اسلام کی بے حرمتی کے بدلے میں نیز اس کا سر مونڈا جائے اور اس کے اہل مذہب میں اسے پھرایا جائے اور اس کی تشہیر کی جائے تاکہ دوسرے لوگ اس چیز سے پرہیز کریں۔ (۷۰)

۱۴۔ نہج السعادۃ مستدرک نہج البلاغہ میں ہے: جب ایک دشمن مسیب کے ہاں سے فرار ہوکر معاویہ کی طرف چلا گیا تو مسیب امیر المؤمنین کی بارگاہ میں حاضری کے لئے آیا جبکہ آپ کو اس واقعہ کی خبر مل چکی تھی، پس آپ نے کئی دن تک اسے ملاقات کا شرف نہ بخشا، پھر بلاکر سرزنش کی اور کہا کہ تو اپنی جماعت سے دور ہوا، اسے دھوکہ دیا اور اسے ضائع کیا، اس نے معذرت کی اور اہل کوفہ کی نگاہوں نے آپ کو اس سے راضی ہو جانے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن آپ نے توجہ نہ دی اور مسیب کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا نیز کہا گیا ہے کہ اسے قید میں ڈالا اور پھر اپنے پاس بلوایا.... (۷۱)

شاید ایک تحقیق و جستجو کرنے والا شخص ایسے بہت سے موارد سے واقف ہو اور یقیناً یہ سب باب تعزیر سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ حد و تعزیر کے علاوہ کوئی تیسری سزا کہیں مذکور نہیں ہے، پس تعزیر کا مفہوم ضرب لگانے اور مارنے سے عام اور وسیع تر ہے اور یہی ہمارا مطلوب ہے، پس اس میں غور و فکر کریں اور اسے یاد رکھیں۔

وہ ادلہ جن سے تعزیر میں ضرب و اذیت پر استدلال کیا جاتا ہے

ممکن ہے تعزیر میں ضرب لگانے کے تعین میں چند وجوہ سے استدلال کیا جائے۔

پہلی وجہ

ان ادلہ کا اطلاق جو خاص موارد میں ضرب لگانے پر دلالت کرتی ہیں مثلاً حائض یا روزہ دار بیوی سے مجامعت کرنا اور ایسے ہی دوسرے موارد جو اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

دوسری وجہ

ان روایات کا عموم جو دلالت کرتی ہیں کہ خدا نے ہر چیز کے لئے ایک حد مقرر کی ہے اور جو اس کے حدود میں کسی حد سے تجاوز کرے تو اس کے لئے حد و سزا ہے۔

یہی روایات ہر گناہ میں تعزیر کے ثبوت کے لئے بہترین دلیل ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، چونکہ حد اصطلاحی ضرب ہی کی ایک قسم ہے تو لازماً تعزیر بھی اسی قسم میں داخل ہوگی اور دونوں پر لفظ حد کا اطلاق ایک ہی وجہ و سبب سے ہوا ہے۔

تیسری وجہ

اصل اور قاعدہ تسلط ہر دو یہ تقاضا کرتے ہیں کہ کسی دوسرے کے تسلط میں تصرف نہ کیا جائے مگر یہ کہ شریعت اس کی اجازت دے، اس میں ضرب لگانے کی اجازت ہے جبکہ اس کے علاوہ دوسرے امور میں شک ہے پس وہ جائز نہیں ہوں گے، پس یہاں مقام امتثال و اطاعت ہے اور اس میں معاملہ تعیین و اختیار میں منحصر ہے اور ایسے مواقع پر حکم عقل تعیین کی تاکید کرتا ہے۔

ممکن ہے پہلی وجہ کے جواب میں کہا جائے کہ اولاً ہم ان موارد میں تعیین ضرب تسلیم کرتے ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ ضرب لگانے کا حکم وارد ہوا ہے مثل حائض یا روزہ دار بیوی سے مجامعت کرنا کہ ان دونوں صورتوں میں پچیس کوڑے مارنے کا حکم ہے، اسی طرح دو مردوں یا دو عورتوں یا ایک مرد اور اجنبی عورت کا ایک بستر میں برہنہ ہونا کہ ان میں ہر صورت کے لئے تیس سے ننانوے کوڑے لگانے کا حکم ہوا ہے، جبکہ ہماری گفتگو ان کے علاوہ دوسرے امور میں ہے کہ جن میں جرم و گناہ ہوئے اور ان کے متعلق کوئی مقررہ سزا مذکور نہیں ہے، ثانیاً دو مردوں اور ایک مرد و عورت کے بارے میں امیر المومنین ؑ کے اقوال گزر چکے ہیں کہ انہیں بیت الخلاء میں رگیدا جائے۔

دوسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں حد سے یقیناً اصطلاحی حد مراد نہیں ہے جیسا کہ استدلال کی بنیاد یہی ہے، پس لامحالہ اس کا لغوی معنی مراد ہے اور اس بناء پر یہ لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے، وہ لغت میں منع، کف، صرف (روکنے، بند کرنے، پھیرنے) کے معنی میں ہے، پس ان روایات میں اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو کسی برائی کرنے والے کو منع کرے اور روکے کہ جو بے لگام ہے۔ اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے لہٰذا وہ اصطلاحی حدود اور اسی طرح تعزیرات کی مختلف اقسام کو شامل ہے جیسا کہ آپ کے ارشاد "بیشک خدا نے ہر چیز کی ایک حد مقرر کی ہے" میں افعال و تروک کی محدودیت مراد ہے اور اس میں

اطلاق نہیں ہے، اسی لحاظ سے یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی استعمال ہوا ہے جہاں وارثوں کے حصے بیان ہوئے ہیں "یہ اللہ کے حدود ہیں، جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں..... اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے اور اس کے حدود سے تجاوز کرے" (۷۲)

نیز امیر المومنینؑ کے ارشاد میں بھی آیا ہے "اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود مقرر کی ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو"۔ (۷۳)

خلاصہ یہ کہ جو روایات محل استدلال میں ہیں ان میں لفظ حد کا اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ یہ ان دونوں میں اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے آیا ہے ـــــ یعنی منع و صرف ـــــ پس یہ سرزنش، تہدید، قید اور جلاوطنی کو بھی شامل ہے کیونکہ ان سے بھی منع اور رکنے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اگرچہ فرض کیا جائے کہ ان پر تعزیر کا اطلاق نہیں ہوتا، اس میں تعزیر کا تعین حاکم کے سپرد ہوگا اور وہ جس میں مصلحت دیکھے گا اسی کا حکم دے گا۔ لیکن اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ان اخبار اور عبارات اصحاب کا ظہور حد اصطلاحی و تعزیر میں ایک نوع اور قسم کے طور پر ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حد اصطلاحی بھی عقوبت و سزا اور اذیت پہنچانے میں منحصر نہیں ہے کیونکہ زناء کے بعض موارد میں کوڑے لگانے کے ساتھ جلاوطن کرنا بھی ثابت ہے، اسی طرح قائد و دلال (جرم میں رہنمائی کرنے والے) اور محارب (ڈاکہ ڈالنے والے) کی سزا میں حد اور کوڑے لگانے کے ساتھ جلاوطنی کی سزا دینے کا اختیار بھی ہوتا ہے۔

الوسائل میں تفسیر عیاشی سے ابو جعفر ثانیؑ کی ایک طویل حدیث آئی ہے: پس اگر وہ صرف راستے میں خوف پیدا کریں لیکن نہ کسی کا مال چھینیں اور نہ کسی کو قتل کریں تو انہیں قید کرنے کا حکم ہے، اگر ایسا ہو تو ان کو وہاں سے نکال دینے کا معنی یہی ہے جبکہ انہوں نے راستوں میں خوف پیدا کیا ہے۔ (۷۴)

تیسری وجہ کے جواب میں اولاً کہا جائے گا کہ یہاں معاملہ عمل کرنے یا ترک کرنے میں دائر نہیں ہے بلکہ فرض و ذمہ داری کے ثبوت کا معاملہ ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوا کہ وجوب کا تعلق خصوصاً ضرب کے ساتھ ہے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ ہے، اس قسم کے موارد میں حق وہی برائت ذمہ ہے اور اشتغال مطلوب نہیں ہے ـــ غور کریں۔

ثانیاً یہ کہ ہم اس سے انکار کرتے ہیں کہ یہ موقع تعیین و تخییر کے موارد میں سے ہے کیونکہ ہم مطلقاً ضرب کے جواز کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ احتمال ہے کہ سرزنش، سخت گیری، جلاوطنی اور تہدید کے مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہو یہاں تک نوبت ضرب لگانے اور مارنے تک پہنچے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ مختلف قسم کے ہیں اور گناہ و جرم بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں، فریقین کے ہاں وارد ہوا ہے کہ شک و شبہ کی صورت میں حدود کا اجراء ہٹایا جائے گا، اس سے عموم کا لازمہ ظاہر ہے لہٰذا ضرب لگانا جائز نہیں ہے جبکہ گناہ معمولی ہو اور اس سے کمتر سزا سے اس کے رکنے اور باز آنے کی توقع ہو، یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے مالی سزا کا حکم ظاہر ہو جاتا ہے لیکن اس کی اہمیت کے باعث ہم آنے والی جہت میں اس پر بحث کریں گے۔

پانچویں جہت ـــ مالی تعزیر کا بیان

کیا مال لینے یا تلف کر دینے کے ساتھ مالی تعزیر جائز ہے یا نہیں؟ اس میں دو وجوہ ہیں اس لحاظ سے کہ اصل مقصد گناہگار کو منع کرنا اور اسے روکنا ہے بعض اوقات مالی تعزیر اس غرض کو بہتر طور پر پورا کرتی، گناہ سے باز رکھتی اور معاشرے کے لئے بیشتر اصلاح و درستی کا باعث بنتی ہے، لہٰذا ادلہ حکومت کا اطلاق اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے اور بعض اخبار جو خاص موارد میں آئے ہیں وہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

نیز اس وجہ سے کہ احکام شریعت توقیفی یعنی قائم رکھنے کے لئے ہیں، لہٰذا حدود و تعزیرات کے باب میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ـــ اور یہ ان اہم مسائل میں سے ہے جو ہمارے آج کے زمانے میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

ابن اخوہ نے معالم القربتہ کے باب ۵۰ میں کہا ہے:

فصل۔ باقی رہی مالی تعزیر تو وہ مالک کے نزدیک جائز ہے اور شافعی کے نزدیک یہی قول قدیم ہے، اس نے اسی دلیل کی بناء پر اس شخص پر ایک دینار کفارہ واجب کیا ہے جو ابتداء حیض میں اپنی بیوی سے مجامعت کرے اور نصف دینار ایسے شخص پر جو آخر حیض میں اپنی بیوی سے ہم بستری کرے، یہ روایت ابن عباس سے وارد ہوئی ہے۔

جو شخص مال زکات روک رکھے تو اس سے وہ زکات لی جائے گی اور بطور سزا اس کے دوسرے مال سے بھی ایک حصہ لے لیا جائے گا، اس پر بہز بن حکیم کی روایت سے استدلال کیا گیا ہے جو اس نے اپنے باپ سے، اس نے اپنے دادا سے اور اس نے نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جنگل میں چرنے والے ہر چالیس اونٹوں پر زکات میں ایک بنت لبون وہ مادہ اونٹنی جو دو سال کی ہو کر تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو، پس جو شخص از خود دے گا تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور جو روکے رکھے گا تو میں اس سے زکات بھی لوں گا اور اس کے ساتھ اس کے مال کا کچھ حصہ بھی لوں گا، یہ ہمارے پروردگار کے حقوق و واجبات میں سے ایک واجب ہے اور اس میں آل محمدؐ کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ روایت بھی آئی ہے کہ سعید بن مسیب (سعد بن ابی وقاص۔ خ ل) نے اس شخص کا لباس چھین لیا جس نے مدینہ میں کسی جانور کا شکار کیا تھا، اس نے کہا کہ میں نے حضرت رسولؐ کو یہ فرماتے سنا: جو آدمی کسی کو مدینہ میں شکار کرتے دیکھے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ اس کا لباس چھین لے (یہاں سلب سے مراد صرف لباس ہے) اور یہ وہ چیز ہے جو امام و حاکم کے لئے وارد ہوئی ہے، اس کے ساتھ ہی یہ روایت بھی ہوئی ہے کہ لوگوں نے سعد سے اس لباس کے بارے میں بات کی تو اس نے کہا: میں وہ رزق واپس نہیں کرتا جو مجھے نبی کریمؐ نے کھلایا ہے۔ اسی طرح یہ روایت ہوئی ہے کہ خلیفہ عمر بن خطاب نے ملاوٹی دودھ بہا دیا، نیز یہ کہ امیر المومنین امام علیؑ نے ایک ذخیرہ اندوز کی گندم جلا دی تھی، چنانچہ غزالی نے کہا کہ اگر امام و حاکم اس میں مصلحت دیکھے تو اس کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ہے۔

میں کہتا ہوں ـــ امام و حاکم کو یہ حق ہے کہ وہ ڈانٹ ڈپٹ کرنے میں وہ برتن توڑ ڈالے جن میں شراب ہو، اس لئے کہ حضرت رسولؐ کے زمانے میں ایسا کیا گیا اور اس کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوا، لیکن اس دور میں شراب نوشی بند کرانے کے لئے ایسی ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت تھی، تاہم جب والی و حاکم اپنے اجتہاد کے مطابق اس کی ضرورت سمجھے تو اس کے لئے اس طرح

کا عمل جائز ہے، لیکن اگر یہ عمل ایک طرح کے دقیق اور گہرے اجتہاد پر موقوف ہو تو پھر رعیت میں سے کسی کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ (۷۵)

جو کچھ ہم معالم القربتہ سے نقل کرنا چاہتے تھے وہ یہاں ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں ــــ حائض عورت سے ہم بستری پر کفارہ کی حدیث کی طرح ہمارے طرق سے بھی روایات مستفیضہ وارد ہوئی ہیں کہ جنہیں بعض علماء نے مستحب قرار دیا اور یہی اقویٰ ہے، پس الوسائل کی طرف مراجعہ کریں۔ (۷۶)

محمد بن مسلم کی خبر میں ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے جبکہ وہ حالت حیض میں ہے، آپ نے فرمایا: حیض کے آغاز میں ایسا کرے تو اس پر ایک دینار کفارہ ہے اور حیض کے آخر میں آدھا دینار ہے، راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا: آپ پر قربان ہو جاؤں ــــ کیا اس پر کوئی حد بھی واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: ۲۵ کوڑے جو زانی کی سزا کا ایک چوتھائی ہے۔ (۷۷)

بہز بن حکیم کی مذکورہ روایت کو سنن ابو داؤد میں بھی ذکر کیا گیا اور اس کے الفاظ یہ ہیں "جو طالب اجر و ثواب ہو کر زکات دے"۔ (۷۸) ظاہراً یہی صحیح ہے۔

سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ سلیمان بن ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں نے سعد بن ابی وقاص کو دیکھا جب انہوں نے اس شخص کو پکڑ رکھا تھا جس نے مدینہ میں شکار کیا تھا حالانکہ حضرت رسولؐ نے اس کو حرام قرار دیا تھا، پس انہوں نے اس شخص سے اس کا لباس چھین لیا ــــ پھر اس کے رشتہ دار اور دوست آئے اور انہوں نے اس سلسلے میں بات چیت کی، اس پر سعد نے کہا کہ حضرت رسولؐ نے اس جگہ شکار کرنا حرام قرار دیا اور فرمایا ہے: "جو آدمی مدینہ میں کسی کو شکار کرتے دیکھے وہ اس کا لباس چھین لے" لہٰذا میں یہ رزق واپس نہیں دیتا جو مجھے رسول اکرمؐ نے کھلایا ہے تم چاہو تو اس کی قیمت دے دیتا ہوں۔ (۷۹)

یہ روایت مسند احمد میں بھی آئی ہے لیکن اس میں یوں کہا گیا: جو کسی کو یہاں شکار کرتے دیکھے اس کا لباس اس دیکھنے والے کے لئے ہے۔ (۸۰)

سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص کے غلام سے روایت ہے کہ سعد نے مدینہ میں کچھ غلاموں کو درخت کاٹتے دیکھا تو ان کا مال و متاع چھین لیا، پھر ان کے آقاؤں سے کہا کہ میں نے حضرت رسولؐ کو یہ فرماتے سنا: آپ نے مدینہ کے درختوں میں سے کوئی چیز کاٹنے کی ممانعت فرمائی اور کہا کہ جو مدینہ کے درختوں میں سے کوئی چیز کاٹے اور کوئی اسے پکڑے تو پھر اس کا مال و اسباب اسی پکڑنے والے کا ہے۔ (۸۱)

میں کہتا ہوں ــــ ابن اثیر نے نہایہ میں کہا ہے: جو کسی کو قتل کرے تو اس کا سلب اسی کے لئے ہے، احادیث میں بار بار سلب کا ذکر ہوا ہے، اس سے مراد وہ مال ہے جو دو مد مقابل جنگ آزماؤں میں سے ایک دوسرے سے لے لیتا ہے، اس میں لباس ہتھیار اور گھوڑا وغیرہ شامل ہوتے ہیں اور یہاں سلب کے معنی چھینے ہوئے مال کے ہیں۔ (۸۲)

اس بناء پر سلب لباس کی نسبت عام معنی میں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، منع شکار کے باوجود شکار کرنے والے کا آلہ شکار اور درخت کاٹنے کی ممانعت کی صورت میں درخت کاٹنے والے سے اس کا ہتھیار لے لینا مناسب ہے، اسے یاد رکھیں۔

ابن حزم نے ابو الحکم سے روایت کی ہے: امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے ایک لاکھ کی اس گندم کو جلا دیا جو ذخیرہ اندوزی کے طور پر رکھی گئی تھی، حبیش سے مروی ہے کہ امیر المومنینؑ نے میری ذخیرہ کی ہوئی گندم کے ڈھیر جلا دئے، اگر آپ انہیں رہنے دیتے تو مجھے کوفہ کے محصولات جتنا نفع ہوتا۔ (۸۳)

الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے: بعض حنفی فقہاء نے اس بناء پر مالی تعزیر کو جائز قرار دیا ہے کہ جب وہ شخص توبہ کرلے تو وہ مال واپس کر دیا جائے، پس جب ہم نے سزاؤں میں سے چوری کی حد، تہمت کی حد، قصاص اور بعض ایسی چیزیں جن کے لئے شارع نے کفارہ مقرر کیا ہے مثل قسم، حالت حیض میں بیوی سے جماع کا استثناء کیا ہے کیونکہ اخلاقی اور مالی جرائم نیز دیگر چھوٹی موٹی خطاؤں کی سزائیں حاکم کے اجتہاد اور اندازے پر موقوف ہیں، پس حاکم کا فرض ہے کہ برائیوں پر سزائیں دے اور مجرموں کو ڈانٹ ڈپٹ کرے۔ (۸۴)

ابن قدامہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ہے:

فصل۔ تعزیر میں ضرب لگانا، قید میں ڈالنا اور سرزنش کرنا شامل ہے لیکن کوئی عضو کاٹنا، زخم لگانا اور مال ضبط کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ شریعت میں اس ضمن میں کوئی چیز وارد نہیں ہوئی کہ جس کی پیروی کی جائے، تاہم ادب سکھانا اور غلط کاروں کو سیدھا کرنا ضروری ہے مگر تادیب کسی کو زخم لگانے اور عضو کاٹنے سے نہیں ہوتی۔ (۸۵)

خلاصہ یہ کہ مالی تعزیر فقہاء اہل سنت کے ہاں مذکور ہے اور آپ اس کا جواز قدماء میں مالک و شافعی اور بعض حنفی فقہاء کے اقوال میں دیکھ چکے ہیں، اس پر انہوں نے ان روایات سے استدلال کیا ہے جو مدینہ میں شکار کرنے والے اور درخت کاٹنے والے کا لباس اور ہتھیار لے لینے، یا زکات روکنے والے سے زکات وصول کرنے کے علاوہ مال کا کچھ حصہ لینے یا امیر المومنینؑ کے ذخیرہ اندوز کی گندم جلانے یا حائض بیوی کے ساتھ جماع کرنے والے سے کفارہ لینے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

وہ ادلہ جن سے مالی تعزیر میں مال لینے یا اسے تلف کرنے پر استدلال کیا جاسکتا ہے

میں کہتا ہوں ــــــ ممکن ہے ان ادلہ سے جو گزر چکی ہیں، کچھ اور امور پر بھی استدلال کیا جائے اگرچہ ان میں سے بعض قابل مناقشہ ہیں۔

پہلا امر

حضرت موسیٰؑ کا اس بچھڑے کو جلانا جس کو معبود بنایا گیا تھا۔

قرآن کہتا ہے:

وانظر الى الٰهك الذي ظلت عليه عاكفاً، لنحرقنه ثم لننسفنه في اليم نسفاً - (۸۶)

"اور تو اس معبود کو تو دیکھ جس کی عبادت پر تو ڈٹا بیٹھا تھا، یقیناً ہم اسے جلا (کر راکھ کر) ڈالیں گے پھر ہم اسے توڑ تاڑ کر اس کے ذرے دریا میں بہا دیں گے۔"

گزشتہ شریعتوں کے احکام کو اسلامی شریعت کے ساتھ ملانا جائز ہے تا وقتیکہ ان کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہو، وہ بچھڑا بہت بڑا اور مضبوط تھا جسے سامری نے بنی اسرائیل کے تمام زیورات جمع کر کے بنایا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے مظاہر فساد جن کی طرف سادہ دل اور ٹیڑھی چال کے لوگ مائل ہو جاتے ہیں، ان کو مٹانا اور فنا کر دینا اس سے بہتر ہے کہ انہیں عجائب گھروں میں سجایا جائے۔

دوسرا امر

مسجد ضرار کے قیمتی ہونے کے باوجود اسے جلایا جانا۔

مجمع البیان میں ہے: حضرت رسولؐ نے تبوک سے واپس آنے کے بعد عاصم بن عوف عجلانی اور مالک بن دخشم کو بھیجا اور ان سے فرمایا: اس مسجد (ضرار) کی طرف جاؤ کہ جس کے بنانے والے ظالم ہیں، پس اسے گراؤ اور پھر آگ لگا دو، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عمار بن یاسر اور وحشی کو بھیجا تو انہوں نے مسجد ضرار کو جلا دیا، بعدہ آپ نے حکم دیا کہ اسے مزبلہ یعنی کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لئے استعمال کیا جائے جہاں مردار اور غلاظت ڈالی جائے۔ (۸۷)

اس واقعہ کے لئے تفسیر درالمنثور کی طرف مراجعہ کریں۔ (۸۸)

تیسرا امر

حضرت رسولؐ کا نماز جماعت ترک کرنے والوں کو ان کے گھر جلانے کی دھمکی دینا:

صحیحہ ابن سنان میں ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ کو یہ فرماتے سنا: "رسول اکرمؐ کے زمانے میں کچھ لوگ جنہوں نے نماز کے لئے مسجد میں آنے میں سستی کی تو آپ نے فرمایا: جو لوگ نماز کے لئے مسجد میں آنا ترک کئے ہوئے ہیں، قریب ہے کہ ہم ان کے بارے میں حکم دیں کہ ان کے دروازوں پر لکڑیاں جمع کی جائیں، ان کو آگ لگائی جائے اور اس میں ان کے گھر جلا دیئے جائیں"۔ (۸۹)

"حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جو لوگ نماز (جماعت) میں حاضر نہیں ہوتے وہ ایسا کرنے سے باز آجائیں، وگرنہ میں مؤذن کو حکم دوں گا کہ وہ اذان کہے پھر اقامت کہے، اس کے بعد میں اپنے اہل بیت میں سے ایک مرد کو حکم دوں گا اور وہ علیؑ ہیں، پس وہ لکڑیوں کے گٹھے سے کچھ لوگوں کے گھر جلا دیں کیونکہ وہ نماز میں حاضر نہیں ہوتے ہیں"۔ (۹۰)

چوتھا امر

ایک دف بجانے والا جو اس ذریعے سے روزی کماتا تھا، اس نے نبی اکرمؐ سے گانے کی اجازت مانگی تو آپ نے اسے دھمکی

دی اور فرمایا: "اے شخص میرے پاس سے اٹھ کر چلا جا اور خدا کے حضور توبہ کر ـــــ یاد رکھ کہ اگر تو نے یہ (گانے بجانے کا) کام کیا تو میں تجھے سختی سے ماروں گا، بطور مثلہ تیرا سر منڈوا کر تجھے تیرے اہل خانہ سے دور جلا وطن کردوں گا اور اہل مدینہ میں نوجوانوں کے لئے تیرا مال واسباب لوٹنا حلال کردوں گا۔ (۹۱)

پانچواں امر

شراب کے مٹکوں کو توڑنے اور برتنوں کے ٹکڑے کر دینے کے لئے نبی اکرمؐ کا حکم دینا

(۱) سنن ترمذی میں اس کی سند کے ساتھ ابو طلحہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: یا رسول اللہؐ! میں نے ان یتیم بچوں کے لئے شراب خریدی ہے جو میرے پاس رہتے تھے، آپ نے فرمایا: "شراب بہادے اور مٹکے توڑ دے"۔ (۹۲)

(۲) مسند احمد میں اس کی سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ اس نے کہا: حضرت رسولؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس چھری لے آؤں اور میں لے آیا، پھر اسے تیز کرنے کو بھیجا اور وہ مجھے دے دی، اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ کل صبح یہ میرے پاس لے آنا، میں نے ایسا ہی کیا ـــــ تب آپ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ کے بازاروں میں تشریف لے گئے جہاں شراب کی مشکیں تھیں جو شام سے لائی گئی تھیں، پس آپ نے چھری مجھ سے لی اور جو مشکیں آپ کے سامنے تھیں انہیں چیرا، پھر وہ چھری مجھے دی اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ رہ کر میری مدد کریں، مجھے حکم دیا کہ میں تمام بازاروں میں جاؤں اور شراب کی جو بھی مشک وہاں پاؤں اسے سوراخ کردوں، پس میں نے ایسا ہی کیا اور بازاروں میں کوئی مشک نہ چھوڑی مگر یہ کہ اس میں سوراخ کیا اور اسے چیر دیا۔ (۹۳)

مسند احمد میں اسی طرح کی ایک اور روایت بھی وارد ہوئی ہے، پس مراجعہ کریں۔ (۹۴)

(۳) ایک اور روایت میں آیا ہے: عبداللہ اس پر خدا کی قسم کھایا کرتا کہ جب شراب حرام کی گئی تو حضرت رسولؐ نے حکم دیا کہ اس کے مٹکے توڑ دیئے جائیں اور جس کے پاس کشمش اور کھجوریں ہوں وہ لے کر پھینک دی جائیں۔ (۹۵)

لیکن جو کچھ میں نے اپنے روایات میں پایا، وہ یہ ہے کہ شراب کی حرمت نازل ہونے کے بعد حضرت رسولؐ گھر سے نکل کر مسجد میں آبیٹھے، پھر لوگوں کے گھروں سے وہ برتن منگوائے جن میں نبیذ رکھی جاتی تھی، پس آپ نے وہ برتن انڈیل دیئے، لیکن ان روایات میں برتن توڑنے اور مشکیں چیرنے کا ذکر تک نہیں ہوا اور اہل سنت کے روایات میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے۔

اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

یایها الذین آمنوا، انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون – (۹۶)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس ناپاک (برے) شیطانی کام ہیں، پس تم لوگ ان سے بچتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اس آیت کی تفسیر میں جو روایات آئی ہیں ان کی طرف رجوع کریں اور اس سلسلے میں کتاب الاشربہ صحیح مسلم ملاحظہ کریں۔ (۹۷)

چھٹا امر

خیبر کے دن آنحضرت ؐ کی طرف سے گدھے کے گوشت کے مٹکے توڑ دینے کا حکم جاری ہونا۔

بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ؐ نے فرمایا: یہ کیسی آگ ہے اور کس لئے جلائی گئی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا گوشت کے لئے جلائی ہے۔ آپ نے پوچھا: کون سے گوشت کے لئے؟ عرض کیا گیا کہ پالتو گدھے کا گوشت ہے، آپ نے فرمایا: گوشت پھینک دو اور مٹکے توڑ دو! ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ ؐ! کیا اسے پھینک کر مٹکے دھولیں؟ فرمایا: ایسا ہی کرو (۹۸)

لیکن ہمارے ہاں گدھے کے گوشت کی حرمت واضح نہیں البتہ یہ مکروہ ہے اور اس کی نجاست کا قول ضعیف ہے جیسے کہ برتنوں کے دھو لینے پر آنحضرت ؐ کی خاموشی سے ظاہر ہے اور انس کی روایت میں اس کے پلید ہونے کا حکم بھی اسی باب سے ہے، مراجعہ کریں۔ (۹۹)

البتہ احتمال ہے کہ کسی حالیہ مصلحت کی بناء پر یہ حرمت کا وقتی حکم ہو، پس غور کریں۔

ساتواں امر

آنحضرت ؐ کا زرد رنگ کے دو کپڑوں کو جلانے کا حکم دینا

سنن نسائی میں عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ وہ نبی اکرم ؐ کی خدمت آیا اور اس نے دو زرد کپڑے پہن رکھے تھے، آپ غضبناک ہوئے اور فرمایا: جاؤ اور انہیں اپنے بدن سے اتار پھینکو! اس نے عرض کیا: کہاں؟ آپ نے فرمایا: آگ میں۔ (۱۰۰)

آٹھواں امر

ملاوٹ کرنے والے کے مال کو جلانے کا حکم

سنن ابو داؤد کی کتاب جہاد میں نبی اکرم ؐ سے منقول ہے: جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو ملاوٹ کرتا ہے تو اسے مارو پیٹو اور اس کا مال جلا دو۔ (۱۰۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت رسول ؐ، خلیفہ ابو بکر اور خلیفہ عمر نے اپنے اپنے وقت میں ملاوٹ کرنے والے کو مارا پیٹا اور اس کے مال کو جلا دیا۔ (۱۰۲)

نواں امر

امیر المومنین ؑ کا ان افراد کے گھروں کو گرانا اور جلانا وارد ہوا ہے جو آپ سے الگ ہوکر معاویہ سے جاملے یا دوسرے شہروں میں چلے گئے تھے۔

۱۔ کتاب وقعہ صفین میں جریر کے شام سے واپس آنے کے بعد مالک اشتر کے اس پر اعتراض کا ذکر کیا گیا اور پھر کہا ہے: جب جریر نے یہ بات سنی تو وہ قرقیسیا چلا گیا اور اس کے ہمراہ اس کے قبیلے کے کچھ افراد قسر (قیس۔ خ ل) سے جاملے..... امیر المومنین ؑ جریر کے گھر کی طرف نکلے تو اس کا ایک حصہ گرا دیا اور جہاں وہ بیٹھا کرتا تھا اس مکان کو جلا دیا، تب ابو زرعہ بن عمر بن جریر باہر آیا اور اس نے عرض کیا: خدا آپ کا بھلا کرے، اس میں جریر کے علاوہ دوسرے لوگوں کی زمین بھی ہے! وہاں سے آپ ثویر بن عامر کے مکان کی طرف گئے، پس اسے گرایا اور جلا دیا۔۔۔۔ ثویر اشراف میں سے تھا اور وہ جریر سے جاملا تھا۔ (۱۰۳)

۲۔ نیز اسی کتاب میں ابن معتم وحنظلہ بن ربیع اور ان کے قبیلے کے معاویہ سے مل جانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے: رہا حنظلہ تو وہ اپنے قبیلے کے ۲۳ افراد کے ساتھ نکلا، لیکن ان دونوں نے معاویہ کے ساتھ ہوکر جنگ میں حصہ نہ لیا بلکہ یہ دونوں فریقوں سے الگ رہے..... چنانچہ جب حنظلہ فرار ہوگیا تو امیر المومنین ؑ نے اس کا مکان گرا دینے کا حکم فرمایا اور اسے آپ کے عریف ونقیب، بکر بن تمیم اور شبث بن ربعی نے گرایا۔ (۱۰۴)

ابن ابی الحدید نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ (۱۰۵)

۳۔ شرح ابن ابی الحدید میں ہے: سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ امام علی ؑ نے جریر اور اس کے قبیلے کے لوگوں کے گھر گرا دیئے جو اس کے ہمراہ چلے گئے تھے، ان میں ابو اراکہ بن مالک بن عامر قسری بھی تھا جو اس کا داماد تھا، کوفہ میں اس کا گھر مدت تک دار اراکہ کے نام سے مشہور رہا ہے۔ (۱۰۶)

۴۔ مستدرک میں کتاب الغارات سے مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی کے قصہ میں ہے: جب وہ بھاگ کر معاویہ سے جاملا اور امیر المومنین ؑ نے اس کے بارے میں فرمایا جو فرمایا، اس کے بعد آپ جلدی سے اس کے گھر کی طرف گئے اور اسے گرا دیا۔ (۱۰۷)

دسواں امر

امیر المومنین ؑ کا اس جگہ کو جلانا جس میں شراب فروخت کی جاتی تھی۔ (۱۰۸)

گیارہواں امر

کفارہ دینے کے تمام موارد جن میں غلام آزاد کرنے یا مال تصدق کرنے یا ایک مسکین کو ایک مد (سیر) غلہ دینے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا انہیں لباس پہنانے کے بارے میں ہیں، کیونکہ یہ سب اعمال مال خرچ

کرنے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک طرح کی تعزیر و تادیب کی حیثیت رکھتے ہیں، نیز یہ عبادی امور ہیں اور ان میں قصد قربت لازمی شرط ہے، تاہم ان میں مالی تعزیر کا پہلو نمایاں ہے، پس اس میں غور کریں۔

بارہواں امر

وہ حکم جو اس سلسلے میں وارد ہوا ہے کہ جس جانور سے بدفعلی کی گئی ہو اسے ذبح کر دیا جائے اور پھر آگ میں جلا دیا جائے۔ (۱۰۹)

تیرہواں امر

وہ حکم جو امیرالمومنینؑ نے منذر بن جارود کے بارے میں دیا جبکہ وہ اصطخر میں آپ کا عامل تھا، آپ نے اسے لکھا۔ امابعد تیرے باپ کے صالح ہونے سے مجھے دھوکہ ہوا جبکہ تو اپنی ہوا و ہوس کی غلامی اور اطاعت کو نہیں چھوڑتا.... پس جب میرا خط دیکھو تو میرے پاس آؤ، والسلام

پس وہ آیا تو آپ نے اسے معزول کر دیا اور تیس ہزار کا تاوان اس پر لگایا۔ (۱۱۰)

یہ خط کچھ فرق کے ساتھ نہج البلاغہ میں بھی ذکر ہوا ہے۔ (۱۱۱)

چودہواں امر

وہ روایات جو دگنا تاوان لگانے کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

سکونی نے ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں، ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس نے پھل چوری کیے کہ جو ابھی غلاف میں تھے، نبی اکرمؐ نے اس بارے میں فیصلہ کیا کہ جو اس نے کھایا ہے اس کے بدلے میں تو اس پر کوئی چیز عائد نہیں ہوتی لیکن جو اس نے اٹھائے ہیں ان کے لئے اسے تعزیر لگائی جائے گی اور ان کی قیمت سے دگنا تاوان وصول کیا جائے گا۔ (۱۱۲)

اس روایت سے مالی تعزیر پر استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ قیمت سے دگنا تاوان تعزیر کے بیان میں ہو، پس عطف تفسیری ہو یا اس کو مکمل کرنے کے لئے ہو، امامؑ کے ارشاد "نبی کریمؐ نے فیصلہ کیا" کا ظاہر یہ ہے کہ آپ کا یہ حکم ولائی و حکومتی تھا نہ کہ فقہی ـــــ اسے یاد رکھیں۔

لیکن احتمال ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جو پھل غلاف میں ہو وہ بڑھنے اور پکنے کے قابل ہے، اس طرح اس کی قیمت لازماً دگنی ہو جائے گی، اس چیز کا شاہد یہ امر ہے کہ روایت میں ظاہراً یہ تاوان پھل کے مالک کو مل رہا ہے، اگر یہ بطور تعزیر ہوتا تو زیادہ مناسب یہ تھا کہ اسے بیت المال میں جمع کرایا جائے، یہ بات پیش نظر رہے۔

نیز اس طرح کا فتویٰ کسی سے بھی نقل نہیں ہوا اور اس بات کو لازم قرار دینا مشکل ہے کیونکہ تعزیر کا دارومدار

تلف کرنے والے یا تلف کیئے گئے مال پر اس کی فعلیت کے لحاظ سے ہے نہ کہ امکان و مآل کے اعتبار سے۔ پس اگر کوئی شخص چھوٹی فصل، چھوٹے درخت یا حوض میں چھوٹی مچھلیوں وغیرہ کو تلف کر دے تو کیا کوئی یہ التزام کرتا ہے کہ ان اشیاء کی قیمت ان کی استعداد اور مآل وانجام کے لحاظ سے لگائے کہ جس کا آئندہ مہینوں یا سالوں میں انتظار کیا جائے۔ میں تو ایسا گمان نہیں رکھتا مگر یہ کہ فعلیت کی قوت قریبہ میں فرق کیا جائے جیسا کہ اس صورت واقعہ اور اس کے تحت مذکورہ مثالوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ پس غور کریں۔

علامہ مجلسی نے اس روایت کی تشریح میں کہا ہے۔ جہاں تک ہم نے دیکھا، ہمارے اصحاب میں اس کے ظاہر پر کسی نے عمل نہیں کیا، والد علام نے فرمایا: ممکن ہے دگنی قیمت اس لحاظ سے ہو کہ کھایا بھی ہے اور اٹھایا بھی ہے کیونکہ کھانے کا جواز اٹھا کے نہ لے جانے کے ساتھ مشروط ہے۔ (۱۱۳)

میں کہتا ہوں ـــــ جو کچھ ان کے والد نے ذکر کیا ہے وہ ظاہر روایت کے خلاف ہے، اس لئے کہ جو کھایا ہے اس کی بابت اس پر کچھ واجب نہیں اگرچہ اٹھا لے جانا بھی اس کے ساتھ ہو، اسے یاد رکھیں۔

سکونی کی اس روایت کی نظیر وہ ہے جسے احمد نے مسند میں اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے نقل کیا ہے کہ اس نے پھلوں اور جو کچھ غلافوں میں ہو اس کے متعلق نبی اکرمؐ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: جس نے اپنے منہ کے ساتھ کھایا اور چادر یا کپڑے کے پلو میں نہ لیا ہو تو اس پر کچھ واجب نہیں، لیکن جو اس حالت میں پایا گیا کہ اس نے اٹھا لیا ہے تو اس کی دگنی قیمت اس سے لی جائے گی اور عبرت کے لئے اسے مارا بھی جائے گا۔ (۱۱۴)

لیکن سنن ابو داؤد میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ اس نے آنحضرتؐ سے معلق ثمر (خشک درخت کی شاخوں پر لٹکی ہوئی کھجوروں) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: جو ضرورت مند چادر میں ڈالے بغیر اپنے منہ سے کھائے تو اس پر کوئی چیز نہیں اور جو ان میں سے کچھ لے کر باہر نکلے تو اس پر ان کی دگنی قیمت تاوان اور اس کے ساتھ سزا بھی ہے۔ جو سوکھنے کی جگہ پر رکھنے کے بعد اس میں سے چوری کرے، اگر وہ ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس سے کم ہو تو دگنی قیمت اور اس کے ساتھ سزا بھی ہو گی۔ (۱۱۵)

اس روایت کو سنن نسائی میں بھی نقل کیا اور پھر عبداللہ بن عمرو سے ایک اور روایت بھی کی ہے: ایک شخص حضرت رسولؐ کی خدمت میں آیا اور کہا: یا رسول اللہؐ! حریسۃ الجبل (جنگل سے چرائے ہوئے جانور) میں آپ کی کیا رائے ہے؟ وہی اور اس کی مثل اور عبرتناک سزا، چوپاؤں کے لئے کسی کا ہاتھ کاٹنا نہیں مگر وہ جو باڑے میں ہو اور اس کی قیمت ڈھال کی مالیت تک پہنچ جائے تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا، اگر قیمت اس سے کم رہے تو اس میں دگنا تاوان اور کوڑوں کی سزا ہے۔ اس نے مزید کہا: یا رسول اللہؐ! ثمر معلق کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ اس کی مثل اور عبرتناک سزا لیکن درخت پر لٹکے ہوئے پھل کی چوری میں کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر وہ جو سکھانے کی جگہ پر ہو، سکھانے کی جگہ سے پھل اٹھایا جائے اور اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے مساوی ہو تو اس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے اور جس کی قیمت اتنی نہ ہو تو دگنا تاوان اور چند کوڑے ہیں۔

(۱۱۶)

مخفی نہیں کہ ہم نے سکونی کی خبر میں جو احتمال ذکر کیا ہے وہ ان دو روایات میں نہیں آیا. لہٰذا تاوان لینا مالی تعزیر میں سے ہے چاہے وہ مال کے مالک کو دیا جائے۔

ان روایات اور ایسی ہی دیگر روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ مالی تعزیر جو مال کے تلف کرنے یا اسے لے لینے کی صورت میں ہے وہ شرعی طور پر ثابت ہے. لہٰذا بعض اصحاب کے اس سے وحشت کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور بعض روایات کے صادر ہونے پر دل اجمالی طور پر مطمئن ہے. ہمارے فقہاء امامیہ اگر اس مسئلے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلے کا براہ راست حکومت سے واسطہ ہے اور وہ مدتوں حکومت سے الگ تھلگ رہے ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

پندرہواں امر

وہ جو وارد ہوا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو عذاب و تکلیف پہنچائے تو اس کی قیمت کے برابر تاوان ادا کرے۔

مسمع بن عبدالملک کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے. امیرالمومنینؑ کے حضور ایک ایسے شخص کا مقدمہ پیش ہوا جس نے اپنے غلام کو عذاب و تکلیف دی یہاں تک کہ وہ مرگیا. پس آپ نے عبرت کے لئے اس کو سو کوڑے لگائے. ایک سال قید کا حکم دیا اور غلام کی قیمت کے برابر تاوان لے کر اس کی طرف سے صدقہ کیا۔ (۱۱۷)

ایک اور روایت میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے. ایک شخص جس نے اپنے غلام کو قتل کیا تھا. اسے کوڑے مارے گئے اور اس سے بیت المال کے لئے غلام کی قیمت کے برابر تاوان لیا گیا۔ (۱۱۸)

یونس کی خبر میں ائمہ طاہرینؑ سے مروی ہے. ایک شخص جس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تھا. اس کے بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد ہوا ــــ اگر وہ قتل کرنے میں معروف نہیں تو اسے شدت کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں گے اور اس سے غلام کی قیمت کے برابر رقم لے کر مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کی جائے گی۔ (۱۱۹)

سولھواں امر

عقلی اعتبار جو اس حکم کے وثوق کا موجب ہے

معاملہ یہ ہے کہ تعزیر کوئی عبادی یا محض تعبدی امر نہیں جو کچھ پوشیدہ مصالح کے لئے جاری ہوا ہو کہ جنہیں ہم جانتے نہ ہوں. بلکہ اس کا مقصد فاعل کو روکنا اور اس کی تادیب کرنا ہے نیز ہر اس شخص کو بھی جو تعزیر کو دیکھے یا سنے. پس اس کے ذریعے فرد اور معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے لہٰذا اس کی حد و مقدار کی تعیین حاکم کے سپرد ہے کہ جو معاشرے کا نگران ہے. پھر یہ کہ بعض اوقات مالی تعزیر لوگوں کے دل و دماغ پر زیادہ اور گہرا اثر کرتی ہے. اس بناء پر یہ فرد اور معاشرے کے لئے بہت مناسب ہے لیکن اس کے برعکس ضرب لگانا اور اذیت دینا باعث نفرت اور مضر ہوتا ہے. غور کریں۔

سترہواں امر

قطعی اختیار و تسلط

جیسا کہ عقل و شریعت کے حکم کی بنا پر انسان اپنے مال پر تسلط و اختیار رکھتا ہے. لہٰذا اس کے اذن و اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف جائز نہیں ہے. اسی طرح وہ اپنے نفس و بدن پر بھی تسلط رکھتا ہے بلکہ یہ اولویت قطعی کے ذریعے ثابت ہے کیونکہ مال پر تسلط تو اپنے جسم و بدن پر تسلط کی ایک فرع اور شاخ ہے. پس اگر اس کو ضرب لگانے اور مارنے کے ذریعے اس کے بدن پر اس کے تسلط میں تصرف کرنا اور قابو پانا جائز ہے تو پھر اس کے مالی تسلط کو توڑنا بطریق اولیٰ جائز ہے کہ جس میں تادیب اور گناہ سے روکنے کی غرض شامل ہو. لیکن اس کی مقدار اتنی ہو کہ جو اس مقصد کے لئے ضروری ہے اور اس کی تعیین کا معاملہ حاکم کے سپرد ہو گا جو معاشرے کے مصالح و مفادات کو جانتا ہے۔

چنانچہ حضرت یوسفؑ بلکہ حضرت یعقوبؑ کی شریعت میں یہ حکم موجود تھا کہ جس شخص کے سامان و اسباب میں سے چوری کا مال نکلے تو اس جرم کے بدلے میں اس کو غلام بنا لیا جاتا تھا. کیا عقل کے نزدیک کسی شخص کی ذات و نفس کو اپنی ملک میں لینا اور اسے غلام بنانا تو حاکم کے لئے جائز ہو گا لیکن اس کے مال کا کچھ حصہ بطور تاوان لینا جائز نہ ہو گا؟

جہاں تک تعزیر بدنی کا تعلق ہے تو وہ سب پر واضح اور عام ہے. اس کا ذکر روایات میں بھی ہے. اس کا اجراء آسان اور مورد عام ہے اور اکثر اوقات اس کی تاثیر نسبتاً زیادہ ہوتی ہے. البتہ وہ حدود شرعی جو مقدر و معین ہیں. ان کے اجراء میں تمام افراد مساوی ہیں. ان میں نہ سفارش کارگر ہے اور نہ انہیں معطل کیا جا سکتا ہے نیز ان کا کوئی عوض و بدل نہیں ہو سکتا اور نہ ان میں ایک حد کی جگہ کسی دوسری کا اجراء کیا جا سکتا ہے جیسا کہ واضح ہے. اسے یاد رکھیں۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کی تائید مختلف زمانوں میں عقلاء کی سیرت و روش سے ہوتی ہے جو مالی تعزیر پر استقرار اور عملدر آمد ہے. جبکہ جرم اور قانون شکنی خصوصاً مال سے تعلق رکھتی ہو۔ یہ چیز ہمارے زمانے میں عام ہے جیسے گاڑیوں اور بسوں میں قانون کی خلاف ورزی پر جرمانہ. محصول ادا نہ کرنے کا کئی گنا تاوان اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ جیسے خلاف قانون کاموں پر جرمانہ و تاوان لیا جاتا ہے. غور کریں۔

اٹھارہواں امر

فقیہ جامع الشرائط کی حکومت و ولایت کے ادلہ کے اطلاقات

حکومت حقہ کے قیام کی غرض سوائے اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ معاشرے کی اصلاح کی جائے. اس کے نقائص دور کئے جائیں. قانون شکنی کو روکا جائے. نظم و نسق برقرار رکھا جائے. نیکی و اچھائی کو رائج اور عام کیا جائے اور منکر و بدی کی جڑیں کاٹ دی جائیں. پس وہ والی و حاکم جو معاشرے کا نگران و نگہبان ہے اس کے لئے ہر وہ حکم جاری کرنا جائز بلکہ واجب ہے کہ جس میں وہ لوگوں کی صلاح و درستی سمجھتا ہو. اس میں وہ تمام اقسام کے احکام اور تعزیرات ہیں جو مجرموں کی تادیب اور اصلاح کے لئے جاری ہوں. ان احکام و اوامر کو حکومتی و ولائی احکام کا نام دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

النبي اولى بالمومنين من انفسهم – (۱۲۰)

"نبی اکرمؐ مومنین پر ان کے نفسوں سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں"۔

جب ایک انسان اپنے نفس اور مال پر بعض تصرفات کرنے کا حق رکھتا ہے تو نبی کریمؐ اس پر ولایت رکھنے کی بناء ایسے تصرفات کا اس سے بڑھ کر حق رکھتے ہیں، آپ جان چکے ہیں کہ زمانہ غیبت میں ولایت فقیہ کا مطلوب یہ ہے کہ ولایت شرعی کی بناء پر فقیہ کے لئے وہ سب کچھ ہے جو نبی اکرمؐ کے لئے ہے، پس مراجعہ کریں۔

علاوہ ازیں معاشرے کا نظام برقرار رکھنا بہت سے اموال کے اخذ و صرف کرنے پر موقوف ہے، پس حکم عقل کے مطابق جرمانہ اور تاوان اس بارے میں اہم شعبہ ہے لہٰذا اس کا وصول کرنا واجب ہے کیونکہ ایک کام اپنے سبب اور وجہ کے وجوب کے ساتھ واجب ہوتا ہے۔

نیز یہ کہ جب ولایت کا انعقاد قوم کی طرف سے والی کے انتخاب سے ہے تو منتخب حاکم کی ولایت میں مالی تعزیر اور دیگر مقررات کے اختیار کی شرط رکھنا جائز ہے، بلکہ حاکم کا انتخاب ان کے داعی اور نافذ کرنے والے کے طور پر کیا جائے گا، پس غور کریں۔

لیکن ممکن ہے اس میں یہ مناقشہ کیا جائے کہ اسلامی حاکم کی ذمہ داری خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کی بنیاد پر معاشرے کو منظم رکھنا اور اس کی اصلاح کرنا ہے نہ کہ اس چیز کی اساس پر جسے وہ تجویز کرے یا اختراع کرے، اس معاملے میں فقیہ خود نبی اکرمؐ سے اولیٰ نہیں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ان الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا ہے:

انّا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك اللّٰہ - (۱۲۱)

"ہم نے تم پر برحق کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ جس طرح خدا نے تمہاری ہدایت کی ہے اسی طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو"۔

اسی طرح ایک اور جگہ پر مخاطب کیا ہے:

وانزلنا الیك الکتاب بالحق مصدقاً لما بین یدیه من الکتاب ومهیمنًا علیه، فاحکم بینهم بما انزل اللّٰہ ولا تتبع اهواء هم عمّا جاءك من الحق - (۱۲۲)

"ہم نے تم پر برحق کتاب نازل کی کہ جو کتاب (پہلے سے) اس کے وقت میں موجود ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان (بھی) ہے تو جو کچھ خدا نے تم پر نازل کیا ہے تم بھی اس کے مطابق حکم دو اور جو حق بات خدا کی طرف سے آ چکی ہے اس سے کترا کے ان لوگوں کی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو"۔

جس طرح شرعی حدود معین و مقدر امور ہیں کہ جن سے تخلف کرنا اور کسی دوسری چیز سے بدلنا جائز نہیں ہے، اسی طرح تعزیرات بھی ہیں اور ہر معصیت و گناہ کے لئے تعزیر کی عمدہ دلیل وہی روایات ہیں جو حکم لگاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک حد قرار دی ہے اور جو کوئی حدود اللہ میں سے کسی حد سے تجاوز کرے اس پر بھی حد قرار دی ہے، شائد ان کا ظاہر یہ ہے کہ تعزیرات بھی مقرر و معین حدود کی ایک قسم ہیں جیسے کوڑے لگانا وغیرہ، پس اس سے تجاوز کرنا مشکل ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں حد اور تعزیر کے لفظوں کے وسیع لغوی مفہوم کے ساتھ ان کے اطلاق کا معاملہ درپیش ہے، یعنی فاعل کو

روکنا اور اس کی تادیب کرنا تو اس میں وہ سب کچھ شامل ہے جس کے ذریعے کسی کو روکا جائے اور اس کی تادیب کی جائے تو اس میں مالی تعزیر بھی داخل ہے یا انہیں عرفی مفہوم میں لیا جائے تو بھی ان میں ضرب لگانا اور کوڑے مارنا شامل ہے جیسا کہ چوتھی جہت میں بیان ہوا ہے، پس رجوع کریں

اس امر کے خاتمہ میں ہم اس چیز کا ذکر کرتے ہیں جسے بعض علماء نے مالی تعزیروں کی تقسیم کے طور پر ذکر کیا ہے:

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں بعض علماء سے نقل ہوا ہے:

مالی تعزیرات کی تین قسمیں ہیں ــــــ اتلاف، تغییر، تملیک

۱۔ تلف کرنا۔ منکرات کے ساتھ ان کے علامات اور صفات کو تلف کرنا جیسے بتوں کو توڑ کر اس چیز کو جلا دینا جس سے وہ بنائے گئے ہوں، آلات لہو ولعب یعنی سازوں کو توڑ دینا، شراب کے برتنوں کو توڑنا اور مشکوں میں سوراخ کر دینا اور اس دکان کو جلا دینا جس میں شراب فروخت کی جاتی ہو، یہ احمد و مالک وغیرہ کے مذہب کا مشہور قول ہے اس بناء پر کہ خلیفہ عمر نے شراب فروش کی دکان جلا دی تھی اور امام علیؑ نے وہ بستی جلائی کہ جہاں شراب بیچی جاتی تھی کیونکہ کسی چیز کے بیچنے کی جگہ مثل اس کو رکھنے کے برتنوں کے ہے، نیز خلیفہ عمر نے بیچنے کا وہ دودھ بہا دیا جس میں پانی ملایا گیا تھا، فقہاء کے ایک گروہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے، اسی طرح صنعتوں میں سے اس چیز کا تلف کرنا ہے جس میں کھوٹ ڈالا گیا ہو مثل اس کپڑے کے جس میں اچھے سوت کے ساتھ خراب سوت استعمال کیا گیا ہو۔

۲۔ تغییر و تبدیلی کرنا۔ بعض اوقات مالی تعزیر میں کسی چیز کی شکل میں تبدیلی کر دینے پر اکتفاء کیا جاتا ہے، جیسے نبی اکرمؐ نے ان سکوں کو توڑنے سے منع کیا جو مسلمانوں میں رائج تھے سوائے اس کے کہ ان میں کوئی نقصان کا پہلو ہو ــــــ اگر ان میں نقصان کا پہلو پایا جاتا ہو تو انہیں توڑ دیا جائے، چنانچہ آنحضرتؐ نے اس تصویر کا سر کاٹ دینے کا حکم دیا جو ان کے گھر میں لائی گئی، پس وہ درخت کی شکل میں تبدیل ہو گئی ــــــ نیز وہ پردہ چیر دینے کا حکم دیا اور وہ بیٹھنے کے دو فرشوں میں بدل گیا، اسی طرح علماء نے اصل چیز یا جس کی ترکیب و ترتیب حرام طریقے سے کی ہو ــــــ اس کو تبدیل کر دینے پر اتفاق کیا ہے مثل آلات موسیقی یا تصویریں کہ ان میں تغیر و تبدل کر دینا چاہئے۔

لیکن علماء نے اس چیز کو تلف کرنے میں اختلاف کیا ہے جس میں وہ رکھی ہوں یا لگائی گئی ہوں، لیکن صحیح قول ایسا کرنے کا جواز ہے جیسا کہ اس پر کتاب و سنت نیز اجماع سلف دلالت کرتا ہے اور احمد و مالک کے مذہب کا ظہور بھی یہی ہے۔

۳۔ تملیک۔ مثل اس کے جسے اہل سنت میں سے ابو داؤد وغیرہ نے نبی کریمؐ سے روایت کیا ہے، یعنی جس نے درخت پر لگے ہوئے (معلق) پھل چوری کئے قبل اس سے کہ انہیں سکھانے کی جگہ پر رکھیں۔ اسے عبرت کے لئے کئی کوڑے لگائے گئے اور پھلوں کی دگنی قیمت بطور تاوان وصول کی گئی، جو کسی کے چوپائے کو چوری کرے قبل اس کے کہ وہ اپنے باڑے میں پہنچے تو اس شخص کو عبرت کے لئے کئی کوڑے مارے جائیں اور اس سے چوپائے کی دگنی قیمت کے برابر تاوان لیا، علماء کے ایک گروہ مثل احمد وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ خلیفہ عمر اور ان کے مشیروں نے ایک اعرابی کی اونٹنی کی بابت اسی طرح کا فیصلہ دیا جو بھوک کے مارے ہوئے غلاموں نے پکڑ کھائی ــــــ چنانچہ ان کے آقا پر اس کی قیمت سے دگنا تاوان لگایا اور اس کا ہاتھ نہیں

کاٹا تھا، یہی صورت خلیفہ عثمان کے فیصلے میں نظر آتی ہے جب ایک مسلمان نے کسی کافر ذمی کو جان بوجھ کر قتل کر دیا، پس آپ نے اس پر پوری دیت عائد کی جبکہ ذمی کی دیت مسلمان مقتول کی نسبت سے آدھی ہوتی ہے۔ احمد بن حنبل نے اسی حکم کو اختیار کیا ہے۔ (۱۲۳)

میں کہتا ہوں ____ بعض باتیں جو اس بیان میں ذکر ہوئی ہیں وہ ہمارے مذہب کے مطابق نہیں ہیں، ہم نے ان کو پورا قول نقل کرنے کی غرض سے پیش کیا ہے۔

چھٹی جہت۔ قلت و کثرت کے لحاظ سے تعزیر بدنی کی حد اور اس کی مقدار۔

۱۔ شیخ نے الخلاف کی کتاب الاشربہ میں کہا ہے: (مسئلہ ۱۴) تعزیر کو کامل حد تک نہ پہنچایا جائے اور وہ اس سے کم ہونی چاہیے۔ آزاد افراد کے لئے کم از کم حد ۸۰ کوڑے ہے پس ان میں تعزیر ۷۹ کوڑے ہوگی اور غلاموں کے لئے کم از کم حد ۴۰ کوڑے ہے لہٰذا ان میں تعزیر ۳۹ کوڑے ہوگی ____ شافعی نے کہا کہ آزاد افراد کے لئے شراب نوشی میں کم از کم حد ۴۰ کوڑے ہے لہٰذا آزاد کی تعزیر ۳۹ کوڑے سے اوپر نہ جائے اور غلاموں کے لئے شراب کی کم از کم حد ۲۰ کوڑے ہے اس لئے غلام کی تعزیر ۱۹ کوڑے سے زیادہ نہ ہوگی ____ ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ تعزیر کو کم از کم حد تک نہ پہنچایا جائے، اس کے نزدیک شراب نوشی اور تہمت لگانے میں غلام کی کم از کم حد ۴۰ کوڑے ہے پس تعزیر ۴۰ کوڑوں تک نہ جائے ____ ابن ابی لیلیٰ اور ابو یوسف نے کہا ہے کہ کم از کم حد ۸۰ کوڑے ہے پس تعزیر وہاں تک نہ پہنچے اور وہ زیادہ سے زیادہ ۷۹ کوڑے تک ہے۔ یہ قول اس کے مطابق ہے جو ہم نے کہا ہے ____ مالک و اوزاعی نے کہا ہے کہ تعزیر کی بازگشت امام و حاکم کے اجتہاد کی طرف ہے۔ لہٰذا اگر وہ مناسب سمجھتا ہے کہ تین سو یا اس سے بھی زیادہ کوڑے لگائے تو ایسا ہی کرے گا کیونکہ خلیفہ عمر نے اس شخص کو تین سو کوڑے لگائے کہ جس نے ان کے نام سے جعلی خط تیار کر لیا تھا۔ (۱۲۴)

میں کہتا ہوں ____ ظاہر ہے کہ شیخ نے الخلاف میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ حق کے موافق نہیں ہے اور نہ وہ صحیح ہے جو انہوں نے دیگر کتب میں کہا ہے کیونکہ اس فرض کی بناء پر کہ تعزیر ایک کم سے کم حد تک نہ پہنچے تو کم از کم حد پچھتّر کوڑے ہے جو قیادت (جرم میں رہنمائی) کرنے پر مقرر ہے جیسا کہ عبداللہ بن سنان کی خبر میں آیا ہے۔ (۱۲۵)

نیز یہ کہ کم از کم حد ۱۲۱/۲ کوڑے ہے اور یہ اس کے لئے ہے جو آزاد کے ہوتے ہوئے لونڈی سے اور مسلمان بیوی رکھتے ہوئے ذمیہ سے نکاح کرے جیسا کہ منصور بن حازم کی خبر میں ہے۔ (۱۲۶)

حد کی اس کم از کم مقدار کی بناء پر یہ بات ثابت ہے کہ یہ شرعی حکم کے تحت مقرر ہوئی ہیں اور یہ بھی حدود میں شامل ہیں۔

۲۔ شیخ نے نہایہ میں کہا ہے: جب دو مرد یا ایک مرد اور ایک لڑکا ایک ہی چادر میں برہنہ پائے جائیں اور ان کے فعل پر گواہ بھی ہوں یا وہ دونوں اس فعل کا اقرار کر لیں تو ان دونوں کو تعزیر لگائی جائے گی اور وہ تیس سے ننانوے کوڑوں تک امام و حاکم کی رائے کے مطابق ہوگی۔ (۱۲۷)

پس الخلاف کی کتاب الاشربہ میں شیخ کی عبارت کو کس چیز پر محمول کیا جائے جہاں انہوں نے ۸۰ کوڑوں کو معیار بنایا ہے۔

۳۔ ابن ادریس نے السرائر میں کہا ہے: یہاں صورت یہ ہے کہ اگر فعل ــــ زنا، لواطت اور سحق (چپٹی) سے مناسبت رکھتا ہو تو ان فواحش کی حد سو کوڑے ہے، لہٰذا تعزیر اس سے کم ہو گی اور اس تعداد تک نہیں پہنچے گی، پس حاکم کو تیس سے ننانوے کوڑوں تک کا اختیار ہے یعنی سو سے ایک کوڑا کم، لیکن اگر تعزیر اسی کوڑوں کی حد کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے جو ہمارے نزدیک شراب نوشی اور تہمت لگانے کی حد ہے تو تعزیر اس تک نہ پہنچے بلکہ تیس سے اناسی کوڑوں تک ہو گی ــــ ہاں یہ مطلب ہے اس عبارت کا جو بعض کتب میں کبھی ننانوے اور کبھی اناسی کوڑوں کے ساتھ آتی ہے۔

اس کے بعد کہا ہے: جس چیز کو ہمارے مذہب کے اصول اور اخبار ضروری تصور کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تعزیر حد کامل تک نہ پہنچے جو سو کوڑے ہے، نیز یہ کہ تعزیر خواہ کوئی بھی ہو یعنی وہ زنا سے مناسبت رکھتی ہو یا تہمت سے تعلق رکھتی ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ وہ چیز ہے جسے ہمارے شیخ نے مخالفین کے اقوال سے ظاہر کیا ہے جو ان کے فروع میں سے ایک فرع اور ان کے باطل اجتہاد و قیاس سے تعلق رکھتی ہے۔ (۱۲۸)

میں کہتا ہوں ــــ ان کے آخری کلام کا لازمہ یہ ہے کہ تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے مارے جائیں گے اور جس کا فعل اس کے مشابہ ہو اسے اناسی کوڑے مارنا جائز ہے، میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی شخص اس پر عمل کرنے کو تیار ہو، اسے یاد رکھیں

۴۔ محقق نے شرائع میں کہا ہے: حر و آزاد ہو تو اس کی تعزیر آزاد کی حد تک نہ پہنچائی جائے اور غلام ہو تو غلام کی حد تک نہ پہنچائی جائے، اسی طرح القواعد میں بھی آیا ہے اور ان دونوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ (۱۲۹)

۵۔ الجواہر میں آزاد کی حد سو کوڑے اور غلام کی حد چالیس کوڑے بتائی ہے، یہ بات ہم پر ظاہر نہیں ہوئی کہ انہوں نے کس بناء پر آزاد کی حد زیادہ اور غلام کی حد کمتر بتائی ہے۔

بلکہ بعض مواقع پر کہا گیا ہے کہ تعزیر کو غلام کی کم از کم حد تک ہرگز نہیں پہنچنا چاہئے، جیسا کہ کہا جاتا ہے:

"واجب ہے کہ تعزیر کم از کم حد تک نہ پہنچے" پس آزاد کے لئے کم سے کم حد پچھتّر کوڑے اور غلام کے لئے کم از کم چالیس کوڑے ہے، نیز کہا گیا ہے کہ جو فعل زنا سے نسبت رکھتا ہو اس میں ضروری و واجب ہے کہ تعزیر زنا کی حد کو نہ پہنچے اور جو فعل تہمت لگانے یا شراب پینے سے مناسبت رکھتا ہو تو واجب ہے کہ تعزیر ان کی حد تک نہ جائے، جو فعل کسی حد کے ساتھ مناسبت نہ رکھتا ہو وہاں حدود میں کم سے کم یعنی پچھتّر کوڑے تک نہ پہنچے کہ جو قواد (زنا کے دلال) کی حد ہے ــــ شیخ نے المسالک میں اور فاضل نے المختلف میں یہی حکایت کی ہے۔ (۱۳۰)

۶۔ فقہ شافعی کی کتاب المنہاج نووی میں ہے: پس اگر اسے کوڑے لگائے جائیں تو واجب ہے کہ غلام کے لئے بیس سے کم اور آزاد کے لئے چالیس سے کم کئے جائیں، بعض نے کہا ہے بیس سے کم کئے جائیں اور زیادہ صحیح قول کی بناء پر اس ضمن میں تمام گناہ اور معاصی ایک ہی درجے میں ہیں۔ (۱۳۱)

۷۔ ابن قدامہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ہے: احمد نے اس کی مقدار میں اختلاف کیا ہے، پس اس سے روایت ہوئی ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ ہو اور اس نے کئی مواقع پر اس کی تائید و تصدیق کی ہے، یہی قول ابن اسحاق کا ہے کہ ابن بردہ نے روایت کی ہے: میں نے حضرت رسولؐ کو یہ فرماتے سنا کہ کسی شخص کو دس سے زیادہ کوڑے نہ مارے جائیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حدود میں سے کسی حد میں لگائے گئے ہوں ـــــ یہ متفق علیہ ہے

ایک اور روایت میں ہے کہ اسے حد کی مقدار تک نہ پہنچایا جائے، یہ وہ قول ہے جسے خرقی نے ذکر کیا ہے... احمد اور خرقی کے کلام میں احتمال ہے کہ کسی جرم و جنایت میں تعزیر کو اس جنس کی حد شرعی تک نہ پہنچایا جائے اور یہ جائز ہے کہ کسی اور جنس کی حد سے زائد ہو، احمد سے ایک روایت ہوئی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے ـــــ پس جس کا سبب تعزیر وطی ہو تو جائز ہے کہ اسے ایک کم سو کوڑے مارے جائیں تا کہ حد زناء سے کم رہے اور جس کا سبب وطی کے علاوہ ہو اس کی تعزیر میں حدود میں سے کم از کم حد تک نہ پہنچا جائے...

مالک نے کہا ہے: جب امام کی رائے یہ ہو تو جائز ہے کہ تعزیر، حد سے زائد ہو جائے جیسا کہ روایت ہے کہ معن بن زائدہ نے بیت المال کے لئے استعمال ہونے والی مہر کے مطابق ایک جعلی مہر بنائی اور اس کے ذریعے خزانچی سے مال لے لیا، پس یہ خبر خلیفہ عمر تک پہنچی تو اس شخص کو سو کوڑے مارے اور قید کا حکم دیا، اس نے اس بارے میں بات کی تو سو کوڑے اور لگائے، پھر بات کی تو مزید سو کوڑے لگائے اور اسے جلا وطن کر دیا۔ (۱۳۲)

۸۔ فقہ حنفی کی کتاب بدائع الصنائع کاشانی میں ہے: پس اس میں (بچے اور دیوانے پر تہمت لگانے کی) تعزیر کی آخری حد تک کوڑے مارنا ہے جو انتالیس کوڑے ہیں، ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک پچھتّر کوڑے اور النوادر میں اس سے کی گئی روایت میں اناسی کوڑے ہیں۔ (۱۳۳)

۹۔ ابن حزم کی کتاب المحلیٰ میں ہے: لوگوں نے تعزیر کی مقدار میں اختلاف کیا ہے

(۱) ایک گروہ نے کہا ہے کہ تعزیر کی کوئی مقدار مقرر و معین نہیں ہے، امام کے لئے جائز ہے کہ جتنے کوڑے چاہے لگائے اور وہ حد شرعی سے تجاوز بھی کر سکتا ہے، یہ احمد کا قول ہے اور ابو یوسف کے اقوال میں بھی ہے، نیز ابو حنیفہ کے اصحاب میں سے طحاوی اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے (۲) ایک گروہ نے کہا ہے تعزیر میں سو یا اس سے کم کوڑے ہیں (۳) ایک گروہ نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ تعزیر ایک کم سو کوڑے ہے (۴) ایک گروہ کا کہنا ہے کہ تعزیر میں زیادہ سے زیادہ اناسی کوڑے ہیں، یہ ابو یوسف کے اقوال میں سے ایک قول ہے (۵) ایک گروہ کہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعزیر پچھتّر کوڑے اور اس سے کم ہے، یہ ابو یعلیٰ کا قول ہے اور ابو یوسف کے اقوال میں بھی ہے (۶) ایک گروہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تعزیر میں اسی کوڑے ہیں (۷) ایک گروہ کا قول ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعزیر بیس کوڑے ہے (۸) ایک گروہ کہتا ہے کہ تعزیر میں نو کوڑوں سے تجاوز نہ کیا جائے اور یہ بعض شافعیوں کا قول ہے (۹) ایک گروہ کا قول ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعزیر دس کوڑے یا اس سے کم ہے اور اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، یہ قول لیث بن سعد اور ہمارے اصحاب کا ہے۔ (۱۳۴)

۱۰۔ معالم القربتہ میں ہے: آنحضرتؐ کے ارشاد ”جو شخص اس تک پہنچ جائے جس میں حد نہیں تو وہ تعزیر ہے“ کے

مطابق تعزیر میں کم از کم حد تک نہ پہنچا جائے، چونکہ یہ جرم و گناہ کمتر ہیں لہٰذا ان میں وہ کچھ واجب نہیں جو کبائر میں ہے، پس اگر وہ آزاد شخص ہو تو چالیس کوڑوں تک نہیں پہنچا جائے گا اور غلام ہو تو بیس کوڑوں تک نہیں پہنچا جائے گا۔

ابو حنیفہ نے کہا ہے۔ آزاد اور غلام میں تعزیر کی زیادہ سے زیادہ مقدار انتالیس کوڑے ہے، ابو یوسف نے پچھتّر کوڑے بتائے اور مالک واوزاعی نے کہا ہے کہ تعزیر امام کے اختیار میں ہے اور وہ جتنے کوڑے مناسب سمجھے اتنے ہی مار سکتا ہے۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے جو نبی اکرمؐ سے آئی ہے کہ فرمایا "کسی کو دس (بیس) سے زیادہ کوڑے نہ لگاؤ مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حدود میں سے کوئی حد ہو" اس روایت کا ظاہر یہ ہے کہ کسی حالت میں دس (بیس) سے زیادہ کوڑے لگانا جائز نہیں ہے مگر اس وقت کہ جب کوئی دلیل موجود ہو، اس لئے کہ نبی اکرمؐ نے حدود کو معین گناہوں کی سزا قرار دیا ہے پس جائز نہیں کہ ان سے کمتر گناہوں پر ان کے برابر عقوبت کی جائے بلکہ ضروری ہے ان میں کم سزا دی جائے۔ (۱۳۵)

پس یہ ہمارے اور اہل سنت کے علماء کے کلمات ہیں جو بیان اقوال کے لئے پیش کئے گئے ہیں۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں بہت سے اقوال ہیں:

پہلا قول

آزاد میں آزاد کی حد اور غلام میں غلام کی حد کو نہ پہنچے جیسا کہ شرائع اور القواعد میں ہے، مخفی نہیں کہ ان دونوں عبارتوں میں ایک طرح کا اجمال ہے کیونکہ اس میں اکثر و اقل دونوں حدوں کا احتمال ہے جیسے الجواہر سے تفسیر گزر چکی ہے کہ آزاد کی حد سو کوڑے یعنی اکثر اور غلام کی حد چالیس کوڑے یعنی اقل بتائی گئی ہے ـــــ شائد ان کی غرض ایک کم سو کوڑے کے اندازے کو اس میں شامل رکھنا ہے جس کا فتویٰ اصحاب نے دیا ہے اور اخبار و روایات بھی اس کی دلالت کرتی ہیں، یعنی دو مردوں، دو عورتوں یا ایک مرد اور اجنبی عورت ایک لحاف میں ننگے پائے جائیں تو ان کی تعزیر یہی ہوگی، پس الوسائل میں ابواب حد زناء میں دسویں باب کی طرف رجوع کریں۔ (۱۳۶)

دوسرا قول

آزاد میں آزاد کی کم از کم حد تک نہ پہنچے اور غلام میں غلام کی کم از کم حد تک نہ پہنچے، لیکن ان دونوں میں کم از کم حد کبھی اسی اور چالیس میں تبدیل کی گئی ہے جیسا کہ الخلاف میں ہے اگرچہ ہم نے اس پر مناقشہ کیا ہے، اسی طرح کبھی پچھتّر اور چالیس سے جیسا کہ الجواہر میں ہے اور کبھی چالیس اور بیس کوڑے جس طرح شافعی وغیرہ سے نقل ہوا ہے۔

تیسرا قول

مطلق طور پر غلام کی کم از کم حد کو نہ پہنچے اور یہ چالیس بتائی گئی ہے جیسے الجواہر میں حکایت کی گئی ہے اور اسی طرح ابو حنیفہ سے بھی وارد ہے، کبھی بیس کوڑے بتائے گئے جیسا کہ المنہاج اور معالم القربتہ میں آیا ہے۔

چوتھا قول

اکثراور کامل حد تک نہ پہنچے جو سو کوڑے ہے جیسا کہ السرائر سے معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں قول

گناہوں میں تفصیل دی جائے یعنی کوئی گناہ جس کبیرہ سے نسبت رکھتا ہے اس کو معیار قرار دیا جائے، جیسا کہ السرائر اور المسالک میں اس قول کو شیخ کی طرف منسوب کیا اور المغنی میں احمد سے بھی حکایت کی نیز المختلف میں فاضل سے نسبت دی ہے۔

چھٹا قول

زیادہ سے زیادہ تعزیر پچھتّر کوڑے ہے جیسا کہ ابن ابی لیلیٰ اور ابو یوسف سے وارد ہے۔

ساتواں قول

اس قول کی بناء پر جس کی المحلیٰ میں حکایت ہوئی ہے تعزیر سو کوڑے یا اس سے کم ہے اور اس کے شاہد بعض اخبار بھی ہیں جو ایک لحاف میں دو ننگے افراد کے بارے میں وارد ہوئے ہیں، پس الوسائل کے ابواب زناء میں دسویں باب کی طرف مراجعہ کریں۔

آٹھواں قول

زیادہ سے زیادہ تعزیر تیس کوڑے ہے۔

نواں قول

زیادہ سے زیادہ تعزیر نو کوڑے ہے۔

اس آٹھویں اور نویں قول کی حکایت المحلیٰ میں کی گئی ہے۔

دسواں قول

تعزیر میں دس سے زیادہ کوڑے نہ لگائے جائیں جیسا کہ احمد سے مروی دو روایتوں میں سے ایک میں آیا ہے۔

گیارہواں قول

تعزیر کی کوئی مقدار معین نہیں اور یہ امام کے اجتہاد پر منحصر ہے جیسا کہ مالک و اوزاعی سے منقول ہے۔

پس یہ ہیں اس مسئلہ میں وہ اقوال جن سے ہم مطلع ہوئے ہیں۔

نیز مخفی نہ رہے کہ جو اقوال ذکر ہوئے ہیں یہ اس صورت میں ہیں جب شارع کی طرف سے کوئی مقدار معین نہ ہو ورنہ جو کچھ مقرر کیا جاچکا ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے مگر یہ کہا جائے کہ تعیین کی صورت میں وہ تعزیر سے نکل کر حدود کے دائرے میں داخل ہو جائے گی۔

المسالک میں کہا ہے: باقی رہی تعزیر تو اس میں اصل عدم تعیین ہے اور اس میں زیادہ تر موارد میں یہی صورت ہے، لیکن کچھ روایات میں بعض مواقع کے لئے مقدار کا تعین ہوا ہے اور وہ پانچ مواقع یہ ہیں۔

۱۔ جو شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرے، اس کی تعزیر میں پچیس کوڑے مقرر کئے گئے ہیں۔

۲۔ جو آزاد عورت کے ہوتے ہوئے کنیز سے نکاح کرے اور اس سے اجازت لینے سے قبل دخول بھی کر لے، اس کی تعزیر ساڑھے بارہ کوڑے یعنی زانی کی حد کا آٹھواں حصہ ہے۔

۳۔ دو افراد جو ایک چادر میں برہنہ ہوں تو اس کی تعزیر تیس سے ننانوے کوڑوں تک بتائی گئی ہے۔

۴۔ جو شخص انگلی سے کسی باکرہ کا پردہ بکارت پھاڑ دے، اس کی تعزیر میں شیخ نے کہا کہ اسے تیس سے ستتر تک کوڑے مارے جائیں گے، مفید نے کہا تیس سے اسی تک کوڑے لگائے جائیں گے اور ابن ادریس نے کہا ہے کہ تیس سے ننانوے تک کوڑے مارے جائیں گے۔

۵۔ اجنبی مرد و عورت ایک لحاف میں ننگے پائے جائیں تو انہیں دس سے ننانوے تک کوڑے لگائے جائیں گے، یہ مفید کا قول ہے اور شیخ نے مطلق تعزیر کی بات کی اور الخلاف میں کہا ہے کہ اس صورت واقعہ میں ہمارے اصحاب نے حد لگانے کی روایت کی ہے۔ (۱۳۷)

میں کہتا ہوں ــــــ ان پر لازم تھا کہ ان مواقع میں حائض سے وطی کرنے اور چوپائے سے بدفعلی کا اضافہ کرتے کیونکہ ان دونوں میں بھی پچیس کوڑے لگانے کا حکم ہوا ہے مگر یہ کہ انہیں اصطلاحی حدود میں درج کیا جائے، لیکن میں نے یہ حکم نہیں دیکھا جس کی انہوں نے شیخ سے حکایت کی ہے کہ جو باکرہ کا پردہ بکارت پھاڑے اس کو تیس سے ستتر تک کوڑے مارے جائیں، بلکہ نہایہ میں ہے کہ اسے تیس سے ننانوے تک کوڑے لگائے جائیں گے۔ (۱۳۸)

جب آپ یہ چیزیں جان چکے ہیں تو اب ہم اس مسئلہ میں وارد اخبار کا ذکر کرتے ہیں، یہ اخبار دو قسم کے ہیں ــــ پہلی قسم میں وہ روایات ہیں جو مخصوص جرائم کے لئے مقرر سزاؤں میں وارد ہوئی ہیں اور وہ المسالک سے نقل کی جاچکی ہیں، دوسری قسم میں وہ روایات ہیں جو تعزیر کی حد بندی میں بطور اطلاق وارد ہوئی ہیں اور وہی یہاں زیر بحث ہیں۔

وہ اخبار جو تعزیر کی مقدار میں وارد ہوئی ہیں:

۱۔ صحیحہ حماد بن عثمان میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے، راوی کہتا ہے میں نے آپ سے عرض کیا: تعزیر کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا: حد سے کم! میں نے عرض کیا: اسی کوڑوں سے کم! فرمایا: نہیں مگر چالیس سے کم کیونکہ یہ غلام کی حد ہے، میں نے عرض کیا: پھر اس میں سے کتنی ہے؟ فرمایا: والی اس شخص کے گناہ اور اس کے بدن کی قوت کو دیکھ کر تعزیر کی مقدار کا فیصلہ کرے

گا۔ (۱۳۹)

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ تعزیر ضرب لگانے اور مارنے میں منحصر ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ رائج طریقے میں حد بندی ہے نہ کہ تعزیر کی۔۔۔۔۔ اور یہ حدیث تیسرے قول کی دلیل ہے کہ آزاد و غلام سبھی کے گناہوں کی تعزیر غلام کی حد تک نہ پہنچے البتہ اس میں کمی کرنے کے لحاظ سے اس کی کوئی حد بندی نہیں اور یہ والی کے اختیار میں ہے. نیز اس کے مفاد کا عموم ان مخصوص موارد کے سبب تخصیص پائے گا جو المسالک سے نقل ہو چکے ہیں۔

حماد کے ذہن میں یہ چیز تھی کہ آزاد افراد کے لئے کم از کم حد اسی کوڑے ہے اور شاید حدیث کا ظاہر اس بات کی تقریر و تائیہ کرتا ہے. باوجود اس کے حد قیادت (دلالی) پچھتّر کوڑے آزاد کے لئے کم سے کم حد ہے جیسا کہ گزر چکا ہے. یہ چیز اس حدیث میں مشکل پیدا کرتی ہے۔

۲۔ مؤثقہ اسحاق بن عمار میں ہے کہ اس نے کہا: میں نے امام ابو ابراہیم (موسیٰ کاظمؑ) سے تعزیر کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کتنی ہے؟ فرمایا: دس اور کچھ کوڑے. دس اور بیس کے درمیان۔ (۱۴۰)

اسی طرح کی روایت اسحاق بن عمار سے احمد بن محمد بن عیسیٰ کے نوادر میں سے مستدرک میں بھی آئی ہے۔ (۱۴۱)

تعزیر کی کثرت و قلت (کمی و بیشی) میں اس مؤثقہ کا مفاد صحیحہ کے مخالف ہے جیسا کہ مخفی نہیں اور اس کے مضمون کے مطابق ابن حمزہ نے وسیلہ میں تعزیر قذف کے بارے میں فتویٰ دیا ہے جبکہ حد کے شرائط ثابت نہ ہوں۔ (۱۴۲)

۳۔ مرسلہ صدوق میں ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: وہ والی جو خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ دس سے زیادہ کوڑے لگائے مگر یہ کہ حد جاری کرے اور غلام کی تادیب میں تین سے پانچ تک کوڑے مارنے کا اذن دیا گیا ہے۔ (۱۴۳)

شیخ صدوق کا حضرت رسولؐ کی طرف قطعی اسناد کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث کا مضمون ثابت ہے اور انہیں آپ سے اس کے صدور کا علم ہے. اس حدیث کا مفاد دسویں قول کے موافق ہے جو احمد سے ایک روایت میں گزر چکا ہے۔

۴۔ مستدرک میں اس کی سند کے ساتھ جعفریات میں مروی امیر المومنینؑ کا بیان ہے کہ حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لئے جائز نہیں کہ دس سے زیادہ کوڑے لگائے مگر یہ کہ حد جاری کرے۔ (۱۴۴)

۵۔ صحیح بخاری میں اس کی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ فرمایا کرتے: دس سے زیادہ کوڑے نہ لگائے جائیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حدود میں سے کوئی حد جاری کی جائے۔

اسی کتاب میں ایک اور روایت میں ہے: آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دس ضربوں سے زیادہ سزا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے

حدود میں سے کسی حد میں (زیادہ ہو سکتی ہے)

اسی کتاب میں روایت ہوئی ہے. آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دس کوڑوں سے اوپر نہ مارو مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حد ہو۔ (۱۴۵)

میں کہتا ہوں ـــــ ابو بردہ وہی ابن نیار انصاری ہے جو عقبہ ثانیہ میں ستر افراد میں شامل تھا. وہ حضرت رسولؐ کے ساتھ بدر واحد اور دیگر مواقع پر موجود رہا نیز امیر المومنینؑ کی تمام جنگوں میں بھی ان کے ہمرکاب رہا ہے۔

ان روایات کے مضامین مرسلہ صدوق کے موافق ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

۶۔ مستدرک میں فقہ الرضا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: تعزیر دس سے انتالیس کوڑوں تک کے درمیان ہے اور تادیب تین سے دس کوڑوں تک کے درمیان ہے۔ (۱۴۶)

میں کہتا ہوں ـــــ گویا انہوں نے باب تعزیر کے اخبار میں جمع کا عمل کیا ہے. پس کوڑوں والے اخبار کو اس شخص کی تادیب کے طور پر اختیار کیا ہے جو ایسا کام کرے جس میں پستی ہو لیکن وہ حرام تک نہ پہنچا ہو لہٰذا یہ اخبار زیادہ سے زیادہ تادیب کے بیان میں ہیں اور مرسلہ کا مضمون بھی اسی کی گواہی دیتا ہے کیونکہ اس میں جس حد کا ذکر ہے وہ اصطلاحی حد اور تعزیر سے عام اور وسیع ہے۔ نیز موثقہ میں تعزیر کی کم سے کم حد بندی کی گئی ہے اور صحیحہ حماد میں تعزیر کی زیادہ سے زیادہ حد بیان ہوئی ہے. بضعۃ عشر (کچھ اوپر دس) سے مراد گیارہ اور اس سے زیادہ کوڑے ہیں. اسے یاد رکھیں۔

لیکن مرسلہ میں جو والی کا ذکر ہے تو بعض اوقات بعید نظر آتا ہے کہ اسے تادیب قرار دیا جائے کیونکہ تادیب والی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے. اس پر غور کریں ـــــ لیکن یہ اشکال دس کوڑوں والی دوسری روایتوں میں حارج نہیں ہوتا۔

۷۔ عبید بن زرارہ کی خبر میں ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ کو یہ فرماتے سنا. اگر میرے پاس ایسے مرد کو لایا جائے جو کسی مسلمان غلام پر زناء کی تہمت لگائے کہ جس کے بارے میں ہمیں خیر و نیکی کے علاوہ کچھ معلوم نہ ہو تو میں اس پر آزاد کی حد جاری کروں گا لیکن ایک کوڑا چھوڑ کر..... (۱۴۷)

یہاں حد سے مراد تعزیر ہے کیونکہ حد قذف و تہمت میں شرط ہے کہ جس پر تہمت لگائی جائے وہ آزاد ہو. جیسا کہ اس پر موثقہ ابو بصیر گواہی دیتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جو شخص کسی غلام پر تہمت لگائے. حرمت اسلام کی بناء پر اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ (۱۴۸)

عبید کی روایت اشارہ کرتی بلکہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مقدمات زناء میں جو ایک کم سو کوڑے لگانے کا ذکر ہوا ہے. نیز پانچویں قول کی بناء پر گناہوں میں تفصیل دی جائے گی اور ہر ایک میں اس حد کو ملحوظ رکھا جائے گا جس سے وہ نسبت رکھتا ہے. پس مقدمات زناء میں تعزیر زناء کی حد سے کم ہوگی اور وہ تعزیر جو قذف و تہمت سے مناسبت رکھتی ہے وہ حد قذف سے کم ہوگی. المسالک سے اس قول کی شیخ اور فاضل کی طرف نسبت کا ذکر ہو چکا ہے۔ امامؑ کا ارشاد "میں اس کو حد لگاؤں گا آزاد کی حد مگر ایک کوڑا کم" اس کے معین ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ حد اکثر کے بیان میں ہے. نیز آپ اسے اس مورد میں اختیار کریں گے جس کا ذکر فرمایا ہے۔

یہ وہ اخبار ہیں جو ہمیں اس موضوع پر دستیاب ہوئے ہیں لیکن ان میں جمع کرنے اور ان میں موجود تعارض کو دور کرنے میں اشکال ہے۔

کسی کو یہ کہنے کا حق ہے کہ عبید بن زرارہ کی خبر میں اس کے مورد میں اقتصار کیا جائے گا یعنی اسے مسلمان غلام پر تہمت لگانے کے مسئلہ تک محدود کیا جائے گا. اس کی حیثیت ان دیگر اخبار کی سی ہے جو خاص موارد سے تعلق رکھتی ہیں جن کا المسالک میں ذکر ہوا ہے. پس ہم ہر ایک سے اس کے مورد میں ہی فتویٰ دیں گے۔

اس بناء پر تعزیرات عامہ کا معاملہ یہاں پہنچتا ہے کہ وہ چالیس کوڑوں سے کم ہوں لیکن قلت اور کمی کے لحاظ سے ان میں کوئی حد بندی نہیں ہے جیسا کہ صحیحہ حماد میں ہے یا دس سے لے کر انتالیس تک ہوں جیسا کہ فقہ الرضا میں ہے یا پچھ اوپر دس سے بیس تک جیسا کہ موثقہ میں ہے یا یہ کہ دس سے اوپر نہ ہوں جیسے مرسلہ صدوق اور اسی مضمون کی دیگر روایات میں ہے۔

پس اگر آپ کہیں کے ہم اس طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ عبید کی خبر ان اخبار کے شمول سے جو مقدمات زناء میں وارد ہوئی ہیں. یہ دلالت کرتی ہے کہ جو فعل زناء کے ساتھ نسبت رکھتا ہے اس کی تعزیر حد زناء سے کم ہوگی. جو فعل قذف و تہمت سے تعلق رکھتا ہے اس میں تعزیر حد قذف سے کم ہوگی. پس اخبار عامہ کو ان معاصی اور گناہوں سے متعلق سمجھا جائے جو زناء. لواطت. سحق (چپٹی) اور قذف و تہمت سے مناسبت نہیں رکھتے۔

جواباً میں یہ کہوں گا کہ عبید کی خبر کا مورد خصوصیت کے ساتھ مسلمان غلام پر زناء کی تہمت لگانا ہے لہٰذا وہ قذف و تہمت کے تمام موارد کے لئے عام نہیں ہوگی اور نہ سب و شتم. ہجو اور اذیت کو شامل ہوگی. نیز امام جعفر صادقؑ کا مقام عمل میں ایک خاص مرتبہ کو اختیار کرنا سب کے لئے اسی مرتبہ کی تعیین پر دلالت نہیں کرتا۔ جن اخبار کی طرف اشارہ ہوا ہے وہ خصوصیت کے ساتھ دو افراد کے لحاف میں برہنہ ہونے کے بارے میں وارد ہوئے ہیں لہٰذا وہ بوسہ لینے. لمس و مس کرنے اور اسی طرح کے دوسرے امور پر دلالت نہیں کرتے اگرچہ بعض لوگوں نے ان سے ایسی باتوں پر بھی استدلال کیا ہے۔

پس بہتر صورت وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے. یعنی اخبار خاصہ کو موارد خاصہ کے لئے رکھا جائے اور یہ حکم لگایا جائے کہ ان کے علاوہ تمام موارد اخبار عامہ کے ذیل میں آتے ہیں. اس بناء پر زیادہ اہم چیز ان اخبار میں موجود تعارض کا رفع کرنا ہے اور اس میں بہت زیادہ اشکال ہے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مرسلہ صدوق اور ایسی ہی دوسری روایات جو دلالت کرتی ہیں کہ دس سے زائد کوڑے لگانا جائز نہیں ہیں ہم نے اپنے اصحاب امامیہ میں کوئی ایسا عالم نہیں پایا جو یہ فتویٰ دیتا ہو البتہ ان روایات کے مضمون کے مطابق بعض فقہاء اہل سنت نے فتویٰ دیا ہے جیسا کہ احمد سے کی گئی ایک روایت میں گزر چکا ہے. اس کے ساتھ یہ احتمال بھی ذکر ہوا ہے کہ مرسلہ کے ذیل کے قرینے سے اسے تادیب پر حمل کیا جائے اور حد کو حد اصطلاحی اور تعزیر کی نسبت عام تصور کیا جائے۔

موثقہ پر بھی اولاً یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ الوسیلہ میں ابن حمزہ کے سوا ہم کسی کو نہیں پاتے جس نے اس کے مطابق

فتویٰ دیا ہو خصوصاً اس فعل میں جو قذف و تہمت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو. البتہ ایک روایت کی رو سے شافعی نے فتویٰ دیا ہے کہ بیس سے زیادہ کوڑے لگانا جائز نہیں ہیں جیسا کہ المنہاج سے گزر چکا ہے۔

ثانیاً یہ روایات ظہور رکھتی ہیں کہ بیس یا انیس زیادہ سے زیادہ مقدار ہے. شاید **صحیحہ** کا ظہور زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑوں کے جواز میں صحت سند کے علاوہ اس سے زیادہ قوی ہے پس **صحیحہ** کو موثقہ پر مقدم سمجھا جائے گا۔

ممکن ہے موثقہ کے مفہوم کو اس پر حمل کیا جائے کہ وہ باب مثال میں ہے اور اس میں بعض مواقع کے لئے تعیین ہوئی ہے. تعزیر کے بعض اطلاقات اس کی تائید کرتے ہیں جو مقدار کا ذکر کئے بغیر مقام بیان میں وارد ہوئے ہیں. پس موثقہ اور **صحیحہ** میں جمع ممکن ہے اور فقہ الرضا کی روایت اس کی شاہد ہو جائے گی۔

میرے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ فقہ الرضا ایک رسالہ ہے جو علی بن بابویہ قمی کی تالیف ہے اور وہ ہمارے اصحاب امامیہ کے لئے ان مسئلوں میں مرجع و مصدر تھا جس میں نصوص نہ ملتی ہوں. مؤلف بزرگ فقہ اہل بیتؑ کے بہت جاننے والے فقیہ تھے۔

پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اخبار جو خاص تعزیرات پر مشتمل ہیں انہیں خاص موارد میں رکھا جائے گا اور عام اخبار کے درمیان جمع یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس تعزیر کو اختیار کیا جائے جو فقہ الرضا میں ہے یعنی کچھ اوپر دس کوڑوں سے لے کر انتالیس تک لگائے جائیں. اسے یاد رکھیں۔

اس سلسلے میں بعض اوقات اخبار کے اختلاف کو جرائم کے اختلاف پر محمول کیا جائے گا. اسی طرح مجرموں میں ان کی حیثیت. ان کے ماضی اور زمانی و مکانی حالات میں فرق کے باعث تعزیر کے مراتب و مقدار میں اختلاف ہو سکتا ہے. نیز تعزیر کوئی تعبدی اور لازمی امر نہیں کہ جس میں مقدار کی پابندی مثل حد کے ضروری ہو بلکہ اس کا مقصد اس شخص کی تادیب اور معاشرے کی اصلاح و تنبیہ ہے. پس ان مذکورہ امور میں اختلاف کے باعث اس کی مقدار میں فرق آجاتا ہے. اس بارے میں اخبار کے اختلاف کا بھی یہی مطلب لیا جاتا ہے. گویا ان سب میں ایک بات کی طرف ہدایت کی جاتی ہے. نیز امامؑ کا یہ ارشاد بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے جس میں آپ نے فرمایا: تعزیر کی مقدار وہی ہے جتنی والی کے نزدیک اس شخص کے گناہ اور بدن کی قوت کے لحاظ سے مناسب ہو۔ (۱۴۹)

البتہ تعزیر میں حد شرعی کی مقدار سے آگے بڑھ جانا بلکہ اس حد تک پہنچنا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ ابو عبداللہؑ سے ان کے آباؤ واجداد سے سکونی کی معتبر خبر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص غیر حد میں حد تک پہنچ جائے وہ تجاوز کرنے والوں میں سے ہے۔ (۱۵۰)

بیہقی نے بھی اپنی سند کے ساتھ ضحاک سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ (۱۵۱)

ساتویں جہت ــــ ضرب و تادیب کی مقدار

مخفی نہیں کہ بچے یا خلاف ورزی کرنے والے غلام کی تادیب ایک عام مجرم کی تعزیر سے الگ ہے. کیونکہ تعزیر اس فعل پر

ہے جو ذاتی طور پر حرام ہو اور تادیب اس فعل کے مقابل وارد ہوتی ہے جو نہیں ہونا چاہئے اور وہ حرمت شرعی کی حد تک نہ پہنچتا ہو اس میں ضرب کی مقدار بھی تعزیر کے برابر نہیں ہونی چاہئے۔

شیخ نے نہایہ میں حدود کے آخر میں کہا ہے: بچہ اور غلام خطاء کرے تو اسے پانچ چھ تک ضربیں لگائی جائیں اور اس سے زیادہ نہیں۔ (۱۵۲)

محقق نے شرائع میں کہا ہے: بچے کی تادیب میں دس سے زیادہ کوڑے لگانا مکروہ ہے اور اسی طرح غلام کا معاملہ بھی ہے۔ (۱۵۳)

میں کہتا ہوں اس مسئلہ میں اصل دلیل اخبار مستفیضہ ہیں۔

۱۔ حماد بن عثمان کی خبر میں ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے بچے اور غلام کی تادیب کے متعلق عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ پانچ یا چھ ضربیں اور ان میں بھی نرمی کرو۔ (۱۵۴)

۲۔ زرارہ کی خبر میں ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے غلام کی تادیب میں ان کی رائے پوچھی تو فرمایا: اگر وہ ایسا کام کرے جو اس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے تو اس پر تادیب نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ تمہاری نافرمانی کرے تو پھر تادیب کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ میں نے پوچھا: اس کی مقدار کیا ہے؟ فرمایا: تین یا چار یا پانچ ضربیں لگائی جائیں گی۔ (۱۵۵)

۳۔ سکونی کی خبر میں ابو عبداللہ سے مروی ہے: مکتب کے بچوں نے امیر المومنین کی خدمت میں اپنی تختیاں پیش کیں تاکہ آپ ان کو ملاحظہ فرمائیں اور ان میں سے عمدہ کا انتخاب فرمائیں۔ تب آپ نے فرمایا: یاد رکھو کہ یہ بھی ایک حکم و فیصلہ ہے اور اس میں ناانصافی کسی مقدمے میں ناانصافی کے مترادف ہے۔ ہاں تم اپنے معلم سے کہہ دینا کہ تادیب کرنے میں تین سے زیادہ کوڑے لگانے کی صورت میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (۱۵۶)

۴۔ موثقہ اسحاق بن عمار میں ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے عرض کیا: بعض اوقات میں اپنے غلام کو اس کے غلط کاموں پر مارتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم اسے کتنے کوڑے مارتے ہو؟ میں نے عرض کیا: کبھی میں اسے سو کوڑے مارتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: سو کوڑے؟ ارے سو کوڑے؟ پھر فرمایا: یہ تو زناء کی حد ہے؟ خدا سے ڈرو! میں نے عرض کیا: آپ پر قربان ہو جاؤں ــــ پھر مجھے کتنے کوڑے مارنا چاہئیں؟ فرمایا: ایک کوڑا۔ میں نے عرض کیا: بخدا کہ اگر اسے معلوم ہو کہ میں اسے بس ایک کوڑا لگاؤں گا تو وہ میری کسی چیز کو بھی خراب کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ آپ نے فرمایا: تو پھر دو کوڑے لگاؤ۔ میں نے عرض کیا: اس میں تو میرے لئے خرابی ہی خرابی ہے۔ اس کے بعد میں مسلسل مطالبہ کرتا رہا یہاں تک کہ آپ پانچ کوڑوں تک پہنچے اور پھر غضبناک ہو کر فرمایا: اے اسحاق! جو جرم اس نے کیا ہو اگر تجھے اس کی حد معلوم ہو تو اس پر وہ حد جاری کرو اور خدا کے حدود سے تجاوز نہ کرو۔ (۱۵۷)

۵۔ علی بن جعفر کی خبر میں ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظم سے پوچھا کہ آیا کسی شخص کے لئے اپنے اس غلام کو مارنا جائز ہے جس نے کوئی غلط کام کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ اس کے جرم اور گناہ کے مطابق اسے کوڑے لگائے ــــ اگر وہ زناء کرے تو اس کو سو کوڑے لگائے اور اس کے علاوہ کوئی اور گناہ کیا ہو تو اس کے اندازے سے ایک کوڑا یا دو

اور اسی طرح مناسب سزا دے. لیکن اس میں ظلم و زیادتی نہ کرے۔ (۱۵۸)

۶۔ مستدرک میں فقہ الرضا سے منقول ہے. تادیب تین سے لے کر دس کوڑوں تک ہے۔ (۱۵۹)

یہ امر مخفی نہیں اور ہم نے اس طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ ان اخبار میں مکلّف غلام کے کسی ایسے شرعی حکم کی خلاف ورزی کرنے کا ذکر ہے جس کے ارتکاب کی صورت میں حد جاری کی جاتی ہے. نیز اس میں وہ بچہ بھی شامل ہے جو ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہے جیسے لواطت اور چوری وغیرہ. اس میں ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں تادیب نہیں تعزیر ثابت ہے۔

پس تادیب کا محل عام خطائیں ہیں نہ کہ شرعی گناہ اور ان میں جو زیادہ قبیح ہوں. پس غور کریں۔

آیا تادیب اپنے مورد پر واجب ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس کے مورد کو عام غلطیوں اور خطاؤں میں منحصر کر دیں جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر اس کے وجوب کی کوئی وجہ نہیں ہے. اگر ہم کہیں کہ وہ ان خطاؤں اور شرعی محرمات سے عام ہیں تو اس میں تفصیل دی جائے گی. پس اگر تادیب کو ترک کرنے پر فساد بڑھتا ہے تو یہ واجب ہوگی ورنہ نہیں؟

اگر غلام کی تادیب اپنے آقا کے حق کو ضائع کرنے پر ہے تو پھر معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ اس سلسلے میں غلاموں کی خطاؤں پر درگزر میں ائمہ اطہارؑ کی سیرت شاہد ہے۔

الجواہر میں ہے. معلوم ہونا چاہئے کہ کلام کا مفروض وہ تادیب ہے جس کی غرض بچے کی بہتری ہو. مثلاً وہ ایسی نہ ہو جو بچے کے غم و غصہ کو بڑھائے. اس صورت میں کبھی تادیب کرنے والے کی بھی تادیب کی جائے گی۔ (۱۶۰)

جو کچھ شرائع میں آیا ہے ہمیں اس کی کوئی واضح دلیل نہیں مل سکی. اسی طرح فقہ الرضا میں ان کا جو قول آیا ہے "تادیب تین سے دس کوڑوں تک ہے۔" اس کی عدم حجیت کے علاوہ کراہت کا فتویٰ دیا گیا ہے. اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ نیز جو کچھ مرسلہ صدوق میں گزرا ہے اسے کراہت کی حد میں رکھنا مشکل ہے کیونکہ اس کا قوی ظہور حرمت کی طرف ہے. شاید والی کے ذکر کے قرینہ سے اس کا مورد بھی تادیب نہیں تعزیر ہے. البتہ ابو بردہ اور ایسی دیگر روایات کا وہی عام مفہوم ہے لہٰذا ممکن ہے جمع کے طور پر اسے تادیب پر حمل کیا جائے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

بہر حال اس مسئلہ میں احوط اس چیز کو اخذ کرنا ہے جو نہایہ میں ہے اگرچہ ضرورت کے وقت چھ کوڑوں سے زیادہ کرے جبکہ اس میں کسی ناروا زیادتی سے کام نہ لیا جائے کیونکہ اس کی غرض اور مقصد وہی حصول ادب و اطاعت ہے اور تعزیر و تادیب تعبدی اور مقید امور میں سے نہیں ہیں. یہی وجہ ہے کہ ان کے موارد میں ان کا حکم بطور اطلاق ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان کی تعداد و مقدار کی تعیین کو تعزیر لگانے اور تادیب کرنے والے پر چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ وقت کے حالات اور ضروریات کے مطابق اپنی سمجھ بوجھ سے مقدار مقرر کرے۔

چونکہ ہماری گفتگو حکام کے وظائف و ذمہ داریوں کے بارے میں ہے اور تادیب ان میں داخل نہیں ہے. تاہم ساتھ کے ساتھ ہم نے اس کو بھی بیان کر دیا ہے۔

آٹھویں جہت ـــ اس کے بارے میں حکم جو حد، تعزیر اور تادیب کے باعث مرجائے۔

۱۔ شیخ نے الخلاف کی کتاب الاشربہ میں کہا ہے: (مسئلہ ۹) جب امام و والی شراب پینے والے پر اسی کوڑے کی حد لگائے اور وہ مرجائے تو امام پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، شافعی نے کہا کہ اس پر آدھی دیت لازم ہے کیونکہ اس نے اپنے قول کی بناء اس پر رکھی کہ حد اس میں چالیس کوڑے ہے لہٰذا اس نے حاکم پر آدھی دیت عائد کر دی ہے، لیکن ہماری دلیل یہ ہے کہ شراب کی حد اسی کوڑے ہے اور حاکم پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

(مسئلہ ۱۰) جب امام و والی کسی کو تعزیر لگائے کہ جس پر تعزیر واجب ہے یا جائز ہے اور واجب نہیں تو اگر وہ اس سے مرجائے تو اس پر کوئی چیز نہیں اور ابو حنیفہ نے بھی یہی کہا ہے، لیکن شافعی نے کہا کہ اس پر آدھی دیت لازم ہے، یہ کس پر واجب ہوگی؟ اس میں دو قول ہیں اور ان میں سے ایک ان کے نزدیک زیادہ صحیح ہے کہ اس کے عاقلہ (قریبی رشتہ داروں) پر ہوگی، دوسرا قول یہ ہے کہ بیت المال پر ہوگی، ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل چیز ذمہ داری کی ادائیگی ہے اور اسے کون ادا کرے گا، یہ محتاج دلیل ہے۔ (۱۶۱)

المبسوط کی کتاب الاشربہ میں ہے: جب امام و والی کسی شخص کو تعزیر لگائے اور وہ اس کی ضرب سے مرجائے تو اس میں پوری دیت ہوگی کیونکہ وہ ضرب تادیب ہے، رہی یہ بات کہ وہ کس پر واجب ہے تو ایک گروہ نے کہا ہے کہ بیت المال پر ہے اور ہمارا مذہب بھی اسی کا اقتضاء کرتا ہے، دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ وہ امام کے عاقلہ (قریبی رشتہ داروں) پر ہوگی اور ان کے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے، اگر ہم کہیں کہ اس میں امام و حاکم ذمہ دار نہیں تو یہ ایک قوی قول ہے کیونکہ امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جس پر ہم خدا کے حدود میں سے کوئی حد لگائیں اور وہ مرجائے تو اس میں کوئی ذمہ نہیں ہے۔" ـــ جبکہ یہاں حد کا ذکر ہے اگرچہ وہ معین نہیں ہے۔ (۱۶۲)

۳۔ المبسوط کی کتاب الاشربہ ہی میں ہے: پس اگر امام ایسا کرے تو امام پر کوئی ذمہ نہیں ہے چاہے اس کو تعزیر واجب لگائے یا مباح اور ہمارا مذہب بھی اسی کا اقتضاء کرتا ہے، پس جس نے امام و والی کو اس میں ذمہ دار بنایا (یا بناتا ہے۔ خ ل) تو اسے کس طرح ذمہ دار ٹھیرایا ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ایک گروہ نے کہا دیت بیت المال پر ہے، دوسرے گروہ نے کہا عاقلہ پر ہے ـــ لیکن جس طرح بیان ہو چکا ہے اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ امام پر صرف کفارہ ہے۔

باقی رہا یہ کہ اگر باپ یا دادا بچے کو تادیب کے طور پر ماریں اور وہ مرجائے یا امام و حاکم یا اس کا امین یا وصی اسے مارے یا معلم اسے تادیب کی خاطر مارے اور وہ ہلاک ہو جائے تو وہ ذمہ دار ہے کیونکہ اس کا مارنا سلامتی کی شرط کے ساتھ مباح کیا گیا ہے، ہمارے نزدیک دیت تادیب کرنے اور مارنے والے کے اپنے مال میں سے دی جائے گی اور ان کے نزدیک عاقلہ (قریبی رشتہ داروں) پر ہے۔ (۱۶۳)

۴۔ محقق نے شرائع کے باب حدود میں کہا ہے: جو حد یا تعزیر کے دوران مرجائے، اس کی کوئی دیت نہیں اور بعض نے کہا ہے بیت المال پر لازم ہے لیکن پہلا قول مروی ہے۔ (۱۶۴)

۵۔ نیز اسی کتاب میں باب حدود کے آخر میں ہے: آٹھویں۔ جب وہ اپنی بیوی کو شرعی تادیب کرے اور وہ اس سے مرجائے

بو تح فرماتے ہیں کہ اس پر دیت ہے کیونکہ تادیب سلامتی کے ساتھ مشروط ہے. لیکن اس میں تردد ہے کیونکہ یہ تادیب جائز تعزیرات میں سے ہے، مگر جب باپ یا دادا بچے کو تادیب کے طور پر مارے اور وہ مرجائے تو اس پر اس کے اپنے مال میں سے دیت ادا کرنا واجب ہے۔ (۱۶۵)

۶۔ ابن قدامہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ہے. فصل۔ اور جب وہ تعزیر کے دوران مرجائے تو اس کی ضمانت واجب نہیں ہے اور مالک و ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے. لیکن شافعی نے کہا کہ وہ ضامن ہے جیسا کہ امام علیؑ نے ارشاد کیا "کوئی ایسا نہیں کہ جس پر حد جاری کی گئی اور وہ مرجائے تو میں اپنے دل میں ایک بات پاتا ہوں کہ یہ حق کے ضمن میں مرا ہے مگر یہ کہ وہ شراب کی حد ہو کیونکہ اس میں حضرت رسولؐ نے ہمارے لئے کوئی راستہ مقرر نہیں کیا. نیز آپ نے خلیفہ عمر کو اس عورت کے سقط حمل کی ضمانت کا مشورہ دیا جب انہوں نے کسی کو اس کی طرف بھیجا تھا۔

اس میں ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ ایک سزا ہے جو دھمکانے اور روکنے کے لئے مقرر کی گئی ہے. پس جو اس سے مرجائے تو مثل حد کے اس میں ضمانت و ذمہ داری نہیں ہے۔ (۱۶۶)

میں کہتا ہوں ــــ وہ جو اس نے امیر المومنینؑ سے حکایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے شراب کی حد مقرر نہیں کی تو الخصال میں آپ ہی سے ایک اور روایت سے معارض ہے کہ جس کے مطابق نبی اکرمؐ نے شراب پینے کی حد میں اسی کوڑے مارے تھے۔ (۱۶۷)

عبدالرزاق کی کتاب المصنف میں اس کی سند کے ساتھ حسن سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے شراب نوشی پر اسی کوڑے مارے تھے۔

اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ حسن سے روایت ہے کہ اس نے کہا. خلیفہ عمر اس کے لئے آمادہ ہوئے کہ مصحف میں یہ لکھ دیں کہ حضرت رسولؐ نے شراب نوشی پر اسی کوڑے لگائے اور اہل عراق کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر کیا۔ (۱۶۸)

باقی رہی جنین کی ضمانت تو وہ اس مقام پر ضمانت کی دلالت نہیں کرتی. اس لئے کہ نہ اس سے کوئی جرم سرزد ہوتا ہے نہ اس پر کوئی تعزیر ہے. پس غور کریں۔

۷۔ المغنی میں بھی آیا ہے. فصل ــ اگر زوجہ نشوز و نافرمانی میں مشروع تادیب کے سبب ہلاک ہو جائے تو شوہر پر اس کی ضمان و ذمہ داری نہیں ہے. اسی طرح جب معلم اپنے شاگرد (بچے) کو شرعی (جائز) تادیب کرے تو اس کی ہلاکت میں اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے. مالک کا بھی یہی قول ہے لیکن شافعی و ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ وہ ضامن ہے. اس میں دونوں مذاہب کی دلیل وہی ہے جو سابقہ مسئلہ میں گزر چکی ہے۔

خلال نے کہا ہے. جیسا کہ تابعین اور فقہاء نے کہا ہے کہ جب معلم بچے کو تین کوڑے مارے اور وہ تین مرتبہ ہی مارے گئے ہوں تو وہ ضامن نہیں ہے. لیکن جب وہ شدید ضرب لگائے کہ جو بچے کے لئے ادب کا ذریعہ نہیں ہے تو ضامن ہو گا کیونکہ اس نے مارنے میں زیادتی کی ہے۔

قاضی نے کہا ہے . اسی طرح ہمارے اصحاب کے قول پر قیاس کے تحت آئے گا کہ جب باپ یا دادا بچے کو تادیب کے لئے مارے اور وہ ہلاک ہو جائے یا حاکم یا اس کا امین یا وہ جو اس پر وصی ہے بطور تادیب مارے تو مثل معلم کے ان پر ضمان و ذمہ داری نہیں ہے۔ (۱۶۹)

۸۔ ماوردی نے حد اور تعزیر میں فرق کرنے والی وجوہ میں کہا ہے . اور تیسری وجہ یہ ہے کہ حد جاری ہونے میں ہلاک و تلف ہو جائے تو وہ ہدر و رائگاں ہے لیکن تعزیر میں ضمان و ذمہ داری کا موجب ہے . چنانچہ خلیفہ عمر نے ایک عورت کو دھمکایا تو اس کا پیٹ سکڑ گیا اور بچہ مردہ حالت میں ساقط ہوا . انہوں نے اس بارے میں امام علیؑ کے مشورہ پر اس بچے کی دیت ادا کی تھی۔ (۱۷۰)

۹۔ معالم القربتہ میں ہے : امام و حاکم کسی شخص کو تعزیر لگائے اور وہ مرجائے تو اس پر ضمان واجب ہے . یہ بھی کہا گیا ہے کہ واجب نہیں ہے . لیکن مذہب و طریقہ وہی پہلا قول ہے کیونکہ خلیفہ عمر اور امام علیؑ سے یہی روایت ہوئی ہے اور ان دونوں سے کسی نے تخالف نہیں کیا . لیکن اس وجہ سے کہ ضرب میں زیادتی ہوئی ہے تو وہ ضامن ہے جیسے معلم اور شوہر جو بچے اور بیوی کو مارنے میں تجاوز کریں تو ضامن ہیں۔ ہم نے تعزیر میں جو ضامن قرار دیا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ یہ ایسی تادیب ہے جو سلامتی کے ساتھ مشروط ہے . پس جب اس میں معاملہ ہلاک و تلف تک پہنچے تو ہم پر واضح ہو گا کہ اس کا اذن نہیں دیا گیا لہٰذا اس کی ضمان و ذمہ داری واجب ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا ہے : اور جب امام دیکھے کہ اس شخص کو سوائے ضرب لگانے کے کوئی چیز درست نہیں کر سکتی تو اس پر لازم ہے کہ اسے مارے . اگر وہ دیکھتا ہے کہ اسے مارے بغیر بھی اصلاح ممکن ہے تو پھر اسے اختیار ہے کہ ان دونوں امور میں سے جس پر چاہے عمل کرے . اس طرح اگر وہ شخص مرجائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ (۱۷۱) اسے یاد رکھیں۔

۱۰۔ لیکن ابو یعلیٰ فراء کی کتاب احکام السلطانیہ میں یوں ہے : تعزیر اس چیز کی ضمانت کا موجب نہیں کہ جو اس سے ہلاک و تلف ہو . اسی طرح جب معلم کسی بچے کو تادیب کے لئے معروف و مشہور طریقے سے مارے اور وہ تلف ہو جائے یا ایک شوہر اپنی بیوی کی نافرمانی پر اسے مارے اور وہ تلف ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

اس پر ابو طالب کی روایت میں نص ہوئی ہے . چنانچہ جب اس سے پوچھا گیا کہ آیا زوجہ اور اس کے شوہر کے درمیان قصاص ہے ؟ اس نے کہا جب زوجہ کو تادیب میں مارے اور وہ تلف ہو جائے تو پھر قصاص نہیں ہے . اسی طرح بکر بن محمد نے نقل کیا ہے کہ ایک شوہر جو اپنی زوجہ کو تادیباً مارتا ہے . پس اس کا ہاتھ پاؤں توڑ دیتا ہے یا اسے زخمی کر دیتا ہے تو اس پر قصاص نہیں ہے . نیز ابو بکر خلال نے کتاب الادب میں ذکر کیا ہے "جب معلم بچوں کو ایسی ضرب لگائے جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو اور تین مرتبہ ایسا کرے تو وہ ہلاکت و تلفی کا ضامن نہیں ہے . اسی پر قیاس کرتے ہوئے جب باپ اپنے بیٹے کو تادیب کرے تو وہ بھی ضامن نہیں ہے۔ (۱۷۲)

پس یہ ہیں فریقین کے علماء و مصنفین کے بعض کلمات جو اس مسئلہ میں وارد ہوئے ہیں . ان میں حدود مقررہ کے دوران تلفی کا ضامن نہ ہونے پر اتفاق معلوم ہوتا ہے مگر یہ کہ تعدی و تجاوز کیا گیا ہو . لیکن ان کے درمیان تعزیر و تادیب میں نزاع و

اختلاف ہے۔

ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے جیسے بعض کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصطلاحی حد کی ایک مقدار معین ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پس وہ حاکم جو اس کے اجراء پر مامور ہے، جب وہ بغیر تعدی و تجاوز کے اسے جاری کرتا ہے تو اس پر ضمان کی کوئی وجہ متصور نہیں ہو سکتی، کیونکہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ اس پر عمل کرنے میں اس کی اطاعت کر رہا ہے۔

رہی تعزیر و تادیب تو ان دونوں کے لئے کوئی خاص مقدار مقرر و معین نہیں ہے بلکہ وہی والی و حاکم ان کی حد اور مقدار معین کرتا ہے، ان دونوں کا مقصد موضوع کی حفاظت اور سلامتی کو برقرار رکھتے ہوئے ادب سکھانا ہوتا ہے، ممکن ہے ان دونوں کے ضمن میں کہا جائے کہ موت کا تعلق مقدار کی تعیین میں حاکم کی خطاء و اشتباہ سے ہے، پس اس پر ضمان و ذمہ داری ثابت ہو گی اگرچہ والی و حاکم کی ضمان مسلمانوں کے بیت المال پر ہے اور اس کی ذات پر نہیں ہے، جیسا کہ اصبغ بن نباتہ کی خبر اس کی گواہی دیتی ہے کہ امیر المومنین نے فیصلہ کیا "کسی خون یا ہاتھ کاٹنے میں قاضی جو خطاء کریں، اس کی ذمہ داری مسلمانوں کے بیت المال پر ہے" ۔ (۱۷۳) اسے یاد رکھیں

اس مسئلہ کے اخبار دو گروہوں پر مشتمل ہیں

پہلا گروہ

وہ اخبار جو دلالت کرتے ہیں کہ جو حد یا قصاص میں مرجائے اس کی دیت نہیں ہے

۱۔ صحیحہ حلبی میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: کوئی شخص حد یا قصاص میں مرجائے تو اس کی دیت نہیں ہے۔ (۱۷۳۔ الف)

۲۔ کنانی کی خبر میں ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ جو شخص حد یا قصاص میں مرجائے کیا اس کی دیت ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر اس میں دیت ہوتی تو پھر کسی سے قصاص لیا ہی نہ جاتا ــــــ اسی طرح ابو عبداللہ سے شحام کی خبر میں بھی مذکور ہے۔ (۱۷۴)

۳۔ معلّی بن عثمان کی خبر میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص حد یا قصاص میں مرجائے اس کی دیت نہیں ہے۔ (۱۷۵)

۴۔ مستدرک میں دعائم الاسلام سے نقل ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا: جس پر حد قائم کی جائے اور وہ مرجائے تو اس کے لئے نہ دیت ہے نہ قصاص۔ (۱۷۶)

۵۔ اسی کتاب میں دعائم سے نقل ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا: کوئی شخص حد یا قصاص میں مرجائے تو وہ قرآن کا مقتول ہے، پس اس کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ (۱۷۷)

شائد ان اخبار اور اسی طرح کے دیگر اخبار میں لفظ حد ــــــ اصطلاحی حد اور تعزیر کی نسبت سے عام ہے اور اس کی بنیاد یہ

ہے کہ جب حد اور تعزیر یکجا ہوں تو ان کے معانی الگ الگ ہوتے ہیں اور جب یہ دونوں الگ الگ استعمال ہوں تو ان کے معانی یکساں ہوتے ہیں. پس غور کریں

اگر آپ کہیں کہ ان روایات میں حد کے ساتھ قصاص کے ذکر سے ظاہر ہے کہ یہاں خصوصیت کے ساتھ حد قتل مراد ہے. لہٰذا یہ ضرب لگانے اور مارنے کو شامل نہیں ہوگی جس سے بعض اوقات موت واقع ہو چہ جائیکہ یہ تعزیرات میں عام ہو۔

اس پر میں کہوں گا کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ قصاص سے قصاص نفس اور قصاص اعضاء کے علاوہ عام قصاص مراد ہے. پس غور کریں

دوسرا گروہ

وہ اخبار جو حدود اللہ اور حدود الناس میں تفصیل پر دلالت کرتے ہیں

۱۔ حسن بن محبوب کی خبر حسن بن صالح بن حی ثوری سے ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ کو یہ فرماتے سنا. جس کو ہم حدود اللہ میں سے کوئی حد لگائیں اور وہ مر جائے تو ہم پر اس کی دیت نہیں ہوگی اور جس کو حدود الناس میں سے کوئی حد لگائیں اور وہ مر جائے تو اس کی دیت ہم پر ہوگی۔ (۱۷۸)

۲۔ شیخ صدوق سے روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جس پر ہم حدود اللہ میں سے کوئی حد لگائیں اور وہ مر جائے تو اس کی دیت ہم پر نہیں ہوگی اور جسے حدود الناس میں سے کوئی حد لگائیں اور وہ مر جائے تو اس کی دیت ہم پر ہے۔ (۱۷۹)

ظاہر ہے کہ یہ دونوں خبریں مضمون کے لحاظ سے متحد ہیں اور صدوق کا متن کو یقینی طور پر امامؑ کی طرف نسبت دینا دلالت کرتا ہے کہ وہ ان کے نزدیک ثابت ہے ورنہ یہ تعبیر جائز نہیں ہے کیونکہ بغیر علم کے بات کرنا اور خصوصاً امام کی طرف نسبت دینا حرام ہے۔

علاوہ ازیں ثوری کی طرف اسناد صحیح ہے اور ابن محبوب اصحاب اجماع میں سے ہے. شائد یہ سب چیزیں اس خبر پر اعتماد کرنے میں کافی ہیں اگرچہ ثوری بذات خود زیدی بتری ہے اور اس کی وثاقت ثابت نہیں ہے۔ نیز استبصار میں شیخ کے بیان کا ظاہر بھی یہی ہے کہ انہوں نے اس خبر پر اعتماد کیا اور اس سے پہلی خبروں کو اس سے متصل کیا ہے. پس اس کا نتیجہ تفصیل کو اختیار کرنا ہے۔ (۱۷۹۔ الف)

بہرحال باب حدود میں اخبار کی جمع کے ساتھ تفصیل کو اخذ کرنا احوط ہے پس غور کریں. حدود الناس کی مثال حد قذف و تہمت ہے اور ظاہر ہے کہ "اس کی دیت ہم پر ہے" سے مراد اس کا ان ذوات پر عائد ہونا اس لحاظ سے ہے کہ وہ مسلمانوں کے حکام و والی ہیں. پس وہ مسلمانوں کے بیت المال میں ہوگی جیسا کہ اصبغ بن نباتہ کی خبر اس پر دلالت کرتی ہے جو گزر چکی ہے۔

۳۔ باقی رہیں تعزیرات و تادیبات تو قاعدۂ اولیہ تقاضا کرتا ہے کہ آنجناب کے قول "مسلمان مرد کا خون باطل نہیں ہو سکتا"

کی بناء پر ان میں تعزیر و تادیب کرنے والے پر ضمان و ذمہ ہو۔ (۱۸۰)

ممکن ہے اصالت برائت. قاعدۂ احسان اور ان اخبار کے ساتھ جو گزر چکی ہیں ان میں عدم ضمان پر استدلال کیا جائے کیونکہ لفظ حد ان دونوں کو بھی شامل ہے اور وہ اس طرح کہ جب لفظ حد مجرد استعمال ہو تو اس سے ہر وہ سزا مراد ہوتی ہے جو کسی گناہ و خطاء سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے مقرر کی جائے. اس کے علاوہ عرف عام کے لحاظ بھی ان میں ایک ہی طرح کا حکم ہونا ضروری ہے۔

لیکن خصوصاً تادیبات میں ضمان و ذمہ کا حکم لگانا احوط ہے کیونکہ دلیل کے مقابل اصل کا قائم ہونا ممکن نہیں ہے. نیز تعزیرات میں ذمہ داری حاکم پر نہیں بیت المال پر ہوگی اور مذکورہ اخبار میں حد کا عام مفہوم نہیں لیا جا سکتا جیسا کہ حدود. تعزیرات اور تادیبات میں احتمال ہے کہ اس کا تعلق حاکم یا سرپرست کی طرف سے مقدار کی تعیین میں خطاء و غلطی سے ہو البتہ یہ بات امام معصوم سے متعلق نہیں ہے. پھر یہ حکم اس صورت میں ہے جب حد و تعزیر جاری کرنے والا اپنے وظیفہ و ذمہ داری سے تجاوز نہ کرے ورنہ وہ خود ضامن ہے اور یہ ذمہ اس کی ذات پر ہو گا۔

۱۔ سماعہ کی خبر میں ہے کہ ابوعبداللہؑ نے فرمایا: ہر چیز کی ایک حد ہے اور جو اس سے تجاوز کرے تو اس کے لئے بھی حد ہے۔

۲۔ صدوق نے کہا ہے کہ امیرالمومنینؑ نے خطبہ دیا تو فرمایا: اللہ تعالٰی نے کچھ حدود مقرر کئے ہیں. پس ان سے تعدی و تجاوز نہ کرو۔

۳۔ سکونی کی خبر میں ابوعبداللہؑ سے ان کے آباء کے واسطے سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: جو حد کے سوا کسی سزا میں حد تک پہنچ جائے وہ زیادتی اور مخالفت کرنے والوں میں سے ہے۔

۴۔ حمران بن اعین کی صحیحہ میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے: حدود میں سے تین کوڑے بھی ہیں اور جو ان سے تجاوز کرے تو اس پر حد ہے۔

۵۔ حسن بن صالح ثوری کی خبر میں ہے کہ ابو جعفرؑ نے فرمایا: امیرالمومنینؑ نے قنبر کو حکم دیا کہ کسی مرد پر حد جاری کرے. پس اس نے غلطی سے تین کوڑے زیادہ لگا دئے تو آپ نے قنبر سے ان تین کوڑوں کا قصاص لیا۔

یہ اور ان کے علاوہ جو اخبار ہیں ان کے لئے الوسائل کی طرف رجوع کریں۔ (۱۸۱)

جب ثابت ہو جائے کہ یہ شخص تجاوز کرنے والا ہے تو وہ اللہ تعالٰی کے اس قول کا مصداق ہے:

فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم – (۱۸۲)

"پس جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسی ہی زیادتی تم بھی اس پر کرو"۔

آیا دیت کو حد اور زیادتی پر نصفا نصف تقسیم کر دیا جائے گا کیونکہ عرفی طور پر موت ان دونوں کے سبب ہوئی ہے. قصاص و دیت مجرموں کی تعداد پر تقسیم ہوگی نہ کہ جرم کی مقدار پر یا کوڑوں کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم ہوگی جیسا کہ الجواہر میں ہے یا ساری کی ساری حداد (حد لگانے والے) پر ہوگی کیونکہ وہی زیادتی کرنے والا ہے اور موت کی علت کا جزء آخیر ہے اور معلول عرفی طور پر بلکہ عقلی طور پر بھی علت کے جزء آخیر سے متعلق ہوتا ہے کیونکہ وہی معلول کے پیچھے آتا ہے.

مثلاً وہ شخص جو دوسری علتوں کے باعث موت کے قریب پہنچ چکا ہو تو اگر کوئی آدمی اسے چوٹ لگائے اور وہ مر جائے یا کوئی شخص سامان سے بہت لدی ہوئی کشتی پر پتھر پھینکے اور وہ غرق ہو جائے۔ اس مسئلہ میں کئی وجوہ ہیں اور ان کی تحقیق ہم کسی دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھتے ہیں تاہم میرے نزدیک زیادہ واضح وہی آخری وجہ ہے۔

محقق نے شرائع میں حد شراب کی بحث کے آخر میں کہا ہے: تیسرا مسئلہ۔ اگر حاکم کسی پر قتل کی حد جاری کرے۔ پس دونوں گواہوں کا فاسق ہونا ظاہر ہو جائے تو اس کی دیت بیت المال پر ہوگی۔ حاکم یا اس کا عاقلہ (رشتہ دار) ضامن نہیں ہو گا۔ اگر کسی کو حاملہ عورت پر حد جاری کرنے کو بھیجا جائے اور وہ مارے خوف کے بچہ گرا دے تو اس بچے کی دیت بیت المال میں سے ہوگی اور یہی قول قوی ہے کیونکہ وہ خطاء و غلطی ہے اور حاکم کی خطاء بیت المال کے ذمے ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حاکم اور اس کے عاقلہ پر ہوگی جیسا کہ خلیفہ عمر اور امام علیؑ کے درمیان یہ معاملہ پیش آیا تھا۔

اگر حاکم مجرم کو حد سے زیادہ مارنے کا حکم دے اور وہ مر جائے تو اس پر اس کے اپنے مال میں سے آدھی دیت ہوگی جبکہ مارنے والا نہ جانتا ہو کیونکہ یہ شبیہ عمد ہے۔ اگر بھول کر زیادہ مارے تو اس کی نصف دیت بیت المال پر ہوگی۔ اگر حاکم مقررہ حد تک مارنے کا حکم دے اور مارنے والا عمداً زیادہ مار دے تو آدھی دیت مارنے والے کے اپنے مال میں سے ہوگی اور اگر بھول کر زیادہ مار دے تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔ اس میں ایک اور احتمال بھی ہے۔ (۱۸۳)

میں کہتا ہوں ـــــ خلیفہ عمر اور امام علیؑ کا معاملہ علماء اہل سنت کے کلمات میں بھی گزر چکا ہے اور وسائل میں بھی اس کی روایت ہوئی ہے۔ (۱۸۴)

ان کا یہ قول کہ اس میں ایک اور احتمال بھی ہے اس سلسلے میں الجواہر میں کہا ہے۔ وہ دیت کا ان کوڑوں پر تقسیم ہونا ہے جن سے موت واقع ہوئی ہے۔ اس میں وہ سب کوڑے شامل ہیں جو اس نے حد کے طور پر مارے اور وہ جو اس سے زیادہ مارے ہیں۔ (۱۸۵)

لیکن ہم نے یہ احتمال دیا ہے کہ ساری دیت حداد (کوڑے مارنے والے) پر ہوگی کیونکہ زیادتی ہی علت کا جزء آخری ہے۔ پس غور کریں۔

نویں جہت۔ ان وجوہ کی طرف اجمالی اشارہ جن سے اسباب حدود و تعزیرات ثابت ہوتے ہیں

ہم ان وجوہ کو محقق حلی کی کتاب شرائع سے نقل کر رہے ہیں اور ان کی تفصیلی بحث کتاب حدود میں ہے۔ پس مراجعہ کریں۔

شرائع میں کہا ہے: زناء گواہی یا اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔ اقرار کے سلسلے میں اقرار کرنے والے کا بلوغ۔ کمال عقل۔ اختیار اور آزادی ضروری ہے نیز اقرار کا چار مجالس میں تکرار شرط قرار دیا گیا ہے اور اگر وہ شخص چار مرتبہ سے کم تعداد میں اقرار کرے تو حد نہیں تعزیر واجب ہوگی۔ اگر ایک ہی نشست میں چار مرتبہ اقرار کرے تو الخلاف والمبسوط میں ہے کہ زناء ثابت نہیں ہو گا۔ لیکن اس میں تردد ہے۔

گواہی کی صورت یہ ہے کہ وہ چار مردوں یا تین مردوں اور دو عورتوں سے کم ہوں تو کافی نہیں ہیں. نیز صرف عورتوں ہی عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں اور نہ ہی ایک مرد اور چھ عورتوں کی گواہی قبول ہو گی البتہ دو مردوں اور چار عورتوں کی گواہی کافی ہو سکتی ہے لیکن اس سے کوڑے لگانے کا ثبوت ہو گا اور سنگسار کرنا ثابت نہیں ہو گا. اگر چار سے کم مرد گواہی دیں تو حد ثابت نہیں ہو گی اور ان میں سے ہر ایک کو قذف و تہمت کی حد لگائی جائے گی۔ (۱۸۶)

نیز اسی کتاب میں ہے. لواطت، سحق (چپٹی) اور قیادت (زناء کی دلالی) کے بیان میں

لواطت کا مطلب مرد کا مرد سے بد فعلی کرنا ہے جو دخول سے ہو یا بغیر دخول کے ہو. یہ دونوں چار مرتبہ اقرار کرنے یا چار مردوں کی آنکھوں دیکھی گواہی کے بغیر ثابت نہیں ہوتے. اقرار کرنے والے میں بلوغ، کمال عقل، آزادی اور اختیار شرط ہے خواہ فاعل ہو یا مفعول ہو. اگر چار سے کم بار اقرار کرے تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی بلکہ تعزیر لگائی جائے گی. اگر چار سے کم افراد اس کی گواہی دیں تو ان پر قذف و تہمت کی حد لازم ہو گی اور اس میں امام و حاکم اپنے علم کے مطابق حکم کر سکتا ہے اور زیادہ صحیح قول کی بناء پر حاکم ہو یا کوئی اور ہو وہ حکم لگا سکتا ہے۔ (۱۸۷)

میں کہتا ہوں ـــــ یہاں انہوں نے ان اسباب کا ذکر نہیں کیا جن سے سحق (عورت کا اپنی شرمگاہ دوسری کی شرمگاہ پر رگڑنا) ثابت ہوتا ہے. کتاب شہادات میں اسے لواطت کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

نیز اسی کتاب میں قیادت (اجنبی مرد عورت کا ملاپ کرانے) کے بارے میں ہے. اور وہ (قیادت) دو مرتبہ اقرار کرنے یا دو گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے. اقرار کرنے والے میں بلوغ، کمال عقل (کمال خ ل). آزادی اور اختیار کا ہونا شرط ہے۔ (۱۸۸)

نیز اسی کتاب میں قذف (تہمت لگانے) کے بارے میں ہے. اور قذف دو عادل گواہوں کی گواہی یا دو مرتبہ اقرار کرنے سے ثابت ہوتی ہے اور اقرار کرنے والے میں تکلیف (بلوغ و عقل). آزادی اور اختیار کا ہونا شرط ہے۔ (۱۸۹)

اسی کتاب میں مسکر (نشہ آور چیز) کے بارے میں ہے. اور مسکر (نشہ آور چیز) کا استعمال دو عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے. اس میں عورتوں کا تنہا یا مردوں کے ساتھ مل کر گواہی دینا قابل قبول نہیں ہے. دو مرتبہ اقرار سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے اور ایک مرتبہ کا اقرار کافی نہیں ہے. اقرار کرنے والے میں بلوغ، کمال عقل، آزادی اور اختیار کا ہونا شرط ہے۔ (۱۹۰)

اسی کتاب میں چوری کے بارے میں ہے. اور وہ (چوری) دو عادل گواہوں کی گواہی یا دو مرتبہ کے اقرار سے ثابت ہوتی ہے. ایک مرتبہ کا اقرار کافی نہیں اور اقرار کرنے والے میں بلوغ، کمال عقل، آزادی اور اختیار شرط ہے۔ (۱۹۱)

نیز اسی کتاب میں محارب (ڈاکو) کے بارے میں ہے. یہ جرم (ڈاکہ) اقرار سے ثابت ہوتا ہے خواہ ایک دفعہ اقرار کرے. نیز دو عادل مردوں کی گواہی سے بھی ثابت ہوتا ہے. اس میں عورتوں کی تنہا یا مردوں سے مل کر گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ (۱۹۲)

اسی کتاب میں چوپاؤں سے بد فعلی کرنے کے بارے میں ہے: چوپاؤں سے بد فعلی دو عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت

ہوتی ہے۔ عورتوں کی گواہی سے ثابت نہیں ہوتی چاہے وہ تنہا ہوں یا مردوں کے ساتھ شامل ہوں. اقرار سے بھی ثابت ہوتی ہے اگرچہ وہ ایک مرتبہ ہی کیا ہو جبکہ وہ چوپایہ اسی کا ہو. اس میں صرف تعزیر ثابت ہوگی اگرچہ اقرار ایک سے زیادہ مرتبہ ہو ــــ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دو مرتبہ اقرار کے بغیر ثابت نہیں ہوتی لیکن یہ غلط ہے۔ (۱۹۳)

اسی کتاب میں استمناء (مشت زنی وغیرہ) کے ذریعے منی خارج کرنے کے بارے میں ہے: یہ دو عادل مردوں کی گواہی یا اقرار سے ثابت ہوتا ہے خواہ ایک ہی مرتبہ اقرار کرے. یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک مرتبہ کے اقرار سے ثابت نہیں ہوتا لیکن یہ وہم ہے۔ (۱۹۴)

اسی کتاب میں قذف کی بحث میں ہے: پانچواں مسئلہ۔ ہر وہ فعل جس پر اللہ تعالیٰ کے حقوق سے تعزیر واجب ہے. ایک قول کی بناء پر وہ دو عادل گواہوں یا دو مرتبہ کے اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔ (۱۹۵)

یہ وہ مطالب ہیں جن کو ہم نے شرائع سے نقل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا

مخفی نہیں کہ عمومات اولیہ کا تقاضا دو عادل گواہوں یا ایک مرتبہ کے اقرار کا کافی ہونا ہے مگر وہ مقام جہاں دلیل اس کے خلاف جاتی ہو. البتہ اقرار معتبر نہیں جب کہ وہ کسی کے خلاف ہو مثل غلام کے اقرار کے جس کی بازگشت اس کے آقا کے ضرر کی طرف ہے. شائد تعزیر وغیرہ میں اقرار کا تعدد باب زناء اور اس قسم کے امور پر قیاس کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ ان میں اقرار پر بہت سے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے. پس غور کریں۔

اب گفتگو کا یہ پہلو بھی سامنے آجانا چاہئے کہ جب کسی پر اتہام والزام لگایا جائے لیکن ابھی وہ دلیل سے ثابت نہیں ہوا تو آیا صرف تہمت لگ جانے پر اسے تنگ کرنا. قید میں ڈالنا اور تحقیق و تفتیش کے لئے تعزیر لگانا جائز ہے؟ اس مسئلہ میں تفصیل ہے اور اس پر بات کرنے میں طول کلام ہو جائے گا. پس ہم نے یہاں ماوردی کے بیان کا خلاصہ درج کرنے پر اکتفاء کیا ہے ــــ اس میں بحث کے بعض نکات پر اجمالاً گفتگو کی جائے گی. اس کی تشریح و تفصیل تلاش و جستجو کرنے والے فاضل حضرات کا حصہ ہے۔

ماوردی نے احکام السلطانیہ میں جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے: جرائم وہ ممنوع امور ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے حد اور تعزیر کے ذریعے ڈرایا ہے. ان میں سے کسی جرم و گناہ کے الزام کی حالت میں وہ شخص اس سے بری ہوتا ہے جیسا کہ سیاست دینیہ کا تقاضا ہے. لیکن جب اس الزام کی صحت ثابت ہو جائے تو پھر اس کے خلاف وہ اقدامات کئے جائیں گے جو احکام شرعی کے تحت واجب ہیں۔

چنانچہ الزام لگنے کے بعد اور اس کے ثابت ہونے کی درمیانی مدت میں وہ زیر نگرانی رہے گا. پس اگر حاکم کے پاس اس شخص کو لایا جائے جس پر زناء یا سرقہ کا الزام ہے تو اس پر تہمت والزام کا کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ واقعہ معلوم کرنے. راز اگلوانے اور جبری طور پر اقرار کروانے کے لئے اسے قید و بند میں ڈالے اور اس پر سختی کرے. چوری کے سلسلے میں سوائے اس کے جو اس میں واقعی فریق ہو کسی کی نہیں سنی جائے گی اور اس میں ملزم کے انکار یا اقرار کو ملحوظ رکھا جائے گا. جس پر زناء کا الزام لگایا جائے تو جب تک اس عورت کا نام ونشان نہ بتایا جائے ــــ اس دعوے پر کوئی توجہ نہ دی

جائے گی. دعویٰ کرنے والا اس فعل کا ذکر کرے جو اس شخص نے اس عورت کے ساتھ کیا کہ جو حد جاری ہونے کا موجب ہو سکتا ہے. پھر اگر ملزم بھی اس کا اقرار کرے تو اس پر حد جاری ہو گی. اگر انکار کرے اور گواہ موجود ہوں تو اس کے خلاف ان کی گواہی سنی جائے گی. اگر ایسا نہ ہو اور فریق مخالف مطالبہ کرے تو اسے حقوق الناس کی قسم دلائی جائے نہ کہ حقوق اللہ کی ــــ

وہ ملزم جس نگران کے سپرد کیا گیا ہے. اگر وہ امیر یا جرم و سزا کے محکمہ کا افسر ہو تو اسے تحقیق و تفتیش میں وہ طریقہ اختیار کرنے کا حق ہے جو قاضیوں اور دیگر حکام کے لئے نہیں ہے. یہ ان نو وجوہ مین سے ہے جن میں دو نظریوں کا حکم مختلف ہوتا ہے۔

پہلی وجہ

امیر کے لئے جائز ہے کہ وہ حکومتی اہلکاروں سے مقررہ دعویٰ کی تحقیق کے علاوہ ملزم کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے کہ آیا وہ مشکوک لوگوں میں ہے یا کیا وہ ایسے افعال کے ارتکاب میں مشہور ہے؟ پس اگر وہ اسے اس قسم کے فعل سے بری قرار دیں تو الزام کمزور پڑ جائے گا اور اسے رہا کر دیا جائے گا. لیکن اگر وہ اسے ایسے افعال کا عادی بتائیں تو الزام قوی ہو جائے گا اور اس سے انکشاف کرانے کے لئے ضروری کارروائی کی جائے گی. یہ وہ حق ہے جو قاضیوں کے لئے نہیں ہے۔

دوسری وجہ

امیر، الزام کے قوی و کمزور ہونے میں حالات کے شواہد اور ملزم کے اوصاف و عادات کا لحاظ رکھے. پس اگر زناء کا الزام اور ملزم عورتوں کا پیچھا کرنے والا. آوازے کسنے والا اور انہیں ورغلانے والا ہو تو الزام قوی ہو جائے گا. اگر صورت یہ نہ ہو تو الزام کمزور ہو جائے گا. یہ حق بھی قاضیوں کے لئے نہیں ہے۔

تیسری وجہ

امیر، ملزم سے انکشاف کرانے کے لئے اسے قید کرنے میں جلدی کرے. اس مقصد کے لئے قید رکھنے کی مدت میں اختلاف ہے ــــ عبداللہ زبیری جو شافعی کے اصحاب میں سے ہے. اس نے ذکر کیا ہے کہ اسے ایک مہینہ تک قید میں رکھنا چاہئے لیکن دوسروں نے کہا ہے کہ اس میں کوئی مدت معین نہیں ہے اور یہ حاکم کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے. لیکن قاضیوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو قید کریں مگر اس حق میں جو واجب ہو چکا ہو۔

چوتھی وجہ

الزام کے قوی ہونے کی صورت میں امیر کے لئے جائز ہے کہ ملزم کو تعزیر کے اندازے کے ساتھ مارے اور حد تک نہ

جائے. تاکہ جس فعل کا اس نے ارتکاب کیا ہے اور جو الزام اس پر لگا ہے اس کے بارے میں اس سے صحیح معلومات حاصل کر سکے. پس اگر وہ اس وقت اقرار کرے جبکہ اسے مارا جارہا ہے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا. لیکن اگر اسے اس لئے مارا گیا ہے تاکہ وہ اقرار کرے تو اس کے اقرار پر کوئی حکم نہیں ہے. البتہ اگر اس کو مارا جارہا ہے کہ وہ اپنی حالت کے بارے میں سچ بولے اور اس دوران میں وہ اقرار کرے تو مارنا موقوف کیا جائے گا اور اس سے دوبارہ اقرار لیا جائے گا. جب وہ اقرار کا اعادہ کرے تو اس کے دوسرے اقرار کو پہلے کے مقابلے میں درست سمجھا جائے گا. لیکن اگر وہ پہلے اقرار پر ٹھہرا رہے اور دوبارہ اقرار نہ کرے تو اس پر تنگی نہیں کی جائے گی کہ وہ پہلے اقرار کے مطابق عمل کرے اگرچہ ہم پسند نہ کریں۔

پانچویں وجہ

جو شخص بار بار جرائم کرے اور حدود کے اجراء کے باوجود باز نہ آئے جبکہ اس کے جرائم سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہو تو امیر کے لئے جائز ہے کہ اسے قید کر دے اور اس کی موت تک اس کی خوراک و لباس بیت المال سے دیا جائے. اگرچہ یہ بھی قاضیوں کے حقوق میں سے نہیں ہے۔

چھٹی وجہ

امیر کے لئے جائز ہے کہ ملزم کے حالات اور اس پر لگائے گئے الزام کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے سختی کے ساتھ اسے حقوق اللہ اور حقوق الناس کی قسم دلائے اور اس پر دباؤ نہ ڈالے جب وہ طلاق. عتاق اور صدقہ پر قسم کھائے. لیکن قاضیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوئی حق ثابت ہوئے بغیر کسی کو قسم دلائیں اور نہ وہ اللہ کی قسم کی جگہ طلاق اور عتق کی طرف جا سکتے ہیں۔

ساتویں وجہ

امیر کے لئے جائز ہے کہ وہ مجرموں سے جبراً توبہ کرائے اور انہیں ایسی دھمکی دے کہ وہ رضا و رغبت سے توبہ کرنے پر تیار ہو جائیں. لیکن انہیں کسی ایسی چیز میں قتل کی دھمکی نہ دے جس میں قتل جائز نہیں ہے کیونکہ وعید اور دھمکی میں ڈرانا اور مارنا ہی شامل ہے۔

آٹھویں وجہ

امیر کے لئے جائز ہے کہ دوسری قوموں اور جماعتوں کی شہادتیں سنے اور ان کی بھی سنے جن کی شہادتیں سننا قاضیوں کے لئے جائز نہیں جبکہ وہ تعداد میں زیادہ ہوں۔

نویں وجہ

امیر کو حق پہنچتا ہے کہ باہم دنگا فساد کرنے والوں کے مقدمات پر غور کرے اگرچہ ان میں حد یا تاوان واجب نہ ہو. پس اگر ان میں سے کسی کے بدن پر مار پیٹ کا کوئی نشان یا زخم نہ ہو تو پہلے اس کی بات سنے جو دعویٰ لے کر آیا ہو اور اگر ان میں سے کسی ایک کے بدن پر چوٹ یا زخم ہو تو پہلے اس کی بات سنے اور دعویٰ لے کر آنے والے کا خیال نہ کرے. لیکن اکثر فقہاء کا موقف یہ ہے کہ جو دعویٰ لے کر آیا ہے پہلے اس کا بیان سنے اور ان میں جس نے مار پیٹ میں پہل کی ہے اس کا جرم زیادہ ہے لہٰذا اس کو سزا بھی زیادہ اور سخت ہو گی۔

پس یہ وجوہ ہیں جن کی بناء پر امراء اور قاضیوں میں مقدمات کی سماعت کے سلسلے میں فرق ہے. یعنی وہ معاملے کی تحقیق و تفتیش کے دوران اور ملزم پر کسی حد کے ثبوت سے پہلے کے مرحلوں میں طریق کار کے اعتبار سے مختلف ہیں. اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر سیاست اور تدبیر کے لئے مخصوص ہے اور قاضی اجرائے احکام اور فیصلے کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ (۱۹۶)

ابو یعلیٰ نے بھی اس سلسلے میں اسی طرح کے مطالب تحریر کئے ہیں۔ (۱۹۷)

میں کہتا ہوں ـــــ بعض اوقات یہ بات میرے دل میں کھٹکتی ہے کہ ماوردی اور ابو یعلیٰ نے ملزموں کے بارے میں حکومتی افسروں کے بیان پر اعتماد کرنے اور استبراء کے لئے ملزموں کو مارنے کا جو ذکر کیا ہے. اس میں وہ مختلف زمانوں میں خلفاء کے طریقے اور روش کو درست ثابت کرنے کے درپے ہوئے ہیں. کیونکہ وہ لوگوں کو محض الزام اور اتہام کی بناء پر تعزیر لگاتے اور عذاب دیتے تھے ـــــ لیکن ہمیں اس میں کلام ہے اور ہم چند مسائل کے ذیل میں اس پر اجمالاً اظہار نظر کریں گے۔

پہلا مسئلہ

ظاہر یہ ہے کہ ملزم کو صرف الزام و اتہام کی بناء پر اس لئے مارنا اور تعزیر لگانا کہ اس سے وہ چیز منکشف کرانا ہے جس کا احتمال ہے. یعنی وہ اپنے ذاتی فعل یا کسی اور کے فعل یا بعض واقعات کو ظاہر کرے تو یہ اس کے حق میں ظلم و زیادتی ہے. ایسا کرنا وجدان کے خلاف اور لوگوں کے اپنے نفوس پر تسلط میں تجاوز ہے. نیز یہ تہمت اور الزام سے اصالت برائت مگر وہ جو دلیل سے ثابت ہو اور ان اخبار سے بھی متصادم ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ بے گناہ لوگوں کو مارنا اور عذاب میں ڈالنا حرام ہے۔

۱۔ **صحیحہ** حلبی میں ابو عبداللہ ؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسول ؐ نے ارشاد فرمایا. اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا سرکش وہ ہے جو اپنے قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل کرے اور اسے ضرب لگائے جس نے اس کو ضرب نہیں لگائی ہے۔ (۱۹۸)

۲۔ وشاء کی خبر میں ہے کہ میں نے امام علی رضا ؑ سے سنا کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: خدا لعنت کرتا ہے اس پر جو اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کرے یا اسے مارے پیٹے جس نے اسے نہ مارا ہو... (۱۹۹)

۳۔ جابر کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہ ؑ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی کو ایک کوڑا لگائے تو خدا اس کو (جہنم کی) آگ کا کوڑا لگائے گا۔ (۲۰۰)

۴۔ سکونی کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو بغیر کسی حق کے ایک مسلمان کی پشت برہنہ کرے۔ (۲۰۱)

لیکن صرف شک اور تہمت سے کوئی حق ثابت نہیں ہوتا۔ پس غور کریں۔

۵۔ صحیح مسلم میں اس کی سند کے ساتھ عروہ سے روایت ہے کہ ہشام بن حکیم نے دیکھا کہ **حمص** کا والی جزیہ لیتے ہوئے نبطی لوگوں کو دھوپ میں کھڑا کرتا ہے۔ تب اس نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے جبکہ میں نے حضرت رسولؐ کو یہ فرماتے سنا: خدا ان کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ (۲۰۲)

ایک اور خبر میں ہشام بن حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ وہ شام میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا کہ جن کو دھوپ میں کھڑے کر کے ان کے سروں پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا تھا۔ اس نے کہا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ انہیں خراج کے سلسلے میں سزا دی جا رہی ہے۔ اس نے کہا یہ جان رکھو کہ میں نے حضرت رسولؐ کو یہ فرماتے سنا: یقیناً خدا ان کو عذاب دے گا جو دنیا میں (لوگوں کو) عذاب دیتے ہیں۔ (۲۰۳)

اسی طرح کے اور بھی بہت سے اخبار وارد ہوئے ہیں۔

نیز احمد نے اپنی مسند میں اسی طرح کی روایت کی ہے۔ پس مراجعہ کریں۔ (۲۰۴)

ابن اثیر کی کتاب، الکامل میں ہے: ابو فراس نے بیان کیا کہ خلیفہ عمر نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور کہا ـــــ اے لوگو! میں عمال کو تمہاری طرف اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہاری چمڑی ادھیڑیں اور تمہارا مال ہتھیائیں۔ میں تو انہیں اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارے دین اور تمہاری سنت کی تعلیم دیں۔ پس جس کے ساتھ اس کے علاوہ کوئی سلوک ہو تو وہ اپنا مقدمہ میرے پاس لائے ـــــ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے۔ میں ضرور اس کا قصاص لوں گا ـــــ اس پر عمرو بن عاص ایک جھٹکے سے اٹھا اور کہنے لگا۔ یا امیر المومنین کیا آپ ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کا حاکم بنے اور وہ رعیت میں سے بعض افراد کی تادیب کرے تو آپ اس سے قصاص لیں گے؟ خلیفہ عمر نے جواب میں کہا: ہاں اور قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ اس صورت میں ضرور قصاص لوں گا کیونکہ میں نے نبی کریمؐ کو اپنی ذات سے قصاص دلاتے دیکھا ہے ـــــ خبردار کہ مسلمانوں کو ہرگز نہ مارو پیٹو کہ اس طرح انہیں ذلیل و پست بنا دو گے اور نہ ان کی تعریف و خوشامد کرو کہ انہیں فتنہ میں ڈال دو گے۔ نہ ان سے ان کے حقوق روکو ورنہ انہیں کافر بنا دو گے اور نہ انہیں جنگلوں بیابانوں میں اتارو کہ انہیں ضائع کر بیٹھو گے۔ (۲۰۵)

میں کہتا ہوں ـــــ صرف تہمت و الزام کی بناء پر لوگوں کو شکنجوں میں کسنا اور مارنا پیٹنا ان کے عدم اطمینان اور عدم تحفظ کے احساسات کا موجب ہے۔ اسی طرح وہ افراد جن پر کوئی تہمت نہ ہو ان کے حالات کی ٹوہ لگانا بھی کتاب و سنت میں ممنوع ہے تاکہ لوگ اپنی ذاتی زندگی میں امن و اعتماد کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں۔ چنانچہ یہ عظیم مصلحتیں ہیں کہ جن کا شریعت نے اہتمام کیا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تجسّس نہ کرو اور ٹوہ نہ لگاؤ" (۲۰۶) نیز بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ صحابہ کی جماعت سے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا "جب امیر لوگوں کے عیب تلاش کرنے لگے تو وہ ان کو خراب کر دے گا" (۲۰۷)

نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے اگر تو نے لوگوں کی لغزشوں کی تلاش اور پیچھا کیا تو انہیں خراب کر دیا یا قریب ہے کہ انہیں خراب کر دے۔ (۲۰۸)

اس سلسلہ میں اخبار و روایات بکثرت ہیں جو استنجبارات کی فصل میں آئیں گے۔

لیکن ممکن ہے یہ کہا جائے کہ موضوع انتہائی اہمیت رکھتا ہو مثل نظام کی حفاظت کے اور احتمال ہو کہ انکشاف حقیقت ملزم کو تعزیر لگانے پر موقوف ہے تو پھر اس کا قائل ہونا باب تزاحم کی بناء پر جائز ہو جاتا ہے جہاں واجب اور اس حرام میں تزاحم (ٹکراؤ) ہو کہ جو زیادہ اہم نہ ہو. پس غور کریں۔

دوسرا مسئلہ

اس میں کوئی اشکال نہیں کہ جو اقرار و اعتراف سختی اور تشدد کے تحت کرایا جائے شرعی فیصلوں میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے. اس پر علاوہ ان روایات کے جو "رفع مااستکرہوا" (وہ حکم اٹھا دیا گیا جس میں لوگوں کو مجبور کیا گیا) کے باب میں وارد ہوئی ہیں ـــ اخبار مستفیضہ بھی دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ ابوالبختری کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: جو شخص پشت برہنہ کئے جانے یا ڈرانے دھمکانے یا قید و بند کی وجہ سے اقرار و اعتراف کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔ (۲۰۹)

۲۔ اسحاق بن عمار کی خبر میں امام جعفر صادقؑ سے ان کے والد گرامی سے مروی ہے کہ امیرالمومنینؑ فرمایا کرتے تھے جسے سختی کرکے. مارپیٹ کر اور قید و بند سے ڈرایا گیا ہو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر وہ اقرار نہ کرے تو اس سے حد ساقط ہے کیونکہ اسے ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔ (۲۱۰)

میں کہتا ہوں ـــ آپ کا یہ ارشاد کہ "اگر وہ اقرار نہ کرے" اس سے مراد ہے اپنے ارادہ و اختیار سے اعتراف نہ کرے جیسا کہ ظاہر ہے۔

۳۔ صحیحہ سلیمان بن خالد میں ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو عبداللہؑ سے سوال کیا کہ ایک مرد ہے جس نے چوری کی اور اس سے انکاری تھا. اسے مارا پیٹا گیا تو وہ اصل مال لے آیا ـــ کیا اس پر اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! لیکن اگر اعتراف کرے اور چوری (کا مال) نہ لائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے عذاب و تکلیف کے باعث اعتراف کیا ہے۔ (۲۱۱)

۴۔ دعائم الاسلام میں امیرالمومنینؑ سے مروی ہے: جب کوئی شخص ڈرانے. مارنے یا قید کے خوف سے کسی حد کا اعتراف کرے تو یہ اس پر عائد نہیں ہوتی اور اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ (۲۱۲)

۵۔ نیز اسی کتاب میں امیرالمومنینؑ سے مروی ہے: آپ کے پاس ایک مرد کو لایا گیا کہ جس پر چوری کا الزام لگایا گیا تھا میرا گمان ہے آپ کو خوف ہوا کہ اگر اس سے پوچھیں گے تو وہ مارے ڈر کے اس کا اقرار کرے گا جو اس نے نہیں کیا. پس آپ نے فرمایا: کیا تو نے چوری کی ہے؟ اگر چاہے تو نہ کہہ دے. پس اس نے انکار کیا اور اس کے خلاف گواہ بھی نہیں تھے آپ

نے اسے چھوڑ دیا۔ (۲۱۳)

یہ دونوں اخبار آپ سے مستدرک میں بھی روایت ہوئے ہیں۔ (۲۱۴)

۶۔ مسند زید بن علی: مجھ سے زید بن علیؑ نے اپنے باپ اور دادا سے اور انہوں نے امام علی بن ابی طالبؑ سے روایت کی ہے خلیفہ عمر کے عہد حکومت میں ایک حاملہ عورت کو ان کے پاس لایا گیا۔ پس انہوں نے سوال کیا تو اس عورت نے اپنے فجور اور بدکاری کا اعتراف کر لیا اور خلیفہ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ بعد میں امام علی بن ابی طالبؑ نے اس عورت کو دیکھا تو پوچھا کہ اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ خلیفہ عمر نے اس کی سنگساری کا حکم دیا ہے۔ پس اسے واپس لائے اور خلیفہ سے سوال کیا کہ کیا تم نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا ہاں ایسا ہی ہے کیونکہ اس نے میرے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا ہے۔ امام علیؑ نے فرمایا کہ اس پر تو تجھے تسلط حاصل ہے لیکن جو اس کے شکم میں ہے اس پر تمہیں کیسے تسلط ہوا ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ مجھے علم نہ تھا کہ یہ حاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا لیکن اگر تمہیں علم نہیں تو ماہر عورتوں سے اس کا معائنہ کرایا جائے۔ پھر فرمایا شائد تم نے اسے جھڑکا اور ڈانٹا ہوگا؟ خلیفہ عمر نے کہا ہاں ایسا ہوا ہے۔ تب فرمایا کہ کیا تم نے نبی اکرمؐ کو یہ فرماتے نہیں سنا؟ ”سختی اور تکلیف کے باعث اعتراف کرنے والے پر حد نہیں ہے اور جسے تم نے ڈرایا دھمکایا اور قید میں رکھا ہو تو اس کے اقرار پر کوئی حکم نہیں لگتا۔ پس خلیفہ نے اسے چھوڑ دیا اور کہا کہ عورتیں اس سے عاجز ہیں کہ علی بن ابی طالبؑ جیسا کوئی شخص جنیں۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ (۲۱۵)

البحار میں کشف الغمہ، مناقب خوارزمی اور زمخشری سے اسی طرح روایت ہوئی ہے۔ (۲۱۶)

۷۔ جعفریات میں اس کی سند سے امام جعفر صادقؑ سے ان کے والد گرامی سے اور ان کے جد امجد امام حسینؑ سے روایت ہوئی ہے کہ آپ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنے خلاف قتل یا حد کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے جواب میں ابو عبداللہ الحسینؑ نے فرمایا کہ کسی شخص کو ڈرانے دھمکانے، مارنے پیٹنے اور قید و بند میں ڈالنے سے اقرار و اعتراف کرایا ہو تو اس پر حد جاری کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲۱۷)

۸۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ مروی ہے: کلاعیین میں سے ایک گروہ کا کچھ سامان چوری ہو گیا اور انہوں نے بافندوں میں سے کچھ افراد کو ملزم ٹھہرایا اور انہیں لے کر نعمان بن بشیر صحابی کے پاس لائے۔ اس نے ان لوگوں کو چند دن قید میں رکھ کر چھوڑ دیا۔ اس پر کلاعیین اس کے پاس آئے اور کہا کہ تم نے ملزموں کو مار پیٹ اور چھان بین کے بغیر ہی چھوڑ دیا۔ اس نے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں انہیں ماروں؟ پس اگر اس طرح تمہارا مال بر آمد ہو گیا تو بہتر ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو پھر میں تمہاری پشتوں پر بھی وہی کوڑا برساؤں گا جو ان پر برسایا ہوگا۔ وہ لوگ کہنے لگے کیا یہ تمہارا حکم و فیصلہ ہے؟ اس نے کہا یہ خدا اور رسولؐ کا حکم ہے۔ (۲۱۸)

اسی طرح کی روایت سنن نسائی میں بھی آئی ہے۔ (۲۱۹)

ظاہر ہے کہ تمہارے ساتھ وہی کروں گا کا اشارہ قصاص کی طرف ہے جب کہ وہ انہیں مارتا نہ کہ مارنے کے جواز کا اشارہ ہوا ہے۔ پس جو کچھ بیان ہو چکا ہے یہ اس سے معارض نہیں ہے اور اس میں کچھ اجمال ہے اگرچہ ہمیں اس کی سند پر اعتماد نہیں

ہے. اس پر غور کریں۔

۹۔ کنزالعمال میں ابن مسعود سے منقول ہے کہ اس نے کہا ہے: کسی کی پشت برہنہ کرنا. مارنے کے لئے لٹانا. گلے میں طوق ڈالنا اور ہتھکڑی لگانا اس امت میں جائز نہیں ہے۔ عب (۲۲۰)

۱۰۔ بحار میں العلل سے منقول ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: سب سے پہلی چیز جس نے امراء و حکام کو عذاب و سزا دینے پر آمادہ کیا اور انہوں نے اسے حلال سمجھا. وہ انس بن مالک کا یہ جھوٹ ہے کہ حضرت رسولؐ نے ایک شخص کا ہاتھ میخ لگا کر دیوار پر پیوست کر دیا تھا. اس سے امراء کے لئے راستہ کھل گیا۔ (۲۲۱)

۱۱۔ شرقاوی کی کتاب "علی امام المتقین" میں آیا ہے: امام (علیؑ) نے بہت سے اصول وضع کئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے ملزم کو مارنے سے روکا اور کسی ملزم سے اقرار و اعتراف کرانے میں اسے مارنے پیٹنے کا طریقہ ختم کر دیا جب کہ اس زمانے میں تحقیق و تفتیش کے دوران ملزموں کو شکنجہ دینے اور عذاب میں مبتلا کرنے کا عام رواج تھا. آپ ملزم کے تحفظ و سلامتی کے بارے میں فرمایا کرتے. اگر اقرار یا شہادت کے ذریعے اس پر جرم ثابت ہو تو میں اسے حد لگاؤں گا ورنہ اس سے متعرض نہیں ہوں گا۔ (۲۲۲)

میں کہتا ہوں ..... شائد ایک جستجو کرنے والا شخص اس کے علاوہ ایسی اور روایات سے بھی آگاہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ انکشاف اور اعتراف کے احتمال سے ملزم کو مارنے پیٹنے کا جواز محال ہے اور اس طرح جو اقرار و اعتراف حاصل کیا جائے اس کی بنیاد پر فیصلہ دینے کا معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ناروا ہے۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام اور قضاۃ کو ملزموں کے ایسے اقراروں پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے جو بعض تفتیشی ادارے ان سے قید و بند. شکنجہ و عذاب. مارپیٹ اور مکرو فریب کے ذریعے کراتے ہیں. ان اقراروں کی شرعی احکام اور اصول انصاف کے سامنے کوئی بھی قدر و قیمت نہیں ہے. اس میں غور کریں۔

جمہوری اسلامی ایران کے دستور میں ہے: کسی ملزم سے اعتراف جرم کرانے یا معلومات حاصل کرنے کے لئے کوئی شکنجہ و عذاب دینا ممنوع ہے. کسی شخص کو گواہی دینے. اقرار گناہ کرنے اور قسم کھانے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے. اس طرح کی شہادت. اقرار اور قسم کی کچھ بھی حیثیت نہیں اور وہ قابل اعتبار نہ ہوگی ..... جو شخص اس دفعہ کی خلاف ورزی کرے اسے قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ (۲۲۲۔ الف)

تیسرا مسئلہ

ظاہر یہ ہے کہ ملزم کو حقوق الناس کے پیش نظر حقیقت حال کے انکشاف کے لئے قید میں رکھنا جائز ہے خصوصاً قتل کے واقعہ میں جب کہ اس کے فرار ہو جانے اور پھر اس پر قابو نہ پائے جانے کا احتمال ہو۔

۱۔ ایسی صحیح سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں ہے. سکونی سے روایت ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا! نبی اکرمؐ قتل کے ملزم کو چھ دن تک قید میں رکھتے تھے. پس اگر مقتول کے ورثاء کوئی ثبوت لے آتے تو اس کے مطابق عمل کرتے ورنہ اسے

چھوڑ دیتے تھے۔ (۲۲۳)

۲۔ سنن ترمذی میں اس کی سند کے ساتھ بہز بن حکیم سے اس کے باپ سے اور اس کے دادا سے منقول ہے کہ اس نے کہا: نبی اکرمؐ نے ایک شخص کو کسی الزام کی بناء پر قید میں رکھا اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ (۲۲۴)

ابو داؤد نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے۔ (۲۲۵)

۳۔ الترتیب الاداریہ میں ہے: بعض نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے مدینہ میں ایک ملزم کو قید میں رکھا تھا۔ اس کو عبدالرزاق اور نسائی نے بہز بن حکیم سے، اس کے باپ اور دادا کے واسطے سے اپنی کتابوں میں درج کیا اور ابو داؤد نے بھی اسی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: حضرت رسولؐ نے میرے قبیلے کے کچھ افراد کو قتل کے الزام میں قید کیا تھا۔ المصنف کے علاوہ بھی عبدالرزاق سے اسی سند کے ساتھ مروی ہے: نبی کریمؐ نے ایک شخص کو کسی الزام میں دن کا کچھ حصہ قید رکھا اور بعد میں اس کو رہا کر دیا۔ (۲۲۶)

۴۔ دعائم الاسلام میں ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: الزام کی صورت میں قید نہیں ہے مگر یہ کہ قتل کا معاملہ ہو، لیکن حق ظاہر ہو جانے کے بعد قید میں رکھنا ظلم ہے۔ (۲۲۷)

اسی حوالے سے یہ روایت مستدرک میں بھی مذکور ہے۔ (۲۲۸)

۵۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: قید اتنی مدت تک جائز ہے کہ امام و حاکم پر معاملہ واضح ہو جائے اور اس کے بعد قید میں رکھنا ظلم و جور ہے۔ (۲۲۹)

۶۔ کتاب الغارات میں امیرالمومنینؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں الزام کی بناء پر کسی کو گرفتار نہیں کروں گا، نہ ظن و گمان کی بناء پر اذیت دوں گا اور نہ کسی سے جنگ کروں گا مگر وہ جو میری مخالفت کرے، میری دشمنی پر تل جائے اور مجھ سے عداوت ظاہر کرے... (۲۳۰)

آپ سے یہ روایت ابن ابی الحدید نے بھی کی ہے۔ (۲۳۱)

نیز اس روایت کو طبری نے بھی اپنی تاریخ میں درج کیا ہے۔ (۲۳۲)

۷۔ نیز کتاب الغارات میں بنی ناجیہ میں سے خریت بن راشد کے امیرالمومنینؑ پر خروج کے قصہ میں عبداللہ بن قعین نے آپ پر اعتراض کیا کہ اسے قید کیوں نہیں کر دیا۔ چنانچہ اس نے کہا: پس اے امیرالمومنینؑ! آپ ابھی سے اس کا مواخذہ کیوں نہیں کرتے اور اسے قید میں کیوں نہیں ڈالتے؟ تب آپ نے فرمایا: اگر ہر شخص کہ جسے ہم لوگوں میں متہم و ملزم پائیں اسے قید کرنے لگیں تو قید خانے ایسے لوگوں سے بھر جائیں گے۔ حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ میرے لئے ایسا کرنے کی گنجائش ہے کہ جب تک وہ ہماری ظاہراً مخالفت نہ کریں میں ان پر جا پڑوں یا انہیں قید کروں اور سزا دوں۔ (۲۳۳)

اس روایت کو ابن ابی الحدید نے بھی ذکر کیا ہے۔ (۲۳۴)

ان کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں اور وہ عنقریب ساتویں فصل کی گیارہویں جہت میں آئیں گی۔

میں کہتا ہوں ـــــ اصل اولی کا تقاضا صرف تہمت کی بناء پر کسی شخص سے متعرض نہ ہونا ہے کیونکہ یہ چیز اس کے اپنے نفس پر تسلط اور اس کی آزادی کے بر خلاف ہے اور اصل براءت کی بناء پر بھی اس کا جواز کسی محکم دلیل کا محتاج ہے. سکونی کی معتبر خبر کا موضوع بالخصوص قتل اور خون ہے. پس وہ اس کے علاوہ کسی چیز میں قید کے جواز پر دلالت نہیں کرتی. بہز بن حکیم کی روایت بفرض صدور ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے پس اس میں اطلاق نہیں ہے نیز ہم اس کے مورد کو نہیں جانتے کہ شائد وہ قتل و خون سے تعلق رکھتا ہے. دعائم کی خبر میں قتل کے الزام کے علاوہ قید کرنے کا عدم جواز ظاہر ہوتا ہے. الغارات کی دونوں روایات کا اقتضاء مطلقاً عدم جواز ہے مگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں کا محل سیاسی مصالح کا مسئلہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے

بہر حال قتل و خون کی صورت کے علاوہ محض کسی اتہام و الزام کی بناء پر کسی کو گرفتار کرنے اور قید میں ڈالنے کا جواز انتہائی مشکل ہے. اسے یاد رکھیں

لیکن ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کے نظام و وجود کی حفاظت اور اسی طرح ان کے اموال و حقوق کی حفاظت شارع کے نزدیک دو اہم امور ہیں اور وہ دونوں زیادہ تر متہم و ملزم افراد کو گرفتار کرنے اور تفتیش کے لئے قید میں رکھنے پر موقوف ہیں جبکہ وہ فرار ہو سکتے ہیں پس ایسی صورت میں قید کے عدم جواز کا قول ان کے اموال اور حقوق کے ضیاع اور نظام کے تہ و بالا ہونے کا باعث ہو گا. خصوصا جب زمانہ اور اہل زمانہ پر فتنہ و فساد غالب ہو تو اس کا جواز ظاہر ہے جبکہ معاملہ اہم اور قابل توجہ ہو اور عقلاء کے نزدیک اس کا احتمال بھی ہو. البتہ اس میں نہایت احتیاط اور باریک بینی سے کام لینا چاہئے اور لوگوں کی حیثیتوں اور حالتوں کی حفاظت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسا کرنا چاہئے. لیکن محض وہم و گمان یا فضول تہمتوں کی بناء پر کسی کو قید کرنا جائز نہیں ہے اور بعض مانع اخبار کو اسی سے متعلق سمجھا جانا چاہئے. باقی رہی دعائم کی خبر تو اس کے صدور کا ثبوت نہ ہونے کے علاوہ ممکن ہے کہ اس میں حصر اضافی ہو جو اس زمانے کے حالات کا نتیجہ ہو کہ اس وقت معمولی اور قابل چشم پوشی امور پر بھی قید و بند کا طریقہ جاری تھا اور اس طرح اسے روکنے کا قصد و ارادہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں باب تزاحم کا معاملہ ہے کہ کم اہم امور کے مقابل زیادہ اہم امور کو اختیار کیا جائے اور یہی صورت قید کے جواز میں بھی ہے. اسے یاد رکھیں۔

لیکن ان تمام امور کے باوجود قتل و خون کے علاوہ صرف اتہام و الزام اور احتمال کی بناء پر کسی مسلمان کو قید میں رکھنا اشکال سے خالی نہیں ہے. کیونکہ شارع مقدس نے مسلمین کے حریم و عزت اور ان کے حالات و حیثیات کے تحفظ کا بڑا اہتمام کیا ہے مگر یہ کہ ایسا معاملہ ہو جو خون کی حد تک اہمیت رکھتا ہو. پس غور کریں

محقق نے شرائع کی بحث قصاص میں کہا ہے. چہارم۔ جب کوئی (قتل میں) متہم ہو اور مقتول کا ولی اسے قید کئے جانے کی درخواست کرے یہاں تک کہ گواہ پیش کرے تو بھی اس کی بات قبول کرنے میں تردد ہے. جواز قید و بند کو ثابت کرنے والی وہ روایت ہے جو سکونی نے ابو عبداللہؑ سے کی ہے کہ "نبی کریمؐ خون کی تہمت میں چھ دن تک قید میں رکھتے. پس اگر مقتول کے ورثاء ثبوت لے آتے تو اس کے مطابق کارروائی کرتے ورنہ اس کو رہا کر دیتے تھے. لیکن سکونی میں ضعف پایا گیا ہے۔

الجواہر میں اپنے اس قول کے ساتھ مندرجہ بالا عبارت پر گرفت کی ہے: وہ صورت جو اصل برائت کے برخلاف ہو اس میں اس چیز پر عمل کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ عقوبت اور سزا دینے میں عجلت ہے جس کا کوئی سبب نہیں ہے. اسی لئے حلی. فخر. ان کے دادا اور دوسرے علماء کے نزدیک بہتر قول عدم اخذ و حبس ہے۔

المختلف کی حکایت کردہ عبارت میں آیا ہے: تحقیق یہ ہے کہ کہا جائے. اگر تہمت حاکم کے روبرو لگائی گئی ہے تو اس کے لئے لوگوں کے نفوس کو تلف ہونے سے بچانے کے لئے مذکورہ روایت پر عمل کرتے ہوئے اس شخص کو چھ دن تک قید و حبس میں رکھنا ضروری ہے. اگر کسی اور کے سامنے تہمت لگائی جائے تو پھر اصل برائت کے مطابق ایسا نہیں کیا جائے گا. بہرحال مذکورہ روایت پر عمل کا پہلو قوت سے خالی نہیں ہے نیز اس کو ان لوگوں کے عمل سے تقویت ہوئی ہے۔ جنہیں آپ نے ابھی جانا پہچانا ہے اور اس راوی کی خبر پر عمل میں اجماع کی حکایت بھی ہوئی ہے۔ البتہ ظاہر ہے کہ یہ حکم قتل و خون کے لئے مخصوص ہے اور زخم و جراحت پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس روایت کی قدر متیقن کے خلاف ہے۔ (۲۳۶)

چوتھا مسئلہ

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ تہمت اور احتمال کی صورت میں تھا. لیکن اگر حاکم جانتا ہو کہ کسی شخص کے پاس وہ معلومات ہیں جو نظام کی حفاظت اور فتنہ کے دور ہونے یا اسلام کی تقویت اور دشمنوں سے بچاؤ یا مسلمانوں کے حقوق کے اثبات میں مفید ہیں اور عقل و شریعت ان سے آگاہ ہونے کا حکم دیتے ہیں. نیز حاکم کے لئے اس کا وجوب ظاہر تھا کہ وہ شخص ان باتوں کے بتانے کی ضرورت اور شرعاً اس کے واجب ہونے سے پوری طرح واقف ہے. لیکن اس کے باوجود وہ حق سے دوری اور عناد کی بناء پر اس معلوم حقیقت اور شہادت کو چھپاتا ہے تو اس صورت میں محض راز معلوم کرنے کے لئے حاکم کا اسے تعزیر لگانا جائز ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور سزا نہ دے مگر یہ کہ حاکم کو اس کا علم ہو اور اس کے اپنے علم پر عمل کرنا جائز ہو. اس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ترک واجب پر تعزیر لگانا مطلقاً جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولاتکتموا الشهادة ومن يكتمها فانّه آثم قلبه - (۲۳۷)

"اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ پس جو چھپائے تو بے شک اس کا دل گناہگار ہے"۔

شائد بعض روایات میں جو کشف حال اور معلومات حاصل کرنے کے لئے عذاب و شکنجہ اور تہدید کرنے کے بارے میں حکم ہوا ہے تو ان کی صحت کی شرط کے ساتھ وہ ایسی ہی صورتوں سے تعلق رکھتی ہیں یعنی جب ایک شخص بعض باتوں کو جانتا ہو اور انہیں چھپاتا ہو یا اس بناء پر کہ شرعی طور پر اس کا خون بہانا جائز ہو۔

۱۔ اس طرح کے واقعات میں کنانہ بن ابوحقیق کا ماجرا ہے. یعنی جب حضرت رسولؐ نے اہل خیبر سے اس شرط کے ساتھ مصالحت کی کہ وہ اپنے تمام اموال مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیں تو ان کی جانیں محفوظ ہیں. پس کنانہ نے آل ابوحقیق کے تمام زیورات کو خزانے کی صورت میں چھپا دیا اور جب یہ خزانہ ظاہر ہوا تو حضرت رسولؐ نے زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ وہ کنانہ کو

شکنجے میں جکڑے تاکہ جو کچھ اس کے پاس رہ گیا ہے وہ بھی بر آمد ہو سکے. پس زبیر نے اسے شکنجہ دیا اور پھر چقماق بھی لے آیا تاکہ اس کے سینے پر آگ جلائے۔ (۲۳۸)

۲۔ سیرت ابن ہشام میں ہے. کنانہ کو آنحضرتؐ کے پاس لایا گیا کہ جس کے قبضے میں بنی نضیر کا خزانہ تھا. پس آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے خزانے کی جگہ سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ... تب آپ نے ایک ویران مقام کو کھودنے کا حکم دیا اور اسے کھودا گیا تو وہاں سے کچھ مال نکلا. پھر آپ نے بقیہ خزانے کے بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے وہ آپ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا. اس پر آپ نے زبیر بن عوام سے فرمایا کہ اسے شکنجے میں کسو یہاں تک کہ اس اصل خزانے تک پہنچ جاؤ جو اس کے پاس ہے. پس زبیر نے اس کے سینے کے نزدیک چقماق روشن کیا کہ جس سے وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا پھر آنحضرتؐ نے اسے محمد بن مسلمہ کے سپرد کیا تو اس نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ سے کہا اور اس نے کنانہ کی گردن اڑا دی۔ (۲۳۹)

یہ واقعہ تاریخ طبری میں بھی اسی طرح بیان ہوا ہے۔ (۲۴۰)

میں کہتا ہوں ــــ جب نبی کریمؐ نے ان لوگوں سے اس شرط پر مصالحت کی کہ ان کے اموال مسلمانوں کے لئے ہوں گے تو وہ خزانہ مسلمانوں کا ہو گیا لیکن کنانہ نے کہا کہ اس خزانے میں کچھ باقی نہیں ہے اور اگر کوئی چیز اس کے پاس رہ گئی ہو تو اس شخص کا خون حلال تھا اور خدا و رسولؐ اس سے بری الذمہ تھے. پھر جب وہ خزانہ نکل آیا تو اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا اور اس کا خون ہدر و مباح قرار پایا. پس اس پر ایسے مسلمان کے متعلق قیاس نہیں کیا جا سکتا جس کا خون. مال اور عزت محفوظ ہے. علاوہ ازیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کنانہ کو اس خزانے کا علم ہے اور وہ عناد و دشمنی کی بناء پر اس اطلاع کو چھپا رہا تھا. پس غور کریں۔

۳۔ جنگ بدر کے موقع پر دو غلاموں کو حضرت رسولؐ کے پاس لایا گیا جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے. انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ ہم قریش کے غلام ہیں اور انہوں نے ہمیں پانی لے جانے کے لئے بھیجا ہے لیکن ان کی اس بات کو درست نہ سمجھا گیا کیونکہ مسلمان یہ سمجھتے کہ وہ ابو سفیان کے غلام ہیں. پس وہ انہیں مارنے لگے اور جب ان پر سختی بڑھی تو انہوں نے کہا کہ ہم ابو سفیان کے غلام ہیں، یہ سن کر ان لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا ــــ جب آنحضرتؐ رکوع. دو سجدے اور سلام کہہ کر فارغ ہوئے تو فرمایا. جب انہوں نے سچی بات کہی تو تم ان کو مارنے لگے اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا. بخدا کہ انہوں نے سچ کہا تھا کہ وہ قریش کے غلام ہیں۔ (۲۴۱)

بیہقی نے سنن میں انس سے اسی طرح روایت کی ہے۔ (۲۴۲)

واقدی نے المغازی میں ایسی ہی روایت درج کی ہے۔ (۲۴۳)

اس روایت سے استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ انکشاف اور معلومات حاصل کرنے کے لئے نبی اکرمؐ کی تقریر (کسی فعل پر خاموشی) سے اصل ضرب یعنی مارنے کا جواز معلوم ہو لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ غلام اہل حرب میں سے تھے اور پھر ان کا کوئی احترام بھی نہ تھا۔

۴۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے مدینہ سے قریش کو خط لکھا اور انہیں اس فیصلے سے آگاہ کیا جو نبی اکرمؐ نے ان کے بارے میں کیا تھا. وہ خط ایک عورت کو دیا کہ اسے قریش تک پہنچا دے اور اس نے وہ اپنے بالوں میں رکھ کر سر گوندھ لیا۔ آنحضرتؐ کو وحی کے ذریعے اس واقعہ سے آگاہی ہوئی تو آپؐ نے امام علی مرتضیٰؑ اور زبیر کو اس عورت کے پیچھے بھیجا. پس وہ روانہ ہوئے اور اسے جا لیا ـــــ پھر اس کے سامان میں خط کو تلاش کیا تو وہ نہ ملا. تب امام علیؑ نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ یقیناً حضرت رسولؐ نے غلط نہیں کہا اور نہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں ـــــ پس تم وہ خط ہمیں دے دو ورنہ ہم خود نکالیں گے۔ (۲۴۴)

مخفی نہیں کہ اس زمانہ میں عورت کی تلاشی لینا اور اسے برہنہ کرنا اس کے لئے بہت بڑا عذاب اور اذیت تھی. اسے یاد رکھیں۔

اس کی تائید وہ روایات بھی کرتی ہیں جو فرائض و واجبات کو ترک کرنے اور ان کو بجا نہ لانے پر شکنجہ دینے اور ڈرانے دھمکانے کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

۱۔ وسائل میں امام علی رضاؑ سے ان کے آباء کے واسطہ کے ساتھ امام علی مرتضیٰؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: جو مال رکھنے کے باوجود قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے تو یہ چیز اس کی آبرو اور اس کی سزا کو حلال کر دیتی ہے جبکہ یہ قرض اس سلسلے میں نہ ہو جسے اللہ عزوجل ناپسند کرتا ہے۔ (۲۴۵)

اسی کتاب میں حماد بن عثمان کے واسطہ سے ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: مولی یعنی جو اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائے اور پھر طلاق دینے سے انکار بھی کرے تو امیر المومنینؑ سرکنڈوں کا باڑہ بنا کر اسے اس کے اندر قید کر دیتے اور کھانے پینے سے روکے رکھتے یہاں تک کہ وہ طلاق دے دیتا۔ (۲۴۶)

۲۔ نیز اسی کتاب میں تفسیر علی بن ابراہیم سے نقل ہوا ہے: امیر المومنینؑ سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے سرکنڈوں کا باڑہ بنایا اور اس میں اس شخص کو بند کیا جس نے چار ماہ سے اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہ کرنے کی قسم کھائی ہوئی تھی. آپ نے اس سے فرمایا کہ اس سے جماع کرنے کی طرف مراجعہ کرو نہیں تو میں اس باڑے کو تمہارے اوپر جلا ڈالوں گا۔ (۲۴۷)

۳۔ نیز اسی کتاب میں نبی کریمؐ سے مروی ہے: جو گروہ نماز میں حاضر نہیں ہوتے وہ اس نافرمانی سے باز آجائیں ورنہ میں موذن کو حکم دوں گا کہ اذان کہے پھر اقامت کہے. اس کے بعد میں اپنے اہل بیت میں سے ایک مرد کو حکم دوں گا جو علیؑ ہے کہ وہ لکڑی کے گٹھوں کے ساتھ ان لوگوں کے گھروں کو ان کے سروں پر جلا دے کیونکہ وہ نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔ (۲۴۸)

باب حسبہ میں ایسے بہت سے موارد مذکور ہو چکے ہیں جو نبی کریمؐ و امیر المومنینؑ کے بذات خود حسبہ کرنے یا اس کا حکم دینے سے متعلق ہیں کہ جن میں مار پیٹ، شکنجہ دینے اور عذاب کرنے کا ذکر تھا, پس مراجعہ کریں اور اسے یاد رکھیں

خلاصہ یہ کہ ایسے امور جو نظام کی حفاظت, اسلام کی تقویت اور حقوق کے تحفظ سے تعلق رکھتے ہیں, ان کے پیش نظر عقل و

شریعت حکم لگاتے ہیں کہ جس شخص کو کچھ علم و اطلاع ہو اس پر واجب ہے کہ وہ اسے ظاہر کرے۔ پس جب حاکم کو پتہ چلے کہ کوئی شخص اس اہم فرض کی ادائیگی سے پہلوتہی کر رہا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اسے تعزیر لگائے مثل دیگر واجبات کے جز کے ترک پر تعزیر لگائی جاتی ہے۔

پانچواں مسئلہ

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ حقوق الناس و حقوق عمومی میں اہم حقوق کے بارے میں تھا، لیکن جہاں تک حقوق اللہ یعنی زناء، لواطت اور شراب نوشی وغیرہ ہیں تو ان میں سے کسی کا ارتکاب کرنے والے پر اس کا اظہار کرنا واجب نہیں ہے، حاکم کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اسے اظہار و اعتراف کے لئے دھمکائے یا تعزیر لگائے بلکہ ایسے افعال کی پردہ پوشی کرنا اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرنا بہتر ہے، اس ضمن میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

۱۔ ابو العباس کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: ایک شخص نبی کریمؐ کی خدمت آیا اور کہا کہ میں نے زناء کی ہے ــــــ پس حضرت رسولؐ نے ارشاد کیا کہ اگر یہ اسے چھپاتا اور پھر توبہ کرتا تو اس کے لئے بہتر ہوتا۔ (۲۴۹)

۲۔ اصبغ بن نباتہ کی خبر میں ہے: ایک شخص امیر المومنینؑ کی خدمت میں آیا اور کہا ــــــ یا امیر المومنینؑ! میں نے زناء کی ہے، مجھے پاک کریں۔ آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ بیٹھ جا! پھر فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں کر سکتا کہ جب اس برائی کا ارتکاب کرے تو اپنے اس فعل پر پردہ ڈالے جس طرح خدا نے اس پر پردہ ڈالا ہے؟ لیکن وہ شخص پھر سے کھڑا ہو گیا اور کہا یا امیر المومنینؑ میں نے زناء کی ہے مجھے پاک کریں، آپ نے فرمایا یہ جو کچھ تو نے کہا ہے اس پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے کہا مجھے اس کے لئے پاک ہونے کی خواہش نے آمادہ کیا ہے، آپ نے فرمایا توبہ سے افضل کونسی پاکیزگی ہے ــــــ پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے باتیں کرنے لگے، وہ شخص پھر اٹھا اور کہا یا امیر المومنینؑ میں نے زناء کی ہے مجھے پاک کریں، آپ نے فرمایا کیا تو قرآن میں سے کچھ پڑھ سکتا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا تو پھر پڑھو! پس اس نے جو پڑھا وہ درست پڑھا، آپ نے فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ تیری نماز اور زکات میں خدا کے کونسے حقوق تجھ پر واجب ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! تب آپ نے اس پر سوالات کئے اور اس نے درست جواب دئے ــــــ آپ نے فرمایا کیا تجھے کوئی بیماری لگی ہوئی ہے یا تمہارے سر میں کوئی عارضہ ہے؟ اس نے کہا کوئی بیماری وغیرہ نہیں ہے! اس مرحلے پر آپ نے فرمایا کہ اچھا تم جاؤ تاکہ ہم تمہارے بارے میں پوشیدہ طور پر معلومات حاصل کریں جیسے تم سے سوال و جواب کئے ہیں، پس اگر تم ہمارے پاس واپس نہ آئے تو ہم تمہیں طلب نہیں کریں گے۔ (۲۵۰)

۳۔ برقی کی مرسل روایت میں ہے: ایک زانی نے چار مرتبہ اقرار کیا تھا اور امیر المومنینؑ نے قنبر کو حکم دیا اس کا خیال رکھو اور حفاظت کرو، پھر غضبناک ہوئے اور فرمایا: تم میں سے کسی مرد کے لئے یہ کتنی قبیح بات ہے کہ وہ ان برے افعال میں سے کسی کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر خود کو لوگوں کے سامنے رسوا کرتا ہے، کیا وہ اپنے گھر کے اندر توبہ نہیں کر سکتا؟ پس قسم بخدا کہ اس کا اپنے اور خدا کے درمیان معاملہ کے طور پر توبہ کر لینا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ میں اس پر حد جاری کروں (۲۵۱)

۴۔ موطاامام مالک کے باب حدود میں ہے: زید بن اسلم کے واسطہ سے نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ——— تمہارے لئے اب بھی وقت ہے کہ اللہ کے حدود سے رک جاؤ اور تم میں سے جو شخص برے کاموں میں سے کوئی کام کرے تو وہ خدا کے دیئے ہوئے پردے کے ذریعے اسے چھپائے کیونکہ جو شخص اپنا چہرہ ہمارے سامنے ظاہر کرے گا ہم اس پر خدا کی کتاب اور حکم کو قائم کریں گے۔ (۲۵۲)

شیخ نے بھی المبسوط کی کتاب الاقرار اور کتاب السرقہ میں اسی طرح روایت کی ہے۔ (۲۵۳)

۵۔ نیز موطاہی میں اس کی سند کے ساتھ سعید بن میب سے مروی ہے کہ اس نے کہا: مجھے یہ خبر ملی کہ حضرت رسولؐ نے قبیلہ اسلم کے ایک مرد مسمی ہزال سے فرمایا کہ اے ہزال! اگر تو اسے اپنی رداء سے پوشیدہ کر لیتا تو تیرے لئے بہتر تھا۔ (۲۵۴)

ان کے علاوہ بھی اس بارے میں کئی ایک روایات ہیں

البتہ اگر حق اللہ کے ساتھ حق الناس بھی ہو جیسے کسی پر دعویٰ کیا جائے کہ اس نے کسی لڑکے سے جبری لواطت کی اور اسے زخم بھی لگایا ہے یا ایک عورت سے جبراً زناء کی ہے تو اس کا حکم وہی ہو گا جو حقوق الناس کے متعلق اس سے پہلے گزر چکا ہے جیسا کہ واضح ہے۔

جو کچھ ہم نے یہاں ذکر کیا ہے اس کا ماحصل یہ پانچ مسائل ہیں:

۱۔ صرف اتہام و الزام کی بناء پر تعزیر لگانا جائز نہیں اور یہ ظلم ہے۔

۲۔ شکنجہ و عذاب دینے سے جو اقرار کیا جائے شرعی طور پر اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۳۔ حقوق الناس میں حق کے انکشاف اور اس کو ادا کرنے کے لئے ملزم کو قید و بند میں رکھنا جائز ہے خصوصاً قتل و خون کے معاملے میں جبکہ اس کے مفرور ہو جانے کا خوف ہو۔

۴۔ جس کے بارے میں خود حاکم جانتا ہو کہ وہ ایسے اہم معلومات سے باخبر ہے جو نظام کی حفاظت یا مسلمانوں کے حقوق کے ثابت کرنے میں مفید ہیں تو اس کے انکار کی صورت میں اسے تعزیر لگانا اور شکنجہ دینا جائز ہے۔

۵۔ زناء اور اسی طرح کے افعال جو صرف حقوق اللہ ہیں ان میں تعزیر لگانا جائز نہیں ہے۔

دسویں جہت۔ اس مسئلہ کے دیگر فروعات کی طرف اجمالی اشارہ۔

مخفی نہیں کہ اس مسئلہ کے بہت سے فروع ہیں کہ جن سے علماء کتاب حدود میں متعرض ہوئے ہیں، ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کے بارے میں حدود و تعزیر کا حکم متحد ہے لہذا یہاں ان سے تفصیلی بحث کرنا ہماری اس کتاب کی وضع و ترتیب سے مناسبت نہیں رکھتا۔ پس ہم یہاں بعض روایات کا ذکر کرتے ہیں جو ان فروعات کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، اس طرح ہم ان پر سیر حاصل گفتگو کا معاملہ کتب فقہ کے حوالے کرتے ہیں جو اس موضوع سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں، نیز ہم اسلامی حاکموں اور عدالتوں کے قاضیوں کو تاکید کرتے ہیں کہ وہ ان روایات کی طرف متوجہ رہیں اور حکم و قضاوت کے ان آداب پر

کار بند ہوں جو ہم نے ادارہ قضائی (عدلیہ) کی بحث میں بیان کئے ہیں۔

پہلی فرع

حدود کے ثبوت کے بعد ایک لحہ کی مہلت نہیں ہے۔

۱۔ سکونی نے امام جعفر صادقؑ سے انہوں نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: حدود میں ایک لحہ کی مہلت نہیں ہے۔ (۲۵۵)

۲۔ صدوق نے امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب حد میں شاید یا قریب جیسے الفاظ کہے جائیں تو حد معطل ہو جاتی ہے۔ (۲۵۶)

دوسری فرع

شبہات کی بناء پر حدود ہٹا دی جاتی ہیں اور ان میں سفارش یا قسم نہیں ہوتی۔

۱۔ صدوق سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: شبہات کی بناء پر حدود کو ہٹا دو اور حد میں سفارش، کفالت اور قسم نہیں ہے۔ (۲۵۷)

۲۔ ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: جہاں تک یہ کر سکو مسلمانوں سے حدود کو دور رکھو، پس اگر اس کے نکلنے کا راستہ ہو تو اسے چھوڑ دو کیونکہ امام اگر معاف کرنے میں خطاء کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں خطاء و غلطی کرے۔ (۲۵۸)

۳۔ سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: حدود کو دور کرو جب تک تمہیں ان کے دور کرنے کا راستہ مل سکے۔ (۲۵۹)

۴۔ مثنی حناط کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے اسامہ بن زید سے فرمایا: حد میں شفاعت و سفارش نہیں ہے۔ (۲۶۰)

۵۔ سکونی نے معتبر سند کے ساتھ ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: جب حد کی اطلاع امام و حاکم تک پہنچ جائے تو اس میں تم میں سے کوئی سفارش نہ کرے کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے، اس میں سفارش کرو جو ابھی امام تک نہ پہنچی ہو اور فاعل اپنے کئے پر پشیمان ہو، امام سے حد کے علاوہ امر میں اس وقت سفارش کرو جب فاعل اپنے فعل سے رجوع کرے اور کسی مسلمان یا غیر مسلم کے حق میں اس کے اذن کے بغیر سفارش نہ کرو۔ (۲۶۱)

حد میں سفارش کے عدم جواز پر اور روایات بھی ہیں، پس مراجعہ کریں

۶۔ اسحاق بن عمار کی خبر میں امام جعفر صادقؑ اور ان کے والد گرامیؑ سے مروی ہے: ایک شخص نے امیر المومنینؑ سے دوسرے کی تعدی و زیادتی کے متعلق شکایت کی اور کہا کہ اس نے مجھ پر افتراء باندھا ہے، آپ نے اس شخص سے پوچھا: کیا تو نے

ایسا کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں! پھر شکایت کرنے والے سے فرمایا کہ آیا تیرا کوئی گواہ ہے؟ اس نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں! آپ اس سے میرے حق میں قسم لے لیں، آپ نے فرمایا کہ اس پر قسم واجب نہیں ہے۔ (۲۶۲)

تیسری فرع

بغیر حق اور غضب کے وقت مسلمان کو مارنے کی حرمت اور مظلوم کا دفاع کرنے کا وجوب

۱۔ سکونی نے معتبر سند کے ساتھ ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اللہ عزوجل کے نزدیک لوگوں میں سے زیادہ مبغوض وہ ہے جو بغیر حق کے کسی مسلمان کی پشت برہنہ کرے یعنی کوڑے مارے۔ (۲۶۳)

۲۔ ابن اسباط کی مرسل روایت میں ہے: حضرت رسولؐ نے غصہ و غضب کے وقت تادیب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (۲۶۴)

۳۔ موثقۂ مسعدہ بن صدقہ میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ ان کے والد گرامیؑ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس مرد کے پاس نہ جائے جسے ظالم حاکم مار رہا ہو، نہ اس مقتول یا مظلوم کے قریب جائے جب اس کی مدد نہ کر سکتا ہو کیونکہ مسلمان پر برادر مومن کی نصرت کرنا واجب ہے جب وہ اس کے پاس ہو اور عافیت کا دامن وسیع ہے جب تک تجھ پر حجت ظاہر و لازم نہ ہو۔ (۲۶۵)

۴۔ مستدرک میں دعائم الاسلام سے منقول ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: مومن کی پشت اللہ تعالیٰ کی محفوظ کی ہوئی جگہ ہے سوائے حد واجب کے۔ (۲۶۶)

۵۔ نیز اسی کتاب میں مناقب ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: جب میں عمرو بن عبدود کے سامنے گیا اور میں نے اسے ضرب نہ لگائی تو مجھ پر عیب لگایا گیا، اس پر حذیفہ نے وضاحت کرنا چاہی تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: اے حذیفہ ٹھہرو کہ عنقریب علیؑ خود اس کا سبب بتائیں گے، اس کے بعد میں نے اسے ضرب لگائی اور جب واپس آیا تو آنحضرتؐ نے اس بارے میں مجھ سے پوچھا ــــ میں نے بتایا کہ اس نے مجھے گالی دی اور میرے منہ پر لعاب دہن ڈالا، اس سے مجھے خوف ہوا کہ کہیں میں اسے اپنے نفس کی طرف سے ضرب نہ لگا بیٹھوں، پس میں نے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ جو تلخی مجھ میں آئی تھی وہ ختم ہو گئی، پھر میں نے اسے خدا کی رضا کے لئے قتل کیا۔ (۲۶۷)

چوتھی فرع

امام و حاکم کی طرف سے حدود و تعزیرات معاف کرنے کا معاملہ۔

۱۔ ضریس کنانی کی خبر میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو حدود خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں انہیں امام کے علاوہ کوئی شخص معاف نہیں کر سکتا، لیکن جو لوگوں کے حق میں سے ہے اگر اسے امام کے علاوہ بھی کوئی شخص معاف کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲۶۸)

ضریس کے نیچے تک اس روایت کی سند صحیح ہے لیکن ضریس مجہول شخص ہے مگر یہ کہ اس کی تلافی اس طرح کی جائے کہ اس سلسلے میں محبوب بھی آتا ہے جو اصحاب اجماع میں سے ہے۔

یہ خبر جس چیز کے مقام بیان میں ہے وہ عقد سلب ہے یعنی حقوق اللہ کو معاف کرنا امام کے علاوہ دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے، نہ کہ عقد ایجاب کے مقام میں کہ امام کے لئے معاف کرنا جائز ہے البتہ اجمالی طور پر مفہوم کلام یہی ہے. پس ممکن ہے اخبار کے قرینہ سے اس کو بالخصوص اقرار کی صورت پر حمل کیا جائے. اگر اس میں اطلاق بھی فرض کریں تو بھی ان اخبار سے اس کی تقیید واجب ہے۔

۲۔ برقی کی مرسل روایت میں صادقین سے مروی ہے کہ فرمایا: ایک شخص امیر المومنین کی خدمت میں آیا اور چوری کا اقرار کیا. آپ نے اس سے کہا کیا قرآن میں سے کچھ پڑھ سکتے ہو؟ اس نے جواب دیا جی ہاں سورۂ بقرہ پڑھ سکتا ہوں. آپ نے فرمایا پس میں تیرا ہاتھ سورۂ بقرہ کے صدقہ میں بخشتا ہوں، راوی کہتا ہے اس پر اشعث نے کہا کیا آپ حدود اللہ میں سے ایک حد کو معطل کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تجھے کیا معلوم کہ یہ معاملہ کیا ہے. جب گواہ قائم ہوں تو امام کو حق نہیں ہے کہ وہ معاف کرے اور جب انسان خود اپنے خلاف اقرار کرے تو یہ امام کے ہاتھ میں ہے کہ اگر چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو ہاتھ کاٹ دے۔ (۲۶۹)

اسی طرح جعفر بن محمد سے طلحہ بن زید کی خبر میں بھی مروی ہے۔ (۲۷۰)

اس خبر کا مفاد وہی شہادت اور اقرار میں تفصیل ہے اور شیخ نے نہایہ میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

امام علی نقی کی ایک حدیث تحف العقول سے آئی ہے کہ آپ نے فرمایا: باقی رہا وہ شخص جو لواطت کا اعتراف کرے جبکہ اس پر گواہی قائم نہیں ہوئی اور اس نے از خود اپنے ہی خلاف اقرار کیا ہے، پس جب امام کو یہ حق ہے کہ وہ خدا کی طرف سے عقوبت و سزا دے تو اس کو یہ حق بھی ہے کہ اللہ کی طرف سے احسان کرے ــــــ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا کہ "یہ ہماری بخشش ہے پس احسان کرو یا روک لو بغیر حساب کے" (۲۷۱)

اس روایت کا ظاہر بھی وہی تفصیل ہے اگرچہ وہ تعلیل جو آخر کلام سے معلوم ہوتی ہے اس سے دونوں صورتوں میں عفو کا جواز نظر آتا ہے. اسے یاد رکھیں

اس مسئلہ سے متعلق بعض اقوال

۱۔ مفید نے المقنعہ میں کہا ہے: جو شخص زناء کرے اور شہادت قائم ہونے سے پہلے توبہ کرلے تو اس کی یہ توبہ اس سے حد کو ہٹا دے گی، اگر وہ اپنے خلاف شہادت قائم ہونے کے بعد توبہ کرے تو امام و حاکم کو اسے معاف کرنے یا اس پر حد جاری کرنے میں اختیار ہے اور جس صورت میں اپنے لئے اور اہل اسلام کے لئے بہتری سمجھے اسی کے مطابق عمل کرے. لیکن اگر وہ شخص توبہ نہ کرے تو اس کو حد میں معاف کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔ (۲۷۲)

۲۔ شیخ نے نہایہ میں کہا ہے: جو شخص زناء کرے اور اس پر گواہ کھڑے ہونے سے پہلے توبہ کر لے تو یہ توبہ حد کو اس سے ہٹا دے گی، اگر گواہوں کے قائم ہونے کے بعد توبہ کرے تو پھر اس پر حد واجب ہے اور امام و حاکم کے لئے اسے معاف کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر اس نے امام کے سامنے اپنے خلاف خود اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کا اظہار کیا ہے تو امام کو اسے معاف کرنے یا اس پر حد جاری کرنے میں اختیار ہے کہ جس میں مصلحت دیکھے وہ عمل کرے، جب وہ شخص توبہ نہ کرے تو اس کو معاف کرنا امام کے لئے جائز نہیں ہے۔ (۲۷۳)

۳۔ کافی میں ابو صلاح حلبی نے کہا ہے: اگر زناء کار مرد یا عورت اپنے خلاف ثبوت قائم ہونے سے پہلے توبہ کر لے اور اس کی توبہ ظاہر ہو اور اس کا چال چلن قابل تعریف ہو جائے تو حد اس سے ساقط ہو جائے گی۔ اگر وہ شہادت قائم ہو جانے کے بعد توبہ کرے تو امام عادل کو اسے معاف کرنے یا اس پر حد جاری کرنے میں اختیار ہے ـــــ امام کے علاوہ کوئی اور اس کے اذن کے بغیر اسے معاف نہیں کر سکتا، ایک انسان کا اپنے اس فعل پر پوشیدہ طور پر توبہ کر لینا اس کے اس اقرار سے بہتر ہے کہ جس سے اس پر حد لازم ہو جاتی ہے۔ (۲۷۴)

۴۔ ابن زہرہ نے الغنیہ میں کہا ہے: اگر کوئی شخص اپنے خلاف ثبوت زناء کے بعد توبہ کرے تو امام کو اختیار ہے کہ اسے معاف کر دے اور اس کے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں ہے۔ (۲۷۵)

پس معاف کرنے کا موضوع مفید کے نزدیک شہادت کے ذریعے ثابت ہے، حلبی کے نزدیک بینہ و ثبوت سے، شیخ کے نزدیک اقرار سے اور ابن زہرہ کے نزدیک مطلق ہے، شاید مفید اور حلبی بھی اطلاق کے قائل ہیں کیونکہ جب بینہ و ثبوت کے ہوتے ہوئے معاف کرنا جائز ہے تو اقرار کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہے، بلکہ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مفید کے کلام میں لفظ شہادت بینہ و اقرار میں عمومیت رکھتا ہے اور اقرار بھی ایک شہادت ہے کہ جو اپنے نفس کے خلاف ہوتی ہے۔

تاہم ان سب نے توبہ کی شرط عائد کی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ توبہ کے بغیر معاف کرنا جائز نہیں ہے، لیکن جو روایات پہلے نقل ہوئی ہیں ان میں اس کا ذکر تک نہیں ہے، ہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص اپنی مرضی سے اقرار کر رہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ توبہ کر چکا ہے ورنہ وہ اقرار نہ کرتا، علاوہ ازیں معافی کی کوئی وجہ نہیں ہے جب مرتکب اصرار کرے اور توبہ کی طرف نہ آئے لیکن یہ دونوں وجوہ ممنوع ہیں اور ممکن ہے اس کا جرم شہادت سے ثابت ہوا ہو، پس اس نے سزا میں تخفیف یا معافی کی امید پر اقرار کیا ہو یا امام دیکھتا ہو کہ معاف کرنا مجرم کے اسلام کے ساتھ حسن ظن کا موجب بن سکتا ہے اور وہ اسلام کے احکام کی طرف پلٹ آئے گا یا امام اس سے کسی ایسے عمل کی توقع رکھتا ہو جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے فائدہ مند ہو، پس وہ اسے معاف کر دے اگرچہ وہ توبہ کی طرف رغبت دلانے سے توبہ کرے۔

بہرحال اس مقام پر جمع بین الروایات کا تقاضا یہ ہے کہ اسکے درمیان تفصیل دی جائے جو بینہ و ثبوت سے ثابت ہو اور جو اقرار سے ثابت ہو، اگر ہم حد کے جاری ہونے کو حاکم کے علم و یقین سے متعلق جانیں تو کیا وہ بینہ کے ساتھ یا اقرار کے ساتھ ملحق ہو گا؟ اس میں دو وجوہ ہیں، شاید تحف العقول کی روایت میں تعلیل کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی معاف کرنا جائز ہے، غور کریں اس قسم کی روایات میں لفظ امام سے مراد وہ شخص ہے جو حکومت حقہ عادلہ کے درپے ہو چاہے کسی

بھی زمانے میں ہو اور اس سے مراد امام معصوم نہیں ہے، یہ امر ہر اس شخص کے لئے واضح ہے کہ جس کے نزدیک اس کتاب میں ہماری تحقیق سے تمام زمانوں میں حکومت کا وجود اور اس کا لزوم ثابت ہو گیا ہو نیز یہ کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے قائد و رہنما پر لفظ امام کا اطلاق ہوتا ہے، پس گزشتہ مباحث کی طرف رجوع کریں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ امام کے معاف کرنے کا موقع ومحل وہ حدود ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور ان میں کسی انسان کا کوئی حق نہیں ہے، لیکن وہ حد کہ جس میں حقوق الناس کا پہلو غالب ہو مثل حد قذف وتہمت کے تو اس میں معاف کرنے کا اختیار اس صاحب حق کو ہے جسے گزند پہنچی ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے، پس غور کریں۔

تعزیرات میں معافی دینا

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے یہ ان حدود شرعی سے متعلق ہے جو مقرر ومعین ہوں، باقی رہیں تعزیرات کہ جو امام کے اختیار میں ہیں تو اگر وہ حقوق الناس سے متعلق ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ ان میں بھی معاف کرنے کا انحصار صاحب حق پر ہے، لیکن وہ تعزیرات جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت سی آیات وروایات جو درگزر اور چشم پوشی کے بارے میں ہیں اور نبی اکرمؐ وامیر المومنینؑ کی سیرت اور دیگر بزرگان دین کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام معافی دینے میں مصلحت دیکھے تو وہ معافی دے سکتا ہے جب یہ مجرم کی دلیری کا موجب نہ بنے۔

آیات

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والکاظمین الغیظ، والعافین عن الناس، واللّٰہ یحب المحسنین - (۲۷۶)

"اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے اور اچھے کام کرنے والے لوگوں کو خدا دوست رکھتا ہے۔"

۲۔ اللہ عزوجل نے ارشاد کیا:

ولاتزال تطلع علیٰ خائنۃ منھم الاقلیلاً منھم. فاعف عنھم واصفح. ان اللّٰہ یحب المحسنین - (۲۷۷)

" (اے رسولؐ) اب تو تم ان میں سے چند آدمیوں کے علاوہ ایک نہ ایک کی خیانت پر برابر مطلع ہوتے رہتے ہو تو تم ان (کے قصور) کو معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کیونکہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

۳۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

خذ العفو، وامر بالمعروف، واعرض عن الجاھلین - (۲۷۸)

"تم درگزر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو"۔

۴۔ ارشاد الٰہی ہوا:

فاصفح الصفح الجميل - (۲۷۹)

"ان سے شائستہ طور پر در گزر کرو"۔

۵۔ فرمان خداوندی ہے:

ادفع بالتي هي احسن السيئة، نحن اعلم بما يصفون - (۲۸۰)

"اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو جو کچھ یہ لوگ (تمہاری نسبت) بیان کرتے ہیں اس سے ہم خوب واقف ہیں"۔

۶۔ رب العزت نے فرمایا:

واصبر على مايقولون. واهجرهم هجراً جميلاً - (۲۸۱)

"اور جو کچھ لوگ بکا کرتے ہیں اس پر صبر کرو اور شائستہ عنوان کے ساتھ ان سے الگ تھلگ رہو"۔

روایات

۱۔ اصول کافی میں اس کی سند کے ساتھ سکونی کے واسطے سے ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: عفو و در گزر کرنا تم پر لازم ہے کیونکہ در گزر کرنا بندے میں عزت کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتا، پس ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو خدا تمہیں عزت دے گا۔ (۲۸۲)

۲۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ حمران سے مروی ہے کہ ابو جعفرؑ نے فرمایا: عقوبت و سزا دینے پر پشیمانی سے عفو و در گزر پر پشیمانی افضل اور آسان ہے۔ (۲۸۳)

۳۔ نیز اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ زرارہ سے مروی ہے کہ ابو جعفرؑ نے فرمایا: حضرت رسولؐ کے پاس اس عورت کو لایا گیا کہ جس نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو دیا تھا، آپ نے اس سے پوچھا کس چیز نے تجھے یہ کام کرنے پر آمادہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے (دل میں) کہا اگر یہ نبی ہو گا تو یہ زہر اسے ضرر نہیں پہنچائے گی اور بادشاہ ہے تو میں نے لوگوں کو اس (کے خاتمے) سے راحت پہنچائی، پس آنحضرتؐ نے اس سے در گزر فرمایا۔ (۲۸۴)

۴۔ نہج البلاغہ میں مالک اشتر کے نام امیر المومنینؑ کے مکتوب میں ہے: رعایا کے لئے اپنے دل میں رحم و کرم اور لطف و محبت کو جگہ دو اور ان کے لئے پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بنو کہ انہیں نگل جانا غنیمت سمجھو، اس لئے کہ رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں ــــ ایک تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور دوسرے تمہاری طرح خدا کی مخلوق ہیں، ان سے لغزشیں بھی ہوں گی اور خطائیں بھی سرزد ہوں گی ــــ ان سے بھول چوک میں یا جان بوجھ کر غلطیاں بھی ظاہر ہوں گی، تم ان کے ساتھ عفو و در گزر سے کام لینا جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے لئے عفو و در گزر کو پسند کرتے ہو، کیونکہ تم ان پر حاکم ہو اور تمہارے اوپر تمہارا امام حاکم ہے، جس امام نے تمہیں حاکم بنایا ہے اس کے اوپر اللہ ہے ... تمہیں کسی کو معاف کر دینے پر پچھتانا اور سزا دینے پر

اترانا نہیں چاہئے۔ (۲۸۵)

۵۔ نیز اسی کتاب میں ہے: لوگوں میں سے در گزر کرنے کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو سزا دینے پر زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ (۲۸۶)

۶۔ نیز اسی کتاب میں ہے: بامروت لوگوں کی لغزشوں سے در گزر کرو (کیونکہ) ان میں سے جو بھی پھسل کر گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسے اوپر اٹھالیتا ہے۔ (۲۸۷)

الغرر والدرر میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ (۲۸۸)

نیز پہلی جہت کے آخر میں اسی مطلب کے قریب قریب دعائم اور سنن ابو داؤد سے بھی گزر چکا ہے، پس مراجعہ کریں۔

۷۔ نہج البلاغہ شرح ابن ابی الحدید میں ہے: اہل بصرہ نے امیر المومنین علی مرتضیٰؑ سے جنگ کی اور اس میں آپ کے اور آپ کی اولاد کے چہروں پر تلواریں ماریں، بد کلامیاں کیں اور نفرتوں کا اظہار کیا لیکن جب آپ ان پر غالب آئے تو تلوار ان کی طرف سے ہٹالی ــــ تب آپ کے منادی نے لشکر کے اطراف میں آوازیں لگائیں کہ خبردار! پیٹھ موڑ کر بھاگنے والے کسی شخص کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی زخمی کو قتل نہ کیا جائے، کسی قیدی کی گردن نہ ماری جائے، جو ہتھیار ڈال دے اس کے لئے امان ہے، جو امام کے لشکر میں آجائے اس کے لئے امان ہے، ان لوگوں کا سامان نہ لوٹا جائے اور ان کی آل اولاد کو قید نہ کیا جائے، ان کے اموال کو غنیمت نہ بنایا جائے ــــ حالانکہ اگر آپ یہ سارے کام کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے لیکن آپ نے عفو و در گزر کے علاوہ ہر برتاؤ سے انکار کر دیا، اس میں آپ نے فتح مکہ کے دن حضرت رسولؐ کی سنت و روش کو اپنایا اور دوبارہ ایسی ہی مثال قائم کر دی، یعنی آپ نے اس وقت در گزر کیا اور معاف فرمایا جب بغض و کینے ابھی ٹھنڈے نہیں ہوئے تھے اور ان کا آپ کے ساتھ برا سلوک ابھی فراموش نہ ہوا تھا۔ (۲۸۹)

۸۔ الخصال میں علیؑ بن الحسینؑ کے رسالۃ الحقوق سے منقول ہے: باقی رہا تیرے سلطان ہونے کے ناطے سے تیری رعیت کا حق تو وہ یہ ہے کہ تم سمجھو کہ وہ اس لئے تمہاری رعیت بنے ہیں کہ تم طاقتور اور وہ کمزور تھے، پس واجب ہے کہ تم ان سے عدل و انصاف کرو اور تم ان کے لئے مہربان باپ کی طرح ہو جاؤ، ان کی نادانی پر معاف کرو اور انہیں سزا نہ دو بلکہ اس قوت کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو جو اس نے تمہیں ان پر دے رکھی ہے۔ (۲۹۰)

۹۔ تحف العقول میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: تین چیزیں بادشاہ کے لئے واجب ہیں ــــ خاص و عام کے لئے نیکی کرنے والے کو اس کا صلہ دینا تاکہ انہیں نیکی کی رغبت ہو، برے کے گناہوں کو ڈھانپنا اور پردہ ڈالنا تاکہ وہ توبہ کرے اور بُنی گمراہی سے پلٹ پڑے اور سب لوگوں کو عدل و انصاف اور احسان و نیکی کے ساتھ یکجا رکھنا۔ (۲۹۱)

۱۰۔ بحار میں مصباح الشریعہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: قدرت و اختیار رکھتے ہوئے عفو و در گزر سے م لینا انبیاء مرسلین اور متقین کے طریقوں میں سے ہے، عفو و در گزر کی تفسیر یہ ہے کہ تم اپنے ساتھی کو ظاہری طور پر اس کا م قرار نہ دو کہ جو جرم اس نے کیا ہے، باطنی طور پر اس کو اصلاً بھول جاؤ جیسا تم نے اسے پایا ہے اور اختیار و

قدرت لی صورت میں اس سے احسان و نیکی کرنے میں اضافہ کرو۔ (۲۹۲)

۱۱۔ آمدی کی الغرر والدرر میں امیر المومنین ؑ کا قول مروی ہے: عفو و درگزر کرنا طاقت و قوت کی زکات ہے۔ (۲۹۳)

۱۲۔ نیز اسی کتاب میں ہے: عفو و درگزر کی طرف سبقت کرنا کریم لوگوں کے اخلاق میں سے ہے۔ (۲۹۴)

۱۳۔ اسی کتاب میں ہے: لغزش کو معاف کر دو، حد کو ہٹا دو اور جس نے صراحت کے ساتھ تم سے بری بات نہ کی ہو اس سے درگزر کرو۔ (۲۹۵)

۱۴۔ اسی کتاب میں ہے: خطاء سے درگزر کرو، لغزشوں کو معاف کر دو پس تمہارے درجات بلند ہوں گے۔ (۲۹۶)

۱۵۔ اسی کتاب میں ہے: گناہ کی سزا دینے میں جلدی نہ کرو اور ان دونوں کے درمیان عفو و بخشش کی جگہ رکھو کہ جس کے ذریعے اجر و ثواب حاصل کر سکو۔ (۲۹۷)

۱۶۔ اسی کتاب میں ہے: لوگوں کی معذرتوں کو قبول کرو کہ ان کے بھائی چارے سے فائدہ اٹھاؤ گے اور ان کے ساتھ خندہ روئی سے ملاقات کرو کہ ان کے بغض و کینے ختم ہو جائیں گے۔ (۲۹۸)

۱۷۔ اسی کتاب میں ہے: لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ عارف وہ ہے جو ان کے عذر و معذرت کو بہت زیادہ قبول کرے اگرچہ ان کے لئے معذرت کی کوئی گنجائش نہ پاتا ہو۔ (۲۹۹)

۱۸۔ اسی کتاب میں ہے: سب لوگوں میں سے زیادہ برا وہ ہے جو عذر و معذرت قبول نہ کرے اور کسی کے گناہ کو معاف نہ کرے۔ (۳۰۰)

۱۹۔ اسی کتاب میں ہے: عذر قبول کرنا شرافت و کرم کے اسباب اور بہترین عادات میں سے ہے۔ (۳۰۱)

۲۰۔ اسی کتاب میں ہے: کس قدر قبیح ہے یہ فعل کہ معذرت کرنے پر بھی سزا دی جائے۔ (۳۰۲)

۲۱۔ اسی کتاب میں ہے: لوگوں میں بدترین شخص وہ ہے جو کسی کی خطاء معاف نہ کرے اور عیب کی پردہ پوشی نہ کرے۔ (۳۰۳)

۲۲۔ اسی کتاب میں ہے: مروت یہ ہے کہ امارت و حکومت میں عدل و انصاف کیا جائے، طاقت رکھتے ہوئے درگزر کیا جائے اور معاشرے میں ہمدردی سے کام لیا جائے۔ (۳۰۴)

۲۳۔ اسی کتاب میں ہے: امارت میں عدل و انصاف سے کام لینا اور قوت کے باوجود معاف کرنا ہی حسن سیاست ہے۔ (۳۰۵)

۲۴۔ اسی کتاب میں ہے: کریم لوگوں کی کامیابی عفو و احسان ہے اور کمینے لوگوں کی کامیابی جبر اور سرکشی ہے۔ (۳۰۶)

۲۵۔ اسی کتاب میں ہے: عفو و بخشش کی فضیلت پوری قدرت کے ہوتے ہوئے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ (۳۰۷)

۲۶۔ اسی کتاب میں ہے: گنہگار کی عافیت کے لئے شفاعت و سفارش ہی کافی ہے۔ (۳۰۸)

۲۷۔ اسی کتاب میں ہے: جو جرائم کو معاف کر دے پس اس نے فضیلت کے تمام پہلوؤں کو لے لیا ہے۔ (۳۰۹)

۲۸۔ اسی کتاب میں ہے: دین کا ایک جزء جرم سے چشم پوشی کرنا ہے۔ (۳۱۰)

۲۹۔ نیز اسی کتاب میں ہے: نیکی کی جزاء دے اور برائی سے در گزر کر جب تک اس سے دین میں رخنہ نہ پڑے اور اسلام کے حکم میں کمزوری نہ آئے۔ (۳۱۱)

۳۰۔ اسی کتاب میں ہے: بدکار کا مقابلہ کرنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ اس سے در گزر کی جائے۔ (۳۱۲)

۳۱۔ اسی کتاب میں ہے: بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا صرف گناہگار کو جتلا دینا ہے اور یہ قول پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ (۳۱۳)

۳۲۔ بحار میں حسنؑ بن علیؑ سے مروی ہے: گناہ کی سزا دینے میں جلد بازی سے کام نہ لے (بلکہ) ان کے درمیان معذرت کا راستہ قرار دے۔ (۳۱۴)

اس سلسلے میں اخبار و روایات بکثرت ہیں اور ان کی جستجو کرنے والا ان کے مقامات سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔

۳۳۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ ابن مسعود سے مروی ہے: ایک شخص نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ نبی کریمؐ کی خدمت میں آیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی "اور دن کے دونوں کناروں پر اور رات گئے نماز پڑھا کرو (کیونکہ) نیکیاں یقیناً گناہوں کو دور کر دیتی ہیں اور ہماری یاد رکھنے والوں کے لئے یہ باتیں نصیحت و عبرت ہیں" (سورۂ ہودؑ ۔ آیت ۱۱۴) تب اس شخص نے کہا: یارسول اللہؐ! کیا یہ بات یہیں تک ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ میری امت کے ہر اس شخص کے لئے ہے جو اس پر عمل کرے، اس کو صحیح بخاری میں مسدد سے اور مسلم میں ابو کامل سے روایت کیا گیا ہے۔ (۳۱۵)

۳۴۔ نیز اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ عبداللہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: ایک شخص نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یارسول اللہؐ! میں مدینہ کے ایک گوشے میں ایک عورت سے ملا اور میں نے سوائے جماع کے اس سے پوری پوری لذت حاصل کی ہے، پس میں حاضر ہوں اور آپ میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کریں ــــ تب عمر بن خطاب نے اس شخص سے کہا کہ خدا نے تیری پردہ پوشی کی تھی کاشکہ تو بھی اپنی پردہ پوشی کرتا! لیکن آنحضرتؐ نے اس کے جواب میں کچھ نہ فرمایا اور وہ اٹھ کر چلا گیا، پس آپ نے کسی کو بھیج کر اسے بلایا اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھی "اور دن کے دونوں کناروں پر اور رات گئے نماز پڑھا کرو (کیونکہ) نیکیاں یقیناً برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور ہماری یاد رکھنے والوں کے لئے یہ باتیں نصیحت و عبرت ہیں" (سورۂ ہودؑ ۔ آیت ۱۱۴) پس حاضرین میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہؐ! یہ آیت خاص طور پر اسی کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ سب لوگوں کے لئے ہے، یہ روایت صحیح مسلم میں بھی آئی ہے۔ (۳۱۶)

میں کہتا ہوں ـــــ ان دونوں احادیث سے اس شخص کی نسبت عفوودرگزر کا رجحان معلوم ہوتا ہے جو متدین ہو اور نمازیں پابندی سے ادا کرتا ہو، شائد سابقہ حدیث میں ذوی الھیئات (اہل مرتبہ) سے مراد اہل دین، اہل فضائل اور اچھے سوابق رکھنے والے افراد ہوں نہ کہ لباس و مال اور جھوٹی شان رکھنے والے مراد ہوں، اس کی گواہی سیف بن عمیر سے ابو عبداللہؑ کی خبر سے ملتی ہے کہ فرمایا: اہل معروف اور نیکی کرنے والوں کی لغزشوں سے تجاوز کرو یعنی معاف کرو۔ خ ل (۳۱۷)

سوابق حسنہ (ماضی کی اچھائیوں) کی وجہ سے معاف کئے جانے کی بہترین مثال حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ ہے کہ جس نے قریش کو ایک خط لکھ کر باخبر کیا کہ حضرت رسولؐ نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ ان پر اچانک جا پڑیں، پس آپ نے اسے اس کے سابقہ کاموں کی وجہ سے معاف کر دیا کہ وہ اصحاب بدر میں سے تھا اور فرمایا: یہ بدر میں حاضر تھا اور تمہیں کیا معلوم کہ شائد خدا نے اہل بدر پر نظر کرم رکھی ہو۔ (۳۱۸) اسے یاد رکھیں

خلاصہ یہ کہ ان امور میں عفوو درگزر صحیح بلکہ پسندیدہ فعل ہے جن میں تعزیر اللہ تعالیٰ کا حق ہو، نیز یہ کہ وہ شخص چشم پوشی کے لائق بھی ہو، لیکن اگر تعزیر کسی انسان کے حق کی خاطر ہو تو کیا حاکم کے لئے صاحب حق کی اجازت کے بغیر اس کا معاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں دو وجوہ بلکہ دو قول ہیں، اگرچہ ہم نے معاف نہ کرنے کا قول اختیار کیا ہے جب تک صاحب حق درگزر نہ کرے مگر یہ کہ وہ عام جھگڑے ہوں۔

ماوردی نے حد و تعزیر میں فرق کے وجوہ میں کہا ہے: دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ حد میں عفوو درگزر جائز نہیں اور نہ ہی سفارش جائز ہے لیکن تعزیر میں عفو جائز اور سفارش بھی روا ہے، پس اگر تعزیر حق سلطنت و حکم تقویم سے تعلق رکھتی ہو کہ اس سے کسی فرد کا واسطہ نہ ہو تو ولی الامر کے لئے جائز ہے کہ عفو یا تعزیر سے جس میں مصلحت دیکھے اس کی رعایت کرے نیز یہ کہ خطاء کاروں میں سے کسی کی سفارش کی جائے تو اسے قبول کرے، جیسا کہ نبی کریمؐ سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"میرے سامنے شفاعت و سفارش کیا کرو اور خدا اپنے نبی کی زبان سے جو چاہتا ہے فیصلہ کراتا ہے"۔

اگر تعزیر کا تعلق کسی انسان کے حق سے ہو مثل سب و شتم یا کسی پر حملہ کرنے کی تعزیر تو اس میں جسے گالی دی گئی یا مارا پیٹا گیا ہے اس کا بھی حق ہے اور حکومت کا بھی حق ہے جو مجرم کو سدھارنے سے متعلق ہے، اس صورت میں والی و حاکم کے لئے جائز نہیں کہ اپنے عفوو درگزر سے اس کا حق ساقط کر دے جس کو گالی دی گئی یا مارا پیٹا گیا ہے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ ایسا کرنے والے کو تعزیر لگا کر اس کا حق دلائے، پس اگر وہ گالی دینے یا مارنے والے کو معاف کر دے تو یہ حکومت کے حق کے تحت ہے۔ پس اگر ولی الامر تک مقدمہ لے جانے سے پہلے ہی ایک دوسرے کو گالی دینے اور مارپیٹ کرنے کو معاف کر دیں تو انسان کے حق کی تعزیر ساقط ہو جائے گی لیکن حکومت کے حق اور نظام کی درستی کے حق کے سقوط میں دو وجوہ پر اختلاف کیا گیا ہے ... ایک سقوط اور دوسری عدم سقوط۔ (۳۱۹)

معالم القربتہ کے باب ۵۰ میں ہے: اگر امام یا نائب امام کی رائے تعزیر کو ترک کرنے پر ہو تو جائز ہے۔ یہ شیخ ابو حامد کی نقل کے مطابق ہے اور اس میں فرق نہیں ہے کہ تعزیر کا تعلق حق انسان سے ہو یا نہ ہو اس کی بنا آنحضرتؐ کا یہ ارشاد ہے

"صاحبان عزت و مرتبہ کی خطاؤں کو معاف کر دو مگر حدود اللہ میں ایسا نہ کرو" ۔ مارنے میں حکم کا کم از کم درجہ اس کا مباح ہونا ہے کہ اس میں ضرب کا عدد اور مقدار معین نہیں ہے جیسے شوہر کا اپنی زوجہ کو تادیب کے لئے مارنا ہے۔ جو واجب نہیں ہے۔ المہذب میں کہا گیا ہے۔ جب تعزیر کا تعلق حق انسان سے ہو تو امام و حاکم کو اس کے ترک کرنے کا حق نہیں ہے۔ غزالی نے کہا کہ مطالبہ کی صورت میں ایسی تعزیر کو مہمل چھوڑ دینے کا حق نہیں ہے۔ لیکن کیا صرف زبانی سرزنش کر دینا جائز ہے؟ اس میں دو وجوہ ہیں ـــــ حاکم پر لازم ہے کہ گالی دینے یا مارنے والے کو تعزیر لگا کر مدعی کا حق پورا کرے۔ پس اگر وہ شخص جسے گالی دی گئی یا مارا پیٹا گیا ہے وہ خود ہی معاف کر دے تو بھی حاکم کا اختیار قائم ہے کہ وہ نظام کی حفاظت کی خاطر مصلحت کے مطابق تعزیر لگائے کیونکہ نظام کا تحفظ عمومی مفادات کا حق ہے یا درگزر کرے اور معاف کر دے۔ پس اگر حاکم کے پاس مقدمہ لائے جانے سے پہلے گالی اور مارپیٹ کے فعل کو معاف کیا جائے تو حق انسان کی تعزیر ساقط ہو جائے گی اور حق حکومت کی تعزیر باقی رہ جائے گی جو حاکم کی مرضی پر منحصر ہے۔ (۳۲۰)

میں کہتا ہوں ـــــ منجملہ ان چیزوں کے جو عفو و درگزر پر دلالت کرتی ہیں، نبی کریمؐ وائمہ معصومینؑ کی سیرت و عمل ہے کہ جو خلاف ورزیوں کے بہت سے مواقع پر ان کے عفو و درگزر کو ظاہر کرتا ہے اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پر یہ واضح و روشن ہے۔

پس اگر آپ کہیں کہ جب امام یا اس کے نائب کے لئے مطلق تعزیرات یا جن میں اللہ کا حق ہے ان میں عفو و درگزر کرنے کا حق ہے تو پھر ان روایات و فتاویٰ کا کیا مطلب لیا جائے گا جو اس کے وجوب میں ظہور رکھتے ہیں اور خصوصاً جن میں لفظ وجوب سے تعبیر کی گئی ہے۔

میں جواباً کہوں گا اس مقام پر لامحالہ یہ بات متعین ہے کہ وجوب کے لفظ کو اس کے لغوی معنی میں تصور کیا جائے یعنی اسے ثبوت کے معنی میں لیا جائے یا اس سے فعل کی صورت کے لحاظ سے اس کا وجوب مراد لیا جائے قطع نظر اس سے کہ وہ عفو و درگزر کا محل ہو تو اس کو وجوب اقتضائی کا نام دیا گیا ہے جیسے کبھی لفظ عفو میں بھی اس کو محسوس کیا جاتا ہے یا اس سے مراد وہ موارد ہیں جہاں حق انسان ہو اور وہ معاف کرنے پر راضی نہ ہو، غور کریں۔

پانچویں فرع

سخت گرمی اور سخت سردی میں حد جاری نہ کی جائے۔

۱۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ ہشام بن احمر کے ذریعے عبد صالح (امام موسیٰ کاظمؑ) سے روایت کی ہے اور راوی نے کہا کہ آپ مسجد میں بیٹھے تھے جبکہ میں بھی وہاں حاضر تھا، پس آپ نے کسی شخص کی آواز سنی جسے کوڑے لگائے جا رہے تھے اور سردی کا موسم اور نماز صبح کا وقت تھا، آپ نے فرمایا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا ایک شخص کو کوڑے مارے جا رہے ہیں! آپ نے فرمایا: سبحان اللہ ـــــ اس سردی کے وقت میں کسی شخص کو کسی حد میں کوڑے نہ لگائے جائیں مگر یہ کہ دن کے وقت جب سردی کم ہو جائے اور نہ ہی سخت گرمی میں مگر دن کے کسی ٹھنڈے وقت میں حد جاری کی جائے۔ (۳۲۱)

۲۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ ابو داوُد مسترق سے ہمارے بعض اصحاب سے روایت کی اور راوی نے کہا ہے: میں ابو عبداللہؑ کے ساتھ جا رہا تھا، اچانک دیکھا کہ ایک شخص کو کوڑے لگائے جا رہے ہیں ـــــ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! ایسے وقت میں کوڑے مارے جا رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: کیا مارنے کے لئے بھی کوئی خاص وقت ہے؟ فرمایا: ہاں! جب سردی کا موسم ہو تو دن چڑھے لگائے جائیں گے اور گرمی کا زمانہ ہو تو دن کے ٹھنڈے وقت میں کوڑے لگائیں جائیں گے، ان دونوں روایتوں کو شیخ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (۳۲۲)

۳۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ سعدان بن مسلم اور ہمارے بعض اصحاب سے روایت کی ہے کہ راوی نے کہا: ابوالحسنؑ اپنی بعض ضرورتوں کے سلسلے میں باہر نکلے تو ان کا گزر ایسے شخص کی طرف ہوا جسے سردی کے وقت حد لگائی جا رہی تھی، آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ نہیں ہونا چاہئے ـــــ میں نے عرض کیا: کیا اس میں بھی کوئی پابندی ہے؟ فرمایا: ہاں! جسے سردی کے موسم میں حد لگائی جائے تو دن چڑھے اور کم سردی کے وقت لگائی جائے اور جس کو گرمیوں میں حد لگائی جائے تو چاہئے کہ دن کے ٹھنڈے وقت میں لگائی جائے۔ (۳۲۳)

میں کہتا ہوں ـــــ ان روایات کا اطلاق تمام حدود کو شامل ہے یہاں تک کہ حد زناء میں بھی کہ جس میں بڑی شدت و سختی مطلوب ہے، پہلی روایات کا ظاہر حرمت ہے اور بعض اوقات وہ آخری روایت میں "ینبغی" (چاہئے) کے لفظ کے قرینہ سے کراہیت پر حمل کی جاتی ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظ لغت کے لحاظ سے حرمت کے منافی نہیں ہے جیسے لفظ کراہیت بھی لغت کے اعتبار سے حرمت کے منافی نہیں ہے اگرچہ ہماری اصطلاح میں یہ دونوں لفظ کراہیت میں ظہور پیدا کر چکے ہیں، علاوہ ازیں احتمال ہے کہ پہلی اور آخری روایت میں ایک ہی واقعہ بیان ہوا ہے یا دونوں روایات نقل بالمعنی کی شکل میں آئی ہوں، پس غور کریں۔

الجواہر میں کہا ہے: پس اس میں شک نہیں کہ نص و فتویٰ کا ظاہر جیسے المسالک میں بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ حکم وجوب کا ہے اور اس میں استحباب کا ذکر نہیں ہے، پس اگر مذکورہ وجہ کے علاوہ تعزیر قائم کرے تو ضامن ہو گا۔ (۳۲۴) اسے یاد رکھیں۔

ظاہر یہ ہے کہ قریبی واسطے کی بناء پر ان روایات سے ضرب تعزیری کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

چھٹی فرع

جسم پر پھوڑے ہونے یا بیمار ہونے کی صورت میں حد جاری نہیں ہوگی یا نرمی برتی جائے گی۔

کلینی نے اپنی سند کے ساتھ سکونی کے واسطہ سے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: امیر المومنینؑ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے حد والے فعل کا ارتکاب کیا تھا اور اس کے جسم پر پھوڑے تھے، امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ اسے اسی حالت میں رہنے دو یہاں تک کہ پھوڑے ٹھیک ہو جائیں، حد لگا کر اس کے پھوڑوں کو نہ چھیلو ورنہ اسے قتل کر دو گے، یہ روایت صدوق نے بھی ذکر کی ہے۔ (۳۲۵)

۲۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ ابو العباس سے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: حضرت رسولؐ کی خدمت میں ایک شخص کو لایا گیا جو پست قد اور بد شکل تھا، اس کے پیٹ میں پانی پڑ چکا تھا اور رگیں پھولی ہوئی تھیں، اس شخص نے ایک عورت سے بد کاری کی تھی ـــــ عورت کا کہنا تھا کہ مجھے پتہ نہ چلا اور وہ مجھ پر حاوی ہو گیا، پس نبی اکرمؐ نے اس سے پوچھا: کیا تو نے زناء کی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! وہ شادی شدہ نہ تھا اور آنحضرتؐ نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھ کر کھجور کی ایک شاخ منگوائی اور اس کی سو لڑیاں کر لیں ـــــ پھر وہ اسے ماریں۔ (۳۲۶)

۳۔ موثقہ سماعہ میں ابو عبداللہؑ سے ان کے والد گرامیؑ اور ان کے آباء واجداد سے مروی ہے: نبی کریمؐ کی خدمت میں ایک بڑے پیٹ والے شخص کو لایا گیا کہ جس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا تھا، پس آنحضرتؐ نے کھجور کی لکڑی منگوائی جس میں سو شاخیں تھیں، وہ اسے ایک دفعہ ماری اور یہ حد تھی۔ (۳۲۷)

۴۔ صدوق نے اپنی اسناد کے ساتھ موسیٰ بن بکر سے، اس نے زرارہ سے اور اس نے ابو جعفرؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: اگر کوئی شخص شاخوں کا مٹھا یا ایسی جڑ لے کر جس میں سو شاخیں ہوں، پس وہ ایک ہی دفعہ مارے تو وہ اس تعداد کے لئے کافی ہے جتنی وہ مارنا چاہتا ہے جب وہ شاخوں کی تعداد کے برابر کوڑے مارنا چاہے۔ (۳۲۸)

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی روایات ہیں جن کے مضامین اس کے قریب ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے، پس مراجعہ کریں۔

میں کہتا ہوں ـــــ ہمارے اصحاب نے شاخوں اور مٹھوں کی روایات کو اس بیمار کے لئے قرار دیا ہے جس کو شفاء کی امید نہ ہو اور مصلحت کا تقاضا اس حد کو جلدی سے جاری کرنا ہو۔

شیخ نے نہایہ میں کہا ہے: جس پر کوڑے واجب ہوں اور وہ بیمار ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک کہ ٹھیک ہو جائے اور پھر اس پر حد جاری کی جائے گی، اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ اس پر فوری طور پر حد جاری کی جائے تو ایک مٹھا لیا جائے گا جو اتنی شاخوں پر مشتمل ہو یا ایسی ہی کوئی اور چیز جو کام آ سکے لے کر اس کو ایک ہی دفعہ مارا جائے گا اور وہی کافی ہے۔ (۳۲۹)

شرائع میں کہا ہے: اور اگر مصلحت جلدی کرنے میں ہو تو اسے ایسے مٹھے یا گچھے سے مارا جائے گا جس میں اتنی شاخیں ہوں جو اس پر واجب ہے، اس میں یہ شرط نہیں کہ ہر شاخ اس کے بدن پر لگے۔ (۳۳۰)

شیخ صدوق کی جو روایت آخر میں ذکر ہوئی ہے، اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس طرح مارنا مطلق طور پر کافی ہے اگرچہ وہ شخص بھلا چنگا بھی ہو، لیکن میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی اس کو لازم پکڑے گا، پس لامحالہ یہ روایت بیمار کے لئے ہی قرار دی جائے گی اور اس میں گزشتہ روایات کو قرینہ تصور کیا جائے گا۔

مخفی نہیں کہ جو کچھ اس فرع اور گزشتہ فرع کے اخبار سے سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ شارع مقدس مجرم کو اس سے زیادہ اذیت دینے پر راضی نہیں کہ جو عام حالت میں کوڑوں سے پہنچتی ہے۔

ان روایات کے متعلقات پر غور کرنے اور ان کی مناسبت کو دیکھتے ہوئے ان سے ضرب تعزیری کا حکم بھی معلوم ہو

جاتا ہے۔

ساتویں فرع

حدود و تعزیرات کے اجراء کی کیفیت۔

۱۔ کافی میں موثق سند کے ساتھ زرارہ کے واسطہ سے ابو جعفر (امام محمد باقرؑ) سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مرد کو اس کے کھڑے ہونے کی حالت میں حد لگائی جائے گی اور عورت کو بیٹھی ہونے کی حالت میں حد لگائی جائے گی، ہر عضو پر ضرب لگائی جائے گی لیکن شرمگاہ کو چھوڑ دیا جائے گا، یہ روایت صدوق نے بھی ذکر کی ہے لیکن انہوں نے کہا کہ چہرہ اور شرمگاہ کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (۳۳۱)

۲۔ اسحاق بن عمار کی موثق خبر میں ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو ابراہیم (امام موسیٰ کاظمؑ) سے پوچھا کہ زانی کو کس طرح حد لگائی جائے گی؟ فرمایا: بہت شدت کے ساتھ! میں نے عرض کیا کہ اس کے لباس پر؟ فرمایا: نہیں! بلکہ اس کے کپڑے اتار کر، میں نے عرض کیا کہ مفتری اور تہمت لگانے والے کو؟ اس کے سارے جسم پر لباس کے اوپر سے شدید و خفیف کے مابین ضربیں لگائی جائیں گی۔ (۳۳۲)

۳۔ اس کی دوسری مؤثق خبر میں ہے: میں نے ابو ابراہیم (امام موسیٰ کاظمؑ) سے پوچھا کہ زانی کو کس طرح کوڑے مارے جائیں گے؟ فرمایا: بہت شدت کے ساتھ! میں نے عرض کیا کہ اس کے لباس پر؟ فرمایا: نہیں! بلکہ بدن سے لباس ہٹا کر مارے جائیں گے۔ (۳۳۳)

میں کہتا ہوں ــــ اس میں شرمگاہ کے علاوہ سارا بدن مراد ہے اور عورت کا پورا جسم شرمگاہ کا حکم رکھتا ہے اور اس کا بدن چھپا ہونا چاہئے، اس کی وجہ ظاہر ہے۔

۴۔ سماعہ کی مؤثق خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: زانی کی حد تمام حدود سے زیادہ شدید اور سخت ہے۔ (۳۳۴)

۵۔ حریز نے ایک شخص سے سنا کہ ابو جعفر (امام محمد باقرؑ) نے فرمایا: حد سارے جسم پر تقسیم کرتے ہوئے ماری جائے لیکن چہرہ اور شرمگاہ بچائی جائے گی، ضربیں شدید اور خفیف کے درمیانی درجے میں لگائی جائیں گی، الوسائل میں کہا ہے کہ شائد یہ زناء کے علاوہ دوسری حدوں کے بارے میں ہے۔ (۳۳۵)

۶۔ مسمع بن عبدالملک کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: زانی کو شراب پینے والے کی نسبت زیادہ شدید کوڑے لگتے ہیں، شراب پینے والے کو تہمت لگانے والے سے زیادہ سخت کوڑے لگتے ہیں اور تہمت لگانے والے کو تعزیر کی نسبت سخت کوڑے لگتے ہیں۔ (۳۳۶)

۷۔ ابو البختری کی خبر میں امام جعفر صادق سے، ان کے والد گرامیؑ سے وارد ہے کہ امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا: زانی کی حد شدید ہے تہمت لگانے والے کی حد سے اور شراب پینے والے کی حد بھی تہمت لگانے والے کی حد سے زیادہ شدید ہے (۳۳۷)

۸۔ صدوق سے عیون اور علل میں ان کی اسناد کے ساتھ محمد بن سنان کی روایت ہے کہ اس کے نام امام علی رضاؑ نے لکھا: اور زانی کے جسم پر زیادہ شدید ضرب لگانے کی علت اس کا زناء کرنا اور اس کے سارے جسم کا لذت حاصل کرنا ہے، پس اس کی سزا ضرب اور کوڑے قرار دی گئی ہے جو دوسروں کے لئے عبرت ہے اور یہ سب سے بڑا جرم و گناہ ہے۔ (۳۳۸)

۹۔ شیخ نے طلحہ بن زید سے امام جعفر صادقؑ سے، ان کے والد سے روایت کی ہے کہ فرمایا: حد میں اس شخص کو ننگا نہیں کیا جائے گا اور جکڑا نہیں جائے گا نیز فرمایا زانی کو اس حالت میں کوڑے لگائے جائیں گے جس حالت میں وہ پکڑا گیا، یعنی اگر وہ ننگا پایا گیا تھا تو اس کے ننگے جسم پر کوڑے مارے جائیں گے اور اگر کپڑوں کے ساتھ پکڑا گیا ہو تو اس کو اسی حالت میں کوڑے لگیں گے۔ (۳۳۹)

۱۰۔ دعائم الاسلام میں امیر المؤمنینؑ سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے قول: حکم خدا کے نافذ کرنے میں تم کو ان لوگوں کے بارے میں کسی طرح کا ترس نہ آنے پائے (سورۂ نور۔ آیت ۲) اس بارے میں فرمایا: حدود کو قائم کرنے میں اگر زانی ننگا پایا گیا تو اس کو ننگے جسم پر کوڑے مارے جائیں گے، اگر وہ کپڑوں کے ساتھ پایا گیا ہو تو اس کو اس حالت میں مارا جائے گا کہ اس کے بدن پر کپڑے ہوں اور اس کو شدت کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں گے، نیز اگر وہ مرد ہے تو کھڑا کر کے اور عورت ہو تو بٹھا کر اس کے ہر عضو پر کوڑے مارے جائیں گے اور چہرہ و شرمگاہ چھوڑ کر سخت ترین ضربیں لگائی جائیں گی (۳۴۰)

اسی کتاب سے یہ روایت مستدرک میں بھی آئی ہے۔ (۳۴۱)

میں کہتا ہوں ــــ شرائع میں کہا گیا ہے "زانی کا بدن ننگا کر کے اس کو کوڑے مارے جائیں گے، نیز یہ کہا ہے کہ اسی حالت میں مارے جائیں گے جس حالت میں پایا گیا تھا۔ (۳۴۲)

ممکن ہے پہلے قول کی تائید کی جائے کہ جلد کا مفہوم چمڑے پر مارنا ہے مثل ان کے قول کے "اس کی پشت، اس کے شکم اور اس کے سر پر مارا" پس یہ افعال ہیں جو اسماء سے لئے گئے ہیں۔

لیکن احوط وہی دوسرا قول ہے کیونکہ حدود اور ان کے خصوصیات شبہات کی بناء پر ہٹائے جاتے ہیں، آپ کا قول "اس کے کپڑے اتارے جائیں گے یا اسے برہنہ کیا جائے گا" پس اس کا اطلاق موثقہ عمار میں اس تفصیل پر حمل کیا جائے گا جو طلحہ کی خبر میں ہے، جب کہ ہر مطلق کو مفصل اور مقید پر حمل کیا جاتا ہے، شائد زانی میں غالب حالت یہ ہے کہ وہ ننگا پایا جاتا ہے لہٰذا اطلاق کو غالب پر حمل کیا جائے، پس غور کریں۔

۱۱۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ ابو ہریرہ کے واسطہ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ضرب و حد لگائے تو چہرے کو بچائے۔ (۳۴۳)

۱۲۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ ہنیدہ بن خالد سے مروی ہے کہ اس نے دیکھا امیر المومنینؑ نے ایک شخص پر حد جاری کی اور کوڑے مارنے والے سے فرمایا: ہاں مار اور ہر عضو کو اس کا حصہ دے لیکن اس کے چہرے اور شرمگاہ کو بچائے

رکھ۔ (۳۴۴)

عبدالرزاق سے المصنف میں عکرمہ بن خالد سے اسی طرح روایت کی ہے۔ (۳۴۵)

۱۳۔ نیز سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ منقول ہے کہ امیر المؤمنینؑ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی، آپ نے (کوڑے لگانے والے سے) فرمایا: اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دے کہ وہ ان سے اپنا بچاؤ کرے۔ (۳۴۶)

۱۴۔ عبدالرزاق کی کتاب المصنف میں معمر سے، یحییٰ بن ابو کثیر سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرمؐ کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہؐ! میں نے حد (والے کام) کا ارتکاب کیا ہے، پس مجھ پر حد قائم کریں، آپ نے نیا کوڑا منگوایا کہ جس کے سرے پر گرہ تھی ــــ فرمایا: نہیں اس سے کم مقدار کا کوڑا ہو، پس ایک کوڑا لایا گیا جس کا پچھلا حصہ ٹوٹا ہوا تھا ــــ فرمایا نہیں اس سے سخت کوڑا ہو، پس ایسا کوڑا لایا گیا جو دونوں میں سے درمیانہ تھا، آپ نے حکم دیا اور کوڑے لگائے گئے، پھر آپ منبر پر گئے جب کہ آپ کے چہرے سے غضب کے آثار نمایاں تھے، تب فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے فواحش اور بدکاریوں کو تم پر حرام کیا ہے جو ان میں سے ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی ہوں، پس جو ان میں سے کسی کا ارتکاب کرے تو اللہ کے پردے کے ساتھ اسے چھپائے اور اس پر پردہ ڈالے، کیونکہ جو ہمارے پاس مرافعہ کرے گا تو ہم حد قائم کریں گے۔ (۳۴۷)

یہ روایت سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ زید بن اسلم سے بھی نقل ہوئی ہے، مراجعہ کریں۔ (۳۴۸)

مناسب ہے کہ یہاں حدود و تعزیرات کے اجراء کی کیفیت میں معالم القربۃ کا کلام نقل کیا جائے جو اس نے باب ۵۰ کے اول میں ذکر کیا ہے۔

اس نے کہا ہے: ان میں ایک چابک ہے اور ایک کوڑا ہے، چابک درمیانے درجے کا لیا جاتا ہے کہ نہ بہت سخت اور نہ بہت نرم بلکہ ان کے درمیان ہوتا ہے تاکہ وہ بدن کو دکھ نہ دے، کیونکہ زید بن اسلم نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرمؐ کے سامنے زناء کا اعتراف کیا تو آپ نے چابک منگوایا تو ایک ٹوٹا ہوا چابک لایا گیا، آپ نے فرمایا اس سے اوپر ہو، تب ایک نیا چابک لایا گیا تو فرمایا اس سے کم ہو، پس ایسا چابک لایا گیا جو نرم ہو چکا تھا چنانچہ آپ نے اس کے ساتھ حد جاری فرمائی۔

باقی رہا درہ یعنی کوڑا تو وہ گائے یا اونٹ کے چمڑے سے بنا ہوا ہوتا ہے اور یہ محتسب کے چبوترے پر لٹکا رہتا ہے تاکہ لوگ اسے دیکھیں، اس سے برے اور فسادی لوگوں کے دل دھڑکیں اور ملاوٹ کرنے اور دھوکہ دینے والے اسے دیکھ کر اپنے غلط کاموں سے باز آجائیں، پس جب اس کے پاس وہ شخص لایا جائے جس نے زناء کی ہے جب کہ وہ کنوارا ہو تو وہ اسے لوگوں کے ایک گروہ کی موجودگی میں سو کوڑے لگائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ان دونوں کی سزا کے موقع پر مومنین کا ایک گروہ موجود ہو۔“ پس مرد کو حد و تعزیر اس حالت میں لگائی جائے گی کہ وہ کھڑا ہو، اسے نہ تو لٹایا جائے گا اور نہ باندھا جائے گا، اگرچہ اس سزا میں اس کے ہر عضو بدن کا حصہ ہے لیکن اس کا چہرہ، سر، شرمگاہ اور پہلو نیز ایسی دوسری جگہیں بچائی جائیں گی جن میں موت واقع ہونے کا ڈر ہے۔ کیونکہ روایت آئی ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے جلاد سے فرمایا تھا: ”اس کو مارو اور ہر عضو کو اس کا حصہ دو لیکن اس کے چہرہ اور شرمگاہ کو بچاؤ۔“ واضح رہے کہ اکثر شافعیوں نے کہا ہے کہ سر کو نہ بچایا جائے کیونکہ خلیفہ ابوبکر نے جلاد سے کہا تھا کہ سر پر بھی مارو کہ شیطان اسی میں ہوتا ہے نیز سر چونکہ عموماً ڈھپنا ہوتا ہے لہٰذا

اس کو زیادہ خطرہ نہیں ہوتا اور پہلو بھی سر کی طرح ہی ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ سر کو بچانا لازم ہے اور یہی قریب تر ہے، کیونکہ اس پر ضرب زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ مجرم کو ننگا نہ کیا جائے اور اس کے بدن پر لباس موجود ہو لیکن اگر اس نے روئی بھرا جبہ یا پوستین پہن رکھے ہوں تو وہ اتار دیئے جائیں کہ یہ ضرب سے بچاتے ہیں۔ ضرب لگانے اور مارنے والے مرد ہوں کیونکہ وہ اس کی زیادہ سمجھ رکھتے ہیں تاہم اتنا نہ مارا جائے کہ زخم پڑ جائے یا خون بہنے لگے۔

جہاں تک عورت کی حد و تعزیر کا تعلق ہے تو اسے اس کی چادر سمیت کوڑے مارے جائیں جب کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور اس کا سارا جسم ڈھکا ہونا چاہئے۔ اگر وہ کھڑی ہوگی تو کسی وقت اس کے جسم کا کوئی حصہ ننگا ہو جائے گا۔ اس کے کپڑے اس کے جسم پر ڈوری وغیرہ سے باندھ دیئے جائیں گے تاکہ وہ اپنی جگہ سے نہ سرکیں اور اس کا پردہ قائم رہے۔ اس کے کپڑے باندھنے کا کام عورتوں کو کرنا چاہئے۔

باقی رہے ضرب لگانے اور مارنے کے صفات و طریقے تو تعزیر میں لاٹھی یا بید سے مارنا جائز ہے کہ جس کا اگلا سرا پھٹا ہوا ہو۔ تعزیر کا اس حد تک پہنچنا جائز نہیں کہ خون بہنے لگے جیسے اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔

حد لگانے میں یہ جائز ہے کہ کوڑے سارے بدن پر تقسیم کر کے لگائے جائیں تاکہ ہر عضو اپنا حصہ پائے اور ان جگھوں کو بچایا جائے جن میں موت واقع ہونے کا خوف ہو۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ سارے کوڑے جسم کے ایک ہی حصے پر لگائے جائیں۔ تاہم تعزیر کے بارے میں اختلاف ہے اور جمہور شافعی اصحاب نے اسے حد کی طرح جاری کرنے کا عندیہ دیا ہے کہ کوڑے جسم پر تقسیم کر کے مارے جائیں۔ لیکن عبداللہ زبیری نے ان کا جسم کے ایک ہی حصے پر لگانا جائز قرار دیا ہے۔

تعزیر لگانے میں سوائے شرمگاہ کے جسم کا وہ حصہ ننگا کرنا جائز ہے جس پر ضرب لگانا ہو لیکن اس طرح کہ اس کا پردہ قائم رہے۔ نیز تعزیر کے سلسلے میں تشہیر کی جائے اور لوگوں کو اس شخص کے جرم و گناہ سے آگاہ کیا جائے جب اس نے گناہ کا تکرار کیا اور باز نہ آیا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا سر مونڈا جائے لیکن داڑھی چھوڑ دی جائے گی۔ اس کا منہ کالا کرنے میں اختلاف ہے اور اکثر نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس شخص کو کسی حیوان پر اس کی پیٹھ کی طرف منہ کر کے سوار کرانا تو بعد کے لوگوں نے پچھلے بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ حکام ایسا کیا کرتے تھے۔ تعزیر میں زندہ حالت میں سولی پر لٹکانا جائز ہے لیکن اسے کھانے پینے سے روکا نہ جائے نہ نماز کے لئے وضو کرنے سے منع کیا جائے اور سولی پر اشاروں سے نماز پڑھنے سے بھی نہ روکا جائے۔ جب اسے چھوڑ دیا جائے تو نماز کا اعادہ کرے گا اور اس کو تین دن سے زیادہ سولی پر لٹکانا جائز نہیں۔ (۳۴۹)

ماوردی نے احکام السلطانیہ میں کہا ہے: تعزیر میں مارنے کی خاصیت اور کیفیت میں یہ ہے کہ حد کی طرح تعزیر میں اس بید یا لاٹھی سے مارا جائے جس کا اگلا سرا پھٹا ہوا ہو۔ وہ بید جس کا سرا پھٹا ہوا نہ ہو اس سے مارنے میں اختلاف ہے۔ زبیری اس کو جائز کہتا ہے اگرچہ وہ حدود کی ضرب سے بڑھ جائے اور خون بہنے لگے۔ لیکن شافعی اصحاب کے نزدیک ایسے بید سے مارنا ممنوع و حرام ہے جس کا اگلا سرا پھٹا ہوا نہ ہو کیونکہ حدود میں ضرب زیادہ شدید ہوتی ہے پھر بھی اس طرح مارنا ممنوع ہے۔ پس تعزیر میں اس سے بڑھ کر ممنوع ہونا چاہئے اور جائز نہیں ہے کہ تعزیر کا معاملہ خون بہنے تک جا پہنچے۔

حد لگانے میں واجب ہے کہ کوڑے سارے جسم پر بانٹ کر مارے جائیں تاکہ ہر عضو کو مار میں سے حصہ مل جائے لیکن ان اعضاء کو بچانا چاہئے کہ جن پر مارنے میں موت کا خطرہ ہو، یہ بھی جائز نہیں کہ سارے کوڑے جسم کے ایک ہی حصے پر اکٹھے کر دیئے جائیں، لیکن تعزیر کی ضرب کے بارے میں اختلاف ہے، مگر جمہور شافعی اصحاب حد کی طرح اسے سارے بدن پر تقسیم کرنے اور ایک ہی جگہ نہ مارنے کے قائل ہیں جب کہ زبیری نے ان کی مخالفت کی ہے اور اسے جسم کے ایک حصے پر اکٹھے مارنے کو جائز سمجھا ہے کیونکہ بخلاف حد کے جب اس کا سارے جسم سے ساقط کرنا جائز ہے تو اس کے بعض حصوں سے ساقط کرنا بھی جائز ہے۔

تعزیر میں مجرم کو زندہ سولی پر لٹکانا جائز ہے کیونکہ حضرت رسولؐ نے ایک شخص ابو ناب کو پہاڑ پر لٹکایا تھا، لیکن جب سولی پر لٹکایا جائے تو اسے کھانا دینے سے منع نہ کیا جائے اور نماز کے لئے وضو سے نہ روکا جائے مگر نماز اشارے سے پڑھے گا اور جب چھوٹ جائے تو اس کا اعادہ بھی کرے گا، اسے تین دن سے زیادہ سولی پر لٹکائے رکھنا جائز نہیں ہے، تعزیر لگانے میں کپڑے اتروا دینا جائز ہے مگر یہ کہ شرمگاہوں کا پردہ قائم رہے، لوگوں میں اس کی تشہیر کی جائے اور اس کے گناہ کی منادی کی جائے، جب اس نے گناہ کا تکرار کیا اور اس سے توبہ نہ کی ہو تو جائز ہے کہ اس کا سر مونڈا جائے لیکن ڈاڑھی مونڈ دینا جائز نہیں ہے، اس کا منہ کالا کرنے میں اختلاف ہے لیکن اکثر نے اسے جائز اور بہت کم اصحاب نے ناجائز قرار دیا ہے۔ (۳۵۰)

میں کہتا ہوں ــــ اس مقام پر جو چیزیں انہوں نے ذکر کی ہیں ان میں سے بعض پر دلیل قائم کرنا مشکل ہے، ان میں سے اکثر استحسانی امور ہیں اور بعض ان اخبار کے مضامین کے مخالف ہیں جو گزر چکے ہیں، لیکن ہر حالت میں احتیاط بہتر ہے اور اس کا راستہ بھی واضح ہے۔

گیارہویں جہت۔ ابتداء بیان کا اعادہ

تعزیرات کی بحث کے آغاز میں المبسوط سے نقل ہو چکا ہے: جو شخص ایسا گناہ کرے جس میں حد واجب نہیں تو اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ (۳۵۱)

شرائع اور القواعد سے نقل ہوا ہے: ہر وہ شخص جو کسی فعل حرام کا ارتکاب کرے یا واجب کو ترک کرے تو امام و حاکم کو حق ہے کہ اسے تعزیر لگائے جو حد کی مقدار تک نہ پہنچے۔ (۳۵۲)

یہ وہ کلیہ قاعدہ ہے جس کا فتویٰ ہر دو فریق شیعہ و سنی کے فقہاء نے دیا اور پھر ان میں سے ہر ایک نے اس کے بارے میں مثالیں ذکر کی ہیں۔

ان علماء میں سے ایک ابو الصلاح حلبی متوفی ۴۴۷ھ ہیں کہ جو فقہاء امامیہ میں عظیم فقیہ ہیں، پس اس مقام پر ہم تعزیرات کی شرعی بحث کی تکمیل کے لئے انہی کا کلام پیش کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب الکافی میں کہا ہے:

تعزیر ایک تادیب ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے تاکہ جسے تعزیر لگائی جا رہی ہے اسے اور دوسرے

مکلفین کو گناہ سے روکا جائے. یہ ہر واجب کے ترک اور قبیح فعل کے ارتکاب پر ثابت ہوتی ہے کہ جس کے بارے میں شارع مقدس کی طرف سے حد مقرر نہیں ہوئی. اس کا حکم دو دفعہ اقرار کرنے یا دو عادل گواہوں کے گواہی دینے سے لازم ہوتا ہے۔

پس انہی چیزوں میں سے ہے کہ جو شخص واجبات عقلی کو چھوڑ دے مثلاً امانت کا واپس کرنا اور قرض کا ادا کرنا یا فرائض شرعی کو چھوڑے مثلاً نماز. روزہ اور حج جو بنیادی اور باشرائط واجبات میں سے ہیں. پس اسلامی حاکم پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو اس طرح کی تادیب کرے جو اسے اور دوسرے لوگوں کو ترک واجب سے باز رکھے اور ان سب کو اس کے بجالانے پر آمادہ کرے۔ اسی طرح جو قبیح افعال کا ارتکاب کرے اور وہ کئی قسم کے ہیں جیسے وہ مرد و عورت جو شرعی جواز کے بغیر ایک ہی چادر یا ایک کمرے میں ہوں یا باہم گلے ملیں یا بوسہ لیں یا اس سے آگے کوئی فعل کریں تو دونوں پر تعزیر لگائی جائے گی جو ولی امر مناسب سمجھے اور وہ دس سے ننانوے چابک تک ہے۔ یہی حکم ان دو مردوں یا دو عورتوں یا ایک مرد اور ایک لڑکے کے لئے ہے جو ایک چادر میں ننگے پائے جائیں یا ان پر شک و شبہ کیا جائے کہ وہ ایسی حالت میں ہیں یا ایک دوسرے کو گلے لگائیں اور بوسہ لیں تو ان پر تعزیر واجب ہے۔

اس لڑکے کو یا اس ناقص العقل کو بھی تعزیر لگائی جائے گی جس کے ساتھ لواطت کی گئی ہو. نیز ان دو لڑکوں کو جو باہم لواطت کریں یا دو لڑکیاں جو آپس میں چپٹی کھیلیں انہیں تعزیر لگائی جائے گی. وہ لڑکا جو کسی عورت میں مشغول رہے، چھوٹا لڑکا اور لڑکی جو بدفعلی کریں. وہ دیوانی عورت جس سے فعل حرام کیا جائے. وہ کنیز جو بتائے کہ اس کی مالکہ اسے چپٹی کے لئے مجبور کرتی ہے. وہ غلام جس سے بدفعلی کی گئی ہو جب کہ وہ مالک کے لواطت پر مجبور کرنے کا دعویٰ کرے تو ان سب کو تعزیر لگائی جائے گی. جو مالک اپنی کنیز کو بدکاری کرانے پر مجبور کرے اس کو تعزیر لگائی جائے اور اس کنیز پر حد جاری ہوگی. (جاری نہیں ہوگی۔ ظ). اس کو تعزیر لگائی جائے گی جو اپنے خلاف زناء یا لواطت یا چپٹی کے فعل کا چار سے کم مرتبہ اقرار کرے اور اس پر قائم رہے. جو دو مرتبہ ایسا اقرار کرے اسے بھی تعزیر لگائی جائے گی یا جس کے خلاف دو گواہ یہ گواہی دیں کہ اس نے فرج کے علاوہ وطی و دخول کیا ہے اور جو خرید یا غنیمت میں آنے والی مشترکہ کنیز سے یا جس کنیز سے پیسے کے بدلے آزادی دینے کا معاملہ ہو اور اس نے کچھ رقم دی ہو کہ جس سے جزوی آزادی مل گئی ہو۔۔۔۔ جو اس سے ہم بستری کرے اس کو تعزیر لگائی جائے گی. اسی طرح جو شبہ کی بناء پر عقد نکاح کرے اور ہم بستری بھی کرلے اور جو کنواری لڑکی کا پردہ بکارت اپنی انگلی سے پھاڑ دے اسے تعزیر لگائی جائے گی اور اس کے مہر کے برابر تاوان بھی لیا جائے گا۔

جو شخص مشت زنی کرے یا کسی حیوان سے بدفعلی کرے یا اپنی بیوی کی میت سے مجامعت کرے یا حد کے بعد محرمات میں سے کسی کے ساتھ جمع ہو تو اسے تعزیر لگائی جائے گی. اس کو بھی تعزیر لگائی جائے گی جو کسی پر تعریض کرے کہ جس کو زنا و لواطت کی تہمت کے قریب سمجھا جاسکتا ہو مثلاً ایسا کہے کہ اے خبیث کے بیٹے یا تو حیض میں اپنی ماں کے پیٹ پڑا یا تونے حیوان سے بدفعلی کی یا تونے مشت زنی کی یا چوری کی یا دلالی کی یا تونے شراب پی یا حرام کھایا. اور جھوٹ بولا ہے یا کسی عورت سے کہے کہ اے چپٹی کرنے والی یا اس کی طرف ایسی نسبت دے جو نقص و عیب شمار ہوتی ہے یعنی کہے اے پست یا اے ساقط

یا اے سفیہ یا اے احمق یا اے فاسق یا مجرم یا کافر یا تارک نماز و روزہ جب کہ وہ ایسی باتوں کے لئے مشہور نہ ہو تو اس شخص کو تعزیر لگائی جائے گی اور اگر وہ ایسی باتوں کے ساتھ مشہور ہو تو تعزیر نہیں لگائی جائے گی کہ اس نے اسے اس کے وصف کے ساتھ نسبت دی ہے. جیسا کہ وہ افراد جو کھلم کھلا شراب یا فقاع پیتے یا فروخت کرتے ہیں یا لہو و لعب کے آلات مثل طنبورہ کے بجاتے ہیں یا نماز و روزہ ترک کرتے ہیں تو اس شخص پر تادیب نہیں جو اس شخص سے کہ جس کی یہ حالت ہو. کہے ... اے فاسق یا اے ساقط یا اے مجرم یا اے عاصی و نافرمان وغیرہ. اسی طرح اس پر بھی حد نہیں جو زناء کا اعتراف کرنے والے کو کہے کہ اے زانی اور لواطت کا اقرار کرنے والے کو کہے اے لائط. لیکن جب دو عاقل ایک دوسرے کو تہمت لگائیں تو دونوں کو تعزیر لگائی جائے گی. جب آزاد مسلمان مرد یا عورت کسی غلام یا لونڈی یا ذمی کافر مرد یا عورت یا لڑکی یا مجنون مرد یا عورت کو تہمت لگائے تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی نیز جب غلام. لونڈی اور اہل ذمہ ایک دوسرے پر تہمت لگائیں تو ان کو بھی تعزیر لگائی جائے گی۔

جب کوئی مسلمان یا کافر کسی دوسرے پر ایسی تہمت لگائے جس میں وہ مشہور ہو اور اس فعل کا اعتراف کرتا ہو جیسے کفر و فسق تو تہمت لگانے والے پر کچھ نہیں بلکہ اس سے مسلمان کی عبادت ہو جاتی ہے۔

اگر مسلمان کسی کو بعض آفات کے ساتھ عار دلائے مثل اندھے پن. لنگڑے پن. اور جنون و جذام اور برص وغیرہ تو اسے تعزیر لگائی جائے گی اور اگر کوئی کافر اس کو عار دلائے تو اسے سخت سزا دی جائے گی. لیکن اگر مسلمان کسی کافر کو عار دلائے تو اس پر کچھ نہیں ہے۔ ایک شخص کا ایک گروہ کو تعریض کرنا ایسی چیز کے ساتھ جو موجب تعزیر ہے. سب کو ایک ہی لفظ کے ساتھ یا ہر ایک کو ایسی تعریض کرے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو ہم قذف و تہمت کی بحث میں بیان کر چکے ہیں.

جب کوئی شخص اپنے بیٹے یا اپنے غلام یا اپنی کنیز پر تہمت لگائے تو اسے تعزیر لگائی جائے گی۔

اس کو تعزیر لگائی جائے گی جو ایسا مال چوری کرے کہ جس میں بعض شروط کے نہ ہونے کے باعث ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاتی. مثلاً غلام کا اپنا آقا کی چوری کرنا یا باپ کا اپنے بیٹے کا مال چوری کرنا اور کسی کا اس کی چوری کرنا جس پر اس کا خرچہ واجب ہے. شراکت دار کا اپنے شراکتی کی چوری کرنا. نیز وہ جو کوئی چیز ادھر سے ادھر کر دے. وہ جو چوتھائی دینار سے کم یا چوتھائی دینار یا اس سے اوپر کسی غیر محفوظ جگہ سے جہاں جانے کی اجازت ہے یا ایسی محفوظ جگہ سے جہاں وہ جا سکتا ہو چوری کرے لیکن ابھی باہر نہ لایا ہو یا مشترک مال سے چوری کرے یا کسی سے اچک لے یا فریب سے لے یا دوسرے کو بھنگ پلا کر لے یا ناپ تول کی کمی کرے. پس جو کچھ لیا ہے واپس کرے گا اور اسے تعزیر لگائی جائے گی۔

ہر اس شخص کو تعزیر لگائی جائے گی جو برے طریقے سے کھائے یا پیئے یا بیچے یا خریدے یا سیکھے یا سکھائے یا دیکھے یا کوشش کرے یا قبضے میں لے یا کان دھرے یا اجرت پر دے یا اجرت پر لے یا امر کرے یا نہی کرے۔

پس اگر وہ فعل جو موجب تعزیر ہے ایک عاقل (عامل - ظ) کسی محترم دن یا رات میں اس کا ارتکاب کرے مثل جمعہ کے دن اور عید کے دن. روزہ کے دن یا اس کی رات کو یا محترم مقام مثل کعبہ شریف یا مسجد نبوی یا مسجد کوفہ یا مشاہد ائمہ میں یا مسجد جامع میں یا محلہ کی مسجد میں کرے تو اس کی سزا میں سختی برتی جائے گی. اگر وہ فعل موجب حد ہو تو اس میں وقت یا جگہ کی

حرمت کی بناء پر سخت تعزیر کا اضافہ کیا جائے گا۔

وہ شخص جس پر اس کے اقرار کی وجہ سے تعزیر واجب ہوئی ہو اگر وہ اس سے رجوع کر لے یا حاکم کے پاس مقدمہ لے جانے سے پہلے توبہ کر لے تو اگر وہ فعل حقوق اللہ میں سے تھا تو تعزیر قائم کرنے کا حق ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ لوگوں کے حقوق میں سے تھا تو اس کی توبہ مؤثر نہیں ہو گی اور نہ ہی اقرار سے رجوع کرنا مفید ہو گا. پس اس میں تعزیر لگانے یا معاف کرنے کا اختیار حاکم کے ہاتھ میں ہو گا۔

وہ تعزیر جو رمز لگانے، جھوٹی نسبت دینے یا برا لقب دینے میں قذف و تہمت کے لئے ہو. اس میں تین سے لے کر اناسی چابک تک اور اس کے علاوہ تین سے ننانوے چابک تک ہو گی. اس حکم کا اطلاق جانتے بوجھتے قصد کرنے والے پر ہے نہ کہ اس پر جو بھول کر یہ کام کرے. نیز وہ بچہ کہ جس سے قصد صحیح نہیں اور وہ مجنون جو ہر وقت اسی حالت میں رہتا ہے اس پر بھی اطلاق نہیں ہو گا۔

جس کو کسی فعل پر تعزیر لگائی جائے اور وہ بار بار اس فعل کو انجام دے تو دوسری، تیسری اور چوتھی مرتبہ توبہ کرائی جائے پس اگر وہ اس میں اصرار کرے اور توبہ کے بعد پھر وہی کام کرے تو اسے رک رک کر قتل کیا جائے گا۔ (۳۵۳)

یہاں الکافی ابو الصلاح کی عبارت ختم ہوئی. ہم نے اس کے طویل ہونے کے باوجود اسے نقل کیا ہے کیونکہ یہ اپنے مطالب کے لحاظ سے جامع ہے. پس ملاحظہ کریں۔

بارہویں جہت۔ حد و تعزیر کے احکام میں فرق و امتیاز جیسے بعض مؤلفین نے ذکر کیا ہے۔

محقق نے شرائع کی کتاب حدود میں کہا ہے: وہ چیز (جرم و گناہ) جس کی سزا معین ہے اسے حد کا نام دیا گیا ہے اور جو اس طرح نہیں اسے تعزیر کہا گیا ہے۔ (۳۵۴)

بعض اوقات پہلی قسم پر یہ اعتراض ہوا ہے کہ وہ تمام افراد کی جامع نہیں اور دوسری پر یہ اعتراض ہے کہ وہ دخول غیر کو مانع نہیں ہے کیونکہ قصاص و دیت میں سے ہر ایک کے لئے سزا معین ہے لیکن اسے حد نہیں کہا جاتا. اسی طرح کفارے ہیں. روزہ دار اور حیض والی زوجہ سے مجامعت کی سزا مقرر ہے لیکن اس کے باوجود اسے تعزیر کہا جاتا ہے۔ بعض مواقع پر پہلے زمرہ کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اسے حقوق اللہ کے ساتھ مقید کیا جائے تاکہ قصاص و دیات اس سے الگ ہو جائیں اور دوسرے زمرہ میں کہا گیا ہے کہ اسے ان کے قول (غالباً) کے ساتھ مقید کیا جائے جیسا کہ بعض کلمات میں آیا ہے تاکہ وہ معین تعزیرات کو بھی شامل ہو۔

لیکن پہلے جواب پر علاوہ اس کے کہ کفاروں کا اشکال باقی ہے. حد قذف کے نقض کے ساتھ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ بلا اشکال حد ہے حالانکہ وہ حقوق الناس میں سے ہے اور دوسرے میں حد و تعزیر کا حد میں تداخل ہو جائے گا. اسے یاد رکھیں شہید اول نے القواعد والفوائد میں کہا ہے:

فائدہ: حد و تعزیر میں دس وجوہ کی بناء پر فرق کیا گیا ہے۔

پہلی وجہ

تعزیر مقدار میں کمی کے لحاظ سے مقدر نہیں ہے لیکن کثرت کی طرف محدود ہے کہ تعداد میں حد تک نہ پہنچے لیکن بہت سے اہل سنت فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ خلیفہ عمر نے اس شخص کو سو کوڑے مارے جس نے ان کی مہر جیسی جعلی مہر بنائی اور پھر ان کے نام سے جھوٹا خط لکھا تھا. پس اس کے لئے بعض لوگوں نے سفارش کی تو آپ نے ان سے کہا کہ مجھے کوڑوں کی گنتی یاد دلانا کہ میں اس میں بھول جاتا ہوں. چنانچہ آپ نے اسے سو کوڑے لگائے اور اس کے بعد مزید سو کوڑے بھی لگادیئے۔

دوسری وجہ

تعزیر میں آزاد اور غلام برابر ہیں

تیسری وجہ

تعزیر جرم و جنایت کے موافق ہے یعنی چھوٹے بڑے جرم کے اعتبار سے ہوتی ہے جب کہ حد میں اس جرم کے نام سے واسطہ ہوتا ہے پس اس میں چوتھائی دینار یا ایک قنطار (۶۰ سیر) کی چوری میں ہاتھ کاٹے جانے میں کوئی فرق نہیں ہوتا. اسی طرح شراب کا ایک قطرہ یا ایک گھونٹ پینے میں حد برابر لگتی ہے حالانکہ ان کے مفاسد میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

چوتھی وجہ

تعزیر مفسدہ اور خرابی کے تابع ہے اگرچہ وہ معصیت نہ ہو مثل بچوں. چوپاؤں اور دیوانوں کی تادیب کے جو ان کی اصلاح کے لئے ہوتی ہے. بعض اصحاب نبیذ (کھجور کا شربت) پینے پر تادیب کا اطلاق کرتے ہیں مگر حنفی اس پر حد کا قائل ہے اگرچہ وہ نشہ نہ لائے کیونکہ وہ اپنے امام کی فاسد تقلید کرتا ہے. اس کا قول ہمارے نصوص سے منافات رکھتا ہے کہ جس کی کثیر مقدار نشہ لائے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے"۔ (۳۳۵)

انؑ کے نزدیک یہ قیاس جلی ہے اور اس کی شہادت اس کے فسق کی بناء پر مردود ہوگی۔

پانچویں وجہ

جب معصیت معمولی ہو تو اس پر تعزیر بھی تھوڑی سی ہوگی. پس کہا گیا ہے کہ اس پر تعزیر نہیں لگائی جائے گی کیونکہ قلیل کا کوئی اثر و فائدہ نہیں اور تعزیر میں زیادتی کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

چھٹی وجہ

توبہ کر لینے سے تعزیر ساقط ہو جاتی ہے اور بعض حدود کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے. ظاہر یہ ہے کہ ثبوت جرم سے پہلے توبہ کر لینے سے حد ساقط ہو سکتی ہے۔

ساتویں وجہ

تعزیر کے اقسام کے لحاظ سے اس میں اختیار ہے لیکن حدود میں سوائے ڈاکہ زنی کی حد کے اختیار نہیں ہے۔

آٹھویں وجہ

تعزیر میں فاعل، مفعول اور جرم و جنایت کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے لیکن حدود میں کوئی کمی و بیشی نہیں ہوتی۔

نویں وجہ

اگر مختلف شہروں میں اہانت و توہین کی صورت میں اختلاف ہو تو ان میں ہر شہر کے معیار کا لحاظ رکھا جائے گا۔

دسویں وجہ

تعزیر کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں سے حق خالق سے متعلق ہیں مثل جھوٹ بولنے کے اور بندے کے حق کے بارے میں ہیں جیسے گالی گلوچ اور بعض میں ان دونوں کا حق مشترک ہے مثل گزرے ہوئے نیک و صالح افراد کو برا بھلا کہنے کے۔ لیکن حد میں یہ صورت نہیں کہ کبھی وہ اللہ کا حق اور کبھی بندوں کا حق ہو بلکہ وہ سب کی سب اللہ کا حق ہیں سوائے تہمت کے کہ جس میں اختلاف ہے۔ (۳۵۶)

فاضل سیوری نے کہا ہے: میرے نزدیک آخری بات میں کچھ سوچ بچار کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تہمت میں صرف حق انسان کا ہونا ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کی تعظیم کا حکم دیا اور اس کی توہین کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جو ایسا کرے تو وہ مستحق تعزیر ہو گا۔ (۳۵۷)

میں کہتا ہوں ____ محقق و علامہ اور ان کے ہم خیال فقہاء کی طرح شہید بھی تعزیر میں اس کا حد تک پہنچنا معتبر نہیں سمجھتے اور انہوں نے دس اور کچھ اوپر دس کوڑوں والی روایات کے مطابق فتویٰ نہیں دیا۔ شائد ان کو تادیب یا اس کے بعض مراتب کے بارے میں ارشاد پر محمول کیا ہے یا انہیں باب مثال میں سے تصور کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں جو باتیں حنفی نے لکھی ہیں وہ اصول و قواعد کے مطابق نہیں ہیں اور اہل اجتہاد اسے بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔

شہید اول نے جو وجوہ ذکر کی ہیں بعض مواقع پر ان میں مناقشہ کیا جاتا ہے اور حد و تعزیر کے مابین کچھ اور فرق بھی پائے جاتے ہیں کہ جن میں سے بعض ذکر ہو چکے ہیں۔ پس ملاحظہ کریں۔

ماوردی نے احکام السلطانیہ میں حد و تعزیر میں فرق کرنے میں تین وجوہ بیان کیں اور کہا ہے کہ تعزیر تین وجوہ سے حدود کے ساتھ تخالف رکھتی ہے

پہلی وجہ

نیک و صالح اور صاحب حیثیت افراد کی تعزیر خفیف ہوتی ہے ان لوگوں سے جو بیہودہ اور احمق ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نبی اکرم

نے فرمایا ہے کہ "شرفاء کی لغزشوں کو معاف کر دو" لوگوں میں ان کی قدر و منزلت کے لحاظ سے تعزیر میں فرق اور درجہ بندی کی جائے اگرچہ معین حدود میں وہ برابر ہوں گے. پس جس کی قدر و عزت زیادہ ہو اس کی تعزیر اس سے منہ موڑ لینا ہے. اس سے کمتر شخص کی تعزیر اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنا ہے. جو اس سے کم حیثیت ہو اسے تعزیر میں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ایسے الفاظ کہے جائیں جن سے وہ خفت محسوس کرے لیکن گالی گلوچ نہ کیا جائے اور جو اس سے پست قسم کے افراد ہیں ان کو ان کے گناہ کے لحاظ سے قید و بند میں رکھا جائے. ان میں بعض کو ایک دن اور بعض کو اس سے زائد مدت تک قید میں رکھا جائے جو مقررہ میعاد کی شکل میں ہو. شافعی اصحاب میں سے ابو عبداللہ زبیری نے کہا ہے کہ قید کی مدت چند ماہ تک معین کی جاتی ہے. معالم القربتہ میں ہے کہ تفتیش کے لئے قید کی مدت ایک ماہ اور تادیب و تہذیب کے لئے چھ ماہ تک ہے. جو ان سے پست افراد ہیں جب ان میں سے کسی کے جرائم بہت بڑھ جائیں کہ ان سے دوسرے لوگ متاثر ہونے لگیں یا لوگوں کو ضرر پہنچنے لگے تو اسے شہر یا علاقے سے نکال دیا جائے گا اور جو ان سے کم تر لوگ ہوں تو انہیں ان کی بیہودگی کے لحاظ سے مارا پیٹا جائے گا۔

دوسری وجہ

حد میں سفارش کرنا اور معاف کرنا جائز نہیں لیکن تعزیر میں سفارش اور معافی دونوں ہی جائز ہیں. پس اگر تعزیر حق حکومت یعنی نظام کی درستی اور مضبوطی کے ساتھ تعلق رکھتی ہو اور اس میں کسی آدمی کے حق کا معاملہ نہ ہو تو ولی امر کے لئے جائز ہے کہ تعزیر لگانے یا معاف کرنے میں جس کو بہتر تصور کرتا ہو اس پر عمل کرے. یہ بھی جائز ہے کہ کسی کا گناہ معاف کرنے کے لئے کوئی سفارش کی جائے تو اسے قبول کرے. کیونکہ نبی اکرمؐ سے روایت کی گئی ہے "مجھ سے سفارش و شفاعت کرو اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے فیصلہ کرتا ہے. اگرچہ وہ تعزیر ہو جس میں کسی انسان کا حق ہو مثل گالی گلوچ یا دنگا وغیرہ تو اس میں نظام کی درستی و برقراری اور تہذیب و تربیت کے لئے حکومت کا حق بھی ہے۔

تیسری وجہ

جو حد میں تلف و ضائع ہو جائے اس کا کسی پر کوئی ذمہ نہیں لیکن اگر کوئی تعزیر سے مرجائے تو اس کی ضمانت و ذمہ داری متعلقہ شخص پر عائد ہوتی ہے ...... (۳۵۸)

میں کہتا ہوں ...... وہ جو اس نے ذکر کیا ہے کہ حدود میں معاف کرنا جائز نہیں ہے تو یہ اس کے منافی ہے جو ہم نے دسویں جہت میں بیان کیا کہ جب جرم کا ثبوت اقرار سے ہو اور مجرم توبہ کرے اور وہ پشیمان بھی ہو تو امام معاف کر سکتا ہے. البتہ یہ صحیح ہے جو اس نے کہا ہے کہ تعزیرات میں معاف کرنا جائز ہے جب حاکم مصلحت دیکھے اور اس سے مجرم کو جسارت بھی نہ ہو. اس کی تفصیل گزر چکی ہے پس مراجعہ کریں۔

باب ۶ فصل ۶

حواشی

(۱) المبسوط ۸ ۶۹ (۲) الشرائع ۴ ۱۶۸ (۳) الجواہر ۴۱ ۴۴۸ (۴) القواعد ۲ ۲۶۲ (۵) الوسائل ۱۱ ۴۰۳. الباب ۳ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱ (۶) الوسائل ۱۱ ۴۰۴. الباب ۳ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۲ (۷) الوسائل ۱۱ ۴۰۵. الباب ۳ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۸ (۸) الوسائل ۱۱ ۴۰۷. الباب ۳ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۱۲ (۹) الوسائل ۱۸ ۳۱۰. الباب ۲ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۱ (۱۰) الوسائل ۱۸ ۳۱۰. الباب ۲ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۲ (۱۱) الوسائل ۱۸ ۳۰۹ ۳۱۱ (۱۲) معالم القربۃ ۱۹۰ طبعۃ مصر ۲۸۴ فصل فی التعازیر (۱۳) الوسائل ۱۸ ۴۵۲ - ۴۵۴. الباب ۱۹ من ابواب حد القذف (۱۴) النہایۃ ۱ ۲۶۳ (۱۵) الوسائل ۱۸ ۵۱۷. الباب ۲۳ من ابواب حد السرقہ. حدیث ۳ (۱۵ - الف) سورۂ حدید - آیت ۲۵ (۱۶) الوسائل ۱۸ ۳۰۸. الباب ۱ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۳ (۱۷) الوسائل ۱۸ ۳۱۰. الباب ۲ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۱ (۱۸) الوسائل ۱۸ ۳۰۹. الباب ۱ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۶ (۱۹) الوسائل ۱۸ ۳۳۲. الباب ۲۰ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۱ (۲۰) الوسائل ۱۸ ۳۰۷. الباب ۱ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۱ (۲۱) سنن ابوداؤد ۲ ۴۴۶. کتاب الحدود. باب العفو عن الحدود مالم تبلغ السلطان (۲۲) الوسائل ۱۸ ۳۳۰ ۳۳۱. الباب ۱۸ من ابواب مقدمات الحدود (۲۳) الخلاف ۳ ۲۲۳ (۲۴) المبسوط ۸ ۶۹ (۲۵) المغنی ۱۰ ۳۴۸ (۲۶) الجوامع الفقہیہ ۵۶۲ (۲۷) تحریر الاحکام ۲ ۲۳۹ (۲۸) سنن ابوداؤد ۲ ۴۴۶. کتاب الحدود. باب فی الحد یشفع فیہ (۲۹) دعائم الاسلام ۲ ۴۶۵. کتاب الحدود. الفصل ۵. حدیث ۱۶۴۹ (۳۰) نہج البلاغہ. فیض ۱۰۹۵. عبدہ ۳ ۱۵۵. لح ۴۷۱. حکمت ۲۰ (۳۱) تحف العقول ۵۸ (۳۱ - الف) الجواہر ۴۱ ۴۴۸ (۳۲) سورۂ نساء آیت ۳۱ (۳۳) الوسائل ۱۸ ۳۱۰. الباب ۲ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۱ (۳۴) صحاح اللغۃ ۲ ۴۴۷ (۳۵) القاموس ۲ ۷۸ (۳۶) لسان العرب ۴ ۵۶۱ - ۵۶۲. (۳۷) مفردات الراغب/ ۳۴۵ (۳۸) النہایۃ ۳ ۲۲۸ (۳۹) الشرائع ۴ ۱۴۷ (۴۰) المسالک ۲ ۴۲۳ (۴۱) الاحکام السلطانیہ ۲۳۶ (۴۲) الاحکام السلطانیہ ۲۷۹ (۴۳) معالم القربۃ ۱۹۰ - ۱۹۱ طبعۃ مصر ۲۸۴. الباب ۵۰. فصل فی التعازیر (۴۴) المغنی ۱۰ ۳۴۷ (۴۵) المبسوط ۸ ۶۶ (۴۶) تحریر الاحکام ۲ ۲۳۹ (۴۷) کشف اللثام ۲ ۲۳۵ (۴۸) الوسائل ۱۸ ۵۸۳ - ۵۸۴. الباب ۱۰ من ابواب بقیۃ الحدود والتعزیرات. حدیث ۱ - ۳ (۴۹) الاحکام السلطانیہ ۲۳۶ (۵۰) الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ۲۷۹ (۵۱) معالم القربۃ ۱۹۱ طبعۃ مصر ۲۸۵. الباب ۵۰ (۵۲) المنہاج ۵۳۵ (۵۳) المغنی ۱۰ ۳۴۸ (۵۴) احیاء العلوم ۲ ۳۲۹ (۵۵) بدائع الصنائع ۷ ۶۴ (۵۶) الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۵ ۴۰۰ (۵۷) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴ ۲۸۷ (۵۸) التراتیب الاداریۃ ۱ ۳۰۱ (۵۹) مجمع البیان ۳ ۷۹ - ۸۰. الجزء ۵. سورۂ توبہ - آیت ۱۱۸ (۶۰) سنن ابوداؤد ۲ ۵۸۰. کتاب الادب. باب الحکم فی المخنثین (۶۱) سنن ابوداؤد ۲ ۵۸۰.

کتاب الادب. باب الحکم فی المخنثین (۶۲) الوسائل ۱۴/ ۲۵۹. الباب ۲۲ من ابواب النکاح المحرم. حدیث ۶ (۶۳) التاج ۳/ ۲۲. کتاب الحدود. التعزیر بالضرب والحبس والنفی (۶۴) الغرر والدرر ۴/ ۳۷. حدیث ۵۳۴۲ (۶۵) الوسائل ۱۸/ ۲۲۱. الباب ۳۲ من ابواب کیفیتہ الحکم. حدیث ۳ (۶۶) التہذیب ۱۰/ ۴۸. باب حدود الزناء. حدیث ۱۷۵ (۶۷) الوسائل ۱۸/ ۴۲۴. الباب ۶ من ابواب حداللواط. حدیث ۱ (۶۸) الوسائل ۱۸/ ۲۴۴. الباب ۱۵ من ابواب الشہادات. حدیث ۳ (۶۹) الوسائل ۱۸/ ۵۰۳. الباب ۱۲ من ابواب حدالسرقتہ. حدیث ۴ (۷۰) الوسائل ۱۸/ ۴۵۰. الباب ۱ من ابواب حدالقذف. حدیث ۳ (۷۱) نہج السعادۃ ۲/ ۵۸۷. خطبہ ۳۲۰ (۷۲) سورۂ نساء۔ آیت ۱۳۔ ۱۴ (۷۳) الوسائل ۱۸/ ۳۱۲؛ الباب ۳ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۵ (۷۴) الوسائل ۱۸/ ۵۳۶. الباب من ابواب حدالمحارب. حدیث ۸ (۷۵) معالم القربتہ/ ۱۹۴۔ ۱۹۵ طبعتہ مصر/ ۲۸۷۔ ۲۸۸ (۷۶) الوسائل ۲/ ۵۷۴. الباب ۲۸ من ابواب الحیض۔ ۱۸/ ۵۸۶. الباب ۱۳ من ابواب بقیتہ الحدود (۷۷) الوسائل ۱۸/ ۵۸۶. الباب ۳؛ من ابواب بقیتہ الحدود. حدیث ۱ (۷۸) سنن ابوداؤد ۱/ ۳۶۳. کتاب الزکاۃ. باب فی زکاۃ السائمتہ (۷۹) سنن ابوداؤد ۱/ ۴۷۰. کتاب المناسک الحج. باب فی تحریم المدینہ (۸۰) مسند احمد ۱/ ۱۷۰ (۸۱) سنن ابوداؤد ۱/ ۴۷۰. کتاب المناسک الحج باب فی تحریم المدینتہ (۸۲) النہایتہ ۲/ ۳۸۷ (۸۳) المحلیٰ ۹/ ۶۵ المجلد ۱۶ لمسئلہ ۱۵۶۷ (۸۴) الفقہ علی المذاہب الاربعتہ ۵/ ۴۰۱ (۸۵) المغنی ۱۰/ ۳۴۸ (۸۶) سورۂ طٰہٰ۔ آیت ۹۷ (۸۷) مجمع البیان ۳/ ۳۷، الجزء ۵ (۸۸) الدرالمنثور ۳/ ۲۷۷ (۸۹) الوسائل ۵/ ۳۷۷. الباب ۲ من ابواب صلاۃ الجماعتہ. حدیث ۱۰ (۹۰) الوسائل ۵/ ۳۷۶. الباب ۲ من ابواب صلاۃ الجماعتہ. حدیث ۶ (۹۱) سنن ابن ماجہ ۲/ ۸۷۲. کتاب الحدود. باب المخنثین. حدیث ۲۶۱۳ (۹۲) سنن الترمذی ۲/ ۳۷۹. ابواب البیوع. الباب ۵۸. حدیث ۱۳۱۱ (۹۳) مسند احمد ۲/ ۱۳۲ (۹۴) مسند احمد ۲/ ۷۱ (۹۵) نیل الاوطار ۵/ ۳۳۰. کتاب الغصب والضمانات، باب ماجاء فی کسراوانی الخمر، عن الدارقطنی، حدیث ۳ (۹۶) سورۂ مائدہ۔ آیت ۹۰ (۹۷) صحیح مسلم ۳/ ۱۵۷۰. الباب ۱ تحریم الخمر وغیرہ (۹۸) صحیح البخاری ۳/ ۴۹، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر (۹۹) صحیح البخاری ۳/ ۴۹، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر (۱۰۰) سنن النسائی ۸/ ۲۰۳، کتاب الزینتہ؛ ذکر النہی عن لبس المعصفر (۱۰۱) سنن ابو داؤد ۲/ ۶۳، کتاب الجہاد، باب عقوبتہ الغال (۱۰۲) سنن ابوداؤد ۲/ ۶۳، کتاب الجہاد، باب عقوبتہ الغال (۱۰۳) وقعتہ صفین/ ۶۰ (۱۰۴) وقعتہ صفین/ ۹۷ (۱۰۵) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۳/ ۱۷۶۔ ۱۷۷ (۱۰۶) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۳/ ۱۱۸ (۱۰۷) متدرک الوسائل ۳/ ۲۰۷، الباب ۲۴ من ابواب کیفیتہ الحکم، حدیث ۶ (۱۰۸) کتاب الحسبتہ لابن تیمیتہ/ ۵۹ (۱۰۹) الوسائل ۱۸/ ۵۷۰، الباب ۱ من ابواب نکاح البہائم (۱۱۰) تاریخ الیعقوبی ۲/ ۱۷۹ (۱۱۱) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۷۳، عبدہ ۳/ ۱۴۵، لح/ ۴۱۱، مکتوب ۷۱ (۱۱۲) الوسائل ۱۸/ ۵۱۶، الباب ۲۳ من ابواب حدالسرقتہ، حدیث ۲ (۱۱۳) مرآۃ العقول ۴/ ۱۷۸ طبعہ قدیم (۱۱۴) مسند احمد ۲/ ۲۰۷ (۱۱۵) سنن ابو داؤد ۲/ ۴۴۹، کتاب الحدود، باب مالاقطع فیہ (۱۱۶) سنن النسائی ۸/ ۸۵۔ ۸۶، کتاب قطع السارق، (۱۱۷) الوسائل ۱۹/ ۶۸، الباب ۷۳ من ابواب القصاص فی النفس، حدیث ۵ (۱۱۸) الوسائل ۱۹/ ۶۹، الباب ۷۳ من ابواب القصاص فی النفس، حدیث ۱۰ (۱۱۹) الوسائل ۱۹/

۶۹. الباب ۳۸ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۲ (۱۲۰) سورہ احزاب۔ آیت ۳۰ (۱۲۱) سورۂ نساء آیت ۱۰۵ (۱۲۲) سورۂ مائدہ۔ آیت ۴۸ (۱۲۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۰۲۔ ۲۰۴ (۱۲۴) الخلاف ۳/ ۲۲۴ (۱۲۵) الوسائل ۱۸/ ۴۴۹. الباب ۵ من ابواب حد السحق والقیادت. حدیث ۱ (۱۲۶) الوسائل ۱۸/ ۴۱۵. الباب ۴۹ من ابواب حد الزناء. حدیث ۱ (۱۲۷) النہایۃ/ ۷۰۵ (۱۲۸) السرائر/ ۴۵۰ (۱۲۹) الشرائع ۴/ ۱۸۶. القواعد ۲/ ۲۶۲ (۱۳۰) الجواہر ۴۱/ ۴۴۸ (۱۳۱) المنہاج/ ۵۳۵ (۱۳۲) المغنی ۱۰/ ۳۴۷ (۱۳۳) بدائع الصنائع ۷/ ۶۴ (۱۳۴) المحلی ۸/ ۴۰۱. جزء ۱۱. المسئلۃ ۲۳۰۵ (۱۳۵) معالم القربتہ/ ۱۹۲ طبعۃ مصر/ ۲۸۵. الباب ۵۰. فصل فی التعازیر (۱۳۶) الوسائل ۱۸/ ۳۶۳. باب ۱۰ من ابواب حد الزناء (۱۳۷) المسالک ۲/ ۴۲۳ (۱۳۸) النہایۃ/ ۶۹۹ (۱۳۹) الوسائل ۱۸/ ۵۸۴. الباب ۱۰ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۳ (۱۴۰) الوسائل ۱۸/ ۵۸۳. الباب ۱۰ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۱ (۱۴۱) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۴۸. الباب ۶ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۲ (۱۴۲) الجوامع الفقہیہ/ ۷۸۳ (۱۴۳) الوسائل ۱۸/ ۵۸۴ الباب ۱۰ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۲ (۱۴۴) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۴۸. الباب ۶ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۳ (۱۴۵) صحیح البخاری ۴/ ۱۸۳. کتاب المحاربین...... باب کم التعزیر والادب (۱۴۶) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۴۸. الباب ۶ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۱. عن فقہ الرضا/ ۳۰۹ (۱۴۷) الوسائل ۱۸/ ۴۳۴. الباب ۴ من ابواب حد القذف. حدیث ۲ (۱۴۸) الوسائل ۱۸/ ۴۳۶. الباب ۴ من ابواب حد القذف. حدیث ۱۲ (۱۴۹) الوسائل ۱۸/ ۵۸۴. الباب ۱۰ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۳ (۱۵۰) الوسائل ۱۸/ ۳۱۲. الباب ۳ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۶ (۱۵۱) سنن البیہقی ۸/ ۳۲۷ کتاب الاشربہ والحد فیہا. باب ماجاء فی التعزیر (۱۵۲) النہایۃ/ ۷۳۲ (۱۵۳) الشرائع ۴/ ۱۶۷ (۱۵۴) الوسائل ۱۸/ ۵۸۱. الباب ۸ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۱ (۱۵۵) الوسائل ۱۸/ ۵۸۲. الباب ۸ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۳ (۱۵۶) الوسائل ۱۸/ ۵۸۲. الباب ۸ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۲ (۱۵۷) الوسائل ۱۸/ ۳۳۹. الباب ۳۰ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۲ (۱۵۸) الوسائل ۱۸/ ۳۴۰. الباب ۳۰ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۸ (۱۵۹) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۴۸. الباب ۶ من ابواب بقیۃ الحدود. حدیث ۱. عن فقہ الرضا/ ۳۱۰ (۱۶۰) الجواہر ۴۱/ ۴۴۶ (۱۶۱) الخلاف ۳/ ۲۲۲ (۱۶۲) المبسوط ۸/ ۶۳ (۱۶۳) المبسوط ۸/ ۶۶ (۱۶۴) الشرائع ۴/ ۱۷۱ (۱۶۵) الشرائع ۴/ ۱۹۲ (۱۶۶) المغنی ۱۰/ ۳۴۹ (۱۶۷) الوسائل ۱۸/ ۴۶۸. الباب ۳ من ابواب حد المسکر. حدیث ۸ (۱۶۸) المصنف ۷/ ۳۷۹. باب حد الخمر. حدیث ۱۳۵۴۷۔ ۱۳۵۴۸ (۱۶۹) المغنی ۱۰/ ۳۴۹ (۱۷۰) الاحکام السلطانیہ/ ۲۳۸ (۱۷۱) معالم القربتہ/ ۱۹۳ طبعۃ مصر/ ۲۸۶. الباب ۵۰. فصل فی التعازیر (۱۷۲) الاحکام السلطانیہ/ ۲۸۲ (۱۷۳) الوسائل ۱۸/ ۱۶۵. الباب ۱۰ من ابواب آداب القاضی. حدیث ۱ (۱۷۳۔ الف) الوسائل ۱۹/ ۴۷. الباب ۲۴ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۹ (۱۷۴) الوسائل ۱۹/ ۴۶. الباب ۲۴ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۱۷۵) الوسائل ۱۹/ ۴۷. الباب ۲۴ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۶ (۱۷۶) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۵۵. الباب ۲۲ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۲. عن الدعائم ۲/ ۴۶۶ (۱۷۷) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۵۵. الباب ۲۲ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۳.

عن الدعائم ۲/ ۴۲۷ (۱۷۸) الوسائل ۱۹/ ۴۶، الباب ۲۴ من ابواب القصاص فی النفس، حدیث ۳ (۱۷۹) الوسائل ۱۸/ ۳۱۲، الباب ۳ من ابواب مقدمات الحدود، حدیث ۴ (۱۷۹۔ الف) الاستبصار ۴/ ۲۷۹، باب من قتلہ الحد، حدیث ۳ (۱۸۰) الوسائل ۱۹/ ۱۱۲، الباب ۸ من ابواب دعوی القتل، حدیث ۳ (۱۸۱) الوسائل ۱۸/ ۳۱۱ ۔ ۳۱۳، الباب ۳ من ابواب مقدمات الحدود (۱۸۲) سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۹۴ (۱۸۳) الشرائع ۴/ ۱۷۱ (۱۸۴) الوسائل ۱۹/ ۲۰۰، الباب ۳۰ من ابواب موجبات الضمان، حدیث ۱ (۱۸۵) الجواہر ۴۱/ ۴۷۵ (۱۸۶) الشرائع ۴/ ۱۵۱ ۔ ۱۵۲ (۱۸۷) الشرائع ۴/ ۱۵۹ (۱۸۸) الشرائع ۴/ ۱۶۱ (۱۸۹) الشرائع ۴/ ۱۶۷ (۱۹۰) الشرائع ۴/ ۱۶۹ (۱۹۱) الشرائع ۴/ ۱۷۶ (۱۹۲) الشرائع ۴/ ۱۸۰ (۱۹۳) الشرائع ۴/ ۱۸۸ (۱۹۴) الشرائع ۴/ ۱۸۹ (۱۹۵) الشرائع ۴/ ۱۶۷ (۱۹۶) الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ۲۱۹ ۔ ۲۲۱ (۱۹۷) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ/ ۲۵۷ ۔ ۲۶۰ (۱۹۸) الوسائل ۱۹/ ۱۱، الباب ۴ من ابواب القصاص فی النفس، حدیث ۱ (۱۹۹) الوسائل ۱۹/ ۱۱، الباب ۴ من ابواب القصاص فی النفس، حدیث ۳ (۲۰۰) الوسائل ۱۹/ ۱۲، الباب ۴ من ابواب القصاص فی النفس، حدیث ۷ (۲۰۱) الوسائل ۱۸/ ۳۳۶، الباب ۲۶ من ابواب مقدمات الحدود، حدیث ۱ (۲۰۲) صحیح مسلم ۴/ ۲۰۱۸، کتاب البر والصلۃ والآداب، الباب ۲۳، حدیث ۲۶۱۳ ۔ (۲۰۳) صحیح مسلم ۴/ ۲۰۱۷، کتاب البر والصلۃ والآداب، الباب ۲۳، حدیث ۲۶۱۳ (۲۰۴) مسند احمد ۳/ ۴۰۴ (۲۰۵) الکامل ۳/ ۵۶ (۲۰۶) سورۂ حجرات۔ آیت ۱۲ (۲۰۷) سنن البیہقی ۸/ ۳۳۳، کتاب الاشربہ والحد فیہا، باب ماجاء فی النہی عن التجسس (۲۰۸) سنن البیہقی ۸/ ۳۳۳، کتاب الاشربہ والحد فیہا، باب ماجاء فی النہی عن التجسس (۲۰۹) الوسائل ۱۸/ ۴۹۷، الباب ۷ من ابواب حد السرقہ، حدیث ۲ (۲۱۰) الوسائل ۱۸/ ۴۹۸، الباب ۷ من ابواب حد السرقہ، حدیث ۳ (۲۱۱) الوسائل ۱۸/ ۴۹۷، الباب ۷ من ابوابِ حد السرقہ، حدیث ۱ (۲۱۲) دعائم الاسلام ۲/ ۴۶۶، کتاب الحدود، الفصل ۵ (ذکر القضایا فی الحدود)، حدیث ۱۶۵۵ (۲۱۳) دعائم الاسلام ۲/ ۴۶۹، کتاب السراق والمحاربین، الفصل ۱، حدیث ۱۶۶۹ (۲۱۴) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۳۶، الباب ۷ من ابواب حد السرقہ، حدیث ۱، ۲ (۲۱۵) مسند زید/ ۲۹۹، کتاب الحدود، باب حد الزانی (۲۱۶) بحار الانوار ۴۰/ ۲۷۷، تاریخ امیر المومنین، الباب ۹۷ (باب قضایاہ.........)، حدیث ۴۱ (۲۱۷) الجعفریات (المطبوع مع قرب الاسناد)/ ۱۲۲ (۲۱۸) سنن ابو داؤد ۲/ ۴۴۸، کتاب الحدود، باب فی الامتحان بالضرب (۲۱۹) سنن النسائی ۸/ ۶۶، کتاب قطع السارق، باب امتحان السارق بالضرب والحبس (۲۲۰) کنز العمال ۵/ ۴۰۴، کتاب الحدود من قسم الافعال، فصل فی احکامہا، حدیث ۱۳۴۳۵ (۲۲۱) بحار الانوار ۷۶/ ۲۰۳، طبعۃ ایران ۷۹/ ۲۰۳، کتاب النواہی، الباب ۹۴ باب النہی عن التعذیب، حدیث ۱ (۲۲۲) کتاب، علی امام المتقین ۲/ ۳۶۹ (۲۲۲۔ الف) دستور الجمہوریۃ الاسلامیۃ فی ایران، المادۃ ۳۸ (۲۲۳) الوسائل ۱۹/ ۱۲۱، الباب ۱۲ من ابواب دعوی القتل، حدیث ۱ (۲۲۴) سنن الترمذی ۲/ ۴۳۵، ابواب الدیات، الباب ۱۹، حدیث ۱۴۳۸ (۲۲۵) سنن ابو داؤد ۲/ ۲۸۲، کتاب الاقضیۃ، باب فی الحبس فی الدین (۲۲۶) التراتیب الاداریۃ ۱/ ۲۹۶ (۲۲۷) دعائم الاسلام ۲/ ۵۳۹، کتاب آداب القضاۃ، حدیث ۱۹۱۶ (۲۲۸) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۶۲، الباب ۱۰ من ابواب دعوی القتل، حدیث ۱ (۲۲۹) سنن البیہقی ۶/ ۵۳، کتاب

التفلیس. باب حبسہ اذا انہم .... (۲۳۰) الغارات ۱/ ۷۱ ۳ (۲۳۱) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۳/ ۱۴۸
(۲۳۲) تاریخ الطبری ۶/ ۳۴۴۳ (۲۳۳) الغارات ۱/ ۳۳۵ (۲۳۴) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۳/ ۱۲۹
(۲۳۵) الشرائع ۴/ ۲۲۷ والروایہ فی الوسائل ۱۹/ ۱۲۱. الباب ۱۲ من ابواب دعوی القتل (۲۳۶) الجواہر ۴۲/ ۲۷۷
بتصحیح آخر/ ۲۷۰ (۲۳۷) سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۸۳ (۲۳۸) المغازی للواقدی ۲/ ۶۷۲ (۲۳۹) سیرۃ ابن ہشام ۳/
۳۵۱ (۲۴۰) تاریخ الطبری ۳/ ۱۵۸۲ (۲۴۱) سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۲۶۸ (۲۴۲) سنن البیہقی ۹/ ۱۴۸. کتاب السیر. باب
الاسیر لیستطلع منہ خبر المشرکین (۲۴۳) المغازی ۱/ ۵۲ (۲۴۴) سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۴۱ (۲۴۵) الوسائل ۱۳/ ۹۰.
الباب ۸ من ابواب الدین والقرض. حدیث ۴ (۲۴۶) الوسائل ۱۵/ ۵۴۵. الباب ۱۱ من ابواب الایلاء. حدیث ۱ (۲۴۷)
الوسائل ۱۵/ ۵۴۶. الباب ۱۱ من ابواب الایلاء. حدیث ۶ (۲۴۸) الوسائل ۵/ ۳۷۶. الباب ۲ من ابواب صلاۃ الجماعۃ.
حدیث ۶ (۲۴۹) الوسائل ۱۸/ ۳۶۸. الباب ۱۶ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۵ (۲۵۰) الوسائل ۱۸/ ۳۲۸. الباب
۱۶ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۶ (۲۵۱) الوسائل ۱۸/ ۳۶۷. الباب ۱۶ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۲
(۲۵۲) الموطاء ۲/ ۱۶۹. کتاب الحدود. باب ماجاء فی من اعترف علی نفسہ بالزناء (۲۵۳) المبسوط ۳/ ۲. ۸/ ۴۰.
(۲۵۴) الموطاء ۲/ ۱۶۶. کتاب الحدود. باب ماجاء فی الرجم (۲۵۵ - ۲۵۶) الوسائل ۱۸/ ۳۳۶. الباب ۲۵ من ابواب
مقدمات الحدود. حدیث ۱- ۲ (۲۵۷) الوسائل ۱۸/ ۳۳۶. الباب ۲۴ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۴ (۲۵۸)
سنن الترمذی ۲/ ۴۳۸. ابواب الحدود. الباب ۲. حدیث ۱۴۴۷ (۲۵۹) سنن ابن ماجۃ ۲/ ۸۵۰. کتاب الحدود. الباب ۵ باب
الستر علی المومن. حدیث ۲۵۴۵ (۲۶۰) الوسائل ۱۸/ ۳۳۳. الباب ۲۰ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۲ (۲۶۱)
الوسائل ۱۸/ ۳۳۳. الباب ۲۰ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۴ (۲۶۲) الوسائل ۱۸/ ۳۳۵. الباب ۲۴ من ابواب
مقدمات الحدود. حدیث ۳ (۲۶۳) الوسائل ۱۸/ ۳۳۶. الباب ۲۶ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۱ (۲۶۴) الوسائل
۱۸/ ۳۳۷. الباب ۲۶ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۲ (۲۶۵) الوسائل ۱۸/ ۳۱۳. الباب ۴ من ابواب مقدمات
الحدود. حدیث ۱ (۲۶۶) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۲۰. الباب ۲۳ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۲ (۲۶۷) مستدرک
الوسائل ۳/ ۲۲۰. الباب ۲۳ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۵ (۲۶۸) الوسائل ۱۸/ ۳۳۱. الباب ۱۸ من ابواب
مقدمات الحدود. حدیث ۱ (۲۶۹_۲۷۰) الوسائل ۱۸/ ۳۳۱. الباب ۱۸ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۳ (۲۷۱)
الوسائل ۱۸/ ۳۳۱. الباب ۱۸ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۴ (۲۷۲) المقنعہ/ ۱۲۳ (۲۷۳) النہایۃ/ ۶۹۶
(۲۷۴) الکافی/ ۴۰۷ (۲۷۵) الجوامع الفقہیہ/ ۵۶۰ (۲۷۶) سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۳۴ (۲۷۷) سورۂ مائدہ۔
آیت ۱۳ (۲۷۸) سورۂ اعراف۔ آیت ۱۹۹ (۲۷۹) سورۂ حجر۔ آیت ۸۵ (۲۸۰) سورۂ مومنون۔ آیت ۹۶ (۲۸۱)
سورۂ مزمل۔ آیت ۱۰ (۲۸۲) الکافی ۲/ ۱۰۸. کتاب الایمان والکفر. باب العفو. حدیث ۵ (۲۸۳) الکافی ۲/ ۱۰۸. کتاب
الایمان والکفر. باب العفو. حدیث ۶ (۲۸۴) الکافی ۲/ ۱۰۸. کتاب الایمان والکفر. باب العفو. حدیث ۹ (۲۸۵) نہج البلاغہ.
فیض/ ۹۹۳. عبدہ ۳/ ۹۳- ۹۴. لح/ ۴۲۷- ۴۲۸. مکتوب ۵۳ (۲۸۶) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۱۱۲. عبدہ ۳/ ۱۶۴. لح- /

۸۷۴. حکمت ۵۲. (۲۸۷) نہج البلاغہ. فیض/۱۰۹۵. عبدہ ۳/ ۱۵۵. لح/ ۱۷۴. حکمت ۱۹ (۲۸۸) الغرر والدرر ۲/ ۲۶۰.
حدیث ۲۵۵۰ (۲۸۹) شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید ۱/ ۲۳ (۲۹۰) الخصال /۵۶۷ الجزء ۲ (۲۹۱) تحف العقول/ ۳۱۹
(۲۹۲) بحار الانوار ۶۸/ ۴۲۳ ۳۲۴ طبعۃ ایران ۷۱/ ۴۲۳. کتاب الایمان و الکفر۔ مکارم الاخلاق. الباب ۹۳. حدیث ۹۳
(۲۹۳) الغرروالدرر ۱/ ۲۳۰. حدیث ۹۲۴ (۲۹۴) الغرروالدرر ۲/ ۴. حدیث ۱۵۶۶ (۲۹۵) الغرروالدرر ۲/ ۱۹۷.
حدیث ۲۳۶۴ (۲۹۶) الغرروالدرر ۳/ ۳۱۴. حدیث ۴۵۶۶ (۲۹۷) الغرر والدرر ۶/ ۳۰۶. حدیث ۱۰۳۴۳ (۲۹۸)
الغرر والدرر ۲/ ۲۱۵. حدیث ۲۴۲۰ (۲۹۹) الغرر والدرر ۲/ ۴۴۴. حدیث ۳۲۳۰ (۳۰۰) الغرر والدرر ۴/ ۱۶۵.
حدیث ۵۶۸۵ (۳۰۱) الغرر والدرر ۴/۵۱۷. حدیث ۶۸۱۵ (۳۰۲) الغرر والدرر ۶/۶۸. حدیث ۹۵۴۱ (۳۰۳) الغرر
والدرر ۴/۱۷۵. حدیث ۵۷۳۵ (۳۰۴) الغرر والدرر ۲/۱۴۲. حدیث ۲۱۱۲ (۳۰۵) الغرر والدرر ۳/۳۷۵. حدیث
۴۷۹۲ (۳۰۶) الغرر والدرر ۴/ ۲۷۳_ ۲۷۴. حدیث ۶۰۴۴_ ۶۰۴۵ (۳۰۷) الغرر والدرر ۴/ ۳۲۴. حدیث ۹۲۱۵
(۳۰۸) الغرر والدرر ۴/۵۷۹. حدیث ۵۰۵۲ (۳۰۹) الغرر والدرر ۵/۳۰۷. حدیث ۸۴۹۹ (۳۱۰) الغرر والدرر
۶/۳۷. حدیث ۲۴۰۰ (۳۱۱) الغرر والدرر ۳/ ۳۷۳. حدیث ۴۷۸۸ (۳۱۲) الغرر والدرر ۶/۴۲۷. حدیث ۱۰۸۸۰
(۳۱۳) الغرر والدرر ۴/ ۷۳. حدیث ۵۳۴۲ (۳۱۴) بحار الانوار ۷۵/ ۱۱۵ طبعۃ ایران ۷۸/ ۱۱۵. کتاب الروضۃ. الباب
۱۹. باب مواعظ الحسنؑ. حدیث ۱۱ (۳۱۵) سنن البیہقی ۸/ ۲۴۱. کتاب الحدود. باب من اصاب ذنباً دون الحد ثم تاب .....
(۳۱۶) سنن البیہقی ۸/ ۲۴۱. کتاب الحدود. باب من اصاب ذنباً دون الحد ثم تاب ..... (۳۱۷) الوسائل ۱۱/ ۵۳۵.
الباب ۶ من ابواب فعل المعروف. حدیث ۳ (۳۱۸) سنن ابو داؤد ۲/ ۴۵. کتاب الجہاد. باب حکم الجاسوس اذا کان مسلما
(۳۱۹) احکام السلطانیہ /۲۳۷ (۳۲۰) معالم القربتہ /۱۹۲ طبعۃ مصر/ ۲۸۶ (۳۲۱) الوسائل ۱۸/ ۳۱۵. الباب ۷ من
ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۱ (۳۲۲) الوسائل ۱۸/ ۳۱۵. الباب ۷ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۲ (۳۲۳)
الوسائل ۱۸/ ۳۱۶. الباب ۷ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۳ (۳۲۴) الجواہر ۴۱/ ۳۴۴ (۳۲۵) الوسائل
۱۸/ ۳۲۱. الباب ۱۳ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۴ (۳۲۶) الوسائل ۱۸/ ۳۲۲. الباب ۱۳ من ابواب مقدمات
الحدود. حدیث ۵ (۳۲۷) الوسائل ۱۸/ ۳۲۲. الباب ۱۳ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۷ (۳۲۸) الوسائل
۱۸/ ۳۲۳. الباب ۱۳ من ابواب مقدمات الحدود. حدیث ۸ (۳۲۹) النہایۃ /۷۰۱ (۳۳۰) الشرائع ۴/ ۱۵۶ (۳۳۱)
الوسائل ۱۸/ ۳۶۹. الباب ۱۱ من ابواب حد الزنا. حدیث ۱ (۳۳۲) الوسائل ۱۸/ ۳۶۹. الباب ۱۱ من ابواب حد الزنا.
حدیث ۲ (۳۳۳) الوسائل ۱۸/ ۳۶۹. الباب ۱۱ من ابواب حدالزناء حدیث ۳ (۳۳۴) الوسائل ۱۸/ ۳۷۰. الباب ۱۱
من ابواب حد الزنا. حدیث ۴ (۳۳۵) الوسائل ۱۸/ ۳۷۰. الباب ۱۱ من ابواب حد الزنا. حدیث ۶ (۳۳۶) الوسائل
۱۸/ ۴۴۹. الباب ۱۵ من ابواب حد القذف. حدیث ۵ (۳۳۷) الوسائل ۱۸/ ۳۷۰. الباب ۱۱ من ابواب حد الزنا. حدیث
۹ (۳۳۸) الوسائل ۱۸/ ۳۷۰. الباب ۱۱ من ابواب حد الزنا. حدیث ۸ (۳۳۹) الوسائل ۱۸/ ۳۷۰. الباب ۱۱ من
ابواب حد الزنا. حدیث ۷ (۳۴۰) دعائم الاسلام ۲/ ۴۵۱. کتاب الحدود. الفصل ۲. حدیث ۱۵۸۰ (۳۴۱) مستدرک

الوسائل ۳/ ۲۲۳. الباب ۹ من ابواب حدود الزناء حدیث ۳ (۳۴۲) الشرائع ۴/ ۱۵۷ (۳۴۳) سنن ابو داؤد ۲/ ۴۷۶. کتاب الحدود. باب فی ضرب الوجہ فی الحد (۳۴۴) سنن البیہقی ۸/ ۳۲۷. کتاب الاشربۃ والحد فیہا. باب ماجاء فی صفت السوط والضرب (۳۴۵) المصنف ۷/ ۳۷۰. باب ضرب الحدود. حدیث ۱۳۵۱۷ (۳۴۶) سنن البیہقی ۸/ ۳۲۶. کتاب الاشربۃ والحد فیہا. باب ماجاء فی صفت السوط والضرب (۳۴۷) المصنف ۷/ ۳۶۹. باب ضرب الحدود. حدیث ۱۳۵۱۵ (۳۴۸) سنن البیہقی ۸/ ۳۲۶. کتاب الاشربۃ والحد فیہا. باب ماجاء فی صفۃ السوط والضرب (۳۴۹) معالم القربۃ/ ۱۸۴_ ۱۸۵_ ۱۹۳ _ ۱۹۴ طبعۃ مصر ۲۷۷_ ۲۷۸، ۲۸۷ (۳۵۰) احکام السلطانیہ/ ۲۳۸_ ۲۳۹ (۳۵۱) المبسوط ۸/ ۶۹ (۳۵۲) الشرائع ۴/ ۱۶۸. القواعد ۲/ ۲۶۲ (۳۵۳) الکافی لابی الصلاح/ ۴۱۶_ ۴۲۰ (۳۵۴) الشرائع ۴/ ۱۴۷ (۳۵۵) الوسائل ۱۷/ ۲۲۲. الباب ۱ من ابواب الاشربۃ المحرمۃ. حدیث ۵ (۳۵۶) القواعد والفوائد ۲/ ۱۴۲_ ۱۴۴. نضد القواعد/ ۴۷۲_ ۴۷۳ (۳۵۷) نضد القواعد/ ۴۷۳ (۳۵۸) احکام السلطانیہ/ ۲۳۶_ ۲۳۸

ساتویں فصل

قیدخانوں کے احکام اور ان کے آداب

اس میں بحث کی کئی جہات ہیں۔

پہلی جہت۔ لغت کے لحاظ سے قیدخانہ کا مفہوم۔

یاد رہے کہ قید کے معنی و مفہوم کو بہت سے الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً سجن، حبس، وقف، ایقاف، حصر، اثبات، اقرار، امساک اور ایسے ہی اور الفاظ بھی ہیں، لیکن ان میں زیادہ مشہور و معروف پہلے دو لفظ ہیں: سجن۔ حبس

پس ہم ان دونوں کے معانی و مفاد کے سلسلے میں اہل لغت کی گفتار نقل کرتے ہیں۔

۱۔ راغب نے مفردات میں کہا ہے: السجن: قیدخانے میں بند کرنا اور "رب السجن احب الی" کو سین کی زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اور کہا لیسجننہ حتیٰ حین، ودخل معہ السجن فتیان ــــ اس کو ایک وقت تک ضرور قیدخانہ میں رکھوں گا، اس کے ساتھ قیدخانہ میں دو نوجوان داخل ہوئے۔ (۱)

۲۔ اس نے یہ بھی کہا ہے: احبس کا معنی نکلنے سے روکنا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: تحبسونھما من بعد الصلاۃ نماز کے بعد ان دونوں کو جانے سے روکے رکھو، حبس پانی کے اس حوض کو کہتے ہیں جو اسے روکے رہے۔ (۲)

۳۔ الصحاح میں ہے: السجن کا معنی ہے روکنا، اور سجن زبر کے ساتھ مصدر ہے سجنہ یسجنہ یعنی اسے روک لیا۔ (۳)

۴۔ اسی کتاب میں ہے: حبس، تخلیہ کی ضد ہے حبستہ واحتبستہ کا معنی ایک ہی اور احتبس خود متعدی ہے اسے کسی حرف سے متعدی نہیں کیا جاتا اور تحبس علی کذا کا معنی ہے اس نے اپنے آپ کو روک رکھا۔ (۴)

۵۔ القاموس میں ہے: سجنہ کا معنیٰ حبسہ ہے اور غم نے اسے پراگندہ نہیں ہونے دیا، السجن زیر کے ساتھ قیدخانہ ہے اور قیدی کو سجان، سجین اور مسجون کہا جاتا ہے۔

۶۔ اسی کتاب میں ہے: الحبس کا معنی ہے روکنا مثل محبس کے جو بروزن مقعد ہے۔ حبسہ، یحبسہ، اس کو منع کیا، اس کو منع کرتا ہے۔ (۵)

۷۔ لسان العرب میں ہے: السجن قید، السجن زیر کے ساتھ مصدر ہے۔ سجنہ یسجنہ سجناً یعنی اس کو بند کر دیا، سجان، رجل سجین، مسجون کا معنی قیدی ہے، یہ الفاظ عورت کے لئے بغیر ھا کے استعمال ہوتے ہیں۔ (۶)

۸۔ اسی کتاب میں ہے: حبسہ یحبسہ حبساً فھو محبوس وحبیس واحتبسہ وحبسہ اس کو سامنے سے روک لیا اور حبس ضد ہے تخلیہ کی جس کا معنی راستہ چھوڑ دینا ہے، احتبسہ واحتبس خود متعدی ہے کسی اور سے متعدی نہیں ہوتا، حبس، محبسۃ ومحبس اس جگہ کا نام ہے جہاں کسی کو بند کیا جائے۔ (۷)

ان سب کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سجن و حبس ہر دو الفاظ کا مفاد کسی شخص کو بند کر دینا اور باہر نکلنے اور آزادانہ سرگرمیوں سے روکنا ہے۔ پس جگہ، وسائل اور خصوصیات کا اس میں دخل نہیں ہے۔ اہم چیز کسی شخص کا ممنوع و مقید ہو جانا ہے۔
الخطط المقریزیہ میں ہے۔ شرعی حبس کسی تنگ جگہ میں قید ہونا نہیں ہے بلکہ وہ کسی شخص کو خود بخود تصرف کرنے سے روک دینا ہے ـــــ چاہے وہ کسی کمرے میں ہو یا مسجد میں یا خود فریق مخالف اس کی نگرانی کرے یا اس کا وکیل کہ جو اسے لازم پکڑے رہے۔ اسی لئے نبی کریمؐ نے ایسے شخص کو اسیر کہا ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ہرماس بن حبیب سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے بیان کیا: "میں اپنے ایک مقروض کو لے کر نبی اکرمؐ کے پاس آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اس کو لازم پکڑے رہو۔ پھر مجھ سے کہا۔ اے بنی تمیم کے بھائی! اپنے اسیر کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ پھر نبی کریمؐ دن کے آخر میں میرے قریب سے گزرے تو فرمایا۔ اے بنی تمیم کے بھائی! تمہارے اسیر کا کیا بنا؟

حضرت رسولؐ اور ابو بکر بن قحافہ کے عہد میں یہی قید ہوا کرتی تھی اور کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ لیکن عمر بن خطاب کے زمانے میں جب رعیت بڑھ گئی تو صفوان بن امیہ سے مکہ میں ایک مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اسے قید خانہ بنایا کہ جس میں مجرموں کو بند کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا امام و حاکم کو قید خانہ بنانا چاہئے؟ اس میں دو اقوال ہیں ـــــ جنہوں نے کہا کہ امام قید خانہ نہ بنائے تو انہوں نے رسول کریمؐ اور ان کے مابعد خلیفہ کے دور میں قید خانہ کے نہ ہونے سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ ان کے عہد میں مجرم کو کسی مکان میں روک لیتے تھے یا اس پر کوئی نگران مقرر کر دیتے تھے اور اسے ترسیم کا نام دیا گیا یا قرض خواہ اپنے غلام کو حکم دیتا کہ اسے لازم پکڑے رہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ امام کو قید خانہ بنانا چاہئے تو انہوں نے عمر بن خطاب کے قول و عمل کو حجت بنایا ہے۔
رسول کریمؐ، خلفائے ثلاثہ اور حضرت علیؓ کے عہد میں یہی طریقہ جاری رہا کہ قرضوں میں کسی کو قید نہیں کیا جاتا تھا بلکہ خصمین و فریقین ایک دوسرے کو لازم پکڑے رہتے۔ جس نے سب سے پہلے قرضہ کے معاملے میں کسی کو قید کیا وہ قاضی شریح تھا۔

جو قید خانہ موجودہ دور میں نظر آتا ہے وہ مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک جائز و درست نہیں ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ بہت سے افراد کو ایک تنگ جگہ میں رکھا جاتا ہے اور وہ لوگ وہاں وضو کرنے اور نماز پڑھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس میں پردہ نہیں ہو سکتا اور وہ ایک دوسرے کی شرمگاہیں دیکھنے پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں۔ گرمیوں میں ان کو گرمی سے اذیت پہنچتی ہے اور سردیوں میں سردی انہیں دکھ دیتی ہے۔ ان میں اکثر کی قید ایک سال کی ہوتی ہے اور بعض کی قید کے لئے کوئی حد ہی مقرر نہیں ہوتی اور وہ دراصل ضمان و حوالگی کے لئے قید میں رکھے جاتے ہیں۔ (۸)
میں کہتا ہوں ـــــ جو کچھ یہاں ذکر ہوا ہے اس کے قریب قریب التراتیب الاداریہ میں احکام السلطانیہ ماوردی سے نقل ہوا ہے لیکن مجھے اس میں یہ مضمون نہیں مل سکا۔ تاہم جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے وہ عمدہ اور متین کلام ہے کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ حبس وقید کے مفہوم میں کسی خاص جگہ کا کوئی دخل نہیں ہے اور اس کے مقصود کے ساتھ بھی کسی مخصوص جگہ کی کوئی

نسبت نہیں ہے. لیکن جو حبس وقید ہمارے آج کے زمانے میں رائج ہے تو اس کی بہت سی صورتیں انسان اور انسانیت پر ظلم کا حکم رکھتی ہیں اور وہ عقل و شریعت کے اصولوں کے خلاف ہیں. اسے یاد رکھیں۔

التراتیب الادار یہ میں ہے. امام ابو عبداللہ بن فرج مولیٰ ابن الطلّاع نے کتاب الاقضیہ میں کہا اہل علم نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ حضرت رسولؐ اور خلیفہ ابو بکر نے کبھی کسی کو قید کیا یا نہیں؟ بعض کا قول ہے کہ نہ تو رسول اکرمؐ نے کسی کو قید کیا اور نہ آپ کے عہد میں کوئی قید خانہ تھا. بعض نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ میں ایک شخص کو تہمت کی بناء پر قید کیا تھا. اس کو عبدالرزاق اور نسائی نے اپنی اپنی کتابوں میں بہزبن حکیم سے اس کے باپ سے اور اس کے دادا سے روایت کیا ہے. نیز ابو داؤد نے بھی مذکورہ راوی سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے میرے قبیلے کے کچھ افراد کو خون کی تہمت میں قید کیا تھا......

قاضی ابن الازرق نے اپنی کتاب بدائع المسلک میں ابن فرحون کے واسطہ سے ابن القیم جوزیہ سے نقل کیا ہے کہ شرعی قید خانہ تنگ و تاریک زندان نہیں ہے بلکہ وہ تو کسی شخص کو تصرف کرنے سے منع کرنا اور روکے رکھنا ہے. پس وہ کسی کمرے میں یا مسجد میں یا قرض خواہ اسے لازم پکڑے رہے اور اسی لئے نبی کریمؐ نے اس کا نام اسیر رکھا ہے۔ (۹)

میں کہتا ہوں ــــــ مخفی نہ رہے کہ کسی شخص کی آزادی اور بغیر رکاوٹ کے نقل و حرکت کرنے میں خود اس کے لئے اور اس کے متعلقین کے لئے بہت سے فائدے اور برکتیں ہوتی ہیں اور بعض اوقات اس میں نقصان اور ضرر بھی ہوتے ہیں. پس کسی شخص کے از خود باہر نکلنے اور آزادی سے کچھ کرنے میں دو متضاد اثرات مرتب ہوتے ہیں. اگر اس کی قید پہلے مقصد سے روکنے کے لئے ہو تو وہ حد و تعزیر سے تعلق رکھتی ہے اور اگر دوسرے پہلو سے روکنے اور منع کرنے کے لئے قید کیا جائے تو وہ شر و بدی کو ہٹانے اور ظلم کو دور کرنے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے ہوگی. شائد اسلامی شریعت بلکہ خدا کی تمام شریعتوں میں قید کے موارد قسم ثانی ہی سے تھے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

دوسری جہت۔ جواز حبس وقید کا اجمالی ذکر۔

حبس وقید چاروں ادلہ کی بناء پر مشروع و جائز ہے. جہاں تک خدا کا تعلق ہے تو علماء نے اس کی کئی آیات سے اس پر استدلال کیا ہے۔

ان آیات میں سے ایک یہ ہے:

انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتّلوآ اویصّلبوا اوتقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف اوینفوا من الارض - (۱۰)

”جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے لڑتے بھڑتے ہیں ان کی سزا بس یہی ہے کہ (چن چن کر) مار ڈالے جائیں یا انہیں سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں ادل بدل کر (ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں) کاٹ دیئے جائیں یا انہیں اپنی سرزمین سے نکال دیا جائے“

یہاں بہت سے مفسرین اور فقہاء نے نفی کی تفسیر حبس وقید سے کی ہے اور بعض روایات میں بھی یہی تفسیر مذکور ہے. ہم ان میں سے نمونہ کے طور پر چند روایات پیش کرتے ہیں:

۱۔ طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا ہے: ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب نے کہا ہے کہ نفی وہی حبس وقید ہے اور انہوں نے یہ حجت پیش کی ہے کہ قیدی ایسا ہی ہوتا ہے جیسے دنیا سے نکال دیا گیا ہو جب کہ وہ کسی چیز پر تصرف نہ رکھتا ہو اور اس کے اور اس کے اہل و عیال میں دوری اور رکاوٹ پیدا کر دی گئی ہو. اس کے ساتھ ہی وہ بہت سی سختیاں اور تکلیفیں بھی اٹھاتا ہے۔ جیسا کہ بعض قیدیوں کا قول اس شعر میں ہے:

ہم دنیا سے نکلے ہوئے ہیں جب کہ ہم اس کے اہل میں سے ہیں پس یہاں ہم نہ زندوں میں ہیں نہ مردوں میں ہیں جب کسی روز قید خانے کا داروغہ ضرور تاً ہمارے پاس آتا ہے اس وقت ہم تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دنیا سے آیا ہے (۱۱)

۲۔ کاشانی نے بدائع الصنائع میں نخعی سے اس روایت کے قریب قریب حکایت کی ہے. پس اس کی طرف مراجعہ کریں۔ (۱۲)

۳۔ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں کہا ہے: اوینفوا من الارض "یا انہیں زمین سے نکال دیا جائے" پس اہل تاویل نے اس بارے میں چار اقوال کی صورت میں اختلاف کیا ہے۔

پہلا قول

انہیں مسلمانوں کے شہروں سے مشرکوں کے شہروں کی طرف جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ مالک بن انس، حسن، قتادہ اور زہری کا قول ہے۔

دوسرا قول

انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال دینا ہے. یہ عمر بن عبدالعزیز اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔

تیسرا قول

انہیں حبس وقید میں ڈالا جائے. یہ ابو حنیفہ اور مالک کا قول ہے۔

چوتھا قول

انہیں حدود قائم کرنے کے لئے طلب کیا جائے اور پھر دور کر دیا جائے. یہ ابن عباس اور شافعی کا قول ہے۔ (۱۳)

۴۔ المدونۃ الکبریٰ فی فتاویٰ مالک بن انس میں ہے: مالک نے کہا ہے کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو لاٹھی یا کوئی اور چیز لے کر نکلتے ہیں اور انہیں اسی حالت میں پکڑ لیا جاتا ہے جب کہ انہوں نے نہ راستے میں خوف پیدا کیا. نہ کسی کا مال لیا اور نہ کسی کو قتل کیا ہے. پس اگر اس کا مواخذہ آسان طریقے سے کیا جائے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا. میں نے کہا کہ مالک کے نزدیک آسان طریقہ کیا ہے؟ اس نے کہا زیادہ آسان اور خفیف یہ ہے کہ اسے کوڑے لگائے جائیں اور جلاوطن

کر کے وہاں قید میں رکھا جائے...... میں نے کہا جلاوطنی کے ساتھ اس کو کتنی مدت تک قید کیا جائے؟ اس نے کہا اتنی مدت تک قید رکھا جائے کہ اس کی توبہ کا حال معلوم ہو جائے۔ (۱۴)

۵۔ فقہ شافعی کی کتاب المنہاج کے باب قاطع الطریق (راہزن) میں ہے کہ اگر امام و حاکم کو ایسے گروہ کا پتہ چلے جو راستے میں خوف و خطر کا موجب بنا ہوا ہو لیکن نہ کسی کا مال چھینتے ہیں اور نہ کسی کو جان سے مارتے ہیں تو وہ انہیں قید کر کے یا کسی اور طرح تعزیر لگائے گا۔ (۱۵)

ظاہر یہ ہے کہ اس نے اور ایسے ہی دوسرے لوگوں نے یہ حکم سورۂ مائدہ کی اسی آیت میں مذکور لفظ نفی کو قید و بند کے معنی میں تصور کرتے ہوئے اخذ و اختیار کیا ہے۔ اسے یاد رکھیں۔

۶۔ الوسائل میں ابو جعفر محمدؑ بن علی رضاؑ سے عیاشی کی روایت میں ہے: پس اگر وہ صرف راستے میں خطرہ پیدا کریں، نہ کسی کا مال چھینیں نہ کسی کو قتل کریں تو انہیں قید میں ڈال دیا جائے کیونکہ راستے میں خوف پیدا کرنے پر زمین سے ان کی نفی کا یہی معنی ہے۔ (۱۶)

۷۔ مسند زید بن علیؑ میں ہے: مجھ سے حدیث بیان کی زید بن علی نے اپنے والد گرامیؑ سے اپنے جد امجد سے کہ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: جب چور راستے میں خطرہ پیدا کریں اور ہتھیار لے کر پھریں لیکن نہ کسی کا مال چھینیں نہ کسی مسلمان کو قتل کریں، اگر وہ پکڑے جائیں تو انہیں قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ مرجائیں اور زمین سے ان کو نفی کرنے کا یہی معنی ہے۔ (۱۷)

میں کہتا ہوں ____ بعض اوقات اس کی توجیہہ میں کہا جاتا ہے کہ درحقیقت زمین سے نفی کرنا تو ممکن نہیں ہے، کیونکہ اسے جہاں بھی بھیجا گیا لامحالہ وہ زمین ہی کا ایک حصہ ہوگا۔ پس اس سے مراد یہ ہے کہ اسے اس طرح قرار دیا جائے کہ زندہ لوگوں کی طرح تصرف نہ کر سکے تو لازماً یہ چیز حبس و قید پر منطبق ہوگی۔ اس معنی و مطلب کی طرف مجمع البیان میں بھی اشارہ کیا گیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ علاوہ ازیں نفی کا مقصد اور غرض کہ جو اس کا اپنے اہل و عیال اور اپنے شہر والوں سے کٹ جانا ہے وہ قید ہی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ غور کریں۔

لیکن ہمارے بیشتر اصحاب امامیہ نے اس مقام پر حبس و قید کا فتویٰ نہیں دیا۔ شیخ طوسی نے نہایہ میں منقولہ فتاویٰ نقل کرتے ہوئے کہا ہے: اگر وہ شخص کسی کو زخم نہ لگائے اور نہ کسی کا مال چھینے تو اس کے خلاف یہ کارروائی کرنا واجب ہے کہ اسے اس شہر سے جلاء وطن کیا جائے جہاں اس نے خوف و خطرہ پیدا کرنے کا وطیرہ اختیار کیا ہو۔ پس اسے کسی اور شہر میں بھیجا جائے اور اس سے شہر والوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ محارب و ڈاکو ہے اور اسے جلاء وطن کیا گیا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ نہ کھاؤ پیو، نہ اس سے خرید و فروخت کرو اور نہ اس کے ساتھ اٹھو بیٹھو۔ (۱۸)

ہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس پر روا رکھی جانے والی اس تنگی و سختی کو قید کا نام دیا جائے۔

الخلاف میں کتاب قطاع الطریق مسئلہ ۳ میں کہا ہے: ہم بیان کر چکے ہیں کہ محارب و ڈاکو کا زمین سے نفی کرنا یہ ہے کہ اسے اس کے شہر سے نکال دیا جائے اور پھر اسے کبھی شہر میں اطمینان نہ پکڑنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ اگر و:

مشرکوں کے شہر میں جانے کا ارادہ کرے اور وہ اسے وہاں داخل ہونے کا موقع دیں تو ان سے جنگ کی جائے. ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اس کی نفی یہ ہے کہ اسے اس کے شہر میں قید کیا جائے. ابو العباس بن سریج نے کہا ہے کہ اس کے اپنے شہر کے سوا کسی دوسرے شہر میں قید کیا جائے۔

اس میں ہماری دلیل اپنے فرقے کا اجماع اور اخبار و روایات ہیں۔ (۱۹)

جہاں تک میں نے دیکھا ہے **مقنعہ** اور شرائع میں بھی حبس وقید کا ذکر نہیں ہوا. البتہ المبسوط میں اس کا تذکرہ ہوا ہے. ایک گروہ نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص ہتھیار تانے رکھے اور راستے میں رہزنی کا خوف پیدا کر دے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر امام اس پر قابو پائے تو تعزیر کے طور پر اسے شہر سے نکال دے اور دوسرے شہر میں **قید** کرے. ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ دوسرے شہر میں **قید** (نہ ـ ظ) کیا جائے. یہ ہمارا موقف ہے اگرچہ ہمارے اصحاب نے روایت کی ہے کہ اسے اس کے شہر میں نہ رہنے دیا جائے بلکہ تمام اسلامی شہروں سے خارج کیا جائے ...... (۲۰)

ابو الصلاح نے الکافی میں کہا ہے. اگر ڈاکو کسی کو قتل نہ کریں اور کسی کا مال نہ چھینیں تو بھی انہیں زمین سے نفی کیا جائے. وہ **قید** کی صورت میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال دینے سے ہوتی ہے۔ (۲۱) اسے یاد رکھیں۔

یہ مسئلہ محل اشکال ہے مگر یہ کہا جائے کہ نفی یہاں تعزیر کی ایک صورت ہے جیسا کہ الخلاف. المبسوط اور دوسری کتب میں اس کی تعبیر کی گئی ہے. پس تعزیر کے تمام موارد میں حاکم کو اختیار ہے کہ اگر وہ اس میں بہتری دیکھے تو **قید** کا حکم دے یا یہ کہا جائے کہ اخبار و فتاویٰ میں جو سزائیں مذکور ہیں وہ سب نفی کی مختلف صورتیں ہیں لہذا دیگر سزاؤں کے ساتھ حبس و **قید** کا حکم دینے کا جواز کوئی منافات نہیں رکھتا. پس غور کریں۔

۲۔ حبس و**قید** کے سلسلہ میں وارد آیات میں سے ایک یہ ہے:

واللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم، فان شهدوا فامسکوهن في البیوت حتی یتوفاهن الموت اویجعل الله لهن سبیلاً - (۲۲)

"اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کی بدکاری پر اپنے لوگوں میں سے چار کی گواہی لو پھر اگر چاروں گواہ اس کی تصدیق کریں تو (ان کی سزا یہ ہے کہ) ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا خدا ان کی کوئی (دوسری) راہ نکالے۔"

مفسرین اور فقہاء نے اس آیت میں امساک (روک رکھو) کی تفسیر حبس وقید سے کی ہے اور زیادہ تر اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں. ان کے پیش نظر وہ ادلہ ہیں جو کوڑے لگانے اور سنگسار کرنے کے بارے میں ہیں. انہوں نے کہا کہ یہ دونوں وہ سبیل و راہ ہیں جو ان عورتوں کے لئے قرار دیئے گئے ہیں۔

طبرسی نے مجمع البیان میں کہا ہے. انہیں گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کو ختم کر دے. وہ گھروں میں مرجائیں. آغاز اسلام میں جب کوئی عورت بدکاری کرتی اور اس پر چار گواہ قائم ہو جاتے تو وہ ہمیشہ کے لئے گھر میں بند کر دی جاتی تھی. پھر شادی شدہ افراد کی سنگساری اور غیر شادی شدہ افراد کو کوڑے لگانے کی سزاؤں کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہو گیا. "یا خدا ان

کے لئے کوئی راستہ قرار دے "۔ اس کے بارے میں علماء نے کہا ہے کہ جب "بد کار عورت اور بد کار مرد میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ" کا حکم نازل ہوا تو نبی کریمؐ نے فرمایا "یہ مجھ سے حاصل کر لو" بے شک اللہ نے ان کے لئے راستہ قرار دیا ہے کہ کنوارا کنواری سے بد کاری کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا ہے. اگر شادی شدہ کسی شادی شدہ سے بد کاری کرے تو سو کوڑے اور سنگسار کرنا ہے"۔ (۲۳)

۳۔ اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد ہوا.

یایها الذین آمنوا شهادة بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیة اثنان ذوا عدل منکم او آخران من غیرکم ان انتم ضربتم في الارض فاصابتکم مصیبة الموت، تحبسونهما من بعد الصلوٰة فیقسمان باللّٰه ان ارتبتم لانشتري به ثمناً ولو کان ذا قربٰی ولا نکتم شهادة اللّٰه انا اذاً لمن الآثمین – (۲۴)

"اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی (کے سر) پر موت آ کھڑی ہو تو وصیت کے وقت تم (مومنوں) میں سے دو عادلوں کی گواہی ہونی ضروری ہے اور اگر اتفاقاً کہیں کا سفر کرو اور (سفر ہی میں) تم کو موت کی مصیبت کا سامنا ہو تو (بھی) دو گواہ غیر (مومن) ہی سہی اور اگر تمہیں شک ہو تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو پھر وہ دونوں خدا کی قسم کھائیں کہ ہم اس (گواہی) کے عوض کچھ دام نہیں لیں گے (اگرچہ ہم جس کی گواہی دیتے ہیں ہمارا عزیز ہی (کیوں نہ) ہو اور ہم خدا لگتی گواہی نہ چھپائیں گے اگر ایسا کریں تو بے شک ہم گنہگار ہیں"۔

یہ جو ان دونوں کو قسم دلانا ان دونوں کے حبس و قید کرنے کی فرع قرار دیا گیا ہے تو اس کا ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد ان کو حبس و قید کیا جانا ان کے قسم کھانے اور حق کی شہادت دینے میں مؤثر ہو گا اور شائد یہ اس بات کا شاہد ہو کہ نماز سے مراد ان دونوں کی اپنی نماز ہے۔

طبرسی نے مجمع البیان میں کہا ہے. آپ ان دونوں کو نماز عصر کے بعد حبس و قید میں رکھیں گے کیونکہ حجاز کے لوگ اس بناء پر نماز عصر کے بعد قسم کھاتے تھے. کہ اس وقت لوگوں کا اجتماع بہت زیادہ ہوتا تھا. یہی روایت ابو جعفرؑ. قتادہ. سعید بن جبیر. اور بعض دوسروں سے وارد ہوئی ہے. بعض نے کہا ہے کہ نماز ظہر ہے یا نماز عصر ہے اور یہ حسن سے مروی ہے. بعض نے کہا ہے کہ ان کے دین والوں یعنی ذمیوں کی نماز کے بعد قسم دلائی جائے گی اور یہ ابن عباس اور سدی سے مروی ہے. نیز تحبسونهما کا معنی کہ تم ان دونوں کو ٹھیراؤ گے اور کھڑا کرو گے ...... اس میں وارثوں سے خطاب ہے اور اس کا جواز بھی ہے کہ یہ خطاب قاضیوں سے امر کے طور پر ہو یعنی پس ان دونوں کو روک لو اور اسے ابن انباری نے ذکر کیا ہے۔ (۲۵)

احکام القرآن میں ابن العربی سے منقول ہے: "نماز کے بعد ان دونوں کو قید کر دو گے" اس میں ایسے شخص کو قید کرنے کی دلیل ہے جس پر کسی کا حق واجب ہو ـــــ یہ اصول حکمت میں سے ایک اصل اور احکام دین میں سے ایک حکم ہے کیونکہ جو حقوق متوجہ ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں یعنی بعض وہ ہیں جن کا فوری طور پر پورا کرنا ضروری ہے اور بعض ایسے ہیں جن کو دیر سے حاصل کرنا ممکن ہے. پس جس پر کسی کا حق ہے اگر اسے چھوڑ دیا گیا اور وہ غائب ہو گیا تو حق بے اصل ہو جائے گا. لہٰذا اس کے بغیر چارہ نہیں کہ اس سے وثیقہ لیا جائے یا کوئی اور چیز جس کی مالیت اس حق واجب کے برابر ہو. اسے رہن کہا گیا

ہے۔ یہ بہتر ہے اور اس کی تائید کی گئی ہے. دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی اور شخص اس کے بدلے میں یہ حق پورا کرنے کی ذمہ داری لے لیکن یہ پہلی صورت سے کمزور ہے. کیونکہ ممکن ہے یہ بھی روپوش ہوجائے اور اس کا ملنا مشکل ہو اور اصل آدمی کی طرح یہ بھی متعذر ہو. پس اگر دونوں کا ملنا ایک جیسا مشکوک ہو تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس شخص کو حبس و قید میں رکھ کر یقینی صورت پیدا کی جائے اور اس سے حق وصول کیا جائے. چنانچہ اگر وہ حق بدنی ہے کہ جس میں بدل قابل قبول نہیں مثل حدود و قصاص کے اور اس کا فوری طور پر پورا کیا جانا ممکن نہ ہو تو پھر اسے قید میں رکھ کر حق کے بارے میں وثوق پیدا کیا جائے اور اسی حکمت کے تحت قید و بند کی صورت رکھی گئی ہے جیسا کہ ترمذی و ابو داؤد میں مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک شخص کو تہمت کی پاداش میں قید کیا اور پھر رہا کر دیا۔ (۲۶)

۴۔ اس سلسلے میں یہ آیت بھی آئی ہے:

فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم، وخذوهم واحصروهم – (۲۷)

"پس جب حرمت کے چاروں مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ (بلا تامل) قتل کرو اور ان کو گرفتار کر لو اور ان کو قید کرو"۔

مجمع البیان میں کہا ہے. اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہیں قید کر لو اور غلام بنالو یا ان سے مال کا فدیہ لو نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں مکہ میں داخل ہونے اور اسلامی شہروں میں تصرف کرنے سے روک دو (۲۸)

میں کہتا ہوں ــــ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کتاب و سنت میں حبس (قید) سے مراد کسی شخص کو تنگ و تاریک جگہ میں بند کر دینا نہیں ہے بلکہ یہ رہا کرنے اور چھوڑ دینے کی ضد ہے. پس اس سے مراد کسی شخص کو محدود کر دینا اور باہر نکلنے اور آزادی سے تصرف کرنے سے روک دینا ہے۔ ہاں تو یہ چار آیات ہیں جن سے حبس و قید کی مشروعیت اور اس کے جواز پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

باقی رہی سنت تو اس میں جو روایات حبس و قید کے جواز پر دلالت کرتی ہیں وہ قریب تواتر بلکہ اجمالی طور پر فریقین کے ہاں متواتر ہیں. ہم ان میں سے کچھ بطور نمونہ یہاں درج کرتے ہیں اور ان میں سے بہت سی آنے والی فروع اور جہات میں آئیں گی۔

۱۔ پس خصومات اور جھگڑوں کے سلسلے میں صحیح بخاری میں اس کی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: حضرت رسولؐ نے سواروں کا ایک دستہ نجد کی طرف بھیجا اور وہ بنی حنیفہ میں سے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے جو اہل یمامہ کا سردار تھا. چنانچہ اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا. پھر جب آنحضرتؐ اس کے پاس سے گزرے تو فرمایا: اے ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا: یا محمدؐ! میرے پاس خیر و بھلائی ہے اور اس نے ایک حدیث بیان کی. اس پر آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ (۲۸ ۔ الف)

۲۔ اسی کتاب میں ہے کہ نبی اکرمؐ کے بارے میں ذکر ہوا ہے کہ "جس کے پاس (قرض ادا کرنے کے لئے) مال موجود ہو تو اس کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس کے لئے سزا کو حلال کر دیتا ہے، سفیان نے کہا ہے کہ عزت و عرض ہے

مراد اس سے یہ کہنا ہے کہ تو نے ٹال مٹول کی ہے اور اس کی عقوبت و سزا سے مراد یہ ہے کہ اسے قید کیا جائے۔ (۲۹)

اسی طرح ابو داؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے. جیسا کہ گیارہویں جہت میں مقروض کو قید کرنے کی روایات میں اس کا ذکر آئے گا۔

۳۔ ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ بہز بن حکیم سے. اس کے باپ سے اور اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم نے ایک شخص کو تہمت کی وجہ سے قید کیا تھا۔ (۳۰)

۴۔ صحیحہ عبداللہ بن سنان میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ فرمایا: ایک شخص حضرت رسولؐ کے پاس آیا اور کہا: میری ماں کسی نزدیک آنے والے کو نہیں روکتی. آپ نے فرمایا: اس کو گھر میں بند کر دو. اس نے کہا: میں نے ایسا کیا ہے.... آپ نے فرمایا کہ اس کے پاس کسی کا آنا جانا روک دو. اس نے کہا: میں نے یہ بھی کیا ہے ___ آپ نے فرمایا کہ اس کو بیڑیاں ڈال دو کیونکہ تو اس کے ساتھ اس سے بڑی نیکی نہیں کر سکتا کہ اسے خدا کے حرام کئے ہوئے کاموں سے روک دے۔ (۳۱)

صحیحہ میں جو علت و وجہ پیش کی گئی ہے اس کا عموم ہر اس شخص کے لئے قید کرنے کے اختیار کا جواز ظاہر کرتا ہے جو اس طریقے کے سوا اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کاموں سے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

۵۔ غیاث بن ابراہیم نے امام جعفر صادق سے. ان کے والد گرامی سے روایت کی ہے امیر المؤمنین قرض کے معاملوں میں قید کیا کرتے تھے. پس جب آپ پر اس شخص کا محتاج و مفلس ہونا ظاہر ہو جاتا تو اس کو چھوڑ دیتے تا کہ وہ مال حاصل کرے۔ (۳۲)

۶۔ مؤثقہ عمار میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ فرمایا: ایک شخص کو امیر المؤمنین کے پاس لایا گیا کہ جو کسی مرد کی ذات کا کفیل و ذمہ دار بنا تھا. آپ نے اسے قید کر دیا اور فرمایا کہ اب اپنے اس ساتھی کو بلاؤ۔ (۳۳)

اس مضمون پر مشتمل اور روایات بھی ہیں۔

۷۔ برقی سے. اس کے باپ سے مروی ہے کہ امیر المؤمنین نے فرمایا: امام پر واجب ہے کہ فاسق علماء. جاہل اطباء. اور مفلس کرایہ داروں کو قید و بند میں رکھے۔ (۳۴)

میں کہتا ہوں ___ اکریا جمع ہے کری جو کرائے پر دینے اور کرایہ پر لینے والے ہر دو کو شامل ہے اور شائد یہ ہر قسم کے دلالوں اور معاملات میں واسطہ بننے والوں کے لئے عام ہے۔

۸۔ حریز کی خبر میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ فرمایا: کسی کو عمر قید نہیں دی جائے گی مگر تین افراد کو اور پہلا وہ جو کسی مارے جانے والے کو پکڑے رہے یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائے. دوسرے وہ عورت جو اسلام سے مرتد ہو جائے. تیسرا وہ جو ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ جانے کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے۔ (۳۵)

یہ روایات اور ان کے علاوہ دوسری روایات ہیں جو اس جہت میں ذکر ہوں گی جس میں قید خانے اور قید کے بارے میں مضامین بیان ہوں گے اور ان روایات کے اجمالی تواتر کی طرف ہم پہلے ہی اشارہ کر چکے ہیں۔

یاد رہے کہ خبر متواتر یعنی وہ خبر و روایت جو اپنے طرق اور ان کے ذریعے خبر دینے والوں کی کثرت کے لحاظ سے اس حد

تک پہنچ گئی ہو کہ اس سے اس خبر کے صدور کا علم ویقین حاصل ہو جائے اور خبر متواتر کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم

متواتر لفظی. اس سے مراد یہ ہے کہ سبھی خبر دینے والے ایک مطلب کو ایک طرح کے الفاظ میں بیان کریں۔

دوسری قسم

متواتر معنوی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سب ایک ہی واقعہ کی حکایت کریں جو ایک خاص موقع پر پیش آیا ہو لیکن ان کے الفاظ مختلف ہوں پس وہ سارے کے سارے ایک ہی مطلب و مضمون کے ساتھ خبر نقل کریں. جیسا کہ واقعہ غدیر اور اس میں امیر المؤمنین ؑ کے نصب ہونے کو مختلف الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

تیسری قسم

متواتر اجمالی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خبر دینے والوں میں سے ہر ایک نے ایسا خاص واقعہ بیان کیا ہے جو دوسروں سے حکایت شدہ واقعات سے الگ ہے اور شائد ان میں سے ہر ایک نے کسی ایک امام سے کوئی خاص واقعہ نقل کیا ہے. لیکن اس طرح منقول واقعات کی کثرت اس علم کا موجب بنتی ہے کہ ان میں سے بعض لامحالہ سچے ہیں کیونکہ ان میں جھوٹ کا احتمال نہیں ہے. جیسا کہ اس مقام پر ہر روایت ایک خاص امام سے ایک قول میں ایک خاص مسئلہ کی حکایت کرتی ہے. لہٰذا ان روایتوں سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ سب کے سب راوی جھوٹے نہیں ہیں پس جب ان سب سے قید کی مشروعیت و جواز معلوم ہو تو لازماً یہ ثابت ہو گا اور ابواب فقہ میں اس کی نظیریں بہت زیادہ ہیں۔ باقی رہا اجماع تو اس کا دعویٰ بعض حنفی اور شافعی فقہاء نے کیا ہے جیسا کہ کتاب السجون میں اس کی حکایت کی گئی ہے۔ (۳۶)

لیکن اس بناء پر کہ یہ مسئلہ خود ہمارے قدماء کی کتابوں میں مدون نہیں تھا بلکہ بہت سے اہل سنت فقہاء کے ہاں بھی نہیں تھا تو اس میں اجماع کا انعقاد نہیں ہوا. لیکن ایک طرح سے اجماع کا دعویٰ کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور وہ اس طرح کہ یہ مسئلہ واضح ہے نیز فریقین میں سے جس فقیہ سے یہ سوال کیا جائے وہ بلاشک و شبہ اس کے حق میں فتویٰ دے گا۔ اسے یاد رکھیں۔

لیکن اس مسئلہ کے کتاب و سنت سے واضح اور ثابت ہو جانے کے بعد اس میں اجماع کی ضرورت نہیں رہی اور آپ ہمارا یہ موقف اچھی طرح جان چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک اجماع کی بطور اجماع کوئی حیثیت نہیں بلکہ اس کی حجیت اس بناء پر ہے کہ اس سے نبی کریم ؐ وائمہ اطہار ؑ کے قول کا علم حاصل ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ مسئلہ اسی طرح بیان فرمایا ہے. پس جب ہمارے نزدیک مکشوف بذاتہ قطعی ہے تو پھر کشف اور کاشف کی ضرورت نہیں ہے. غور کریں۔

جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ وہ نظام کی حفاظت. حقوق کی نگہداری اور عوامی مفادات کے

بچاؤ کا حکم لگاتی ہے. ظاہر ہے کہ یہ مقصد عادل مطاع (اطاعت کی گئی) اور مقتدر حکومت کے علاوہ حاصل نہیں ہوتا کہ جو مصالح و مفادات کو قائم رکھے. ظالموں کی کوششوں کو ناکام کرے اور مجرموں اور جنایت کاروں کو حبس و قید میں رکھے. اگرچہ اس میں محبوس اور قیدی کے لئے ضرر و نقصان ہے اور اسے قید میں رکھنا لوگوں کی اپنے کاموں میں آزادی اور اختیار کے منافی ہے لیکن اس کو کھلا چھوڑ دینا بھی امن عامہ کے لئے شدید خطرے اور عام لوگوں کے حقوق کی تلفی کا باعث ہے. پس عقل سلیم حکم کرتی ہے کہ عمومی مفادات کو ایک فرد کے مفاد پر مقدم رکھنا واجب ہے. جب کہ جنایت کار اور مجرم کی قید انہی حقوق و مفادات کی حفاظت اور ان کو اس کے شر و فساد سے بچانے کے لئے ہے. پس ہر وہ چیز کہ جس کا حکم عقل دیتی ہے شریعت بھی اسی کا حکم کرتی ہے جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہے. لہٰذا جو کچھ اس سلسلے میں ذکر ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حبس و قید مشروع و جائز ہے بلکہ اجمالی طور پر واجب ہے۔

تیسری جہت ۔ اسلام میں اولاً قید خانہ کس نے بنایا۔

آپ پڑھ چکے ہیں عہد رسولؐ میں حبس و قید کیا جانا متعارف تھا لیکن قید کے مفہوم میں یہ لازم نہیں کہ ایک جگہ پر قید کیا جائے جو صرف اس مقصد کے لئے مخصوص ہو بلکہ اس وقت ممکن تھا کہ یہ کام کسی کمرے یا مسجد یا گھر کی دہلیز وغیرہ پر ہو. اس میں سوائے اس کے کوئی غرض نہ تھی کہ ایک شخص کو محدود رکھا جائے تاکہ اسے آزادانہ تصرف اور کسی مقصد کے لئے نکلنے سے روک دیا جائے۔

وہ شخص جس نے پہلے پہل قید خانہ بنایا اور اس کی بنیاد رکھی تھی اس کی تعیین کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے. پس کہا گیا ہے کہ وہ خلیفہ عمر تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ امیرالمؤمنین علیؑ تھے. تاہم یہاں ہم وہ باتیں بیان کرتے ہیں جو اس بارے میں کہی گئی ہیں اگرچہ فقہی لحاظ سے ان کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔

۱۔ مسند زید میں ان کے والد گرامیؑ، ان کے دادا کے ذریعے سے امیرالمؤمنینؑ سے منقول ہے کہ آپ نے قید خانہ بنایا اور اس کا نام نافع رکھا تھا، پھر آپ پر ایک بات واضح ہوئی اور آپ نے اسے توڑ کر (ایک اور بنایا۔ ظ) اس کا نام مخیس رکھا. پھر ایک رجز میں فرمایا:

کیا تو نہیں دیکھتا کہ میں عاقل و دانا ہوں ــــ میں نے نافع کے بعد مخیس بنایا ہے۔ (۳۷)

میں کہتا ہوں ــــ القاموس میں ہے: خیسہ تخییساً ۔ اس کو ذلیل کر دیا، مخیس ــــ معظم و محدث کے وزن پر ہے اور یہ قید خانے کے معنی میں اس قید خانے کے لئے ہے جو حضرت علیؑ نے بنایا تھا، سب سے پہلے آپ ہی نے بانس سے قید خانہ بنایا اور اس کا نام نافع رکھا ــــ جب چوروں نے نقب زنی کی تو آپ نے فرمایا:

کیا تو نہیں دیکھتا کہ میں عاقل و دانا ہوں میں نے نافع کے بعد مخیس بنایا ہے

اس کا دروازہ مضبوط اور محافظ عقلمند ہے (۳۸)

۲۔ سیوطی کی کتاب الوسائل الیٰ مسامرۃ الاوائل سے احکام السجون میں منقول ہے: وہ پہلے شخص کہ جنہوں نے اسلام

میں قید خانہ بنایا ـــــ علی بن ابی طالبؑ تھے، آپ سے پہلے کے خلفاء لوگوں کو کنوؤں میں قید کرتے تھے، روایت ہوئی ہے کہ آپ نے ایک اعرابی چور کو قید کیا تو وہ فرار ہو گیا اور اس نے یہ شعر کہا.

اگر میں اس میں ان کے پاس رہتا تو وہ مجھے بڑے شکم والے کی طرف لے جاتے (۳۹)

۳۔ اسی کتاب میں ابن ہمام کی شرح فتح القدیر سے نقل ہے: نبی اکرمؐ اور خلیفہ ابو بکر کے زمانوں میں قید خانہ نہیں تھا اور مسجد میں یا گھر کی دہلیز پر قید کیا جاتا تھا یہاں تک کہ خلیفہ عمر نے مکہ میں چار ہزار درہم سے ایک مکان خرید ا اور اسے قید خانہ بنایا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلیفہ عمر اور خلیفہ عثمان کے عہد تک قید خانہ نہیں بنا تھا اور پھر حضرت علیؑ نے بنایا جو اسلام میں پہلا قید خانہ تھا، الفائق میں کہا ہے کہ آپ نے بانس سے قید خانہ بنایا جس کا نام نافع رکھا تھا لیکن چوروں نے اس میں نقب لگائی اور قیدی اس سے نکل گئے، اس پر آپ نے مٹی کی دیواروں کے ساتھ دوسرا قید خانہ بنایا اور اس کا نام مخیس رکھا۔ اس کے بارے میں خود حضرت علیؑ کہتے ہیں:

کیا تو نہیں دیکھتا کہ میں عاقل و دانا ہوں میں نے نافع کے بعد مخیس بنایا ہے

قلعہ جیسا قید خانہ اور محافظ عقلمند ہے (۴۰)

۴۔ کتاب الغارات میں اس کی سند کے ساتھ سابق بربری سے منقول ہے کہ اس نے کہا! میں نے قید خانہ دیکھا جو بانس کا بنا ہوا تھا اور لوگ اس میں سوراخ کر کے نکل جاتے تھے، تب حضرت علیؑ نے اینٹوں اور گچ سے بنایا ـــــ وہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا!

کیا تو نہیں دیکھتا کہ میں عاقل و دانا ہوں میں نے نافع کے بعد مخیس بنایا ہے (۴۱)

۵۔ التراتیب الادار یہ میں ہے: امام احمد بن شبلی حنفی کی کتاب اتحاف الرواۃ میں حضرت علیؑ کی اولیات کے ذکر میں کہا ہے کہ اسلام میں آپ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے قید خانہ بنایا جب کہ آپ سے پہلے کے خلفاء گڑھوں اور کنوؤں میں قید کرتے تھے، خفاجی کی کتاب شفاء الغلیل میں ہے کہ حضرت رسولؐ اور خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں قید خانہ نہیں تھا اور قیدیوں کو مسجد یا گھروں کی دہلیزوں پر رکھا جاتا تھا، جب حضرت علیؑ کا زمانہ آیا تو آپ نے قید خانہ بنایا اور اسلام میں آپ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے قید خانہ بنایا اور اس کا نام نافع رکھا لیکن وہ مضبوط اور محفوظ نہیں تھا لہٰذا لوگ اس میں سے نکل جاتے تھے، پس آپ نے دوسرا قید خانہ بنایا اور اس کا نام مخیس قرار دیا ـــــ یہ لفظ یاء کی تشدید اور زبر و زیر دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں ـــــ شائد خلیفہ عمر قبل اس کے کہ قید خانے کے لئے وہ مکان خرید کرتے، کنوؤں ہی میں قید کرتے تھے کیونکہ بیہقی نے نافع بن عبد الحارث کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے خلیفہ عمر کے قید خانے کے لئے صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید ا تھا۔

اس کے بعد کہا: سلطان ابو الاملاک مولیٰ اسماعیل بن شریف علوی نے فاس کے علماء قاضی بردلہ، المناوی اور ابن رحال وغیرہ سے سوال کیا کہ وہ پہلا شخص کون ہے جس نے قید خانہ بنایا اور اس سے پہلے کنوؤں میں لوگ کس طرح قید کئے جاتے

تھے؟ نیز سیوطی نے کہا ہے کہ پہلے شخص جنہوں نے قید خانہ بنایا وہ حضرت علی تھے جب کہ ابن فرحون نے کہا ہے کہ خلیفہ عمر نے پہلے پہل اس وقت قید خانہ بنایا جب ان کی حکومت وسیع ہوگئی تھی. پس ان دونوں روایتوں کو کس طرح جمع کیا جاسکتا ہے؟

شیخ مناوی نے جواب دیا. ابن فرحون اور سیوطی کے درمیان جو تعارض ہے اس میں سیوطی کے قول کو اس پر حمل کیا جائے کہ حضرت علی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قید خانے کے لئے خاص طور پر جگہ بنائی. رہا خلیفہ عمر کا بنایا ہوا قید خانہ تو وہ ایک مکان تھا جو رہائش کے لئے بنایا گیا تھا اور قید خانہ کی صورت اسے ثانوی طور پر دی گئی تھی. رہی یہ بات کہ کنوؤں میں کس طرح قید کیا جاتا تھا تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ کنوؤں سے مراد سرداب اور تہہ خانے ہیں جن میں غلہ وغیرہ رکھا جاتا تھا اور بعض اوقات وہ اتنے وسیع ہوتے کہ ان میں کئی سو آدمی رہ سکتے تھے. خصوصاً گزشتہ قوموں کے بادشاہوں کے زیر زمین محل اور قلعے جو ان کی قوت و طاقت کا معیار ہوتے تھے اور ان کے بعد آنے والوں کی طاقت ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے. ہاں تو انہیں جو کنوؤں سے تعبیر کیا گیا تو اس کی وجہ ان کا زمین کے نیچے ہونا اور پھر ان کے دروازوں اور ان میں داخل ہونے کے راستوں کی تنگی ہے۔ (۴۲)

میں کہتا ہوں ـــــ صحیح بخاری کے باب خصومات میں ہے. نافع بن عبدالحارث نے قید خانے کے لئے مکہ میں صفوان بن امیہ کا مکان اس شرط پر خرید اکہ اگر خلیفہ عمر اس سودے پر راضی ہوگئے تو یہ فروخت ان کے نام رہے گی اور اگر وہ راضی نہ ہوئے تو صفوان کو چار سو دینار دے کر معاملہ ختم کر دیا جائے گا اور مکان بھی اسی کا ہوگا۔ (۴۳)

اس روایت میں یہ وضاحت نہیں ہوئی کہ خلیفہ عمر اس معاملے پر راضی ہوئے یا نہیں اور وہ مکان قید خانہ بنا تھا یا نہیں؟

چوتھی جہت۔ حبس شرعی کا موضوع اور اس کی غرض و غایت۔

مخفی نہیں کہ شرعی عقوبتوں اور سزاؤں کا موضوع وہ انسان ہے جو بالغ و عاقل اور قادر و مختار ہو. یہ بات ہر اس شخص پر واضح ہے جو شیعہ و سنی فقہ سے باخبر ہے. البتہ بعض اوقات بچے. دیوانے اور چوپائے کو بھی تادیب کی جاتی ہے چاہے کچھ قید و بند میں رکھ کر ہی ہو لیکن ادب و اطاعت کی طرف مائل کرنا عقوبت و سزا سے ایک الگ چیز ہے۔

شرعی سزاؤں کے وضع کرنے کی غرض قوت غضبیہ کو تسکین دینا اور انتقام لینا نہیں اور نہ ہی یہ خالصتاً امور تعبدیہ میں سے ہے کہ اسے محض قربت و تعبد کے طور پر بجالایا جائے بلکہ ان کی تشریع و تعیین کا مقصد اصلی فتنہ و فساد کی جڑوں کو کاٹنا اور فرد و معاشرہ کی اصلاح کرنا ہے. یہ چیز ہر اس شخص پر روشن ہو جاتی ہے جو کتاب و سنت پر توجہ کرے اور غور و فکر کے ساتھ ان کا مطالعہ کرے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ شرعی سزاؤں میں سب سے اہم اور سب سے شدید قصاص نفس (خون کا بدلہ خون) ہے اور ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ یہ ایک شخص کو معدوم. ختم اور فناء کرنے کا عمل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے لئے حیات و زندگی کا موجب قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا.

ولكم في القصاص حياة ياولي الالباب (٤٤)

"اے صاحبان عقل تمہارے لئے قصاص میں زندگی وحیات ہے"۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کے وہ تمام احکام جو انسان کے تمامی حالات سے متعلق ہیں وہ واقعی فوائد و نقصانات کے تابع ہیں اگرچہ ہم انہیں نہ سمجھیں اور وہ بے مقصد کام نہیں ہیں کہ جن کا کوئی سبب اور وجہ موجود نہ ہو۔

العلل میں ہے کہ امام علی رضاؑ نے محمد بن سنان کے خط کے جواب میں اسے لکھا۔ مجھے تمہارا خط ملا ہے جس میں تم نے لکھا ہے کہ بعض اہل قبلہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو کسی علت اور سبب کی بناء پر حلال یا حرام نہیں کیا اور اس نے یہ اس لئے کہا ہے کہ ان چیزوں میں اس کے بندوں کی اطاعت کا اظہار ہو! پس جو شخص یہ بات کہے وہ گمراہی میں مبتلا ہوا اور حق سے دور جا پڑا ــــــ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس چیز کو حلال کر کے ان سے اس کی پابندی چاہتا کہ جس کو اس نے حرام کیا ہے۔ یہاں تک کہ نماز و روزہ کے ترک کرنے میں ان کا تعبد و اطاعت طلب کرتا اور دوسرے نیک اعمال کے بارے میں بھی ایسا ہی کرتا۔ نیز خدا۔ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کے مقابل ضد و انکار۔ چوری۔ زناء اور دیگر حرام چیزوں کی تحریم کی مخالفت اور ان چیزوں کو اختیار کرنے میں ان سے تعبد چاہتا کہ جن سے نظام تباہ اور مخلوق ضائع ہو جاتی ہے... ہاں تو خدا نے جس چیز کو حلال کیا ہے ہم نے اس میں بندوں کی بہتری اور بقاء پائی ہے اور وہ ان چیزوں کی طلب و ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح جو چیزیں اس نے حرام کی ہیں لوگوں کو ان کی حاجت نہیں اور ان میں ہلاکت و تباہی کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ (۴۵)

اس سلسلے میں روایات بہت زیادہ ہیں جو ان کا تتبع اور جستجو کرنے والے پر ظاہر ہو جائیں گے۔ پس اس بناء پر واجب و ضروری ہے کہ شرعی قید خانوں میں اس چیز کا خیال رکھا جائے کہ وہ حکام۔ افسروں اور نگرانوں کی خواہشوں کے تابع نہ ہوں بلکہ ان کا انتظام اس طرح سے کیا جائے کہ وہ لوگوں کو بری حرکتوں سے روکیں اور پھر ان سے باز رکھیں۔ یعنی ان کا شرعی قواعد کے مطابق منظم کرنا کسی برے عمل پر آمادگی اور اقدام میں مانع ہو گا اور اس عمل کے وقوع میں آ جانے کے بعد اس کا ارتکاب کرنے والے کی تنبیہ۔ دوبارہ ایسا کرنے سے روکنے اور اسے سیدھی راہ پر لانے کا باعث ہو گا۔ پس اس مقصد کے تحت ان میں سختی اور نرمی دونوں کا اہتمام ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ شرعی سزائیں جن میں تعزیری قید و بند بھی ہے ان کا مقصد اصلاح احوال اور عمومی مصالح کو محفوظ اور قائم کرنا ہے۔ ان کی غرض مجرم سے انتقام لینا۔ اسے تباہ و برباد کرنا۔ اس کی تحقیر کرنا اور اس کی شخصیت اور ذات کو توڑنا اور ختم کرنا نہیں ہے۔ پس قید خانے کے منتظم اور نگران کے لئے ضروری ہے کہ وہ مثل طبیب حاذق کے ہو کہ جس کا مقصد مریض کا علاج اور اس کی سلامتی ہے اگرچہ گلے سڑے اعضاء کو کاٹنا اور فاسد مادوں کو خارج بھی کرنا پڑے۔ اس طرح وہ مریض یعنی مجرم معاشرے کی طرف صحیح و سالم ہو کر جائے گا۔ اسے یاد رکھیں

لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جو قید خانے ہمارے اس زمانے میں پائے جاتے ہیں۔ تمام شہروں میں حتیٰ کہ اسلامی بلاد میں بھی انکی صورت وہ نہیں جو شریعت چاہتی ہے اور جس کا حکم عقل لگاتی ہے بلکہ ان سے سوائے اخلاقی و مالی

نقصانات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

کتاب "تشریع الجنائی الاسلامی" میں جو کچھ کہا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے: کسی سزا کے موثر اور کامیاب ہونے کا پیمانہ مجرموں پر اس کے اچھے اثرات ظاہر ہونا ہے. پس اگر مجرموں کی تعداد کم ہو جائے اور جرائم گھٹ جائیں تو یہ سزا کے مفید اور کامیاب ہونے کی دلیل ہے اور اگر مجرموں اور جرائم کی تعداد میں اضافہ ہو تو یہ سزا کی ناکامی کا ثبوت ہے. ایسی صورت میں ضروری ہو گا کہ اس کی بجائے کوئی اور مناسب سزا مقرر کی جائے کہ جو مجرموں کو خائف کرے اور جرائم سے باز رکھ سکے...

لیکن موجودہ قید خانوں میں ایک ہی سزا رائج ہوتی ہے جو اس مجرم کو دی جاتی ہے جس نے پہلی مرتبہ جرم کیا ہو اور اس کو بھی وہی سزا دی جاتی ہے جو بار بار جرم کرتے ہوئے عادی مجرم بن چکا ہے.

اسی طرح وہ سزا مجرم مردوں، عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں پر یکساں طور پر نافذ کی جاتی ہے. لیکن ایک سزا کا اس طرح زیر عمل لانا اصلاح و بہتری کی بجائے بڑے ہی خطرناک نتائج پیدا کرتا اور بہت سی مشکلوں اور الجھنوں کا باعث ہوتا ہے جنہیں ہم ذیل میں تفصیل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ سرکاری خزانے پر زیادہ دباؤ اور مایوس کن نتائج

لوگوں کو ان کے جرائم میں فرق کے باوجود ایک ہی طرح کے قید خانوں میں رکھا جاتا ہے اور وہ وہاں اس وقت تک رہتے ہیں جب تک ان کی قید کی مدت ختم نہیں ہو جاتی. جبکہ وہ افراد جن کو قید میں رکھا جاتا ہے وہ عام طور پر صحت کے لحاظ سے صحیح و سالم اور کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں. پس انہیں قید میں رکھنا گویا انکی ہمتوں اور صلاحیتوں کو رائگاں کرنا ہے. یہ ممکن تھا کہ وہ اپنی قوتوں اور قابلیتوں سے کام لیتے تو معاشرے کو اس سے فائدہ پہنچتا. حالانکہ ان کو ایسی سزا بھی دی جا سکتی تھی جو ان کی تادیب اور دوسروں کو جرم سے باز رکھنے کے لئے کافی ہوتی. اس میں شک نہیں کہ کچھ ایسی سزائیں ہیں جو خوف دلانے اور جرم سے باز رکھنے کی ضرورت کو بخوبی پورا کرتی ہیں اور قید کی جگہ پر موثر ہو سکتی ہیں. نیز یہ کہ ان میں مجرم کی قوت اور صلاحیت بھی معطل اور بے کار نہیں ہوتی جیسا کہ کوڑے لگانے کی سزا ہے۔

اب قید خانوں کے طریقہ کار میں کچھ تبدیلیاں آئی ہیں اور ان کا عندیہ ایسا ہے کہ قیدیوں کی قوتوں اور صلاحیتوں کو کام میں لایا جائے لیکن اب تک وہ بہت کم قیدیوں کے لئے اس کا موقع فراہم کر سکے ہیں اور بہت سے قیدی افراد کے لئے ان کے پاس کوئی کام نہیں ہے. اس طرح وہ بغیر کسی سرگرمی کے قید خانوں میں رہتے ہیں اور وہاں حکومت کے سرمائے سے خوراک اور لباس حاصل کرتے ہیں لیکن ان کے اوقات خوش گپیوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔

۲۔ قیدیوں میں بگاڑ اور برائی کا پیدا ہونا

ممکن تھا کہ کوئی جماعت ہر سال اتنے بڑے مالی نقصان کو برداشت کرتی اگر قید و بند کی سزا سے قیدیوں میں اصلاح کے آثار رونما ہوتے لیکن جو کچھ ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ قید میں اچھا بھلا شخص بدی اور فساد میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ایک فاسد اور برا

آدمی اپنی برائی میں اور بھی ترقی کر جاتا ہے۔

پس قید ان سب افراد کو جمع کر دیتی ہے جن میں وہ شخص ہے جو جرم سے لگاؤ رکھتا ہے. ایک وہ ہے کہ جرم کے مختلف طریقوں کی مشق کر چکا ہے اور اس میں ماہر ہے اور وہ بھی جو عادی مجرم ہے. اسی طرح قید میں وہ افراد ان بڑے مجرموں کے ساتھ شامل ہیں جو اصل میں مجرم نہیں ہیں اور ظاہر حال کے مطابق قانون نے ان کو مجرم قرار دے دیا ہے مثل اس شخص کے جو اسلحہ لئے ہوئے تھا یا اس نے مقررہ نسبت سے گندم و جو کی کاشت نہیں کی اور ایسے افراد جن پر ان کی غفلت اور بے توجہی کے باعث جرم عائد ہوا ہو۔

اب آپ دیکھیں کہ ان سب افراد کا ایک جگہ جمع ہو جانا ان کے درمیان جرائم کی ترقی کا باعث بنتا ہے. پس وہ مجرم جو واردات کے مختلف طریقوں سے باخبر ہے وہ یہ ڈھنگ ان کو سکھاتا ہے جو اس سے کچھ کم جانتے ہیں. جو شخص ایک خاص جرم میں ماہر ہے وہ اس میں اپنے ساتھیوں سے بخل نہیں کرتا اور بہت سے چالاک مجرم اپنے ہمراہیوں کے دلوں کے اندر ایک نئی زمین پاتے ہیں اور اس میں جرائم کا تر و تازہ بیج بو دیتے ہیں. پھر وہ لوگ قید سے اس حالت میں رہا ہوتے ہیں کہ ان کے دل و دماغ جرم و گناہ کے قسم قسم کے طریقوں سے بھرے ہوتے ہیں۔

مشاہدات بتاتے ہیں کہ ایک شخص کسی ایسے معاملے میں قید خانہ میں داخل کیا گیا کہ جسے عرف عام میں جرم نہیں کہا جاتا. مثلاً اس سے کسی ہتھیار کا ایک حصہ بر آمد ہوا جبکہ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مجرموں کو ناپسند کرتا ہے اور اس بات کو نفرت سے دیکھتا ہے کہ وہ ان مجرموں کے ساتھ رہے. لیکن جب وہ قید خانے سے نکلا تو جرم اس کی محبوب چیز بن گیا اور اس نے اسی کو اپنا پیشہ بنالیا یہاں تک کہ اس پر فخر بھی کرنے لگا۔

پس آج کل کے قید خانے کہ جن کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ اصلاح کرنے اور تہذیب سکھانے کے مراکز ہیں لیکن دراصل ان کی صورت حال ایسی نہیں ہے. بلکہ وہ لوگوں کو بگاڑنے اور انہیں برے کاموں میں طاق کرنے کے ٹھکانے ہیں. رہی یہ بات کہ جوانوں کو ایک قید خانے اور بوڑھوں کو دوسرے قید خانے میں رکھا جائے تو وہ بھی ان خرابیوں کا علاج نہیں کہلا سکتا. کیونکہ اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ جوانوں میں اکثر مجرم ... تو ان نوجوانوں کا ان کے ساتھ رہنا جو کئی جرائم کر چکے ہیں اس بات کا سبب ہے کہ یہ دوسرے ان پہلوں کے عادات اور طرائق کو اپنائیں ...

۳۔ قید و قید خانے کا خوف دور ہو جانا

قید کی سزا اس مقصد کے تحت فرض و عائد کی گئی ہے کہ یہ مجرموں کو باز رکھنے اور ان کو جرائم سے روکے جانے کا ذریعہ ہے لیکن عملاً یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مجرموں کے دلوں میں نہ اس کا کوئی خوف ہے اور نہ ان پر اس کا کچھ اثر ہوتا ہے. کیونکہ جن لوگوں کو قید بامشقت کی سزا دی جاتی ہے جو اپنی جگہ پر سب سے شدید سزا ہے تو وہ قید خانے سے نہیں نکلتے مگر یہ کہ جرائم کے نئے ارادوں کے ساتھ معاشرے میں واپس آتے ہیں. پس اگر یہ سزا جرائم میں مانع ہوتی تو وہ اتنی جلدی اس جرم کی راہ اختیار نہ کرتے جس پر انہیں سزا دی گئی تھی۔

۴۔ احساس ذمہ داری کا ختم ہو جانا

علاوہ اس کے کہ قید سے جرائم کی روک تھام نہیں ہو پاتی وہ مجرموں کے دلوں سے ذمہ داری کا احساس ختم کر دیتی ہے اور وہ بے مقصد اور بے کار بیٹھے رہنے کے عادی ہو جاتے ہیں. پس لمبی قید والے بہت سے قیدی بے عملی اور بے کاری میں مطمئن رہتے اور لباس. خوراک اور علاج کی سہولتوں سے مستفید ہوتے ہیں. چنانچہ اس کیفیت میں وقت گزارنے کے باعث جہاں ان کی قید ختم ہوتی ہے تو اس کے ساتھ احساس ذمہ داری اور اپنے اخراجات کا بوجھ خود اٹھانے کا داعیہ بھی ختم ہو جاتا ہے. پس جب وہ قید خانے سے نکلتے ہیں تو وہ پھر جرائم کی طرف بڑھتے ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ انہیں جرم سے دل بستگی ہے بلکہ اس لئے جرم کرتے ہیں تاکہ دوبارہ قید خانے میں جائیں اور مفت کی کھائیں۔

۵۔ مجرموں کے دبدبہ میں اضافہ

ایک مجرم اس لئے بار بار قید خانے میں جانے کی کوشش **کرتا ہے** تاکہ وہ ایک اور گروہ پر اپنی برتری قائم کرے. وہ اپنے گزشتہ جرائم کو اپنی فتح کا نشان قرار دیتا ہے اور ان کے تذکرے کے ساتھ لوگوں پر رعب جما کر ان کا مال ہتھیاتا اور ان پر اپنا تسلط جماتا ہے. پس اس طرح سے قید خانے کے ذریعے سے مجرموں کے دبدبہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

۶۔ جسمانی صحت اور اخلاقی معیار کی گراوٹ

قید کی سزا کے نفاذ کا تقاضا یہی ہے کہ بہت سے صحیح و سالم مردوں کو مختلف مدتوں کے لئے ایک ہی جگہ رکھا جائے جہاں وہ اپنی ازواج کے ساتھ خلوت کرنے سے محروم اور آزادانہ عمل کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ہی ہر سال قیدیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن قید خانوں میں توسیع نہیں ہوتی، اس بناء پر حکام مجبور ہوتے ہیں کہ وہ قیدیوں کو انہی محدود سی کوٹھڑیوں میں جمع کریں جس طرح مچھلیوں کو ایک ڈبے میں بند کیا جاتا ہے، پس قید خانوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہونے نیز ان میں صحت و صفائی کے ناکافی وسائل اور قیدیوں کے اپنی ازواج سے نہ مل سکنے کے نتیجے میں وہ جلد اور سینے کے متعدی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ان حالات میں قید خانے ان میں محبوس قیدیوں میں بیماریوں کی سرایت، ان کے اخلاق میں پستی اور ان کی مردانگی کے ضیاع کا باعث بن رہے ہیں، نیز مردوں کو اس طرح بند کر دینے کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی بیویوں کو شیطان کے لئے سہل شکار بنایا جاتا ہے تاکہ وہ مردوں سے دوری کے عرصے میں غلط راہوں پر چل نکلیں۔

۷۔ جرائم میں اضافہ

قید کی سزا اپنے مختلف اقسام کے ساتھ جرائم کو روکنے اور ان کو ختم کرنے کے لئے رکھی گئی ہے لیکن وہ اعداد و شمار کہ جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جرائم سال بہ سال بڑھتے جا رہے ہیں اور ان کا یہ بڑھنا اس رفتار سے ہے کہ جس پر

گہری سوچ بچار کی ضرورت کھل کر سامنے آ گئی ہے ...

ہاں اس نظام کو جاری رکھنے کا نتیجہ یہی ہے کہ ان مردوں کی کثیر تعداد کو قید میں رکھ کر ان کی قوتوں اور صلاحیتوں کو معطل کر دیا جائے اور ان پر سرکاری خزانے سے ایک بڑی رقم خرچ ہوتی رہے بغیر اس کے کہ ان کے ذریعے کوئی آمدنی ہو، پس اس میں قوم کا دوگونہ نقصان ہے ایک اس دولت کی شکل میں جو ان قیدیوں پر خرچ ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اگر وہ قید میں نہ ہوتے تو ان کے ہاتھوں قومی سرمائے میں اضافہ ہو سکتا تھا۔

تاہم یہ سارے نقصانات اور دوسری اخلاقی خرابیاں ختم ہو سکتی ہیں جب اسلامی نظام نافذ کر دیا جائے کیونکہ شریعت اسلامی حدود و قصاص والے جرائم میں قید کو ضروری نہیں سمجھتی اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جرائم میں سے دو تہائی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں جن میں شریعت نے قید کی جگہ پر کوڑوں کی سزا کو ترجیح دی ہے، وہ قید کو صرف اس وقت لازم کرتی ہے جبکہ مجرم کی قید کی معیاد غیر محدود ہو اور لوگوں کو اس کے شر و فساد سے بچانا مقصود ہو حتیٰ کہ وہ مر جائے، لیکن ایسی قید کا حکم خطرناک جرائم اور عادی مجرموں کے سوا نہیں لگایا جاتا ____ اگر فرض کیا جائے کہ ۵۰٪ جرائم پر کوڑوں کی سزا لاگو ہوتی ہے تو باقی جرائم میں ۱۵٪ وہ ہیں کہ جو قید و بند، تاوان اور جلاوطنی وغیرہ ایسی مختلف تعزیروں والے جرائم ہیں تو آخر میں جو جرائم باقی رہ جاتے ہیں وہ کوڑوں اور غیر محدود مدت کی قید کے علاوہ ہیں، وہ معمولی قسم کے جرائم ہیں جن میں وعظ و نصیحت، سرزنش اور قید کافی ہے پس عملی طور پر اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مجموعی طور پر ۵٪ جرائم میں قید کرنے کی ضرورت ہو گی اور یہ وہ صورت ہے جو نظریہ اسلام کو نافذ کئے بغیر قائم نہیں ہو سکتی ... (۴۶)

میں کہتا ہوں ____ چونکہ مختلف ممالک میں ان کے قوانین کے باعث حکومتوں کے لئے قید خانوں کے بارے میں بہت سی مشکلیں اور الجھنیں پائی جاتی ہیں بلکہ وہ ایک ایسا گھمبیر مسئلہ ہے کہ بعض اوقات اس سے ملک اور نظام حکومت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ جہاں تک ہو سکے قید خانوں اور قیدیوں میں کمی کرنے کے طریقے سوچے جائیں، نیز اس کے علاوہ دوسری تعزیرات کو نافذ کیا جائے بلکہ عفو و درگزر اور اغماض و چشم پوشی سے کام لیا جائے یا ایسے بہت سے مواقع جہاں تعزیر یا قید کی ضرورت نہ ہو تو ڈانٹ ڈپٹ اور تہدید و دھمکی پر بس کی جائے۔

پانچویں جہت۔ قید خانے کی عمارت اور سزاؤں کی طرف شریعت اسلامی کا اجمالی اشارہ۔

آیا شرعی قید حد ہے یا تعزیر یا ان دونوں کے مقابل الگ چیز ہے یا موارد و مواقع کے لحاظ سے اس کی نوعیت میں فرق ہے؟ اس کو بیان کرنے کے لئے ہم ایک مقدمہ کا ذکر کرتے ہیں:

اسلام میں جرائم پر جو سزائیں مقرر ہوئی ہیں وہ حدود و تعزیرات، قصاص و دیات اور کفارات سے عبارت ہیں، یہ سزائیں دو قسم کی ہیں پہلی وہ جس میں اللہ تعالیٰ کے حق کا پہلو غالب ہے یا محض اسی کا حق ہے مثل شرعی حدود، کفارات اور وہ تعزیرات جو زناء و لواطہ اور دونوں کے مشابہ افعال پر عائد ہوتی ہیں، دوسری قسم وہ ہے جس میں حق الناس کا پہلو غالب ہے مثل قصاص و دیات کے بلکہ حد قذف اور وہ تعزیر جو اس سے مناسبت رکھتی ہو جیسے سب و شتم اور ایسی ہی دوسری چیزیں بھی ہیں۔

شرائع سے حد و تعزیر کا فرق نقل ہو چکا ہے جو اس کے باب حدود میں آیا ہے: ہر وہ چیز جس کے لئے سزا مقدر و معین ہے وہ حد ہے اور جو اس طرح نہیں وہ تعزیر ہے۔ (۴۷)

یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان دونوں تعریفوں میں تسامح اور شبہ ہے کیونکہ حد و تعزیر خود عقوبت و سزا کے نام ہیں نہ کہ ان کے موضوع کے جیسا کہ تعزیرات کی بحث کی بارہویں جہت میں ان کے جامع جمیع افراد ہونے اور ان کے مانع دخول غیر ہونے کا اشکال بھی گزر چکا ہے۔

ہم بحث کی ان جہات میں سے پہلی جہت میں اشارہ کر چکے ہیں کہ کسی شخص کی حریت اور اس کے آزاد ہونے میں خود اس کی ذات اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے فوائد و برکات ہیں یعنی اس کے والدین، اہل و عیال، اقارب اور معاشرے کے لئے بھی اس کے شغل اور رجحان اور وجودی آثار کے لحاظ سے منافع ہیں، بعض اوقات اس کی آزادی کو ضرر اور دوسرے اشخاص اور معاشرے کے حقوق کو زک پہنچتی ہے۔

پس اگر اس کو حریت و آزادی سے محروم کرنے اور تصرفات سے باز رکھنے نیز اسے تنبیہ کرنے اور دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے قید کیا جائے تو وہ حد یا سزا ہے، اگر اس کی طرف سے افراد اور معاشرے کو پہنچنے والے ضرر کو روکنے کے لئے اگرچہ اس کے فرار کے خدشے سے اس کو قید کیا جائے تو وہ حد یا تعزیر میں نہیں ہوگی، بلکہ وہ اس کے بھاگ جانے پر بندش کے لئے یا اس کی طرف سے دوسرے کے جان و مال کو پہنچنے والے ضرر و نقصان کو روکنے کے لئے ہوگی، اگر اس وقت قید کو اس کی عقوبت تسلیم کر لیا جائے تو وہ ایک ملزم کے حق میں درست نہیں ہوگی جس کے متعلق ابھی یہ معلوم نہیں کہ وہ مجرم ہے کہ نہیں!

جب آپ یہ جان گئے ہیں تو اب ہم کہتے ہیں کہ اسلام میں حبس و قید کبھی بطور حد کے واقع ہوتی ہے مثل محارب و ڈاکو کی زمین سے نفی کے لئے قید جو ایک احتمال کی بناء پر حد ہے نیز مثل اس چور کی غیر معین قید کے جس کا ہاتھ اور پاؤں پہلے کاٹا جا چکا ہو کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کی قید اس قطع اور کاٹنے کے تسلسل میں ہے اور قطعی طور پر حد شمار ہوتی ہے۔

کسی وقت قید تعزیر کے طور پر ہوتی ہے مثل اس کے جو حکام کی طرف سے تعزیر کے موارد میں ضرب لگانے کے بدلے میں یا اس کے جواز کے قول کی بناء پر اس کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر ہو جیسا کہ یہ اقویٰ ہے اور اس کی تفصیل گزر چکی ہے، وہ اخبار جو قید اور کوڑوں میں جمع کے موارد میں وارد ہوئی ہیں وہ آنے والی جہت میں آئیں گے۔

کبھی حبس و قید حد یا تعزیر نہیں ہوتی مثل متہم کو تفتیش کے لئے قید کئے جانے کے جسے وقتی بندش سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ابھی جرم ثابت نہیں ہے تاکہ مجرم کو سزا دی جائے اور اسی طرح ہر وہ شخص کہ جسے اس کے شر اور ضرر کو دور کرنے کے لئے قید کیا جائے کہ اس میں تادیب و تنبیہ ملحوظ نہیں ہوتی تاکہ وہ تعزیر قرار پائے مگر یہ کہا جائے کہ اس میں ادب و تادیب قہراً مرتب ہوتی ہے اگرچہ وہ مقصود نہ ہو اور یہی چیز اس پر تعزیر کے صادق آنے میں کافی ہے، پس غور کریں

شاید فریقین کے اخبار جو نبی کریمؐ و امیر المومنینؑ کے زمانوں میں حبس و قید کے موارد میں آئے ہیں ان کی چھان بین کرنے والے پر ظاہر ہو گا کہ وہ تیسری اور چوتھی قسم کے تحت تھی، پس وہ حد یا تعزیر کے قبیل سے نہیں تھی ـــــ غور کریں اور یاد

رکھیں

لیکن وائلی کی کتاب احکام السجون میں ہے کہ قید مطلق طور پر تعزیرات میں سے ہے، پس جو کچھ اس نے کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

قید کے تعزیرات میں سے ہونے کے ادلہ تو ان میں سے کچھ یہ ہیں

۱۔ بے شک حد ایک مقدر و معین سزا ہے کہ جس کی مقدار پر نص کی گئی ہے جبکہ تعزیرات میں تعیین نہیں ہے اور وہ امام و حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہیں، جس چیز کی سزا میں قید مقرر ہوئی ہے چونکہ اس کی مقدار معین نہیں ـــــ لہٰذا وہ تعزیرات میں داخل ہے۔

۲۔ امام یا نائب امام کا عفو و در گزر قید کو رفع کر دیتے ہیں جبکہ توبہ کے آثار ظاہر ہوں، اگر یہ حدود میں ہو تو امام کے لئے جائز نہیں کہ وہ قید کی مدت میں کوئی کمی کر سکے کیونکہ حدود میں امام کو معافی دینے کا حق نہیں ہے۔

۳۔ قید کی سزا مسجد میں واقع ہوتی تھی جیسا کہ زمانہ پیغمبرؐ میں ہوا ہے، اگر یہ حدود میں سے ہوتی تو اسے مسجد میں زیر عمل نہ لایا جاتا، کیونکہ آنحضرتؐ نے مسجد میں حد جاری کرنے سے روکا تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء قید کو تعزیرات کے ذیل میں درج کرتے اور اس کے از قسم تعزیر ہونے پر نص کرتے ہیں۔ (۴۸)

میں کہتا ہوں ـــــ مخفی نہیں کہ تعزیرات ـــــ عقوبتوں اور سزاؤں میں سے ہیں اور ہر قید کا سبب کسی شخص کی تادیب ہی نہیں مثل متہم کے جس کا جرم ابھی ثابت نہ ہوا ہو، اب رہ گئیں وہ تین وجوہ جو اس نے بطور دلیل ذکر کی ہیں تو پہلی وجہ پر ایک اعتراض یہ ہے کہ تعزیر غیر معین ہے نہ کہ ہر غیر معین چیز تعزیر ہے اور دونوں میں فرق ہے، دوسرے یہ کہ عمر قید اور تاحیات قید میں رکھنا کئی صورتوں میں شارع کی طرف سے مقدر و معین ہے پس ممکن ہے کہ اسے حد شمار کیا جائے، دوسری وجہ پر یہ اعتراض ہے کہ امام حد میں بھی معافی دینے کا حق رکھتا ہے جب جرم کا ثبوت اقرار سے ہو بلکہ شیخ مفید اور ان کے ہم خیال بزرگوں کے بقول مطلقاً معافی دینا امام کے اختیار میں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے، تیسری وجہ پر یہ اعتراض آتا ہے کہ جو کچھ مسجد میں قید وغیرہ کے سلسلے میں ہوتا تھا شائد وہ عقوبت و سزا نہ ہوتی ہو مثل متہم کے قید کئے جانے کے جس کا جرم ثابت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مسجد میں اجرائے حد سے نہی شائد اس وجہ سے ہو کہ اس میں مسجد کے نجس ہونے اور وہاں شور و شغب برپا ہونے کا اندیشہ ہے، پس غور کریں

چھٹی جہت۔ قید اور دوسری سزاؤں میں جمع کے بعض موارد کی طرف اشارہ

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قید کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ ہے جو حد و تعزیر کے طور پر ہوتی ہے اس کا مقصد شخص مجرم کو برائی سے باز رکھنا اور روکنا ہے، اسی طرح دوسروں میں سے جو اسے دیکھے یا سنے اسے عبرت دلانا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں کسی کے فرار کے خوف سے اس کو روکنا اور بند رکھنا مراد ہے تاکہ حق ظاہر ہو جائے

تیسری قسم وہ ہے جس میں قید کی غرض اس شخص سے حق کا انکشاف کرانا یا کسی حق کا مطالبہ کیا جانا ہے

چوتھی قسم وہ ہے جس میں کسی شخص کے شرو ضرر کو دور کرنے کے لئے اسے بند کیا جاتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے نصیحت پکڑنے کی امید ہو. پس قید کی یہی چار قسمیں ہیں جو بیان ہو چکی ہیں

قید کی پہلی دو قسموں یعنی تعزیر یا فرار و تفتیش وغیرہ میں قید کے ساتھ بعض دوسری سزاؤں کا اضافہ کرنا جائز بلکہ واجب ہے یعنی قید کرنے سے پہلے یا بعد میں طوق و زنجیر یا ضرب و تازیانہ بھی ہو. علاوہ ازیں قید کے دوران کھانے پینے میں تنگی، اہل و عیال سے ملنے کی بندش اور اقرباء سے ملاقات کی ممانعت کے ساتھ بعض امور میں اذیت و تنگی کرنا جب حاکم شریعت جو عادل ہو اور اس قیدی شخص کے اطوار اور اس کی نفسیات سے واقف ہو وہ اس طرح اس کے نصیحت حاصل کرنے اور عبرت پکڑنے کی امید رکھتا ہو. لیکن ان امور کے لزوم، ان کی مقدار اور ان کی کیفیات کے بارے میں گہری سوچ بچار کرنا واجب ہے. کیونکہ بعض اوقات ان کاموں میں نفس امارہ کے داعیے اور انتقامی جذبات کا دخل ہو جاتا ہے یا احکام و مقررات کا نفاذ شرع سے ناواقف لوگوں کے ہاتھوں یا ایسے افراد کے اختیار میں آ جاتا ہے جو بغض و کینہ سے بھرے ہوتے ہیں اور وہ قیدیوں پر ظلم و زیادتی کرنے لگتے ہیں، اس سے محبوس لوگوں کے دلوں میں گرہ پڑ جاتی ہے اور وہ حق کے مقابل تسلیم و اطاعت سے گریزاں ہو جاتے ہیں اگرچہ ابتداء میں وہ اس کے لئے آمادہ تھے۔

خلاصہ یہ کہ ان امور کی مثال طبی طریقوں اور علاج معالجوں کی ہے کہ جن پر عمل کرنا سوائے اس شخص کے کسی کے لئے جائز نہیں کہ جو ان میں مہارت رکھتا ہو اور ان کے موقع و محل سے باخبر ہو۔

یہ باتیں قید کی پہلی اور دوسری قسم سے متعلق ہیں جو حد و تعزیر یا فرار سے روکنے کی خاطر ہیں ـــــ قید کی تیسری اور چوتھی قسم میں دوسری سزاؤں کا اضافہ کرنے یا ایسے قیدیوں کے لئے تنگی کے اسباب فراہم کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے بلکہ ایسا ہر اقدام انسان اور انسانیت پر ظلم ہے، کیونکہ عام طور پر قید و بند اور فرار ہو جانے والے افراد کو روکے رکھنے سے مقصد پورا ہو جاتا ہے. پس کسی شخص کو تنگی میں ڈالنا عقل اور شریعت کے لحاظ سے ہر شخص کے آزاد و مامون ہونے کے خلاف ہے بلکہ ایسے حالات میں کسی کو مارنا پیٹنا وجوب قصاص کا سبب بن جاتا ہے۔

البتہ خاص طور پر عارضی و وقتی قید جو تفتیش و تحقیق کے لئے ہوتی ہے. بعض اوقات وہ قیدی کو اس کے عیال اور اقرباء کی ملاقات سے روکنے اور منع کرنے پر موقوف ہوتی ہے. نیز اس میں کبھی تعزیر کے طور پر مار پیٹ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ صورت واقع اور حق ظاہر ہو جائے جبکہ فرض یہ ہو کہ ان کا اظہار اس شخص پر واجب ہے اور وہ اس سے پہلوتہی کر رہا ہے کیونکہ یہ چیز گزر چکی ہے کہ واجب کو ترک کرنے پر تعزیر لگانا جائز ہے. پس غور کریں

رہا وہ شخص کہ جس کو اس کے فرار کر جانے کے خدشے کی بناء پر قید میں رکھا جائے یا اس کے شر کو رفع کرنے کی غرض سے قید کیا جائے اور یہ معلوم ہو کہ وہ تنگی و سختی کرنے سے اپنے فعل سے باز آنے والا نہیں ہے تو اس کو ایذاء دینے کی ضرورت نہیں اور قید کا مفہوم اس سے کچھ زیادہ کا متقاضی نہیں ہے کہ اس کی آزادی کو سلب کیا اور تصرف سے محروم رکھا جائے۔

الحاصل قید اور اسی طرح کی دوسری سختیاں ضرورت کے ماتحت ہوتی ہیں اور ضرورتوں کا تعین ان کی مقدار کے مطابق ہوتا

ہے. اس سے زیادہ جو بھی ہو وہ شرعی طور پر حرام ہے۔

قیدیوں کو ٹیلی ویژن پر آنے کے لئے مجبور کرنا

ہمارے زمانے میں قیدیوں کو ٹیلی ویژن پر آنے کے لئے مجبور کرنے کا طریقہ رائج ہے اس میں ان کی معاشرتی حیثیت کو مجروح کیا جانا ایک فعل حرام ہے اور اسے شارع مقدس کی رضامندی حاصل نہیں ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی عزت و وقار کے تحفظ کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔

۱۔ اصول کافی میں اس کی سند کے ساتھ نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: مسلمانوں کی خطاؤں اور لغزشوں کی تلاش و جستجو نہ کرو کیونکہ جو مسلمانوں کی غلطیوں اور گناہوں کی جستجو کرے تو خدا اس کی خطاء و لغزش کا پیچھا کرے گا اور اسے رسوا کئے بنا نہ چھوڑے گا۔ (۴۹)

۲۔ نیز اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص میرے مومن بندے کو رسوا کرے اس نے مجھ سے اعلان جنگ کیا ہے۔ (۵۰)

۳۔ نیز اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ میں نے آنجناب سے عرض کیا: مومن کی شرمگاہ مومن کے لئے حرام ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے. میں نے عرض کیا وہ اس کے دونوں نچلے (پیشاب و پاخانہ کے) مقام ہیں؟ فرمایا وہ نہیں جس طرف تمہاری توجہ ہوئی ہے. اس سے تو اس کے راز کا فاش کرنا مراد ہے۔ (۵۱)

۴۔ آمدی کی کتاب الغرر والدرر میں امیرالمومنینؑ سے مروی ہے: جو اپنے بھائی کا پردہ فاش کرے تو خود اس کے گھر کی پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ (۵۲)

۵۔ نیز اسی کتاب میں آنجنابؑ سے مروی ہے: لوگوں میں بدتر وہ شخص ہے جو کسی کی خطاء معاف نہ کرے اور کسی کے چھپے ہوئے عیب پر پردہ نہ ڈالے۔ (۵۳)

اسلامی جمہوریہ ایران کے دستور میں ہے: بے شک کسی شخص کی توہین کرنا پھر اس کو باندھ رکھنا یا روک لینا یا اسے قید کر لینا یا اسے جلاوطن کرنا چاہے کسی شکل میں ہو وہ ممنوع اور موجب سزا ہے۔ (۵۴)

البتہ اگر کوئی شخص کھلے عام جرم کرے اور حق کی مخالفت میں اس حد تک پہنچا ہوا ہو کہ اس کے لئے عقلاء اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی احترام باقی نہ رہے تو اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ اس کے اسرار کو عام طور پر پھیلانا اور بتلانا حرام نہیں ہے جب تک یہ امر کسی دوسرے کی ہتک کا باعث نہ بنے. اسی طرح وہ شخص کہ جس کے بارے میں واجب ہو کہ لوگ اسے پہچانیں تاکہ اس سے دھوکہ نہ کھائیں یا اس پر اعتماد نہ کر بیٹھیں جیسے کہ کوئی جھوٹی گواہی دینے والا ہے کہ اسے پھرایا جائے اور بازار کے امین کے خلاف منادی کی جائے گی جیسا کہ ابن ہرمہ کے واقعہ میں آئے گا اور اسی طرح کے دوسرے موارد جن میں افشاء اور شہرت دینے کی ضرورت ہو۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیدی کو ایسے امور پر مجبور نہ کیا جائے کہ جو اس کی آزادی اور اپنے نفس و

ذات پر اس کے اختیار کو سلب کریں. مثلاً بعض محافل میں شرکت کرنا یا بعض کاموں کا انجام دینا یا خبریں حاصل کرنے میں مدد دینا اور اسی قسم کے دیگر امور بھی ہو سکتے ہیں. اسے یاد رکھیں

بہت سے اخبار و فتاویٰ جن میں قید کے ساتھ دوسری سزاؤں کا ذکر ہے. ان میں سے جن پر ہم مطلع ہوئے ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ا۔ مرتد عورت

صحیحہ حماد میں ابو عبداللہؑ سے اسلام سے مرتد ہونے والی عورت کے بارے میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اس (اسلام سے پھر جانے والی عورت) کو قتل نہیں کیا جائے گا البتہ اس سے سخت مشقت لی جائے گی. اسے کھانے پینے سے روکا جائے گا مگر اتنا کہ جس سے وہ زندہ رہ سکے. اسے موٹے کپڑے پہنائے جائیں گے اور نماز کے اوقات میں اس کو مارا پیٹا جائے گا۔ (۵۵)

ایک اور روایت میں ہے. جب کوئی عورت اسلام سے مرتد ہو جائے تو اسے توبہ کرائی جائے گی. اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ اس کو ہمیشہ کے لئے قید میں رکھا جائے گا اور قید میں اس پر سختی کی جائے گی۔ (۵۶)

۲۔ اچکا، جیب کترا، کفن چور

سکونی کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: امیرالمومنینؑ کی خدمت میں ایک شخص کو لائے کہ جس نے ایک لڑکی کے کان کا موتی اچک لیا تھا، آپ نے فرمایا کہ یہ کمینگی ہے پس آپ نے اسے مارا پیٹا اور قید کر دیا۔ (۵۷)

اسی طرح کی خبر جعفریات میں ہے اور عنقریب اس کا ذکر ہو گا۔ (۵۸)

الدعائم میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے: طرار (جیب کترا) جو کسی کی آستین یا کپڑے سے مال و نقدی کاٹ لیتا ہے. مختلس (اچکا) جو جھپٹا مار کر کوئی چیز چھین لے جاتا ہے ___ ان دونوں کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ انہیں شدید ضربیں لگائی جائیں گی اور قید کیا جائے گا۔ (۵۹)

نیز اسی کتاب میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: نباش (قبر کھولنے والے کفن چور) کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر یہ کہ وہ کئی مرتبہ پکڑا گیا ہو اور اسے سخت سزا دی گئی ہو۔ (۶۰)

مسند زید بن علیؑ میں ان کے والد اور دادا سے امیرالمومنینؑ سے مروی ہے: نفقہ. قرض. قصاص. حدود اور تمام حقوق کے بارے میں قید کیا جائے گا. دعار (فاسق) کو ایسی بیڑیوں میں جکڑا جائے گا جن میں قفل لگے ہوں اور ایک آدمی کو مقرر کیا جائے گا جو نماز کے اوقات میں ایک طرف کے قفل کھول دے گا۔ (۶۱)

میں کہتا ہوں الدعار. دعار جمع ہے داعر کی اور اس کے معنی خبیث. فاسد اور فاسق وغیرہ ہیں. ذال کے ساتھ اس کے معنی خبیث و معیوب اور غین کے ساتھ اس کے معنی ہیں حملہ آور

۳۔ عورت کے بال مونڈ دینے والا

عبداللہ بن سنان کی خبر میں ہے: میں نے ابو عبداللہ ؑ سے عرض کیا: قربان جاؤں! کیا سزا ہے اس مرد کی جو کسی عورت پر حملہ کرے اور اس کے سر کے بال مونڈ دے؟ آپ نے فرمایا: بالوں کا استبراء کیا جائے گا (یہ دیکھا جاتا کہ اگتے ہیں یا نہیں) پس اگر اگ آئیں تو اس شخص سے اس عورت کے خاندان کی عورتوں ایسا حق مہر لیا جائے گا اور اگر نہ اگیں تو اس سے پوری دیت لی جائے گی۔ (۶۲)

۴۔ مئولی

(عورت سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھانے والا) جو رجوع وطلاق سے انکار کرے

حماد بن عثمان کی خبر میں ابو عبداللہ ؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: وہ مئولی جو طلاق دینے سے انکاری ہو امیر المومنین ؑ اس کے لئے بانس کا جنگلہ بنا کر اسے اس میں قید کر دیتے تھے. وہاں اسے کھانے پینے سے روکا جاتا یہاں تک کہ طلاق دے۔ (۶۳)

اس طرح کی اور روایات بھی ہیں جو عنقریب ذکر کی جائیں گی

۵۔ ماہ رمضان میں شراب پینے والا

ابو مریم کی خبر میں ہے کہ اس نے کہا: امیر المومنین ؑ کے پاس نجاشی شاعر کو لایا گیا کہ جس نے ماہ رمضان میں شراب پی لی تھی. پس آپ نے اسے اسی کوڑے لگائے اور ایک رات کے لئے قید کر دیا. پھر اگلے روز اسے طلب فرمایا اور مزید بیس کوڑے لگائے. تب نجاشی شاعر نے کہا: یا امیر المومنین ؑ! وہ اسی کوڑے تو آپ نے مجھے شراب پینے پر لگائے. اب یہ بیس کس لئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ ماہ رمضان میں شراب پینے پر تیری جرات و جسارت کی بناء پر ہیں۔ (۶۴) اس میں غور کریں

۶۔ جو کسی کو پکڑے رکھے تا کہ کوئی دوسرا اسے قتل کرے

عمرو بن ابو مقدام کی خبر میں ایک شخص کا قصہ ہے: ایک شخص نے خلیفہ منصور عباسی کے سامنے شکایت کی کہ دو شخص رات کے وقت اس کے بھائی کو اس کے گھر سے لے گئے. پس ایک نے اسے پکڑے رکھا اور دوسرے نے اس کو قتل کر دیا. تب منصور نے امام جعفر صادق ؑ سے استدعا کی کہ آپ ان کا فیصلہ کریں ___ پس آنجناب ؑ نے مقتول کے بھائی کو حکم دیا کہ وہ قاتل کی گردن مار دے. پھر دوسرے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کے پہلوؤں پر ضربیں لگاؤ اور اس کے بعد قید خانے میں ڈال دیا گیا. اس کے سر پر لکھ دیا گیا کہ اسے تاحیات قید میں رکھا جائے نیز سال بہ سال اسے پچاس کوڑے لگائے جایا کریں۔ (۶۵)

دعائم الاسلام میں بھی اسی طرح روایت ہوئی ہے۔ (۶۶)

۷۔ قتل عمد کرنے والا جس سے قصاص نہ لیا گیا ہو

فضیل بن یسار کی خبر میں ہے کہ میں نے ابو جعفرؑ سے کہا: دس افراد نے ایک شخص کو قتل کر دیا. آپ نے فرمایا: اگر اس کے وارثوں نے چاہا تو وہ ان سب کو قتل کر دیں گے اور نو عدد دیات ادا کریں گے یا چاہیں تو ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیں. وہ نو جو باقی رہ گئے ہیں ان میں سے ہر ایک اس قتل ہو جانے والے کے رشتہ داروں کو دیت کا دسواں حصہ دے گا. پھر فرمایا کہ اب والی و حاکم کو اختیار ہو گا کہ وہ ان کو تادیب کے طور پر قید کر دے۔ (۶۷)

نیز اسی طرح مرسلہ کلینی میں ہے کہ انہوں نے کہا: ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد والی کو حق پہنچتا ہے کہ ان کی تادیب کرے اور قید میں رکھے۔ (۶۸)

کیونکہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ تادیب حبس و قید کے علاوہ ہو گی

۸۔ جھوٹی گواہی دینے والا

غیاث بن ابراہیم کی خبر میں امام جعفر صادقؑ اور ان کے والد گرامیؑ سے روایت ہوئی ہے: امیر المومنینؑ جب کسی جھوٹی گواہی دینے والے کو پکڑتے تو اگر وہ مسافر ہوتا تو اسے اس کے قبیلے کی طرف بھیجتے اور اگر وہ کوئی دکاندار ہوتا تو اسے بازار میں بھیجتے تھے. جہاں ان کی تشہیر کی جاتی ـــــ پھر ان کو کئی روز تک قید میں رکھتے اور بعد میں رہا کر دیتے۔ (۶۹) اسے یاد رکھیں

سنن بیہقی میں مکحول سے مروی ہے: خلیفہ عمر بن خطاب نے شام کے گورنر سے کہا کہ جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس کوڑے لگائے جائیں. اس کا سر مونڈا جائے اور منہ کالا کر کے لوگوں میں پھرایا جائے. پھر اس کو طویل عرصے تک قید میں رکھا جائے۔ (۷۰)

میں کہتا ہوں ـــــ بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے. پس مراجعہ کریں

۹۔ بازار کا نگران جو خائن ہو

دعائم الاسلام میں امیر المومنینؑ کے بارے میں مروی ہے: ابن ہرمہ جو اہواز کے بازار کا نگران تھا. آپ نے اس کی خیانت کاری کی اطلاع پائی تو ابن رفاعہ کو لکھا: جب تم میرا یہ خط پڑھو تو اسی وقت ابن ہرمہ کو بازار کی نگرانی سے برطرف کر دو. اُسے لوگوں کے حقوق کی خاطر قید کر دو اور اس کے خلاف اپنی عملداری میں منادی کراؤ اور ان سب لوگوں میں میرے حکم و ہدایت کا اعلان کرو. اس کام میں تجھ سے غفلت اور کوتاہی نہ ہو ورنہ تم اللہ کے ہاں برے شمار ہو گے اور میں تمہیں رسوائی اور ذلت کے حال میں معزول کروں گا. میں اس معاملے میں تمہارے لئے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

پس جمعہ کو اسے قید سے نکالو. پینتیس کوڑے لگاؤ اور لوگوں میں پھراؤ ـــــ اس وقت جو شخص اس کے خلاف اپنے

مطالبے پر گواہ لائے تو اسے اور اس کے گواہ کو قسم دلاؤ. پھر اس کا حق ابن ہرمہ کے مال میں سے دے دو. اس کے بعد حکم دو کہ اسے برا بھلا کہتے ہوئے ذلت کے ساتھ قید خانے میں لے جائیں اور وہاں اس کو باندھ دیں. انہیں حکم دے کہ نماز کے وقت یا کھانے اور سونے کے وقت کے علاوہ اسے نہ کھولا جائے. کسی کو اس کے پاس آنے جانے کا موقع نہ دیا جائے کہ وہ اسے نزاع و تکرار کرنے کا سبق دے اور اسے رہائی کی جھوٹی امید دلائے. ہاں تو اگر تمہیں یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ کسی نے اس کو ایسی بات سکھائی ہے جو کسی مسلمان کے لئے ضرر رساں ہے تو اسے کوڑے مارو اور اس وقت تک قید رکھو جب تک وہ توبہ نہ کرے. نیز قید خانے کے محافظوں کو حکم دے کہ وہ قیدیوں کو رات کے وقت صحن میں نکالیں تاکہ کچھ کشادگی محسوس کریں لیکن ابن ہرمہ کو باہر نہ لائیں. اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ اسی طرح مرجائے گا تو اسے بھی صحن میں لانے کا حکم دو۔۔۔۔ پس اگر تم اس میں اتنی قوت پاؤ تو پہلے پینتیس کوڑوں کے ایک ماہ بعد اسے مزید پینتیس کوڑے لگاؤ. اس کے علاوہ مجھے اس کے بارے میں لکھو کہ جسے تم نے اس خائن کی جگہ بازار کا نگران مقرر کیا ہے. نیز یہ کہ خائن کا وہ آذوقہ بند کر دو جو اسے بیت المال سے ملتا تھا۔ (۷۱)

آنجنابؑ کے بارے میں مستدرک میں بھی اسی طرح کی روایت ہوئی ہے۔ (۷۲)

۱۰۔ جو شخص کسی مجرم کو ایسی بات کی تلقین کرے جس میں کسی مسلمان کے لئے ضرر ہو تو اس کی سزا پر دعائم کی مذکورہ خبر ہی دلالت کرتی ہے۔

۱۱۔ جو اپنے غلام کو قتل کر دے

ابوالفتح جرجانی کی روایت میں ابوالحسنؑ سے ایسے شخص کے بارے میں ہے جس نے اپنے غلام یا کنیز کو قتل کر دیا ہو. پس آپ نے فرمایا: اگر اس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہے تو اسے تادیب کی جائے گی لیکن اگر وہ غلاموں کو قتل کرنے میں مشہور ہو تو پھر اسے اس غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ (۷۳)

مسمع بن عبدالملک کی خبر میں ابوعبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: امیرالمومنینؑ کے حضور ایک شخص کا مقدمہ پیش ہوا جس نے اپنے غلام کو اتنی سزا دی کہ وہ مر گیا تھا. پس آپ نے اس شخص کو سو کوڑے لگائے. اسے قید کر دیا اور غلام کی قیمت کے برابر تاوان لے کر اس کی طرف سے صدقہ کیا۔ (۷۴)

۱۲۔ تیسری بار چوری کرنے والا

عیاشی نے سکونی کے واسطہ سے امام جعفر صادقؑ سے. ان کے والد گرامیؑ سے روایت کی ہے: امیرالمومنینؑ کے پاس ایک چور کو لایا گیا تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا. دوسری مرتبہ لایا گیا تو آپ نے اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا. پھر جب تیسری مرتبہ اس شخص کو لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ اس چور کا ایک ہاتھ (بھی) نہ رہنے دوں کہ جس سے وہ کھائے پئے اور استنجاء کرے اور نہ ایک پاؤں چھوڑوں کہ جس کے ساتھ چل سکے. پس آپ نے اسے کوڑے

لگائے قید خانے میں ڈال دیا اور اس کا خرچ بیت المال سے دیئے جانے کا حکم فرمایا۔ (۷۵)

مستدرک میں جعفریات سے اس کی سند کے ساتھ مروی ہے: امیر المومنینؑ کا دستور تھا کہ جو چور ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ جانے کے بعد بھی چوری کرتا تو اسے کوڑے لگائے جاتے. قید میں ڈال دیا جاتا اور اس کا خرچ مسلمانوں کے مال فیئ میں سے دیا جاتا تھا۔ (۷۶)

میں کہتا ہوں ـــــ ابو یوسف کی کتاب الخراج میں جاسوسوں کے بارے میں ہے: میں نے سوال کیا: یا امیر المومنینؑ ! یہ جاسوس جو ہم پکڑتے ہیں وہ اہل ذمہ اہل حرب یا مسلمانوں میں سے ہوتے ہیں. آپ نے حکم فرایا کہ اگر وہ اہل حرب یا اہل ذمہ سے ہوں جو جزیہ دیتے ہیں مثل یہودی و نصاریٰ اور مجوس تو ان کی گردن اڑا دو. اگر وہ مسلمان کے طور پر جانے پہچانے جاتے ہوں تو انہیں شدید ضربیں لگاؤ اور انہیں طویل قید میں رکھو یہاں تک کہ توبہ کر لیں۔ (۷۷)

اس کے قریب قریب مدونۃ الکبریٰ میں مالک سے گزر چکا ہے کہ وہ شخص جو لاٹھی یا کوئی اور ہتھیار لے کر نکلے لیکن اس نے راستے میں خوف پیدا نہیں کیا. نہ کسی کا مال لیا اور نہ کسی کو قتل کیا ہے. پس اس کے بارے میں مالک نے کہا: میں اس میں کوئی حرج نہیں پاتا کہ اسے معمولی سی سزا دی جائے. میں نے کہا: مالک کے نزدیک اس کی وہ معمولی سزا کیا ہے؟ اس نے کہا: زیادہ خفیف اور معمولی سزا یہ ہے کہ اس شخص کو کوڑے لگائے جائیں. شہر بدر کیا جائے اور جہاں اسے جلا وطن کیا جائے وہیں اسے قید کر دیا جائے۔ (۷۸)

کنوارے زانی کے متعلق بھی مالک سے اسی طرح کی حکایت ہوئی ہے۔ (۷۹)

ساتویں جہت قیدیوں کے لحاظ سے قید خانوں کی قسمیں

اس میں شک نہیں کہ شرعی قید خانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان میں شرعی قواعد اور اصلاحی اسلامی مقاصد کو ملحوظ رکھا جائے. یہ واضح چیز ہے کہ مردوں اور عورتوں کا خلوت کی جگہوں میں اکٹھا ہونا اور باہم ملنا جلنا فساد و خرابی کے اسباب میں سے ہے. جیسا کہ نوخیز لڑکوں بلکہ نوجوانوں کا ان مردوں کے ساتھ جو برے افعال کے عادی اور چوروں کے عادات رکھتے ہیں ایسی جگہ رہنا جہاں ہنسی مذاق کے سوا کوئی اور کام نہ ہو. وہ ان لڑکوں اور نوجوانوں میں برے اخلاق پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے اور شریعت مقدسہ اس کی ہرگز حامی نہیں ہے۔

پس ضروری ہے کہ ان میں سے ہر صنف اور دوسرے مجرموں کے اصناف میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ جگہ مخصوص ہو تاکہ معاملہ بگاڑ اور خرابی تک نہ پہنچے. اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھولے بھالے اور سادہ نوجوانوں کا قید خانہ ان افراد سے علیحدہ ہونا واجب ہے کہ جو برے خیالات. عقیدے کی خرابی کے علاوہ غلط راستوں پر چل رہے ہوں کیونکہ کسی کے ساتھ مستقل طور پر رہنا سہنا اپنا اثر مرتب کرتا ہے. اگر ایسا انتظام نہ کیا جائے تو وہ قید خانہ جو اصلاح کے لئے قائم ہوا ہے ایسی جگہ میں بدل جائے گا جہاں بگڑنے اور بگاڑنے کے لئے سہولت پائی جاتی ہو۔ اسے یاد رکھیں۔

کتانی کی التراتیب الاداریہ میں ہے: کتب سیرت میں عدی بن حاتم کے یہ خبر سن کر کہ حضرت رسولؐ کا لشکر ان کے

شہروں میں پہنچ گیا ہے شام کی طرف فرار کرنے اور پھر اسلام لانے کے ذکر میں آیا ہے کہ وہ نکلا اور اس کے پیچھے آنحضرتؐ کے گھڑ سوار مجاہد تھے. پس قبیلہ طے کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ حاتم کی بیٹی بھی قید ہوگئی اور اسے انہیں کے ساتھ مدینہ لایا گیا. جب حضرت رسولؐ نے سنا کہ عدی شام کی طرف روانہ ہوگیا ہے تو حاتم کی بیٹی کو مسجد کے دروازے کے پاس اس قید خانے میں رکھا جہاں عورتوں کو قید کیا جاتا تھا۔ (۸۰)

میں کہتا ہوں ـــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ کے زمانے میں قید خانہ موجود تھا نیز یہ کہ عورتوں کا قید خانہ مردوں سے الگ ہوتا تھا۔

وائلی کی کتاب احکام السجون میں ہے. ابن عابدین نے اپنی کتاب " ردالمختار علی الدرالمختار " میں نص کی ہے کہ عورتوں کو فساد و برائی سے بچانے کے لئے ان کا الگ قید خانہ بنایا جائے جیسا کہ یہ نص کی ہے کہ نوجوانوں کو بڑی عمر کے مردوں سے علیٰحدہ رکھا جائے. اسی طرح المبسوط میں سرخسی نے نص کی ہے حد دین و قرض میں عورتوں کا قید خانہ جدا ہونا چاہئے تاکہ معاملہ فتنہ و خرابی تک نہ پہنچے۔ (۸۱)

میں کہتا ہوں ـــــ یہاں قرض و دین کا ذکر یقیناً مثال کے طور پر ہے کیونکہ عورتوں کو زیادہ تر اسی سلسلہ میں قید کیا جاتا تھا اور ظاہر یہ ہے کہ (چاہئے) سے مراد اس کا لزوم ہے نہ کہ اس کا استحباب مراد ہے. پس غور کریں۔

آٹھویں جہت قید کے بڑے اسباب کے لحاظ سے اس کی قسمیں۔

اس بارے میں جو کچھ کتاب "احکام السجون" میں کہا گیا ہے ہم یہاں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں: لوگ بعض اسباب کی بناء پر قید خانوں میں بھیجے جاتے ہیں، روایات اور فقہاء کے آراء پر توجہ دینے سے قید کی جو چار بڑی اقسام معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

پہلی قسم ـــــ احتیاطی قید: یہ ایک حفاظتی اور احتیاطی اقدام ہے جس کی بناء پر متہم کو پہلے ہی گرفتار کرلیا جاتا ہے جس کی طرف سے کسی برائی کا ارتکاب ابھی تک ثابت نہ ہوا اور احتمال ہو کہ شائد اس کی برائت ظاہر ہوجائے. یہ اس کے لئے عقوبت و سزا اور قید نہیں ہے بلکہ وہ تفتیش کے دوران اس کے فرار ہوجانے یا اس میں کسی کے اثر انداز ہونے کے خلاف ایک احتیاطی تدبیر ہے. لہٰذا قید میں اس کا معاملہ ان سے مختلف ہوگا جن پر قید کا حکم لگایا گیا ہے۔

کتاب "الطرق الحکمیہ " میں ابن قیم سے آیا ہے: قید کے موجبات میں سے ایک یہ ہے کہ جب متہم کا حال معلوم نہ ہو یعنی وہ نیکی یا بدی میں سے کسی کے ساتھ معروف نہ ہو. پس اسے قید میں رکھا جائے گا تاکہ اس کی حالت ظاہر ہوجائے. یہ قید علماء اسلام کے ہاں عام طور پر ثابت ہے اور اکثر ائمہ کے نزدیک منصوص علیہ ہے کہ اسے قاضی یا والی قید میں رکھے گا. اس پر ابو حنیفہ. مالک، احمد اور اس کے اصحاب نے بھی نص کی ہے. امام احمد نے کہا ہے کہ نبی اکرمؐ نے تہمت کی بناء پر قید کیا تھا نیز یہ بھی کہا ہے کہ یہ قید اس لئے ہے تاکہ اس شخص کا معاملہ حاکم پر واضح ہوجائے. اس قسم کی ایک مثال وہ ہے جسے سید محسن آملی نے

اپنی کتاب "عجائب احکام امیر المومنین" میں ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین نے قتل میں متہم کو قید کیا یہاں تک کہ ایسے دوسرے افراد جو اس کے ساتھ تھے ان کی چھان بین کی گئی۔

دوسری قسم۔ قید استبرائی و تفتیشی: مثل اس شخص کی قید کے جسکی تنگی و خوشحالی کی حالت مشتبہ ہو جیسے وسائل میں روایت ہوئی ہے کہ امیر المومنین نے دین و قرض کے مقدمے میں فیصلہ کیا کہ قرضدار کو قید کیا جائے پس اگر اس کا مفلس و صاحب حاجت ہونا واضح ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے تاکہ کام کرے اور مال حاصل کرے. اسی طرح آزمائش و امتحان کے لئے اس شخص کو بھی قید کیا کہ جس کی طرف چوری کی نسبت دی گئی ہو۔

تیسری قسم۔ قید حقوقی اس کی دو قسمیں ہیں ـــــ عام حقوق اور خاص حقوق. پس خاص حقوق کے بارے میں وہ روایت ہے جسے الوسائل میں نقل کیا ہے کہ امیر المومنین تین قسم کے افراد کو قید کرتے تھے ـــــ ایک وہ شخص جو یتیم کا مال کھائے یا غصب کرے یا جسے کسی امانت پر امین بنایا گیا اور وہ لے کر چلا جائے۔

عام حقوق کے سلسلے میں وہ روایت ہے جسے ابن نجار حنبلی نے منتہی الارادات میں ذکر کیا ہے کہ جو شخص لوگوں کو اذیت دینے میں مشہور ہو یہاں تک کہ آنکھ کے ساتھ یعنی آنکھ کے اشارے سے بھی ایسا کرے تو اسے مثل مسلمان جاسوس کے ہمیشہ کی قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کرے۔

چوتھی قسم۔ جرم پر قید: اس کی مثالیں قریب تواتر روایات میں ہیں اور ان میں ایک وہ ہے جس کے مطابق حضرت علی نے ان چار افراد کے بارے میں فیصلہ کیا جنہوں نے ایک دوسرے کا پیٹ پھاڑا جبکہ وہ نشے میں تھے. پس آپ نے ان کو قید کر دیا یہاں تک کہ وہ ہوش میں آئے ـــــ پھر ان میں سے دو مر گئے تو آپ نے چاروں کے قبائل پر دیت عائد کی اور جو زندہ بچ گئے تھے ان کے زخموں کا تاوان مقتولین کی دیت میں سے لے لیا ـــــ آخر روایت تک کہ جو اس نے ذکر کی ہے. پس مراجعہ کریں۔ (۸۲)

میں کہتا ہوں ـــــ پہلی اور دوسری قسم میں کوئی فرق نہیں نظر آتا لہذا بہتر ہے کہ ان دونوں کو ایک ہی قسم قرار دیا جائے جیسا کہ قیدیوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو محض حق خدا کے لئے قید کیا جاتا ہے مثل اس عورت کے جو اسلام سے پھر جائے تو کیا اسے تیسری قسم میں شمار کیا جائے گا یا اسے ایک علیحدہ قسم قرار دیا جائے گا۔

نیز یہ کہ ان قسام میں قید کی وہ قسم ذکر نہیں ہوئی جو ہمارے زمانے میں سیاسی وجوہات کی بناء پر ہوتی ہے مگر یہ کہ اسے عام حقوق میں شمار کیا جائے یا یہ کہا جائے کہ اس طرح قید کیا جانا بدعت ہے اور لوگوں کے آزادی سے سیاسی رائے کے اظہار کے خلاف ہے جب تک اس میں قتل و غارت یا معاشرے کا امن درہم برہم نہ ہو اور اس کا شاہد صحابہ اور ائمہ کا عمل ہے. پس غور کریں۔

نویں جہت ۔ قید خانے اور قیدیوں کے مصارف

چونکہ قید خانہ عوامی مفادات سے تعلق رکھتا ہے. حقوق کا وصول کرنا. مجرموں کی تادیب. نظام کی حفاظت اور راستوں کا امن اس پر موقوف ہے لہٰذا اس کی عمارت بنانا. اس میں ضروری چیزیں فراہم کرنا اور اس کے نگران و ملازمین کے اخراجات بیت المال پر ہوں گے. یہ احتمال ضعیف ہے کہ وہ قیدیوں کے مال میں سے ہوں اور اس سے بھی ضعیف قول ان کا خود حاکم کے مال میں سے مہیا کیا جانا ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ میں یہ ذکر نہیں کہ نبی اکرمؐ وامیرالمومنینؑ کے زمانے میں قید خانے اور اس کے ملازمین کے اخراجات قیدیوں یا خود حاکم پر واجب ہوں. نیز یہ بیان گزر چکا ہے کہ امیرالمومنینؑ نے کوفہ میں دو قید خانے نافع اور مخیس کے نام سے بنائے تھے. ظاہر یہ ہے کہ انہیں آپ نے بیت المال کے خرچ پر بنوایا نہ کہ اپنے ذاتی مال یا قیدیوں کے اموال سے بنایا تھا۔

باقی رہا قیدی کا خرچ تو کیا وہ مطلق طور پر بیت المال پر ہو گا یا مطلق طور پر خود قیدی پر ہو گا اس میں تفصیل ہے جس کا اپنا مال ہو یا جو قید میں رہتے ہوئے تحصیل مال کر سکتا ہو اور اس کے درمیان جو اس طرح کی قدرت نہیں رکھتا یا جو ہمیشہ قید میں رہے گا اس کا خرچ بیت المال پر ہے جیسا کہ بعض اخبار میں ہے اور اس کے غیر کے درمیان تفصیل دی جائے گی کہ اس کا خرچ خود اس پر ہو گا یا اسے ٹھہرانے میں جو وقتی طور پر تفتیش کے لئے رکھا گیا اور اس کے درمیان تفصیل دی جائے گی جس پر ثبوت جرم کے بعد قید کا حکم لگایا گیا ہے وہ قائدہ اولیہ کے مطابق اس کی ذات پر ہو گا اس مسئلہ میں کئی وجوہ ہیں۔ پس سب پہلے ہم اس چیز سے متعرض ہوتے جس کا تقاضا قواعد اولیہ کرتے ہیں. پھر اس مسئلہ میں وارد روایات سے اور اس کے بعد ان امور سے متعرض ہوں گے جن کا ذکر فقہاء اور مئولفین نے کیا ہے تاکہ مطالب پوری طرح واضح ہو جائیں۔

پس ہم کہتے ہیں چونکہ انسان کا خرچہ اس کے اہل و عیال کا نفقہ اولاً بالذات اس کے اموال میں اور خود اس کے ذمہ ہے اور فرض یہ ہے کہ ہماری گفتگو مطلق قید میں نہیں کہ چاہے وہ غیر شرعی ہو بلکہ ہمارا موضوع وہ قید ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع اور جائز قرار دی گئی ہے. یعنی وہ جو کسی تہمت کی بناء پر ہے کہ شارع نے اس کا پتہ لگانے کی اجازت دی ہے اگرچہ وہ قید کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو یا کسی شخص کے فاسد ہو جانے یا نافرمان ہو جانے یا قرض ادا نہ کرنے پر قید کیا جاتا ہے. پس اگر فرض یہ ہو کہ وہ نفقہ کے لئے مال حاصل کرنے اور اس کے لئے دینے کی قدرت رکھتا ہے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس کا بوجھ بیت المال پر ڈالا جائے جو تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ البتہ اگر وہ محتاج و فقیر ہو اور وہ خود اور اس کے عیال بے نان و نفقہ رہ جائیں جب قید اس کے کسب معاش میں مانع ہو تو اس کا حکم دوسرے فقراء و مساکین ایسا ہو گا جو بیت المال سے آذوقہ پاتے ہیں اور وہ ان کی حاجات پوری کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تونگر بالقوہ یا بالفعل اور اس کے غیر کے درمیان تفصیل دی جائے پس غنی کا نفقہ اس کی ذات پر ہے اگرچہ غنی بالقوہ ہو اور فقیر کا نفقہ بیت المال پر ہو گا. اس میں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اس کو قید کرنے کی غرض مسلمانوں کو اس کے شر سے بچانا ہے ــــ پس اس کا نفقہ مصالح عامہ کے طریق پر ہو گا جیسے قید خانہ اور اس کے ملازمین کا خرچہ ہے۔ کیونکہ اس کے جواب میں

کہا جائے گا کہ قید اور قیدی میں فرق ہے اس لئے کہ طبیعت اولیٰ کی بناء پر ہر شخص کا نفقہ اس کی ذات پر ہوتا ہے اور فرض یہ ہے کہ اس کی قید کا تعلق اس کے اپنے عمل و تقصیر سے ہے اور اس پر اسے اختیار حاصل ہے اگرچہ وہ قید میں ہے لہٰذا اس کا نفقہ بیت المال پر ڈالنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

لیکن کسی کو یہ کہنے کا حق ہے کہ جو کچھ آپ نے ذکر کیا ہے یہ اس کے بارے میں تو صحیح ہے جس کی تقصیر و کوتاہی ثابت ہو چکی ہو اور اس بناء پر اس کو قید کیا گیا ہے۔ لیکن جس کو کسی تہمت کا حال معلوم ہونے سے پہلے قید کیا گیا اور ابھی اس کی تقصیر ثابت نہیں ہوئی ہے۔ چونکہ اس کی یہ وقتی قید مصالح عامہ کے طریقے سے ہے اور اس صورت میں اپنے نفقہ کا بوجھ اٹھانا اس کے لئے باعث ضرر ہے لہٰذا اس کے لئے اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ پس مناسب ہے کہ جب تک اس تہمت کی اصلیت ظاہر نہ ہو جائے اس شخص کا آذوقہ بیت المال سے دیا جائے۔

میرے نزدیک یہ تفصیل قوی ہے اگرچہ مجھے علم نہیں ہوا کہ کسی نے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہو اور متہم کے بارے میں یہ احتمال بھی ہے کہ جب اس کا قصور وار ہونا ثابت ہو جائے تو اس سے اس آذوقہ کا مطالبہ کرنے کا حق باقی ہے۔ پس غور کریں۔

بہر حال لازم ہے کہ قواعد اولیہ کے تقاضوں کی رعایت کی جائے تاوقتیکہ ان کے خلاف کوئی دلیل وارد نہ ہو پس ہم اس مسئلہ سے متعلق روایات کی طرف توجہ کرتے ہیں اور ان سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ الوسائل میں قرب الاسناد سے اس کی سند سے امام جعفر صادقؑ سے۔ ان کے والد گرامیؑ سے روایت ہے کہ فرمایا: جب ابن ملجم نے امیر المومنینؑ پر جان لیوا حملہ کیا تو آپ نے ارشاد کیا کہ اس کو قید میں رکھو۔ اسے کھانا کھلاؤ اور اچھی طرح سے قید میں رکھو۔ پس اگر میں زندہ رہ گیا تو اس چیز کے بارے میں مجھے زیادہ حق ہے کہ جو اس نے مجھ سے کیا ہے ــــ اگر چاہوں تو قصاص لوں گا اور چاہوں تو معاف کر دوں گا۔ (۸۳)

امام جعفر صادقؑ اور ان کے والد گرامیؑ سے بیہقی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ (۸۴)

میں کہتا ہوں ــــ مخفی نہیں کہ یہ روایت ایک خاص واقعہ کی حکایت ہے لہٰذا ہر قیدی کے لئے ایک کلی حکم پر دلالت نہیں کرتی اگرچہ وہ بالفعل تمکن رکھتا ہو اور شائد یہ آپ کی طرف سے اس اسیر کے لئے ایک خاص مہربانی ہو جو آپ کے گھر میں قید تھا۔ آپ کے کلام کا ظہور یہ ہے کہ اس کو بیت المال سے نہیں آپ کے گھر سے کھانا دیا جائے۔ پس غور کریں۔

۲۔ ابو بصیر کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ امیر المومنینؑ عمر قید کے قیدی کو مسلمانوں کے بیت المال سے کھانا دیتے تھے۔ (۸۵)

اس خبر کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے ہر اس شخص سے متعلق جو عمر قید میں ہو کیونکہ اس کی تعبیر اس کے استمرار اور ہمیشگی پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ کلینی نے ہمارے اصحاب کی ایک جماعت ــــ احمد بن محمد۔ حسین بن سعید۔ نضر بن سوید اور قاسم سے روایت کی ہے کہ راوی نے کہا: میں نے ابو عبداللہؑ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے چوری کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے

والد گرامی ؑ کو فرماتے سنا ہے ___ امیرالمومنین ؑ کے زمانے میں ان کے پاس ایک شخص کو لایا گیا کہ جس نے چوری کی تھی تو آپ نے اسے عمر قید کی سزا دی اور اس کا نان و نفقہ مسلمانوں کے بیت المال سے دیا اور فرمایا کہ حضرت رسول ؐ نے ایسا ہی کیا اور میں ان کی مخالفت نہیں کروں گا۔ (۸۶)

شیخ نے اپنی سند کے ساتھ حسین بن سعید، نضر بن سوید اور ابو القاسم سے اسی طرح روایت کی ہے۔ (۸۷)

میں کہتا ہوں ___ ظاہر ہے کلینی کی سند میں قاسم سے مراد قاسم بن سلیمان ہے اور اس کی حالت معلوم نہیں ہے اگرچہ کہا گیا کہ نضر بن سوید کا اس سے نقل کرنا اسے پسندیدگی تک پہنچاتا ہے۔ لیکن وہ ابو القاسم جو شیخ کی سند میں ہے تو معلوم نہیں وہ کون ہے اور شاید یہ قاسم کے نام میں اضافہ ہوا ہے۔ پھر مخفی نہ رہے کہ امیرالمومنین ؑ کے فعل کی حکایت ایک واقعہ میں ہوئی ہے۔ شاید وہ شخص مفلس تھا اور اپنے نفقہ کی قوت نہ رکھتا تھا لہٰذا وہ روایت ہر قیدی پر بیت المال میں سے خرچ کرنے کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔ نیز ظاہر یہ ہے کہ آپ کے ارشاد "حضرت رسول ؐ اسی طرح کیا کرتے تھے" میں انفاق و خرچ کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ یہ تیسری مرتبہ چوری میں قید کرنے سے متعلق ہے جو خلفاء ابو بکر و عمر کے عمل کے مقابل ہے کہ وہ تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر بھی ہاتھ پاؤں کاٹتے تھے جیسا کہ ان کے اخبار دلالت کرتے ہیں۔

صحیحہ ابو بصیر میں ابو عبداللہ ؑ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد (دوبارہ چوری کرنے پر) اس کا پاؤں کاٹا جائے گا۔ اس کے بعد قطع کرنا اور کاٹنا نہیں ہے اور اگر وہ تیسری مرتبہ چوری کرے تو اسے قید کر دیا جائے گا اور اس کا نان و نفقہ بیت المال پر ہو گا۔ (۸۸)

۵۔ صحیحہ حلبی میں ابو عبداللہ ؑ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ چور کا ہاتھ اور پھر پاؤں کاٹا جائے گا اور اس کے بعد کچھ نہ کاٹا جائے گا۔ اگر وہ پھر چوری کرے تو اسے قید کیا جائے گا اور اس پر مسلمانوں کے بیت المال میں سے خرچ کیا جائے گا۔ (۸۹)

ظاہر یہ ہے کہ ان ہر دو صحیح روایات کے اطلاق سے استدلال جائز ہے اور چوری کی خصوصیت کا احتمال اور اسی طرح عمر قید کی خصوصیت کا احتمال بھی ضعیف ہے اگرچہ یہ عمر قید کے موارد میں ہے جیسا کہ اس باب کے بعض اخبار دلالت کرتے ہیں۔ مگر یہ کہا جائے کہ ان افراد میں زیادہ تر عدم تمکن اور فقر و فاقہ مفروض ہے جو عمر قید میں ہوں لہٰذا ان اخبار سے متمکن اور صاحب مال قیدی کا حکم معلوم نہیں ہو سکتا۔

۶۔ موثقہ سماعہ میں ہے کہ میں نے ابو عبداللہ ؑ سے چور کے بارے میں سوال کیا کہ جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ پس آپ نے فرمایا۔ اس کے ہاتھ کے بعد اس کا پاؤں کاٹا جائے گا اور اگر پھر سے چوری کرے تو اسے قید کر دیا جائے گا اور اس پر مسلمانوں کے بیت المال میں سے خرچ کیا جائے گا۔ (۹۰)

۷۔ صدوق نے اپنی سند کے ساتھ امیرالمومنین ؑ کے فیصلوں کے بارے میں روایت کی ہے۔ جب کوئی شخص چوری کرتا تو پہلی مرتبہ آپ اس کا دایاں ہاتھ کاٹتے۔ اگر وہ دوسری مرتبہ چوری کرتا تو آپ اس کا بایاں پاؤں کاٹتے اور پھر تیسری مرتبہ بھی چوری کرتا تو اسے عمر قید کی سزا دیتے اور اس پر بیت المال میں سے خرچ کرتے۔ (۹۱)

۸۔ تفسیر عیاشی میں سکونی کے واسطہ سے امام جعفر صادق ؑ سے. ان کے والد گرامی سے امیرالمومنین ؑ کے بارے میں مروی ہے کہ فرمایا: آپ کے پاس ایک چور کو لائے تو آپ نے اس کا ہاتھ ..... پھر اسے کوڑے لگائے اور قید خانے میں بھیج دیا ــــ اور اس پر بیت المال میں سے خرچ کیا۔ (۹۲)

۹۔ دعائم الاسلام کے واسطہ سے امیرالمومنین ؑ سے منقول ہے: جس کو عمر قید کی سزا دی جائے اس کا آذوقہ بیت المال میں سے دیا جائے گا ــــ اور ان تین افراد کو ہی عمر قید دی جائے گی. جو قتل کرانے کے لئے کسی کو پکڑ رکھے. مرتد عورت مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے اور وہ چور جو ایک ایک ہاتھ پاؤں کٹ جانے کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے۔ (۹۳)

۱۰۔ نیز اسی کتاب میں روایت ہوئی ہے: جب امیرالمومنین ؑ کے پاس کسی کو تیسری مرتبہ چوری کرنے کے سلسلے میں لایا جاتا جبکہ اس کا ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ چکے ہوتے تو آپ اسے عمر قید کر دیتے اور اس پر مسلمانوں کے بیت المال میں سے خرچ کرتے. پس اگر وہ قید میں بھی چوری کرتا تو آپ اسے قتل کر دیتے۔ (۹۴)

اسی کتاب سے مستدرک میں بھی یہ روایت کی گئی ہے۔ (۹۵)

۱۱۔ مستدرک میں اسکی سند کے ساتھ جعفریات سے روایت ہے: امیرالمومنین ؑ کا دستور یہ تھا کہ ایک ایک ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جانے کے بعد کوئی چور پھر سے چوری کرتا تو اسے کوڑے لگائے جاتے اور قید کر دیا جاتا اور اس پر مسلمانوں کے بیت المال میں سے خرچ کیا جاتا تھا۔ (۹۶)

۱۲۔ نیز اسی کتاب میں احمد بن محمد بن عیسیٰ کی کتاب نوادر سے اس کی سند کے ساتھ ابو عبداللہ ؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: ہاتھ کاٹنے کے بعد (پھر چوری کرنے پر) چور کا پاؤں کاٹا جائے گا. پس اگر وہ پھر سے چوری کرے تو کچھ نہیں کاٹا جائے گا لیکن اسے عمر قید دی جائے گی اور اس پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔ (۹۷)

یہ ہیں وہ باتیں کہ جن پر ہم اس مسئلہ کے اخبار کے ذریعے مطلع ہوئے ہیں۔

ان روایات کی اجمالی دلالت اس امر پر ظاہر ہے کہ قیدیوں کا خرچ بیت المال پر ہوگا اور ان میں سے بعض میں اطلاق کا ظہور بھی ہے. پس ان کے باعث ہم اس اصل سے ہاتھ اٹھالیں گے جو قاعدہ اولیہ میں قائم کی تھی. مگر یہ کہا جائے کہ ان تمام روایات کا مورد تیسری مرتبہ چوری کرنے والے سے متعلق ہے اور اس کا حکم عمر قید ہے اور جسے عمر قید دی جائے عام طور پر اس کے وسائل معاش ابتر ہو جاتے ہیں. لہٰذا ان روایات سے اس شخص کا حکم معلوم نہیں ہوتا جس کا مال و متاع موجود ہو. اسے یاد رکھیں۔

العروہ کے ملحقات میں سے کتاب القضاء میں ہے: ظاہر یہ ہے کہ قیدی کے مصارف بیت المال میں سے ہوں گے. اگر بیت المال نہ ہو تو خود قیدی پر اور یہ احتمال بھی ہے کہ جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کے ذمہ ہوں۔ (۹۸)

میں کہتا ہوں ــــ اس کا محل بحث قرضدار کا ادائیگی سے کترانا ہے. پس اس کے مقابل اس قرض کے بارے میں مطالب بھی ہیں جس کی بناء پر قرض دار کو قید کئے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

المستند کی کتاب القضاء میں ہے: قید کے دوران قیدی کے اخراجات اس کے اپنے ہی مال میں سے ہوں گے اور اس کی وجہ

ظاہر ہے. لیکن معاملہ مشکل ہو جائے گا جب بظاہر اس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ ہر روز قرض لے کر یا اپنی ضرورت کے برابر کمائی کر کے یا مانگ مانگ کر اپنا خرچ پورا کرے یا اس کا بوجھ کسی دوسرے پر ہو یا کسی اور طرح نفقہ حاصل کرتا ہو بلکہ بعض اوقات وہ اس صورت حال میں اپنے قید خانے کو غنیمت سمجھتا ہے. اسی طرح قید خانے کے اخراجات میں اشکال ہے کیونکہ اس کے لئے جگہ مطلوب ہے اور پھر دن رات میں نگرانوں کی ضرورت ہے تاکہ قیدی وہاں سے بھاگ نہ جائے پس اگر بیت المال ہو تو دونوں قسم کے اخراجات اس پر ہوں گے ورنہ اگر یہ خرچ مخالف اپنے مال میں سے دے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر اسکا بوجھ حاکم پر ڈال دینا اس کے لئے ایک ضرر ہے کہ اسلام میں جس کی نفی کی گئی ہے. پس یہ اپنے ادلہ کے ساتھ قید کے ادلہ سے تعارض کرے گا اور حبس وقید کے عدم وجوب کی اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا یا کہا جائے گا کہ اسے اختیار ہے کہ وہ اس کو چھوڑ دے اور اس پر کوئی چیز بھی واجب نہ ہوگی۔ (۹۹)

قاضی ابو یوسف نے ہارون الرشید عباسی کے لئے جو کتاب الخراج لکھی تھی. اس میں اس مقام سے متعلق ایک طویل گفتگو درج ہے کہ جس کا ذکر یہاں مناسب ہے، پس اس نے کہا ہے:

اے امیر المومنین! باقی رہی وہ چیز جس کے بارے میں آپ نے سوال کیا ہے کہ مکرو فریب. فسق و فجور اور چوری چکاری کرنے والوں کے بارے میں کہ جب ان جرائم میں سے کسی میں پکڑے جائیں اور قید کئے جائیں تو قید میں جو ان کا آذوقہ ہے وہ ان کے لئے جاری کیا جائے تو یہ صدقہ وزکات میں سے ہو یا اس کے علاوہ کسی اور مد میں سے ہو۔۔۔ پس ان کے بارے میں کیا عمل کرنا چاہئے؟

اس کے جواب میں قاضی ابو یوسف نے کہا. جو قیدی ایسی حالت میں ہو کہ اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو جس سے وہ کھائے اور نہ ہی کوئی اور ذریعہ ہو کہ جس سے وہ اپنے جسم و جان کو قائم رکھ سکے۔ اس کے لئے صدقہ یا بیت المال میں سے (آذوقہ) جاری کیا جائے دو مدوں میں جس سے بھی آپ جاری کریں اس میں آپ کے لئے آزادی اور وسعت ہے. میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو بیت المال سے آذوقہ جاری کریں کیونکہ اس کے بغیر کسی اور مد میں نہ حلال ہے اور نہ وسعت ہے۔

اس نے یہ بھی کہا. اگر مشرکین میں سے کوئی قید میں ہو تو اسے کھانا دینا اور اچھا سلوک کرنا ضروری ہے جب تک اس کے بارے میں حکم صادر ہو تو مرد مسلمان کے لئے کیوں ایسا نہ ہو جب وہ کوئی خطاء کرے. کیا اسے بھوکا مرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے؟ جب کہ اس فعل کی طرف جو اس نے کیا ہے اس کو قضاء و قدر نے آمادہ کیا ہے یا جہالت نے ابھارا ہے۔

اے امیر المومنین! جو خلفاء رہے وہ قیدیوں کے لئے سبھی کچھ دیتے تھے جو روٹی سالن اور سردی گرمی کے لباس میں ان کے لئے ضروری تھا اور سب سے پہلے جس نے یہ کام کیا وہ (امیر المومنین) علی بن ابی طالبؑ تھے عراق میں. پھر شام میں معاویہ نے بھی ایسا ہی کیا اور اس کے بعد جو خلفاء ہوئے وہ بھی ایسا ہی کرتے رہے۔

اس نے کہا. مجھے خبر دی اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر نے عبد الملک بن عمیر سے کہ اس نے کہا. علی بن ابی طالبؑ کا دستور تھا کہ کسی قوم و قبیلہ میں کوئی بدکار اور برا آدمی ہوتا تو اس کو قید کر دیتے. اگر اس کا اپنا کچھ مال ہوتا تو اس پر اس میں سے

خرچ کرتے اور اگر نہ ہوتا تو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیتے. نیز یہ بھی کہا کہ آپ ان سے اس کے شروبرائی کو روکتے اور اس پر ان کے بیت المال سے خرچ کرتے تھے۔

اس نے کہا. ہم سے حدیث بیان کی ہمارے بعض شیوخ اور اساتذہ نے جعفر بن برقان سے کہ اس نے کہا. عمر بن عبدالعزیز نے ہماری طرف خط لکھا کہ مسلمانوں میں سے کسی کو اپنے قید خانوں میں اس طرح نہ رکھو کہ وہ یوں بندھا ہو کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے. کوئی بیڑیوں میں جکڑا ہوا رات نہ گزارے مگر وہ جو قتل و خون میں مطلوب ہو.—— اور ان قیدیوں پر صدقہ میں سے اتنا (آذوقہ) جاری کرو جو ان کے روٹی اور سالن کے لئے کافی ہو. والسلام۔

پس آپ حکم دیجئے کہ ان کے لئے اتنا مقرر کیا جائے جو ان کی روٹی سالن کے لئے کافی ہو اور اس کے لئے کچھ درہم مقرر و معین کر دیجئے جو ہر ماہ ان کو دیئے جائیں اور ان کے ہاتھ میں رہیں کیونکہ اگر آپ نے ان کے لئے کھانا مقرر کیا تو وہ قید خانے کے نگران اور داروغے لے جائیں گے. آپ اس کام پر نیک اور باخبر آدمی کو مقرر کریں جو ان قیدیوں کے نام درج کرے جن کے لئے صدقہ جاری ہوگا۔ وہ نام اس کے پاس محفوظ رہیں اور وہ ہر ماہ ایک جگہ نشست لگا کر بیٹھے اور ہر شخص کو اپنے پاس بلا کر مقررہ درہم خود اس کے ہاتھ پر رکھے. پس ان میں سے جو رہا ہو چکا ہو تو اس کا حصہ واپس خزانے میں جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے دس درہم ماہوار ہوں. لباس میں ان کو سردیوں میں بڑی قمیص اور کمبل —— اور گرمیوں میں قمیص اور تہبند. اسی طرح عورتوں کا معاملہ ہے کہ سردیوں میں قمیص. دوپٹہ. بڑی چادر اور کمبل اور گرمیوں میں قمیص. دوپٹہ. اور چادر دی جائے. ان کو اس کی ضرورت نہ پڑے کہ وہ بیڑیوں کے ساتھ نکلیں اور لوگ ان کو صدقہ دیں کیونکہ یہ بڑا نامناسب کام ہے کہ کچھ مسلمانوں نے گناہ و غلطی کی ہے اور خدا نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا جسے وہ بھگت رہے ہیں لہٰذا وہ قید میں ہیں اور اب طوق و زنجیر کے ساتھ صدقہ لینے نکلیں. میں گمان نہیں کرتا کہ اہل شرک اپنے ہاں مسلمان قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہوں تو پھر یہ کیونکر مناسب ہے کہ مسلمان حکام مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں. یعنی وہ طوق و زنجیر کے ساتھ اس لئے صدقہ لینے نکلیں گے کہ وہ بھوک سے تنگ ہیں اور سوائے مانگ کر کھانے کے انہیں کبھی کچھ نہ ملے گا۔

اے امیر المومنین! آدم کا بیٹا گناہوں سے بری و خالی نہیں ہے لہٰذا ان کے معاملے پر توجہ دیجئے اور جس طرح میں نے بیان کیا ہے ان کے لئے آذوقہ کا اجراء کیجئے۔

علاوہ ازیں قیدیوں میں سے کوئی مرجائے اور اس کا ولی و قرابت دار نہ ہو تو اس کے غسل و کفن پر بیت المال سے خرچ کیا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کیا جائے کیونکہ مجھے معتبر لوگوں کے ذریعے خبر ملی ہے کہ جب قید خانے میں ایک مسافر یا نادار شخص مرجاتا ہے تو اس کی میت دو ایک دن پڑی رہتی ہے جب تک والی سے اسکے دفن کا حکم نہیں لیا جاتا اور پھر قید خانے والے باہمی طور پر اتنا صدقہ اکٹھا نہیں کر لیتے کہ جس سے ایک مزدور لائیں جو اس مردہ کو اٹھا کر لے چلے. پس وہ اسے بغیر غسل و کفن اور نماز کے دفن کر دیتے ہیں —— اہل اسلام کے لئے کتنے شرم کی بات ہے!

اگر آپ حدود و تعزیرات کا حکم نافذ کر دیں تو قیدیوں کی تعداد کم ہوئے. فاسق و بدکار لوگوں پر خوف طاری ہو اور وہ ان کاموں سے رک جائیں جن کے باعث وہ زیادہ تر قید میں بھیجے جاتے ہیں لیکن ان کے معاملے میں کوئی غور و فکر نہیں کرتا اور بس

انہیں قید میں ڈال دیا جاتا ہے. پس آپ اپنے والیوں اور حاکموں کو حکم دیں کہ وہ قیدیوں کے معاملوں پر غور کیا کریں ___ جس کے لئے تادیب ضروری ہے اسے تادیب کر کے چھوڑ دیا جائے اور جس پر کوئی جرم ثابت نہ ہو اس کو بھی چھوڑ دیا جائے لیکن اس میں آپ ان کو حکم دیں کہ وہ تادیب میں زیادتی سے کام نہ لیں اور تجاوز نہ کریں ایسے افعال کی طرف جو حلال نہیں اور جن کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے. اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے وہ تہمت اور گناہ کے بدلے میں دو سو اور تین سو کوڑے یا اس سے کم و بیش مارتے تھے حالانکہ مومن کی پشت کی حفاظت اور بچاؤ ضروری ہے مگر کسی کے حق کی بناء پر جو اس پر تہمت. فسق. نشہ اور خطاء کے باعث تعزیر کی صورت میں واجب ہے کہ جس میں حد واجب نہیں. پس ان چیزوں کے سوا وہ انہیں کسی صورت میں نہ ماریں لیکن مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کے والی و حاکم لوگوں کو مارتے پیٹتے ہیں حالانکہ حضرت رسول ؐ نے نماز پڑھنے والوں کو مار پیٹ کرنے سے منع فرمایا ہے (۱۰۰)

یہاں ابو یوسف کا کلام ختم ہوا۔

ہم نے اس کلام کی طوالت کے باوجود اسے اس لئے نقل کیا ہے کہ یہ اہم اور دقیق مطالب پر مشتمل ہے. چونکہ اس سے ہمیں اس زمانے کے والیوں اور حاکموں کا قیدیوں کے بارے میں طرز عمل معلوم ہوتا ہے اور اس میں صاحب مال اور نادار قیدیوں کے درمیان تفصیل دینے کے متعلق امیر المومنین ؑ کے طریقے کی روایت بھی ہوئی ہے۔

ماوردی نے احکام السلطانیہ میں کہا ہے: جو شخص بار بار جرائم کا ارتکاب کرے اور حدود و تعزیرات جاری کئے جانے کے باوجود بھی باز نہ آئے تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ اسے عمر قید کرے جب کہ اس کے جرائم لوگوں کے لئے باعث ضرر ہوں. اسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک مر نہ جائے تاکہ لوگوں کو اس کے ضرر سے محفوظ رکھے اور اسے بیت المال سے خوراک ولباس مہیا کرے۔ (۱۰۱)

نظم الحکم سے احکام السجون میں منقول ہے. خلفاء راشدین میں سے پہلے شخص جنہوں نے ان کے کھانے اور گرمی سردی کے لباس میں کفالت کی ہے وہ حضرت علی ؑ تھے. جب مجرم کا اپنا مال ہوتا تو اس پر اس میں سے خرچ کرتے اور اگر اس کا مال نہ ہو تو پھر اس پر مسلمانوں کے بیت المال میں سے خرچ کرتے تھے تاکہ لوگوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھیں۔ (۱۰۲)

میں کہتا ہوں ___ بہر حال اس مسئلہ میں اقویٰ وہی تفصیل ہے جو بالفعل یا بالقوہ تحصیل معاش پر متمکن ہے یا اس کے غیر کے درمیان ہے. پس پہلی صورت میں اس کا خرچ خود اس پر ہے اور دوسری صورت میں بیت المال پر ہوگا مگر یہ کہ حکومت کے لئے باہر سے مال لینے میں کوئی مانع ہو اور مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ سب قیدی ایک نظام کے تحت بیت المال کے خرچ پر ہوں اور ہمارے زمانے میں زیادہ تر قید خانے اسی طرح کے ہیں۔

دسویں جہت قیدیوں کے متعلق بعض فروعات

ان بعض جزئی فروعات سے اجمالی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ قیدیوں کے اخراجات اور رہائش میں ان کی مدد کرنا اور ان کا خیال رکھنا واجب ہے. نیز ان کے مفادات کا لحاظ رکھنا اور ان کی رہائی میں اس حد تک سعی و کوشش کرنا ضروری ہے کہ جو ان

کے قید کیئے جانے کے مقصد کے خلاف نہ ہو۔

پہلی فرع

قیدیوں کی حالت پر نظر رکھنا۔

چونکہ ہر دور میں قید خانوں کا تعلق ادارہ عدلیہ سے رہا اور وہ اسی کے ماتحت ہوتے ہیں جیسا کہ ہمارے زمانے میں بھی ایسا ہی ہے. پس فقہاء نے آداب قضاء میں اس قاضی کی ذمہ داریوں میں اس کا ذکر کیا ہے جس کو اس عہدے پر مقرر کیا جائے کہ وہ پہلے قاضی کے حکم سے قید کیئے ہوئے افراد کے معاملوں کی چھان بین کرے تاکہ کسی وجہ کے بغیر کوئی شخص قید میں نہ رہے۔

المبسوط کے آداب القضاء میں ہے: پس جب وہ مسند پر بیٹھے تو پہلی چیز جس پر اسے غور کرنا چاہئے وہ معزول ہونے والے قاضی کے دور میں قید ہونے والوں کا معاملہ ہے. کیونکہ قید ایک عذاب و سزا ہے اور وہ دیکھ بھال کر کے ان کو اس سے چھٹکارا دلائے. ہوسکتا ہے کہ ان میں کچھ ایسے افراد ہوں جن کی قید پوری ہوچکی ہو اور ان پر کوئی حق نہ ہو ـــــ آخر کلام تک جو شیخ نے ذکر کیا ہے۔ (۱۰۳)

شرائع کی بحث قضاء میں قاضی کے مستحب آداب میں ہے: پھر وہ قیدیوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرے اور ان کے نام اپنے پاس لکھے. پھر شہر میں منادی کرائے کہ مقدمات کے فریق ایک مقررہ وقت پر اس کے پاس جمع ہوں. پس جب وہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک ایک قیدی کا نام لے اور اس سے اس کے قید ہونے کی وجہ پوچھے اور وہ جو عذر بیان کرے اسے فریق مخالف کے سامنے پیش کرے اور اگر اس کی قید کا موجب ثابت ہو تو اس کو قید خانے میں واپس بھیج دے. اگر اس کے مقابل کوئی مخالف فریق نہ آئے تو اسے رہا کر دے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے قسم بھی دلائے (۱۰۴)

شافعیوں کی کتاب فقہ المنہاج نووی میں ہے: سب سے پہلے قیدیوں کے معاملے پر غور و خوض کرے. پس جو یہ بتائے کہ میں کسی حق کی بناء پر قید ہوا ہوں تو اس کو قید میں رہنے دے یا کہے کہ میں ناانصافی کی بناء پر قید ہوں تو اس کے فریق مخالف کے لئے اس بارے میں دلیل و حجت لانا ضروری ہے۔ (۱۰۵)

شافعی فقیہ ابو اسحاق شیرازی کی کتاب المہذب سے احکام السجون میں منقول ہے: مستحب ہے کہ سب سے پہلے قیدیوں کے بارے میں غور و فکر کرے کیونکہ قید ایک ایک عقوبت و عذاب ہے اور ممکن ہے ان میں کچھ ایسے لوگ ہوں جن کا رہا کیا جانا ضروری ہوا. لہٰذا مستحب ہے کہ اسی کام سے ابتداء کرے اور قیدیوں کے نام لکھے اور شہروں میں اعلان کرائے کہ قاضی فلاں دن قیدیوں کے معاملے پر غور کرنا چاہتا ہے اور جس کا کوئی قیدی ہو وہ اس وقت آجائے. پس جب ان کے مقابل فریق حاضر ہوں تو ان میں سے ہر ایک کے مقابل فریق کو لائے اور اگر اس کا رہا کرنا واجب ہو تو رہا کرے. اگر اسے قید میں رکھنا ضروری ہو تو اسے واپس قید خانے میں بھیج دے۔ (۱۰۶)

میں کہتا ہوں ـــــ اکثر شیعہ و سنی فقہاء نے کتاب القضاء میں اسی مضمون کی تصریح کی ہے پس مراجعہ کریں اور دیکھیں کہ

فقہ اسلامی نے قیدیوں اور ان کی دیکھ بھال کا کتنا اہتمام کیا ہے. پھر یہ ملاحظہ کریں کہ اکثر ممالک میں کیا حال ہے کہ جن کے قید خانے بھرے پڑے ہیں اور ان میں ایسے افراد بند ہیں جو محض کسی تہمت اور الزام کی بناء پر کئی مہینوں اور کئی سالوں سے محبوس ہیں اور ان کے بارے میں کوئی کاروائی نہیں کی جاتی کہ جس سے ان کی حیثیت اور ان کے انجام کا کوئی فیصلہ ہو سکے. پس غور کریں۔

دوسری فرع

قیدیوں کی ضرورئیات پر توجہ دینا

بے شک امام و حاکم پر لازم ہے کہ وہ قیدیوں کی ضروریات کا خیال رکھے اور ان کی گزران کے سلسلے میں خوراک. علاج. صاف ستھرا ماحول. گرمیوں سردیوں کا لباس مہیا کرے اور ان کے مفادات کا لحاظ کرے. اس کی تفصیل نویں جہت میں قیدیوں کے نان و نفقہ کی بحث میں گزر چکی ہے. نیز ابو یوسف کی کتاب الخراج سے اس کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے "جو خلفاء رہے وہ قیدیوں کے لئے سبھی کچھ دیتے تھے جو روٹی سالن اور سردی گرمی کے لباس میں ان کے لئے ضروری تھا اور سب سے پہلے جس نے یہ کام کیا وہ (امیر المومنین) علی بن ابی طالبؑ عراق میں تھے. پھر شام میں معاویہ نے بھی ایسا ہی کیا اور اس کے بعد جو خلفاء ہوئے وہ بھی ایسا ہی کرتے رہے" ۔ (۱۰۷)

احکام السجون میں قابل لحاظ باتوں میں سے یہ ہے. ضروری ہے کہ قید خانے کی عمارت گرمی سردی سے بچنے والی اور آرام دہ ہو کہ وہاں قیدی کو زیادہ سہولت حاصل ہو. اسی بناء پر آپ دیکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ ان کو عام گھروں میں قید کیا کرتے کہ جن میں دوسرے لوگ بھی رہتے تھے اور ان میں روشنی اور کشادگی ہوتی تھی. پس آپ نے ان جنگی قیدیوں کو بھی عام گھروں میں رکھا کہ جن کے قتل کا حکم صادر ہوتا تھا. چنانچہ آپ نے انہیں صحابہ کے گھروں میں تقسیم کر دیا تھا نیز کئی مواقع پر آپ قیدیوں کو ایک ہی جگہ رکھتے جیسا کہ وہ لوگ جن کو انصار میں سے بنی نجار کی ایک عورت کے گھر میں قید کیا گیا تھا۔ (۱۰۸)

بدائع الصنائع میں ہے. باقی رہا ان چیزوں کا بیان جن سے قیدیوں کو روکا جائے اور جن سے روکا جائے ــــ پس قیدی کے لئے ممنوع ہے کہ وہ اپنے مشاغل کے لئے نکلے. جمعہ و جماعت. جنازہ اور عیدوں میں جانے. بیماروں کی عیادت اور ضیافت میں جانے سے روکا جائے گا. کیونکہ قید کسی قرض کی ادائیگی کا ذریعہ ہے تو جب اس کو اس کے مشاغل اور اہم دینی و دنیاوی امور سے روک دیا جائے گا تو وہ اس سے دل تنگ ہو گا لہٰذا قرض کی ادائیگی میں جلدی کرے گا. البتہ اس کے رشتہ داروں کو اس کے پاس آنے جانے سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ قید خانے کی وضع اور اس کے قوانین میں مخل نہیں ہے اور بعض اوقات یہ چند شرعی تصرفات کے عمل میں آنے کا موجب بنتا ہے مثل خرید و فروخت. ہبہ صدقہ اور قرض خواہوں کے لئے اقرار ناموں کا لکھا جانا ــــ پس قیدی کو ان کاموں سے نہیں روکا جائے گا اور وہ ان میں سے کوئی کام کرے تو وہ نافذ ہو گا اور قرض خواہ اسے باطل کرنے کا حق نہیں رکھتے. کیونکہ قید ہو جانا اہلیت تصرفات کے بطلان کا سبب نہیں بنتا۔ (۱۰۹)

میں کہتا ہوں ــــ اس کا یہ کہنا کہ قیدی جمعہ و جماعت اور عیدوں کے لئے نہیں نکلے گا تو وہ بعض اوقات اس چیز کے منافی

ہے کہ جس کا ذکر ہم عنقریب کریں گے کہ امام و حاکم قیدیوں کو جمعہ و عیدین کے لئے قید خانے سے نکالے گا مگر محافظوں کی نگرانی اور ان کے وارثوں کی ضمانت کے ساتھ ایسا کرے گا۔ اسے یاد رکھیں

وہ امور کہ جن کا خیال رکھا جانا چاہئے ان میں سے قیدی اور اس کی بیوی (یا شوہر) کے درمیان ملاقات میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ ان کے لئے خلوت کی صورت ممکن ہو۔ کیونکہ جنسی خواہش زبردست خواہشوں میں سے ہے اور میاں بیوی کے درمیان طویل عرصے تک جدائی عام طور پر ایسے امور کا موجب بنتی ہے جن کو عقل و شریعت پسند نہیں کرتے —— چنانچہ بعض اوقات اس سے طلاق کی نوبت آجاتی ہے اور ازدواجی زندگی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

مستدرک میں جعفریات سے اس کی سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے۔ ان کے والد گرامیؑ۔ ان کے جدِ امجدؑ سے امیر المومنینؑ کے بارے میں روایت ہے کہ فرمایا: ایک عورت نے امیر المومنینؑ کے حضور اپنے شوہر کی تعدی کے بارے میں شکایت کی تو آپ نے اس کے شوہر پر قید کا حکم لگا دیا اور وہ اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کی خاطر اس پر خرچ نہیں کرتا تھا۔ تب شوہر نے کہا کہ میرے ساتھ اس کو بھی قید کر دیں —— آپ نے فرمایا ہاں تمہیں یہ حق پہنچتا ہے۔ اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ (۱۱۰)

تیسری فرع

قید خانے کا نگران کوتاہی کرے تو ضامن ہو گا

اگر قید خانے کا نگران اس کی عمارت کی عمدگی، اس کی ہوا و فضاء میں امن و سکون کے اہتمام یا قیدی کی خوراک و علاج یا اس کی زندگی کے باقی وسائل میں کوتاہی کرے اور وہ مر جائے یا بیمار ہو جائے تو ظاہر یہ ہے کہ بطور دیت و قصاص وہ اس کا ضامن ہے۔ کیونکہ اس کی بیماری یا موت کا تعلق نگران کے عمل سے تعلق رکھتی ہے۔

شیخ نے الخلاف میں کہا ہے۔ (مسئلہ ۱۹۔ از جنایات) جب کسی چھوٹے بچے کو گرفتار کر کے ظلماً قید کر دے تو اس پر دیوار گر پڑے یا کوئی درندہ اسے پھاڑ کھائے یا سانپ ڈس جائے یا بچھو کاٹ لے اور وہ مر جائے تو وہ اس کا ضامن ہے —— یہ ابو حنیفہ کا قول ہے اور شافعی نے کہا ہے کہ وہ ضامن نہیں ہے۔ ہماری دلیل فرقہ شیعہ کا اجماع اور ان کے اخبار ہیں نیز احتیاط کا طریق بھی یہی تقاضا کرتا ہے **طبعی موت میں** ضامن نہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (۱۱۱)

میں کہتا ہوں —— ظاہر یہ ہے کہ فرقہ کے اخبار سے مراد وہ اخبار و روایات ہیں جو ایسی صورت میں ضمانت و ذمہ داری پر دلالت کرتے ہیں کہ جب موت سبب کے فعل کی طرف راجع ہو اور اپنی موت سے مراد وہ موت ہے جو اس کی طبعی اجل کے آپہنچنے کے باعث آئی ہو۔ شائد بچے کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ اس کی موت ان امور سے تعلق رکھتی ہے جن کا ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ بڑا شخص تو عام طور پر اپنا دفاع کرتا ہے اگرچہ وہ چیخ و پکار اور مدد طلب کرتے ہوئے ہی کرے۔ وگرنہ اگر وہ بھی قید میں ہونے یا قید کرنے والے کی کوتاہی کے نتیجے میں مر جائے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کا بھی ضامن ہو گا۔

اسی طرح قید میں کوئی فرق نہیں چاہے وہ ناحق کی قید یا کسی حق کی بناء پر ہو کیونکہ حق تو صرف اس کے قید کرنے میں ہے اور

اسے درندے یا سانپ یا گرتی دیوار کے قریب رکھنا حق نہیں ہے. پس غور کریں۔

۲۔ المبسوط کی کتاب الجراح میں کہا ہے. جب کسی آزاد شخص کو پکڑ کر قید کر دے اور وہ اس کی قید میں مرجائے. پس اگر کھانے پینے میں اس کا خیال رکھتا تھا اور پھر وہ مرگیا تو وہ چھوٹا ہو یا بڑا کسی طرح کی ضمانت نہیں ہے. بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر وہ بڑا ہے تو یہی حکم ہو گا لیکن اگر چھوٹا ہے اور اپنی موت مرا ہے تو بھی ضمانت نہیں ہے اور اگر وہ کسی سبب مثل سانپ کے ڈسنے. بچھو کے کاٹنے یا درندے کے پھاڑنے یا دیوار گرنے یا چھت تلے دب کر مرجائے تو قید کرنے والے پر اس کی ضمانت لازم ہو گی اور یہی وہ چیز ہے جس کی ہمارا مذہب اور ہمارے اخبار تائید کرتے ہیں۔

لیکن اگر قید کرنے والا قیدی کو کھانے پینے سے یا دونوں سے روکے یا اس پر چھت گرا دے اور وہ مرجائے کہ جس سے لوگ عام طور پر مرجاتے ہیں تو اس پر قصاص ہے اور اس میں عام طور پر نہیں مرتے تو قصاص نہیں دیت ہے. پس یہ چیز انسان و موسم کے ادل بدل میں تبدیل ہو جاتی ہے. پس اگر وہ بھوکا ہے یا پیاسا ہے اور موسم بہت سرد ہے تو جلدی سے مرجاتا ہے اور اگر سیرو سیراب ہے اور موسم معتدل یا سخت سرد ہے تو وہ بہت دیر تک نہیں مرے گا پس اس میں لحاظ رکھا جائے گا. اگر اتنی دیر میں مرے کہ جس میں عام طور پر ایسا آدمی مرجاتا ہے تو اس پر قصاص ہو گا اور اگر اتنی مدت ہو جس میں انسان عام طور پر نہیں مرتا تو اس پر دیت ہے۔ (۱۱۲)

۳۔ القواعد کی کتاب الجنایات میں اقسام قتل کے بیان میں ہے. اگر قید کرنے والا قیدی کو کھانے پینے سے اتنی مدت تک روکے رکھے کہ جس میں اس طرح کا آدمی زندہ نہیں رہ سکتا اور وہ مرجائے یا اس کو ایسی بیماری لگ جائے کہ جس سے وہ مر جائے یا کمزور ہو جائے یہاں تک کہ مرجائے تو وہ قتل عمد کا حکم رکھتا ہے اور یہ لوگوں کو قوتوں. اور حالتوں کے اختلاف کے ساتھ تبدیل ہو جاتا ہے. پس ایک سیراب شخص سردی میں اس چیز پر صبر کر سکتا ہے جس پر ایک پیاسا گرمی میں صبر نہیں کر سکتا. ٹھنڈے مزاج کا شخص بھوک پر گرم مزاج سے زیادہ صبر کر سکتا ہے. پس اگر اس نے ایک بھوکے آدمی کو قید کیا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگیا تو اگر اسے اس کے بھوکا ہونے کا علم تھا تو اس پر قصاص لازم ہے جیسا کہ اگر وہ کسی بیمار کو اتنا مارے کہ جتنی مار بیمار کو ختم کر دیتی نہ کہ وہ مار جو صحیح و سالم کو ختم کرتی ہے. پس اگر وہ اس کے بیمار ہونے سے واقف نہ تھا تو قصاص میں اشکال ہے. اگر ہم اس کی نفی کر دیں تو پوری دیت یا نصف دیت ــ جب اس کی ہلاکت کو بھوک پیاس کی ہلاکت قرار دیا جائے تو بھی اس میں اشکال ہے۔ (۱۱۳)

المبسوط سرخسی سے احکام السجون میں منقول ہے: ۴۔ اگر اسے کسی کوٹھڑی میں قید کیا اور اس کا دروازہ بند رکھا یہاں تک وہ مرگیا تو صاحبین (ابو یوسف و محمد بن حسن) کے نزدیک وہ اس کی دیت کا ضامن ہے اس شخص کی مثل کہ جو راستے میں گڑھا کھودتا ہے۔ (۱۱۴)

۵۔ اسی کتاب میں ابو اسحاق شیرازی کی المهذب سے منقول ہے. اگر کسی شخص کو قید کر کے اسے کھانے پینے سے اتنی مدت تک روکے کہ جس میں وہ کھانے پینے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور وہ مرگیا تو اس پر قصاص واجب ہے۔ (۱۱۵)

ان کے علاوہ بھی فریقین کے فقہاء کے اقوال و کلمات ہیں اور خاص بات تو موت کا اس کی طرف نسبت رکھنا ہے اگرچہ وہ

اس کا سبب ہے لیکن یہ اپنے ہاتھوں مارنے سے بھی قوی جرم ہے. یہ حکم صرف کھانے پینے میں رکاوٹ ڈالنے میں منحصر نہیں بلکہ دوا اور دوسری چیزیں بھی اس میں داخل ہیں کہ جن پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے مثل ہوا کی آمدورفت اور جسم کے گرم رکھنے کے وسائل جن کی ضرورت ہوتی ہے. پس غور کریں۔

چوتھی فرع

امام پر لازم ہے کہ قیدیوں کے دینی اعمال کا خیال رکھے۔

۱۔ صدوق سے ان کے اسناد کے ساتھ عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا. جو لوگ دین وقرض کے معاملے میں قید ہوئے ہیں اس پر لازم ہے کہ انہیں جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے اور عید کے دن نماز عید کے لئے قید سے نکالے. پس ان کے ساتھ کسی کو بھیج دے کہ جب وہ نماز جمعہ یا نماز عید پڑھ لیں تو ان کو واپس قید خانے میں لے آئے۔ (۱۱۶)

اس میں صدوق کی سند عبداللہ بن سنان تک صحیح ہے لہٰذا یہ روایت درست ہے اور شیخ سے ان کی سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن سیابہ سے بھی ابو عبداللہؑ سے اسی طرح مروی ہے۔ (۱۱۷)

پس اس کی سند ابن سیابہ تک صحیح ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ قابل وثوق ہے اگرچہ صاحب مدارک نے اس کی طرف مجہول ہونے کی نسبت دی ہے۔

۲۔ جعفریات سے اس کی سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے. جو قیدی قرض یا تہمت کی وجہ سے قید میں ہوتے تھے. امیر المومنینؑ ان کو جمعہ کے دن نکالتے اور وہ نماز میں حاضر ہوتے. پس ان کے ورثاء ان کے واپس قید خانے میں پہنچنے تک ان کے ضامن ہوتے۔ (۱۱۸)

ظاہر یہ ہے کہ قرض اور تہمت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہر مسلمان قیدی کیلئے عام ہے. البتہ بعض اوقات ان ہر دو روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ادوار میں قرضوں اور تہمتوں کے علاوہ حبس و قید نہیں ہوتی تھی اور آج کل کی طرح ہر بڑے چھوٹے جرم و گناہ اور ہر شبہ و شکایت پر قید کا حکم نہیں لگتا تھا. نیز امیر المومنینؑ کے زمانے اور اس سے پیشتر سیاسی قید خانوں کا رواج نہیں تھا جو ہمارے اس دور میں پائے جاتے ہیں. اس زمانے میں لوگ اپنی سیاسی آراء اور ان کے اظہار میں آزاد تھے جب تک ان میں بغاوت طغیان اور قتل و غارت کا عنصر شامل نہ ہوتا. اسے یاد رکھیں۔

۳۔ جعفریات سے اس کی سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے. ان کے والد گرامیؑ سے مروی ہے: امیر المومنینؑ جمعہ کے دن برے اور بدکار لوگوں کو نماز کی طرف لاتے اور ان پر تنگی و سختی کرنے کا حکم دیتے۔ (۱۱۹)

شاید اس کا ظاہر یہ ہے کہ قید خانہ سے نکالا جائے اور اگر آپ اس سے انکار کرتے ہیں تو اس کا عموم تمام قیدیوں کے لئے ہے۔

۴۔ احکام السجون میں استاد توفیق فلیکی کی کتاب تاریخ السجن الاصلاحی سے منقول ہے: اس سلسلے میں اخبار وارد ہوئے اور

آثار دلالت کرتے ہیں کہ جنہیں ایک قاری تاریخ. آداب اور سیرت کی کتابوں کے علاوہ فقہی کتب میں موجود پائے گا کہ قید خانوں میں شرعی عبادات. تہذیبی آداب. قرآنی تعلیمات اور لکھنے پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا تھا اور خاص طور پر نافع و مخیس جو امیر المومنین کے بنائے ہوئے قید خانے تھے ان میں یہ سب امور حتمی و لازمی طور پر رائج تھے۔

امیر المومنین قیدیوں کے دینی شعائر ترک کرنے پر ان کو لاٹھیوں سے مارتے تھے یعنی ان میں سے جو ان کی پرواہ نہ کرے یا ان کی ادائیگی میں کاہلی و سستی کرے تو آپ اسے تعزیر لگاتے تھے. اسی طرح آپ انصاف کے تقاضوں کے مطابق ان کی خوراک. لباس، صحت اور دوسرے مسائل کا انتظام کرتے اور ان پر عنایت اور مہربانی فرماتے تھے۔ (۱۲۰)

گیارہویں جہت۔ شیعہ و سنی روایات میں قید کے موارد۔

ان موارد سے متعرض ہونے سے پہلے ہم ایک کلی ضابطہ کا ذکر کرتے ہیں جو شہید اول نے اپنی کتاب القواعد والفوائد میں درج کیا ہے اور اس کے بعد وہ ضابطہ بھی ذکر کریں گے جو الفقہ الاسلامی وادلتہ میں بعض علماء اہل سنت سے نقل ہوا ہے۔

شہید اول نے القواعد میں فرمایا ہے: حبس وقید کا ضابطہ، جب حق کا معلوم ہونا اس پر موقوف ہو تو یہ کئی مواقع پر ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ مجرم کو قصاص کے اجراء کے لئے قید کرنا جب کہ زخمی ہونے والا یا اس کا وارث غائب ہو۔

۲۔ وہ جو قدرت رکھتے ہوئے کسی کا حق ادا کرنے سے انکار کرے۔

۳۔ وہ شخص جس کی تنگی و خوشحالی کا معاملہ مشتبہ ہو جب کہ دعویٰ مال کا ہو یا اس کا اصل مال تو معلوم ہو اور اس کی تنگ دستی ثابت نہ ہو. پس اس کو قید کیا جائے گا تا کہ ان دو امور میں سے ایک ظاہر ہو جائے۔

۴۔ ایک بار ہاتھ اور دوسری بار پاؤں کاٹے جانے کے بعد چوری کرنے والا یا وہ چور جس کا ہاتھ پاؤں نہ ہو۔

۵۔ جو شخص اس تصرف سے منع کرے جو اس پر واجب ہے جب کہ اس میں نیابت جاری نہ ہوئی مثلاً انتخاب کردہ یا پیش کردہ مال کی تعیین کے جو عین مالوں یا چند قسموں میں سے ہو کہ جس کا اقرار کیا ہے اس کی تعیین اور جس کا عیناً یا ذمۃً اقرار کیا ہے اس کی مقدار اور جس کے حق میں اقرار کیا ہے۔ تعیین کرنا ہو۔

۶۔ جو شخص قتل و خون کا ملزم ہو اسے چھ دن تک قید میں رکھا جانا۔

پس اگر آپ کہیں کہ قواعد و کلیات کا تقاضا یہ ہے کہ عقوبت و سزا جرم و جنایت کی مقدار کے مطابق ہونا چاہئے اور جو شخص ایک درہم ادا کرنے سے انکار کرے تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسے ادا کر دے. اس طرح بعض اوقات قید طویل ہو جائے گی جو ایک معمولی سے جرم کے بدلے میں بہت بڑی عقوبت و سزا ہے۔

جواباً میں یہ کہوں گا جب اس کا انکار مسلسل رہا تو انکار کی ہر گھڑی کا قید کی ہر گھڑی سے مقابلہ کیا جائے گا. پس جس طرح وہ مکرر جرم کرتا ہے اسی طرح سزا بھی مکرر ہوتی رہے گی۔ (۱۲۱)

شہید کا کلام ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں ___ گویا شہید اول تعزیری قید خانوں اور سیاسی زندانوں کو شرعی اعتبار سے درست نہیں سمجھتے اور اسی لئے انہوں نے ان کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ عمر قید کے موارد بھی نہیں لکھے جو روایات میں آئے ہیں اور ان میں ایک ہی ذکر کیا جو اس چور کے لئے ہے جس نے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹے جانے کے بعد چوری کی ہو حالانکہ عمر قید کے بہت سے موارد ہیں جیسا کہ عنقریب معلوم ہو گا۔

قرافی المالکی کی کتاب الفروق سے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں نقل ہوا ہے:

قید ان آٹھ مواقع پر جائز قرار دی گئی ہے۔

۱۔ زخمی ہونے والے کی غیبت کی صورت میں قصاص کے تحفظ کے لئے مجرم کو قید کیا جائے گا۔

۲۔ بھاگے ہوئے غلام کو ایک سال تک قید میں رکھا جائے گا تاکہ اس کی قیمت محفوظ رہے اور اس کے مالک کا پتہ لگ سکے۔

۳۔ کسی کا حق دینے سے انکار کرنے والے کو اس کی ادائیگی پر مجبور کرنے کے لئے قید کیا جائے گا۔

۴۔ جس کی تنگی و خوشحالی کا معاملہ مشتبہ ہو تو اسے اس کے حالات کی جانچ کرنے کے لئے قید کیا جائے تاکہ اس کی حالت ظاہر ہو جائے اور اس کی تنگی و خوشحالی کا حکم لگایا جائے۔

۵۔ مجرم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روکنے کیلئے قید کیا جائے گا۔

۶۔ اس کی قید جو واجب تصرف سے مانع ہو مثلاً جو مسلمان ہو گیا لیکن دو بہنوں سے یا دس عورتوں سے شادی کر رکھی ہے یا ایک عورت اور اس کی بیٹی سے شادی کر رکھی ہے اور اب وہ کسی ایک کی تعیین سے انکار کرتا ہے۔

۷۔ جو کسی مجہول چیز کا عین یا ذمہ میں اقرار کرے اور اس کے تعین سے انکار کرے. پس اس کو قید کیا جائے گا جب تک انہیں معین نہ کرے یعنی کہے وہ عین مال یہ کپڑا ہے یا اسی طرح کی جس چیز کا میں نے اقرار کیا ہے تو بطور ذمہ میرے پاس یہ دینار ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کے حق کا انکار کرنے والا کہ جس میں نیابت نہیں ہو سکتی مثل روزے کے اور شافعیوں کے نزدیک اسے قید کیا جائے گا اور مالکیوں کے نزدیک مثل انکار نماز کے اسے قتل کیا جائے گا۔

قرافی نے کہا ہے کہ ان آٹھ مواقع کے سوا کسی اور صورت میں قید کرنا جائز نہیں ہے. نیز کسی حق میں قید کرنا جائز نہیں جب حاکم اس کے وصول کرنے کی تمکین و قدرت رکھتا ہو۔ پس اگر مقروض قرضہ ادا کرنے سے انکار کرتا ہو اور ہمیں اس کے مال کا علم ہو تو ہم اس میں سے بہ مقدار قرض لے لیں گے اور ہمارے لئے اسے قید میں رکھنا جائز نہیں ہے. اسی طرح ہے جب ہمیں اس کے گھر یا اس کے مال یا کوئی اور چیز یا ایسی چیز جو قرض کے بدلے رہن ہو اس پر ہمیں قابو حاصل ہو تو ہم اسے قید نہیں کریں گے کیونکہ اسے قید کرنے سے اس پر ظلم کا استمرار ہے اور ظلم میں دوام ناپسندیدہ ہے۔ (۱۲۲)

میں کہتا ہوں ___ اس مؤلف کا کلام بھی سیاسی قیدیوں کے ذکر سے خالی ہے جو آج کل تمام ممالک میں ایک معاشرتی الجھن بن

گئی ہے۔

جب آپ یہ جان گئے تو ہم کہیں گے کہ حبس و قید کے بارے میں جو اخبار وارد ہوئے ہیں ان کے دو گروہ ہیں۔

پہلا گروہ

اس میں وہ روایات ہیں جو حبس و قید سے اجمالی طور پر متعرض ہوئے ہیں یا ایک معین مدت تک قید کا ذکر کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ

اس میں وہ روایات ہیں جو ان افراد کے بارے میں ہیں جن کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا کہ وہ مر جائیں یا توبہ کرلیں۔

پس ہم اولاً پہلے گروہ کا ذکر کرتے ہیں اور پھر دوسرے گروہ کو سامنے لاتے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ بعض عنوان کسی دوسرے عنوان کی طرف لوٹتے ہیں اور بعض کسی دوسرے عنوان میں داخل ہو جاتے ہیں. لیکن مقصود یہ ہے کہ ان تمام موارد سے تعرض کیا جائے جو روایات میں ذکر ہوئے ہیں. بعض اوقات ان میں خصوصیت کو لغو قرار دینا پڑتا ہے یا ان سب میں سے ایک قاعدہ کلیہ اخذ کیا جاتا ہے. پس ملاحظہ کریں۔

پہلا گروہ

اس میں پہلا مورد تہمت ہے۔

۱۔ کلینی و شیخ نے معتبر اسانید کے ساتھ نوفلی و سکونی کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: نبی کریمؐ قتل و خون کی تہمت میں چھ دن تک قید میں رکھتے. پھر اگر مقتول کے ورثاء کوئی ثبوت لے آتے تو اس پر عمل کیا جاتا ورنہ اسے رہا کر دیتے تھے۔ (۱۲۳)

میں کہتا ہوں ـــــ آپ کا یہ ارشاد کہ "وہ قید میں رکھتے" اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرتؐ کے عہد میں ایسے کئی واقعات پیش آئے اور حدیث میں اگرچہ موضوع خصوصیت کے ساتھ قتل و خون ہے لیکن ایک چیز کا ثبوت دوسری کی نفی نہیں کرتا. لہٰذا یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ خون کے علاوہ کسی جرم میں قید کرنا جائز نہیں ہے. یہ بھی دیکھیں کہ قتل و خون کی اہمیت اور اس کے بارے میں اسلام کی خاص توجہ کے باوجود نبی کریمؐ اس کی تفتیش کے لئے چھ دن سے اوپر قید نہیں کرتے تھے اور پھر ملزم کو چھوڑ دیتے تھے. شہید اول کی عبارت کا ظاہر بھی یہی ہے جیسا کہ القواعد سے گزر چکا ہے کہ چھ دن معین ہیں اور ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے. اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی شخصیات اور ان کے اوقات بھی قابل قدر ہیں اور اسلام نے ان کو اہمیت دی ہے لہٰذا ضرورت سے زیادہ ان سے تعرض کرنا اور انہیں ضائع کرنا جائز نہیں ہے. پس

غور کریں۔

۲۔ سنن ابو داؤد میں بہزبن حکیم سے. اس کے باپ سے. اس کے دادا سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک شخص کو تہمت کے سلسلے میں قید کیا تھا۔ (۱۲۴)

۳۔ سنن ترمذی میں اس کی سند کے ساتھ بہزبن حکیم سے. اس کے باپ سے. اس کے دادا سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے ایک شخص کو تہمت کی بناء پر قید کیا اور پھر رہا کر دیا۔ (۱۲۵)

۴۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ بہزبن حکیم سے. اس کے باپ سے. اس کے دادا سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک شخص کو تہمت کی بناء پر دن کا ایک حصہ قید میں رکھا اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ (۱۲۶)

ظاہر ہے کہ دراصل یہ ایک ہی روایت ہے جو تین طریقوں سے نقل ہوئی ہے۔

۵۔ التراتیب الاداریہ میں ہے: بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے مدینہ میں ایک شخص کو تہمت کی بناء پر قید کیا تھا. اسے عبدالرزاق ونسائی نے اپنی اپنی کتابوں میں بہزبن حکیم کے طریقے سے. اس کے باپ سے. اس کے دادا سے روایت کیا ہے اور ابو داؤد نے اس سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: حضرت رسولؐ نے میرے قبیلے کے کچھ افراد کو قتل وخون کی تہمت میں قید کیا تھا نیز المصنف کے علاوہ بھی عبدالرزاق سے اسی سند کے ساتھ روایت ہوئی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ایک شخص کو تہمت کی بناء پر دن کا ایک حصہ قید میں رکھا اور پھر چھوڑ دیا۔ (۱۲۷) اسے یاد رکھیں۔

۶۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ ابو جعفرؑ سے روایت ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: قید اس وقت تک ہے کہ جب معاملہ امام و حاکم پر واضح ہو جائے. اس کے بعد اگر قید میں رکھا جائے تو وہ ظلم و جور ہے۔ (۱۲۸)

۷۔ الوسائل میں اس کی سند کے ساتھ ابو بصیر کے واسطہ سے ابو جعفرؑ سے اس نوجوان کے بارے میں روایت ہے جس نے امیرالمومنینؑ سے شکایت کی تھی کہ چند افراد اس کے باپ کے ساتھ سفر کو گئے تھے. پس وہ تو واپس آ گئے لیکن اس کا باپ واپس نہیں آیا. انہوں نے کہا کہ وہ مر گیا ہے اور اس نے کوئی مال نہیں چھوڑا. تب امیرالمومنینؑ نے انہیں الگ الگ کر دیا اور ان میں ایک سے سوال کیا تو اس نے اس شخص کی موت کا دعویٰ کیا اور قتل کا اقرار نہ کیا. آپ نے حکم دیا کہ اس کا سر منہ ڈھانپ کر اسے زندان میں لے جایا جائے. پھر دوسرے کو پوچھ گچھ کے لئے لایا گیا۔ (۱۲۹)

یہ ایک طویل حدیث ہے جو البحار میں بھی اسی طریقے سے روایت ہوئی ہے۔ (۱۳۰)

۸۔ البحار میں المناقب سے ایک غلام کے قصے میں منقول ہے کہ اس نے اپنے مالک کو قتل کر دیا تھا. خلیفہ عمر نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اس غلام نے کہا کہ اس کے مالک نے اس سے بدفعلی کی ہے. راوی کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے خلیفہ سے کہا کہ اسے تین دن تک قید میں رکھو اور جب تک تین دن گزر نہ جائیں اس کے بارے میں کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ (۱۳۱)

ان ہر دو اخبار کا مورد بھی تہمت ہے اور اس میں قید کی غرض حقیقت حال کا انکشاف ہے۔

۹۔ دعائم الاسلام میں امیرالمومنینؑ سے منقول ہے کہ فرمایا: قتل وخون کی تہمت کے سوا کسی تہمت میں حبس و قید نہیں اور حق کا انکشاف ہونے کے بعد قید میں رکھنا ظلم ہے۔ (۱۳۲)

یہ روایت مستدرک میں بھی اسی کتاب کے حوالے سے آئی ہے۔ (۱۳۳)

۱۰۔ المصنف عبدالرزاق میں اس کی سند کے ساتھ مروی ہے: بنی غفار کے دو مرد آگے بڑھے یہاں تک کہ مدینہ کے چشمہ ضجنان پر آکر اترے جب کہ وہاں بنی غطفان کے کچھ لوگ موجود تھے اور ان کے پاس ان کی سواریاں بھی تھیں. پس غطفانیوں نے اس حال میں صبح کی کہ ان کے اونٹوں میں سے سرمئی آنکھوں والی دو اونٹنیاں گم ہو چکی تھیں اور انہوں نے ان دو غفاریوں پر تہمت لگائی اور ان کو نبی اکرمؐ کے پاس لاکر یہ مقدمہ پیش کیا. آپ نے ان میں سے ایک کو قید کر دیا اور دوسرے سے کہا کہ اونٹنیوں کو تلاش کرو۔ پھر تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ اونٹنیاں لے آیا۔ (۱۳۴)

اس خبر کا ظاہر بھی تہمت ہے لیکن اس کا موضوع مال ہے پس یہ دعائم کی خبر سے معارض ہے مگر یہ کہا جائے کہ نبی اکرمؐ پہلے سے جانتے تھے یا آپ کو اس وقت حقیقت کا علم ہو گیا تھا لہٰذا یہ حبس و قید صرف اتہام کی بناء پر نہیں ہے۔

۱۱۔ کتاب الغارات میں امیرالمومنینؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: میں تہمت کی بناء پر گرفتار نہیں کروں گا. ظن و گمان کی وجہ سے سزا نہیں دوں گا اور میں کسی سے جنگ نہیں کروں گا مگر وہ جو میری مخالفت کرے اور مجھ سے عداوت ظاہر کرے۔ (۱۳۵)

اسی کتاب سے ابن ابی الحدید اور طبری نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ (۱۳۶)

میں کہتا ہوں ـــ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ اس میں آنجنابؑ نے اپنی سیرت کی حکایت کی ہے لہٰذا یہ اس پر دلالت نہیں کرتی کہ تہمت کی بناء پر گرفتار کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۲۔ کتاب الغارات میں بنی ناجیہ میں سے خریت بن راشد کے امیرالمومنینؑ کے خلاف خروج کرنے اور اس ضمن میں عبدالرزاق بن قعین کی طرف سے آپ پر اعتراض کرنے میں کہ آپ نے اسے قید کیوں نہیں کر دیا تھا... اس واقعہ کے بارے میں ذکر ہوا ہے کہ اس نے کہا. یاامیرالمومنینؑ! میں نے آپ سے عرض کیا ہے کہ آپ ابھی سے اس کو قید میں کیوں نہیں ڈال دیتے! آپ نے فرمایا اگر ہم ہر شخص کے ساتھ ایسا کرنے لگیں کہ جس کو لوگوں میں سے متہم سمجھیں تو ہم قید خانوں کو اس طرح کے افراد سے بھر دیں ـــ پس میں نہیں سمجھتا کہ میرے لئے اس بات کی وسعت ہو کہ میں لوگوں پر لپک پڑوں. انہیں قید کر دوں اور ان کو سزا دوں جب تک وہ ہماری مخالفت کا اظہار نہ کریں۔ (۱۳۷)

یہ روایت ابن ابی الحدید نے بھی اسی کتاب سے نقل کی ہے۔ (۱۳۸)

میں کہتا ہوں ـــ ممکن ہے کہا جائے کہ اس خبر کا ظاہر یہ ہے کہ آنجناب کا متہم لوگوں کو گرفتار کرنے میں تعطیل و تعویق کرنا، اس میں سیاسی اشکال کی بناء پر ہے اور وہ شرعی اشکال نہیں ہے۔

لیکن اس پر یہ اعتراض آتا ہے کہ آنجنابؑ کا ارشاد "پس میں نہیں سمجھتا کہ میرے لئے اس بات کی وسعت ہو کہ میں لوگوں پر لپک پڑوں" شرعی طور پر وسعت نہ رکھنے سے متعلق ہے. غور کریں۔

۱۳۔ تاریخ طبری میں ہے: ابو مخنف نے مجاہد سے. محل بن خلیفہ سے روایت کی ہے ان میں بنی سدوس کا ایک شخص عیزار بن اخنس جو خوارج کا نظریہ و عقیدہ رکھتا تھا. پس وہ مدائن کے قریب ان کے پاس آیا اور اس کا سامنا عدی بن حاتم سے

ہوا کہ جس کے ساتھ دو مرادی افراد اسود بن قیس اور اسود بن یزید بھی تھے. عیزار نے عدی سے کہا کہ تم سالم و غانم ہو یا ظالم و آثم؟ عدی نے کہا نہیں بلکہ سالم و غانم ہوں ـــــ اس پر دونوں مرادیوں نے کہا اے عیزار! تم نے یہ بات اس شر کی وجہ سے کہی ہے جو تمہارے نفس میں ہے اور بے شک ہم تجھے پہچان چکے ہیں کہ تم اس قوم (خوارج) کی رائے اور عقیدہ رکھتے ہو. یہاں سے نہ ہٹنا جب تک ہم تجھے امیر المومنینؑ کے پاس نہ لے جائیں اور انہیں تمہارے متعلق خبر نہ دیں ـــ اتنے میں امیر المومنین امام علیؑ اس طرف آئے اور ان دونوں نے آپ کو اسکی خبر دی اور کہا. یا امیر المومنینؑ! یہ اس قوم (خوارج) کی رائے و عقیدہ رکھتا ہے اور ہم اس کو پہچان چکے ہیں. آپ نے فرمایا: اس کا خون ہمارے لئے حلال نہیں ہے لیکن ہم اسے قید کر دیتے ہیں۔ تب عدی بن حاتم نے کہا. یا امیر المومنینؑ! اس کو میرے حوالے کر دیجئے اور میں ضامن ہوں کہ اس کی طرف سے آپ کو کوئی ناپسندیدہ بات نہیں پہنچے گی. پس آپ نے عیزار کو عدی کے سپرد کر دیا۔ (۱۳۹)

میں کہتا ہوں ـــــ یہ خبر دلالت کرتی ہے کہ سیاسی اتہامات کی بناء پر بھی قید کرنا جائز ہے. غور کریں۔

پس اس مسئلہ کے بارے میں یہ اخبار ہیں کہ جن سے ہم مطلع ہوئے ہیں۔

جب آپ یہ جان چکے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اصل اولیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص سے صرف تہمت کی بناء پر تعرض نہ کیا جائے کہ وہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اس کی حریت و آزادی اور اپنے نفس پر اس کے اختیار و تسلط کے منافی ہے. نیز اصل برائت کی بناء پر اس کا جواز ایک پختہ دلیل کا محتاج ہے. پس سکونی کی معتبر روایت کا مورد خاص طور پر قتل و خون ہے اور سوائے اس کے کسی چیز کے لئے دلالت نہیں کرتی. بہز بن حکیم کی روایت بفرض صدور ایک خاص واقعہ کی حکایت ہے اور اس میں اطلاق نہیں اور نہ ہم اس کے امور کو جانتے ہیں. دعائم کی روایت میں قتل و خون کی تہمت کے علاوہ صورتوں میں عدم جواز ہے. دو غفاریوں کی خبر کا مورد مال ہے اور آخری روایت کا مورد سیاسی سرگرمی اور بغاوت ہے لیکن ان دونوں کی حجیت ثابت نہیں ہوئی. بہر حال قتل و خون کی تہمت کے علاوہ کسی صورت میں قید کرنا مشکل ہے۔

لیکن ممکن ہے کہا جائے کہ مسلمانوں کے نظام کی حفاظت اور ان کے اموال و حقوق کا دفاع شریعت کے نزدیک اہم امور ہیں اور وہ دونوں زیادہ تر متہم افراد کو تحقیق حال کے لئے گرفتار کرنے اور قید میں رکھنے پر موقوف ہیں جب کہ ان کے فرار ہو جانے کا خدشہ ہو. پس اس صورت میں عدم جواز کا قول حقوق و اموال کے ضیاع اور نظم و نسق میں خرابی کا موجب ہے خصوصاً جب زمانہ اور اہل زمانہ پر فساد و بدی کا غلبہ ہو۔

پس ظاہر وہی جواز ہے جب کہ اس کی بنیاد کوئی ایسا اہم امر ہو کہ جس کی طرف اعتناء کرنا عرفی طور پر ضروری ہو اور عقلاء بھی اسے لازم قرار دیتے ہوں لیکن مقام عمل میں جہاں تک ممکن ہو احتیاط اور لوگوں کی حیثیات کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے. البتہ صرف تہمت اور وہم و گمان کی بناء پر کسی کو گرفتار کرنا اور قید کرنا جائز نہیں ہے خصوصاً معمولی باتوں میں اور اس قسم کے موارد میں اس کی ممانعت کرنے والے اخبار پر عمل کیا جائے اور ان کو دلیل قرار دیا جائے۔

باقی رہی دعائم کی خبر تو ممکن ہے اس میں حصر اضافی اور نسبتی ہو جو ایسے امور سے متعلق ہے. اس کی نظیریں اخبار و روایات میں بہت زیادہ ہیں. شائد بعض ایسے غیر اہم امور کے باعث قید کرنا جو چشم پوشی کے قابل ہیں کہ جو گزشتہ ادوار میں رائج تھا اور اسی

طرح ہمارے آج کے دور میں بھی ایسا کیا جاتا ہے. پس اس کی نفی کرنا مقصود ہے ـــ خلاصہ یہ کہ اس صورت میں یہ مقام موارد تزاحم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کہ جن میں دو امور میں سے زیادہ اہم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسے یاد رکھیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود کسی مسلمان کو قتل و خون کے علاوہ کسی تہمت اور احتمال کی بناء پر گرفتار کرلینا اور اسے قید کر دینا اشکال سے خالی نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مسلمان کی عزت اور اس کی حیثیت کی حفاظت کا سختی کے ساتھ اہتمام کیا ہے مگر یہ کہ کوئی ایسا واقعہ ہو جو قتل و خون کی حد میں آتا ہو۔

قید کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا مورد

فاسق علماء. جاہل اطباء اور مفلس کرایہ داروں کو قید کیا جائے گا۔

ا۔ الفقیہ اور التہذیب میں احمد بن ابو عبداللہ برقی سے. اس کے باپ سے مروی ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: امام پر واجب ہے کہ فاسق علماء. جاہل اطباء اور مفلس کرایہ داروں کو قید کر دے۔ (۱۴۰)

میں کہتا ہوں ـــ اکریاء جمع ہے کری کی اور یہ کرایہ پر دینے اور لینے والے دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے. بعض نے کہا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو جھگڑالو اور دھوکہ باز ہیں اور جس چیز کا وعدہ کر چکے ہوں اسے پورا نہیں کرتے۔

یہ بات مخفی نہیں کہ یہاں فاسق علماء جاہل اطباء اور مفلس کراء تین قسم کے افراد کی خصوصیت نہیں بلکہ یہ روایت بتاتی ہے کہ جو بھی شخص معاشرے میں کوئی ایسا کام کرنے لگے کہ جس کا وہ اہل نہ ہو اور اس معاشرے کو ضرر پہنچے تو اسے اس سے روکنا واجب ہے اگرچہ اسے قید ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

آپ چاہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان تین قسم کے افراد کے تذکرے میں پہلی قسم کے افراد کا تعلق لوگوں کے دین و مذہب کے ساتھ. دوسری قسم کے افراد کا تعلق ان کی زندگی اور نفوس کے ساتھ اور تیسری قسم کے افراد کا تعلق. ان کے اموال کے ساتھ ہے. پس ہر وہ شخص جو لوگوں کی زندگی و حیات کے ان تین شعبوں میں سے کسی ایک کے ساتھ متعلق ہے لیکن وہ اس کا اہل نہیں ہے تو امام پر لازم ہے کہ اسے اس سے روکنے کے لئے قید کر دے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ حبس و قید اس وقت ہوگی جب وعظ و نصیحت اور تہدید و تخویف کا اثر نہ ہو۔ اگر وہ ایسا شخص ہے کہ حبس و قید کے ذریعے وہ سدھر جائے گا تو یہ اس کے لئے تعزیر و تادیب ہوگی ورنہ یہ لوگوں کو ـــــــــ اس کے شر اور ضرر سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ قرار پائے گی. لہٰذا وہ حد و تعزیر نہیں ہوگی. غور کریں۔

قید کا پانچواں، چھٹا اور ساتواں مورد

دوسرے کے مال کو غصب کرنے والا. یتیم کا مال ظلماً کھانے والا اور امانت میں خیانت کرنے والا۔

ا۔ شیخ نے صحیح سند کے ساتھ زرارہ سے اور اس نے ابو جعفرؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا امیرالمومنینؑ قرض و دین کے سلسلے میں تین قسم کے افراد کے علاوہ کسی کو قید نہ کرتے تھے. پہلا شخص وہ جو یتیم کا مال ظلماً کھائے. دوسرا وہ جو کسی چیز پر امین

بنایا جائے اور وہ اس پر قبضہ جمالے اور تیسرا وہ جو دوسرے کا مال غصب کرے۔ نیز وہ غائب ہوتا یا شائد موجود بھی ہوتا تو اس کی جو چیز مل جاتی آپ اسے فروخت کر دیتے۔ (۱۴۱)

شیخ نے فرمایا: یہ روایت دو وجوہ کا احتمال رکھتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ان تین قسم کے افراد کے سوا کسی کو بطور سزا و عقوبت قید نہیں کرتے تھے اور دوسرا یہ کہ یہ تین افراد جن کا الگ سے بیان ہوا ہے ان کے سوا کسی کو طویل قید میں نہ رکھتے تھے کیونکہ قرض کے معاملے میں قید اس وقت تک ہے کہ مقروض کی حالت و کیفیت واضح ہو جائے۔ (۱۴۲)

۲۔ عبدالرحمٰن بن حجاج کی مرفوع خبر میں ہے: امیرالمومنینؑ قید کو جائز و درست نہ سمجھتے تھے مگر تین قسم کے افراد کے لئے یعنی وہ شخص جس نے یتیم کا مال کھایا ہو یا کسی کا مال غصب کیا ہو یا کسی چیز کا امین بنایا گیا اور اسے لے اڑا ہو۔ (۱۴۳)

میں کہتا ہوں ــــ ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو قرض و دین کے تمام موارد کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے اور یہ ایک چیز ہے جو مخفی نہیں ہے۔ شائد ان دونوں خبروں میں حصر اضافی ہے جو ان کئی ایک غیر اہم امور کے مقابلہ میں ہے کہ جن کے لئے پہلے حکام لوگوں کو قید کیا کرتے تھے اور آنجنابؑ ایسے معاملوں میں لوگوں کو روکنے اور بند کرنے کے خلاف تھے ورنہ موارد بہت زیادہ ہیں جن میں آپ مجرموں کو قید کرتے تھے یا ان تین موارد میں قید و بند بطور عقوبت تھی اور ان کے علاوہ دیگر موارد میں قید کی غرض یہ نہ ہوتی تھی جیسا کہ شیخ نے ذکر کیا ہے۔

قید کا آٹھواں اور نواں مورد

ادائے قرض میں لیت و لعل کرنے والا اور وہ مقروض جو اپنی مفلسی کا دعویٰ کرتا ہو۔

۱۔ صحیح بخاری میں ہے: صاحب مال مقروض کے ٹال مٹول کرنے پر نبی کریمؐ کا اس کو سزا دینے اور اس کی عزت کو حلال کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ سفیان نے کہا ہے کہ عزت کے حلال ہونے کا مطلب اس سے یہ کہنا ہے کہ تو ٹال مٹول کرتا ہے اور اس کی سزا و عقوبت سے مراد اسے قید کرنا ہے۔ (۱۴۴)

۲۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ عمرو بن شرید سے۔ اس کے باپ مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: صاحب مال کا (ادائے قرض سے) ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور عقوبت کو حلال کر دیتا ہے۔ ابن مبارک نے کہا ہے اس کی عزت کے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ اس سے سخت کلامی کرے گا اور اس کی عقوبت یہ ہے کہ قرض خواہ کے حق کے لئے مقروض کو قید کیا جائے گا۔ (۱۴۵)

۳۔ سنن ابن ماجہ میں اس کی سند کے ساتھ عمرو بن شرید سے۔ اس کے باپ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: صاحب مال مقروض کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت و عقوبت کو حلال کر دیتا ہے۔ علی طنافسی نے کہا اس کی عزت کے حلال ہونے کا مطلب اس کی شکایت کرنا اور عقوبت سے مراد اسے قید کرنا ہے۔ (۱۴۶)

میں کہتا ہوں ــــ عقوبت سے حبس و قید کا مراد ہونا نبی اکرمؐ سے منقول نہیں ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس بات

میں کوئی اشکال نہیں کہ عقوبت کا اطلاق حبس و قید پر بھی ہوتا ہے۔

ملحقات عروۃ الوثقی میں ہے: قرض و دین میں وہ اقرار کرنے والا جس کے خلاف حکم لگایا گیا ہے وہ صاحب مال ہو تو اسے ادائیگی کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اس سے انکار کرے یا ٹال مٹول کرے اور اپنی بات پر اصرار کرتا ہو تو اس پر زبان سے سختی کرنا جائز ہے مثل اونچی آواز سے بات کرنا اور سب و شتم کرتے ہوئے اسے اے فاسق اور اے ظالم کہنا بلکہ امر بہ معروف و نہی از منکر کے مراتب کے مطابق مار پیٹ کے ساتھ قید کرنا اور حقیر و ذلیل کرنا روا ہے جیسا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ صاحب مال مقروض کا ٹال مٹول کرنا اس کی عقوبت اور عزت کو حلال کر دیتا ہے۔ (۱۴۷)

۴۔ دعائم الاسلام میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: جو شخص حق کی ادائیگی سے انکار کرے جبکہ وہ خوشحال ہو اور اس کا فریق مخالف اس سے لینے پر تل گیا ہو یہاں تک کہ وہ اس کا حق پورا کرے تو اس کو مارا پیٹا جائے تاکہ وہ اسے ادا کر دے۔ اگر اس حق کے لئے مال نہ رکھتا ہو مگر سامان اور چیزیں ہوں تو وہ اس کو ضامن و کفیل دے۔ اگر اس وقت تک کے لئے اسے کوئی کفیل نہ ملے کہ وہ سامان فروخت کر کے اس کا قرض ادا کرے تو اس حق کے بدلے میں اسے قید کیا جائے۔ (۱۴۸)

یہ روایت مستدرک میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ (۱۴۹)

۵۔ شیخ و کلینی نے موثق سند کے ساتھ عمار کے واسطہ سے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: امیر المومنینؑ اس شخص کو قید کر دیتے تھے جو قرض ادا کرنے میں قرض خواہوں سے ٹال مٹول کرتا۔ پھر حکم دیتے کہ وہ اپنا مال ان کے درمیان حصے حصے کے ساتھ تقسیم کر دے پھر اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کرتا تو آنجنابؑ خود اس کا مال فروخت کر کے رقم قرض خواہوں میں بانٹ دیتے تھے۔ (۱۵۰)

۶۔ شیخ سے ان کی سند کے ساتھ اصبغ بن نباتہ کے واسطے سے مروی ہے: امیر المومنینؑ نے فیصلہ کیا کہ لڑکے کو تصرف سے روکا جائے جب تک وہ عاقل نہ ہو۔ دین و قرض کے بارے میں فیصلہ کیا کہ مقروض کو قید کیا جائے پس اگر اس کا افلاس واضح ہو جائے تو اسے چھوڑ دیتے تاکہ وہ مال حاصل کرے۔ اس مرد کے بارے میں جو قرض خواہوں سے ٹال مٹول کرتا ہو یہ فیصلہ کیا کہ اسے قید کیا جائے اور حکم دیا جائے کہ وہ اپنا مال قرض خواہوں کے درمیان حصہ کے ساتھ تقسیم کر دے۔ اگر وہ اس سے انکار کرتا تو آپ خود اس کا مال فروخت کر کے ان کے درمیان بانٹ دیتے۔ (۱۵۱)

۷۔ شیخ ہی سے ان کی سند کیساتھ غیاث بن ابراہیم کی خبر میں امام جعفر صادقؑ سے۔ ان کے والد گرامیؑ سے مروی ہے: امیر المومنینؑ قرض کے سلسلے میں قید کرتے تھے۔ اگر مقروض کا افلاس واضح ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ مال کمائے (۱۵۲)

۸۔ شیخ ہی سے ان کی سند کے ساتھ سکونی کے واسطے سے امام جعفر صادقؑ سے۔ ان کے والد گرامیؑ سے مروی ہے: امیر المومنینؑ قرض کے مقدمے میں قید کرتے اور پھر چھان بین فرماتے۔ اگر اس شخص کا کوئی مال ہوتا تو وہ قرض خواہوں کو دے دیتے۔ اگر اس کا مال نہ ہوتا تو اسے ان کے سپرد کرتے ہوئے فرماتے کہ اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کرو ___ اگر چاہو تو اسے

اجرت پر لگاؤ اور چاہو تو اس سے کسی اور طرح سے کام لو۔ (۱۵۳)

۹۔ مستدرک میں کتاب الغارات سے منقول ہے: مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی نے جب بنی ناجیہ کے قیدی خرید لئے اور انہیں آزاد کر دیا تو ان کی قیمت کا ایک حصہ ادا نہ کیا ـــــ پھر فرار ہو کر معاویہ سے جاملا، راوی کا کہنا ہے کہ یہ خبر امیر المومنینؑ تک پہنچی تو فرمایا: اسے کیا ہو گیا؟ خدا اسے غم واندوہ میں رکھے، اس نے ایک سردار کا سا کام کیا، غلام کی طرح فرار ہوا اور فاجر کی مانند خیانت کی ہے ـــــ دیکھو! اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہتا اور رقم دینے سے عاجز ہوتا تو ہم اسے قید کرنے کے سوا کچھ نہ کرتے پس اگر اس کے پاس کچھ مال پاتے تو لے لیتے اور اگر ہم اسے مال پر قادر نہ پاتے تو اس کو چھوڑ دیتے، اس کے بعد آپ اس کے مکان کی طرف گئے اور اسے گرادیا۔ (۱۵۴)

میں کہتا ہوں ـــــ ترح، فرح کی ضد ہے اور مستدرک میں "طرحہ اللہ" ہے جس کا مطلب ہے خدا اس کا برا کرے۔

۱۰۔ الغارات میں ہے: امیر المومنینؑ نے منذر بن جارود کو فارس کا گورنر بنایا تو اس نے خراج کا مال ہتھیالیا جو چار لاکھ درہم تھا، پس آپ نے اسے قید کر دیا حتیٰ کہ صعصعہ بن صوحان اس کے معاملے میں آگے آیا اور اس کی سفارش کر کے اس کو رہا کرالیا۔ (۱۵۵)

۱۱۔ اسی کتاب میں ہے: امیر المومنینؑ نے یزید بن حجیہ کو رے اور دستبی کا عامل بنایا، اس نے مال اپنے لئے رکھ لیا تو خراج میں کمی ہو گئی پس آپ نے اسے گرفتار کر لیا۔ (۱۵۶)

شائد ایک جستجو کرنے والا اس طرح کے بہت سے واقعات سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے گزشتہ موارد کے ساتھ شامل کر لیا جائے کہ جن میں امانت کے سلسلے میں خائن کو قید کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ بیت المال عامل کے ہاتھ میں امانت سے ہے، اسے یاد رکھیں۔

۱۲۔ دعائم الاسلام میں امیر المومنینؑ سے مروی ہے: تنگ دست مقروض کے لئے قید نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "اگر تنگ دست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جائے" پس تنگ دست جب اپنے مال دار نہ ہونے کو ثابت کر دے تو اس کے لئے قید نہیں ہے۔ (۱۵۷)

اسی کتاب سے یہ روایت مستدرک میں بھی نقل ہوئی ہے۔ (۱۵۸)

میں کہتا ہوں ـــــ اس مقام پر دو مسئلے ہیں جن کی تفصیل فقہ کی بڑی کتابوں میں اور یہاں ان کی طرف اشارہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

پہلا مسئلہ

کتاب الخلاف میں ہے: کتاب التفلیس مسئلہ ۱۰۔ حاکم کے لئے جائز ہے کہ مال مفلس کو فروخت کرے اور اس کی رقم قرض خواہوں میں تقسیم کی جائے، شافعی کا بھی یہی قول ہے لیکن ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ حاکم کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے اور خود

اسی کو اپنا مال فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پس اگر وہ بیچ دے تو بہتر ورنہ وہ اسے قید کر دے یہاں تک کہ وہ اسے بیچ دے اور اس کی رضا کے بغیر اس کے نفس پر کوئی امر وارد نہ کرے۔

ہماری دلیل شیعہ کا اجماع اور ان کے اخبار ہیں جو گزر چکے ہیں، نیز کعب بن مالک نے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے معاذ کو بند کر دیا اور اس کے دین وقرض کے لئے اس کا مال فروخت کر دیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ مال اس کی مرضی کے بغیر ہی فروخت کیا تھا۔ (۱۵۹)

میں کہتا ہوں ـــــ بعض گزشتہ اخبار میں مذکور ہے امیر المومنینؑ حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنا مال قرض خواہوں میں تقسیم کر دے، اگر وہ اس سے انکار کرے تو امام اس کا مال فروخت کر دے اور یہی احوط ہے۔ مگر یہ کہ قرض خواہ اس پر راضی نہ ہوں اور اس پر اعتماد نہ کریں تو حاکم اس کو اپنے مال پر تصرف کرنے سے مطلقاً روک دے گا یہاں تک ادائے قرض کے لئے فروخت کرنے سے منع کر دے گا۔

دوسرا مسئلہ

الخلاف میں کہا ہے: مسئلہ ۱۵ کتاب التفلیس ۔ جس پر دین وقرض ہو جب وہ مفلس ہو جائے اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہو وہ اس کے قرضوں کے لئے کافی نہ ہو تو اسے اجیر نہیں بنایا جائے گا تاکہ وہ کاروکسب کر کے مال حاصل کرے اور قرض خواہوں کو دے سکے، ابو حنیفہ، مالک اور شافعی کا بھی یہی قول ہے لیکن بہت سے دوسرے فقہاء مثل احمد، اسحاق، عمر بن عبدالعزیز، عبیداللہ بن حسن عنبری اور سوار بن عبداللہ قاضی نے کہا ہے کہ اسے اجیر بنایا جائے گا اور اس کی اجرت قرض خواہوں میں تقسیم کی جائے گی، ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل چیز برائت ذمہ ہے اور اس کو اجیر بنانے یا کسب مال کے وجوب پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جیسا کہ قول خداوندی ہے "اگر وہ تنگ دست ہے تو اسے خوشحالی تک مہلت ہے" اس میں اسے کسب کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ (۱۶۰)

میں کہتا ہوں ـــــ اصل برائت کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ امکان کی صورت میں ادائے قرض واجب ہے، اب اگر اس کے لئے شاق نہ ہو تو قواعد کا اقتضاء اجیر بننے کا وجوب ہے کیونکہ یہ مال حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے، شائد آنجنابؑ کے ارشاد "اس کو چھوڑ دے گا تاکہ وہ مال کمائے" اس سے مراد یہی ہے کہ اسے قید سے رہا کر دیا جائے، پس وہ اس کو اجیر بنانے اور اس سے کام لینے کے جواز سے منافات نہیں رکھتا اور بغیر کسی سختی کے تحصیل مال پر قدرت رکھنا عرفی طور پر اس کی خوشحالی ہے، اسی بناء پر زکات لینا اس کے لئے حرام ہے، لہٰذا اس کو اجیر بنانا اور اس سے کام لینا آیہ شریفہ کے مفہوم کے خلاف نہیں ہے۔

سکونی کی معتبر روایت کا تقاضا یہ ہے کہ قرض خواہوں کے لئے اپنے مقروض کو اجیر بنانا اور اس سے کام لینا جائز ہے، پس شیخ نے جو ذکر فرمایا کہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

وسائل میں سکونی کی روایت کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: ممکن ہے اس کو یوں سمجھا جائے کہ جس کو اجیر بننے اور اپنے ہاتھ

سے کام کرنے کی عادت ہو ___ کیونکہ اس مقام پر قرض و دین وغیرہ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ تنگ دست کو مہلت دینا واجب ہے اور اسے ہمارے بعض علماء نے بھی ذکر کیا ہے۔ (۱۶۱)

ان کے کلام کا ظاہر تفصیل ہے کہ جو کام کرنے کے عادی اور اس کے علاوہ دوسرے شخص کے درمیان ہوگی۔

دروس میں ہے: دین و قرض ادا کرنے کے لئے کاروکسب کرنا واجب ہے اور زیادہ قوی قول کی بناء پر ایسے کام سے کسب مال کرنا واجب ہے کہ جو مقروض کی حیثیت کے مطابق ہو اگرچہ وہ خود اس کا اجیر بننا ہی کیوں نہ ہو. پس اس پر وہ روایت حمل کی جائے گی جو امیر المومنین ؑ سے وارد ہوئی ہے۔ (۱۶۲)

لمعہ کے متن میں ہے: "امیر المومنین ؑ سے مروی ہے کہ اگر تم چاہو تو اس کو اجیر بناؤ اور چاہو تو اس سے کام لو" یہ روایت کاروکسب پر دلالت کرتی ہے ___ ابن حمزہ اور علامہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن شیخ و ابن ادریس نے اس سے منع کیا ہے تاہم قول اول اقرب ہے۔

شرح لمعہ میں اس کے ذیل میں کہا ہے. چونکہ قدرت رکھنے والے پر وقت مطالبہ قرض ادا کرنا واجب ہے اور جو کاروکسب کر سکتا ہے وہ قادر ہے. اسی بناء پر زکات لینا اس پر حرام ہے پس اس صورت میں وہ مذکورہ آیت کے عموم و شمول سے خارج ہے. البتہ اس پر وہ کاروکسب کرنا واجب ہے جو عادتاً اس کی حالت سے مطابقت رکھتا ہو اگرچہ خود اسے اجیر ہی بننا پڑے اور اس روایت کا مفہوم یہی قرار دیا جائے گا۔ (۱۶۳)

بہرحال اس مسئلہ میں اقویٰ وہی تفصیل ہے. الجواہر میں محقق کے اس قول "اور اس کو ملزم کرنا اور اجیر بنانا جائز نہیں" کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے. پس مراجعہ کریں۔ (۱۶۴)

اس مسئلہ اور اس کے متعلق روایات پر سنن بیہقی میں بھی گفتگو کی گئی ہے چنانچہ ابو سعید خدری سے مروی ہے "نبی کریم ؐ نے ایک آزاد شخص کو بیچ دیا کہ جو اپنے قرض کے سلسلے میں مفلس ہو گیا تھا۔"

ایک شخص جسے سرق کہا جاتا تھا اور اس کا یہ نام نبی اکرم ؐ نے رکھا تھا اس نے ایک روایت میں کہا ہے "میں مدینہ آیا اور لوگوں سے کہا میرا مال آرہا ہے پس انہوں نے میرے ہاتھ مال فروخت کیا جسے میں نے ضائع کر دیا. اس پر وہ مجھے نبی کریم ؐ کے پاس لے گئے اور آپ نے فرمایا تو سرق ہے. پھر آپ نے مجھے چار اونٹوں کے بدلے بیچ دیا۔ (۱۶۵)

مخفی نہیں کہ اگر یہ دونوں روایتیں صحیح فرض کر لی جائیں تو یہ سکونی کی روایت کے موافق ہیں کیونکہ ان دونوں میں بیع (بیچنے) سے مراد اس شخص کو اجیر بنانا ہے. پس غور کریں۔

قید کا دسواں مورد

جو شخص تنگ دست نہ ہو اور بیوی پر خرچ کرنا چھوڑ دے۔

۱۔ مستدرک میں جعفریات سے اس کی سند کے ساتھ امام جعفر صادق ؑ. ان کے والد اور ان کے دادا سے مروی ہے: ایک عورت نے اپنے شوہر کی تعدی کی شکایت کی تو امیر المومنین ؑ نے اسے قید کرنے کا حکم دیا. یہ شوہر اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کے

لئے اسے خرچ نہیں دیتا تھا___ شوہر نے کہا کہ میرے ساتھ میری بیوی کو بھی قید کر دیں، تب امیر المومنینؑ نے فرمایا یہ تیرا حق ہے___ اے عورت تو اس کے ساتھ ہو جا۔ (۱۶۶)

۲۔ جعفریات میں اس کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: مرد کو اپنی بیوی کا نان ونفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا، اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے قید کیا جائے گا (۱۶۷)

۳۔ الوسائل میں اس کی سند کے ساتھ سکونی سے، امام جعفر صادقؑ سے، ان کے والد سے مروی ہے: ایک عورت نے امیر المومنینؑ کے ہاں اپنے شوہر کی تعدی کی شکایت کی کہ وہ اس کا نان ونفقہ نہیں دیتا اور وہ شوہر تنگ دست تھا، پس آپ نے اسے قید کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "تنگی کے بعد خوشحالی ہے"۔ (۱۶۸)

۴۔ جعفریات میں اس کی سند کے ساتھ مروی ہے: ایک عورت نے امیر المومنینؑ سے اپنے شوہر کی تعدی کی شکایت کی جب کہ وہ تنگ دست تھا، آپ نے پہلی مرتبہ اسے قید کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: بے شک تنگی کے بعد خوشحالی ہے۔ (۱۶۹)

۵۔ مسند زید کی خبر میں نفقہ کے لئے قید کرنے کا ذکر آئے گا۔ (۱۷۰)

قید کا گیارہواں مورد

وہ کفیل وضامن ہے جب تک اس شخص یا چیز کو پیش نہ کرے۔

۱۔ کلینی سے ان کی موثق سند کے ساتھ عمار کے واسطہ سے ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: امیر المومنینؑ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا کہ جو کسی کے نفس وذات کا کفیل وضامن بنا تھا، پس آپ نے اسے قید کر دیا اور فرمایا کہ اپنے ساتھی کو تلاش کرو۔ (۱۷۱)

۲۔ صدوق سے ان کی سند کے ساتھ اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے: ایک مرد جو دوسرے شخص کے نفس کا کفیل بنا تھا، امیر المومنینؑ نے اس کے بارے میں فیصلہ کیا کہ اسے قید کر دیا جائے اور اس سے فرمایا کہ اپنے ساتھی کو تلاش کرو۔ (۱۷۲)

۳۔ شیخ سے ان کی سند کے ساتھ عامر بن مروان سے، امام جعفر صادقؑ سے، ان کے والد سے مروی ہے: امیر المومنینؑ کے پاس ایک مرد کو لائے جو کسی کی ذات کا کفیل بنا تھا، پس آپ نے اسے قید کر دیا اور فرمایا کہ اپنے ساتھی کو تلاش کرو۔ (۱۷۴)

۵۔ مستدرک میں فقہ الرضا سے مروی ہے: جب کوئی شخص کفیل بنے تو اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھی کو لے آئے۔ (۱۷۵)

۶۔ زید بن علی نے اپنے والد سے، اپنے دادا سے روایت کی ہے: ایک مرد جو کسی کے لئے کسی کے نفس کا کفیل بنا، امیر المومنینؑ نے اسے قید کر دیا یہاں تک کہ وہ اسے لے آیا۔ (۱۷۶)

ان تمام روایات میں قید کے معنی لغت کے اعتبار سے شرط لگانا یا پابند کرنا ہے۔ اس سے مراد قید خانے میں بند کر دینا نہیں ہے۔ (فیروز اللغات)

۷۔ دعائم الاسلام میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: جب کوئی مرد کسی دوسرے کی ذات کا ایک مدت تک کفیل ہو اور وہ وقت آجائے جب کہ وہ اس مرد یا اس چیز کو نہ لایا ہو جس کا کفیل بنا تھا۔ پس اسے قید کیا جائے گا مگر یہ کہ جو کچھ اس پر واجب تھا وہ اس کی طرف سے ادا کر دے۔ جب چیز کا مطالبہ ہے اگر وہ معلوم ہو تو اسے حق پہنچتا ہے کہ اس کے لئے مکفول (کفالت میں لئے ہوئے) شخص سے رجوع کرے اور اگر وہ چیز نامعلوم ہو اور اس کا حاضر ہونا ضروری ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسے پیش کرے مگر یہ کہ وہ مر گیا۔ اگر وہ مر گیا ہو تو پھر کفیل پر کچھ واجب نہیں۔ (۱۷۷) یہ مستدرک میں بھی ہے (۱۷۸)

میں کہتا ہوں ـــــ اللہ تعالیٰ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے واقعہ میں فرماتا ہے:

نفقد صواع الملك، ولمن جاء به حمل بعير، وانا به زعيم - (۱۷۹)

ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا اور میں اس کا ضامن ہوں کہ جو شخص اس کو لا حاضر کرے گا تو اس کو ایک بار شتر غلہ انعام میں ملے گا۔

پس زعیم، کفیل، حمیل، قبیل، ضمین اور صبیر سب کا ایک ہی معنی ہے جیسا کہ دعائم میں ہے۔

ہمارے نزدیک کفالت صحیح ہے اور اکثر فقہاء اہل سنت کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے لیکن بعض نے مخالفت کی ہے۔ پس الخلاف میں کتاب الضمان کے مسئلہ ۱۴ کی طرف مراجعہ کریں۔ (۱۸۰)

ہم نے فعل امیر المومنینؑ سے متعلق جن اخبار کا ذکر کیا ہے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے استدلال میں اس زمانے میں بھی اختلاف تھا۔

شرائع میں ہے: کوئی جس کے لئے کفیل بنا ہو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اس سے اس کا مطالبہ کرے کہ جس کا کفیل وہ بنا ہے .... اگر وہ انکار کرے تو اسے حق ہے کہ وہ کفیل کو قید کرے یہاں تک کہ وہ مطلوبہ شخص کو حاضر کرے یا جو کچھ اس کے ذمہ ہے وہ اس کی طرف سے ادا کر دے۔ (۱۸۱)

لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ مکفول کو حاضر کرنے یا اس کی طرف سے ادائیگی کرنے میں اختیار کا فتویٰ دیا گیا ہے جو سوائے دعائم کی خبر کے گزشتہ اخبار میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تذکرہ وغیرہ میں اس پر اشکال کیا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات مکفول لہ کا مقصد ایسا ہوتا ہے جو ادائیگی سے تعلق نہیں رکھتا یا وہ مکفول عنہ کے علاوہ کسی سے ادائیگی کا خواہشمند نہیں ہوتا۔ پس یہ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے ـــــ اس سلسلے میں الجواہر کی طرف رجوع کریں۔ (۱۸۲)

اس مقام پر وہ شخص کفیل کے مشابہ ہے جو ایک قاتل کو مقتول کے وارثوں کے ہاتھوں سے چھڑوا دے۔ اس سلسلے میں ایک روایت بھی ہے جو ہم ان لوگوں کی فہرست کے ذیل میں درج کریں گے جن کو عمر بھر قید رکھا جاتا ہے۔

قید کا بارہواں مورد

وہ شخص جس پر حقوق الناس یا حقوق اللہ میں سے کوئی حق ہو اسے اس کی ادائیگی کے لئے قید کیا جائے گا۔

۱۔ مسند زید میں ان کے والد سے، ان کے دادا سے مروی ہے: امیرالمومنینؑ نان ونفقہ، دین وقرض، قصاص، حدود بلکہ تمام حقوق کے ضمن میں قید کیا کرتے اور خبیث وفاسد شخص کو ایسی بیڑیوں میں جکڑتے کہ جن میں تالے لگے ہوتے تھے، آپ ان پر ایسے لوگوں کو مقرر کرتے جو نماز کے اوقات میں ان کی ایک طرف کی بیڑی کھول دیتے تھے۔ (۱۸۳)

۲۔ الوسائل میں قرب الاسناد سے امام جعفر صادقؑ سے، ان کے والد سے مروی ہے: ابن ملجم نے امیرالمومنینؑ پر قاتلانہ حملہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس اسیر کو قید میں رکھو، اس کو کھانا دو اور قید میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، پس اگر میں زندہ رہ گیا تو میں زیادہ حق رکھتا ہوں کہ اس سے وہی کروں جو اس نے میرے ساتھ کیا، اگر میں چاہوں گا تو اس سے قصاص لوں گا اور چاہوں گا تو معاف کر دوں، لیکن اگر میں چل بسوں تو پھر یہ معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے، اگر تمہاری رائے اس کے قتل پر ہو تو قتل کے بعد اس کے ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا۔ (۱۸۴)

بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے، ان کے والد سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ (۱۸۵)

۳۔ ابو مریم کی مرفوعہ خبر میں ہے: نجاشی شاعر کو امیرالمومنینؑ کی خدمت پیش کیا گیا کہ اس نے ماہ رمضان میں شراب پی تھی، آپ نے اس کو اسی کوڑے لگائے اور ایک رات قید میں رکھا، پھر اگلی صبح کو اسے طلب کیا اور مزید بیس کوڑے لگائے۔ تب اس نے عرض کیا: یاامیرالمومنینؑ! وہ اسی کوڑے تو آپ نے شراب پینے پر لگائے تھے، اب یہ بیس کوڑے کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ رمضان میں شراب پینے پر تمہاری جراتؑ کے بدلے میں ہیں۔ (۱۸۶)

۴۔ دعائم الاسلام میں مروی ہے: نجاشی کو امیرالمومنینؑ کے پاس لایا گیا کہ جس نے ماہ رمضان میں شراب پی تھی، آپ نے اسے اسی کوڑے لگائے اور پھر قید کر دیا، اگلے روز صبح کو قید سے نکالا اور اسے انتالیس کوڑے مارے اس نے کہا: یا امیرالمومنینؑ! ان پہلے کوڑوں کے علاوہ یہ کیسے ہیں؟ فرمایا ان کی وجہ و سبب خدا کے مقابل تیری جرأت اور ماہ رمضان میں افطار (کھانا پینا) ہے۔ (۱۸۷)

مستدرک میں بھی دعائم سے یہی روایت ذکر ہوئی ہے۔ (۱۸۸)

۵۔ صحیحہ محمد بن قیس میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: امیرالمومنینؑ نے ایک کنیز کے بارے میں فیصلہ کیا جو عیسائی تھی، پس وہ مسلمان ہوگئی اور اپنے آقا سے ایک بچہ جنا ــــ پھر اس کا آقا مر گیا اور اس کی آزادی کی وصیت کر گیا اور وہ خلیفہ عمر کا زمانہ تھا، وہ پھر سے عیسائی ہوگئی اور ایک دیرانی عیسائی سے نکاح کر لیا، اس سے دو بچے جنے اور تیسری بار حاملہ ہوئی ــــ آپ نے اس کے بارے میں فیصلہ دیا کہ اس کے سامنے اسلام کو پیش کیا جائے چنانچہ ایسا کیا گیا تو اس نے قبول اسلام سے انکار کر دیا، اس پر آپ نے فرمایا: اس کنیز نے جو عیسائی بچے جنے وہ اپنے اس بھائی کے غلام ہوں گے جو اس نے اپنے پہلے آقا سے جنا تھا ــــ اب میں اسے قید میں رکھتا ہوں یہاں تک کہ وضع حمل کرے، جب بچہ جن لے گی تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ (۱۸۹)

الوسائل میں کہا ہے: شیخ نے کہا کہ یہ حکم وفیصلہ اس خاص واقعہ میں منحصر ہے جس کے بارے میں امیرالمومنینؑ نے حکم لگایا اور اس کے علاوہ کسی اور مقام پر نافذ نہیں ہو سکتا، شیخ فرماتے ہیں کہ شائد اس کنیز نے کسی مسلمان سے نکاح کیا اور پھر مرتد

ہو کر عیسائی سے نکاح کر لیا ہو. پس اس بناء پر وہ قتل کی سزاوار ہوئی ہوگی۔ (۱۹۰)

میں کہتا ہوں ___ شائد وہ اسلام کی دشمن ہو کر اس کے خلاف دعوت دیتی تھی اور اس بناء پر وہ فاسدہ قرار پائی اور مستحق قتل ہو گئی ہو، ورنہ مرتد عورت کو اس کے ارتداد کی بناء پر قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اسے قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے یا مر جائے جیسا کہ آگے آئے گا۔

۶۔ صحیحہ ابو مریم میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک عورت امیر المومنینؑ کے پاس آئی اور کہا میں نے بدکاری کی ہے، آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا تو وہ پھر آپ کے سامنے آئی اور کہا کہ میں نے بدکاری کی ہے. آپ نے اس سے رخ موڑ لیا لیکن وہ پھر آگے آئی اور کہا کہ میں نے بدکاری کی ہے. پس آپ نے اسے قید میں رکھنے کا حکم دیا جبکہ وہ حاملہ تھی ___ آپ نے اسے اتنی مہلت دی کہ اس نے بچے کو جنم دیا، تب آپ نے حکم دیا اور اس کے لئے رحبہ میں گڑھا کھودا گیا۔ .... (۱۹۱)

۷۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ شعبی سے مروی ہے: شراحہ ہمدانیہ کو امیر المومنینؑ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا: تمہارا برا ہو شائد تو سوئی پڑی تھی اور کوئی مرد تمہارے پاس آیا ہے، اس نے کہا: ایسا نہیں ہے! آپ نے فرمایا! شائد اس نے تجھے مجبور کر لیا ہو گا، وہ بولی: اس طرح نہیں ہوا! آپ نے فرمایا! شائد تیرا شوہر ہمارے اس دشمن کی طرف سے آیا ہو اور تو نے اس کے قریب ہونا پسند نہ کیا ہو، آپ اسی طرح کے جملے اس کو سجھاتے رہے کہ شائد وہ ہاں کہہ دے، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد پھر آپ نے حکم دیا کہ اسے قید کر دیا جائے ___ پھر جب اس نے بچہ جن لیا تو جمعرات کے دن اسے قید سے نکالا اور اس کو سو کوڑے لگائے اور جمعہ کے دن اس کے لئے رحبہ میں گڑھا کھدوایا .... (۱۹۲)

قید کا تیرہواں، چودہواں، پندرہواں اور سولھواں مورد

جھپٹ کر چھیننے والا، جیب کترا، کفن چور اور بھڑوا۔

۱۔ الوسائل میں اس کی سند کے ساتھ سکونی کے واسطہ سے ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: امیر المومنینؑ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا کہ جس نے جھپٹا مار کر ایک لڑکی کے کان کا موتی کھینچ لیا تھا، آپ نے فرمایا کہ یہ خباثت اور کمینگی ہے پس آپ نے اسے کوڑے مارے اور قید بھی کیا۔ (۱۹۳)

۲۔ مستدرک میں جعفریات سے اس کی سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے، ان کے والد سے، ان کے دادا سے مروی ہے: امیر المومنینؑ کے حضور مقدمہ پیش ہوا کہ ایک مرد نے ایک لڑکی کا سونے کا گلوبند جھپٹ کر کھینچ لیا تھا، آپ نے فرمایا کہ میں اس کی یہ کمینگی ختم کر کے رہوں گا پس آپ نے اسے کوڑے لگائے اور قید میں بھی ڈالا اور فرمایا کہ جھپٹا مارنے والے کے لئے ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ (۱۹۴)

۳۔ نیز اسی کتاب جعفریات سے اسی سند کے ساتھ مروی ہے: امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ چار مجرم ایسے ہیں جن کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ___ ان میں ایک جھپٹا مار کر چھیننے والا ہے، یہ ایک کمینہ حرکت ہے اور اس پر کوڑوں اور قید کی سزا ہے (۱۹۵)

۴۔ دعائم الاسلام میں مروی ہے: امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ مختلس (جھپٹ کر چھیننے والے) کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا لیکن اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور قید میں رکھا جائے گا۔ (۱۹۶)

۵۔ نیز اسی کتاب میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: جیب کترے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کہ جو کسی شخص کی آستین یا کپڑے میں سے اس کی رقم کاٹ لے، اسی طرح جھپٹا مارنے والا ہے جو جھپٹ کر کوئی چیز چھین لے ـــــ مگر ان دونوں کو شدت کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں گے اور پھر قید کر دیا جائے گا۔ (۱۹۷)

اسی کتاب سے مستدرک میں بھی یہ روایت ذکر ہوئی ہے۔ (۱۹۸)

۶۔ نیز اسی کتاب میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر یہ کہ وہ کئی مرتبہ قبر کھود کر کفن چرا چکا ہو اور ہر مرتبہ سخت مار اور قید کی سزا دی گئی ہو۔ (گویا بار بار اس جرم کا ارتکاب کرنے پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا) (۱۹۹)

اسی کتاب سے یہ روایت مستدرک میں بھی آئی ہے۔ (۲۰۰)

۷۔ ابو یوسف کی کتاب الخراج میں اس کی سند کے ساتھ مروی ہے: حضرت علیؑ بن ابی طالب کا دستور تھا کہ جب کسی قبیلہ میں کوئی داعر (کمینہ اور بھڑوا) ہوتا تو آپ اسے قید کر دیتے، اگر اس کا اپنا مال ہوتا تو اس پر اسی میں سے خرچ کرتے ـــــ اگر اسکا مال نہ ہوتا تو اس پر مسلمانوں کے بیت المال میں سے خرچ کرتے، یہ بھی کہا ہے کہ اس کے شر کو مسلمانوں سے دور کرتے اور اس پر بیت المال میں سے خرچ کرتے تھے۔ (۲۰۱)

میں کہتا ہوں ـــــ طر الشئی کا معنی کسی چیز کا کاٹنا اور طر الثوب کا معنی کپڑے کو چاک کرنا ہے، داعر کے معنی اس کے مختلف احتمالات کے ساتھ گزر چکے ہیں۔

مخفی نہیں کہ مختلس (جھپٹ کر چھیننے والے) کے ہاتھ کا نہ کاٹنا واضح ہے کیونکہ ہاتھ کاٹنے میں شرط ہے کہ مال کسی محفوظ جگہ میں ہو اور چھپ کر وہاں سے لیا جائے، اس پر فریقین کے روایات دلالت کرتے ہیں پس سنن بیہقی اور الوسائل کی طرف مراجعہ کریں۔ (۲۰۲)

باقی رہا طرار (جیب کترا) اور نباش (قبر کھول کر کفن چرانے والا) تو ان کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں کہ ان میں سے بعض ہاتھ کاٹنے اور بعض نہ کاٹنے پر دلالت کرتی ہیں، بیہقی اور الوسائل کی طرف رجوع کریں۔ (۲۰۳)

شرائع میں ہے: جو کسی انسان کی جیب یا آستین سے چوری کرے تو اگر وہ باہر ہیں تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر اندر کی طرف ہوں تو کاٹا جائے گا۔ (۲۰۴)

ان روایات پر نظر کرتے ہوئے الجواہر میں کہا ہے: اصحاب فقہ کے مشہور قول کی بناء پر بلکہ کشف اللثام کی تصریح بھی ہے کہ مذکورہ تفصیل کے مطابق عمل کیا جائے گا، جیسا کہ ان کے غیر سے اس میں نفی خلاف ہے اور شیخ وابن زہرہ سے اس پر اجماع کا دعویٰ ہے، شائد عرفی طور پر اسے حرز یعنی محفوظ جگہ کا مصداق کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ سکونی کی قوی روایت اور مسمع ابو سیار کی خبر نیز ان دونوں اخبار سے ان کی تائید ہونے میں جو آپ دیکھ چکے ہیں ہاتھ کاٹنے کا اطلاق وعدم اطلاق ان کے

علاوہ دوسرے نصوص میں مقید کیا جائے گا۔ (۲۰۵)

میں کہتا ہوں ــــ سکونی کی قوی خبر سے مراد وہ روایت ہے جسے کلینی نے علی بن ابراہیم سے، اس کے باپ سے، نوفلی سے سکونی کے واسطہ سے ابو عبداللہؑ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: امیرالمومنینؑ کی خدمت میں ایک طرار (جیب کترے) کو لایا گیا کہ جس نے کسی شخص کی آستین سے چند درہم کاٹے تھے، آپ نے فرمایا: اگر اس نے اوپر کی قمیص سے کاٹے ہیں تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹوں گا اور اگر اندر والی قمیص سے کاٹے ہیں تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور مسمع کی خبر میں بھی اسی طرح ہے۔ (۲۰۵ الف)

نباش (قبر کھول کر کفن چرانے والے) کے بارے میں محقق نے شرائع میں کہا ہے: کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ قبر اس کے لئے ایک محفوظ جگہ ہے۔ (۲۰۶)

پھر الجواہر میں اپنے اس کلام کی شرح اس طرح کی ہے: اجماع کے پیش نظر کہ جس کی ایضاح، کنز اور تنقیح میں حکایت کی گئی ہے اور دیلمی کا ظاہر بھی یہی ہے نیز جو المقنع و الفقیہ سے منقول ہے کہ کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا مگر یہ کہ وہ کئی مرتبہ قبر کھود کر کفن چوری کر چکا ہو ــــ اس خبر کے شاذ و نادر ہونے کے علاوہ ممکن ہے کہ اسے اس قبر کھودنے والے پر حمل کیا جائے جو چور نہ ہو نہ اس پر کہ قبر حفاظت کی جگہ نہیں ہے جیسا کہ المسالک میں غایت المراد کی اتباع میں ان کی عبارت سے یہ مفہوم لیا گیا ہے، اس مفروضہ کے باوجود ان ادلہ سے جو آپ دیکھ چکے ہیں اور ظاہر نصوص نیز عرف کی بناء پر اس پر حجت قائم ہے (۲۰۷)

باقی رہے علماء اہل سنت تو ان کے ہاں یہ مسئلہ دو اقوال میں منقسم ہے جیسا کہ الخلاف کی کتاب السرقہ کے مسئلہ ۲۸ میں ہے: قبر کھولنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا جب وہ زمین کے اوپر والے حصے اور چہرے کی جانب سے کفن نکالے، نیز ابن زبیر، عائشہ، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے، اسی طرح حماد بن ابو سلیمان، ربیعہ، مالک شافعی، عثمان بتی، ابو اسحاق، احمد، اسحاق، اوزاعی، ثوری اور ابو حنیفہ کا موقف بھی یہی ہے لیکن محمد نے کہا ہے کہ قبر کھولنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ قبر کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے ــــ اگر وہ کسی دوسری چیز کے لئے حفظ گاہ ہوتی تو اپنی مثل کے لئے یعنی خزانے و دفینے کے لئے بھی حفاظت گاہ ہوتی۔

لیکن ہماری دلیل یہ قول خداوندی ہے جو سورۂ مائدہ کی آیت ۳۸ میں آیا ہے "چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹو" جب کہ قبر کھولنے والا یقینی طور پر چور ہی ہے۔ (۲۰۸)

میں کہتا ہوں ــــ ممکن ہے عدم قطع کی روایات تقیہ پر حمل کی جائیں یا اس قبر کھولنے والے کے لئے کہ جس نے چوری نہیں کی مثل اس شخص کے جو کسی کے گھر میں نقب لگائے اور اس میں سے کوئی چیز نہ لے یا ایسی چوری جو نصاب سے کم ہو یا ایسی چوری جو کفن کے علاوہ ہو جیسے وہ چیزیں جو بعض اوقات میت کے ساتھ دفن کر دی جاتی تھیں، کیونکہ عرفی طور پر قبر سوائے کفن کے کسی چیز کے لئے حفاظت کی جگہ نہیں ہے، پس غور کریں۔

ان مسائل کی تفصیل کا موقع فقہ میں کتاب حدود ہے، یہاں ہم اس سے مسئلہ قید کی مناسبت سے اجمالی طور پر متعرض

ہوئے ہیں۔

قید کا سترہواں مورد

بازار کا نگران جبکہ وہ خیانت کرے۔

دعائم الاسلام میں مروی ہے: امیر المومنین نے اہواز کے نگران بازار ابن ہرمہ کی خیانت کا تدارک کرنے کے سلسلے میں ابن رفاعہ کو لکھا ہے کہ جب تم میرا یہ خط پڑھو تو ابن ہرمہ کو بازار سے ہٹا دو، اس کے خلاف منادی کراؤ اور اسے قید میں ڈال دو۔ (۲۰۹)

یہ خبر چھٹی جہت میں قید کی مشمولہ سزاؤں کی بحث میں ذکر ہوئی ہے پس مراجعہ کریں۔ نیز اس کو مستدرک میں بھی روایت کیا گیا ہے۔ (۲۱۰)

قید کا اٹھارہواں مورد

جو شخص مجرم کو ایسی بات کی تلقین کرے جس میں کسی مسلمان کے لئے ضرر ہو۔

اس پر دعائم کی یہ خبر دلالت کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا: اگر تم پر ٹھیک طرح سے ثابت ہو جائے کہ کسی نے مجرم کو ایسی بات کی تلقین کی ہے جس سے وہ کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے تو اس کو تازیانے لگاؤ اور قید کر دو یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔

قید کا انیسواں مورد

جو شخص جھوٹی گواہی دے۔

غیاث ابن ابراہیم کی خبر میں امام جعفر صادق سے، ان کے والد سے مروی ہے: امیر المومنین جب کسی جھوٹی گواہی دینے والے کو پکڑتے تو اگر وہ مسافر ہوتا تو اسے اس کے قبیلہ میں بھیجتے، اگر بازار والوں میں سے ہوتا تو اسے اس کے بازار کی طرف بھیجتے، پس اسے پھرایا جاتا پھر کئی دن قید میں رکھتے اور بعد میں اس کو چھوڑ دیتے (۲۱۱) اسے یاد رکھیں

سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ عبداللہ بن عامر سے مروی ہے: خلیفہ عمر کے پاس ایک جھوٹی گواہی دینے والے کو لایا گیا تو انہوں نے اس کو ایک دن رات لوگوں کے سامنے کھڑا کئے رکھا اور کہتے رہے کہ یہ فلاں شخص ہے جو جھوٹی گواہی دیتا ہے اسے پہچان لو پھر اسے قید کر دیا۔ (۲۱۲)

نیز اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ مکحول سے مروی ہے: خلیفہ عمر نے شام میں اپنے عاملوں کو لکھا کہ جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس کوڑے لگائے جائیں، اس کا سر مونڈ کر منہ کالا کیا جائے اور اس کو پھرایا جائے پھر طویل عرصے تک قید میں رکھا جائے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ (۲۱۳)

قید کا بیسواں مورد

جو شخص کسی عورت پر غلبہ کرے اور اس کا سر مونڈ دے۔

۱۔ عبداللہ بن سنان کی خبر میں ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ سے عرض کیا ۔۔۔ آپ پر قربان ہو جاؤں! اس مرد کی کیا سزا ہے جو کسی عورت پر غلبہ کرے اور اس کا سر مونڈ دے؟ آپ نے فرمایا: اسے شدت کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں اور مسلمانوں کے قید خانے میں بند کیا جائے یہاں تک کہ بالوں کا استبراء ہو اور اس کے چھٹکارے کا انتظار کیا جائے. پس اگر بال اگ آئیں تو اس عورت کے خاندان کی عورتوں کے مثل حق مہر کی رقم اس مرد سے لی جائے اور اگر نہ اگیں تو اس سے پوری دیت لی جائے. میں نے عرض کیا: اگر بال اگ آئیں تو اس کے خاندان کی عورتوں جتنا حق مہر کیونکر واجب ہوا؟ آپ نے فرمایا: اے ابن سنان! عورت کے بال اور اس کی بکارت اس کے حسن و جمال میں شامل ہیں پس جب ان میں سے کوئی ایک زائل ہو جائے تو اس کے لئے پورا حق مہر واجب ہو جائے گا ۔۔۔ اسے مشائخ ثلاثہ (کلینی، صدوق اور طوسی) نے بھی روایت کیا ہے۔ (۲۱۴)

نیز اس روایت کے مطابق اصحاب فقہ نے فتویٰ دیا ہے جیسا کہ شرائع میں ہے: باقی رہے عورت کے بال تو اس میں اس کی پوری دیت ہے اور اگر اگ آئیں تو اس کا حق مہر واجب ہے۔ (۲۱۵)

الجواہر میں ہے: جو کچھ اس بارے میں مجھے مل سکا ہے اس میں بغیر اختلاف کے (اس صورت میں حق مہر کی رقم ہے) سوائے الکافی کے کہ اس میں (بال اگ آنے پر) دیت کی ایک تہائی قرار دی ہے۔ (۲۱۶)

الجواہر ہی میں ہے: اگر اس عورت کے خاندان کی عورتوں کا مہر ۔۔۔ مہر مسنونہ سے زیادہ ہو تو وہ اس فتویٰ کے اطلاق کی بناء پر مسنونہ ہی لے گی البتہ اگر وہ اس کی دیت سے زیادہ ہو تو پھر دیت ہی لے گی اور اجماع کی بناء پر جیسا کہ کشف اللثام میں ہے کہ انسان کے کسی عضو کی دیت خود اس کی ذات کی دیت سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ (۲۱۷)

۲۔ لیکن دعائم میں امام جعفر صادقؑ سے روایت کی گئی ہے: اگر کسی مرد نے کسی عورت کا سر مونڈ دیا ہو تو اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اس عورت کے بال اگ آئیں ۔۔۔ اس دوران میں اسے قید سے نکالا اور مارا جاتا رہے گا اور واپس قید خانے میں بھیجا جائے گا. پس جب بال اگ آئیں تو اس شخص سے اس عورت کے خاندان کی عورتوں کے مروجہ مہر کے برابر رقم لی جائے گی. لیکن اگر وہ مہر سنت سے زیادہ ہو تو پھر سنت کے مطابق لیا جائے گا۔ (۲۱۸)

اسی کتاب سے یہ روایت مستدرک میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ (۲۱۹)

لیکن یہ بات جو صرف اسی کتاب کے ساتھ مخصوص ہے اس پر اعتماد کرنا مشکل ہے. اسے یاد رکھیں

ان دونوں روایات میں جو چیز ذکر ہوئی ہے اگرچہ مرد کے حوالے سے ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ عورت بھی اس کے مساوی ہے. لہٰذا اگر کوئی عورت کسی عورت کا سر مونڈ دے تو اس کا حکم بھی مرد ہی کی طرح ہو گا. اگر شوہر اپنی بیوی کا سر مونڈ دے تو کیا پھر بھی یہی حکم ہے؟ ایسا ہونا بعید نہیں لیکن یہ شکی سے خالی نہیں ہے۔

قید کا اکیسواں مورد

کسی کی ماں جو بدکاری کرتی ہو۔

۱۔ **صحیحہ** عبداللہ بن سنان میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: ایک شخص حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری ماں کسی چھونے والے کا ہاتھ نہیں روکتی. آپ نے فرمایا: اسے قید کر دو! اس نے کہا میں نے ایسا کیا. آپ نے فرمایا: ہر کسی کو اس کے پاس جانے سے روک دے! اس نے کہا میں نے یہ بھی کیا ہے. آپ نے فرمایا: اسے بیڑیوں میں جکڑ دے! کیونکہ تو اس کے ساتھ اس سے بڑی نیکی نہیں کر سکتا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے محرمات سے روکے۔ (۲۲۰)

میں کہتا ہوں ــــ **صحیحہ** میں بیان کی گئی علت کا عموم ہمیں یہ فائدہ دیتا ہے کہ قید کرنا اور بیڑیوں میں جکڑنا اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے فعل سے روکنے کے لئے جائز ہے کہ جس سے اس طریقے کے سوا روکنا ممکن نہ ہو۔

قید کا بائیسواں مورد

نشے میں بدمست افراد جو ایک دوسرے کے پیٹ چاک کر دیں۔

۱۔ شیخ سے ان کی اسناد کے ساتھ نوفلی سے. سکونی سے ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: کچھ لوگ شراب پی رہے تھے یہاں تک بدمست ہوگئے. پس ان کے پاس ــــ جو چھریاں تھیں ان کے ساتھ انہوں نے ایک دوسرے کے پیٹ چاک کر دیئے. ان کا مقدمہ امیر المومنینؑ کے پاس لایا گیا تو آپ نے انہیں قید کر دیا. پس ان میں دو مر گئے اور دو بچ رہے وہ جو مر گئے تھے ان کے رشتہ دار کہنے لگے: یا امیر المومنینؑ آپ ان دونوں سے ہمارے آدمیوں کا قصاص لیں. آپ نے لوگوں سے کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ آپ ان سے قصاص لیں ... امیر المومنینؑ نے لوگوں سے کہا شائد ان دونوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا ہو. وہ کہنے لگے ہمیں اس کی خبر نہیں ہے. اس پر آپ نے فرمایا کہ اس کی بجائے میں ان دونوں مقتولوں کی دیت چاروں کے قبیلوں پر قرار دیتا ہوں اور جو بچ گئے ہیں ان کے زخموں کی دیت مقتولوں کی دیت میں سے لے لیتا ہوں۔ (۲۲۱)

صدوق نے بھی سکونی سے یہی روایت کی ہے اور اس کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے نیز مفید نے الارشاد اور **المقنعہ** میں بھی اسی طرح روایت کی ہے اور مستدرک میں بھی جعفریات سے اسی طرح روایت ہوئی ہے۔ (۲۲۲)

۲۔ دعائم الاسلام میں مروی ہے: امیر المومنینؑ نے چار افراد کے بارے فیصلہ کیا جنہوں نے شراب پی اور چھریوں سے ایک دوسرے کے پیٹ چاک کر دیئے تھے, انہیں لایا گیا اور آپ نے ان کو قید کر دیا, پس ان میں سے دو افراد مر گئے اور دو باقی رہ گئے ــــ اس پر مرنے والوں کے وارثوں نے کہا ان دو آدمیوں سے ہمارا قصاص لیں جب کہ ان میں سے کسی نے اقرار نہیں کیا تھا اور نہ ان کے خلاف کوئی ثبوت اور گواہ پیش ہوا تھا, امیر المومنینؑ نے فرمایا شائد مرنے والوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو قتل کیا ہو, وہ کہنے لگے ہمیں اس چیز کا پتہ نہیں ہے ــــ تب آپ نے فیصلہ کیا کہ دونوں مقتولوں کی دیت چاروں پر ہے اور زندہ بچ جانے والوں کے زخموں کی دیت مقتولوں کی دیت میں سے لی۔ (۲۲۳)

اسی کتاب سے مستدرک میں بھی روایت کی گئی ہے۔ (۲۲۴)

میں کہتا ہوں ــــ دعائم کی خبر کا مفاد مقتولوں کی دیت کا چاروں پر استقرار ہے اور سکونی کی خبر کا ظاہر یہ ہے کہ وہ چاروں

کے عاقلہ یعنی رشتہ داروں پر ہے۔

کلینی وشیخ نے اس مسئلہ میں صحیح سند کے ساتھ محمد بن قیس کے واسطہ سے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: چار افراد جنہوں نے شراب پی، بعض نے دوسروں کے خلاف ہتھیار اٹھالئے اور ایک دوسرے کو مارنے لگے، پس ان میں سے دو قتل ہوگئے اور دو زخمی ہوگئے، امیر المومنینؑ نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا اور فرمایا زخمیوں میں سے ہر ایک کو اسی کوڑے لگائے جائیں اور مقتولوں کی دیت ان زخمیوں پر ہے نیز حکم دیا کہ ان کے زخموں کی پیمائش کی جائے اور اتنی رقم دیت میں سے کم کردی جائے البتہ اگر یہ دونوں زخمی مرجائیں تو قتل ہونے والوں کے اولیا میں سے کسی پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ (۲۲۵)

شرائع میں صحیحہ محمد بن قیس اور سکونی کی خبر کے مفاد سے متعرض ہونے کے بعد کہا ہے: احتمال ہے کہ امیر المومنینؑ اس واقعہ میں اس بات سے واقف ہوں اور وہ اس حکم و فیصلہ کا موجب بنی ہو۔ (۲۲۶)

میں کہتا ہوں ــــ صاحب شرائع صحیحہ محمد بن قیس اور خبر سکونی کے تعارض کو رفع کرنے کی طرف کیونکر متوجہ ہوئے جب کہ ظاہراً یہ دونوں ایک ہی واقعہ کی حکایت کر رہی ہیں۔

المسالک میں صحیحہ کی سند پر یہ مناقشہ کرنے کے بعد کہ محمد بن قیس ثقہ اور ضعیف ہونے کے درمیان ہے، یہ کہا ہے: اس میں ذکر شدہ اجتماع اور ان کا باہم قتال کرنا اس کا موجب نہیں بنتا کہ وہ مجروح ہی قاتل ہے یا مقتول نے ہی اسے وہ زخم لگایا ہے، لہٰذا اس حکم کو اسی واقعہ سے مخصوص قرار دینا چاہئے البتہ قسامہ کے ذریعے اس کا حکم لگانا ممکن ہے کہ جو قتل عمدی یا خطائی اور زخم لگانے میں ملوث ہونے کو ثابت کرتا ہے۔

ہمارے شیخ شہید نے شرح میں اس پر اعتراض کیا ہے: جب یہ حکم لگایا کہ مجروح ہی قاتل ہے تو پھر ان سے قصاص کیوں نہیں لیا گیا، اسی طرح زخم کی دیت لینے کا حکم اور اگر وہ دونوں بھی مرجائیں تو دیت کا اٹھ جانا بھی اشکال رکھتا ہے، نیز ان دونوں کے زخم میں وجوب دیت کا حکم لگایا جانا بھی مشکل ہے کیونکہ عمداً زخم لگانا تو موجب قصاص ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں سے نشہ و مستی کی حالت میں قتل واقع ہوا ہے لہٰذا وہ عمدی نہیں اور خصوصی طور پر وہ دیت ہی کا موجب ہے اور زخم کے بارے میں فرض یہ ہے کہ وہ قاتل نہیں جیسا کہ ظاہر روایت یہی ہے، نیز زخم کی دیت کے وجوب کا سبب بھی یہ ہے کہ وہ مثل قتل ایک مست و بے ہوش کے ہاتھوں واقع ہوا ہے یا محل قصاص کے فوت ہوجانے کی بناء پر ہے۔ (۲۲۷)

میں کہتا ہوں ــــ جو کچھ انہوں نے محمد بن قیس کے مشترک (ثقہ و ضعیف کے درمیان) ہونے کے بارے میں ذکر کیا ہے، پس اس کو یہ بات رفع کرتی ہے کہ ظاہر میں وہ شخص جس سے عاصم میں حمید نے روایت کی ہے وہ محمد بن قیس بجلی ہے کہ وہ ثقہ اور امیر المومنینؑ کے قضایا اور فیصلوں کا راوی ہے۔

الجواہر میں صحیحہ سے متعرض ہونے کے بعد کہا ہے: ابو علی اور قاضی کے سوا کسی سے اس پر عمل کرنے کی حکایت نہیں ہوئی، خصوصاً اس کے بعد کہ اس میں اور سکونی کی روایت میں جو معارضہ ہے...... بلکہ کشف الرموز میں ہے کہ یہ خبر

صواب و درستی کے زیادہ قریب ہے کیونکہ قاتل معین نہیں ہے اور ان سب کا قتل میں شریک ہونا بھی مجہول ہے. یہ بھی ممکن ہے کہ قتل ان میں ایک ہی سے ہوا ہو لہٰذا ہر ایک شخص قتل میں شرکت رکھتا ہے. اگرچہ اس میں یہ اعتراض ہے کہ عاقلہ و رشتہ داروں سے تاوان لینا خلاف اصل ہے جب کہ ظاہراً اتفاق ہے کہ مست کا عمدی فعل موجب قصاص ہے یا شبہ عمد خود اسی کے مال سے موجب دیت ہے اور اس کے خطاء محض ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے. علاوہ ازیں اگر یہ معلوم ہو کہ قتل میں ان میں سے ہر ایک کی تاثیر ہے تو مقتولین کے اولیاء کو باقی رہ جانے والوں کو قتل کرنے کا حق پہنچتا ہے اور اگر معلوم نہیں ہے تو پھر دیت ان کے قبائل پر کیوں قرار دی گئی ہے؟

کشف اللثام میں ہے: ممکن ہے اس خبر کو اس صورت میں فرض کیا جائے کہ ہر مقتول کا ولی باقیوں میں شریک قتل ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے لہٰذا ان کی شرکت کا احتمال ہے. لیکن نہ کسی ولی نے قسم کھائی ہے. نہ باقی بچ جانے والوں نے اور نہ مقتولین کے اولیاء نے قسم کھائی ہے. تاہم یہ محل نظر ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ مذکورہ خبر قواعد کے خلاف ہے۔ (۲۲۸)

الجواہر کا کلام ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں ـــــ اس میں اعتراض کی وجہ یعنی لوث اور شرکت کا ہونا اور اس پر قسم نہ کھانا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ دیت عاقلہ پر قرار پائے بلکہ اس کا لازمہ دیت کا مجروحین پر قرار پانا ہے جب کہ ان کے خلاف دعویٰ میں قسم نہیں کھائی گئی ہے. مگر یہ کہا جائے کہ بلا اشکال مسلمان کا خون رائگاں نہیں ہو سکتا اور وہ چاروں نشہ میں اس حالت کو پہنچے ہوئے تھے کہ وقتی طور پر ان کی عقل زائل ہو چکی تھی اس لئے ان کی کیفیت مجنون ایسی ہے۔ پس جس طرح وہ دینار جو امانت رکھا گیا اور دو آدمیوں کے درمیان اس میں شک اور تردد ہے تو انصاف کی رعایت کرتے ہوئے ان میں نصفا نصف تقسیم کیا جاتا ہے جس کا عقلاء و شریعت ہر دو حکم کرتے ہیں جیسا کہ سکونی کی خبر میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے (۲۲۹)

ہاں تو وہ دیت جو چار افراد کے درمیان مشکوک ہے وہ ان پر یا ان کے قبائل پر عائد کی جائے گی کیونکہ عرفی و شرعی طور پر تاوان کا معاملہ غنیمت اور منافع کا سا ہے. مگر مقتولین کی دیت میں سے باقی بچ جانے والوں کے زخموں کی دیت کے منہا کرنے میں اشکال واقع ہوتا ہے الا یہ کہ اس زخم کو موضحہ. یعنی ایسے زخم سے کم قرار دیا جائے کہ جو ہڈی کو ظاہر کر دے. پس اس صورت میں اس کی دیت عاقلہ پر نہیں خود زخم لگانے والے پر ہو لہٰذا اس کا تاوان مثل دیگر قرضوں کے اس دیت سے لیا جائے گا جو مقتول کی طرف منتقل ہوئی ہے. لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دیت تو دو مقتولوں کی ہے جب کہ زخم شائد ان دونوں کے ہاتھوں نہ لگا ہو بلکہ خود زخمیوں کی طرف سے یا ان میں سے کسی ایک کی طرف سے یا چاروں سے لگا ہو. پس غور کریں۔

لیکن جو چیز اس معاملہ کو آسان کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ صحیحہ اور معتبرہ سکونی آپس میں متعارض ہیں اور دونوں میں ایک ہی واقعہ کی حکایت ہوئی ہے. مگر مشہور علماء نے ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا تاکہ اس کو ترجیح دی جائے لہٰذا یہ دونوں حجیت سے ساقط ہو جائیں گی. ایسے موارد میں عقلائی اعتبار تقسیم کا اقتضاء کرتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے. اگر آپ اس سے

انکار کرتے ہیں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ دیت بیت المال سے ادا کی جائے جیسا کہ اس شخص کی دیت کے بارے میں وارد ہوا ہے جو جمعہ یا عرفہ کے دن یا پل پر لوگوں کے اژدہام میں دب کر مر گیا ہو. اس لئے کہ مسلمان کا خون رائگاں نہیں ہو سکتا پس الوسائل کی طرف مراجعہ کریں۔ (۲۳۰)

قید کا تیئیسواں مورد

قتل عمد کرنے والا جس سے قصاص نہ لیا جاتا ہو۔

۱۔ الوسائل میں اس کی سند کے ساتھ فضیل بن لیسار سے مروی ہے کہ اس نے کہا. میں نے ابو جعفرؑ سے عرض کیا ــــ دس افراد نے ایک شخص کو قتل کر دیا، آپ نے فرمایا. اگر اس کے اولیاء چاہیں تو ان دس افراد کو بطور قصاص قتل کر سکتے ہیں البتہ انہیں تاوان میں نو دیات دینا ہوں گے. اگر چاہیں تو ان میں سے ایک شخص کو معین کر کے اسے قتل کر دیں اور باقی نو افراد میں سے ہر ایک اس مقتول کے وارثوں کو دیت کا دسواں دسواں حصہ دے گا. آپ نے مزید فرمایا کہ اس کے بعد والی و حاکم ان کو حبس و قید میں رکھنے اور تادیب کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔ (۲۳۱)

میں کہتا ہوں ــــ اس روایت کو مشائخ ثلاثہ (کلینی صدوق و طوسی) نے روایت کیا اور اس کی سند بھی قابل وثوق ہے۔

۲۔ اسی کتاب میں اس کی سند کیساتھ ابو بصیر سے مروی ہے کہ اس نے کہا. میں نے ابو عبداللہؑ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے ایک فرد کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اور بھاگ گیا کہ پھر اس پر قابو حاصل نہ ہو سکا. آپ نے فرمایا. اگر اس کا کچھ مال ہے تو اس میں سے دیت لی جائے گی ورنہ اس کے رشتہ داروں میں قریب تر رشتہ دار سے لی جائے اور اگر رشتہ دار نہ ہوں تو امام و حاکم دیت ادا کرے گا کیونکہ مرد مسلمان کا خون رائگاں نہیں ہو سکتا ... کلینی نے کہا کہ ایک اور روایت میں ہے. پھر والی و حاکم تادیب کے بعد اس کو قید کرے گا۔ (۲۳۲)

میں کہتا ہوں ــــ ظاہر یہ ہے کہ تادیب سے مراد کوڑے لگانا ہے پس دونوں حدیثوں کا مفہوم یہ ہے کہ قاتل عمدی اگر دیت ادا کرے تو بھی معاشرے کے حق کی بناء پر والی و حاکم اسے تعزیر لگانے اور قید کرنے کا مجاز ہے مگر یہ کہ مصلحت اسے معاف کرنے کا تقاضا کرے. اسے یاد رکھیں۔

باقی رہی وہ چیز کہ جس پر فضیل کی روایت دلالت کرتی ہے کہ قصاص لینے میں اولیاء مقتول کو اختیار ہے تو اس کے متعلق محقق نے شرائع میں کہا ہے. جب کسی کے قتل میں ایک جماعت شریک ہو تو وہ سبھی قتل کئے جا سکتے ہیں اور ولی کو اختیار ہے کہ مقتول کی دیت ان کو لوٹا کر انہیں قتل کر دے. پس ان میں سے ہر ایک اتنی رقم لے گا جو اس کی جنایت کے تاوان سے بچتی ہو. ولی کو اس میں بھی اختیار ہے کہ وہ ان میں سے بعض کو قتل کرے جب کہ باقی مجرم اپنی جنایت کا تاوان ادا کریں گے۔ (۲۳۳)

الجواہر میں اس کے متعلق یوں کہا ہے. بغیر کسی اختلاف کے جو اس سلسلہ میں مجھے ملا ہو بلکہ اس پر دونوں قسم کا (محصل و

منقول) ا جماع ہے علاوہ اس کے کہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ تشریع قصاص لوگوں کے خون کی حفاظت کے لئے ہے، پس اگر اشتراک کی صورت میں قصاص واجب نہ ہوتا تو اس کو خون بہانے کا ذریعہ قرار دے لیا جاتا اور ایک گروہ کا قاتل ہونا اس قول خداوندی سے صادق آتا ہے "اور جو مظلوم قتل ہو جائے تو ہم نے اس کے ولی کے لئے تسلط قرار دیا ہے" مگر یہ کہ اسے قتل میں زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے اور شائد سب کا قتل کر دینا ہی زیادتی ہو جب وہ رقم جو ان کے تاوان سے بچ رہے انہیں نہ دی جائے۔ (۲۳۴) اسے یاد رکھیں۔

علاوہ ان ادلہ کے جو گزر چکی ہیں اس حکم پر وہ اخبار مستفیضہ (قریب تواتر) دلالت کرتے ہیں کہ جن میں صحیح و مؤثق بھی ہیں اور ان کے مطابق ہمارے فقہاء امامیہ نے بغیر اختلاف کے فتویٰ دیا ہے، پس مراجعہ کریں۔

البتہ بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے میں ایک سے زیادہ کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، ان میں ایک ابو العباس وغیرہ کی خبر ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا، جب ایک شخص کے قتل میں چند افراد اکٹھے ہوں تو والی و حاکم حکم دے کہ ان میں سے اس کے وارث جسے چاہیں قصاص میں قتل کریں لیکن انہیں یہ حق نہیں کہ ایک سے زیادہ افراد کو قتل کریں، کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اور جو مظلوم مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کے لئے تسلط قرار دیا ہے پس وہ قتل میں زیادتی نہ کرے۔ (۲۳۵)

لیکن اس کو کراہیت یا تقیہ پر یا دیت واپس دیئے بغیر زیادہ افراد کو قتل کرنے پر حمل کیا جائے جیسا کہ فقہاء اہل سنت کے بیانات سے ظاہر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے فقہاء امامیہ کا اجماع ہے کہ پہلے اخبار کو اختیار کیا جائے اور دوسرے اخبار کو طرح کیا جائے یا انہیں اس پر حمل کیا جائے جس کا ذکر ہوا اور پہلی ترجیح متعارضہ میں قول مشہور کو اخذ کرنا ہے۔

باقی رہے فقہاء اہل سنت تو ان کے درمیان بھی مشہور یہ ہے کہ ایک سے زیادہ افراد کو قتل کرنا جائز ہے لیکن ان میں سے بعض اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

الخلاف کی کتاب جنایات مسئلہ ۱۴ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: جب ایک گروہ کسی کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں وہ سبھی قتل کئے جائیں گے، صحابہ میں علی بن ابی طالبؑ، عمر بن خطاب، مغیرہ بن شعبہ، ابن عباس ــــ تابعین میں سعید بن مسیّب حسن بصری، عطاء اور فقہاء میں مالک، اوزاعی، ثوری، ابو حنیفہ، شافعی، احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں، مگر ہمارے نزدیک ایک کے بدلے میں وہ سب قتل نہیں ہوں گے مگر اس صورت میں کہ اس کے ورثاء ان میں سے ہر ایک کو قتل کرنا چاہیں تو انہیں یہ حق ہے لیکن وہ دیت کا زائد حصہ اس کے اولیاء کو دیں گے جس سے قصاص لیا گیا ہے، تاہم دیگر فقہاء اہل سنت نے اس کو معتبر نہیں سمجھا ہے۔

فقہاء کی ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ ایک کے بدلے میں کئی افراد کو قتل نہیں کیا جا سکتا بلکہ مقتول کا ولی ان میں سے ایک کو قتل کرے گا اور دیت میں سے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور دیگر افراد سے ان کی تعداد کے مطابق دیت لے گا، صحابہ میں سے عبداللہ بن زبیر اور معاذ اس کے قائل ہیں اور تابعین میں سے ابن سیرین و زہری بھی اسی پر ہیں، لیکن ایک گروہ کا خیال ہے کہ

ایک کے بدلے میں ایک گروہ کو اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک کو قتل کیا جائے گا ــــ یہ ربیعہ اور اہل ظاہر میں داؤد اور اس اصحاب کا قول ہے۔

ہماری دلیل شیعہ جماعت کا اجماع اور ان کے اخبار ہیں .... اور اجماع صحابہ بھی اسی پر ہے اور یہ علی بن طالبؑ، عمر بن خطاب، ابن عباس و مغیرہ سے مروی ہے نیز سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ خلیفہ عمر نے ایک کے بد میں پانچ یا سات افراد کو قتل کیا کہ جنہوں نے اسے دھوکے سے قتل کیا تھا اور یہ کہا کہ اگر اس کے قتل میں اہل صنعاء ایک دوسرے سے تعاون کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا، نیز علی بن ابی طالبؑ سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے ان تین افراد قتل کیا جنہوں نے ایک شخص کو قتل کیا، اسی طرح مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ اس نے ایک کے بدلے سات افراد کو قتل کی اور ابن عباس سے مروی ہے: کہ جب ایک گروہ کسی شخص کو قتل کرے تو اس کے بدلے میں وہ سبھی قتل کئے جائیں گے اگرچہ وہ ایک صد افراد بھی ہوں۔ (۲۳۶)

میں کہتا ہوں ــــ ابن قدامہ حنبلی المغنی میں اس مسئلہ سے متعرض ہوا ہے نیز سنن بیہقی میں بھی اس کا ذکر ہوا ہے۔ (۲۳۷) مراجعہ کریں اور اسے یاد رکھیں۔

نہج البلاغہ میں اصحاب جمل کے تذکرہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا: پس قسم بخدا کہ اگر انہوں نے مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص کو جان بوجھ کر قتل کیا ہوتا بغیر اس کے کہ اس نے کوئی جرم کیا ہو تو بھی میرے لئے اس سارے لشکر کو قتل کرنا حلال تھا کیونکہ یہ موجود تھے اور انہوں نے اس کو برا نہیں مانا اور ہاتھ اور زبان سے نہیں روکا۔ (۲۳۸)

پس غور کریں کہ اس صورت میں شائد ان کا قتل بغاوت و سرکشی کی بناء پر جائز ہوا ہو نہ کہ قصاص کی وجہ سے حلال ہوا تھا۔

قید کا چوبیسواں مورد

اسیران جنگ۔

۱۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے مروی ہے: حضرت رسولؐ نے نجد کے علاقے میں گھڑ سوار فوج بھیجی، پس وہ ایک شخص ثمامہ بن اثال کو لائے کہ جو اہل یمامہ کا سردار تھا، چنانچہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا، پھر آنحضرتؐ اس طرف گئے اور فرمایا: اے ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا: یا محمدؐ! میرے پاس خیر و بھلائی ہے، اگر آپ مجھے قتل کریں تو ایک صاحب خون کو قتل کریں گے اور اگر احسان کریں تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے، اگر مال واپس کر دیں گے تو اس میں جتنا آپ چاہیں آپ کو دیا جائے گا، پس آپ نے اسے اسی حالت میں رہنے دیا، اگلے روز آپ نے پھر یہ فرمایا: تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس وہی ہے جو میں نے کل آپ سے کہا تھا اور اس نے پھر وہی باتیں دوہرائیں، جب تیسرے دن آپ اس کے پاس تشریف لائے تو اس نے وہی باتیں کہیں۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو پھر وہ مسجد کے قریب کھجوروں کے باغ میں گیا اور وہاں غسل کر کے مسجد میں داخل ہوا اور کہا:

اشهد ان لاالٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ۔ یا محمدؐ! قسم بخدا کہ میرے نزدیک کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہیں تھااور اب آپ کاچہرہ سب سے محبوب ہوگیاہے. خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہیں تھااور اب میرے نزدیک آپ کا دین تمام ادیان سے محبوب ہوگیاہے۔ (۲۳۹)

میں کہتاہوں ــــ پس غور کریں کہ آنحضرتؐ کی چشم پوشی اور بخشش اس شخص کی روح اور فکر میں تاثیر کر گئی ــــ شریف و کریم افراد کو ایساہی کرنا چاہئے نہ کہ وہ عذاب و سزا دینے پر اصرار کریں۔

۲۔ بیہقی نے ہی اپنی سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اکرمؐ نے جنگ بدر کے دن شام کی جب کہ قیدی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے توابتداء شب میں آپ جاگتے رہے. تب آپ کے اصحاب نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! کیاوجہ ہے کہ آپ سوتے نہیں ہیں؟اس وقت آپ کے چچا عباس کو انصار سے ایک شخص نے قید کر رکھاتھا چنانچہ آپ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے قیدی چچا عباس کے کراہنے کی آواز سنی ہے. پس انہوں نے عباس کو کھول دیا تو وہ خاموش ہوگئے اور پھر آنحضرتؐ سوگئے۔ (۲۴۰)

۳۔ ارشاد مفید میں بنی قریظہ کے قیدیوں کے بارے میں ہے: جب قیدیوں کو مدینہ لایا گیا تو انہیں بنی نجار کے گھروں میں سے ایک گھر میں بند کر دیا گیا۔ (۲۴۱)

۴۔ سیرت ابن ہشام میں ہے: پس حاتم کی بیٹی کو مسجد کے دروازے کے پاس ایک احاطہ میں رکھا گیا جہاں عورتوں کو قید کیا جاتا تھا۔ (۲۴۲)

۵۔ التراتیب الادار یہ میں حاتم کی بیٹی کے واقعہ میں کہا ہے: پس اسے بنی طے کے قیدیوں میں لایا گیا اور پھر حاتم کی بیٹی کو مسجد کے دروازے کے قریب ایک احاطہ میں بھیجا گیا کہ جہاں قیدی عورتوں کو رکھا جاتا تھا۔ (۲۴۳)

قید کا پچیسواں مورد

جو اپنے غلام کو اتنا مارے کہ وہ مرجائے۔

۱۔ مسمع بن عبدالملک کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: امیرالمومنینؑ کے حضور ایک شخص کا مقدمہ پیش ہوا کہ جس نے اپنے غلام کو سزا دی یہاں تک کہ وہ مرگیا. پس آپ نے اسے شدت کے ساتھ سو کوڑے لگائے. ایک سال کے لئے قید کیا اور غلام کی قیمت کے برابر تاوان لے کر اس کی طرف سے صدقہ کیا۔ (۲۴۴)

جعفریات سے اس کی سند کے ساتھ مستدرک میں امام جعفر صادقؑ سے. ان کے والد سے. ان کے دادا سے اسی طرح روایت ہوئی ہے۔ (۲۴۵)

میں کہتاہوں ــــ اس خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ مکمل حد یعنی سو کوڑے تک تعزیر لگانا جائز ہے اور اسی طرح مالی تعزیر بھی جائز ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

۲۔ ابو الفتح جرجانی کی خبر میں ابو الحسنؑ سے ایک شخص کے بارے میں مروی ہے کہ جس نے اپنے غلام یا کنیز کو قتل کر دیا

تھا. آپ نے فرمایا: اگر وہ غلام یا کنیز خود اس کی اپنی ملک ہے تو اسے تادیب کے بعد قید کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ غلاموں کو قتل کرنے میں مشہور ہو چکا ہو تو اس صورت میں اس کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ (۲۴۶)

محقق نے شرائع میں کہا ہے: اگر مالک اپنے غلام کو قتل کر دے تو کفارہ دے گا اور اسے تعزیر بھی لگائی جائے گی لیکن اس کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا. بعض نے کہا ہے کہ اس کی قیمت کے برابر تاوان ادا کرے گا اور وہ صدقہ کیا جائے گا لیکن اس کے اسناد میں ضعف ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اگر ایسا کرنے کا عادی ہو تو پھر اسے قتل کیا جائے گا۔ (۲۴۷)

قید کا چھبیسواں مورد

جو مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے اسے قید کیا جائے گا تاکہ باقی حصہ خرید کر کے اسے بھی آزاد کرے۔

سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ ابو مجلز سے مروی ہے کہ جہینہ کے دو جوان لڑکوں کا ایک مشترکہ غلام تھا. ان میں سے ایک نے اس میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو آنحضرتؐ نے اسے قید کر دیا یہاں تک کہ اس سلسلہ میں اس کی غنیمت کا حصہ بیچا۔ (۲۴۸)

میں کہتا ہوں ___ چونکہ عتق و آزادی کی خاصیت سرایت بھی ہے لہٰذا جو شخص اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کرے تو آزادی سارے غلام میں سرایت کرے گی اور وہ وسعت رکھتا ہے تو اس کے ساجھی کے حصے کی رقم بھی اس پر ڈالی جائے گی یا خود غلام اس میں کوشش کر کے پورا آزاد ہو جائے گا. اس حکم پر بہت سے اخبار دلالت کرتے ہیں پس الوسائل کی طرف مراجعہ کریں۔ (۲۴۹)

شرائع میں کہا ہے: جو شخص اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کر دے تو آزادی سارے غلام میں سرایت کرے گی جبکہ آزاد کرنے والا ہوشمند اور تصرف کا حق دار ہو. اگر اس غلام میں کوئی اس کے ساتھ شریک ہو تو مالدار ہونے کی صورت اس کی رقم بھی اسی پر ڈالی جائے گی. اگر آزاد کرنے والا تنگ دست ہو تو خود غلام بھی اس میں کوشش کرے گا۔ (۲۵۰)

قید کا ستائیسواں مورد

قواد یعنی جو اجنبی مرد عورت میں ملاپ کرائے اس پر جلاوطنی کا حکم دیا گیا ہے۔

فقہ الرضا میں ہے: اگر قواد پر ثبوت اور شہادت قائم ہو جائے تو اسے پچھتر کوڑے مارے جاتے ہیں اور اس کو اس شہر سے جلاوطن کر دیا جاتا ہے جس میں وہ رہتا ہو ___ روایت ہوئی ہے کہ نفی (جلاوطنی) وہی ایک سال کی قید ہے مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ (۲۵۱)

اسی کتاب سے بحار اور مستدرک میں بھی یہ روایت ذکر ہوئی ہے۔ (۲۵۲)

شرائع میں کہا ہے: قواد (دیوث بھڑوے) کو پچھتر کوڑے مارنا واجب ہے ...... کیا اسے پہلی مرتبہ جرم کرنے میں جلاوطن بھی کیا جائے؟ اس کے جواب میں نہایہ میں کہا ہے ہاں اسے جلاوطن کیا جائے گا لیکن مفید نے کہا ہے کہ دوسری مرتبہ جلاوطن

کیا جائے لیکن پہلا قول مروی ہے۔ (۲۵۳)

قید کا اٹھائیسواں مورد

مرتد ملی کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ توبہ کرے۔

الوسائل میں عبداللہ بن سنان سے، اس کے باپ سے، ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: عبداللہ بن سباء دعوائے نبوت کرتا اور گمان کرتا تھا کہ امیرالمومنینؑ ہی خدا ہیں کہ جو بلند و برتر ہے، پس یہ خبر امیرالمومنینؑ تک پہنچی تو آپ نے اسے بلایا اور پوچھا تو اس نے اقرار کیا اور کہا: جی ہاں! آپ ہی وہ ہیں اور میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ بے شک آپ ہی اللہ ہیں اور میں نبی ہوں، امیرالمومنینؑ نے فرمایا: تم پر ہلاکت پڑے ــــ اس میں شیطان نے تجھ سے تمسخر کیا اور تیرا مذاق اڑایا ہے، تمہاری ماں تمہیں روئے اس عقیدے سے پلٹ آؤ اور توبہ کرو لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، تب آپ نے اسے قید کر دیا اور تین دن تک توبہ کراتے رہے لیکن اس نے توبہ نہیں کی پس آپ نے اس کو قید خانے سے نکالا اور آگ میں جلا دیا...... (۲۵۴)

کشی نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سباء ایک یہودی تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا (جس طرح دیگر صحابہ کرام یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں میں سے مسلمان ہوئے تھے)۔ مترجم

قید کا انتیسواں مورد

جس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے ـ اسے علاج کے لئے قید کیا جائے گا۔

۱۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ حارث بن حضیرہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں ایک حبشی غلام کے قریب سے گزرا جو مدینہ میں پانی بھرتا تھا، اچانک میں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا تھا ــــ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا ہاتھ کس نے کاٹا ہے؟ اس نے کہا میرا ہاتھ لوگوں میں سے بہترین شخص نے کاٹا ہے، ہم آٹھ افراد تھے جو چوری میں پکڑے گئے اور ہمیں حضرت علی بن ابی طالبؑ کے پاس لے جایا گیا جہاں ہم نے چوری کا اقرار کر لیا، آپ نے فرمایا: آیا تم جانتے ہو کہ یہ فعل حرام ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں ــــ پس آپ نے ہمارے بارے میں حکم دیا کہ ان کی انگلیاں ہتھیلی سے کاٹی جائیں اور انگوٹھا چھوڑ دیا جائے، پھر حکم دیا کہ ان کو ایک مکان میں قید کیا جائے اور وہاں ہمیں گھی اور شہد دیا جاتا تھا یہاں تک کہ ہمارے زخمی ہاتھ ٹھیک ہو گئے، پھر حکم دیا تو ہمیں قید سے نکالا گیا اور ہمیں اچھا لباس پہنایا گیا، اس کے بعد آپ نے ہم سے کہا کہ اگر توبہ کرو اور سیدھے ہو جاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے ــــ خدا تمہارے کٹے ہاتھوں کو جنت میں تمہارے ساتھ ملحق کر دے گا اور اگر ایسا نہ کرو گے تو خدا جہنم کی آگ میں یہ تمہارے ساتھ ملحق کرے گا۔ (۲۵۵)

۲۔ دعائم الاسلام میں مروی ہے: امیرالمومنینؑ نے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور جب ان کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے تو ان پر دواء لگانے کا حکم دیا، دواء لگا دی گئی تو انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور انہیں قید کر دیا گیا، اس کے بعد فرمایا: اے

قنبر! ان کو اپنے پاس رکھو، ان کے زخموں کا علاج کرو اور ان کے رہنے سہنے کا اچھا بندوبست کرنا، پس جب یہ ٹھیک ہو جائیں تو مجھے بتانا، پھر جب ہم صحت یاب ہو گئے تو قنبر آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ان لوگوں کے زخم بھر گئے ہیں، تب آپ نے فرمایا کہ جاؤ انہیں دو دو کپڑے پہناؤ اور میرے پاس لے آؤ، اس نے ایسا ہی کیا اور انہیں امیر المومنین کے پاس لے آیا ــــ گویا کہ وہ ایک ایسا گروہ تھا جس نے احرام باندھ رکھا تھا۔ (۲۵۶)

اسی کتاب سے یہ روایت مستدرک میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ (۲۵۷)

روایات کا دوسرا گروہ

حبس و قید خانہ کے اخبار و روایات۔

جو روایات اس شخص سے متعلق ہیں جسے عمر بھر قید میں رہنا ہے یہاں تک کہ مرجائے یا توبہ کر لے اس کے موارد بہت ہیں اور ہمیشہ قید میں رہنے کا مفہوم عنقریب بیان ہو گا۔

پہلا مورد۔ وہ شخص جو تیسری مرتبہ چوری کرے۔

اس مورد میں بہت زیادہ روایات ہیں۔

۱۔ صحیحہ محمد بن قیس میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: امیر المومنینؑ نے چور کے بارے میں فیصلہ دیا کہ جب وہ چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے، دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور تیسری مرتبہ چوری کرے تو اس کو قید کیا جائے گا لیکن اس کا دایاں پاؤں چھوڑ دیا جائے گا کہ جس سے چل کر وہ رفع حاجت کو جائے اور بایاں ہاتھ کہ جس سے کھانا کھائے اور استنجاء کر سکے، پس آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس چور کو ایسی حالت میں چھوڑوں کہ وہ کسی چیز سے نفع نہ اٹھا سکے البتہ میں اسے قید کر دوں گا یہاں تک کہ وہ قید خانہ میں مرجائے، نیز فرمایا کہ حضرت رسولؐ نے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹنے کے بعد کوئی اور چیز نہیں کاٹی۔ (۲۵۸)

۲۔ زرارہ کی خبر میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: امیر المومنینؑ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹنے سے زیادہ کچھ نہیں کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ میں چور کو ایسی حالت میں چھوڑوں کہ اس کے جسم کے ساتھ وہ (ہاتھ) نہ ہو جس سے طہارت کر سکے، راوی کہتا ہے کہ میں نے آپ سے سوال کیا کہ اگر اس نے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جانے کے بعد چوری کی ہو تو؟ آپ نے فرمایا کہ میں اسے ہمیشہ کے لئے قید میں ڈال دوں گا اور لوگوں کو اس کے شر سے بے فکر کر دوں گا۔ (۲۵۹)

۳۔ قاسم کی خبر میں ہے کہ میں نے ابو عبد اللہؑ سے ایک مرد کے بارے میں سوال کیا کہ جس نے چوری کی تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے سنا ہے کہ امیر المومنینؑ کے زمانے میں ایک شخص کو لایا گیا کہ جس نے چوری کی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، پھر اسے دوبارہ لایا گیا تو آپ نے ادل بدل سے اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا اور جب تیسری مرتبہ

لایا گیا تو آپ نے اسے ہمیشہ کے لئے قید کر دیا اور اس پر مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ کیا اور فرمایا کہ حضرت رسولؐ نے ایسا ہی کیا تھا اور میں ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ (۲۶۰)

۴۔ مؤثقہ سماعہ بن مہران میں ہے کہ اس نے کہا. آپ نے فرمایا جب چور پکڑا جائے تو اس کا ہاتھ ہتھیلی کے درمیان سے کاٹا جائے. دوبارہ چوری کرے تو اس کا پاؤں وسط قدم سے کاٹا جائے پس اگر پھر سے ایسا کرے تو اسے قید خانے میں بند کر دیا جائے اور اگر وہاں بھی چوری کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ (۲۶۱)

۵۔ صحیحہ حلبی میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: چور کا ہاتھ اور پھر پاؤں کاٹا جائے گا. اس کے بعد کچھ نہیں کاٹا جائے گا لیکن اگر وہ اس کا اعادہ کرے تو اسے قید کیا جائے گا اور اس پر مسلمانوں کے بیت المال میں سے خرچ کیا جائے گا۔ (۲۶۲)

۶۔ صحیحہ زرارہ اور خبر عبداللہ بن سنان میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: جس کے ہاتھ شل ہوں اگر وہ چوری کرے تو شل ہو یا صحیح ہو ہر حالت میں اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا. اگر دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور پھر ایسا کرے تو اسے ہمیشہ کے لئے قید میں رکھا جائے گا. اسے لوگوں سے الگ کر دیا جائے گا اور اس پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔ (۲۶۳)

ان کے علاوہ بھی اس بارے میں بہت سے اخبار و روایات ہیں پس الوسائل و مستدرک کی طرف مراجعہ کریں۔ (۲۶۴)

جن اخبار میں حبس و سجن کے الفاظ آئے ہیں لامحالہ ان میں مطلق کو مقید پر حمل کرتے ہوئے ہمیشہ کی قید کے مفہوم میں لیا جائے گا۔

ہمارے فقہاء امامیہ نے ان اخبار کے مطابق فتویٰ دیا ہے جیسا کہ شرائع میں ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرے تو اس کو ہمیشہ کی قید میں رکھا جائے گا۔ (۲۶۵)

پھر الجواہر میں اپنے اس قول کی تائید کی ہے کہ اسے قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ مرجائے یا توبہ کر لے. اگر اس کا اپنا مال نہ ہو تو اس پر مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ کیا جائے گا اور اس کے جسم کا کوئی حصہ (ہاتھ پاؤں نہیں) کاٹا جائے گا. بغیر کسی اختلاف کے جو مجھے نص یا فتویٰ میں ملا ہو بلکہ ممکن ہے نصوص کے ذریعے اس کے قطع و یقین کا دعویٰ کیا جائے۔ (۲۶۶)

میں کہتا ہوں ـــــ بہت سے نصوص میں حضرت رسولؐ و امیر المومنینؑ کے فعل و عمل کی تصریح ہے اور اس مسئلہ میں. اختلاف کا اشارہ بھی ہوا ہے اور وہ تو ہے ہی کیونکہ علماء اہل سنت اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔

الخلاف کتاب السرقہ مسئلہ ۳۰ میں ہے: جب کوئی چور دو چوریوں میں دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کٹ جانے کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے تو اس کو ہمیشہ کی قید دی جائے گی اور اس کا ہاتھ یا پاؤں نہیں کاٹا جائے گا. پس اگر وہ قید خانے میں کسی محفوظ جگہ سے چوری کرے تو اسے قتل کرنا واجب ہے۔ شافعی نے کہا ہے کہ تیسری چوری میں اس کا بایاں ہاتھ اور چوتھی میں

دایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور مالک و اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن ثوری، ابو حنیفہ اور احمد نے کہا ہے کہ تیسری چوری میں کچھ نہیں کاٹا جائے گا تاہم وہ عمر قید کے قائل نہیں ہیں ــــ ہماری دلیل فرقہ شیعہ کا اجماع اور ان کے اخبار ہیں۔ (۲۶۷)

ابن حزم کی کتاب المحلی میں ہے: لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ چور کے جسم سے کیا کیا کاٹا جائے۔ پس ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ایک ہاتھ کے سوا اس کے جسم کا کوئی عضو نہیں کاٹا جائے گا۔ ایک اور گروہ نے کہا ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کے علاوہ کچھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ پہلے ہاتھ کاٹا جائے گا اور پھر پاؤں ــــ ایک گروہ نے کہا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور پھر اس سے مخالف طرف کا پاؤں کاٹا جائے گا۔

اس کے بعد ہر قول کی دلیل کا ذکر کیا اور پھر کہا ہے: چونکہ قرآن و سنت میں آیا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے نہ کہ اس کا پاؤں کاٹا جائے لہٰذا اس کے پاؤں کا قطع کرنا بالکل جائز نہیں اور الحمد للہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب مرد یا عورت چوری کرے تو ان میں سے ہر ایک کا ایک ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پس اگر کوئی دوسری بار چوری کرے تو قرآن و سنت کی نص سے اس کا دوسرا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر تیسری بار چوری کرے تو اسے تعزیر لگانے کے بعد گرفتار کر لیا جائے گا اور لوگوں کو اسے ضرر پہنچانے سے روکا جائے گا یہاں تک کہ وہ بہتر ہو جائے اور اس کی حالت درست ہو جائے۔ (۲۶۸)

ابن قدامہ کی کتاب المغنی میں خرقی کے قول کے بعد ہے: پس اگر چوری کا اعادہ کرے تو اس کو قید کر دیا جائے گا اور ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کے علاوہ کچھ نہ کاٹا جائے گا۔ اس نے کہا "یعنی جب ہاتھ اور پاؤں کٹ جانے کے بعد پھر چوری کرے تو اس کے بدن سے کچھ اور نہیں کاٹا جائے گا اور اس کو قید میں رکھا جائے گا۔ نیز حضرت علی مرتضیٰؑ، حسن، شعبی، نخعی، زہری، حماد، ثوری اور اصحاب رائے کا بھی یہی قول ہے۔

احمد سے مروی ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرنے والے کا بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ اس کا دایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور پانچویں مرتبہ تعزیر لگائی جائے گی اور قید کیا جائے گا۔

خلفاء ابو بکر و عمر سے روایت ہوئی ہے کہ ان دونوں نے اس شخص کا ہاتھ کاٹا کہ جس کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جا چکا تھا اور قتادہ، مالک، شافعی، ابو ثور اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے۔

خلیفہ عثمان، عمرو بن عاص اور عمر بن عبد العزیز سے روایت ہوئی ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرنے پر اس کا بایاں ہاتھ، چوتھی مرتبہ دایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور پانچویں مرتبہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ جابر نے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔ لوگوں نے عرض کیا اس نے چوری کی ہے۔ آپ نے فرمایا پس قطع کرو۔ پھر جب اسے تیسری مرتبہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔ صحابہ نے عرض کیا اس نے صرف چوری کی ہے۔ آپ نے فرمایا تو قطع کر دو۔ اسے چوتھی مرتبہ لایا گیا تو فرمایا اس کو قتل کر دو۔ لوگوں نے عرض کیا اس نے صرف چوری کی ہے۔ آپ نے فرمایا قطع کرو۔ پھر اسے پانچویں مرتبہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔ راوی نے کہا پس ہم اس کو لے گئے اور قتل کر دیا ــــ پھر ہم نے اسے کھینچ کر کنوئیں میں پھینک دیا۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے چوری میں فرمایا: وہ چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، دوبارہ چوری کرے تو ں کا پاؤں کاٹ دو، تیسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹو اور چوتھی مرتبہ اس کا پاؤں کاٹو چونکہ بایاں ہاتھ قصاص میں بھی کاٹا جاتا ہے لہٰذا چوری میں اس کا مثل دایاں ہاتھ کاٹنا جائز ہے اور اس بناء پر خلیفہ ابو بکر اور خلیفہ عمر نے بھی ایسا کیا تھا۔

ہماری دلیل وہ ہے جسے سعید نے روایت کیا ہے: ہم سے حدیث بیان کی ابو معشر نے سعید بن ابو سعید مقبری سے اور اس نے اپنے باپ سے کہ اس نے کہا: میں علی بن ابی طالبؑ کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ ایک شخص کو لایا گیا جس کا ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا تھا اور اس نے پھر چوری کی تھی، پس آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا اس کا ہاتھ کاٹ دیں، آپ نے فرمایا پھر تو میں نے گویا اسے قتل کر دیا حالانکہ اس کے لئے سزائے قتل نہیں ہے، ہاں وہ کس چیز سے کھانا کھائے گا، کس چیز سے نماز کا وضو کرے گا، کس چیز سے اپنی جنابت میں غسل کرے گا اور کس چیز سے اپنی حاجت کے لئے کوشاں ہوگا ـــــ پس اسے کئی دن تک قید خانہ بھیج دیا، پھر اسے نکالا اور اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو انہوں نے وہی پہلی بات دوہرائی اور آپ نے بھی پہلے کی طرح گفتگو فرمائی۔ پس اسے شدت کے ساتھ کوڑے لگائے اور چھوڑ دیا۔

آنجنابؑ ہی سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے حیاء و شرم کرتا ہوں کہ میں اس شخص کے لئے نہ ہاتھ چھوڑوں جس سے وہ چیزوں کو اٹھائے اور نہ پاؤں چھوڑوں کہ جس سے وہ چلے ......

باقی رہی جابر کی روایت تو وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو واجب القتل تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے پہلی مرتبہ بھی قتل کا حکم دیا، پھر ہر مرتبہ اور پانچویں مرتبہ بھی ایسا ہوا ہے اور اسے نسائی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ اجنبی قسم کی حدیث ہے۔

رہی دوسری حدیث اور خلیفہ ابو بکر و خلیفہ عمر کا فعل تو اس سے حضرت علیؑ کا قول معارض ہے اور خلیفہ عمر کے بارے میں روایت ہوئی ہے کہ وہ حضرت علی مرتضیٰؑ کے قول کی طرف مائل ہوگئے تھے، پس سعید نے روایت کی ہے ہم سے ابو احوص نے حدیث بیان کی سماک بن حرب سے، عبدالرحمٰن عائذ سے اور اس نے کہا: خلیفہ عمر کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا تھا اور اس نے تیسری مرتبہ چوری کی تھی، پس خلیفہ عمر نے حکم دیا کہ اس کا پاؤں کاٹا جائے لیکن حضرت علی مرتضیٰؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو بس یہ کہتا ہے:

انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض فساداً - (۲۶۹)

"جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے لڑتے بھڑتے ہیں (اور ان کے احکام کو نہیں مانتے) اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملکوں ملکوں دوڑتے پھرتے ہیں ان کی سزا بس یہی ہے کہ یا تو چن چن کر مار ڈالے جائیں یا انہیں سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں سمت بدل کر کاٹ ڈالے جائیں۔"

ہاں اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں تو تم کاٹ چکے ہو، پس مناسب نہیں کہ اس کا دوسرا پاؤں بھی کاٹ ڈالو اور اسے اس حالت میں چھوڑ دو کہ اس کا کوئی سہارا نہ ہو کہ جس سے چل سکے، لہٰذا اسے تعزیر لگاؤ یا اسے قید خانہ میں بھیج دو پس اسے قـ

خانے میں بند کر دیا گیا۔ (۲۷۰)

وہ کلام ختم ہوا کہ جسے ہم نے اس کے طول کے باوجود المغنی سے نقل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

میں کہتا ہوں ـــــ جابر کی خبر کو ابو داؤد نے کتاب الحدود میں "بار بار چوری کرنے والے چور کے باب" میں روایت کیا ہے۔ (۲۷۱)

سنن نسائی کی کتاب قطع السارق میں کہا ہے کہ یہ حدیث منکر (اجنبی) ہے۔ (۲۷۲)

اس کی وجہ واضح ہے کہ حضرت رسولؐ نے کیونکر چاروں مرتبہ قتل کا حکم لگایا ہے اور صحابہ کے قول کی بناء پر اس بات سے کس طرح اعراض کیا کہ جو آپ نے فرمائی تھی، کیا یہ معاملہ آنحضرتؐ پر مشتبہ تھا اور معاذ اللہ آپ حکم قطع کو بھول گئے تھے جو کتاب الٰہی میں نازل ہوا حتیٰ کہ صحابہ نے آپ کو یاد دلایا۔

عبدالرحمٰن بن عائذ کی خبر کو تو بیہقی نے روایت کیا ہے نیز اسے عبداللہ بن سلمہ سے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس ایک چور کو لایا گیا تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹا، جب اسے دوبارہ لائے تو اس کا پاؤں کاٹا، اور جب تیسری بار لائے تو آپ نے فرمایا، اگر میں اس کا ہاتھ کاٹوں تو وہ مسح کس چیز سے کرے گا اور کس چیز سے کھائے گا، اس کے بعد فرمایا، اگر اس کا پاؤں قطع کروں تو کس چیز سے چلے گا پس مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم و حیاء آتی ہے، راوی کہتا ہے کہ پھر آپ نے اسے کوڑے لگائے اور عمر بھر کے لئے قید کر دیا۔ (۲۷۳)

پس اس مسئلہ میں حق وہی ہے جس کا فتویٰ ہمارے فقہاء امامیہ نے دیا ہے۔

پھر یہ کہ ہمیشہ کی قید سے مراد اس کی قید کا کسی مدت و عرصہ کے ساتھ موقت و محدود نہ ہونا ہے یعنی اس میں سال دو سال کی قید معین نہیں ہے، بلکہ اس کو قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس کی درستگی اور توبہ ظاہر ہو جائے اور پھر اسے چھوڑ دیا جائے گا، لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو ہمیشہ قید میں رہے گا اور الجواہر سے بھی یہی ظاہر ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

آنجنابؑ کا وہ قول اس کی گواہی دیتا ہے جو زرارہ کی گزشتہ خبر میں ہے "اور لوگوں کو اس کے شر سے بے فکر کر دے" اور ان کی گزشتہ صحیحہ میں ہے "لوگوں سے روک دے" کیونکہ توبہ کے بعد اس سے شر کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

اس میں یہ احتمال بہت ہی بعید ہے کہ اس کا قید میں رہنا متعین ہے اگرچہ وہ توبہ کر لے اور صالح ہو جائے تاہم یہ نظریہ اس باب کے بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہی مانوس ہو کیونکہ قید، قطع کا بدل ہے وہ قطع جو خدائی حد ہے کہ جس کا نافذ کرنا واجب ہے اگرچہ وہ امام و حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہونے کے بعد توبہ کر لے البتہ جیسا کہ گزر چکا ہے زیادہ صحیح قول یا مفید کے قول کی بناء پر امام کو مطلقاً معاف کر دینے کا حق ہے جبکہ اس شخص کا جرم اقرار کے ذریعے ثابت ہوا ہو۔

دوسرا مورد۔ مرتد عورت

اس سلسلہ میں اخبار قریب تواتر ہیں۔

۱۔ صحیحہ حریز میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: ہمیشہ کے قید میں نہیں رکھے جائیں گے مگر تین قسم کے افراد ـــــ وہ جو کسی کو قتل کرانے کے لئے پکڑے رکھے، وہ عورت جو اسلام سے مرتد ہو جائے اور وہ چور جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹا جا چکا ہو۔ (۲۷۴)

اس میں تین کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی کیونکہ ہمیشہ قید میں رکھنے کے موارد بہت زیادہ ہیں جیسا کہ عنقریب ظاہر ہو گا، آپ کے زمانے میں یہ عام چیز تھی اور لوگوں کو بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے قید میں رکھا جاتا تھا اور آپ کے ارشاد میں ان کی خطاء و غلطی کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

۲۔ غیاث بن ابراہیم کی خبر ہے امام جعفر صادقؑ سے، ان کے والد سے، امیر المومنینؑ سے کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی عورت اسلام سے مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا لیکن اس کو ہمیشہ کی قید میں رکھا جائے گا۔ (۲۷۵)

۲۔ عباد بن صہیب کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: مرتد کو توبہ کرائی جائے گی، پس اگر وہ توبہ کر لے تو بہتر ورنہ اسے قتل کیا جائے گا اور مرتد عورت کو توبہ کرائی جائے گی، اگر وہ توبہ کر لے تو خیر ورنہ اسے قید خانے میں بند کیا جائے گا اور اذیت دی جائے گی۔ (۲۷۶)

۴۔ ابن محبوب کی خبر میں ہمارے بہت سے اصحاب سے، ابو جعفرؑ اور ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: مرتد کہ جس سے توبہ کرائی گئی ہو، اگر وہ توبہ کر لے تو خیر ورنہ اس کو قتل کیا جائے گا اور جو عورت اسلام سے مرتد ہو جائے اسے توبہ کرائی جائے گی، اگر وہ توبہ کر لے تو بہتر ہے ورنہ اس کو ہمیشہ کی قید میں رکھا جائے گا اور قید میں اس پر تنگی کی جائے گی۔ (۲۷۷)

۵۔ دعائم الاسلام میں امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: جسے عمر قید کیا جائے اس کا خرچ بیت المال سے ہو گا اور ہمیشہ کے لئے قید میں نہیں رکھا جائے گا مگر تین افراد کو ـــــ وہ جو کسی کو قتل کرانے کے لئے پکڑ رکھے، وہ عورت جو مرتد ہو جائے مگر یہ کہ توبہ کر لے اور وہ چور جو ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹے جانے کے بعد یعنی تیسری مرتبہ چوری کرے۔ (۲۷۸)

۶۔ نیز اسی کتاب میں مروی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: جب عورت مرتد ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے یا مر جائے اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا، اگر کنیز ہو اور اس کے مالک اس کی طرف سے خدمت کے محتاج ہوں تو وہ اس سے خدمت لیں گے اور اسے سخت تنگی دی جائے گی، اس کو کپڑے نہیں پہنائے جائیں گے مگر کھردرے اور اتنی مقدار میں جو اس کے بدن کو چھپائیں اور اسے اس گرمی و سردی سے بچائیں جس سے اس کی موت کا اندیشہ ہو، اسے سخت قسم کا کھانا دیا جائے گا مگر اتنا کہ جس سے وہ زندہ رہ سکے ...... (۲۷۹)

اس کتاب سے یہ روایت مستدرک میں بھی نقل ہوئی ہے۔ (۲۸۰)

۷۔ نیز اسی کتاب میں حدیث مرتد میں آیا ہے: اگر عورت مرتد ہو تو اس کو قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے یا توبہ کر لے (۲۸۱) اسے یاد رکھیں۔

صحیحہ حماد میں اسلام سے مرتد ہونے والی عورت کے بارے میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس سے سخت قسم کی خدمت لی جائے گی، اسے کھانے پینے سے روکا جائے گا مگر اتنا جس سے رمق جان باقی رہے۔

اسے کھردرے کپڑے پہنائے جائیں گے اور نماز کے اوقات میں اسے مارا پیٹا جائے گا۔

صدوق نے بھی اپنی سند کے ساتھ حماد سے، حلبی سے اسی طرح روایت کی ہے لیکن کہا ہے کہ اسے زیادہ سخت کپڑے پہنائے جائیں گے۔ (۲۸۲)

جہاں تک علماء اہل سنت کا تعلق ہے تو ان کے ہاں یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

شیخ نے الخلاف کتاب المرتد مسئلہ ۱ میں کہا ہے: جب عورت مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو قید کیا جائے گا اور اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا یہاں تک کہ اسلام میں پلٹ آئے یا قید میں مرجائے. ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر وہ کفار کے شہر میں چلی جائے تو اسے قید کر کے کنیز بنایا جائے گا ــــ حضرت علیؑ سے روایت ہوئی ہے کہ اسے کنیز بنالیا جائے گا اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

شافعی نے کہا ہے: جب عورت مرتد ہو جائے تو اسے مرد کی طرح قتل کر دیا جائے گا جبکہ وہ اسلام کی طرف مراجعت نہ کرے اور خلیفہ ابو بکر کا بھی یہی قول ہے، حضرت علیؑ سے روایت ہوئی ہے کہ ہر مرتد کو قتل کیا جائے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور تابعین میں سے حسن بصری و زہری اور فقہاء میں سے مالک، اوزاعی، لیث بن سعد، احمد بن حنبل اور اسحاق کا بھی یہی نظریہ ہے۔ لیکن ہماری دلیل فرقہ شیعہ کا اجماع اور ان کے اخبار ہیں، نبی کریمؐ سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا نیز یہ روایت بھی آئی ہے کہ آپ نے مرتد عورت کے قتل سے نہی فرمائی ہے، ابن عباس سے مروی ہے کہ مرتد عورت کو قید کیا جائے گا اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا لیکن اصل بھی خون کا محفوظ رکھنا ہے، پس مرتد عورت کے قتل کے جواز کی کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی اور جو اس کا دعویٰ کرتا ہے اسے دلیل پیش کرنا ہوگی (۲۸۳)

ابن قدامہ کی کتاب المغنی میں خرقی کے قول کے بعد کہا ہے: مردوں اور عورتوں میں سے جو فرد اسلام سے مرتد ہو جائے جبکہ وہ عاقل و بالغ ہو تو اسے تین دن تک اسلام کی دعوت دی جائے گی اور اس پر تنگی و سختی کی جائے گی، پس اگر وہ اسلام کی طرف پلٹ آئے تو خیر ورنہ اس کو قتل کیا جائے گا، نیز ابن قدامہ نے کہا ہے کہ مرتد مردوں اور عورتوں میں وجوب قتل کے سلسلے میں کوئی فرق نہیں، اس کی روایت خلیفہ ابو بکر اور علی مرتضیٰؑ سے ہوئی ہے اور حسن، زہری، نخعی، مکحول، حماد، مالک لیث، شافعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

نیز حضرت علی مرتضیٰؑ، حسن اور قتادہ سے روایت ہوئی ہے کہ عورت کو لونڈی بنایا جائے گا اور قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ خلیفہ ابو بکر سے روایت ہوئی ہے کہ انہوں نے بنی حنیفہ کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا اور ان میں سے ایک خاتون حضرت علیؑ کو بھی دی تھی کہ جس سے آپ کے فرزند محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے ــــ یہ سارا عمل صحابہ کے سامنے ہوا اور ان میں سے کسی نے اس کو ناپسند نہیں کیا پس یہ اجماعی مسئلہ تھا۔

ابو حنیفہ نے کہا ہے. اسے قید کر کے اور مار پیٹ کر اسلام پر مجبور کیا جائے گا اور نبی کریمؐ کے ارشاد "عورت کو قتل نہ کرو" کے مطابق اسے قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ کفر اصلی میں قتل نہیں کی جاتی پس کفر طاری پر بھی مثل بچے کے قتل نہیں ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے: جو شخص اپنے دین کو بدل لے پس اس کو قتل کر دو. یہ روایت بخاری اور ابو داؤد نے کی ہے۔ (۲۸۴) اسے یاد رکھیں۔

جو کچھ دعائم سے گزرا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ توبہ کرلے اور مسلمان ہوجائے تو وہ قید سے چھوٹ جائے گی اور وہی اظہر واقویٰ ہے، کیونکہ جب وہ پاکیزہ اور اچھی ہوگئی تو اس کے بعد اس کے قید میں رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے. نیز الخلاف اور الجواہر میں ہے "اگر وہ توبہ کرے تو اس کو معاف کر دیا جائے گا" جیسا کہ کئی ایک فقہاء نے تصریح کی ہے۔ (۲۸۵)

التحریر میں ہے: اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہونے سے اس کا یہ گناہ ساقط ہوجائے گا اگرچہ وہ مرتد فطری ہی ہو۔ (۲۸۶)

لیکن اس کے بعد اس نے اس احتمال کی بناء پر مناقشہ کیا ہے کہ دائمی قید کی حد مرتد فطری عورت کے لئے ہے جب اس کی توبہ قبول نہ ہو جیسا کہ مرتد فطری مرد کی توبہ بھی قبول نہیں ہے۔ لیکن اظہر وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور اسے قوی قرار دیا ہے، ممکن ہے اس کا تعلق اس بات سے ہو کہ اسے تنگی اور ضرر پہنچایا جائے اور اوقات نماز میں کوڑے لگائے جائیں. اس کا شاہد وہ بیان ہے جو دعائم سے گزر چکا ہے. اگرچہ حاکم کو حدود کے معاف کرنے کا حق ہے جب وہ اقرار سے ثابت ہوں بلکہ مفید کے قول کی بناء پر وہ مطلق طور پر معاف کرنے کا حق رکھتا ہے، پس غور کریں۔

اس کو ہمیشہ قید میں رکھنے سے مراد جیسا کہ گزر چکا ہے اس کا کسی معین وقت کے ساتھ محدود نہ ہونا ہے نہ یہ کہ وہ قید میں باقی رکھی جائے گی اگرچہ وہ سدھر جائے اور توبہ کرلے۔

تیسرا مورد۔ ایلاء کرنے والا جو رجوع کرنے یا طلاق دینے سے انکار کردے۔

۱۔ صحیحہ ابو بصیر میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ فرمایا: ایلاء یہ ہے کہ ایک مرد اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کے لئے یہ قسم کھائے ______ کہ وہ اس سے مجامعت نہیں کرے گا، پس اگر وہ عورت اس پر صبر کرے تو اسے اختیار ہے اور اگر وہ اپنا مقدمہ امام و حاکم کے پاس لے جائے تو وہ اس کو چار ماہ کی مہلت دے گا، پھر اس سے کہے گا تم اس سے مجامعت کی طرف رجوع کرو یا اسے طلاق دے دو پس اگر وہ ان دونوں باتوں سے انکار کرے تو اسے ہمیشہ کے لئے قید کردے گا۔ (۲۸۷)

۲۔ حماد بن عثمان کی خبر میں ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ایلاء کرنے والا یعنی اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھانے والا جب طلاق دینے سے انکار کردے تو امیر المومنین اس کے لئے ایک جنگلہ سرکنڈے سے بناتے اور اسے قید کر دیتے، وہاں اسے کھانے پینے سے روک رکھتے یہاں تک کہ وہ طلاق دے دیتا۔ (۲۸۸)

۳۔ غیاث بن ابراہیم کی خبر میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ فرمایا: ایلاء کرنے والا طلاق دینے سے انکار کرتا تو امیر المومنین اس کے لئے سرکنڈوں کا جنگلہ بناتے اور اسے اس میں بند کر دیتے، وہاں اسے ایک چوتھائی حصہ کھانا دیتے یہاں تک

کہ وہ طلاق دے دیتا۔ (۲۸۹)

۴۔ مرسلہ صدوق میں ہے: اگر وہ مجامعت کی طرف رجوع کرے تو خیر ورنہ اس کو سرکنڈوں کے جنگلے میں قید کیا جائے گا اور اس پر کھانے پینے میں سختی کی جائے گی یہاں تک کہ وہ طلاق دے دے۔ (۲۹۰)

۵۔ تفسیر عیاشی میں صفوان بن یحییٰ سے، ہمارے بعض اصحاب، ابو عبداللہؑ سے ایلاء کرنے والے کے بارے میں ہے کہ جب وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو امیر المومنینؑ اس کے لئے سرکنڈوں کا جنگلہ بناتے اور اس میں قید رکھتے، وہاں اسے کھانے پینے سے روکتے یہاں تک کہ وہ طلاق دے دیتا۔ (۲۹۱)

۶۔ علی بن ابراہیم کی تفسیر میں کہا ہے: امیر المومنینؑ سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے سرکنڈوں کا ایک جنگلہ بنایا تھا اور اس میں ایسے مرد کو رکھا جو اپنی بیوی سے ایلاء کرتا، چار ماہ کے بعد اس سے فرمایا کہ اس سے مجامعت کی طرف رجوع کرو یا طلاق دے دو ورنہ میں یہ جنگلہ تمہارے سمیت جلا دوں گا۔ (۲۹۲)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اخبار ہیں اور ان میں کچھ وہ ہیں جن میں لفظ "وقف" آیا ہے، پس مراجعہ کریں۔

ان اخبار کا مفاد یہ ہے کہ امام یا انکی طرف سے مقررہ حاکم چار ماہ کے بعد اس کو اختیار دے گا کہ وہ مجامعت کی طرف رجوع کرنے اور طلاق دینے میں ایک پر عمل کرے، ہمارے فقہاء امامیہ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور اکثر فقہاء اہل سنت کا فتویٰ بھی یہی ہے، لیکن ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ رجوع کرنے کا وقت چار ماہ کے اندر ہے پس اگر اس نے ان میں مجامعت ترک کئے رکھی تو چار ماہ گزرتے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی، بعض نے کہا ہے کہ چار ماہ کے ختم ہونے پر قہراً طلاق واقع ہو جائے گی لیکن وہ طلاق رجعی ہوگی پس کتاب الخلاف میں کتاب الایلاء مسئلہ ۲ کی طرف مراجعہ کریں۔ (۲۹۳)

اس مسئلہ میں اہل سنت کے طرق سے بھی بہت سی روایات آئی ہیں، سنن بیہقی کی طرف مراجعہ کریں۔ (۲۹۴)

چوتھا مورد۔ جو کسی کو پکڑے رہے تاکہ کوئی اسے قتل کردے۔

۱۔ صحیحہ حلبی میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: حضرت امیر المومنینؑ نے دو مردوں کے بارے میں فیصلہ کیا جن میں سے ایک پکڑے رہا اور دوسرے نے قتل کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ قاتل کو قتل کیا جائے گا اور دوسرے کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دکھ درد سے مر جائے جیسا کہ اس نے اسے پکڑا اور وہ اذیت سے مرا تھا...... (۲۹۵)

۲۔ مؤثقہ سماعہ میں ہے: امیر المومنینؑ نے ایک مرد کے بارے میں فیصلہ کیا جس نے دوسرے پر سخت حملہ کیا تاکہ اسے قتل کردے جبکہ وہ بھاگ رہا تھا، ایک شخص سے اس کا سامنا ہوا تو اس نے اسے پکڑ لیا یہاں تک کہ وہ پہلا شخص آیا اور اس کو قتل کر دیا، پس آپ نے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے اس کو قتل کیا تھا اور دوسرا جس نے اسے پکڑے رکھا تھا اس کے متعلق فیصلہ کیا کہ اسے عمر بھر کے لئے قید میں ڈال دیا جائے یہاں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسے مروانے کے لئے پکڑا تھا۔ (۲۹۶)

۳۔ معتبرہ سکونی میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: تین افراد کے متعلق امیر المومنینؑ کے حضور ایک مقدمہ پیش کیا گیا کہ

جن میں ایک نے دوسرے کو پکڑا اور تیسرے نے اسے قتل کر دیا اور ایک شخص انہیں دیکھتا رہا تھا، آپ نے فیصلہ کیا دیکھنے (دیکھنے والے۔ الفقیہ) کے بارے میں کہ اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی جائیں، جس نے مقتول کو پکڑے رکھا تھا اس کو قید کیا جائے حتیٰ کہ وہ مرجائے جس طرح اس نے اسے پکڑ کر مروایا اور جس نے قتل کیا تھا اس کے متعلق فیصلہ کیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ (۲۹۷)

میں کہتا ہوں ــــ کیا دیکھنے سے مراد صرف دیکھنا اور نظر کرنا ہے یا اس قاتل کے لئے نگران و جاسوس بن کر دیکھنا ہے اور اس طرح اس کے فعل میں اعانت کرنا ہے؟ اس میں دو صورتیں ہیں اور یقینی وہی دوسری صورت ہے پس اسی کو اختیار کرنا چاہئے کیونکہ شبہات کی بناء پر حدود دور کی جاتی ہیں، اس کا شاہد دعائم کی خبر میں آپ کا ارشاد ہے کہ "وہ ان دونوں کے لئے دیکھ رہا تھا" جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

۴۔ عمرو بن ابو المقدام کی خبر جو ایک مرد کے واقعہ کی حکایت کرتی ہے جس نے منصور کے سامنے دو مردوں کی شکایت کی تھی جو رات کے وقت اس کے بھائی کو گھر سے لے گئے، پس ان میں ایک اسے پکڑے رہا اور دوسرے نے اس کو قتل کر دیا تھا، پس منصور نے جعفرؑ بن محمدؑ سے عرض کیا کہ آپ ان کا فیصلہ کریں، آپ نے مقتول کے بھائی کو حکم دیا کہ قاتل کی گردن اڑا دے، پھر دوسرے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کے پہلوؤں پر کوڑے لگائے جائیں پھر اسے عمر بھر قید میں رکھا جائے اور اس کے لئے لکھ دیا جائے کہ اسے ہر سال پچاس کوڑے لگائے جاتے رہیں۔ (۲۹۸)

میں کہتا ہوں ــــ شائد اس حدیث میں کوڑے لگانے کا اضافہ رات کو ان کا اس مرد کو گھر سے نکال لے جانے کی وجہ سے ہے یا اس لئے ہے کہ حاکم جو تعزیر مناسب سمجھے گا اس کو لگائے گا۔

۵۔ مرتد عورت کی بحث میں صحیحہ حریز میں ابو عبداللہؑ سے ذکر ہو چکا ہے کہ فرمایا: عمر قید کی سزا صرف تین قسم کے افراد کو دی جائے گی، پہلے وہ جو قتل کرانے کے لئے کسی کو پکڑے رکھے، دوسرے وہ عورت جو اسلام سے مرتد ہو جائے اور تیسرے وہ جو ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ جانے کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے۔ (۲۹۹)

۶۔ مستدرک میں جعفریات سے اس کی سند کے ساتھ مروی ہے: دو شخصوں کو امیر المومنینؑ کے پاس لایا گیا کہ جن میں سے ایک نے کسی کو پکڑے رکھا اور دوسرے نے آکر اسے قتل کر دیا تھا، آپ نے فرمایا: جس نے قتل کیا ہے وہ تو قتل کیا جائے گا لیکن جس نے پکڑ رکھا تھا وہ قید خانہ میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ مرجائے۔ (۳۰۰)

۷۔ نیز اسی کتاب میں دعائم الاسلام سے آیا ہے: امیر المومنینؑ نے فیصلہ کیا اس مرد کے بارے میں جس نے ایک شخص کو قتل کیا تھا، دوسرے نے قتل کے لئے پکڑے رکھا اور تیسرا ان کے لئے نگرانی کرتا رہا تاکہ کوئی ان کی طرف نہ آئے، پس آپ نے فرمایا کہ قتل کرنے والے کو قتل کیا جائے، پکڑ رکھنے والے کو قید کیا جائے یہاں تک کہ وہیں مرجائے لیکن قید کرنے سے پہلے اسے کوڑے لگائے جائیں اور پھر ہر سال پچاس پچاس کوڑے لگائے جاتے رہیں اور وہ جو ان کی خاطر نگرانی کرتا رہا اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی جائیں۔ (۳۰۱)

۸۔ نیز اسی کتاب میں درست بن منصور کی کتاب سے ہمارے اصحاب سے، ابو عبداللہؑ و ابو جعفرؑ سے ایک مرد کے بارے

میں مروی ہے جس نے دوسرے پر زیادتی کی اور پھر منادی کرتا رہا کہ اس کو بند کر دو، اس کو بند کر دو! آپ نے فرمایا کہ اس پر کسی شخص نے اسے بند کر دیا تو اس نے جاکر اسے پکڑا اور قتل کر دیا، آپ نے مزید کہا کہ امیر المومنین ؑ نے حکم فرمایا کہ وہ جس نے اسے روکا یہاں تک کہ مارا جائے ـــــ اس کو قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ مر جائے جیسا کہ اس نے مقتول کو پکڑے رکھا تھا۔ (۳۰۲)

۹۔ اسی کتاب میں بحار سے، کتاب مقصد الراغب سے ہے: امیر المومنین ؑ نے ایک مرد کے بارے میں فیصلہ کیا کہ جس نے کسی کو پکڑے رکھا یہاں تک کہ دوسرے نے آکر اسے قتل کر دیا جبکہ ایک شخص یہ دیکھ رہا تھا، پس آپ نے قاتل کو قتل کر دینے، دیکھنے والے کی آنکھ نکالنے کا کہ جس نے مدد نہیں کی اور جس نے اسے پکڑے رکھا تھا اس کو عمر قید رکھنے کا حکم دیا یہاں تک وہ قید میں مر گیا۔ (۳۰۳) اسے یاد رکھیں

۱۰۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ ابن عمر سے مروی ہے کہ حضرت رسول ؐ نے فرمایا: جب کوئی ایک شخص کو پکڑے رکھے اور دوسرا اسے قتل کر دے تو جس نے قتل کیا ہے اس کو قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑے رکھا تھا اسے قید کیا جائے گا۔ (۳۰۴)

۱۱۔ نیز اسی کتاب میں اسماعیل بن امیہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: رسول اکرم ؐ نے ایک مرد کے بارے میں فیصلہ کیا کہ جس نے دوسرے کو پکڑے رکھا اور تیسرے شخص نے اسے قتل کیا تھا، پس جس نے قتل کیا اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑ رکھا تھا اسے قید کر دیا جائے گا، نیز جابر سے، عامر سے، حضرت علی مرتضیٰ ؑ سے روایت ہوئی ہے کہ انہوں نے بھی اسی طرح فیصلہ کیا۔ (۳۰۵)

ہمارے فقہاء امامیہ نے انہی اخبار کے مضمون کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

شرائع میں کہا ہے: اگر ایک شخص پکڑے رکھے اور دوسرا قتل کرے تو قصاص قاتل پر ہے اور پکڑ رکھنے والے پر نہیں ہے البتہ اس کو ہمیشہ کے لئے قید کیا جائے گا اور اگر ایک تیسرا آدمی ان کے کام میں نگہبانی کرتا رہا ہو تو وہ ضامن نہیں ہے لیکن اس کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں گی۔ (۳۰۶)

الجواہر میں مسئلہ ۱ کے ذیل میں کہا ہے: بغیر کسی اختلاف کے جو میں نے پایا ہو بلکہ الخلاف اور الغنیہ وغیرہ میں اس پر قریب تواتر روایات کی وجہ سے اجماع کی نقل ہوئی ہے۔ مسئلہ ۳ کے تحت کہا ہے: اس اجماع کی بناء پر جو سکونی کی معتبر خبر سے الخلاف میں ذکر ہوا ہے۔ (۳۰۷)

باقی رہے علماء اہل سنت تو ان میں اختلاف ہے۔

شیخ نے الخلاف کی کتاب الجنایات کے مسئلہ ۳۶ میں کہا ہے: ہمارے علماء و فقہاء نے روایت کی ہے کہ جو کسی انسان کو پکڑ رکھے یہاں تک کہ دوسرا آکر اس کو قتل کر دے تو قتل کرنے والے پر قصاص ہے اور پکڑے رکھنے والے کے لئے دائمی قید ہے حتیٰ کہ مر جائے اور ربیعہ بھی اسی کا قائل ہے۔

مالک نے کہا ہے: اگر مذاق میں ایسا کرتا ہے تو اس پر کوئی چیز نہیں اور اگر قتل کرانے کے لئے پکڑے رکھا ہے تو ان دونوں

پر مشترکہ سزا ہے جیسا کہ وہ دونوں اس کے قتل میں شریک ہوں۔

ہماری دلیل فرقہ شیعہ کے فقہاء کا اجماع اور ان کے اخبار و روایات ہیں کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کے خلاف انہوں نے کوئی روایت نہیں کی ہے، نیز نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: قاتل کو قتل کیا جائے گا اور جس نے روکا اور پکڑے رکھا ہے اسے قید و بند میں رکھا جائے گا، کیونکہ مصبور کا معنی محبوس ہے۔

مسئلہ ۷ ۳ میں کہا ہے: جب ان کے ساتھ کوئی مدد گار ہو کہ جو ان کے لئے پہرہ و نگرانی کرتا ہو تو اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے اور اسے قتل کرنا واجب نہیں ہے، ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ نگرانی کے طور پر مدد کرنے والے کو قتل کرنا واجب ہے نہ کہ روکنے اور پکڑے رکھنے والے کو ــــ مالک نے کہا ہے کہ پکڑے رکھنے والے کا قتل واجب ہے نہ نگہبانی کرنے والے کا جیسا کہ ہم نے حکایت کی ہے، شافعی نے کہا ہے کہ قصاص قتل کرنے والے پر ہے اور پکڑ رکھنے والے پر نہیں ہے، ہماری دلیل اس کے مطابق ہے جو پہلے مسئلہ میں گزر چکا ہے۔ (۳۰۷۔ الف)

ابن قدامہ حنبلی کی کتاب المغنی میں خرقی کے قول کے بعد آیا ہے کہ جب کوئی کسی شخص کو پکڑ رکھے اور دوسرا اس کو قتل کر دے تو قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑے رکھنے والے کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے، اس میں جو کچھ اس نے کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:

اس میں اختلاف نہیں کہ قاتل کو قتل کیا جائے گا، باقی رہا اسے پکڑ رکھنے والا تو اگر وہ نہیں جانتا تھا کہ قاتل اسے قتل کر دے گا تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے، اگر اس نے اس لئے روک رکھا ہو کہ وہ اسے قتل کرے تو اس بارے میں احمد سے ایک علیحدہ روایت ہے پس ایک روایت میں اس نے کہا ہے کہ پکڑ رکھنے والے کو قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے اور یہ عطاء اور ربیعہ کا قول ہے، یہی قول حضرت علی مرتضیٰؑ سے بھی مروی ہے، احمد سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا اور مالک کا بھی یہی قول ہے، لیکن ابو حنیفہ، شافعی، ابو ثور اور ابن منذر نے کہا ہے کہ وہ گنہگار ہے اور اس کو عقاب کیا جائے گا مگر اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

ہماری دلیل وہ ہے جسے دارقطنی نے اپنی اسناد کے ساتھ ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: جب ایک شخص پکڑے رکھے اور دوسرا قتل کرے تو جس نے قتل کیا ہے اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑ رکھا تھا اس کو قید میں رکھا جائے گا، چونکہ اس نے مقتول کو موت تک پکڑے رکھا تھا لہٰذا اس شخص کو بھی موت تک قید میں رکھا جائے گا، جیسا کہ اگر وہ اسے کھانے پینے سے روکے رکھے اور وہ مر جائے تو ہم بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کریں گے حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ (۳۰۸) اسے یاد رکھیں

پھر یہاں ایک اور مشکل ہے کہ جس سے باخبر کرنا، اس پر غور کرنا اور اس کے حل کے لئے کوشش کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ پکڑے رکھنے والے کو قید میں رکھنا اور نگرانی و پہرہ کرنے والے کی آنکھ پھوڑنا نیز قتل پر ابھارنے والے کو قید رکھنا جیسا کہ آگے آئے گا تو کیا یہ تینوں مثل حق قصاص کے حقوق الناس میں سے ہیں؟ کیا ان کے نافذ ہونے میں مقتول کے وارثوں کی طرف سے مطالبہ کیا جانا شرط ہے اور ان کے لئے اسے معاف کرنا جائز ہے یا یہ حقوق اللہ میں سے ہے کہ جو نظام کے قیام اور درستگی

کے لئے وضع کئے گئے ہیں؟ دوسرے قول حقوق اللہ میں ہونے کی صورت میں کیا یہ شرعی تعزیرات میں سے ہیں کہ جن کا معاف کرنا امام و حاکم کے لئے مطلقاً جائز ہے جیسا کہ گزر چکا ہے یا حدود میں سے ہیں جن کے درمیان ہم نے تفصیل دی ہے کہ جو اقرار سے ثابت ہوتے ہیں ان میں معاف کرنا صحیح ہے اور جو ثبوت اور گواہی سے ثابت ہوتے ہیں ان میں معاف کرنا صحیح نہیں ہے؟ اس مسئلہ میں کئی وجوہ ہیں۔ اسے یاد رکھیں۔

پہلی وجہ

ممکن ہے اس میں مناقشہ کیا جائے کہ بعید ہے ایک ہی نفس وجان کے مقابل استحقاق کی بناء پر ایک سے زیادہ نفوس قرار دیئے جائیں۔

دوسری وجہ

ممکن ہے یہ مناقشہ کیا جائے کہ اس کالازمہ ہے فرع اصل سے زیادہ ہو کیونکہ تینوں افراد نفس قاتل کے فروع کی مانند ہیں، جب اصل قابل عفو ہے تو اس کے لئے عفو کیونکر صحیح نہیں کہ جو جرم میں اس سے کم ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ مسئلہ وقت اور تامل کا محتاج ہے اور میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اس سے متعرض ہوا ہو اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سزا نافذ نہ ہو جب تک اس خون کے وارث مطالبہ نہ کریں جیسے خود قصاص کی بھی یہی صورت ہے کیونکہ شکوک و شبہات کی بناء پر حدود ہٹادی جاتی ہیں، پس غور کریں

پانچواں مورد۔ کسی آزاد مرد کو کسی کے قتل کا حکم دینے والا۔

۱۔ کلینی سے صحیح سند کے ساتھ زرارہ سے، ابو جعفرؑ سے ایک مرد کے بارے میں مروی ہے جس نے دوسرے کو حکم دیا کہ کسی شخص کو قتل کر دے اور اس نے قتل کر دیا، پس آپ نے فرمایا: جس نے قتل کیا ہے اسے اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور جس نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اسے قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ مر جائے۔

شیخ سے بھی اسی طرح روایت آئی ہے اور صدوق سے بھی اسی طرح ہے مگر یہ کہ انہوں نے کہا ہے "اس نے حر و آزاد مرد کو حکم دیا"۔ (۳۰۹)

یہ وہ روایت ہے کہ جس کے مطابق ہمارے اصحاب کی طرف سے فتویٰ دیا گیا ہے جیسا کہ عنقریب ظاہر ہو گا۔

چھٹا مورد۔ جو غلام اپنے آقا کے حکم سے کسی کو قتل کرے۔

۱۔ کلینی سے، علی بن ابراہیم سے، ان کے باپ نوفلی سے، سکونی سے، ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: امیرالمومنینؑ نے اس مرد کے بارے میں فرمایا۔ جس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ کسی شخص کو قتل کر دے، پس اس نے قتل کر دیا تو آپ نے

فرمایا: آیا کسی شخص کا غلام اس کے کوڑے اور تلوار کی طرح نہیں ہے؟ وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا. اس میں آقا کو قتل کیا جائے گا اور اس غلام کو قید میں رکھا جائے گا۔

صدوق سے ان کی سند کے ساتھ سکونی سے اس کی مثل مروی ہے نیز انہی سے ان کی سند کے ساتھ امیر المومنین کے قضایا میں وارد ہے مگر یہ کہا ہے کہ غلام کو قید خانہ میں ڈالا جائے گا یہاں تک کہ مر جائے. اسی طرح شیخ سے بھی ان کی سند سے علی بن ابراہیم سے روایت ہوئی ہے۔ (۳۱۰)

۲۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ خلاس سے، امیر المومنین سے مروی ہے کہ فرمایا: جب آقا اپنے غلام کو حکم دے کہ وہ کسی کو قتل کر دے، پس وہ اس کے کوڑے یا اسکی تلوار کی مانند ہے، آقا کو قتل کیا جائے گا اور غلام کو قید خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ (۳۱۱)

میں کہتا ہوں ــــــ شیخ نے نہایہ میں کہا ہے: جب کوئی شخص کسی آزاد مرد کو ایک انسان کے قتل کا حکم دے اور وہ اسے قتل کر دے۔ تو قصاص قاتل پر ہے اور حکم دینے والے پر نہیں، البتہ امام و حاکم پر لازم ہے کہ حکم دینے والا جب تک زندہ رہے اسے قید خانہ میں رکھے. اگر کسی نے اپنے غلام کو ایک شخص کے قتل کا حکم دیا اور اس نے قتل کر دیا تو یہی حکم و فیصلہ ہے. ایک روایت ہوئی ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا اور غلام کو قید خانہ کے سپرد کیا جائے گا. لیکن قابل اعتماد وہی ہے جو ہم نے کہا ہے۔ (۳۱۲)

الخلاف کی کتاب الجنایات مسئلہ ۳۰ میں کہا ہے: جب ایک آقا اپنے غلام کو کسی کے قتل کا حکم دے تو اس کے بارے میں ہمارے اصحاب کی روایات مختلف ہیں کہ اگر اس نے قتل کر دیا ہو تو قصاص کس پر ہے؟ بعض روایات میں قصاص آقا پر ہے اور بعض میں کہا ہے کہ قصاص غلام پر ہے لیکن اس کی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔

اس میں وجہ یہ ہے کہ اگر غلام ممیّز اور عاقل ہو جو جانتا ہو کہ جس چیز کا حکم اس نے دیا ہے وہ معصیت و گناہ ہے تو قصاص غلام پر ہے. لیکن اگر وہ کم عمر یا بڑی عمر کا ہو لیکن ممیّز نہ ہو اور یہ نظریہ رکھتا ہو کہ وہ تمام کام جن کا حکم اس کا آقا دے وہ اس پر واجب ہیں تو پھر قصاص آقا پر ہو گا۔

میرے نزدیک اقویٰ یہ ہے کہ ہم کہیں، اگر غلام اس بات کو جانتا تھا کہ وہ شخص قتل کا مستحق نہیں ہے یا وہ یہ جاننے کی قدرت رکھتا تھا تو قصاص اس پر ہے، اگر وہ بچہ یا مجنون تھا تو اس سے قصاص ساقط ہے اور اس میں دیت واجب ہے۔ (۳۱۳)

ابن قدامہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ہے: جب غلام جانتا ہو کہ قتل کرنا حرام ہے تو قصاص اس پر ہو گا اور آقا کی تادیب کی جائے گی کہ امام قید اور تعزیر میں سے جو مناسب سمجھے. کیونکہ اس نے ایسی چیز کا حکم دیا جو قتل تک پہنچی ہے. اگر وہ اس کی حرمت کو نہیں جانتا تھا تو پھر قصاص آقا پر ہو گا اور غلام کو تادیب کی جائے گی. احمد نے کہا ہے کہ اس کی تادیب کے لئے اسے کوڑے مارے جائیں گے. ابو طالب نے اس سے نقل کیا ہے کہ آقا کو قتل کیا جائے گا اور غلام کو قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے. اس لئے کہ غلام اپنے آقا کا کوڑا اور اس کی تلوار ہے. حضرت علی اور ابوہریرہ سے بھی اسی طرح روایت ہوئی

ہے اور حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ اسے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا. جو لوگ اس کے قائل ہوئے ہیں ان میں شافعی بھی ہے اور جنہوں نے کہا ہے کہ آقا کو قتل کیا جائے گا ان میں حضرت علیؑ وابوہریرہ ہیں اور ابو قتادہ نے کہا ہے کہ دونوں کو قتل کیا جائے گا۔ (۳۱۴)

میں کہتا ہوں ـــــ صدوق کی نقل کے مطابق صحیحہ زرارہ اس صورت کے ساتھ مختص ہے کہ مامور آزاد ہو، کلینی وشیخ کی نقل اگرچہ اس جہت سے مطلق ہے لیکن سکونی کی معتبر روایت خاص ہے بلکہ ایک لحاظ سے اس پر حاکم ہے لہٰذا اس کو اخذ کرنا معین ہے اور بیہقی کی وہ روایت اس کی تائید کرتی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، بلکہ مؤثقہ اسحاق بن عمار بھی ہے کہ ابو عبداللہؑ نے ایک مرد کے بارے میں حکم دیا کہ جس نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ کسی شخص کو قتل کر دے اور اس نے قتل کر بھی دیا، پس فرمایا کہ اس مقتول کے بدلے میں آقا کو قتل کیا جائے گا۔ (۳۱۵)

اسی طرح اعتبار عقلائی بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ غلاموں کا حال اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آقا کے ارادے کے تابع اور اس کے قابو میں ہوتے ہیں، وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ معصیت خالق میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہوتی، البتہ اگر غلام بابصیرت ہو جو اس بات کو جانتا ہو اور پھر بھی اپنے آقا کی اطاعت کرے تو اس صورت میں یہ قول صحیح ہے کہ فعل کی نسبت فاعل کی طرف ہو اور یہ روایت گمان غالب پر حمل کی گئی ہے جیسا کہ اس کا ظہور بھی یہی ہے، پس غور کریں

ساتواں مورد۔ جو شخص قاتل کو اولیاء مقتول کے قبضے سے چھڑوا دے۔

مشائخ ثلاثہ (کلینی، صدوق وشیخ طوسی) نے صحیح سند کے ساتھ ابو عبداللہؑ سے حریز کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ راوی نے کہا: میں نے ابو عبداللہؑ سے ایک مرد کے بارے میں پوچھا کہ جس نے عمداً قتل کیا اور اس کا مقدمہ والی کے سامنے پیش ہوا، پس والی نے اسے مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس کو قتل کریں، اس پر ایک گروہ نے ہجوم کیا اور قاتل کو ان کے ہاتھوں سے چھڑوا دیا، آپ نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ جنہوں نے قاتل کو ان کے ہاتھوں سے چھڑوایا ہے انہیں قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ اس کو لے آئیں، عرض کیا گیا کہ وہ قید میں ہوں اور وہ قاتل مر جائے تو؟ اگر وہ مر جائے تو ان پر دیت ہوگی جو سب مل کر مقتول کے اولیاء کو دیں گے۔ (۳۱۵ الف)

میں کہتا ہوں ـــــ شیخ نے نہایہ کے باب کفالات میں کہا ہے: جو شخص جبر کے ساتھ مقتول کے وارث کے ہاتھ سے قاتل کو چھڑوا دے تو وہ مقتول کی دیت کا ضامن ہے مگر یہ کہ قاتل کو اس وارث کی طرف پلٹا دے اور اسے اس کے قابو میں دے دے۔ (۳۱۶)

ان کے کلام میں اسے قید کرنا اور قاتل کو حاضر کرنے پر مجبور کرنا مذکور نہیں ہے بلکہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ دیت کا ادا کر دینا اس کی برائت کا موجب ہے لیکن اسے لازم قرار دینا مشکل ہے، تاہم ظاہر خبر پر عمل ترک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، پس اس مسئلہ کی بحث کے مقام کی طرف مراجعہ کریں۔

اس کی حیثیت کفالت ایسی ہے اور اس بارے میں فقہاء نے کہا جیسا کہ گزر چکا ہے کہ کفیل کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ

مکفول کو حاضر کرے یا جو کچھ اس کے ذمہ ہے وہ ادا کرے، ان کے کلام کا ظاہر ان دونوں میں تخییر ہے اور ہم علامہ کی اتباع میں اس پر مناقشہ کر چکے ہیں جیسا کہ تذکرہ وغیرہ میں ہے، پس ہماری اس بحث کی طرف رجوع کریں جو کفیل کی قید کے سلسلے میں گزر چکی ہے۔ (۳۱۷)

زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس مسئلہ کو کفیل کی قید کے بعد ذکر کیا جاتا لیکن ہم نے اسے یہاں بیان کیا ہے کیونکہ الفقیہ کی روایت میں آنجناب کا قول ہمیشہ کی قید کے بارے میں ہے۔

آٹھواں مورد۔ محارب وڈاکو جس کی جلاوطنی کا حکم ہے جیسا کہ بعض اخبار میں ہے۔

ا۔ عیاشی سے ابو جعفر محمد بن علی رضا سے روایت ہے. اگر وہ صرف راستے کو خوفناک بنائیں کہ نہ کسی کو قتل کریں نہ مال چھینیں تو انہیں قید میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ راستے کو خوفناک بنانے پر زمین سے ان کی نفی و جلاوطنی کا مطلب یہی ہے۔ (۳۱۸)

۲۔ مسند زید میں ان کے باپ سے، ان کے دادا سے، امیر المومنین سے مروی ہے کہ فرمایا: جب راستے میں ڈاکہ لگائیں اور ننگے ہتھیار لے کر چلیں لیکن نہ انہوں نے کسی کا مال لیا ہو اور نہ کسی مسلمان کو قتل کیا ہو تو اگر وہ پکڑے جائیں تو ان کو قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ مر جائیں اور زمین سے ان کی نفی کا یہی مطلب ہے۔ (۳۱۹)

۳۔ عبید اللہ مدائنی کی خبر میں ابو عبد اللہ سے مروی ہے. اگر کوئی شخص خدا سے جنگ کرے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرے لیکن نہ کسی کو قتل کرے اور نہ کسی کا مال چھینے تو اسے زمین سے نفی کیا جائے، راوی نے کہا ہے کہ میں نے عرض کیا: اس کی نفی کی حد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اسے ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے اور جس شہر میں بھیجا جائے وہاں لوگوں کو لکھا جائے کہ اسے جلاوطن کیا گیا ہے پس اس کے ساتھ نہ کھاؤ پیو اور نہ رشتہ ناطہ کرو یہاں تک کہ وہ اس سے دوسرے شہر کی طرف نکلے، پس ان کی طرف بھی لکھا جائے اور ایک سال تک اس کی یہی حالت رہے، چنانچہ جب اس سے یہ سلوک کیا جائے گا تو ذلیل و خوار ہو کر توبہ کر لے گا۔ (۳۲۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قید کی مدت بھی ایک ہی سال ہے کہ وہ نفی و جلاوطنی کا بدل ہے، لیکن الجواہر میں کہا ہے: المصنف اور ان کے علاوہ کچھ فقہاء بلکہ اکثر کے ہاں اس کے لئے ایک سال کی قید نہیں ہے اور ابن سعید کے سوا کسی نے اس کی حکایت نہیں کی ہے۔ (۳۲۱)

نواں مورد۔ وہ شخص جو تصویر بناتا ہو۔

کلینی نے اپنی سند کے ساتھ حماد سے، ابو عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: ہمیشہ کی قید میں نہیں رکھا جائے گا مگر تین افراد کو یعنی وہ جو تصویریں اور تمثیلیں بناتا ہے، وہ عورت جو اسلام سے مرتد ہو جائے اور وہ چور جو ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹے جانے کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے۔ (۳۲۱ الف)

میں کہتا ہوں ـــــ مجلسی نے مرآۃ العقول میں کہا۔ آپ کے ارشاد "الذی یمثل" کا معنی۔ تصویریں اور شکلیں بنانا یا شکل کو بگاڑنا اور بدصورت بنانا یعنی ناک، کان اور دوسرے اعضاء کاٹ دینا ہے، ان دونوں کو قید کرنا مشہور فتویٰ کے خلاف ہے اور تہذیب میں ہے کہ اسے موت تک قید کیا جائے گا۔ یہی قول باقی اخبار اور اقوال فقہاء کے موافق ہے جیسا کہ آگے آئے گا، شائد "یمسک" تھا کہ قید کیا جائے گا اور اس کی جگہ دوسرا لفظ آ گیا ہے۔ (۳۲۲)

میں کہتا ہوں ـــــ تہذیب کی روایت حریز سے مرتد عورت کے بارے میں گزر چکی ہے اور اسے الوسائل میں بھی درج کیا گیا ہے۔ (۳۲۳)

اگر کلینی کی خبر صحیح ہو تو پھر "الذی یمثل" سے مراد لازماً وہ ہو گا جو اس عمل پر اصرار و دوام رکھتا ہو اور استمرار فعل مستقبل کے معانی میں سے ایک ہے، یہ بعید نہیں کہ جو شخص کسی فعل حرام پر اصرار رکھتا ہو امام کے لئے اس کی قید کا حکم لگانا جائز ہو، جبکہ اسے اس فعل سے روکنے کے لئے قید کے علاوہ کوئی چیز نہ ہو، غور کریں

دسواں مورد۔ وہ منجم جو علم نجوم پر اصرار رکھتا ہو۔

نہج السعادۃ میں ہے: امیر المومنینؑ نے نہروان کی طرف کوچ کرنے کا اعلان فرمایا تو مسافر بن عفیف ازدی آپ کے پاس آیا اور کہا: یا امیر المومنینؑ! آپ اس وقت اور ساعت میں کوچ نہ کریں...... تب آپ نے فرمایا: اگر مجھے یہ خبر ملی ہوتی کہ تم علم نجوم سے شغف رکھتے ہو تو جب تک میری حکومت ہے میں تجھے قید میں رکھتا، پس قسم بخدا کہ محمدؐ منجم نہیں تھے اور نہ کاہن تھے۔ (۳۲۴)

میں کہتا ہوں ـــــ وہ چیز بھی اس کی تائید کرتی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ جو شخص کسی فعل حرام پر اصرار رکھتا ہو امام کے لئے اس کی قید کا حکم دینا جائز ہے اور وہ قید میں رہے جب تک اس فعل سے باز نہ آ جائے۔

گیارہواں مورد۔ جو اپنی بہن سے بدکاری کرے اور تلوار کی ضرب سے مرا نہ ہو۔

۱۔ عامر بن سمط کی خبر میں علیؑ بن الحسینؑ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو اپنی بہن سے بدکاری کرے، آپ نے فرمایا: اسے تلوار کی ایک ضرب لگائی جائے کہ وہ جہاں تک بھی پہنچے، پس اگر وہ اس ضرب کے باوجود زندہ رہ جائے تو اس کو عمر قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ (۳۲۵)

۲۔ محمد بن عبداللہ بن مہرانؒ نے ابو عبداللہؑ سے روایت کرتے ہوئے کہا: میں نے آپ سے اس مرد کے بارے میں پوچھا جو اپنی بہن سے بدکاری کرے، آپ نے فرمایا: اس کو تلوار کی ایک ضرب لگائی جائے گی! میں نے عرض کیا: پس اس کے بعد وہ چھٹکارا پا لیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسے ہمیشہ کی قید دی جائے گی یہاں تک کہ مر جائے۔ (۳۲۶)

میں کہتا ہوں ـــــ یہاں وہ بحث ختم ہوئی جو ہم قید خانہ کے احکام و قواعد کے بارے میں کرنا چاہتے تھے، لیکن وائلی کی کتاب احکام السجون کے صفحہ ۱۶۵ تا ۱۷۹ پر قیدیوں سے متعلق قواعد کا ایک مجموعہ نقل ہوا ہے جسے اقوام متحدہ کے اس کنونشن نے پاس کیا تھا جو ۱۹۵۵ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر جنیوا میں منعقد ہوا تھا، بعد میں ان قواعد کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا تھا اور یہاں

ہم ان میں سے بعض قواعد کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اس بحث کی تکمیل کے ساتھ ان قواعد سے استفادے کا ذریعہ بھی فراہم ہو سکے. کیونکہ یہ قیدیوں اور ان سے متعلق نظام میں نفع بخش ہیں، ان میں سے اکثر کی درستی اور عمدگی بلکہ عقل و عقلاء نے ان میں سے اکثر قواعد کے لازم ہونے کا حکم لگایا ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو ان کی رعایت کی جانی چاہئے۔

قاعدہ ۶: یہ قیدیوں کا ریکارڈ رکھنے کو ضروری قرار دیتا ہے جو ان کے تعارف اور قید خانے میں آنے کے وجوہات نیز ان کے وہاں آنے اور وہاں سے جانے کی تاریخ پر مشتمل ہو اور اس ریکارڈ کے بغیر کسی شخص کو قید خانے میں نہ رکھا جائے۔

قاعدہ ۷۔ ۸: یہ دونوں قاعدے قیدیوں کو ان کے سن و سال، ان کی جنس و صنف، ان کے سابقہ حالات اور قید میں آنے کے اسباب کی بناء پر الگ الگ گروہوں میں رکھنے کی ضرورت کو واضح کرتے ہیں۔

قاعدہ ۱۰: یہ قاعدہ قیدیوں کے لئے صحت و تندرستی کے بہتر حالات فراہم کرنے پر زور دیتا ہے یعنی ان کے لئے ہوا، روشنی اور کشادہ جگہ کا انتظام کیا جائے۔

قاعدہ ۱۲: اس میں صحت و صفائی کے ذرائع وافر مقدار میں مہیا کرنے کو کہا گیا ہے جو قیدیوں کی ضرورت کے مطابق ہوں اور ان میں کوئی نقص نہ ہو۔

قاعدہ ۱۳: اس میں ضرورت کے مطابق حماموں کا مہیا ہونا ضروری قرار دیا ہے جن میں موسم کے مطابق پانی کا انتظام ہو اور ہر قیدی کے لئے کم از کم ہفتے میں ایک دن غسل کرنا لازم کیا جائے۔

قاعدہ ۱۴: اس جگہ کو محفوظ اور صاف ستھرا رکھنا ضروری ہے جس میں قیدی رہتے ہوں۔

قاعدہ ۱۷۔ ۱۸: ان کے مطابق قیدیوں کو کافی مقدار میں کپڑوں کے جوڑے دینا اور مناسب موقعوں پر ان کو پہننے کی اجازت دینا ضروری ہے۔

قاعدہ ۱۹: ہر قیدی کے لئے الگ چارپائی اور مناسب صاف ستھرا بستر مہیا کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے اور اس جگہ کے لحاظ سے جب وہ میلا ہو جائے تو اسے تبدیل کرنا واجب ہے۔

قاعدہ ۲۰: ضروری قرار دیتا ہے کہ قید خانے کے منتظم قیدیوں کو مقررہ وقت پر کافی و وافی کھانا اور پینے کے لئے صاف پانی دیتے رہیں۔

قاعدہ ۲۱: ضروری قرار دیتا ہے کہ جب قیدی کوئی کام نہ کر رہا ہو تو اسے ایک گھنٹہ ورزش کرنے کا موقع دیا جائے اور چھوٹی عمر کے قیدیوں کو ورزش کے مخصوص وقت کے علاوہ بھی کھیل کا وقت دیا جائے۔

قاعدہ ۲۲: ضروری قرار دیتا ہے کہ ہر قید خانے میں ایک نفسیاتی معالج ہو جبکہ دیگر طبّی ضروریات کا انتظام بھی ہو، ان میں ایک شعبہ نفسیاتی علاج کے لئے مخصوص کیا جائے، جب ضرورت محسوس ہو تو بیماروں کو شہر کے ہسپتالوں میں بھیجا جائے اور اگر قید خانے میں ہسپتال ہو تو اس میں دوائیں اور ساز و سامان کا موجود ہونا لازمی ہے، نیز اس میں دفتری عملہ اور ماہرین امراض کی کافی تعداد ہو۔

قاعدہ ۲۳: ضروری قرار دیتا ہے کہ عورتوں کے قید خانوں میں ان کے علاج اور دیکھ بھال کے لئے خاص قسم کی جگہیں

رکھی جائیں، زچگی سے پہلے، اس کے دوران اور اس کے بعد ان کا علاج کیا جائے اور بچے کی پیدائش کے اندراج میں قید خانے کا حوالہ نہ دیا جائے، جب ماؤں کا بچوں سے میل ملاپ کرانا ہو تو ان کے لئے خاص جگہ معین ہو جہاں وہ ان کی تربیت کریں۔

قاعدہ ۲۵۔ ۲۶: ضروری قرار دیتے ہیں کہ ڈاکٹر ہر قیدی کی صحت کے بارے میں روزانہ رپورٹ دے یا جو افسر طلب کرے یا باخبر رہنا چاہے تو اسے مہیا کرے نیز قید خانے کے ناظم کے سامنے وہ چیزیں پیش کرے جو مختلف حالات میں ظاہر ہو سکتی ہیں، ڈاکٹر ہمیشہ دیکھ بھال کرتا رہے چنانچہ کھانے کی نوعیت، اس کی مقدار، قید خانے کی صفائی، گرمی و سردی پہنچانے کے اسباب یعنی ہیٹر اور پنکھے، لباس و بستروں کی صفائی، ورزش وغیرہ کے متعلق ناظم کو رپورٹ دیتا رہے، ناظم کے لئے ضروری ہے کہ ان مقررات کی طرف توجہ دے اور انہیں نافذ کرے اور اگر وہ ان کا نفاذ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اپنے افسران بالا کو مطلع کرے۔

قاعدہ ۲۷: میں قید خانے کے نظم و ضبط اور اس کے جزئیات کی حفاظت کا ذکر ہے اور یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ لازمی قیود اور ہوشمندی کے ساتھ انتظام کیا جائے۔

قاعدہ ۲۸ اس سے منع کرتا ہے کہ کوئی قیدی اپنے ساتھیوں پر تادیبی تسلط رکھتا ہو اگرچہ یہ قاعدہ اس سے مانع نہیں ہوتا کہ قیدیوں کا گروہ ایسے اعمال کے لئے قیام کرے جو ثقافتی یا اجتماعی مزاج کے مطابق ہوں اور اس طرح قیدیوں کی اصلاح کریں لیکن یہ قید خانہ کی نگرانی میں ہونا چاہئے۔

قاعدہ ۳۰ قیدی کو سزا دینے سے منع کرتا ہے مگر یہ کہ وہ قانون کے مطابق ہو اور وہ ایک غلطی پر دو مرتبہ سزا دینے سے روکتا ہے یہ اس کو ضروری قرار دیتا ہے کہ اسے غلطی پر مطلع کیا جائے تاکہ وہ اپنا دفاع کر سکے چاہے مترجم کے ذریعے ہو اور جب ضروری ہو تو اس قسم کے حالات کا بڑی دقت سے مطالعہ کیا جائے۔

قاعدہ ۳۱: قیدی کو سخت اور غیر انسانی سزائیں دینے سے روکتا ہے مثل تادیبی سزاؤں کے جیسا کہ اسے اندھیری کوٹھڑی میں بند رکھنا ہے۔

قاعدہ ۳۳: جبر کے طریقوں سے منع کرتا ہے مثل بیڑیاں پہنانے اور مشکیں کسنے کے لیکن مطلقاً ممانعت نہیں ہے بلکہ تادیبی سزا میں منع کرتا ہے، لیکن طوق اور بیڑیوں سے مطلق طور پر منع کیا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے جبری طریقے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

قاعدہ ۳۴: آلات جبر و اکراہ کے اقسام اور ان کے استعمال کی کیفیت کی حد بندی کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ ضرورت کے تحت ہوتے ہیں۔

قاعدہ ۳۵: واجب قرار دیتا ہے کہ ہر قیدی کو اس کی صنف کے قیدیوں کے لئے مقررہ نظام کی معلومات فراہم کی جائیں اور وہ تحریری طور پر ہوں مگر یہ کہ وہ ان پڑھ ہو تو اسے زبانی بتایا جائے۔

قاعدہ ۳۶: لازم قرار دیتا ہے کہ ہر قیدی کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنی شکایات قید خانے کے ناظم یا آخر وقت حاضری لینے

والے کو پیش کرے اور اس سے تنہائی میں بات کر سکے اور اس وقت کوئی اس کی نگرانی نہ کرے، واجب ہے کہ ان شکایات پر غور کیا جائے اور فوری طور پر ان کا ازالہ ہو۔

قاعدہ ۳۷: واجب قرار دیتا ہے کہ قیدیوں کو بتایا جائے کہ وہ معین اوقات میں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے رابطہ کر سکتے ہیں، اس کے لئے خط و کتابت یا ملاقات کر سکتے ہیں ملاقات کے وقت نگرانی کی جائے گی۔

قاعدہ ۳۸: ضروری قرار دیتا ہے کہ قیدیوں کو اپنے نمائندوں، اجنبی لوگوں یا ایسی تنظیموں سے رابطہ کرنے کی اجازت دی جائے جو ان کے مفاد کی ذمہ دار ہیں۔

قاعدہ ۳۹: واجب کرتا ہے کہ قیدیوں کو ذرائع اطلاعات مثل رسالوں اور نشریات کے وسیلے سے اہم خبروں سے واقف کرایا جائے۔

قاعدہ ۴۰: ضروری ٹھہراتا ہے کہ قیدیوں کے لئے ہر قید خانے میں ایک دارالمطالعہ بنایا جائے جس میں کافی کتابیں ہوں اور ان کو مطالعہ کے لئے آمادہ کیا جائے۔

قاعدہ ۴۱: واجب قرار دیتا ہے کہ جب قید خانے میں ایک دین کے پیرو کاروں کی تعداد زیادہ ہو تو ان کے دینی نمائندے کو بلایا جائے اور وہ ان کی مذہبی رسوم کی ادائیگی کا انتظام کرے نیز اسے اجازت دی جائے کہ وہ علیحدگی میں خدمات انجام دے۔ قیدی کو حق ہے کہ جس دینی نمائندے سے چاہے تعلق رکھے اور جس سے چاہے الگ رہے۔

قاعدہ ۴۲: اجازت دیتا ہے کہ ایک قیدی چاہے کسی بھی دین پر عمل کرے اور اس دین کی مخصوص کتابیں اپنے پاس رکھے۔

قاعدہ ۴۳: واجب کرتا ہے کہ قیدی کی مملوکہ چیزیں وہ نقدی ہو یا لباس یا قیمتی اشیاء ہوں تو ان کی فہرست بنائی جائے اور جب وہ قید خانے سے نکلے تو اس کو واپس کی جائیں اور اس سے ان کی رسید لی جائے، وہ چیزیں جو باہر سے آتی ہیں تو وہ قید خانے کے نظام کے تحت ہونی چاہئیں لیکن اگر اس کے پاس کوئی دوا یا نشہ آور چیز ہو تو وہ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق ان کو استعمال کر سکتا ہے۔

قاعدہ ۴۴: ضروری قرار دیتا ہے کہ قیدی کے رشتہ داروں کو اس کی بیماری یا موت یا ایک قید خانے سے دوسرے میں جانے سے مطلع کیا جائے، نیز خود قیدی کو اس کے رشتہ داروں میں سے کسی کی بیماری یا موت کی خبر دی جائے اور اگر حالات اجازت دیں تو قیدی کو اس کی ملاقات وغیرہ کی اجازت دی جائے اور اسی طرح قیدی کے قید میں آنے کے اولیں وقت اس کے رشتہ داروں کو اطلاع دینی چاہئے۔

قاعدہ ۴۵: واجب کرتا ہے کہ قیدی کو آرام دہ سواری میں ایک سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے اور لوگوں کو اس کی توہین نہ کرنے دی جائے، اس کے منتقل ہونے کے اخراجات قید خانے پر ہوں گے اور اس میں تمام قیدیوں سے برابر کا سلوک کیا جائے۔

قاعدہ ۴۶: ضروری ٹھہراتا ہے کہ قیدی مختلف درجوں کے لحاظ سے اپنے ہم پلہ کا انتخاب کریں اور اسے بھی واجب کرتا

ہے کہ قید خانوں کی بابت قیدیوں اور رائے عامہ کی حفاظت کی جائے اور اس سلسلے میں مناسب ذرائع کام میں لائے جائیں۔ ضروری ہے کہ قید خانے کا عملہ فارغ البال ہو اور یہ کہ وہ حکومتی ملازمین کے برابر تنخواہیں لیتے ہوں جو ان کے سخت کام کے لحاظ سے کافی ہوں۔

قاعدہ ۴۷: واجب ٹھہراتا ہے کہ قید خانے کا عملہ درمیانہ ثقافت اور ذہنی لیاقت رکھتا ہو اور اس ذمہ داری سے پہلے عام تجربہ اور مہارت حاصل کرچکا ہو تاکہ وہ اس نظام کو برقرار رکھے اور اسے ترقی دینے کے لئے اپنے تجربے کو کام میں لائے۔

قاعدہ ۴۸: واجب قرار دیتا ہے کہ قید خانوں کا عملہ قیدیوں کے ساتھ سلوک میں اچھا نمونہ پیش کرے۔

قاعدہ ۴۹: واجب کرتا ہے کہ قید خانوں کے عملے میں نفسیات، شہریت، صنعت اور امراض دماغی کے ماہرین کل وقتی طور پر شامل ہوں اور جز وقتی ماہروں کو فارغ کر دیا جائے۔

قاعدہ ۵۰ - ۵۱: ضروری ٹھہراتے ہیں کہ قید خانے کا ناظم اخلاقی، انتظامی اور تجربی اہلیت رکھتا ہو۔ اس کا کام صرف قید خانے سے متعلق ہو اور اس کی رہائش اس کے قریب ہو۔ اگر اسے دو یا اس سے زیادہ قید خانوں کا انتظام سونپا گیا ہو تو وہ وقفہ وقفہ سے ہر ایک میں جائے اور وہاں اپنی طرف سے ایک ایک کارندہ مقرر کرے جو ہمہ وقت وہاں رہے۔ اس کی زبان وہ ہو جو عام اور زیادہ تر قیدیوں کی زبان ہے۔

قاعدہ ۵۲: واجب قرار دیتا ہے کہ ان قید خانوں میں جہاں ایک سے زیادہ ڈاکٹروں کی ضرورت ہے۔ ایک ڈاکٹر مستقل طور پر قید خانے میں یا اس کے قریب رہتا ہو۔ باقی رہے دیگر قید خانے تو ڈاکٹر وہاں ہر روز جائے اور فوری ضرورت کے وقت جلدی پہنچے۔

قاعدہ ۵۳: واجب کرتا ہے کہ وہ قید خانے جہاں مردوں کے علاوہ عورتوں کو بھی رکھا جاتا ہے، ان میں ایک حصہ عورتوں کے لئے رکھا جائے کہ جس کی ذمہ داری ملازمہ عورتوں کے سپرد ہو اور اس کی چابیاں انہی کے پاس ہوں۔ وہ کسی ملازم مرد کو وہاں آنے کی اجازت نہ دیں جب تک ایک ملازمہ عورت اس کے ساتھ نہ ہو۔ البتہ یہ قانون ڈاکٹروں اور پروفیسروں کی طرح کے مرد عملہ کے لئے مانع نہیں کہ وہ اس حصے میں اپنا کام کرتے رہیں گے۔

قاعدہ ۵۴: قید خانوں کے عملہ کو طاقت کے استعمال سے روکتا ہے ماسوائے اس کے جب کسی کی جان بچانے یا بھاگنے والے قیدی کو پکڑنے یا جب کوئی قیدی بدنی مقابلہ کرے کہ وہ طاقت کے استعمال پر مجبور ہوں، لیکن وہ فوری طور پر قید خانے کے ناظم کو اس کی اطلاع دیں۔ اسی طرح یہ قاعدہ واجب قرار دیتا ہے کہ عملہ خاص قسم کی مشق اور تجربہ رکھتا ہو تاکہ زیادتی کرنے والے قیدیوں کا مقابلہ کرے۔ عملہ کے کسی فرد کے لئے ہتھیار اٹھائے رکھنا جائز نہیں مگر خاص حالات میں اور اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان کے استعمال کی مہارت بھی رکھتا ہے۔

قاعدہ ۵۵: تفتیش کے ساتھ مخصوص ہے اور واجب قرار دیتا ہے کہ تفتیش کے اداروں میں سزا و عقاب منظم شکل میں ہوں۔ ماہرین تفتیش انہیں قوانین کے مطابق چلائیں اور سزا کے مقاصد کو واضح طور پر معین کریں۔

قاعدہ ۵۷۔ معتبر سمجھتا ہے کہ قیدی کی سزا تکلیف دہ ہو اور تاکید کرتا ہے کہ قید خانے کا نظام قیدی پر سختی کرنے میں قید کی تکلیف سے زیادہ کا ارادہ نہ کرے جب تک اس کی زیادتی کو درست قرار دینے والی کوئی چیز نہ ہو۔

قاعدہ ۵۸۔ وصیت کرتا ہے کہ قید کے مقصد کو مختلف اخلاقی، تربیتی اور علاجی وسائل سے واضح کیا جائے اور ہر قیدی کا علاج اس کے انفرادی حالات کے مطابق کیا جائے۔

قاعدہ ۶۱۔ واجب قرار دیتا ہے کہ قیدی معاشرے کا ایک جزء سمجھا جائے اور اسے ایک دھتکارا ہوا فرد تصور نہ کیا جائے۔ معاشرے کو اس کے لئے تیار کیا جائے کہ وہ قیدی کو معاشرہ میں شامل ہونے کا اہل سمجھیں، معاشرے کے بارے میں فکر و نظر رکھنے والے قیدی کے اپنے رشتہ داروں سے میل جول اور ایسی تنظیموں سے رابطہ کرانا اپنے ذمہ لیں جو اس کے مفاد میں کام کرتی ہیں، قیدی کے تمدنی حقوق کی حفاظت کے لئے اقدامات کئے جائیں اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کے اجتماعی حقوق کی ضمانت دی جائے۔

قاعدہ ۶۴۔ معاشرے کے لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ قیدی کے رہا ہوجانے پر معاملے کو ختم نہ کردے بلکہ یہ ایسے حکومتی اداروں کے قیام کو واجب قرار دیتا ہے جو قیدی کو معاشرے کے لئے مفید بنائیں اور وصیت کرتا ہے کہ قیدیوں کو رہائی کے بعد معاشرے پر بوجھ نہ بننے دیا جائے۔

قاعدہ ۶۵۔ قیدیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جو ان میں قانون کے زیر سایہ زندگی گزارنے کی رغبت پیدا کرے، وہ اپنے آپ پر اعتماد کریں اور ان میں ذمہ داری کا شعور نشو و نما پائے۔

قاعدہ ۷۱۔ ضروری قرار دیتا ہے کہ ہر قیدی اپنی جسمانی و عقلی قابلیت کے مطابق کام کرے جس طرح ڈاکٹر اس کے لئے معین کرے، قید خانوں کے عمل کا مزاج قیدیوں کو زیادہ تکلیف دینا نہ ہو کہ جو قیدیوں کی قوت عمل کو زنگ آلود کردے، بلکہ ایسا عمل ہو کہ قید سے رہا ہونے کے بعد ان کو شریفانہ طریقہ سے روزی کمانے کے لئے تجربہ و مہارت ہو جو اسے حاصل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں خصوصاً نوجوان اسے ہمیشہ کے لئے اپنائیں۔

قاعدہ ۷۲۔ واجب قرار دیتا ہے کہ قید خانوں میں نظام کار قید خانے سے باہر کے نظام کی طرح ہو یہاں تک کہ قیدی بھی عام زندگی کے لئے ایک پسندیدہ فرد شمار ہو، اس میں کسی صنعت میں قید خانے کے فائدے کی بجائے قیدیوں کی بہتری کو ترجیح دی جائے۔

قاعدہ ۷۵۔ واجب ٹھہراتا ہے کہ قیدیوں کے ہفتہ وار اوقات کار ان کے علاوہ دوسرے کارکنوں کے لئے رائج مقامی عرفی قانون کے مطابق ہوں، ہفتہ میں ایک دن آرام اور دوسری سرگرمیوں کے لئے ہو کہ جن کو قیدی پسند کرتے ہوں۔

قاعدہ ۷۶۔ واجب قرار دیتا ہے کہ قیدی کو اس مقررہ شرح کے مطابق اس کے کام کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے اور اسے اجازت دی جائے کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ اپنی جائز ضرورتوں میں صرف کرے اور ایک حصہ اپنے اہل و عیال کو بھیجے، نیز قید خانے کی انتظامیہ کو چاہیئے کہ اس کے مال کا ایک حصہ محفوظ کرتی رہے اور قید سے نکلتے وقت اس کے سپرد کردے۔

قاعدہ ۷۷۔ ضروری ٹھہراتا ہے کہ قیدیوں میں سے جو تعلیم حاصل کرنے کے اہل ہوں ان کے لئے عام تعلیم اور خصوصی

طور پر دینی تعلیم کے وسائل مہیا کئے جائیں، اسے بھی لازم کرتا ہے کہ جو ان پڑھ ہوں ان کو جبراً تعلیم دی جائے، اسی طرح چھوٹے بچوں کو حکومت کے تعلیمی اداروں کے مطابق تعلیم دی جائے تاکہ قیدی اپنی رہائی کے بعد تسلسل کے ساتھ تعلیم مکمل کر سکے۔

قاعدہ ۸۰. واجب قرار دیتا ہے کہ قید کی ابتداء سے ہی قیدی کے حالات پر توجہ دی جائے اور اسے آمادہ کیا جائے کہ وہ ان اداروں سے تعلق قائم کرے جو اس کے لئے اور اس کے اہل و عیال کے لئے مفید ہیں نیز یہ کہ اسے معاشرے کے ساتھ چلنے کے قابل بنایا جائے۔

قاعدہ ۸۲. ضروری قرار دیتا ہے کہ دیوانے کو قید نہ کیا جائے اور سفارش کرتا ہے کہ اسے دماغی امراض کے ہسپتال میں منتقل کیا جائے اور ایسے افراد کو ڈاکٹر کی خاص نگرانی میں رکھا جائے اور ضرورت کے مطابق ان کا دماغی علاج کیا جائے۔

قاعدہ ۸۴. ضروری ٹھہراتا ہے کہ جو شخص پولیس کی نگرانی میں رکھا گیا ہو اسے ثبوت جرم سے پہلے ملزم تصور نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ برائت کی بنیاد پر معاملہ کیا جائے اور واجب ہے کہ فرد کی آزادی کا احترام کیا جائے اور ایسے لوگ ایک خاص نظام سے مستفید ہوں جس کے اصول حسب ذیل ہیں......

قاعدہ ۸۵. واجب قرار دیتا ہے کہ موقوف اور محکوم علیہ میں فرق کیا جائے، چھوٹے بچوں اور بالغوں میں فرق قرار دیا جائے اور ہر ایک کو الگ الگ قید خانے میں رکھا جائے۔

قاعدہ ۸۶. قیدیوں کے لئے جائز قرار دیتا ہے کہ ان کا کھانا خود ان کے خرچ پر یا ان کے قبیلے کے خرچ پر باہر سے لیا جائے ورنہ دستور کے مطابق قید خانے کی طرف سے مہیا کیا جائے۔

قاعدہ ۸۸. قیدی کے لئے جائز قرار دیتا ہے کہ وہ اپنا علاقائی لباس پہنے بشرطیکہ وہ صاف ستھرا ہو اگرچہ وہ لباس قیدیوں کے لباس سے مختلف ہو۔

قاعدہ ۸۹. قیدی کو کام کرنے اور اس کی اجرت لینے کا حق دیتا ہے لیکن یہ کہ اسے مجبور نہ کیا جائے

قاعدہ ۹۰. قیدی کو اس کی اجازت دینے کو واجب کرتا ہے کہ وہ اپنے خرچ پر یا کسی دوسرے کے خرچ پر کتابیں، رسالے اور لکھنے کا سامان حاصل کر سکتا ہے لیکن یہ قید خانے کے قواعد اور امن و امان کے ماتحت ہو۔

قاعدہ ۹۱. قیدی کو اس کی اجازت دینے کو ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے مخصوص ڈاکٹر سے علاج کرائے جب کہ وہ اس کے اخراجات ادا کر سکتا ہو اور معقول طریقے سے اس کی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔

قاعدہ ۹۲. اجازت دیتا ہے کہ ملزم کے قریبیوں کو اس کے قید کئے جانے کی خبر دی جائے اور وہ ان سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے، اس کی اجازت بھی دیتا ہے کہ وہ قید خانے کے امن و امان اور ضوابط کے تحت اس سے ملاقات کر سکتے ہیں جبکہ یہ عدالت کے فرمان کے مطابق ہو۔

قاعدہ ۹۳. قیدی کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنا وکیل مقرر کرے جو قانون کی تصریحات کے مطابق اس کا مقدمہ لڑے اور دفاع کرے، اس کے وکیل کو یہ حق ہے کہ اس سے ملاقات کرے اور اس کو اجازت ہے کہ وہ اکیلا ہی وکیل سے ملے البتہ قید

خانے کے عملہ کی نگرانی میں ملے گا تاہم وہ ان دونوں کی گفتگو نہیں سنیں گے۔

باب ۶ فصل ۷

حواشی

(۱) المفردات / ۲۳۰. سورۂ یوسفؑ ۔ آیت ۳۳ ۔ ۳۵ ۔ ۳۶ (۲) المفردات / ۱۰۴. سورۂ مائدہ ۔ آیت ۱۰۶ (۳) صحاح اللغتہ ۵ / ۲۱۳۳ (۴) صحاح اللغتہ ۳ / ۹۱۵ (۵) القاموس / ۳۴۵ ۔ ۸۲۴ (۶) لسان العرب ۱۳ / ۲۰۳ (۷) لسان العرب ۶ / ۴۴ (۸) الخطط ۳ / ۹۹ (۹) التراتیب الاداریہ ۱ / ۲۹۵ ۔ ۲۹۶ (۱۰) سورۂ مائدہ ۔ آیت ۳۳ (۱۱) مجمع البیان ۲ / ۱۸۸. جزء ۳ (۱۲) بدائع الصنائع ۷ / ۹۵ (۱۳) احکام السلطانیہ / ۶۲ (۱۴) المدونتہ الکبریٰ ۴ / ۴۲۹ (۱۵) المنہاج / ۵۳۲ (۱۶) الوسائل ۱۸ / ۵۳۶. الباب ۱ من ابواب حد المحارب. حدیث ۸ (۱۷) مسند زید / ۳۲۳. کتاب السیر. باب قطاع الطریق (۱۸) النہایہ / ۷۲۰ (۱۹) الخلاف ۳ / ۲۱۱ (۲۰) المبسوط ۸ / ۴۷ (۲۱) الکافی / ۲۵۲ (۲۲) سورۂ نساء ۔ آیت ۱۵ (۲۳) مجمع البیان ۲ / ۲۰ ۔ ۲۱ جزء ۳ (۲۴) سورۂ مائدہ ۔ آیت ۱۰۶ (۲۵) مجمع البیان ۲ / ۲۵۷ جزء ۳ (۲۶) احکام السجون للوائلی / ۳۸ عن احکام القرآن لابن العربی ۲ / ۲۳۷ (۲۷) سورۂ توبہ ۔ آیت ۵ (۲۸) مجمع البیان ۳ / ۷ جزء ۵ (۲۸ ۔ الف) صحیح البخاری ۲ / ۶۲. کتاب فی الاستقراض واداء الدیون ..... باب التوثیق ممن تخشیٰ ..... (۲۹) صحیح البخاری ۲ / ۵۸. کتاب فی الاستقراض واداء الدیون ..... باب لصاحب الحق مقال (۳۰) سنن ابی داؤد ۲ / ۲۸۲. کتاب الاقضیہ. باب فی الحبس فی الدین وغیرہ (۳۱) الوسائل ۱۸ / ۴۱۴. الباب ۴۸ من ابواب حد الزنا. حدیث ۱ (۳۲) الوسائل ۱۸ / ۱۴۸. الباب ۷ من کتاب الحجر. حدیث ۱ (۳۳) الوسائل ۱۳ / ۱۵۶. الباب ۹ من کتاب الضمان. حدیث ۱ (۳۴) الوسائل ۱۸ / ۲۲۱. الباب ۳۲ من ابواب کیفیتہ الحکم. حدیث ۳ (۳۵) الوسائل ۱۸ / ۲۲۱. الباب ۳۲ من ابواب کیفیتہ الحکم. حدیث ۱ (۳۶) احکام السجون / ۴۸ (۳۷) مسند زید / ۲۶۶. کتاب الشہادات. باب القضاء (۳۸) القاموس / ۳۴۹ (۳۹) احکام السجون / ۴۵ (۴۰) احکام السجون / ۴۶ (۴۱) الغارات ۱ / ۱۳۲ (۴۲) التراتیب الاداریۃ ۱ / ۲۹۷ ۔ ۲۹۹ (۴۳) صحیح البخاری ۲ / ۶۲. کتاب فی الاستقراض واداء الدیون ..... باب الربط والحبس فی الحرم (۴۴) سورۂ بقرہ ۔ آیت ۱۷۹ (۴۵) علل الشرائع / ۱۹۸ طبعۃ اخریٰ / ۵۹۲ جزء ۲. الباب ۳۸۵ باب نوادر العلل. حدیث ۴۳ (۴۶) التشریع الجنائی الاسلامی ۱ / ۷۳۰ ۔ ۷۴۲ (۴۷) الشرائع ۴ / ۱۴۷ (۴۸) احکام السجون / ۵۷ (۴۹) الکافی ۲ / ۳۵۵. کتاب الایمان والکفر. باب من طلب عثرات المومنین ..... حدیث ۴ (۵۰) الکافی ۲ / ۳۵۲. کتاب الایمان والکفر. باب من اذی المسلمین ..... حدیث ۶ (۵۱) الکافی ۲ / ۳۵۸. کتاب الایمان والکفر. باب الروایۃ علی المومن. حدیث ۲ (۵۲) الغرر والدرر ۵ / ۳۷۱. حدیث ۸۸۰۲ (۵۳) الغرر والدرر ۴ / ۱۷۵. حدیث ۵۷۳۵ (۵۴) دستور الجمہوریہ الاسلامیہ فی ایران. المادۃ ۳۹ (۵۵) الوسائل ۱۸ / ۵۴۹. الباب ۴ من ابواب حد المرتد. حدیث ۱ (۵۶) الوسائل ۱۸ / ۵۵۰. الباب ۴ من ابواب حد المرتد. حدیث ۶ (۵۷) الوسائل ۱۸ / ۵۰۳. الباب ۱۲ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۴ (۵۸) مستدرک الوسائل ۳ / ۲۳۷.

الباب ۱۲ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۱ (۵۹) دعائم الاسلام ۲/۴۷۳. کتاب السراق. الفصل ۲. حدیث ۱۶۹۰ (۶۰) دعائم الاسلام ۲/۴۷۶. کتاب السراق. الفصل ۲. حدیث ۱۷۰۷ (۶۱) مسند زید/۲۶۵. کتاب الشھادات. باب القضاء (۶۲) الوسائل ۱۹/۲۵۵. الباب ۳۰ من ابواب دیات الاعضاء. حدیث ۱ (۶۳) الوسائل ۱۵/۵۴۵. الباب ۱۱ من ابواب الایلاء. حدیث ۱ (۶۴) الوسائل ۱۸/۴۷۴. الباب ۹ من ابواب حد المسکر. حدیث ۱ (۶۵) الوسائل ۱۹/۳۶. الباب ۱۸ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۶۶) دعائم الاسلام ۲/۴۰۶ ـ ۴۰۷ کتاب الدیات. الفصل ۲. حدیث ۱۴۱۹ (۶۷) الوسائل ۱۹/۳۰. الباب ۱۲ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۶ (۶۸) الوسائل ۱۹/۳۰۳. الباب ۴ من ابواب العاقلہ. حدیث ۲ (۶۹) الوسائل ۱۸/۲۴۴. الباب ۱۵ من ابواب الشھادات. حدیث ۳ (۷۰) سنن البیھقی ۱۰/۱۴۲. کتاب آداب القاضی. باب مایفعل بشاھد الزور (۷۱) دعائم الاسلام ۲/۵۳۲. کتاب آداب القضاۃ. حدیث ۱۸۹۲ (۷۲) مستدرک الوسائل ۳/۲۰۷. الباب ۲۴ من ابواب کیفیۃ الحکم. حدیث ۵ (۷۳) الوسائل ۱۹/۶۹. الباب ۳۸ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۷۴) الوسائل ۱۹/۶۸. الباب ۳۷ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۵ (۷۵) الوسائل ۱۸/۴۹۶. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۱۶ (۷۶) مستدرک الوسائل ۳/۲۳۶. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۲ (۷۷) الخراج/۱۸۹ (۷۸) المدونۃ الکبریٰ ۴/۴۲۹ (۷۹) احکام السجون/۱۰۹ (۸۰) التراتیب الاداریہ ۱/۲۹۹ (۸۱) احکام السجون/۱۰۱ (۸۲) احکام السجون/۱۲۸ ـ ۱۳۰ (۸۳) الوسائل ۱۹/۹۶. الباب ۶۲ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۴ (۸۴) سنن البیھقی ۸/۱۸۳. کتاب قتال اھل البغی. باب الرجل یقتل واحداً من المسلمین (۸۵) الوسائل ۱۱/۶۹. الباب ۳۲ من ابواب جھاد العدو. حدیث ۲ (۸۶) الوسائل ۱۸/۴۹۳. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۳ (۸۷) التھذیب ۱۰/۱۰۴. الباب ۸ من کتاب الحدود. حدیث ۲۲ (۸۸) الوسائل ۱۸/۴۹۳. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۶ (۸۹) الوسائل ۱۸/۴۹۴. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۷ (۹۰) الوسائل ۱۸/۴۹۶. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۱۴ (۹۱) الوسائل ۱۸/۴۹۵. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۱۰ (۹۲) الوسائل ۱۸/۴۹۶. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۱۶ (۹۳) دعائم الاسلام ۲/۵۳۹. کتاب آداب القضاۃ. حدیث ۱۹۱۷ (۹۴) دعائم الاسلام ۲/۴۷۰. کتاب السراق. الفصل ۱. حدیث ۱۶۷۴ (۹۵) مستدرک الوسائل ۳/۲۳۶. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۳ (۹۶) مستدرک الوسائل ۳/۲۳۶. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۲ (۹۷) مستدرک الوسائل ۳/۲۳۶. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۶ (۹۸) ملحقات العروۃ الوثقیٰ ۳/۵۶. کتاب القضاء الفصل ۳. مسئلہ ۱۳ (۹۹) مستند الشیعۃ ۲/۵۴۹ (۱۰۰) الخراج/۱۴۹ ـ ۱۵۱ (۱۰۱) احکام السلطانیہ/۲۲۰ (۱۰۲) احکام السجون/۱۲۵ (۱۰۳) المبسوط ۸/۹۱ (۱۰۴) الشرائع ۴/۷۳ (۱۰۵) المنھاج/۵۹۱ (۱۰۶) احکام السجون/۱۲۰. عن المھذب ۲/۲۹۸ (۱۰۷) الخراج/۱۴۹ (۱۰۸) احکام السجون/۱۱۷ (۱۰۹) بدائع الصنائع ۷/۱۷۴ (۱۱۰) مستدرک الوسائل ۲/۴۹۷. الباب ۶ من کتاب الحجر. حدیث ۳ (۱۱۱) الخلاف ۳/۹۴ (۱۱۲) المبسوط ۷/۱۸ (۱۱۳) القواعد ۲/۲۷۸ (۱۱۴) احکام السجون/۱۱۸ (۱۱۵) احکام السجون/۱۱۹. عن المھذب

۱۷۶/۲ (۱۱۶) الوسائل ۲۲۱/۱۸، الباب ۳۲ من ابواب کیفیۃ الحکم، حدیث ۲ (۱۱۷) الوسائل ۳۶/۵، الباب ۲۱ من ابواب صلاۃ الجمعہ حدیث ۱ (۱۱۸) مستدرک الوسائل ۱/ ۴۱۰، الباب ۱۷ من ابواب صلاۃ الجمعہ حدیث ۱، ۳/ ۲۰۷ الباب ۲۴ من ابواب کیفیۃ الحکم، حدیث ۱ (۱۱۹) مستدرک الوسائل ۱/ ۴۱۰، الباب ۱۷ من ابواب صلاۃ الجمعہ حدیث ۲ (۱۲۰) احکام السجون / ۱۲۴ (۱۲۱) القواعد ۲/ ۱۹۲، نضد القواعد / ۴۹۹ (۱۲۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۹۹ (۱۲۳) الوسائل ۱۲۱/۱۹، الباب ۱۲ من ابواب دعوی القتل، حدیث ۱ (۱۲۴) سنن ابی داؤد ۲/ ۲۸۲، کتاب الاقضیہ، باب فی الحبس فی الدین وغیرہ (۱۲۵) سنن الترمذی ۲/ ۴۳۵، ابواب الدیات، الباب ۱۹، حدیث ۱۴۳۸ (۱۲۶) سنن البیہقی ۶/ ۵۳، کتاب التفلیس، باب حبسہ اذا اتہم و تخلیتہ (۱۲۷) التراتیب الاداریہ ۱/ ۲۹۶ (۱۲۸) سنن البیہقی ۶/ ۵۳، کتاب التفلیس، باب حبسہ اذا اتہم و تخلیتہ (۱۲۹) الوسائل ۱۸/ ۲۰۴ ـ ۲۰۵، الباب ۲۰ من ابواب کیفیۃ الحکم، حدیث ۱ (۱۳۰) بحار الانوار ۴۰/ ۲۵۹، کتاب تاریخ امیر المومنینؑ، الباب ۹۷ باب قضایاہ، حدیث ۳۰ (۱۳۱) بحار الانوار ۴۰/ ۲۳۰، کتاب تاریخ امیر المومنینؑ، الباب ۹۷، حدیث ۱۰ (۱۳۲) دعائم الاسلام ۲/ ۵۳۹، کتاب آداب القضاۃ، حدیث ۱۹۱۶ (۱۳۳) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۶۲، الباب ۱۰ من ابواب دعوی القتل، حدیث ۱ (۱۳۴) المصنف ۱۰/ ۲۱۶، باب التہمۃ، حدیث ۱۸۸۹۲ (۱۳۵) الغارات ۱/ ۳۸۱ (۱۳۶) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۳/ ۱۴۸، تاریخ الطبری ۶/ ۳۴۴۳ (۱۳۷) الغارات ۱/ ۳۳۵ (۱۳۸) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۳/ ۱۲۹ (۱۳۹) تاریخ الطبری ۶/ ۳۳۸۴ (۱۴۰) الوسائل ۱۸/ ۲۲۱، الباب ۳۲ من ابواب کیفیۃ الحکم، حدیث ۳ (۱۴۱ـ ۱۴۲) الوسائل ۱۸/ ۱۸۱، الباب ۱۱ من ابواب کیفیۃ الحکم، حدیث ۲ و ذیلہ (۱۴۳) الوسائل، ۱۸/ ۵۷۸، الباب ۵ من ابواب بقیۃ الحدود، حدیث ۱ (۱۴۴) صحیح البخاری ۲/ ۵۸، کتاب فی الاستقراض واداء الدیون .... باب لصاحب الحق مقال (۱۴۵) سنن ابو داؤد ۲/ ۲۸۲، کتاب الاقضیۃ، باب فی الحبس فی الدین وغیرہ (۱۴۶) سنن ابن ماجۃ ۲/ ۸۱۱، کتاب الصدقات، الباب ۱۸ (باب الحبس فی الدین ....)، حدیث ۲۴۲۷ (۱۴۷) ملحقات العروۃ ۳/ ۵۰، کتاب القضاء، الفصل ۳، المسئلۃ ۵ (۱۴۸) دعائم الاسلام ۲/ ۵۴۰، کتاب آداب القضاۃ، حدیث ۱۹۲۳ (۱۴۹) مستدرک الوسائل ۳/ ۱۹۹، الباب ۹ من ابواب کیفیۃ الحکم، حدیث ۱ (۱۵۰) الکافی ۵/ ۱۰۲ (الفروع، ط۔ القدیم ۱/ ۳۵۶) کتاب المعیشۃ (۱۵۱) الوسائل ۱۸/ ۱۸۰، الباب ۱۱ من ابواب کیفیۃ الحکم و احکام الدعویٰ، حدیث ۱ (۱۵۲) الوسائل ۱۳/ ۱۴۸، الباب ۷ من کتاب الحجر، حدیث ۱ (۱۵۳) الوسائل ۱۳/ ۱۴۸ الباب ۷ من کتاب الحجر، حدیث ۲ (۱۵۴) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۰۷، الباب ۲۴ من ابواب کیفیۃ الحکم، حدیث ۶، عن الغارات ۱/ ۳۶۵ ـ ۳۶۶ (۱۵۵) الغارات ۲/ ۵۲۴ (۱۵۶) الغارات ۲/ ۵۲۵ (۱۵۷) دعائم الاسلام ۲/ ۷۱، کتاب البیوع، الفصل ۱۷، حدیث ۱۹۷ (۱۵۸) مستدرک الوسائل ۲/ ۴۹۶، الباب ۶ من کتاب الحجر، حدیث ۲ (۱۵۹) الخلاف ۲/ ۱۱۵ (۱۶۰) الخلاف ۲/ ۱۱۶ (۱۶۱) الوسائل ۱۳/ ۱۴۸، الباب ۷ من کتاب الحجر، ذیل حدیث ۳ (۱۶۲) الدروس / ۳۷۳ (۱۶۳) اللمعۃ و شرحہا (الروضہ) ۴/ ۴۰ ـ ۴۱ (طبعۃ اخریٰ ۱/ ۴۰۴)، کتاب الدین (۱۶۴) الجواہر ۲۵ / ۳۲۴ ـ ۳۲۵ (۱۶۵) سنن البیہقی ۶/ ۴۹ ـ ۵۰، کتاب التفلیس، باب لایواجر الحرفی دین علیہ .... وباب ماجاء فی بیع الحر المفلس فی دینہ (۱۶۶)

مستدرک الوسائل ۲/ ۴۹۷، الباب ۶ من کتاب الحجر، حدیث ۳ (۱۶۷) الجعفریات (المطبوع مع قرب الاسناد) / ۱۰۹
(۱۶۸) الوسائل ۱۳/ ۱۴۸، الباب ۷ من کتاب الحجر، حدیث ۲ (۱۶۹) الجعفریات (المطبوع مع قرب الاسناد) / ۱۰۹
(۱۷۰) مسند زید/ ۲۶۵، کتاب الشہادت، باب القضاء
(۱۷۱) الوسائل ۱۳/ ۱۵۶، الباب ۹ من کتاب الضمان، حدیث ۱ (۱۷۲) الوسائل ۱۳/ ۱۵۶، الباب ۹ من کتاب الضمان
حدیث ۲ (۱۷۳) الوسائل ۱۳/ ۱۵۶، الباب ۹ من کتاب الضمان، حدیث ۳ (۱۷۴) الوسائل ۱۳/ ۱۵۶، الباب ۹ من
کتاب الضمان، حدیث ۴ (۱۷۵) مستدرک الوسائل ۲/ ۴۹۸، الباب ۷ من کتاب الضمان، حدیث ۱ عن فقه الرضا/
۲۵۶، (۱۷۶) مسند زید/ ۲۵۷، باب الحوالہ والکفالۃ والضمانۃ (۱۷۷) دعائم الاسلام ۲/ ۶۴، کتاب البیوع، الفصل ۱۶،
حدیث ۱۷۹ (۱۷۸) مستدرک الوسائل ۲/ ۴۹۸، الباب ۷ من کتاب الضمان، حدیث ۳ (۱۷۹) سورۂ یوسف - آیت
۷۶ (۱۸۰) الخلاف ۲/ ۱۳۶ (۱۸۱) الشرائع ۲/ ۱۱۵ (۱۸۲) الجواہر ۲۶/ ۱۸۹ (۱۸۳) مسند زید / ۲۶۵، کتاب
الشہادات، باب القضاء (۱۸۴) الوسائل ۱۹ / ۹۶، الباب ۶۲ من ابواب القصاص فی النفس، حدیث ۴ (۱۸۵) سنن
البیہقی ۸/ ۱۸۳، کتاب قتال اہل البغی، باب الرجل یقتل واحداً من المسلمین (۱۸۶) الوسائل ۱۸/ ۴۷۴،
الباب ۹ من ابواب حد المسکر، حدیث ۱ (۱۸۷) دعائم الاسلام ۲/ ۴۴۴، کتاب الحدود، الفصل ۴، حدیث ۱۶۴۴ (۱۸۸)
مستدرک الوسائل ۳/ ۲۳۴، الباب ۷ من ابواب حد المسکر، حدیث ۱ (۱۸۹- ۱۹۰) الوسائل ۱۸/ ۵۵۰، الباب ۴ من
ابواب حد المرتد، حدیث ۵ وذیلہ (۱۹۱) الوسائل ۱۸/ ۳۸۰، الباب ۱۶ من ابواب حد الزنا، حدیث ۵ (۱۹۲) سنن البیہقی
۸/ ۲۲۰، کتاب الحدود، باب من اعتبر حضور الامام والشہود .... (۱۹۳) الوسائل ۱۸/ ۵۰۳، الباب ۱۲ من ابواب حد
السرقۃ، حدیث ۴ (۱۹۴) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۳۷، الباب ۱۲ من ابواب حد السرقۃ، حدیث ۱ (۱۹۵) مستدرک الوسائل
۳/ ۲۳۷، الباب ۱۲ من ابواب حد السرقۃ، حدیث ۲ (۱۹۶) دعائم الاسلام ۲/ ۴۷۲، کتاب السراق، الفصل ۲، حدیث ۱۶۸۶
(۱۹۷) دعائم الاسلام ۲/ ۴۷۳، کتاب السراق، الفصل ۲، حدیث ۱۶۹۰ (۱۹۸) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۳۷، الباب ۱۳
من ابواب حد السرقۃ، حدیث ۲ (۱۹۹) دعائم الاسلام ۲/ ۴۷۶، کتاب السراق، الفصل ۲، حدیث ۱۷۰۷ (۲۰۰) مستدرک
الوسائل ۳/ ۲۳۸، الباب ۱۸ من ابواب حد السرقۃ، حدیث ۲ (۲۰۱) الخراج / ۱۵۰ (۲۰۲) الوسائل ۱۸/ ۵۰۲- ۵۰۴،
الباب ۱۲ من ابواب حد السرقۃ ———— سنن البیہقی ۸/ ۲۷۹، کتاب السرقۃ، باب لا قطع علی المختلس ....
(۲۰۳) الوسائل ۱۸/ ۵۰۴- ۵۰۵، ۵۱۰- ۵۱۴، الباب ۱۳- ۱۹ من ابواب حد السرقۃ- سنن البیہقی ۸/ ۲۶۹، کتاب
السرقۃ، باب الطرار وباب النباش .... (۲۰۴) الشرائع ۴/ ۱۷۵ (۲۰۵) الجواہر ۴۱/ ۵۰۴- ۵۰۵ (۲۰۵- الف)
الوسائل ۱۸/ ۵۰۴- ۵۰۵، الباب ۱۳ من ابواب حد السرقۃ، حدیث ۲ (۲۰۶) الشرائع ۴/ ۱۷۶ (۲۰۷) الجواہر ۴۱/ ۵۱۵
(۲۰۸) الخلاف ۳/ ۲۰۰ (۲۰۹) دعائم الاسلام ۲/ ۵۳۲ (۲۱۰) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۰۷، الباب ۲۴ من ابواب
کیفیۃ الحکم، حدیث ۵ (۲۱۱) الوسائل ۱۸/ ۲۴۴، باب ۱۵ من کتاب الشہادات، حدیث ۳ (۲۱۲) سنن البیہقی ۱۰/
۱۴۱، کتاب آداب القاضی، باب ما یفعل بشاہد الزور (۲۱۳) سنن البیہقی ۱۰/ ۱۴۲، کتاب آداب القاضی، باب ما یفعل بشاہد
الزور (۲۱۴) الوسائل ۱۹/ ۲۵۵، الباب ۳۰ من ابواب دیات الاعضاء، حدیث ۱ (۲۱۵) الشرائع ۴/ ۲۶۱ (۲۱۶) الجواہر

۴۲/ ۱۷۴ کتاب الدیات (۲۱۷) الجواہر ۴۲/ ۱۷۵ کتاب الدیات (۲۱۸) دعائم الاسلام ۲/ ۴۳۰. کتاب الدیات. الفصل ۸. حدیث ۱۴۸۹ (۲۱۹) متدرک الوسائل ۳/ ۲۸۰. الباب ۲۸ من ابواب دیات الاعضاء. حدیث ۳ (۲۲۰) الوسائل ۱۸/ ۴۱۴. الباب ۴۸ من ابواب حد الزنا. حدیث ۱ (۲۲۱ - ۲۲۲) الوسائل ۱۹/ ۱۷۳. الباب ۱ من ابواب موجبات الضمان. حدیث ۲- متدرک الوسائل ۳/ ۲۶۸. الباب ۱ من ابواب موجبات الضمان من کتاب الدیات. حدیث ۱ (۲۲۳) دعائم الاسلام ۲/ ۴۲۳. کتاب الدیات. الفصل ۵. حدیث ۱۴۷۵ (۲۲۴) متدرک الوسائل ۳/ ۲۶۸. الباب ۱ من ابواب موجبات الضمان. حدیث ۲ (۲۲۵) الوسائل ۱۹/ ۱۷۲. الباب ۱ من ابواب موجبات الضمان. حدیث ۱ (۲۲۶) الشرائع ۴/ ۲۵۳ (۲۲۷) المسالک ۲/ ۴۹۴ (۲۲۸) الجواہر ۴۲/ ۹۱ کتاب الدیات (۲۲۹) الوسائل ۱۳/ ۱۷۱. الباب ۱۲ من کتاب الصلح. حدیث ۱ (۲۳۰) الوسائل ۱۹/ ۱۹۴. الباب ۲۳ من ابواب موجبات الضمان (۲۳۱) الوسائل ۱۹/ ۳۰. الباب ۱۲ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۶ (۲۳۲) الوسائل ۱۹/ ۳۰۳. الباب ۴ من ابواب العاقلہ. حدیث ۱- ۲ (۲۳۳) الشرائع ۴/ ۲۰۲ (۲۳۴) الجواہر ۴۲/ ۶۶ طبعہ اخریٰ بتصحیح آخر / ۶۳ (۲۳۵) الوسائل ۱۹/ ۳۰. الباب ۱۲ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۷ (۲۳۶) الخلاف ۳/ ۹۲ (۲۳۷) المغنی ۹/ ۳۶۶. سنن البیہقی ۸/ ۴۰- ۴۱. کتاب الجنایات. باب النفر یقتلون الرجل (۲۳۸) نہج البلاغہ. فیض/ ۵۵۶. عبدہ ۲/ ۱۰۴. لح/ ۲۴۷. خطبہ ۱۷۲ (۲۳۹) سنن البیہقی ۹/ ۶۵. کتاب السیر. باب مایفعلہ بالرجال البالغین منہم (۲۴۰) سنن البیہقی ۹/ ۸۹. کتاب السیر. باب الاسیر یوثق (۲۴۱) ارشاد المفید/ ۵۱ طبعہ اخریٰ/ ۵۸ (۲۴۲) سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۲۲۵ (۲۴۳) التراتیب الاداریۃ ۱/ ۳۰۰ (۲۴۴) الوسائل ۱۹/ ۶۸. الباب ۳۷ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۵ (۲۴۵) متدرک الوسائل ۳/ ۲۵۷. الباب ۳۴ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۲۴۶) الوسائل ۱۹/ ۶۹. الباب ۳۸ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۲۴۷) الشرائع ۴/ ۲۰۵ (۲۴۸) سنن البیہقی ۶/ ۴۹. کتاب التفلیس. باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ و دیونہ (۲۴۹) الوسائل ۱۶/ ۲۵- ۲۸. الباب ۱۸ من کتاب العتق (۲۵۰) الشرائع ۳/ ۱۱۱ (۲۵۱) فقہ الرضا/ ۳۱۰ (۲۵۲) بحار الانوار ۷۶/ ۱۱۶ طبعہ ایران ۷۹/ ۱۱۶. کتاب النواہی. الباب ۸۴ باب الدیاثۃ والقیادۃ. الرقم ۱۲. متدرک الوسائل ۳/ ۲۳۰. الباب ۵ من ابواب السحق و القیادۃ. حدیث ۱ (۲۵۳) الشرائع ۴/ ۱۶۲ (۲۵۴) الوسائل ۱۸/ ۵۵۴. الباب ۶ من ابواب حد المرتد. حدیث ۴ (۲۵۵) الوسائل ۱۸/ ۵۲۸. الباب ۳۰ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۱ (۲۵۶) دعائم الاسلام ۲/ ۴۷۰. کتاب السراق. الفصل ۱. حدیث ۱۶۷۸ (۲۵۷) متدرک الوسائل ۳/ ۲۳۹. الباب ۲۸ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۲ (۲۵۸) الوسائل ۱۸/ ۴۹۲. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۱ (۲۵۹) الوسائل ۱۸/ ۴۹۲. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۲ (۲۶۰) الوسائل ۱۸/ ۴۹۳. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۳ (۲۶۱) الوسائل ۱۸/ ۴۹۳. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۴ (۲۶۲) الوسائل ۱۸/ ۴۹۴. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۷ (۲۶۳) الوسائل ۱۸/ ۵۰۲. الباب ۱۱ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۴ (۲۶۴) الوسائل ۱۸/ ۴۹۲- ۴۹۶. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ- متدرک الوسائل ۳/ ۲۳۶. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ (۲۶۵)

الشرائع ۴/ ۱۷۶ا (۲۶۶) الجواہر ۴۱/ ۵۳۳ (۲۶۷) الخلاف ۳/ ۲۰۱ (۲۶۸) المحلی ۸/ ۳۵۴ ـ ۳۵۷. الجزء ۱۱ المسئلة ۲۲۸۳ (۲۶۹) سورۂ مائدہ ـ آیت ۳۳ (۲۷۰) المغنی ۱۰/ ۲۷۱ ـ ۲۷۳ (۲۷۱) سنن ابو داؤد ۲/ ۴۵۴ (۲۷۲) سنن النسائی ۸/ ۹۰ ـ ۹۱. کتاب قطع السارق. باب قطع الیدین والرجلین من السارق (۲۷۳) سنن البیہقی ۸/ ۲۷۴. کتاب السرقة. باب السارق یعود فیسرق .... (۲۷۴) ایضاً ۸/ ۲۷۵. کتاب السرقة. باب السارق یعود فیسرق .... الوسائل ۱۸/ ۵۵۰. الباب ۴ من ابواب حد المرتد. حدیث ۳ (۲۷۵) الوسائل ۱۸/ ۵۴۹. الباب ۴ من ابواب حد المرتد. حدیث ۲ (۲۷۶) الوسائل ۱۸/ ۵۵۰. الباب ۴ من ابواب حد المرتد. حدیث ۴ (۲۷۷) الوسائل ۱۸/ ۵۵۰. الباب ۴ من ابواب حد المرتد. حدیث ۶ (۲۷۸) دعائم الاسلام ۲/ ۵۳۹. کتاب آداب القضاة. حدیث ۱۹۱۷ ـ مستدرک الوسائل ۳/ ۲۰۷. الباب ۲۴ من ابواب کیفیة الحکم. حدیث ۴ (۲۷۹) دعائم الاسلام ۲/ ۴۸۰. کتاب الردہ والبدعة. الفصل (۲۷۹) دعائم الاسلام ۲/ ۴۸۰. کتاب الردہ والبدعة. الفصل ا. حدیث ۱۷۲۰ (۲۸۰) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۴۳. الباب ۳ من ابواب حد المرتد. حدیث ۱ (۲۸۱) دعائم الاسلام ۱/ ۳۹۸. کتاب الجہاد. ذکر من یسع قتلہ من اہل القبلة ـ مستدرک الوسائل ۳/ ۲۴۳. الباب ۳ من ابواب حد المرتد. حدیث ۲ (۲۸۲) الوسائل ۱۸/ ۵۴۹. الباب ۴ من ابواب حد المرتد. حدیث ۱ (۲۸۳) الخلاف ۳/ ۱۷۰ا (۲۸۴) المغنی ۱۰/ ۷۴ (۲۸۵) الجواہر ۴۱/ ۶۱۲ (۲۸۶) تحریر الاحکام ۲/ ۲۳۵ (۲۸۷) الوسائل ۱۵/ ۵۴۱. الباب ۸ من ابواب الایلاء. حدیث ۶ (۲۸۸) الوسائل ۱۵/ ۵۴۵. الباب ۱۱ من ابواب الایلاء. حدیث ۱ (۲۸۹) الوسائل ۱۵/ ۵۴۵. الباب ۱۱ من ابواب الایلاء. حدیث ۳ (۲۹۰) الوسائل ۱۵/ ۵۴۵. الباب ۱۱ من ابواب الایلاء. حدیث ۴ (۲۹۱) الوسائل ۱۵/ ۵۴۶. الباب ۱۱ من ابواب الایلاء. حدیث ۷ (۲۹۲) الوسائل ۱۵/ ۵۴۶. الباب ۱۱ من ابواب الایلاء. حدیث ۶ (۲۹۳) الخلاف ۳/ ۶ (۲۹۴) سنن البیہقی ۷/ ۳۷۶. کتاب الایلاء (۲۹۵) الوسائل ۱۹/ ۳۵. الباب ۱۱ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۲۹۶) الوسائل ۱۹/ ۳۵. الباب ۱۷ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۲ (۲۹۷) الوسائل ۱۹/ ۳۵. الباب ۱۷ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۳ (۲۹۸) الوسائل ۱۹/ ۳۶. الباب ۱۸ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۲۹۹) الوسائل ۱۸/ ۵۵۰. الباب ۴ من ابواب حد المرتد. حدیث ۳ (۳۰۰) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۵۴. الباب ۱۵ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۳۰۱) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۵۴. الباب ۱۵ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۳ (۳۰۲) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۵۴. الباب ۱۵ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۴ (۳۰۳) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۵۴. الباب ۱۵ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۵ (۳۰۴) سنن البیہقی ۸/ ۵۰. کتاب الجنایات. باب الرجل یحبس الرجل للآخر فیقتلہ (۳۰۵) سنن البیہقی ۸/ ۵۰ ـ ۵۱. کتاب الجنایات. باب ارجل یحبس الرجل للآخر فیقتلہ (۳۰۶) الشرائع ۴/ ۱۹۹ (۳۰۷) الجواہر ۴۲/ ۴۶ طبعة اخرىٰ بتصحیح آخر / ۴۲ ـ ۴۳ (۳۰۷ ـ الف) الخلاف ۳/ ۱۰۰ (۳۰۸) المغنی ۹/ ۴۷۷ (۳۰۹) الوسائل ۱۹/ ۳۲. الباب ۱۳ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۳۱۰) الوسائل ۱۹/ ۳۳. الباب ۱۴ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۲ (۳۱۱) سنن البیہقی ۸/ ۵۰. کتاب الجنایات. باب ماجاء فی امر السید

عبدہ (۳۱۲) النہایۃ/ ۷۴۷ (۳۱۳) الخلاف ۳/ ۹۸ (۳۱۴) المغنی ۹/ ۴۷۹ (۳۱۵) الوسائل ۱۹/ ۳۳. الباب ۱۴ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۱ (۳۱۵۔ الف) الوسائل ۱۹/ ۳۴. الباب ۱۶ من ابواب القصاص فی النفس. حدیث ۴۱۔ ۱۳/ ۱۶۰. الباب ۱۵ من کتاب الضمان. حدیث ۱ (۳۱۶) النہایۃ/ ۳۱۶ (۳۱۷) الخلاف ۲/ ۱۳۶۔ الشرائع ۲/ ۱۱۵۔ الجواہر ۲۶/ ۱۸۶ (۳۱۸) الوسائل ۱۸/ ۵۳۶. الباب ۱ من ابواب حد المحارب. حدیث ۸ (۳۱۹) مسند زید/ ۳۲۳. کتاب السیر باب قطاع الطریق (۳۲۰) التہذیب ۱۰/ ۱۳۱. باب الحد فی السرقۃ و............ حدیث ۱۴۰. (۳۲۱) الجواہر ۴۱/ ۵۹۳ (۳۲۱۔ الف) الوسائل ۱۸/ ۴۹۳. الباب ۵ من ابواب حد السرقۃ. حدیث ۵ (۳۲۲) مرآۃ العقول ۴/ ۱۸۷. فی آخر کتاب الحدود من طبع القدیم (۳۲۳) الوسائل ۱۸/ ۵۵۰. الباب ۴ من ابواب حد المرتد. حدیث ۳ (۳۲۴) نہج السعادۃ فی مستدرک نہج البلاغہ ۲/ ۳۷۱۔ ۳۷۲. خطبہ ۲۶۳ (۳۲۵) الوسائل ۱۸/ ۳۸۷. الباب ۱۹ من ابواب حد الزنا. حدیث ۱۰ (۳۲۶) الوسائل ۱۸/ ۳۸۶ الباب ۱۹ من ابواب حد الزنا. حدیث ۴

آٹھویں فصل

جستجو کرنا اور عمومی اخبار اکٹھے کرنا

اس میں بھی بحث کے کئی جہات ہیں
پہلی جہت۔ مسلمانوں کی عزت و ناموس اور ان کے اسرار کی حفاظت کا وجوب۔

ہم اس جہت کو مقدم رکھتے ہوئے اس کا بیان کرتے ہیں کیونکہ اس کا مضمون و مفہوم اصل کے مطابق ہے جیسا کہ اس کتاب کے پہلے باب میں گزر چکا ہے کہ اصل یہ ہے کہ کسی کی کسی پر ولایت نہیں ہے لہٰذا کسی کی نگرانی کرنا اور اس کے حالات کی ٹوہ لگانا اور اس کے عیوب کو ظاہر کرنا دوسرے کی ذات اور حالات میں ایک قسم کا تصرف ہے لہٰذا اصل کا منشاء اس کا عدم جواز ہے۔ بہر حال ہم کہتے ہیں منجملہ بہت سی عظیم ذمہ داریوں کے جن کا اہتمام اسلام نے کیا ہے، ان میں مسلمانوں کی عزت و ناموس اور حرمت کی حفاظت ہے اور لوگوں کے نظریات اور اسرار کی جستجو سے اجتناب برتنا ہے، پس اسلام نے کسی کو لوگوں کے مخفی حالات کی جستجو کرنے اور مسلمانوں کے اسرار اور ان کی لغزشوں کو نشر کرنے کی اجازت نہیں دی اور انہی دو اہم اصولوں پر لوگوں کی زندگی اور ان کے افعال میں اطمینان خاطر کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن، ان بعض الظن اثم، ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا، ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً، فکرھتموہ - (۱)

اے ایماندارو! بہت سے گمان بد سے بچے رہو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور باہم ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، تم تو ضرور اس سے نفرت کرو گے۔

مجمع البیان میں کہا ہے: یعنی مومنین کی لغزشوں کا پیچھا نہ کرو، ابن عباس۔ قتادہ اور مجاہد سے اسی طرح مروی ہے، ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ تجسس اور تحسس کا معنی ایک ہے اور بعض روایات میں ابن عباس سے ولا تحسسوا۔ حاء کے ساتھ ہے، اخفش نے کہا ہے کہ ان دونوں کا معنی ایک دوسرے سے دور نہیں مگر یہ کہ تجسس کا معنی ہے اس چیز کی کرید کرنا جس کو چھپایا جائے اور اسی سے جاسوس ہے، تحسس — حاء کے ساتھ اس سے مراد ہے جس چیز کو جانتا ہو اس سے بحث کرنا۔ (۲)

میں کہتا ہوں — پس اللہ تعالیٰ نے اولاً مومنین کے بارے میں بدگمانی سے منع کیا ہے، ثانیاً ان کے اندرونی حالات کا تجسس اور جستجو کرنے سے روکا ہے، ثالثاً ان پر مطلع ہونے کی صورت میں ان کو پھیلانے اور عام کرنے سے نہی کی ہے، اس آیت سے شائد یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی، اس کی عزت و حرمت اور معاشرتی حیثیت کے ساتھ ہے اور ان دونوں کی ہتک حرمت گویا اس کی زندگی کو سلب کرنا ہے، غور کریں۔

شیخ انصاری کی مکاسب میں ہے: مومن کو مومن کا بھائی ظاہر کیا اور اس کی عزت کو اس کے گوشت کی مثل قرار دیا ہے. غیبت اس کا گوشت کھانا قرار دیا اور اسے اس کا شعور نہ ہونے کو اس کی موت کی حالت سے تعبیر کیا ہے۔ (۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الذين يحبون ان تشيع الفاحشة في الذين آمنوا لهم عذاب اليم ۔ (٤)

"جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا ہو جائے بے شک ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے"۔

۳۔ تفسیر قرطبی میں سورہ حجرات کی آیت کے ذیل میں ہے کہ صحیحین میں ابو ہریرہ سے روایت ہے. نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے ــــ اور تجسّس، تحسّس اور جستجو نہ کرو اور ایک دوسرے کے افعال کی کرید نہ کرو. نہ ہی ایک دوسرے سے حسد کرو. نہ ایک دوسرے سے بغض و عداوت رکھو. نہ ایک دوسرے کا پیچھا کرو اور اے اللہ کے بندو! ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ۔ (۵)

اس حدیث کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (۶)

۴۔ اسی کتاب میں نبی کریمؐ سے مروی ہے: خدا نے مسلمان کا خون اور اس کی عزت حرام و محترم قرار دی ہے نیز اس کے بارے میں بدگمانی بھی حرام ہے۔ (۷)

۵۔ اصول کافی میں ان کی سند کے ساتھ ابن ابی عمیر سے. اس کے بعض اصحاب سے ابو عبداللہؑ سے مروی ہے! جو کسی مومن کے بارے میں وہ بات کہے جسے اس کی دونوں آنکھوں نے دیکھا اور اس کے دونوں کانوں نے سنا ہے تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا ہو جائے بے شک ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ (۸)

۶۔ تفسیر نور الثقلین میں صدوق کی کتاب ثواب الاعمال سے اس کی سند کے ساتھ محمد بن فضیل سے. ابوالحسن موسیٰؑ ابن جعفرؑ سے مروی ہے کہ راویؒ نے کہا میں نے آپ سے عرض کیا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں میرے بھائیوں میں سے ایک مرد ہے جس سے مجھے کوئی ایسی بات پہنچی ہے جسے میں پسند نہیں کرتا. میں جاکر اس سے پوچھتا ہوں تو وہ اس کا انکار کرتا ہے جب کہ مجھے یہ خبر قابل اعتماد لوگوں سے [illegible] ہی ہے. آپ نے فرمایا: اے محمد! اپنے بھائی کے بارے میں اپنے کان اور آنکھ کو جھوٹا قرار دے اگر چہ تمہارے سامنے پچاس شہادتیں دی جائیں، تو اس کے بارے میں کسی ایسی چیز کو عام نہ کر کہ جس سے تو اس کو عیب لگائے اور اس کی لحاظ داری کو ختم کر دے. ورنہ تو ان لوگوں میں ہو گا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا ہو جائے" بے شک ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے (۹)

کلینی نے بھی روضہ کافی میں اسی طرح کی روایت بیان کی ہے۔ (۱۰)

میں کہتا ہوں ــــ پچاس شہادتوں کی تکذیب کرنے سے مراد یہ نہیں کہ حقیقتاً ان کی تکذیب کی جائے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے انکار کے بعد ان کی شہادت پر کوئی اثر ترتیب نہ دیا جائے کہ جو عادۃً اس کی معذرت اور ارتکاب کی

صورت میں معافی طلب کرنے کے مساوی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

۷۔ اصول کافی میں اس کی سند کے ساتھ اسحاق بن عمار سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ کو یہ کہتے سنا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا! اے وہ گروہ کہ جو اپنی زبان سے مسلمان ہوا اور خالص ایمان اس کے قلب تک نہیں پہنچا ـــــ تم مسلمانوں کی مذمت نہ کرو اور ان کے چھپے ہوئے رازوں کا پیچھا نہ کرو کیونکہ ان کی شان یہ ہے کہ جو ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرے گا پس خدا اس کے پوشیدہ امور کا پیچھا کرے گا اور خدا جس کے پوشیدہ امور کا پیچھا کرے تو وہ اسے رسوا کرے گا چاہے وہ اپنے گھر میں ہو۔ (۱۱)

۸۔ نیز اسی کتاب میں اسکی سند کے ساتھ ابو بصیر سے، ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے وہ گروہ جو اپنی زبان سے مسلمان ہوا اور دل سے مسلمان نہیں ہوا، مسلمانوں کی لغزشوں کا پیچھا نہ کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کی لغزشوں کا پیچھا کرے گا، خدا اس کی لغزشوں کا پیچھا کرے گا اور وہ جس کی لغزشوں کا پیچھا کرے تو اسے رسوا کرے گا۔ (۱۲)

۹۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ محمد بن مسلم یا حلبی سے، ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: مومنوں کی لغزشوں کی جستجو نہ کرو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی لغزشوں کا پیچھا کرے، خدا اس کی لغزشوں کا پیچھا کرے گا اور جس کی لغزشوں کا خدا پیچھا کرے تو اس کو رسوا کرے گا چاہے وہ اپنے گھر میں ہو۔ (۱۳)

۱۰۔ تفسیر قرطبی میں ابو برزہ اسلمی سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: اے وہ گروہ جو اپنی زبان سے ایمان لایا اور اس کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا، تم مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور نہ ان کے پوشیدہ امور کا پیچھا کرو کیونکہ جو ان کا پیچھا کرے گا، خدا اس کے پوشیدہ امر کا پیچھا کرے گا اور خدا جس کے پوشیدہ امر کا پیچھا کرے تو اسے اس کے گھر میں رسوا کرے گا۔ (۱۴)

۱۱۔ اصول کافی میں اس کی سند کے ساتھ زرارہ سے مروی ہے کہ ابو جعفرؑ نے فرمایا: بندہ کفر کے قریب ہوتا ہے جب ایک شخص دوسرے کا دینی بھائی بنے اور پھر اس کی لغزشوں کو شمار کرے تاکہ کسی روز ان کے ساتھ اسے عار دلائے۔ (۱۵)

۱۲۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ میں نے ابو جعفرؑ سے عرض کیا: مومن کی شرمگاہ دوسرے مومن پر حرام ہے؟ فرمایا ـــــ ہاں! میں نے عرض کیا: یعنی اس کے دونوں نچلے حصے؟ آپ نے فرمایا: وہ نہیں جدھر تو جارہا ہے بلکہ یہ تو اس کے راز کا فاش کرنا ہے۔ (۱۶)

۱۳۔ نہج البلاغہ میں مالک اشتر کے نام امیرالمومنینؑ کے مکتوب میں ہے: تمہاری رعایا میں تم سے دور تر اور زیادہ ناپسند وہ ہونا چاہئے جو لوگوں کی عیب جوئی میں زیادہ لگا رہتا ہو کیونکہ لوگوں میں عیب تو ہوتے ہی ہیں لیکن حاکم کے لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ وہ ان پر پردہ ڈالے، لہٰذا جو عیب تمہاری نظروں سے اوجھل ہوں انہیں ظاہر نہ کرنا، تمہارا کام انہی عیبوں کو مٹانا ہے جو تم پر ظاہر ہوں اور جو ڈھکے چھپے ہوں ان کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے، پس جہاں تک ہوسکے عیبوں کو چھپاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے کہ جنہیں تم رعیت کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو۔ (۱۷)

۱۴۔ الغرر والدرر میں امیرالمومنینؑ سے مروی ہے: برائیوں کی جستجو کرنا اور ان کا پیچھا کرنا بڑی برائیوں میں سے ہے۔ (۱۸)

۱۵۔ اسی کتاب میں ہے: عیوب کی جستجو بدترین عیب اور سب سے بڑی برائی ہے۔ (۱۹)

۱۶۔ اسی کتاب میں ہے: لوگوں میں بدترین وہ ہے جو کسی کی لغزش کو معاف نہ کرے اور کسی کے عیب پر پردہ نہ ڈالے۔ (۲۰)

۱۷۔ اسی کتاب میں ہے: جو لوگوں کے بھیدوں کی ٹوہ میں لگا رہے خدا اس کے بھید ظاہر کر دیتا ہے۔ (۲۱)

۱۸۔ اسی کتاب میں ہے: جو اپنے بھائی کا پردہ فاش کر دے اس کے گھر کے عیوب کھل جائیں گے۔ (۲۲)

۱۹۔ اسی کتاب میں ہے: بدگمانی معاملات کو بگاڑتی اور برے کاموں پر ابھارتی ہے۔ (۲۳)

۲۰۔ تفسیر نور الثقلین میں خصال صدوق سے، محمد بن مروان سے، ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ راوی نے کہا میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا: تین قسم کے افراد ہیں جن کو قیامت کے دن عذاب کیا جائے گا___ یہاں تک کہ فرمایا: جو شخص کان لگا کر کسی گروہ کی بات سنے جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے دونوں کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا۔ (۲۴)

۲۱۔ اسی کتاب میں خصال صدوق سے، عکرمہ سے، ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: جو شخص کان لگا کر کسی گروہ کی بات سنے جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے روز اس کے دونوں کانوں میں آنک ڈالا جائے گا، سفیان نے کہا کہ آنک، سیسہ ہے۔ (۲۵)

۲۲۔ اصبغ بن نباتہ کی روایت جو امیرالمومنینؑ سے ہے، اس میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص جس نے زنا کا اقرار کیا تھا آپ نے اس سے کہا: کیا تم میں سے ایک شخص اس چیز سے عاجز ہے کہ جب وہ ایسی برائی کرے تو اسے چھپائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہے۔ (۲۶)

میں کہتا ہوں___ اس روایت کی مثل اور بھی روایات ہیں جو فصل تعزیرات میں ذکر ہو چکی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح کے شخصی جنسی گناہوں کے متعلق جستجو جائز نہیں اور شرعی طور پر ان کا چھپانا ہی مطلوب ہے۔

۲۳۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت کے ذریعے نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ فرمایا: جب حاکم لوگوں کے متعلق شک و ریب کی تلاش میں رہے تو وہ انہیں خراب کر دے گا۔ (۲۷)

قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں اس کو ابو امامہ سے روایت کیا ہے۔ (۲۸)

۲۴۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ حضرت رسولؐ سے مروی ہے کہ فرمایا: اگر تم لوگوں کے عیوب اور ان کی لغزشوں کا پیچھا کرو گے تو بے شک انہیں خراب کر دو گے، اس کو قرطبی نے بھی روایت کیا ہے۔ (۲۹)

۲۵۔ صحیح بخاری میں اس کی سند کے ساتھ حضرت رسولؐ کے خطبہ حجتہ الوداع میں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزت و ناموس کو حرام قرار دیا ہے جس طرح تمہارا

یہ دن تمہارے اس شہر اور اس مہینے میں محترم ہے سوائے اس کے کہ کسی پر کسی کا کوئی حق عائد ہو — پھر تین مرتبہ فرمایا: آیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ (۳۰)

ان کے علاوہ اور اخبار بھی ہیں جو اس ضمن میں فریقین کے طرق سے وارد ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں — پس ہر وہ شخص جو احکام شریعت پر توجہ رکھتا ہے وہ ان آیات و روایات میں غور کرے جو ذکر ہوئی ہیں اور جو ان کے علاوہ اس بارے میں وارد ہوئی ہیں، ان میں کہا گیا ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے اسرار اور لغزشوں سے متعرض نہ ہو جو نظروں سے اوجھل ہیں، وہ کنسوئیاں لینے، ان کی جستجو کرنے اور انہیں عام کرنے سے گریز کرے، اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں کہ میں ان کے حالات معلوم کرنے کا ذمہ دار ہوں کیونکہ جو لوگ ایسے کاموں کے ذمہ دار ہیں ان کے لئے بھی ایسی تلاش و جستجو کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا تعلق اہم امور اور نظام و معاشرے کے مفادات سے ہو، لیکن اس صورت میں بھی بقدر ضرورت تحقیق کرنا ہوگی جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

جمہوری اسلامی ایران کے دستور (مادہ ۲۳) میں ہے: عقائد و نظریات کی تفتیش سے منع کیا گیا ہے اور صرف اس بناء پر کسی شخص کا مواخذہ کرنا ممکن نہیں کہ وہ ایک معین عقیدے سے وابستہ ہے۔

مادہ ۲۵ میں ہے: لوگوں کے خطوط کا جائزہ لینا انہیں روک لینا اور ان تک نہ پہنچانا، ان کی ٹیلی فون پر گفتگو کا ریکارڈ کرنا اور اسے فاش کرنا، تار اور ٹیلکس کی خبروں کی نگرانی کرنا اور انہیں ظاہر کرنا اور ہر قسم کا تجسس کرنا ممنوع ہے مگر یہ کہ وہ قانون کے مطابق ہو۔ اسے یاد رکھیں۔

ہر خطاء و لغزش کی تفتیش کرنا اور اس کے بارے میں تلاش و جستجو کرنا مروت و شرافت نہیں ہے اگرچہ وہ مخفی ہو اور اس کا ارتکاب کرنے والا توبہ کر چکا ہو، کیونکہ مروت و شرافت تو چشم پوشی، نصیحت اور فہمائش کرنا اور آہستہ آہستہ ہر شخص کو اعتدال اور استقامت کی طرف لانا ہے، اس لئے کہ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو خطاء اور گناہ سے بچے ہوئے ہوں۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ایسا کون ہے جس کے سب عادات پسندیدہ ہوں، کسی شخص کی عظمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے عیوب شمار کئے جاسکیں۔

البتہ جو گناہ پر دلیر اور مصر ہے بلکہ ہر وہ شخص کہ جس کا جرم حاکم کے سامنے ثابت ہو جائے اسے سزا دی جائے گی مگر یہ کہ وہ معاف کر دینے کے لائق ہو اور اسے معاف بھی کر دیا گیا ہو، اس میں غور کریں۔

کنزالعمال میں ثور کندی سے منقول ہے: خلیفہ عمر بن خطاب مدینہ میں رات کو گشت کرتے تھے، پس ایک بار انہوں نے ایک گھر سے کسی شخص کی آواز سنی جو گا رہا تھا، اس پر وہ دیوار پھاند کر اس کے پاس پہنچ گئے اور کہا۔ اے دشمن خدا! کیا تو نے یہ گمان کر لیا کہ خدا تیری پردہ پوشی کرے گا جب کہ تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے؟ اس نے کہا۔ اے امیرالمومنین! جلدی نہ کریں — میں نے اللہ کی ایک نافرمانی کی ہے تو آپ نے اس کی تین نافرمانیاں کی ہیں، اس نے فرمایا ہے: تجسس نہ کرو۔ اور آپ نے تجسس کیا ہے، یہ بھی فرمایا ہے: اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔ اور آپ دیوار پھاند کر آئے ہیں، اس نے فرمایا ہے۔ اپنے

گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں بے ہنگم داخل نہ ہوا کرو یہاں تک کہ اجازت لے لو اور ان گھر والوں سے صاحب سلامت کر لو۔ اور آپ بغیر اذن کے میرے پاس آئے ہیں، اس پر خلیفہ نے کہا. اگر میں تجھے معاف کر دوں تو کیا تیرے پاس خیر و بھلائی ہے؟ اس نے کہا. جی ہاں! پس انہوں نے اس کو معاف کر دیا اور وہاں سے نکل آئے۔ (۳۱)

دوسری جہت۔ عمومی خبروں کے حاصل کرنے کا لزوم اور اس کی اجمالی ضرورت۔

جو کچھ بیان ہوا اس سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ لوگوں کا اندرونی معاملات میں اطمینان حاصل کرنا اور امن و امان کا احساس رکھنا ایک ایسا امر ہے کہ جس کا شرع مبین نے خاص اہتمام کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے ناموس اور ان کے اسرار کی حفاظت کرنے کو واجب قرار دیا ہے نیز لوگوں کے اندرونی اور ذاتی حالات کا تجسس اور جستجو کرنا حرام قرار دیا ہے۔

لیکن جو شخص اس بارے میں وارد ہونے والی آیات و روایات میں تامل کرے گا، اس پر یہ امر ظاہر ہو جائے گا کہ اس حرمت کا موضوع انفرادی اور خانگی اسرار ہیں جو معاشرے کے مفادات پر اثر نہیں ڈالتے۔ لیکن وہ باتیں جو معاشرے کے مفاد اور نظم و نسق کی حفاظت سے تعلق رکھتی ہیں ان میں نگرانی اور تفتیش کے سوا چارہ نہیں ہے، تاکہ اسلامی حکومت جو مسلمانوں کے نظام کی محافظ ہے وہ دوسری قوموں اور حکومتوں کے حالات اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف ان کی تجویزوں اور سازشوں کے متعلق ضروری اطلاعات اور معلومات حاصل کرے، نیز ان کی اور ان کے جاسوسوں کی تحریکوں نیز باغیوں اور منافقوں کی سرگرمیوں کے بارے میں خبریں فراہم کرے، اس کے علاوہ حکومت کے افراد، ذمہ دار شخصیات اور لوگوں کے حالات اور ان کی عمومی حاجات پر نظر رکھے، چنانچہ عقل سلیم اور شرع اسلام حکم کرتی ہیں کہ عمومی مفادات کو انفرادی آزادیوں پر ترجیح دی جائے، کیونکہ مسلمانوں کے نظام اور ان کے وجود کی حفاظت کے لئے اہتمام کرنا واجب ہے۔

پس ضروری ہوا کہ یہ اہم ذمہ داری اسلامی حکومت کی طرف سے ایک ایسے ادارے کے سپرد کی جائے گی جو ہر لحاظ سے موزوں اور مناسب ہو، ہمارے زمانے کی اصطلاح میں اس ادارے کو "ادارہ امن و استخبارات" کا نام دیا جاتا ہے۔ البتہ آپ کے ذہن میں یہ لفظ بعض ملکوں کے اس خفیہ نظام کے ہم معنی قرار پاتا ہے جو مختلف گروہوں اور جماعتوں کا قلع قمع کرنے، ان کی آواز کو دبانے جابر و قاہر حاکموں کے آگے ان کو جھکانے اور انصاف طلب تحریکوں کا خاتمہ کرنے نیز ملت و قوم کو عقل و سیاست سے دور رکھنے اور علم و صنعت کے فروغ کو روکنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔

لیکن اس کے برعکس اس ادارے سے ہمارا مقصد ایک عادل و صالح ادارہ ہے جس کا ہدف خطرناک تحریکوں کے مقابلے میں امت کے معاملات کی نگرانی اور اس کے وجود کا تحفظ کرنا ہے۔ اس بناء پر واجب ہے کہ دوسری عمومی ذمہ داریوں کی طرح یہ ذمہ داری بھی اس کے اہل لوگوں کے سپرد کی جائے اور اس کے ارکان کا انتخاب کرنے میں ایسے عاقل اور روشن دماغ لوگوں کو زیر نظر لایا جائے جو موازین شرعی کو اپنے اوپر لازم رکھتے ہوں اور افراد و معاشرے کی فلاح و بہبود کے خواہاں ہوں، یہ بھی واجب ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ان امور سے واقف کرایا جائے کہ جن پر مطلع ہونا ضروری ہے اور وہ جن کی اطلاع حاصل کرنا حرام ہے، ان کو اس دقیق فرق اور حد کی تمیز ہو کہ جو ان دونوں کے درمیان ہوتی ہے کیونکہ بہت سے مواقع

پر ایک معاملہ واجب اہم اور حرام موکد میں دائر ہوتا ہے۔

جس طرح اس کام کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کرنا مضر ہے جو تقویٰ و پرہیز گاری نہیں رکھتا اور نہ کسی چیز کو اپنے اوپر لازم قرار دیتا ہے کہ یہ باتیں لوگوں کے اندرونی معاملات اور ان کے اسرار سے تعلق رکھتی ہیں، اسی طرح ایسے آدمی کا انتخاب بھی نقصان دہ ہے جو مختلف موارد میں تشخیص و تمیز نہ کر سکتا ہو کہ جن کا جاننا اور ان میں تحقیق کرنا واجب ہے اور وہ شخصی موارد جن میں دخل دینا حرام قرار دیا گیا ہے یا ایسا آدمی جس پر وقتی جذبات و احساسات غالب آجاتے ہوں، پس وہ لوگوں سے تنگی اور ترشروئی کے ساتھ ملتا ہے اور ان سے بے جا تکرار کرتا ہے جس سے ان کے دلوں میں لازماً بغض و عداوت اور دشمنی و مخالفت پیدا ہوتی ہے۔

جو شخص تحقیق حال اور خبریں جمع کرنے کے کام پر مامور ہو اگر وہ عقلمند، روشن دماغ، بردبار اور نرم مزاج ہو لوگوں کے ساتھ نرمی و ملائمت کرتا ہو اور اپنے اہم عہدہ کے حدود سے واقف ہو تو لوگ اس کے کام میں اس کی مدد کریں گے اور اکثر لوگ اس کے معاون بن جائیں گے جو امن عامہ کی راہ ہموار کرنے والے ہوں گے، اس سے حکومت اور قوم میں ہم آہنگی پیدا ہوگی اور وہ تمام مراحل میں ایک دوسرے کے دست و بازو بن جائیں گے، پس غور کریں اور اسے یاد رکھیں۔

استخبارات، لوگوں کے بارے میں خبریں معلوم کرنے کے وجوب اور اجمالی طور پر اس کی ضرورت پر ان خاص روایات کے علاوہ جو تفصیل کے ساتھ ذکر ہوں گی، یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے نظام اور ان کے وجود کی حفاظت دشمنوں کی نگرانی اور ان سے خبردار رہنے، ان کی گھاتوں سے بچنے، ان کی طرف سے ہونے والی سازشوں کا علم رکھنے پر موقوف ہے، چونکہ نظام کی حفاظت ان امور میں زیادہ اہم ہے جن کا شریعت نے اہتمام کیا ہے اور اسے حکومت اور ملت پر واجب قرار دیا ہے، پس لازم ہے کہ اس کے مقدمات بھی عقل و فطرت کے حکم کے تحت واجب ہوں، جبکہ نظام کی حفاظت کا وجوب علاوہ ازیں کہ نہایت ضروری ہے بہت سے اخبار و روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن میں سے اکثر گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہیں، یہاں ہم ان میں سے بعض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۱۔ نہج البلاغہ میں ہے: جہاں تک ان لوگوں کے میری خلافت سے ناخوش ہونے کا تعلق ہے تو اس پر یہ آپس میں متفق ہو چکے ہیں اور جب تک مجھے تمہاری پراگندگی کا اندیشہ نہیں ہو گا میں بھی صبر کئے رہوں گا، لیکن اپنی رائے کی کمزوری کے باوجود اگر وہ کامیاب ہو گئے تو مسلمانوں کا نظام (اور اتحاد) ٹوٹ جائے گا۔ (۳۲)

یہ امیر المومنینؑ نے اصحاب جمل کے بصرہ کی طرف جانے کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

۲۔ نیز اسی کتاب میں عمر بن خطاب سے آپ کے کلام میں ہے جب انہوں نے جنگ فارس میں شریک ہونے کے لئے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا: امور (سلطنت) میں حاکم کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو منکوں میں ڈوری کی ہے جو انہیں سمیٹ کر رکھتی ہے، جب ڈوری ٹوٹ جائے تو سب منکے بکھر جائیں گے اور پھر کبھی سمٹ نہ سکیں گے۔ (۳۳)

۳۔ نیز اسی کتاب میں ہے: خداوند عالم نے ایمان کا فریضہ عائد کیا شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے کے لئے ...... اور امامت کو امت کا نظام درست رکھنے کے لئے اور اطاعت کو امامت کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے قرار دیا۔ (۳۴)

بعض نسخوں میں اس حدیث کے اختلاف کی تشریح وجوب امامت کی ساتویں دلیل میں اس کتاب (کی جلد اول) کے تیسرے باب میں گزر چکی ہے، مراجعہ کریں

۴۔ اصول کافی میں امام علی رضاؑ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے: امامت دین کی زمام و مہار ہے، مسلمانوں کا نظام و رشتہ ہے، دنیا کی اصلاح و درستگی اور مومنین کی عزت و وقار ہے۔ (۳۵)

۵۔ کشف الغمہ میں سیدہ زہراؑ کے خطبہ میں ہے: ہماری اطاعت ملت کا نظام ہے اور ہماری امامت ان کے افتراق و پراگندگی میں اصلاح و اجتماع ہے۔ (۳۶)

۶۔ امالی مفید میں ان کی سند کے ساتھ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: اس کی بات سنو اور اطاعت کرو جسے خدا نے والی امر مقرر کیا ہے کیونکہ وہ اسلام کا نظام ہے۔ (۳۷)

۷۔ صحیحہ یونس میں ہے کہ جو شخص حکومت کی طرف سے ہتھیار لے کر سرحدوں پر جائے، راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علی رضاؑ سے عرض کیا: پس اگر دشمن اس جگہ پر آجائے جہاں وہ شخص پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: بیضہ اسلام کے لئے جنگ کرے، اس نے کہا: جہاد کرے؟ فرمایا: نہیں مگر یہ کہ دار المسلمین کو خطرہ ہو، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر روم کا لشکر مسلمانوں کے علاقے میں داخل ہو جائے تو انہیں اس کو روکنا نہیں چاہئے؟ فرمایا: وہ سرحدوں کی حفاظت کے لئے سرحد پر رہے لیکن جنگ نہ کرے اور اگر بیضہ اسلام و مسلمین کے لئے اسے خوف ہو تو جنگ کرے، اس کی یہ جنگ اپنے لئے ہوگی نہ کہ بادشاہ کے لئے ہوگی کیونکہ اسلام کے مٹ جانے سے محمدؐ کا ذکر مٹ جائے گا...... (۳۸)

ان کے علاوہ اور اخبار بھی ہیں کہ جن سے حفظ نظام کا وجوب معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ وہ اسلام کے اہم فرائض میں سے ہے، لہٰذا اس کے مقدمات فراہم کرنا واجب ہے اور ان میں سے ایک دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر اور ان کے حالات کی جاسوسی کرنا ہے۔

تیسری جہت۔ خبریں معلوم کرنے کے شعبے، اس عمل کے مقاصد اور اس کے لئے وارد شدہ اخبار۔

پس ہم کہتے ہیں کہ اس کے چار شعبے ہیں۔

۱۔ عمال اور کارگزاروں پر نظر رکھنا کہ آیا وہ دفتری ذمہ داریاں صداقت و امانت سے نبھاتے ہیں یا نہیں؟ وہ لوگوں سے کس طرح معاملہ کرتے ہیں اور بیت المال میں کس طرح تصرف کرتے ہیں؟

۲۔ دشمنوں کی طرف سے فوجی نقل و حرکت پر نظر رکھنا۔

۳۔ مخالفوں، جاسوسوں، اہل نفاق اور داخلی خفیہ جماعتوں پر نظر رکھنا کہ جو ملت کی دشمن ہیں۔

۴۔ قوم و ملت پر نظر، لوگوں کی حاجات و ضروریات اور ان کی بعض شکایات نیز ان کے اور مرکزی حکومت کے درمیان ارتباط پر نظر رکھنا۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ بعض افسر اور کارگزار مذکورہ بالا تمام شعبوں یا ایک سے زیادہ شعبوں میں کام

کرتے ہیں، لیکن ہمارا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک اہم شعبہ ہے کہ جس سے خاص غرض وغایت پوری ہوتی ہے۔

پس ہم چار فصلوں میں ان شعبوں کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلی فصل

افسران اور عملہ پر نظر رکھنے کا بیان۔

مخفی نہیں کہ صرف وزیروں، گورنروں، انتظامی افسروں اور فوجی کمانڈروں کو مقرر کرنا اور ذمہ داری ان کے سپرد کر دینا ملک کو منظم رکھنے اور قوم وملت کے معاملات کی تدبیر کے لئے اس طرح کافی نہیں کہ جس سے عقل و شریعت راضی ہوں بلکہ ضروری ہے کہ ان میں مطلوبہ شرائط اور خاص اہلیت کے حامل افراد کو لیا جائے، پس ایک شخص مقرر کیا جائے جو ان حکام کے اعمال و افعال اور ان کے پاس آنے والے عام لوگوں کے ساتھ ان کے برتاؤ پر نظر رکھے خصوصاً ان افسران اور کارگزاروں کے حالات کی جستجو کرے جو صدر مقام سے دور دراز کے علاقوں میں متعین ہیں کیونکہ نفس انسانی برائی پر ابھارتا ہے اور بعض نفوس پر لالچ کا غلبہ ہوتا ہے نیز انسان خطاء و نسیان میں مبتلا ہو جاتا ہے قوی و طاقتور لوگوں کے مزاج میں خود نمائی اور خودرائی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ غریب آدمیوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں اور ان کی پروا نہیں کرتے، لہٰذا ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا اور ان کے حالات کی جستجو کرنا ضروری ہے اور اس کے لئے جاسوس بھیجنا چاہئیں جو ان کی نگرانی کریں جیسا کہ حضرت رسولؐ اور امیر المومنینؑ کیا کرتے تھے۔

۱۔ قرب الاسناد میں ریان بن صلت سے روایت ہے کہ میں نے امام علی رضاؑ کو یہ کہتے سنا: حضرت رسولؐ جب کوئی لشکر بھیجتے تو ایک امیر ان کی قیادت کرتا اور اس کے ساتھ آپ اپنے معتبر افراد میں سے کسی کو بھیج دیتے جو آنحضرتؐ کے لئے اس کے حالات کی تلاش و جستجو کرتا تھا۔ (۳۹)

۲۔ نہج البلاغہ میں مالک اشتر کے نام امیر المومنینؑ کے مکتوب میں عمال و کارگزاروں کے ذکر کے بعد ہے کہ اچھے گھرانوں کے افراد میں سے حیادار اور تجربہ کار اشخاص کا انتخاب کرو جو اسلام میں کوئی مقدم حیثیت رکھتے ہوں، نیز فرمایا: پھر ان کے کاموں کو دیکھتے بھالتے رہنا اور وفادار مخبروں کو ان پر لگا دینا کیونکہ خفیہ طریقے سے ان کے امور کی نگرانی انہیں امانتداری اختیار کرنے اور رعیت کے ساتھ نرمی برتنے کا باعث ہوگی، خیانت کار مددگاروں سے اپنا بچاؤ کرتے رہنا ___ اگر ان میں سے کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور جاسوسوں کی متفقہ اطلاعات تم تک پہنچ جائیں تو بس اسے شہادت کے لئے کافی تصور کرنا اور اس کو جسمانی سزا دینا، اس نے اپنے عہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو کچھ سمیٹا ہے وہ اس سے واپس لینا اور اسے ذلت کی منزل پر کھڑا کرنا اور اسے خیانت کی رسوائیوں کے ساتھ مشہور کرنا اور ننگ و عار کا طوق اس کے گلے میں ڈال دینا۔ (۴۰)

تحف العقول اور دعائم الاسلام میں بھی اسی طرح روایت ہوئی ہے۔ (۴۱)

پس امیر المومنینؑ نے اس پر اکتفاء نہیں کیا کہ اسلام میں تقدم رکھنے والے گھرانوں سے اہل تجربہ و اہل حیاء افسران و

عمال کا انتخاب کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ واجب قرار دیا ہے کہ ان کے پیچھے جاسوس بھیجے جائیں جو صدق و صفا میں اس حد تک پہنچے ہوئے ہوں کہ ان پر اعتماد کیا جائے کہ عمال کی خیانت کے سلسلے میں ان کی اطلاعوں کو کافی سمجھا جائے، آپ نے خائن کی سزا اور اس کی تذلیل کو جائز قرار دیا تاکہ ہر وہ شخص اس سے عبرت حاصل کرے جو یہ سنے اور کوئی بھی خیانت کے نزدیک نہ جائے، پس یہ وہ چیز ہے جو ملک اور حکومت کی بنیاد کو مستحکم کرتی اور قوم کے حکومت کی طرف جھکاؤ کا سبب بنتی ہے کہ جس سے قوم حکومت کی حمایت کرنے لگتی ہے، لیکن وہ چیز اس کا باعث نہیں بن سکتی کہ جس کے بارے میں تو ہم کیا جاتا ہے کہ عہدیداروں کی خیانتوں اور کوتاہیوں سے چشم پوشی حکومت کے لئے تعاون و حمایت حاصل ہونے کا موجب ہے۔

۳۔ تحف العقول میں مالک اشتر کے نام اسی عہد نامے میں افواج اور ان کے سالاروں کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا: پھر اس چیز کو ترک نہ کر کہ ان پر تیرے حق اور سچ بات کہنے والے جاسوس ہوں جو ہر شخص کے کارنامے کو اسی کے لئے ثابت کریں تاکہ انہیں یقین ہو کہ تم ان کے کارناموں کو جانتے ہو، پھر ان میں سے جس نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے اس کو اس خدمت کے حوالے سے پہچانتے رہنا۔ (۴۲)

یہ روایت دعائم میں بھی اسی طرح آئی ہے، مراجعہ کریں۔ (۴۳)

میں کہتا ہوں ــــ تحف العقول و دعائم الاسلام میں لازماً نقل بالمعنی سے کام لیا گیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ عمال کی نگرانی کے لئے ان پر جاسوس مقرر کرنے کو اہمیت دے رہے ہیں اور مالک اشتر کو بھی اس کا حکم دیتے ہیں تو ضرور ہے کہ آپ خود بھی اس طریقے سے عمال کی دیکھ بھال کرتے ہوں گے، شائد وہ اسی کی دلالت کرتا ہے جو عمال کے نام آپ کے خطوط میں وارد ہوا ہے کہ ان کے بارے میں خبریں آپ تک پہنچی ہیں حالانکہ ان شہروں اور علاقوں کا فاصلہ آپ کے دارالحکومت سے بہت زیادہ تھا، جبکہ ہمارے زمانے کے ذرائع ابلاغ و اطلاع ان ادوار میں نہیں پائے جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کے پاس عمال کے چھوٹے چھوٹے افعال کی خبریں پہنچتی تھیں مثلاً کسی کا ایک ضیافت میں شریک ہونا ــــ پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جاسوس مقرر کرتے تھے جو ان کے اعمال پر نظر رکھتے تھے اور آپ ان کی بھیجی ہوئی خبروں پر خاص توجہ فرماتے اور پھر فوری باز پرس کرتے تھے۔

۱۔ عثمان بن حنیف جو آپ کی طرف سے بصرہ میں گورنر تھے، ان کے نام آپ کے خط میں ہے: امابعد، اے ابن حنیف! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بصرہ کے جوانوں میں سے ایک نے تمہیں کھانے پر بلایا اور تم لپک کر پہنچ گئے جہاں تمہارے لئے رنگا رنگ کے کھانے چن چن کر لائے جا رہے تھے اور بڑے بڑے قاب اور پیالے تمہاری طرف بڑھائے جا رہے تھے، مجھے امید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کر لو گے کہ جن کے یہاں سے فقیر و نادار افراد دھتکارے گئے ہوں اور دولت مند لوگوں کو بلایا گیا ہو۔ (۴۴)

۲۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ابن عباس کے نام آپ کے خط میں ہے: امابعد، مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے امر کی اطلاع ملی ہے کہ اگر تم اس کے مرتکب ہوئے ہو تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کیا، اپنے امام کی نافرمانی کی اور اپنی امانتداری کو بٹہ لگایا ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے (بیت المال کی) زمین کو صفاچٹ کر دیا ہے، جو کچھ تمہارے پاؤں تلے تھا اس پر قبضہ جمالیا

ہے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ میں تھا اسے نوش جان کر لیا ہے، پس تم ذرا اپنا حساب مجھ کو بھیج دو۔ (۴۵)

۳۔ مصقلہ بن ہبیرہ جو اردشیر خرہ میں آپ کا عامل تھا، اس کے نام آپ کے خط میں ہے. مجھے تمہارے متعلق ایک ایسے امر کی خبر ملی ہے جو اگر تم نے کیا ہے تو اپنے خدا کو ناراض کیا اور اپنے امام کو بھی غضبناک کیا ــــ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس مال غنیمت کو جسے ان کے نیزوں (کی انیوں) اور گھوڑوں (کی ٹاپوں) نے جمع کیا ہے اور جس پر ان کے خون بہائے گئے تھے، وہ تم اپنے قبیلے کے ان بدوؤں میں بانٹ رہے ہو جو تمہارے ہوا خواہ ہیں۔ (۴۶)

۴۔ زیاد بن ابیہ کی طرف آپ کا خط ۔ جب زیاد کو معاویہ نے خط لکھا ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے. مجھے معلوم ہوا ہے کہ معاویہ نے تجھے خط لکھ کر تمہاری عقل کو پھسلانا اور تمہاری دھار کو کند کرنا چاہا ہے، تم اس سے ہوشیار رہو کہ وہ شیطان ہے جو مومن کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں جانب سے آتا ہے تاکہ اسے غافل پا کر اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کی عقل پر چھاپہ مارے۔ (۴۷)

۵۔ ابو موسیٰ اشعری جو امیرالمومنینؑ کی طرف سے عامل کوفہ تھا، اس کے بارے میں آپ کو خبر ملی کہ جب آپ نے لوگوں کو جنگ کے سلسلے میں بلایا تو وہ انہیں روک رہا تھا، اس کی طرف آپ کے خط میں ہے: مجھے تمہاری طرف سے ایسی بات کی خبر ملی ہے جو تمہارے حق میں بھی ہو سکتی ہے اور تمہارے خلاف بھی پڑ سکتی ہے۔ (۴۸)

۶۔ منذر بن جارود عبدی کے نام آپ کے خط میں ہے. تمہارے باپ کی سلامت روی نے مجھے تمہارے بارے میں دھوکہ دیا ہے، میں یہ خیال کرتا تھا کہ تم بھی اسی کی روش کی پیروی کرتے اور اسی کی راہ پر چلتے ہوگے، مگر اچانک مجھے تمہارے متعلق ایسی اطلاعات ملی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم اپنی نفسانی خواہش سے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ (۴۹)

۷۔ محمد بن ابی بکر کے نام آپ کے خط میں ہے کہ جو مصر میں آپ کے گورنر تھے. امابعد، اشتر کو تمہارے عہدے اور ذمہ داری پر بھیجنے پر مجھے تمہاری ناگواری کی خبر پہنچی ہے۔ (۵۰)

۸۔ زیاد جب بصرہ میں آپ کے عامل ابن عباس کا نائب تھا تو اس کے نام آپ کے خط میں ہے: میں اللہ تعالیٰ کی سچی قسم کھاتا ہوں کہ اگر مجھے پتہ چل گیا کہ تم نے مسلمانوں کے مال میں خیانت کی اور کسی چھوٹی بڑی چیز میں ہیر پھیر کیا ہے تو یاد رکھو کہ میں ایسی مار ماروں گا جو تمہیں بوجھل پیٹھ والا تہی دست اور بے آبرو کر کے چھوڑے گی۔ (۵۱)

ان کے علاوہ بھی ایسے موارد ہیں کہ ایک تحقیق کرنے والا ان پر مطلع ہو سکتا ہے، اسے یاد رکھیں۔

کتاب الخراج جو ابو یوسف نے خلیفہ ہارون کے لئے لکھی، اس میں ہے: ابو یوسف نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ اہل صلاح و عفاف میں سے کچھ افراد کو بھیجیں جن کی امانت و دیانت پر آپ کو یقین ہو، پس وہ عمال و حکام جو شہروں میں مامور ہیں اور خراج وصول کرتے ہیں، وہ جا کر ان سے باز پرس کریں کہ اہل خراج پر کیا کچھ عائد اور مقرر کیا گیا ہے اور وہ اسے کس طرح سے وصول کرتے ہیں۔

اگر آپ نے ان عمال میں سے کسی ایک کو سخت سزا دی تو دوسرا اس سے خوف کھائے گا اور غلط روی سے باز آجائے گا، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو وہ اہل خراج پر زیادتی کریں گے، ان پر ظلم کرنے کی جرأت کریں گے، ان کے ساتھ برا برتاؤ کریں گے

اور ان سے وہ بھی وصول کریں گے جو ان پر واجب نہیں ہے، جب آپ کو کسی والی و عامل کی طرف سے زیادتی کئے جانے، ظلم اور بے قاعدگی کرنے، آپ کی رعیت کے ساتھ خیانت کرنے، مال فئ میں سے کسی چیز کو روک رکھنے یا اسے ناجائز طریقے سے کھانے یا اس کی عام بری روش کے بارے اطلاع مل جائے تو ایسے شخص کو عامل بنائے رکھنا، اس سے مدد لینا اور رعیت کے امور میں اسے کوئی ذمہ داری سپرد کرنا آپ کے لئے حرام ہے۔ (۵۲)

نیز اسی کتاب میں ہے، بعض علماء کوفہ نے مجھ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ ؑ نے اپنے عامل کعب بن مالک کو لکھا۔ امابعد، اپنے فرائض میں کسی کو اپنا نائب بناؤ اور تم اپنے ساتھیوں کے ایک گروہ کے ساتھ نکلو یہاں تک کہ تم ایک علاقے کی آبادیوں سے گزرو اور ان لوگوں سے ان کے عاملوں کے بارے میں سوال کرو اور ان کے چلن کے بارے میں معلومات حاصل کرو، اسی طرح ان لوگوں کی طرف بھی نکلو جو دجلہ و فرات کے درمیان رہتے ہیں...... (۵۳)

دوسری فصل

بیرونی حکومتوں کی فوجی نقل و حرکت پر نظر رکھنا۔

مخفی نہیں کہ دشمن کی فوجی نقل و حرکت اور دوسری سازشوں کے مواقع کی نگرانی کرنا، ان کی فوجی تیاری اور اقتصادی رازوں کو جاننا اس کے خلاف مدد لینے اور فتح حاصل کرنے کے اہم اسباب ہیں۔

تلاش و تجسس کے طریقے اور فریق مخالف کی قوت کے وسائل معلوم کرنے کے ذرائع میں سے وہ علوم ہیں جو موجودہ دور میں یونیورسٹیوں میں طلباء کو پڑھائے جاتے ہیں۔ اور بطور تخصص ان کو تربیت دی جاتی ہے، کیونکہ دشمن پر برتری حاصل کرنا اور اس کے خلاف کامیابی حاصل کرنا اس کی قوت اور اس کے وسائل سے مطلع ہونے کے مرہون منت ہیں، خدا اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ امور اپنے اسباب کے بغیر جاری ہوں نیز نپولین سے حکایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا، ایک روشن فکر اور حاضر دماغ جاسوس جو خبریں بہم پہنچائے وہ میدان جنگ میں لڑنے والے ہزار سپاہیوں سے بہتر ہے۔

پس حکومت اسلامی کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک اور حکومت کی تقویت کے سلسلے میں اس اہم اور زندہ مسئلہ کی طرف توجہ کرے اور اسے اہمیت دے، جیسا کہ نبی اکرمؐ اور امیر المومنینؑ اپنے غزوات اور جنگوں میں اس معاملے کو اہمیت دیتے تھے۔

اگر اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے سوا کچھ اور نہ ہوتا تو یہی ہمارے لئے کافی تھا اور وہ یہ ہے:

واعدو لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم - (۵٤)

"اور (مسلمانو) ان کفار کے (مقابلہ کے) واسطے جہاں تک تم سے ہوسکے (اپنے بازو کے) زور سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے (لڑائی کا) سامان مہیا کرو اس سے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن پر دھاک بٹھالو۔"

یہ آیت اس عمل کے شرعی ہونے اور اس کے لئے اہتمام کے وجوب پر دلالت کرنے میں کفایت کرتی ہے، ایسا کیوں نہ

ہو؟ جب کہ نبی کریمؐ اور امیر المومنینؑ کا اپنی جنگوں میں اس پر عمل ان روایات سے معلوم ہوتا ہے جو قریب تواتر ہیں اور اس پر اجمالی طور پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ امر بڑا اہم ہے، ان اخبار میں سے ہر ایک کی سند کی صحت کا ثابت نہ ہونا ہمارے لئے مضر نہیں ہے کیونکہ ہمیں اجمالی طور پر یہ علم ویقین حاصل ہے کہ ان میں سے بعض بہرحال ثابت ہیں۔

۱۔ سیرت ابن ہشام میں سریہ عبداللہ بن جحش کے بیان میں ہے: حضرت رسولؐ نے عبداللہ بن جحش کو بھیجا...... اور اس کے ساتھ مہاجرین کے آٹھ قبیلوں کے لوگ بھیجے کہ ان میں کوئی انصاری شامل نہ تھا، آپ نے اسے ایک تحریر لکھ دی اور ہدایت کی کہ اس کو کھول کر نہ دیکھے جب تک دو دن کا سفر طے نہ کرلے، پھر اسے دیکھے اور میں نے اس تحریر میں جو حکم دیا ہے اسی طرح کر گزرے لیکن اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرے...... پس جب عبداللہ دو دن کا سفر کرچکا تو اس نے وہ تحریر کھولی تو اس میں لکھا پایا: جب تم میرا یہ خط پڑھو تو چل پڑو اور مکہ وطائف کے درمیانی نخلستان میں جا اترو، پس وہاں قریش کی جستجو میں رہو اور ہمارے لئے ان کی خبریں معلوم کرو، چنانچہ جب اس نے خط کو دیکھا تو کہا "سنا اور اطاعت کی" اور اپنے ساتھیوں سے کہا: مجھے نبی اکرمؐ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں کھجوروں کے باغ کی طرف جاؤں اور وہاں قریش کی ٹوہ لگاؤں یہاں تک کہ آپ کے لئے ان کی خبریں لے کر آؤں...... (۵۵)

۲۔ واقدی کی کتاب المغازی میں غزوہ بدر الکبریٰ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے: (مؤرخین نے) کہا ہے کہ جب رسول کریمؐ نے سمجھا کہ شام کے کارواں کی واپسی کا موقع آگیا ہے تو اپنے اصحاب کو اس کارواں کے سلسلے میں بلایا، پھر اپنے خروج سے دس راتیں پہلے طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید کو بھیجا تاکہ اس کارواں کی جستجو کریں ـــــ وہ کشد جہنی کے ہاں مقام نخبار میں اترے، اس نے انہیں اپنا مہمان رکھا اور وہ اس کے پاس ایک خیمہ میں مقیم رہے یہاں تک کہ وہ کارواں وہاں سے گزرا اور انہوں نے کارواں اور ان کے سازو سامان کو دیکھا جو وہ لئے جارہے تھے، کارواں والوں نے کشد سے کہا کہ آیا تونے محمدؐ کے جاسوسوں میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور نخبار میں محمدؐ کے جاسوس کیونکر آسکتے ہیں؟ جب وہ کارواں وہاں سے گزر گیا تو یہ دونوں سوگئے اور صبح ہوئی تو وہ نکلے اور کشد بھی ان کا محافظ بن کر ساتھ چلا، جب شام ہوئی تو وہ مقام تربان میں نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کشد بھی آگیا، پھر طلحہ اور سعید نے آپ کو بتایا کہ اس نے ہمیں پناہ دی تھی، پس حضرت رسولؐ نے کشد کو درازی عمر کی دعا دی...... (۵۶)

۳۔ سیرت ابن ہشام میں بھی غزوہ بدر کا بیان ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے: رسول کریمؐ نے مقام ذفران سے کوچ کیا اور بدر کے قریب پڑاؤ ڈالا، پس آپ خود اور اصحاب میں سے ایک شخص سوار ہوا یہاں تک کہ ایک بوڑھے عرب کے پاس رکے۔ اس سے قریش اور محمدؐ کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں اسے کیا خبریں پہنچی ہیں، اس کے بعد آپ اپنے اصحاب کے پاس پلٹ آئے اور جب شام ہوئی تو علی بن ابی طالبؑ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص کو اپنے چند اصحاب کے ساتھ بدر کے کنوئیں کی طرف بھیجا تاکہ وہاں سے آپ کے لئے اطلاعات اور خبریں لے کر آئیں، وہ وہاں گئے تو انہیں قریش کے ماشکی مل گئے جن میں بنی حجاج کا غلام اسلم اور بنی العاص کا غلام عریض ــ ابو یسار تھے، وہ ان کو لے کر آئے اور ان دونوں سے پوچھ گچھ کرنے لگے جبکہ حضرت رسولؐ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے بتایا کہ ہم قریش کے ماشکی ہیں اور انہوں نے ہمیں بھیجا

تاکہ ان کے لئے پانی لے جائیں، لیکن ان لوگوں نے ان کی اس بات کو قبول نہ کیا اور تصور کیا کہ یہ دونوں ابو سفیان کے ساتھی ہیں، پس وہ انہیں مارنے پیٹنے لگے اور جب انہیں بہت تنگی دی اور ان پر سختی کی تو وہ کہنے لگے کہ ہم ابو سفیان کے ساتھی ہیں. اس پر انہوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ نبی کریمؐ نے رکوع کیا، دونوں سجدے کئے پھر سلام پڑھا اور فرمایا: جب انہوں نے تم سے سچی بات کہی تو تم انہیں مارنے لگے اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو ان کو چھوڑ دیا___ بخدا کہ انہوں نے یہ سچ کہا کہ وہ قریش کے ماشکی ہیں! پھر فرمایا! تم دونوں مجھے قریش کے بارے میں بتاؤ، انہوں نے کہا خدا کی قسم کہ وہ اس ٹیلے کے پیچھے ہیں! آپ نے پوچھا کہ اس گروہ کی تعداد کیا ہے؟ وہ کہنے لگے ان کی تعداد بہت ہے. فرمایا کہ ان کی تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں نہیں معلوم، آپ نے فرمایا: وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ کسی دن نو اور کسی دن دس، اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ گروہ نو سو سے ایک ہزار افراد تک ہے. پھر ان دونوں سے پوچھا: ان میں اشراف قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے کہا عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام ...... تب آپ نے لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا: یہی مکہ ہے جس نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں۔ (۵۷)

۴۔ صحیح مسلم میں اس کی سند کے ساتھ انس بن مالک سے مروی ہے: نبی کریمؐ نے بسبس کو جاسوس بنا کر بھیجا تاکہ وہ دیکھے کہ ابو سفیان کے کارواں کا کیا بنا۔ (۵۸)

بیہقی نے اس کی روایت مسلم سے کی اور ابو داؤد نے سنن میں اپنی سند کے ساتھ انس سے روایت کی ہے۔ (۵۹)

سیرت ابن ہشام میں بھی اس طرح روایت ہوئی ہے: یہاں تک کہ آنحضرتؐ صفراء کے قریب ہوئے تو آپ نے بسبس بن عمرو جہنی حلیف بنی ساعدہ اور عدی بن ابو زغباء جہنی حلیف بنی نجار کو بدر کی طرف بھیجا تاکہ وہ آپ کے لئے ابو سفیان بن حرب وغیرہ کی خبروں کی ٹوہ لگائیں۔ (۶۰)

یہاں تک کہ کہا: بسبس بن عمرو اور عدی بن ابو زغباء چلے اور بدر میں جا ٹھہرے. انہوں نے اپنے اونٹ پانی کے قریب ایک ٹیلے کے پاس بٹھائے، پھر انہوں نے اپنی مشک نکالی اور اس میں پانی بھرنے لگے جب کہ مجدی بن عمرو جہنی کنوئیں پر تھا. پس عدی اور بسبس نے وہاں دو لڑکیوں کی بات سنی جو ایک دوسری سے الجھ رہی تھیں اور جس کے ذمے دوسری کا مال تھا وہ اس سے کہہ رہی تھی کہ کل یا پرسوں یہاں کارواں آنے والا ہے. میں ان کا کام کروں گی اور تیرا قرض ادا کر دوں گی. مجدی نے کہا یہ سچ کہتی ہے اور انہیں ایک دوسری سے جدا کرا دیا. پس یہ بات عدی اور بسبس نے سن لی اور وہ اپنے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر چل پڑے یہاں تک کہ حضرت رسولؐ کی خدمت میں آپہنچے اور جو کچھ سنا تھا اس کی خبر آپ کو دے دی۔ (۶۱)

۵۔ التراتیب الادار یہ میں ہے: طبقات ابن سعد میں ابو تمیم اسلمی کے حالات میں ہے کہ اس نے اپنے غلام مسعود بن ہنیدہ کو مقام عرج سے پاپیادہ حضرت رسولؐ کے پاس قریش کے آپ کی طرف آنے اور جو ساز و سامان ان کے ساتھ تھا نیز ان کے لشکر کی تعداد اور ہتھیاروں کی خبر دینے کو بھیجا جب قریش جنگ احد کے لئے آرہے تھے۔ (۶۲)

میں کہتا ہوں ...... آنحضرتؐ دشمن کے اخبار و حالات کی جستجو کرنے کے طریقے پر کار بند تھے اور صدر اسلام میں ایسے

بہت سے نظائر موجود ہیں۔

۶۔ واقدی کی المغازی میں جنگ احد کے حالات میں ہے: نبی کریمؐ نے فضالہ کے دو بیٹوں انس اور مونس کو جمعرات کی شب کو بطور جاسوس بھیجا۔ پس وہ وادی عقیق میں قریش سے جاملے اور ان کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے وطاء میں پڑاؤ ڈالا۔ تب یہ دونوں آنحضرتؐ کے پاس آگئے اور آپ کو خبر دی۔ (۶۳)

۷۔ نیز اسی کتاب میں غزوہ احد کے سلسلے میں ہے: پس جب وہ اترے اور گرہیں کھول کر اطمینان کی سانس لی تو آنحضرتؐ نے حباب بن منذر بن جموح کو اس گروہ کی طرف بھیجا۔ پس وہ ان میں جاملا اور جائزہ لینے لگا ۔۔۔ اس نے ان تمام چیزوں کو دیکھا بھالا کہ جو آنحضرتؐ چاہتے تھے۔ آپ نے اسے پوشیدہ طور پر بھیجا تھا اور اسے کہہ دیا تھا کہ واپس آکر مسلمانوں میں کوئی خبر نہ دینا مگر یہ کہ تم اس گروہ میں قلت و کمی دیکھو۔ پس وہ پلٹ کر آیا اور آنحضرتؐ کو تنہائی میں سارا حال بتایا۔ (۶۴)

۸۔ سیرت ابن ہشام میں غزوہ احد کے سلسلے میں ہے جبکہ قریش چلے گئے تھے: پس حضرت رسولؐ نے علی بن ابی طالبؑ کو بھیجا اور فرمایا کہ اس گروہ کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں اور ان کا کیا ارادہ ہے۔ پس اگر وہ گھوڑوں کو الگ کئے ہوئے اونٹوں پر سوار ہوں تو ان کا ارادہ مکہ جانے کا ہے اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو ساتھ لے جا رہے ہوں تو ان کا ارادہ مدینہ جانے کا ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ کا قصد کیا تو میں وہاں ان کی طرف ضرور جاؤں گا اور ان سے مقابلہ کروں گا۔ حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نکلا تاکہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ گھوڑے الگ کئے ہوئے اپنے اونٹوں پر سوار تھے اور ان کا رخ مکہ کی طرف تھا۔ (۶۵)

۹۔ طبقات ابن سعد میں ہی جنگ احد کے بارے میں ہے: عباس بن عبدالمطلب نے ان کے تمام حالات حضرت رسولؐ کو لکھ بھیجے تھے۔ پس سعد بن ربیع نے آنحضرتؐ کو عباس کے خط کا حال بتایا۔ (۶۶)

۱۰۔ التراتیب الادار یہ میں استیعاب سے آنحضرتؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب کے واقعات میں ہے کہ وہ فتح خیبر سے پہلے اسلام لاچکے تھے لیکن وہ اسے چھپائے ہوئے تھے اور آنحضرتؐ کی طرف قریش کی خبریں لکھا کرتے تھے۔ پس آپ نے انہیں تحریر کیا کہ تمہارا مکہ میں رہنا بہت مناسب ہے۔ (۶۷)

۱۱۔ سیرت ابن ہشام میں جنگ خندق کے واقعات میں ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے: پھر نعیم بن مسعود آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا۔ یارسول اللہؐ! یقیناً میں اسلام لاچکا ہوں لیکن میری قوم کو اس کا علم نہیں ہے لہٰذا آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ تب آپ نے فرمایا! پس تم ہمارے ہی ایک فرد ہو۔ ہاں ان کو ہم سے ہزیمت دلاؤ کیونکہ جنگ حیلہ و بہانہ ہے ۔۔۔ پس نعیم بن مسعود نکلا اور بنی قریظہ کے پاس آیا اور زمانہ جاہلیت میں وہ ان کا ہم نوالہ و ہم پیالہ تھا۔ اس نے کہا اے بنی قریظہ تم اپنے سے میری محبت و مودت کو جانتے ہو اور اس خاص تعلق کو بھی جانتے ہو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ انہوں نے کہا تم سچ کہتے ہو اور تم ہمارے نزدیک متہم نہیں ہو۔ اب اس نے ان لوگوں سے کہا کہ قریش اور غطفان تمہاری طرح نہیں ہیں کیونکہ تمہارا شہر یہی ہے کہ جس میں تمہارا مال، تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں ہیں، تم اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ اس شہر سے

کہیں اور منتقل ہو جاؤ جب کہ قریش اور غطفان، محمدؐ سے جنگ کرنے آئے ہیں اور تم نے ان کی پشت پناہی کر رکھی ہے لیکن ان کا شہر، ان کے مال اور ان کی عورتیں دوسرے شہر میں ہیں اور وہ تم ایسے نہیں ہیں، پس اگر انہیں موقع ملا تو وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور اگر معاملہ دوسرا ہوا تو وہ اپنے شہروں اور علاقوں میں چلے جائیں گے اور تمہارے اور اس شخص (محمدؐ) کے درمیان راستہ چھوڑ دیں گے جب کہ تم اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے، لہٰذا تم اس گروہ کے ساتھ ہو کر جنگ نہ کرو جب تک ان کے اشراف میں سے کچھ افراد کو گرو نہ رکھ لو کہ جو تمہارے لئے ضمانت کا کام دیں اور وہ تمہارے ساتھ مل کر جنگ کریں یہاں تک کہ تم اس میں کامیاب ہو جاؤ ـــــ انہوں نے نعیم سے کہا کہ تم نے ہمیں اچھی رائے اور اچھا مشورہ دیا ہے۔

اس کے بعد وہ ان کے ہاں سے نکلا اور قریش کے پاس آگیا، پس ابو سفیان سے کہا. تمہیں اپنے سے میری مودت اور محمدؐ سے میری علیحدگی کا پتہ ہے، مجھے خبر ملی ہے کہ یہودی اس بات پر نادم ہوئے ہیں جو ان کے اور محمدؐ کے درمیان واقع ہو گئی ہے، اب انہوں نے اس کو پیغام بھیجا ہے کہ ہم اپنے کئے پر پشیمان ہیں ـــــ کیا آپ اس پر راضی ہیں کہ ہم قریش اور غطفان کے اشراف میں سے کچھ افراد ان سے لے کر آپ کے حوالے کر دیں تاکہ آپ ان کی گردنیں اڑا دیں اور پھر ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے، پھر وہ قبیلہ غطفان کی طرف گیا اور انہیں بھی وہی کچھ کہا جو قریش سے کہا تھا۔

پس جب ہفتہ کی رات آئی تو قریش اور غطفان کے سرداروں نے بنی قریظہ کو پیغام بھیجا کہ صبح کو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تاکہ ہم محمدؐ سے لڑیں، تب انہوں نے جوابی پیغام بھیجا کہ آج ہفتہ ہے اور اس روز ہم کوئی کام نہیں کرتے، اس کے ساتھ ساتھ یہ ہے کہ ہم تمہارے ہمدوش ہو کر محمدؐ سے جنگ کرنے کو تیار نہیں ہیں جب تک تم اپنے مردوں میں سے کچھ افراد کو بطور ضمانت ہمارے حوالے نہ کر دو جو ہمارے لئے وثیقہ ہوں۔

پھر جب قاصد بنی قریظہ کی کہی ہوئی بات لے کر آئے تو قریش و غطفان نے کہا کہ خدا کی قسم وہ بات صحیح ہے جو نعیم بن مسعود نے کی تھی اور انہوں نے بنی قریظہ کو پیغام بھیجا ـــــ بخدا ہم اپنے مردوں میں سے کسی کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے اور اگر جنگ کرنا چاہتے ہو تو نکل کر جنگ کرو، جب قاصد یہ پیغام لائے تو قریظہ نے کہا کہ جو کچھ نعیم نے تم سے کہا تھا وہ حق ہے، یہ قوم اس کے سوا کچھ نہیں چاہتی کہ جنگ کرے اور موقع پائے تو فائدہ حاصل کرے لیکن اگر معاملہ اس کے علاوہ ہو تو جلدی سے اپنے شہروں کو چلے جائیں اور تمہارے شہر میں اس شخص (محمدؐ) کے اور تمہارے درمیان راستہ خالی چھوڑ جائیں ـــــ پس اس طرح خدا نے ان گروہوں میں تفرقہ پیدا کر دیا اور پھر ان پر آندھی اور طوفان کو مسلط کر دیا۔ ...... (۶۸)

۱۲۔ نیز اسی کتاب میں غزوہ خندق کے بارے میں ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے: جب رسول اکرمؐ کو دشمنوں میں اس تفرقے کی اطلاع ملی جو خدا نے ان کے درمیان پیدا کر دیا تھا تو آپ نے حذیفہ بن یمان کو بلایا اور ان کو دشمن کی طرف بھیجا تاکہ دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ حذیفہ نے کہا ہے: حضرت رسولؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کون ایسا شخص ہے جو اٹھ کھڑا ہو اور ہمارے لئے یہ معلوم کرکے آئے کہ وہ قوم کیا کر رہی ہے؟ پس سخت خوف، بھوک اور سردی کے مارے ہمارے گروہ میں سے کوئی بھی نہ اٹھا اور جب کوئی نہ اٹھا تو آنحضرتؐ نے مجھے بلایا اور فرمایا: اے حذیفہ! جاؤ اور اس قوم میں

داخل ہو جاؤ، پھر دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں لیکن جب تک پلٹ کر ہمارے پاس نہ پہنچ جاؤ وہاں کوئی فعل انجام نہ دینا ـــ حذیفہ کہتے ہیں میں ان کے اندر داخل ہو گیا جب آندھی اور خدا کا لشکر ان کے ساتھ ایسا کر رہا تھا کہ نہ ان کی دیگ اپنی جگہ رہ سکتی تھی نہ آگ اور نہ کوئی خیمہ وغیرہ پس ابو سفیان اٹھا اور کہا. اے گروہ قریش! تم میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کو دیکھ لے ـــ حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا جو میرے پاس کھڑا تھا اور کہا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں فلاں بن فلاں ہوں. ابو سفیان نے پھر کہا. اے گروہ قریش! ہمارے گھوڑے گدھے خچر اور اونٹ ہلاک ہو گئے اور بنو قریظہ نے ہمارے ساتھ بد عہدی کی ہے، یہ آندھی جس میں ہم گھرے ہیں اسے تم دیکھ رہے ہو. پس میں یہاں سے کوچ کر رہا ہوں پھر وہ اپنے اونٹ کی طرف بڑھا اور اگر مجھ سے آنحضرتؐ نے عہد نہ لیا ہوتا کہ کوئی کام نہ کرنا یہاں تک کہ میرے پاس آ جاؤ تو میں اسے تیر سے قتل کر سکتا تھا. پس میں آنحضرتؐ کے پاس پلٹ آیا جب کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے اپنی کسی زوجہ کی اونی چادر اوڑھ رکھی تھی، پھر جب آپ نے مجھے دیکھا تو اپنے سامنے بٹھا کر چادر کا ایک کونا مجھ پر ڈال دیا اور پھر میں نے آپ کو ساری بات بتا دی۔ (۶۹)

۱۳۔ واقدی کی المغازی میں جنگ خندق کے بیان میں ہے: خوات بن جبیر نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے بلایا اور ہم وہ تھے جنہوں نے خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا، پس فرمایا کہ بنی قریظہ کے پاس جاکر دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں، جب تمہیں ان کی کوئی خامی اور نقص نظر آئے تو مجھے اس کی خبر دینا، وہ کہتا ہے میں سورج غروب ہونے کے وقت آپ کے پاس سے نکلا اور میں سلع پہاڑ کی دراڑ یا کڑوے درخت سے اترا تو سورج غروب کر گیا اس طویل حدیث کے آخر تک . پس مراجعہ کریں۔ (۷۰)

۱۴۔ واقدی کی المغازی میں دومتہ الجندل کی جنگ کے حالات میں ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے: نبی اکرمؐ کے حضور یہ ذکر آیا کہ بہت سے لوگ دومتہ الجندل میں جمع ہوئے ہیں اور وہ ہر اس مسافر پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں جو وہاں سے گزرتا ہے جب کہ وہاں ایک بڑا بازار اور اس میں تاجر ہیں، آپ نے لوگوں کو بلایا اور مسلمانوں میں سے ایک ہزار افراد کے ساتھ نکلے. پس آپ رات کو چلتے اور دن کو پوشیدہ ہو رہتے تھے. آپ کے ساتھ ایک رہبر تھا جو بنی عذرا میں سے تھا ـــ جب آپ دومتہ الجندل کے قریب پہنچے تو اس نے عرض کیا. یارسول اللہؐ! ان کے جانور جنگل میں چر رہے ہیں پس آپ یہیں رک جائیں حتیٰ کہ میں آپ کو ان کی خبریں پہنچاؤں. پھر وہ بطور مخبر کے نکلا اور اس نے ان کے چوپاؤں اور بھیڑ بکریوں کے نشان قدم دیکھے جب کہ وہ وہاں سے جا رہے تھے یا ڈیروں میں داخل ہو رہے تھے. وہ نبی اکرمؐ کے پاس لوٹ آیا اور اس نے آپ کو خبر دی جب کہ وہ ان کی جگہیں معلوم کر چکا تھا. اس کے بعد آپ روانہ ہو گئے۔ (۷۱)

کہا گیا ہے کہ مدینہ اور دومتہ الجندل کے درمیان پندرہ راتوں کا فاصلہ ہے

۱۵۔ اسی کتاب میں غزوہ بنی مصطلق کے حالات میں ہے کہ جسے جنگ مریسیع کہا جاتا ہے: مریسیع ان کے کنوئیں کا نام تھا اور اسی کی نسبت سے جنگ کا یہ نام ہوا ہے. پس بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابو ضرار اپنے قبیلے اور دوسرے عربوں میں جہاں تک پہنچ سکا ان سب کو نبی اکرمؐ کے ساتھ جنگ کے لئے بلایا. پھر انہوں نے گھوڑے اور ہتھیار خریدے اور آپ کی طرف آنے نکلنے کیلئے آمادہ ہو گئے. ان کے علاقے سے جو قافلے آتے وہ ان کے کوچ کی خبر دیتے تھے. جب یہ خبر حضرت

رسولؐ کو پہنچی تو آپ نے بریدہ بن حصیب اسلمی کو بھیجا تاکہ وہ اس واقعہ کی خبر حاصل کرے۔ اس نے آنحضرتؐ سے اجازت لی کہ وہ ان لوگوں سے گفتگو کرے گا اور آپ نے اسے اجازت دے دی۔ پس وہ روانہ ہوا یہاں تک کہ ان کے کنوئیں پر پہنچ گیا۔ وہاں اس نے ایک مغرور اور سرکش قوم کو دیکھا جو خود جمع تھی اور دوسرے گروہوں کو جمع کر رہی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں تم میں سے ایک مرد ہوں اور جب مجھے تمہارے اکٹھے ہونے کی خبر ملی تو میں اس شخص کے خلاف تمہارے ساتھ آملا ہوں۔ اب میں اپنی قوم میں چلوں پھروں گا اور لوگ میری بات مانیں گے تو پھر ہمارا سب کا ایک ہی ہاتھ ہو گا یہاں تک کہ ہم اس کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ تب حارث بن ابو ضرار نے کہا کہ ہم بھی یہی ارادہ رکھتے ہیں۔ پس جلدی کرو ـــ بریدہ نے کہا میں ابھی سوار رہتا ہوں اور اپنی قوم میں سے جو میری بات مانیں گے ان کی بڑی جمعیت لے کر آتا ہوں۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور وہ حضرت رسولؐ کی بارگاہ میں حاضر آہوا اور آپ کو ان کے حالات بتائے۔ (۷۲)

میں کہتا ہوں ـــ یہ خبر دلالت کرتی ہے کہ جنگ میں دشمن کو غافل کرنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے کیونکہ جنگ مکر و حیلہ کا نام ہے۔

۱۶۔ مجمع البیان میں غزوہ حدیبیہ کے تذکرہ میں ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے آگے آگے بنو خزاعہ میں سے ایک جاسوس بھیجا کہ وہ آپ کو قریش کے بارے میں خبر دے۔ جب آپ غدیر الاشطاط میں عسفان کے قریب پہنچے تو وہ خزاعی جاسوس آپ کے پاس آیا اور کہا میں نے کعب بن لوی اور عامر بن لوی۔ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ انہوں نے آپ کے مقابلے میں لوگوں کے گروہ اور جماعتیں جمع کر رکھی ہیں۔ وہ آپ سے قتال کریں گے یا قتال کرنے والے ہیں اور آپ کو بیت اللہ سے روکیں گے۔ پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ چلو اور وہ لوگ چل پڑے۔ (۷۳)

۱۷۔ المغازی میں غزوہ خیبر کا بیان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: حضرت رسولؐ نے عباد بن بشیر کو چند گھڑ سواروں کے ساتھ ہراول دستے کے طور پر بھیجا تو اس نے یہودیوں کے قبیلہ اشجع کا ایک جاسوس پکڑ لیا۔ اس نے اسے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میرے چند اونٹ گم ہو گئے ہیں میں ان کو تلاش کر رہا ہوں۔ عباد نے کہا کیا تجھے خیبر کے بارے میں کوئی خبر ہے؟ میں اس وقت وہیں سے آرہا ہوں تم اس کے بارے میں کس جہت سے سوال کرتے ہو؟ اس نے کہا یہودیوں کے بارے میں ـــ اس نے کہا جی ہاں غطفان میں سے کنانہ اور ہوذہ ان کے حلیفوں میں سے ہیں اور وہ سواریوں اور ہتھیاروں کے ساتھ آمادہ و تیار ہیں۔ ان کے قلعوں میں دس ہزار جنگ آزما موجود ہیں۔ ان کے قلعے ایسے مضبوط ہیں کہ جن کا قصد و ارادہ کوئی نہیں کر سکتا۔ ان کے پاس خوراک اور اسلحہ بہت ہے اور اگر کئی سال تک ان کا محاصرہ جاری رہے تو بھی ان کا سامان ان کے لئے کافی ہے۔ پس میں نہیں سمجھتا کہ کسی میں ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت ہو۔ اس پر عباد بن بشیر نے کوڑا اٹھایا اور اسے کئی کوڑے لگا کر کہا کہ تم ان کے جاسوس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو ـــ اب تم سچی بات بتاؤ ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ اس اعرابی نے کہا کہ وہ قوم تم سے مرعوب اور خائف ہے اس کے پیش نظر کہ جو کچھ تم نے یثرب کے یہودیوں کے ساتھ کیا ہے۔ (۷۴)

۱۸۔ اسی کتاب میں غزوہ حنین کے سلسلے میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے! حضرت رسولؐ نے عبداللہ بن ابو حدرد اسلمی کو بلایا اور فرمایا تم جاکر ان لوگوں میں گھس جاؤ اور میرے پاس ان کی خبر لے آؤ نیز وہ باتیں بھی جو مالک کر رہا ہو۔ پس عبداللہ

وہاں گیا اور ان کے لشکر میں گھومتا پھرتا رہا اور پھر ابن عوف کے پاس پہنچا تو اس کے پاس بنی ہوازن کے سرداروں کو پایا جبکہ وہ ان سے کہہ رہا تھا...... جب سحر کا وقت ہو تو اپنے چوپاؤں اور عورتوں و بچوں کی اپنے عقب میں صف بندی کر دو. پھر اپنی صفیں باندھو اور حملہ تمہاری طرف سے ہو اور اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالو پھر یکبارگی حملہ کر دو..... ہاں یہ جان رکھو کہ فتح و غلبہ اس کا ہے جو پہلے حملہ کرے...... جب یہ بات سن لی تو عبداللہ بن ابو حدرد نبی اکرمؐ کے پاس پلٹ آیا اور جو کچھ سنا تھا آپ کو اس کی خبر دی۔ (۷۵)

التراتیب الادار یہ میں سیرت ابن اسحاق سے اسی طرح روایت ہوئی ہے۔ (۷۶)

۱۹۔ تفسیر نور الثقلین میں امالیٔ شیخ سے ان کی سند کے ساتھ حلبی سے روایت ہے کہ اس نے کہا. میں نے ابو عبداللہؑ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد " (غازیوں کے) سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو نتھنوں سے خراٹے لیتے ہیں " کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: نبی کریمؐ نے عمر بن خطاب کو ایک سریہ میں بھیجا تو وہ شکست کھا کر لوٹ آئے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بزدل کہتے اور ساتھی انہیں بزدل کہتے. جب وہ نبی اکرمؐ کے پاس پہنچے تو آپ نے علی مرتضیٰؑ سے فرمایا: ان لوگوں کے ساتھی اور دشمن گروہ کو شکست دینے والے تم ہو لہٰذا تم خود تیار ہو جاؤ اور مہاجرین و انصار میں سے جن شہ سواروں کو چاہو ساتھ لے جاؤ. پس حضرت رسولؐ نے انہیں بھیجا تو فرمایا دن کو پوشیدہ رہنا اور رات کو چلنا اور جاسوس تم سے الگ نہ رہیں. چنانچہ علی مرتضیٰؑ اس مقام پر پہنچے کہ جس کا آنحضرتؐ نے انہیں حکم دیا تھا اور سحر کے وقت ان لوگوں پر شبخون مارا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر آیہ مبارکہ والعادیات...... تا آخر نازل فرمائی۔ (۷۷)

۲۰۔ طبقات ابن سعد میں اسامہ بن زید کے سریہ کے حالات میں ہے. حضرت رسولؐ نے لوگوں کو روم سے جنگ کرنے کا حکم دیا. جب صبح ہوئی تو اسامہ بن زید کو بلایا اور فرمایا: اپنے باپ کے مقتل کی طرف جاؤ اور ان لوگوں کو گھوڑوں سے روند ڈالو. بے شک میں نے تجھے اس لشکر کا حاکم و افسر مقرر کیا ہے پس صبح کے وقت اہل ابنی پر تاخت و تاراج کرو اور انہیں آگ میں جلاؤ. تم اتنی جلدی سفر طے کرو کہ خبروں سے پہلے وہاں پہنچ جاؤ. اگر خدا تم کو فتح و ظفر عطا کرے تو ان میں بہت تھوڑا قیام کرو. جاسوسوں کو آگے بھیجو. رہبروں کو اپنے ساتھ رکھو اور ہراول دستے تمہارے آگے رہیں۔ (۷۸)

۲۱۔ التراتیب الادار یہ میں کہا ہے. بخاری میں واقعہ ہجرت کے سلسلے میں بی بی عائشہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن ابو بکر ان دونوں (نبی اکرمؐ و ابو بکر) کے پاس قریش کی خبریں لاتا تھا اور وہ ایک ہوشیار نوجوان تھا. پس وہ رات ان کے پاس گزارتا اور سحری کے وقت نکل جاتا پھر باقی وقت قریش کے ساتھ رہتا۔ (۷۹)

۲۲۔ نیز اسی کتاب میں اس نے کہا. اصابہ میں امیہ بن خویلد کے حالات میں ذکر ہوا ہے کہ نبی کریمؐ نے اسے جاسوس بنا کر اکیلا ہی قریش کے ہاں بھیجا. اس نے کہا ہے کہ میں ایک گڑھے کے پاس ایک سوکھے درخت پر چڑھ گیا جب مجھے جاسوسوں کا خوف ہوا تو میں اتر کر گڑھے میں بیٹھ رہا۔ (۸۰)

۲۳۔ اسی کتاب میں بشر بن سفیان عتکی کے حالات میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے اسے مکہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ آپ کے لئے قریش کی خبریں معلوم کرے۔ (۸۱)

۲۴۔ اسی کتاب میں جبیلہ بن عامر بلوی کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ وہ جنگ احزاب کے روز آنحضرتؐ کا جاسوس تھا۔ (۸۲)

۲۵۔ اسی کتاب میں خبیب بن عدی انصاری کے حالات میں بخاری سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے دس افراد کو جاسوس بنا کر بھیجا اور عاصم بن ثابت کو ان کا امیر بنایا۔ پھر تخریج ابن ابو شیبہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے اس اکیلے کو قریش کی طرف جاسوس بنا کر بھیجا۔ (۸۳)

۲۶۔۔ اسی کتاب میں کہا ہے: اصابہ میں انس بن ابو مرثد غنوی کے حالات لکھے ہیں. پس ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ وہ مقام اوطاس میں آنحضرتؐ کا جاسوس تھا۔ (۸۴)

یہ وہ افراد ہیں جن کے بارے میں سردست ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ غزوات و سریات میں نبی اکرمؐ کے ہراول اور جاسوسوں میں سے تھے. ایک تحقیق کرنے والا شخص شائد ان کے علاوہ مزید افراد تلاش کر سکتا ہو جو آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے لئے جاسوسی کرتے تھے۔

۲۷۔ نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کا خط جو آپ نے عامل مکہ قثم بن عباس کو لکھا. امابعد. مغربی علاقے سے میرے جاسوس نے مجھے تحریر کیا ہے کہ شام کے کچھ افراد کو حج کے لئے (مکہ) بھیجا گیا ہے جو دل کے اندھے. کانوں کے بہرے اور آنکھوں کی روشنی سے محروم ہیں کہ حق کو باطل کی راہ سے ڈھونڈتے ہیں...... لہٰذا تم اپنے فرائض منصبی کو اس شخص کی طرح ادا کرو جو بافہم. پختہ کار. خیر خواہ اور دانشمند ہے۔ (۸۵)

۲۸۔ نہج البلاغہ میں آنجنابؑ کی اپنے لشکر کو ایک وصیت ہے: پہاڑوں کی چوٹیوں اور ٹیلوں کی بلندیوں پر اپنے نگہبان بٹھا دو تاکہ دشمن کسی کھٹکے والی جگہ یا اطمینان والے مقام سے (اچانک) نہ آ پڑے اور اس بات کو یاد رکھو کہ فوج کا ہراول دستہ اس کے لئے خبر رساں ہوتا ہے. ہراول دستے کو ان مخبروں سے اطلاعات ملتی ہیں جو آگے بڑھ کر سراغ لگاتے ہیں...... دیکھو تتر بتر ہونے سے بچے رہو۔ (۸۶)

۲۹۔ تحف العقول میں زیاد بن نضر کے لئے امیر المومنینؑ کی وصیت ہے جسے صفین میں ہراول دستے کا امیر بنا کر بھیجا تھا. اس بات کی خبر رکھو کہ فوج کا ہراول اس کے لئے جاسوس ہوتا ہے اور اس کے جاسوس وہ مخبر ہیں جو آگے جاتے ہیں. جب تم اپنے شہر سے نکلو اور اپنے دشمن کے قریب پہنچو تو ہر جگہ مخبر بھیجنے میں سستی نہ کرو. انہیں گھاٹیوں. درختوں اور اپنے پیچھے کے پہاڑوں پر بھیجو تاکہ دشمن (اچانک) تم پر شبخون نہ مارے اور وہ تمہارے لئے پناہ کا کام دیں...... جب تم دشمن کے سامنے اتر پڑو یا وہ پڑاؤ کرے تو تمہاری چھاؤنی اونچے ٹیلوں یا پہاڑوں کے دامن میں یا دریاؤں کے کناروں پر ہو تاکہ وہ تمہارے لئے ایک رکاوٹ ہو اور تمہارے سامنے دشمن کو روکنے کا ایک ذریعہ ہو. تمہاری جنگ ایک یا دو رخ سے ہونی چاہئے اور تمہارے نگہبان پہاڑوں کی چوٹیوں اور اونچے ٹیلوں اور دریاؤں کے اطراف میں ہوں جو تمہارے لئے نگہبانی کریں تاکہ دشمن کسی خوف یا اطمینان کی جگہ سے تم پر اچانک حملہ نہ کر دے۔ (۸۷)

۳۰۔ دعائم الاسلام میں امیر المومنینؑ سے منقول ہے: آپ کا نظریہ یہی تھا کہ لشکروں کے آگے جاسوس اور مخبر بھیجے جائیں.

آپ نے فرمایا کہ حضرت رسولؐ نے حدیبیہ والے سال میں خزاعہ میں سے ایک جاسوس اپنے آگے بھیجا تھا۔ (۸۸)

۳۱۔ شرح ابن ابی الحدید میں الغارات سے منقول ہے. معاویہ نے قیس بن سعد کی طرف سے ایک جعلی خط تیار کیا اور وہ اہل شام کے سامنے پڑھا گیا. پس سارے علاقے میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قیس بن سعد نے معاویہ سے صلح کر لی ہے. امیر المومنینؑ کے جاسوس یہ خبر آپ کے پاس لائے تو آپ نے اسے بہت بڑا جھوٹ قرار دیا اور اس پر تعجب کیا...... (۸۹)

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمنوں کی جاسوسی اور نگرانی جنگ کے میدانوں اور حالت جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کی نگرانی اور ان پر نظر رکھنا ضروری ہے چاہے وہ اپنے گھروں کے اندر ہی کیوں نہ ہوں. جب اسلام اور مسلمانوں سے ان کا بغض و عناد ظاہر ہے تو ان کی قوت. ان کے وسائل. افرادی قوت. عسکری طاقت اور صنعتی و اقتصادی حالات کی جستجو اور دیکھ بھال کرنا لازمی ہے۔

ہمارے آج کے زمانے میں مسلم ملکوں پر واجب تھا کہ وہ غیر مسلم ملکوں اور حکومتوں کے جنگی منصوبوں اور صنعتی مراکز کے بارے میں جستجو اور دیکھ بھال کرتے لیکن انہوں نے اس کام کو ترک کر رکھا ہے. ان کو اس طرف سے غافل رکھا گیا یہاں تک کہ ان کے شہروں اور معاملات پر کفر کا تسلط ہو گیا اور کفار کے جاسوسوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے. خدایا! اسلام اور اہل اسلام کو عزت و غلبہ عنایت فرما اور کفر و اہل کفر کو ان کے مقابل پسپا کر دے!

تیسری فصل

مخالفوں. منافقوں. جاسوسوں اور اندرونی دشمنوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا۔

مخفی نہیں کہ نظام کی حفاظت اور برحق عادل حکومت کی حفاظت مخالف داخلی تحریکوں اور دشمن جماعتوں کو منتشر کرنے پر موقوف ہے ورنہ قوم و حکومت خطرے میں ہوتی ہے کہ اچانک مخالف قوتوں کا دباؤ اس پر آ پڑے جس سے حکومت ختم ہو جائے اور ملت کو سخت مالی و جانی نقصان اٹھانا پڑیں. واضح ہے کہ یہ تحفظ اور بچاؤ مشکوک افراد. غیروں کے جاسوسوں اور ان کی خفیہ تنظیموں کے افعال کی نگرانی پر منحصر ہے جب ان کی خبریں اور اطلاعیں تیز نگاہوں والے جاسوسوں کے ذریعے حاصل ہوں. اس کے جواز بلکہ وجوب پر ان عام ادلہ کے علاوہ جو حفظ نظام پر دلالت کرتی ہیں نیز وہ قطعی اصول جو گزر چکا ہے. ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے جو خاص موارد میں آئی ہیں۔

وہ بعض ادلہ جو خصوصیت سے اس مقام میں وارد ہوئی ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتا ہے.

هم العدو، فاحذرهم، قاتلهم الله انى يؤفكون – (۹۰)

"یہ لوگ (تمہارے) دشمن ہیں ان سے بچے رہو خدا انہیں مار ڈالے یہ کہاں بھکے پھرتے ہیں"۔

راغب نے کہا ہے "الحذر" کا معنی ہے خوف کی جگہ سے بچنا۔ (۹۱)

پس اللہ تعالیٰ نے منافقین سے کنارہ کشی کرنا اور ان سے بچنا واجب قرار دیا ہے اور حذر و احتراز کا اطلاق یہ تقاضا کرتا ہے

کہ ان کی سرگرمیوں اور تنظیموں پر کڑی نظر رکھی جائے بلکہ یہ حذر کے مفاہیم میں زیادہ واضح ہے۔ نبی کریمؐ کے زمانے میں اس سیاسی سوجھ بوجھ اور رشد و ہدایت کی برکت سے جو انہیں آپ سے حاصل ہوئی تھی۔ سارے مسلمان ماسوائے چند ایک کے منافقوں کی سازشوں اور تحریکوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ جیسا کہ وہ جنگوں اور فوجی مہموں وغیرہ میں کفار کی نقل و حرکت کی بھی سخت نگرانی کرتے تھے۔ وہ اسے ایک دینی ذمہ داری سمجھتے تھے جو ان کے کندھوں پر ڈالی گئی تھی۔

پس آپ دیکھیں کہ جب زید بن ارقم نے عبداللہ بن ابی منافق سے اس کا یہ قول سنا "اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت دار لوگ خود ذلیل کو ضرور نکال باہر کریں گے" (سورۂ منافقون۔ آیت ۸)

اس میں عزت دار سے اس کی مراد اپنی ذات اور ذلیل سے مراد (معاذ اللہ) رسولؐ کی ذات تھی۔ پس زید نے اس سے تکرار کی اور پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر آپ کو اس بات کی خبر دی یہاں تک کہ حضورؐ نے فرمایا: اے جوان! تیرے منہ کی بات سچی ہے۔ تیرے کانوں نے ٹھیک سنا اور تیرے دل نے اسے یاد رکھا ہے پس جو کچھ تو نے کہا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی ہے۔ (۹۲)

۲۔ واقعہ صفین کے بعد جب خریت بن راشد ناجی اور اس کے ساتھی امیر المومنینؑ سے الگ ہو گئے تو آپ نے تمام شہروں میں اپنے عمال کو لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خدا کے بندے علی امیر المومنینؑ کی جانب سے عمال میں سے اس کی طرف جو میرا یہ خط پڑھے ـــــ امابعد۔ بے شک کچھ ایسے مرد جن پر ہماری بیعت ہے وہ فرار کر کے نکلے ہیں۔ ان کے متعلق ہمارا گمان ہے کہ وہ بصرہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ پس ان کے بارے میں اپنے شہروں کے لوگوں سے پوچھو اور اپنے علاقے میں ہر طرف ان کے لئے جاسوس مقرر کرو۔ پھر مجھے لکھو جہاں تک ان کا معاملہ پہنچے والسلام۔ (۹۳)

شائد ایک تلاش کرنے والا ایسے دیگر موارد سے بھی واقف ہو۔ پس جستجو کریں۔

مخفی نہیں کہ شائد نگرانی و مراقبت کی یہ قسم۔ قسم ثانی کا ایک شعبہ ہو یعنی دشمنوں کی فوجی مہموں پر کڑی نگاہ رکھنے سے متعلق ہے۔ پس اس پر وہ تمام ادلہ دلالت کریں گی جو ہم نے قسم ثانی کے لئے قائم کی ہیں۔ اس پر الگ بحث اس لئے کی گئی ہے تاکہ اس کی اہمیت کو واضح کیا جائے۔ نیز منافقوں اور داخلی مخالف جماعتوں کی سرگرمیوں کو بھی اسی طرح اہمیت دینا ضروری ہے جس طرح اغیار و کفار کی حرکات کو اہمیت دی جاتی ہے۔

۳۔ شائد یہ روایت اسی قبیل سے ہے جو الوسائل کی کتاب نکاح میں زرارہ کے واسطہ سے ابو جعفرؑ سے ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک شخص علیؑ بن الحسینؑ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ کی زوجہ جو شیبانیہ ہے وہ خارجیہ ہے اور امیر المومنینؑ کو سب و شتم کرتی ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو ثبوت کے لئے میں آپ کو اس سے یہ چیز سنواؤں تو سنوا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں! اس نے کہا جب آپ گھر سے نکلنے کا ارادہ کریں جیسا کہ آپ نکلتے ہیں تو راستے سے واپس ہو جائیں اور گھر کے ایک گوشے میں چھپ رہیں۔ راوی کہتا ہے جب صبح ہوئی تو آپ گھر کے ایک کونے میں پوشیدہ ہو گئے۔ تب وہ شخص آیا اور اس عورت سے بات کی تو اس سے عداوت علیؑ ظاہر ہوئی۔ پس آپ نے اس عورت کو طلاق دے دی حالانکہ وہ آپ کو اچھی لگتی تھی۔ (۹۴)

میں کہتا ہوں ــــــ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں خوارج کی کئی تنظیمیں تھیں اور بہت سی خفیہ سیاسی جماعتیں تھیں۔ شائد یہ عورت آنجناب" کے گھر میں ان جماعتوں کی طرف سے اثر و نفوذ کے لئے آئی تھی اور اس کے پیچھے ان کی سیاسی اغراض تھیں، پس یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ عقائد شخصی کے بارے تفتیش کرنا جائز نہیں ہے۔ غور کریں اور یاد رکھیں۔

امیرالمومنین" نے جس شخص کے بارے میں اپنے عمال کو اس پر سختی کرنے کے لئے لکھا تھا شائد وہ منافق تھا یا اس سے نفاق کا احتمال تھا اور وہ اپنے حرکات و افعال میں مشکوک تھا، مخفی نہیں کہ سختی و شدت کی ایک قسم اس کے حالات کی نگرانی کرنا ہے اور اس حکم پر ذیل میں درج روایات دلالت کرتی ہیں:

۴۔ امیرالمومنین" نے مدائن میں اپنے عامل حذیفہ بن یمان کے لئے خط لکھا: میں نے حذیفہ بن یمان کو تمہارے امور کا والی بنایا ہے جس کے رشد و ہدایت سے میں راضی ہوں اور اس کی راست روی کی امید رکھتا ہوں، میں نے اسے حکم دیا ہے کہ تم میں سے اچھے کام کرنے والے سے اچھا برتاؤ کرے، تم میں سے مشکوک لوگوں پر سختی کرے اور تم سب کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے...... (۹۵)

۵۔ اہل مصر کی طرف امیرالمومنین" کے خط میں ہے جب قیس بن سعد کو ان پر والی بنایا: بے شک میں نے تمہاری طرف قیس بن سعد انصاری کو امیر بنا کر بھیجا ہے پس اس کی مدد کرنا اور حق پر اس سے تعاون کرنا، میں نے اسے حکم دیا ہے کہ تم میں اچھے کام کرنے والے سے اچھا برتاؤ کرے، تم میں سے مشکوک افراد کے ساتھ سختی کرے اور تمہارے تمام لوگوں سے ملائمت کرے، ہاں یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی ہدایت سے میں راضی ہوں اور اس سے صلاح و درستگی اور نصیحت و خلوص کی امید رکھتا ہوں۔ (۹۶)

۶۔ آمدی کی الغرر و الدرر میں امیرالمومنین" سے مروی ہے: لوگوں کو ان کے دین و سنت پر قائم رکھ، ان میں بے قصور تجھ سے امن میں ہو اور مشکوک ڈرتا رہے نیز ان کی سرحدوں اور اطراف کی دیکھ بھال جاری رکھ۔ (۹۷)

۷۔ نہج البلاغہ میں ہے: لیکن میں حق کی طرف بڑھنے والے کے ذریعے اس سے پشت پھیرنے والے کو اور سننے و اطاعت کرنے والے کے ذریعے نافرمان اور مشکوک کو ہمیشہ مارتا رہوں گا۔ (۹۸)

میں کہتا ہوں ــــــ ابن اثیر نے نہایہ میں کہا ہے: حدیث میں ریب کا بار بار ذکر ہوا ہے جو شک کے معنی میں ہے، بعض کہتے ہیں: وہ شک جو تہمت کے ساتھ ہو اور کہا جاتا ہے کہ "رابنی وارابنی" کا معنی ہے مجھے شک میں ڈالا۔ (۹۹)

چوتھی فصل

قوم و ملت کی حاجات و شکایات اور مرکزی حکومت سے اس کی توقعات اور معاہدوں پر کڑی نگاہ رکھنا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے نزدیک حکومت کی تاسیس و بنیاد لوگوں پر تسلط جمانے اور حاکم کے استبدادی شکل میں اپنی قوت کو کام میں لانے کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ موازین شریعت اور مفادامت کے مطابق عدل و انصاف سے امور کا انتظام کرنے کے لئے ہے، پس اس کی غرض و مقصدامت کے معاملات کی اصلاح ہے اور جو چیز حکومت کی محافظ اور اس کی قوت و

اختیار کی ضامن ہے وہ امت کی طرف سے اس کی حمایت اور افرادی قوت ہے، اس لئے لامحالہ حکومت اور قوم میں قریبی رابطہ بہت ضروری ہے، طرفین کے ضروریات و توقعات کو ان واسطوں کے ذریعے جاننا چاہئے جو منصوب یا منتخب ہیں اور امت کی مراقبت و نگرانی کرتے اور بیک وقت حکومت اور قوم سے قرب رکھتے ہیں۔ اسلام میں ان وسائط اور نمائندوں کو نقباء و عرفاء کا نام دیا جاتا تھا، اگرچہ بعض اخبار میں عرافہ کی مذمت وارد ہوئی ہے لیکن وہ ان روایات کی طرح ہیں جو حکومت و امارت کی مذمت میں آئی ہیں، ان میں عرافہ مراد نہیں مگر وہ جو ظالم حکام کی طرف سے مقرر ہوتے تھے اور وہ ان لوگوں کی شناخت کرتے تھے جو اہل ایمان میں ان حکام کے مخالف ہوا کرتے تھے، جیسا کہ یہ بات ان سے متعلق اخبار سے معلوم ہوتی ہے، ورنہ حضرت رسولؐ و امیر المومنینؑ نے اپنی حکومت و سیاست میں نقابت و عرافت کے امر کو بھی جاری رکھا ہے جیسا کہ عنقریب ظاہر ہو گا۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے، جب عقبہ ثانیہ میں اہل مدینہ نے حضرت رسولؐ کی بیعت کی تو اس وقت فرمایا: اپنی قوم میں سے بارہ نقیب پیش کرو جو میری طرف سے قوم کے معاملوں کی نگرانی کریں، پس انہوں نے بارہ نقیب پیش کئے جن میں نو خزرج اور تین اوس میں سے تھے ...... تب آنحضرتؐ نے ان نقیبوں سے فرمایا: تم اپنی قوم کے معاملوں میں کفیل ہو مثل حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے اور میں امت مسلمہ کا کفیل ہوں، انہوں نے کہا، جی ہاں؟ ایسا ہی ہے۔ (۱۰۰)

بحار میں علی بن ابراہیم سے اسی طرح مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میرے سامنے اپنے بارہ نقیب پیش کرو جو تم پر اس معاملے میں کفیل ہوں گے جیسے حضرت موسیٰؑ کے نقیب بنی اسرائیل میں سے تھے، انہوں نے کہا: آپ جسے چاہیں چن لیں۔ (۱۰۱)

نیز اسی کتاب میں المناقب سے منقول ہے: اپنے میں سے بارہ نقیب میرے سامنے پیش کرو پس انہوں نے منتخب کئے تو آپ نے فرمایا: میں تم سے عیسیٰؑ بن مریمؑ کے حواریوں جیسی بیعت لیتا ہوں کہ تم اپنی قوم کے معاملات کے کفیل ہو، اس شرط کے ساتھ کہ تم ہر اس چیز سے میری حفاظت کرو گے جس سے اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو، پھر انہوں نے اسی طرح آپ کی بیعت کی۔ (۱۰۲)

میں کہتا ہوں ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منهم اثناء عشرنقیباً - (۱۰۳)

"بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نقیب کھڑے کئے"۔

۲۔ التراتیب الاداریہ میں ہے: اصابہ میں اسعد بن زرارہ کے حالات لکھے ہیں، ان میں حاکم کے طریق سے روایت کی ہے کہ جب وہ فوت ہوا تو بنو نجار آئے اور انہوں نے کہا: یارسول اللہؐ! ہمارا نقیب فوت ہو گیا ہے لہٰذا ہم پر کسی کو نقیب مقرر فرما دیجئے! تب آپ نے فرمایا کہ تمہارا نقیب میں ہوں ...... اور استبصار میں بھی اس کے حالات میں اسی طرح بیان ہوا ہے۔ (۱۰۴)

نقل روایات کے بعد عنقریب نقیب اور عریف کے معنی بیان ہوں گے

۳۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ غالب قطان سے، ایک مرد سے، اس کے باپ سے، اس کے دادا سے مروی ہے کہ وہ چشمہ پر تھے، جب ان تک اسلام کی خبر پہنچی تو چشمہ کے مالک نے اپنی قوم کے لئے سو اونٹ پیش کئے کہ وہ اسلام لے آئیں، پس وہ اسلام لے آئے اور اس نے اونٹ ان میں تقسیم کر دیئے پھر اس کے جی میں آیا کہ وہ یہ اونٹ ان سے واپس لے لے، اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ نبی اکرمؐ کے پاس جاؤ اور کہو کہ میرا باپ بوڑھا ہے اور وہ پانی کا عریف ہے، وہ آپ سے درخواست کرتا ہے کہ اس کے بعد عریف کا یہ منصب میرے لئے قرار دیجئے، آپ نے فرمایا عرافہ حق ہے اور لوگوں کے لئے عرفاء کا ہونا ضروری ہے لیکن عرفاء جنہم کی آگ میں ہوں گے۔ (۱۰۵)

میں کہتا ہوں ــــــ منہل پانی پینے اور پانی بھرنے کے گھاٹ کو کہتے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کا عرافہ بھی ایک منصب تھا جو حکومت کی طرف سے تفویض ہوتا تھا اور اس کی صراحت یہ بتاتی ہے کہ وہ ایک حق ہے کہ جس سے کوئی چارہ نہیں اور آپ کا یہ ارشاد "لیکن عرفاء جنہم کی آگ میں ہیں" عام عرفاء سے متعلق ہے کہ وہ حق وعدالت سے کام نہیں لیتے تھے۔

۴۔ صحیح بخاری میں اس کی سند کے ساتھ عروہ سے مروی ہے کہ مروان اور مسور بن مخرمہ نے اسے خبر دی کہ جب قبیلہ ہوازن کا وفد آیا تو نبی اکرمؐ اٹھ کر کھڑے ہوئے، انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ ان کے اموال اور قیدی انہیں واپس کر دیں، آپ نے فرمایا میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو...... پس آنحضرتؐ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی کہ جس کا وہ اہل ہے پھر فرمایا: تم میں سے جو خوشدلی کے ساتھ یہ عمل کرنا چاہے تو وہ ایسا کرے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم یہ خوشدلی کے ساتھ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کس نے ان کے ساتھ یہ سلوک کرنے کا اذن دیا اور کس نے نہیں دیا، پس جاؤ اور اپنے عرفاء کو بھیجو کہ وہ تمہارا معاملہ پیش کریں۔ تب وہ لوگ واپس چلے گئے اور ان کے عرفاء نے ان سے بات کی اور پھر نبی اکرمؐ کے پاس آکر آپ کو خبر دی کہ ہمارے لوگوں نے خوشدلی کے ساتھ ایسا کرنے کی اجازت دی ہے۔ (۱۰۶) اسے یاد رکھیں

۵۔ اصول کافی میں ان کی سند کے ساتھ حبیب بن ابو ثابت سے مروی ہے: امیرالمومنینؑ کے پاس ہمدان اور حلوان سے شہد اور انجیر لائے گئے، آپ نے عرفاء کو حکم دیا کہ وہ یتیموں کو لے آئیں، پس آپ نے یتیموں کو موقع دیا کہ وہ مشکوں کے دہانوں پر لگا ہوا شہد چاٹ لیں، پھر آپ ایک پیالے سے شہد لوگوں میں تقسیم کرتے رہے اور وہ دہانوں سے شہد چاٹتے رہے۔ آپ سے عرض کیا گیا: یاامیرالمومنینؑ! یہ کیوں کیا ہے؟ فرمایا امام یتیموں کا باپ ہوتا ہے اور میں نے ان کے آباء کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں شہد چاٹنے کی اجازت دی ہے۔ (۱۰۷)

۶۔ وسائل میں صدوق سے ان کی سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے، ان کے آباء واجداد سے حدیث مناہی میں ہے کہ حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی قوم کی عرافت کا ذمہ دار بنا تو اسے قیامت کے دن اس حالت میں لایا جائے گا کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں بندھے ہوں گے، پس اگر اس نے اس کام میں اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق عمل کیا ہوگا تو خدا اس کو چھوڑ دے گا اور اگر وہ ظلم کرتا رہا ہو تو اس کو جہنم کی آگ میں گرا دے گا اور وہ بری بازگشت ہے۔

نیز اسی کتاب میں صدوق سے عقاب الاعمال میں ان کی سند کے ساتھ نبی اکرمؐ سے روایت ہے کہ فرمایا: جو شخص کسی قوم کی عرافت کا ذمہ دار بنا (اور اچھا کردار ادا نہ کیا۔ خ ل) تو اس کو ہر دن کے بدلے میں ایک ہزار سال تک جہنم کے کنارے روکا جائے گا اور وہ اس حالت میں محشور ہو گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن سے بندھا ہو گا. اگر اس نے اللہ کے حکم کے مطابق کام کیا ہو گا تو وہ اسے چھوڑ دے گا اور اگر ظلم کیا ہو گا تو اسے ستر خریف تک جہنم میں رکھے گا۔ (۱۰۹)

۸۔ اسی کتاب میں کشی سے اس کی سند کے ساتھ عقبہ بن بشیر سے، ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: باقی رہا تیرا یہ قول کہ میری قوم کا ایک عریف تھا جو ہلاک ہو گیا ہے اور اب وہ مجھے اپنا عریف بنانا چاہتے ہیں. پس اگر تم جنت کو ناپسند کرتے اور اس سے بغض رکھتے ہو تو ان کے عریف بن جاؤ کہ ظالم بادشاہ ایک مرد مسلمان کو گرفتار کر کے اس کا خون بہائے گا. پس تو اس کے خون میں شریک ہو گا اور شائد ان کی دنیا میں سے بھی تجھے کوئی چیز نہ مل سکے۔ (۱۱۰)

میں کہتا ہوں —— یہ حدیث اس چیز پر دلالت کرتی ہے جو ہماری طرف سے گزر چکی ہے کہ بعض روایات میں عرافت کی مذمت اس بناء پر کی گئی ہے کہ یہ زیادہ تر ظالم حکام کی طرف سے ہوتی تھی. پس عریف ان کو اہل صدق و ایمان کی شناخت کراتا اور وہ ان کا خون بہاتے تھے. لہٰذا ان روایات کا وارد ہونا ایسی روایات کی طرح ہے جن میں امارت و حکومت کی مذمت ہوئی ہے. ورنہ معاشرہ امیر و عریف ہر دو کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا بلکہ اگر کوئی دوسرا ان مناصب کے لئے قیام نہ کرے تو ان کے درپے ہونا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ واضح ہے۔

۹۔ دعائم الاسلام میں امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: امارت اور اس کے معاوضے اور عریف اور اس کے معاوضے کے بغیر چارہ نہیں نیز محاسب اور محاسب کے معاوضے اور قاضی بننے اور قاضی کے طور پر معاوضہ لینے سے چارہ نہیں ہے۔ (۱۱۱)

بلکہ یہ چیز اتنی ضروری ہے کہ عالم آخرت کا معاشرہ بھی بغیر عریف کے نہیں ہو گا۔

۱۰۔ سکونی کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: حاملین قرآن اہل جنت کے عرفاء ہوں گے۔ (۱۱۲)

۱۱۔ سنن دارمی میں عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ اس نے کہا: حاملین قرآن اہل جنت کے عرفاء ہیں۔ (۱۱۳) اسے یاد رکھیں

۱۲۔ مسند احمد میں اس کی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ویل و ہلاکت ہے حاکموں کے لئے. ویل و ہلاکت ہے عریفوں کے لئے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ آرزو کریں گے کہ ان کی زلفیں ثریا سے بندھی ہوتیں اور وہ آسمان و زمین کے درمیان تڑپتے رہتے لیکن کسی چیز کے عامل و حاکم نہ ہوتے۔ (۱۱۴)

۱۳۔ اسی کتاب میں ہے کہ ابوذر نے وقت مرگ وہاں موجود لوگوں سے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے وہ شخص کفن نہ پہنائے جو امیر، عریف یا بریدہ رہ چکا ہو۔ (۱۱۵)

۱۴۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے اس کے کندھے

پر ہاتھ مارا اور پھر فرمایا: اے مقدام! تو فلاح پا جائے گا اگر اس حالت میں مرا کہ تو نہ امیر تھا نہ کاتب تھا اور نہ عریف تھا۔ (۱۱۶)

۱۵۔ الوسائل میں خصال سے اس کی سند کے ساتھ نوف سے، امیرالمومنینؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اے نوف اس سے بچ کر رہنا کہ تو عاشر، شاعر، پیادہ، عریف، طنبور نواز یا طبل نواز ہو، کیونکہ ایک رات نبی کریمؐ بر آمد ہوئے اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا ــــ یاد رکھو! یہ وہ گھڑی ہے جس میں کسی کی دعا رد نہیں ہوتی مگر عریف کی دعا یا شاعر کی دعا یا عاشر کی دعا یا پیادے کی دعا یا طنبورے والے کی دعا یا ڈھول والے کی دعا (قبول نہیں ہوتی) ــــ (۱۱۷)

۱۶۔ نہج البلاغہ میں نوف سے آنجنابؑ کا ارشاد منقول ہے: اے نوف! حضرت داوٗد رات کے ایسے حصے میں اٹھے اور فرمایا کہ یہ وہ گھڑی ہے جس میں کوئی بندہ جو بھی دعا مانگے وہ قبول ہو گی سوائے اس شخص کے جو سرکاری محصول وصول کرنے والا یا لوگوں کی برائیاں کرنے والا یا ظالم حکومت کا سپاہی ہو یا سارنگی بجانے والا یا ڈھول بجانے والا ہو۔ (۱۱۸)

۱۷۔ شرح ابن ابی الحدید میں نصر بن مزاحم سے مروی ہے: امیرالمومنینؑ نے حنظلہ کا گھر مسمار کرنے کا حکم دیا پس اسے اس کے عریف شبث بن ربعی و بکر بن تمیم نے مسمار کیا۔ (۱۱۹)

میں کہتا ہوں ــــ اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ حنظلہ اپنے قبیلے کے تئیس افراد کو ساتھ لے کر معاویہ سے جا ملا تھا جیسا کہ اس کتاب میں ہے۔

۱۸۔ التراتیب الاداریہ میں ہے: اصابہ میں جندب بن نعمان ازدی کے حالات میں تاریخ ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ ابو عزیز نبی اکرمؐ کی خدمت آیا اور اسلام قبول کیا، اس کا اسلام بہتر قرار پایا کہ آپ نے اسے اپنے قبیلے کا عریف مقرر کیا۔ نیز اس میں رافع بن خدیج انصاری کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ وہ مدینہ میں اپنے قبیلے کا عریف تھا۔ (۱۲۰)

ان کے علاوہ اور روایات بھی ہیں کہ جن سے ایک جستجو کرنے والا شخص واقف ہو سکتا ہے

ان تمام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نقابت و عرافت شرعاً جائز ہے اور یہ دونوں مناصب نبی کریمؐ و ائمہ طاہرینؑ کے زمانے میں معروف تھے بلکہ معاشرے کا نظام صحیح طریقے پر چلانے کے لئے ان کی ضرورت ہے، اگرچہ ان دونوں آسامیوں پر کام کرنے والوں کو دینی لحاظ سے خطرہ درپیش ہے لیکن یہ چیز ہر منصب و عہدہ میں لازم آتی ہے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

نقیب اور عریف کے معنی کے بارے میں گفتگو

۱۔ راغب نے مفردات میں کہا ہے: نقیب وہ ہے جو کسی قوم اور اس کے حالات کی چھان بین کرے۔ اور اس کی جمع نقباء ہے، جیسا کہ فرمایا ہے "ہم نے ان میں بارہ نقیب مقرر کئے" ۔ (۱۲۱)

۲۔ صحاح اللغتہ میں ہے: نقیب کا معنی عریف ہے اور وہ کسی قوم کا ضامن اور ان کا گواہ ہے، اس کی جمع نقباء ہے، وقد نقب علی قومہ ینقب نقابتہ ــــ وہ اپنی قوم کا نقیب تھا، نقیب بنتا ہے اور نقیب بننا۔ (۱۲۲)

۳۔ نیز اسی کتاب میں ہے: انہوں نے میری طرف اپنا عریف بھیجا جو علامت لگاتا یعنی انہیں پہچانتا تھا۔ عریف کا معنی نقیب ہے جو رئیس سے نیچے ہوتا ہے اور اس کی جمع عرفاء ہے۔ (۱۲۳)

۴۔ نہایہ ابن اثیر میں ہے: عبادہ بن صامت سے روایت ہے اور وہ نقباء میں سے تھا۔ نقباء جمع ہے نقیب کی اور وہ مثل عریف کے ہے جو اپنی قوم پر مقدم ہوتا ہے ـــــ ان کی خبروں کی جان پہچان کرتا اور ان کے حالات کی جستجو کرتا ہے۔ (۱۲۴)

۵۔ نیز اسی کتاب میں ہے: عرافت حق ہے اور عرفاء (جہنم کی) آگ میں ہیں۔ عرفاء جمع ہے عریف کی اور وہ قبیلہ یا لوگوں کی ایک جماعت کے امور کا نگران ہے اور ان کی سرپرستی کرتا ہے۔ امیر ان لوگوں کے حالات اسی کے ذریعے معلوم کرتا ہے۔ یہ فعیل کے معنی میں فاعل ہے اور اس کا فعل عریفہ ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ عرافہ حق ہے یعنی اس میں لوگوں کی بہتری اور ان کے امور و حالات کے لئے فائدہ ہے۔ لیکن اس کا قول کہ عرفاء آگ میں ہیں، یہ امارت و ریاست کی طرف توجہ کرنے سے ڈرانے کے لئے ہے کیونکہ اس میں آزمائش و امتحان ہے اور اگر حق کے ساتھ عمل نہ کرے تو گنہگار اور سزا کا مستحق ہو گا۔ (۱۲۵)

۶۔ لسان العرب میں ہے: نقیب کسی قوم کا عریف ہوتا ہے اس کی جمع نقباء ہے۔ قوم کے گواہ اور ضامن کو عریف کہتے ہیں۔ (۱۲۶)

۷۔ نیز اسی کتاب میں ہے: عریف اپنی قوم کا سردار ہے، عریف سردار اور نگران ہے کیونکہ وہ قوم کی تدبیر و سیاست کی پہچان رکھتا ہے ...... عریف وہی نقیب ہے جو رئیس سے کمتر درجہ رکھتا ہے۔ (۱۲۷)

میں کہتا ہوں ـــــ اہل لغت کی گفتگو کا ظہور یہ ہے کہ نقیب و عریف ہر دو الفاظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں یا ایک دوسرے کے قریب ہیں، نقیب یا عریف قوم و قبیلہ اور امام و حاکم کے درمیان ربط قائم رکھتا تھا اور وہ اس کے ذریعے ان کے حالات معلوم کرتا تھا، عام طور پر اس کا انتخاب افراد قبیلہ میں سے ہوتا کیونکہ وہ کسی اور کی نسبت اپنے قبیلے کو بہتر طور پر جانتا تھا، ان دونوں کے مفہوم میں جنگ و قتال کے حالات کی خصوصی پہچان کیوں شامل ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حکام عموماً جنگ و مقابلہ کی تیاری میں افراد و سامان کی جانچ پڑتال کے لئے نقباء و عرفاء کا تعین کرتے تھے، لہٰذا بعض حضرات نے ان دونوں کو فوج و لشکر کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔

التراتیب الاداریہ میں کتانی نے عرفاء کی تعریف میں کہا ہے ...... وہ لشکر کے سردار اور کمان کرنے والے ہیں، شائد انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ لشکر کے حالات انہیں کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں، یہ بات المنتقیٰ میں کہی گئی ہے۔ (۱۲۸)

المبسوط کی کتاب الفیئ و قسمۃ الغنائم کے آخر میں ہے: امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ لشکر کے کئی گروہ اور جماعتیں بنائے اور ہر گروہ پر الگ الگ عریف قرار دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "اور ہم نے تمہیں شعبوں اور قبیلوں میں قرار دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، نیز نبی اکرمؐ نے خیبر والے سال میں ہر دس افراد پر ایک عریف مقرر کیا تھا (۱۲۹)

علامہ نے التذکرہ میں کہا ہے: امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دیوان بنائے، اس سے مراد کتاب اور رجسٹر ہے جس میں عطیات کے لئے ایک ایک قبیلے کے افراد کے نام درج ہوں نیز ہر قبیلے کا ایک عریف قرار دے، ان میں ہر ایک قبیلے کے لئے ایک شعار اور علامت قرار دے اور ان کے علم مقرر کرے کیونکہ نبی کریمؐ نے خیبر کے سال میں ہر دس افراد پر ایک عریف مقرر کیا تھا۔ (۱۳۰)

بہر حال امت کے امام اور رئیس پر لازم ہے کہ وہ امت پر نظر و نگرانی رکھے اور لوگوں کے حالات، حاجات اور حکومت سے ان کی توقعات سے آگاہی حاصل کرے تاکہ ان کے معاملات کا انتظام اور ان کی حاجات و توقعات کو پورا کرنے کی کوشش کر سکے جو وہ امام سے وابستہ کئے ہوئے ہوں، اس امر میں ملک کی بقاء اور اس کے نظام کے استحکام کی ضمانت موجود ہے، اگر اس کی طرف توجہ نہ کی جائے تو پھر لوگوں میں بد دلی پھیلنے اور ملک کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔

پس یہ خبریں معلوم کرنے اور جاسوسی کے شعبوں میں چوتھا شعبہ ہے

التراتیب الاداریہ میں کتانی نے کہا ہے: باب امام کا اپنے شہر میں لوگوں پر جاسوس مقرر کرنا، شمائل ترمذی میں ابن ابی ہالہ کی طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ لوگوں سے سوال کرتے ان حالات کے بارے میں کہ جن میں لوگ رہتے سہتے تھے۔

شرح شفاء میں تلمسانی نے کہا ہے: یہ تجسّس کے اس باب میں سے نہیں کہ جس سے روکا گیا ہے، بلکہ یہ اس لئے ہے تاکہ فاضل و مفضول کی پہچان ہو اور وہ حاکم کی طرف سے اپنے اپنے قبیلے میں قائم ہوں، وہ جو اطلاعات دیں اسے ممنوعہ غیبت نہیں کہا جاتا، وہ نصیحت کے تحت آتی ہیں کہ جس کا حکم دیا گیا ہے۔

مناوی نے شمائل پر اپنے حاشیہ میں کہا ہے: یہ حکام کے لئے انکشاف اور رہبری ہے تاکہ وہ اس پر غور و فکر کریں نیز ان کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی جن کے پیرو زیادہ ہوں مثل فقہاء، صلحاء، اور اکابر قوم کے تاکہ وہ کسی متوقع نقصان و ضرر سے محفوظ رہیں جس کا تدارک بعض اوقات ممکن نہیں ہوتا۔ (۱۳۱)

میں کہتا ہوں ـــــ واجب ہے کہ جو شخص اس عہدے کے لئے معین کیا جائے وہ عقلمند، روشن دماغ، زیرک، عادل، دلیر اور صادق القول ہو جسے امام و حاکم کا دبدبہ ان باتوں کو بیان کرنے سے مانع نہ ہو جن کا اس نے مشاہدہ و معائنہ کیا ہو، وہ لوگوں کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہو اور ان اجتماعات، بازاروں اور دیگر مواقع پر ان کے ساتھ شمولیت رکھتا ہو تاکہ وہ ان کی خواہشات، نظریات اور توقعات سے آگاہ رہے نیز اسے ہمیشہ لوگوں کی حمایت اور ان کا دفاع کرنے کی فکر رہتی ہو خصوصاً غریبوں اور کمزوروں کی حاجات پوری کرے اور ان کے توقعات امام تک پہنچائے اوز جہاں تک ہو سکے ان پر اصرار کرے، وہ محض حکومت کی رائے اور اس کی حکمت عملی کا پابند نہ ہو اور صرف حاکم اور عمال کی خوشی کے لئے کام نہ کرے۔

پس اس مقام تک ہم خبریں لینے اور عام لوگوں کے حالات کی جاسوسی کے چند مسائل سے متعرض ہوئے ہیں اور ہم نے اسے چار شعبوں میں تقسیم کیا ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں، رہ گئی دشمن کے جاسوس کی بحث تو اسے ہم اسلام کی خارجہ پالیسی کی

فصل میں پیش کریں گے. انتظار کریں

چوتھی جہت۔ اخبار معلوم کرنے سے متعلق کچھ اور امور جن کا بتانا ضروری ہے۔

۱۔ جیسے بیان ہو چکا ہے کہ تجسّس و نگرانی ایک خطرناک امر ہے جس کا تعلق لوگوں کی عزت و حرمت اور ان کی جائز شرعی آزادیوں سے ہے لہٰذا جائز نہیں کہ یہ کام سوائے اس کے کسی اور کے سپرد کیا جائے جو عقلمند، باہوش، موازین شریعت کا پابند، حرام و واجب کا عالم، لوگوں پر مہربان اور ان کے اسرار اور رازوں کا محافظ ہو اور ان کی تحقیر نہ کرتا ہو. وہ لوگوں کی تذلیل خصوصاً معاشرے میں ایک حیثیت اور نمایاں مقام رکھنے والوں کی تذلیل نہ کرنا چاہتا ہو اور ان کے لئے بغض و کینہ نہ رکھتا ہو۔

۲۔ مخفی نہیں کہ کفار و منافقین جو حکومت اسلامی کے مخالف اور دشمن ہیں ان کی نگرانی کا کام سرکاری حکام اور عام مسلمانوں پر نگاہ و نظر رکھنے سے مختلف نوعیت کا ہے کیونکہ پہلے دو شعبے ایک خاص سختی کے حامل ہوتے ہیں اور کفار و منافقین کے نگرانوں کی ایک خاص ذہنیت ہے جس میں بدگمانی اور عدم اعتماد غالب ہوتا ہے، پس یہ چیز امت کی نگرانی اور دیکھ بھال کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی، اسی طرح ان عمال و حکام کا معاملہ ہے جو عام طور پر اچھی روش کے حامل اور جرم سے بری ہوتے ہیں. ان کی نگرانی اور خاص کر قوم و ملت کے حالات کی جستجو میں زیادہ تر لطف و ملائمت کی ضرورت ہے. پس ان دو مختلف صفات کا ایک شخص میں جمع ہونا بہت مشکل ہے. اس لئے ضروری ہے کہ تمام شعبے ایک ہی فرد کے سپرد نہ کئے جائیں اور ہر ایک کے لئے ایک الگ عہدیدار اور ذمہ دار مقرر و معین کیا جائے۔ اسی طرح قضاوت و عدالت کے مختلف اداروں میں تحقیق و تفتیش کرنے اور باز پرس کرنے کے لئے مومن اور خاص طور پر صاحب حیثیت لوگوں کے معاملے میں اس شخص کے علاوہ دوسرا فرد ہونا چاہئے جو مسلمانوں کے دشمنوں اور مخالفوں سے پوچھ گچھ کرتا ہے۔

۳۔ آپ بحث کی پہلی جہت میں پڑھ چکے ہیں کہ لوگوں کے انفرادی اور خانگی معاملات کے متعلق تحقیق و جستجو کرنا حرام مؤکد ہے جیسا کہ لوگوں کے اسرار اور ان کے پوشیدہ شخصی عیوب کو فاش اور مشہور کرنا اور معاشرے میں ان کے وقار کو ٹھیس لگانا حرام ہے. نیز اہل علم و فضل کو منع کرنا جائز نہیں جب وہ عالموں، حاکموں اور امیروں کو وعظ و نصیحت کریں اور ان کی شرعی و قانونی خلاف ورزیوں پر صحت مند تنقید اور جائز اعتراض کریں جو ان لوگوں سے اسلام کے نظام عدل کے بارے میں ظاہر ہوتی ہیں. اس کے علاوہ جائز بلکہ واجب ہے کو لوگوں کی ان تنظیموں، تحریکوں اور سرگرمیوں کی تحقیق و تجسّس کیا جائے جو وہ اسلام. نظام حکومت اور عمومی مفادات کے برخلاف جاری رکھتے ہیں

اس بناء پر کہ بعض اوقات ایک معاملہ عہدیداروں پر مشتبہ ہو جاتا ہے کہ جب کوئی امر واجب اہم اور حرام مؤکد کے درمیان آ پڑتا ہے، یہ بہت خطرناک اور حساس صورت حال ہوتی ہے. ادھر نفس انسانی برائی پر ابھارتا ہے مگر وہ اس سے بچ سکتا ہے جس پر خدائے تعالیٰ رحم فرمائے. پھر یہ کہ قوت و اقتدار نفس کو عام طور پر سرکشی اور بے قاعدگی پر اکساتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ حدود و قوانین کے ذریعے حد بندی کی جائے ان امور میں جو جائز ہیں اور ان امور میں جو جائز نہیں ہیں. ان

قوانین میں ان موارد کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہو کہ جن میں لوگوں کی نگرانی کرنا، انہیں حراست میں لینا اور تفتیش کرنا جائز ہے تحقیق کے دوران ان سے برتاؤ اور سلوک کی کیفیت اور اس کے قواعد مقرر کئے جائیں، اخبار معلوم کرنے والوں کے باہمی ربط اور ایک دفتر کی دوسرے دفتر سے ہم آہنگی نیز ہر ایک کی ذمہ داری معین ہو کہ کوئی شخص کسی ایسے کام میں مداخلت نہ کرے جو اس کے ذمے نہیں ہے، یہ جائز نہیں کہ سارا معاملہ اس کے سپرد کر دیا جائے جو جستجو کرنے اور خبریں معلوم کرنے کا ذمہ دار ہے کہ وہ جو چاہے کر گزرے جیسا کہ جابر و قاہر حکومتوں میں کیا جاتا ہے۔

اس بارے میں باریک بینی سے کام لیا جائے اور اہل عقل، تجربہ کار، صادق القول، امانتدار، ذہین، دلیر، رحمدل، بندوں پر شفقت کرنے والے اور موازین اسلام پر عمل کرنے والے افراد میں سے تحقیق اور جستجو کرنے اور خبریں حاصل کرنے کے لئے ملازمین کا انتخاب کیا جائے جیسا کہ چھٹے باب کی چوتھی فصل میں ادارۂ انتظامیہ کی بحث میں بیان ہو چکا ہے، وہاں بہت سی روایات ذکر ہوئی ہیں جو وزیروں اور عاملوں کی صفات پر دلالت کرتی ہیں، پس مراجعہ کریں۔

تجسس کرنے اور خبریں معلوم کرنے والوں کی وقت بے وقت نگرانی کرنا اور ان پر بابصیرت اور ہوشمند جاسوسوں کو مقرر کرنا لازم ہے تاکہ وہ ان کے اعمال اور معاشرت پر خفیہ طور پر نظر رکھیں اور ان میں سے جو کسی خلاف ورزی کے مرتکب پائے جائیں انہیں سخت سے سخت سزا دی جائے، یہ سارا اہتمام اس کام اور ذمہ داری کے اہم اور حساس ہونے کے باعث ہے، اگر فرض کریں کہ یہ عظیم ادارہ جس کا کام بڑا دقیق اور اہم ہے اگر وہ اپنے نظام اور اہداف و مقاصد سے منحرف ہو جائے چاہے ایک جزو سے کیوں نہ ہو تو نتیجے کے طور پر قوم اور حکومت میں بہت زیادہ دوری اور علیحدگی پیدا ہو جائے گی اور پھر بڑھتی ہی چلی جائے گی جیسا کہ بہت سے ملکوں میں ایسا ہوا ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر حکومت اور ملک کے کسی شعبے یا گوشے میں کوئی خرابی ہو تو وہ دور تک پھیل جاتی ہے، پس غور کریں

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخابرات (جاسوسی) کا محکمہ اپنے لئے ایک ضابطے اور نظم کا محتاج ہے جو اپنے عملے اور کارگزاروں کی نگرانی اور ان کے حالات کا تجسس کرے خصوصاً جب یہ ادارہ وسعت اختیار کر جائے اور اس کے شعبے بہت زیادہ ہو جائیں جیسا کہ ہمارے آج کے زمانے میں ہے۔

ایسا کیوں نہ ہو؟ جبکہ یہ ممکن ہے کہ مخابرت و جاسوسی کا محکمہ اپنی وسعت، شعبوں کی کثرت اور اپنی خطرناک تدبیروں اور قوتوں کو خفیہ رکھنے کی وجہ سے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ حکام کے عزل و نصب کے علاوہ حکومتوں کے سقوط میں دخیل ہوتا ہے اور بعض اوقات دوسرے ملکوں اور حکومتوں میں بھی دخل انداز ہو جاتا ہے جیسا کہ امریکہ کا خفیہ ادارہ سی آئی اے ہے۔ پس امام پر لازم ہے کہ امن عامہ کے بعد مخابرت و جاسوسی کے ادارے پر کڑی نظر رکھے تاکہ وہ ملک میں کوئی غلط اقدام نہ کرے۔

۴۔ بعض اوقات نبی اکرمؐ کے بریدہ بن حصیب اسلمی کو بنی مصطلق کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجنے اور اسے جھوٹ بولنے کی اجازت دینے سے یہ وہم و گمان کیا جاتا ہے کہ جاسوس اور خبریں معلوم کرنے والے کو حق پہنچتا ہے کہ وہ جھوٹ اور بناوٹ سے کام لے جیسا کہ گزر چکا ہے، بلکہ دیگر محرمات شرعی مثل شراب پینے، سؤر کا گوشت کھانے، نماز و روزہ

ترک کرنے. اجنبی عورت سے مصافحہ کرنے نیز جنسی روابط پیدا کرنے اور دوسرے ایسے امور بھی اس کے لئے روا ہیں جیسا کہ غیر مسلم ممالک کے جاسوسوں کا معمول ہے اور کبھی اس مطلب کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ہدف و مقصد اسے حاصل کرنے کے ذریعے اور وسیلے کو صحیح بنا دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں ـــــ یہ طریقہ کار کلی و قطعی طور پر ممنوع ہے کیونکہ ہمارے نزدیک خود حکومت کوئی ہدف و مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد موازین اسلام کو قائم کرنا اور اس کے احکام کو معاشرہ میں نافذ کرنا ہے. لہٰذا کوئی حکومت اور استخبار و جاسوسی جائز اور مشروع نہیں ہو سکتی جب تک وہ اس طریقے اور قاعدے کے مطابق نہ ہو. پس واجب ہے کہ حکومت و جاسوسی وغیرہ سب کچھ اسلام پر قربان ہو جائیں البتہ بعض اوقات نظام کی حفاظت یا عمومی مفادات کی نگہداشت یا کسی فعل حرام کے ارتکاب پر کسی واجب کے ثابت ہونے کا انحصار ہو کہ جو اس کے مقابل اہمیت نہیں رکھتا مثلاً نظام عدل کے تحفظ یا نبی کریمؐ کی حفاظت کے لئے جھوٹ یا توریہ سے کام لینا تو یہاں باب تزاحم کے احکام جاری ہوں گے. پس باب تزاحم کا لحاظ رکھنا واجب ہے اور اس کے احکام افراد. معاشروں اور زمانوں کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے. چنانچہ یہ کہنا کہ ہدف کسی وسیلے اور ذریعے کو مطلقاً صحیح بنا دیتا ہے یہ عقل و شرع کے لحاظ سے باطل ہے. یہ ایک ضروری نکتہ ہے اور لازم ہے کہ خفیہ ادارے کے کارگزار اور تفتیشی و تحقیقی عملہ اس کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ بعض اوقات وہ جو کچھ بلاد کفر کے جاسوسوں اور مخبروں کے طریقوں اور کارروائیوں کے بارے میں دیکھتے یا سنتے ہیں تو شبہ میں پڑ جاتے ہیں جبکہ ان لوگوں کے لئے اپنے مقصد کے حصول میں ہر جرم و گناہ حلال ہے اور وہ اسے جائز سمجھتے ہیں۔

کیا دشمن سے گلو خلاصی کے لئے جان بوجھ کر خودکشی کرنا جائز ہے جیسا کہ اگر مسلمان عورت کو یقین ہو کہ اس کی عزت و ناموس کی ہتک حرمت ہوگی یا ایک مسلمان کو اس بات کا علم ہو کہ اسے ایسی بات کا اقرار کرنا پڑے گا جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچے گا ورنہ اسے ایسا عذاب دیا جائے گا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا ـــ اس مسئلہ میں دو وجہیں ہیں. ظاہر یہ ہے کہ احکام تزاحم اور اس کے ترجیحات کی رعایت کی جائے لیکن مہم اور اہم کی تشخیص میں احکام شرع اور اس کے مقررات کے وسیع علم و اطلاع کی ضرورت ہے اور یہ ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتے۔

۵۔ نویں جہت کی فصل تعزیرات میں انکشاف و اعتراف کے لئے متہم کو تعزیر لگانے کی بحث ہو چکی ہے. یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں اور جو تفصیل چاہتا ہو وہ اس کی طرف رجوع کرے. پس جو کچھ ہم نے وہاں بیان کیا اس کا ماحصل یہ ہے کہ متہم کو صرف تہمت کی بناء پر اس چیز کے انکشاف کے لئے تعزیر لگانا کہ اس کے فعل میں سے جس کے معلوم ہونے کا احتمال ہو یا کسی دوسرے کے فعل یا دیگر حوادث کا انکشاف کرانے کے لئے ایسا کیا جائے تو یہ اس شخص پر ظلم ہے نیز یہ عمل وجدان بشر اور لوگوں کے اپنے نفسوں پر بااختیار ہونے اور جب تک ثبوت نہ ہو تہمتوں سے بری ہونے کے خلاف ہے. علاوہ ازیں لوگوں کو مارنے پیٹنے اور انہیں عذاب دینے کی حرمت میں روایات وارد ہوئی ہیں جو قریب تواتر ہیں. چنانچہ عذاب اور شکنجہ کی صورت میں کسی کے اعتراف و اقرار کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس پر قریب تواتر اخبار دلالت کرتے ہیں۔

جیسا کہ ابوالبختری کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا. جو شخص برہنہ کئے جانے. ڈرانے

دھمکانے یا قید و بند میں رکھے جانے کی بناء پر اعتراف جرم کرے تو اس پر حد نہیں ہے (۱۳۲)

البتہ حق کے انکشاف یا حقوق اللہ میں سے کسی حق کے ادا کرنے خصوصاً قتل وخون کے معاملے میں کہ جب متہم کے بھاگ جانے اور پھر ہاتھ نہ آنے کا احتمال ہو تو قید کرنا جائز ہے۔

الوسائل میں ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی نقص نہیں سکونی کی خبر میں ابو عبداللہ ؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: نبی اکرم ؐ قتل وخون کی تہمت میں چھ دن تک قید کرتے تھے. پس اگر مقتول کے وارث کوئی ثبوت لے آتے تو خیر ورنہ آپ اسے رہا کر دیتے تھے۔ (۱۳۳)

جبس و قید کی فصل میں اس سلسلے کی روایات بیان ہو چکی ہیں پس مراجعہ کریں

اگر چہ قتل وخون کے موارد کے علاوہ یہ حکم کرنا مشکل ہے جیسا کہ گزر چکا ہے تو بھی یہ تہمت اور احتمال کی صورت میں ہے. لیکن جب حاکم کو علم و یقین ہو کہ فلاں شخص کے پاس ایسی اطلاعات ہیں جو نظام کی حفاظت یا دفع شر یا تقویت اسلام یا حقوق مسلمین کے سلسلے میں نفع بخش ہیں اور عقل و شریعت کے حکم سے انسان پر ان کا ظاہر کرنا واجب ہے نیز یہ وجوب اس پر بھی واضح ہے لیکن اس کے باوجود وہ بغض و عناد کے تحت اس شہادت و گواہی کو چھپاتا ہے تو اس صورت میں انکشاف اور حصول معلومات کے لئے متہم کو تعزیر لگانا جائز ہے علاوہ اس کے کہ اس کے اعتراف پر بھی اس کے لئے سزا ہو. کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ واجب کے ترک کرنے پر سزا و تعزیر جائز ہے اور فرض یہ ہے کہ اس سے آگاہ کرنا اور اس کا بتانا اس پر واجب ہے۔

جہاں تک زنا، لواطت، شراب نوشی اور اسی طرح کے دوسرے گناہوں کا تعلق ہے جو صرف حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرنے والے پر اس کا اظہار کرنا واجب نہیں ہے اور حاکم کو بھی اسے ڈرانے دھمکانے اور تعزیر لگانے کا حق نہیں ہے بلکہ ان صورتوں میں لازم و ضروری امر وہی پردہ پوشی اور خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنا ہے۔

یہ ہمارے اس بیان کا خلاصہ ہے جو ہم نے جبس و قید کی فصل میں درج کیا ہے پس اس کی تفصیل وہاں دیکھیں کیونکہ وہاں ہم نے اس بارے میں پانچ مسئلے ذکر کئے ہیں لہٰذا مراجعہ کریں۔

مخفی نہیں کہ اظہار و اعلام کے موارد کی تشخیص کہ جس کے لئے کسی شخص کو تعزیر لگائی جائے. نیز تعزیر کی کیفیت اور متہم کے لئے اس کی مقدار اور نوع کا تعین وغیرہ ایسے دقیق امور ہیں جن کو سوائے اس کے کسی کے سپرد نہیں کیا جاسکتا جو تشخیص کی اہلیت رکھتا ہو اور ان شرائط کا حامل ہو کہ عقل و دانش اور صدق و امانت کے ساتھ مہر و شفقت بھی رکھتا ہو ورنہ اس کے نتیجے میں حکومت اور امت کے لئے ایک بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو جائے گا. پس غور کریں۔

۶۔ کسی شخص کو جاسوس و نگران مقرر کرنا اس بات پر موقوف نہیں کہ وہ کوئی اور شغل نہ رکھتا ہو بلکہ اس میں اصل چیز اس کا باخبر اور اہل ہونا ہے. یعنی وہ ان شرائط کا حامل ہو جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے. پس ممکن ہے کہ اس ذمہ داری میں مجلس شوریٰ کے ارکان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ وہ اپنے حلقہ نیابت کے لوگوں کے حالات سے باخبر

ہوتے ہیں. اسی طرح بعض دیگر ذمہ دار افراد مثل ائمہ جمعہ و جماعات. اساتذہ. طلباء نیز گاڑیبانوں اور دیگر پیشہ ور لوگوں اور سرداران قبائل سے بھی یہ کام لیا جاسکتا ہے۔

بلکہ بہتر صورت اور بیت المال کے لئے مفید طریق کار یہ ہے کہ اس سلسلے میں مخلص اور ذمہ دار شہریوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے کیونکہ بہت سے ملازمین رکھنے سے بیت المال پر اور مسلمانوں پر کثیر اخراجات کا بوجھ ڈالنا ان کے لئے خسارے اور تکلیف کا باعث ہے، پس واجب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم وقت اور سرمایہ کے خرچ سے یہ مقصد حاصل کیا جائے. لہٰذا اگر عام لوگ حکومت سے مطمئن ہوں اور اسے صحیح تصور کرتے ہوں تو وہ مخلصانہ و رضا کارانہ طور پر حکومت کے کارندے بن جائیں گے اور یوں حکومت اور عوام ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں گے اور ملک مضبوط ہو جائے گا، پس اصل اور اہم بات لوگوں کی رضامندی حاصل کرنا اور ان کا حکومت اور اس کے اقدامات پر یقین کرنا ہے، یہ ایک اہم نکتہ ہے جس کی طرف ہر اس شخص کو التفات کرنا چاہئے جو ملک و حکومت کی بقاء چاہتا ہو۔

۷۔ کیا اسلامی محکمہ استخبار و جاسوسی ــــ ادارہ تنفیذی (انتظامیہ) سے متعلق اور اس کا ایک حصہ ہے یا ادارہ قضائی (عدلیہ) سے مربوط یا براہ راست امام و حاکم کے ماتحت ہے؟ اس مسئلہ میں کئی وجوہ ہیں

بعض اوقات پہلے احتمال کی تائید اس طرح کی جاتی ہے کہ ملک کا انتظام کرنا رئیس حکومت اور اس کے وزراء کا فریضہ ہے اور مختلف وزارتیں داخلی و خارجی دشمنوں اور ان کی طرف سے مقرر کئے ہوئے کارندوں کے حالات اور لوگوں کی کیفیات و شکایات کے استخبار اور ان کی نگرانی کرنے کی ضرورت رکھتی ہیں۔

اگر آپ کہیں کہ امام ہی سب سے بڑا ذمہ دار ہے جیسا کہ اس باب کی تیسری فصل میں گزر چکا ہے کہ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ ملک کے حاکم اعلیٰ کے دست و بازو ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ استخبار و جاسوسی کا محکمہ اس کے ماتحت ہو تاکہ اس کے ذریعے وہ ان تینوں اداروں اور ان کے مختلف شعبوں کی نگرانی کر سکے، اور عوام کے حالات و کیفیات سے باخبر رہ سکے، مگر میں کہوں گا کہ محکمہ جاسوسی کا انتظامیہ کا ایک حصہ ہونا اس سے مانع نہیں ہے کہ امام و حاکم اس کا ذمہ دار ہو کہ وہ اسے احکام دے یا اسے کسی خاص شعبے کی تشکیل کی ہدایت کرے جو براہ راست حاکم کے زیر نگرانی ہو کیونکہ سبھی اس کے عمال اور کارگزار ہیں اور اس کے زیر حکم ہیں۔

دوسرے احتمال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ استخبار و جاسوسی کا خاص تعلق ادارۂ عدلیہ کے اعمال سے ہے اور استخبار کا نظام گویا اس کا ذیلی ادارہ ہے کیونکہ ہر محکمہ میں قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کا معاملہ آخر کار قضاوت و عدالت کی طرف راجع ہوتا ہے، نیز یہ کہ استخبار و جاسوسی کا ادارہ کسی ملزم اور متہم فرد کو عدلیہ کی اجازت کے بغیر گرفتار نہیں کر سکتا۔

تیسرے احتمال کی تائید اس چیز سے ہوتی ہے کہ حاکم اعلیٰ، اس کے وزراء اور ان کے محکموں کی نگرانی جاسوسی کے اہم شعبوں میں سے ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ نگرانی کرنے والا اس سے الگ ہو کہ جس کی نگرانی کی جائے بلکہ وہ اس سے بالاتر اور اس پر اختیار رکھتا ہو، شائد شعبۂ انتظامیہ عام طور پر اسے ناپسند کرتا ہے کہ اس کی غلطیوں اور بے قاعدگیوں نیز لوگوں کی حاجتوں

اور شکایتوں کا اظہار ہو، اس لئے وہ ایسے واقعات اور حقائق کو حاکم اعلیٰ پر ظاہر نہیں ہونے دیتے اور وہ اسے سب اچھا کے گمان میں ڈالے رکھتے ہیں، بعض اوقات وہ واقعات کو توڑ موڑ کر اس کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ ان کی کوتاہی اور خامی عیاں نہ ہونے پائے لیکن اس میں حکومت اور عوام کا بڑا نقصان ہے بلکہ بعض مواقع پر تو اس سے حکومت کے خلاف انقلاب برپا ہونے اور اس کے ختم ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں ــــــ سب سے موزوں اور قریب تر وہی تیسرا احتمال ہے کیونکہ حکومت اسلامی میں اصل ذمہ دار امام و حاکم ہی ہے اور حقیقی حکمران وہی ہے جبکہ دوسرے لوگوں کی ذمہ داری اسی کے فرائض و وظائف کے فروعات ہیں، لہٰذا وہ استخبار و جاسوسی کی اطلاعات و اخبار کا زیادہ ضرورتمند ہے پس زیادہ مناسب یہ ہے کہ استخبار و جاسوسی کا محکمہ اس کی ذاتی نگرانی میں ہو اور وہی اسے حکم دے گا کہ وہ دوسرے اداروں کے ساتھ رابطہ قائم کرے، یہ احتمال بھی ہے کہ جاسوسی کے کئی شعبے ہوں اور جو شعبہ داخلی و خارجی دشمنوں کی نگرانی کے لئے ہو وہ حاکم اور انتظامیہ کی مشترکہ نظارت میں رہے نیز جاسوسی کا ایک مستقل ادارہ امام کے لئے ہو کہ جس سے وہ انتظامیہ وعدلیہ اور عوام کے حالات سے باخبر رہ سکے اور ان کی دیکھ بھال کرے، اسی طرح ایک مخصوص ادارہ جاسوسی صدر مملکت اور اس کے وزراء کے لئے ہو کہ وہ اس کے ذریعہ ضروری معلومات حاصل کریں۔

اس کی تائید امیرالمومنینؑ کے اس حکم سے ہوتی ہے جو آپ نے مالک اشتر کو دیا تھا کہ وہ اپنے عمال اور حکام پر جاسوس مقرر کرے علاوہ اس کے جو معلوم ہو چکا ہے کہ امام کے خاص جاسوس بھی ہونا چاہئیں جو اسے ہر طرف کی خبریں پہنچاتے رہیں۔

بہرحال امام جو حکومت کا اصل ذمہ دار ہے اس کے لئے سوائے اس کے چارہ نہیں کہ وہ حکومت اور ملت کے بارے میں مکمل اطلاعات رکھتا ہو اور ہر ایک کے بارے میں اس کو معلومات حاصل ہوں۔

مسعودی نے مروج الذہب میں کہا ہے: مقری نے ذکر کیا ہے کہ جب حکومت بنی امیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنی عباس کے قبضے میں آگئی تو بنی امیہ کے ایک بزرگ سے سوال کیا گیا جو ان کا محصل رہ چکا تھا کہ ان کے زوال حکومت کا سبب کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ ہم ان امور کی نگرانی چھوڑ کر عیش میں پڑ گئے کہ جن کی دیکھ بھال ضروری تھی، ہم نے رعیت پر ظلم کیا اور وہ ہماری طرف سے انصاف ملنے سے ناامید ہو گئے، ہم نے راحت حاصل کرنے کی تمنا کی اور خراج دینے والوں پر زیادہ بوجھ ڈالا، پس وہ ہم سے الگ ہو گئے پس ہماری جاگیریں اجڑ گئیں اور بیت المال خالی ہو گئے، ہم نے اپنے وزراء پر بھروسہ کیا لیکن انہوں نے ہمارے مفاد پر اپنے مفاد کو ترجیح دی اور انہوں نے معاملات کو ہمارے حکم کے بغیر طے کیا، ان کے بارے میں معلومات کو ہم سے پوشیدہ رکھا اور ہمارے لشکر کی تنخواہوں میں تاخیر ہوتی رہی جس سے ان کی طرف سے ہماری اطاعت ختم ہو گئی، تب ہمارے دشمنوں نے انہیں اپنی طرف بلایا اور انہیں اپنے ساتھ ملا کر وہ جنگوں میں ہم پر فتح یاب ہو گئے، ہم نے اپنے دشمنوں کی شناخت کی لیکن مددگاروں اور ساتھیوں کی قلت کے باعث ان کے مقابل عاجز ہو گئے، تاہم ضروری خبروں کا ہم سے پوشیدہ رہنا ہماری حکومت کے زوال اور خاتمے کے اسباب میں سب سے بڑا سبب تھا۔ (۱۳۴)

میں کہتا ہوں ــــــ اوپر کے جملوں میں سے آخری جملے پر غور و فکر کریں اور اس کو تمام ملکوں اور زمانوں پر منطبق کریں۔

۸۔ استخبار و جاسوسی کی فصل کے آخر میں ہم محترم قارئین کو اس چیز کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ حکومت اسلامی میں استخبارات و جاسوسی کے نظام کا ہدف و مقصد اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت، نظام عدل کا استحکام، لوگوں کو مطمئن کرنے اور حقوق کی حفاظت کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے اور اس کا مقصد رؤساء و زعماء کے مفاد کی حفاظت اور ان کی حکومت کو پختہ کرنا نہیں کہ وہ جیسے بھی ہوں اور جو بھی کریں ان کو تحفظ دیا جائے، خواہ وہ مظلوم امت کی آواز کو دبانا چاہیں اور ان کی جائز آزادیوں کو سلب کریں جیسا کہ محکمہ جاسوسی کے نام سے ایسا وہم ہوتا ہے اور اکثر اسلامی و غیر اسلامی ملکوں میں استخبار و جاسوسی اور امن عامہ کے نظام سے عیاں ہوتا ہے لیکن حکومت اسلامی میں شعبۂ جاسوسی ظالموں کو خوش رکھنے کے لئے نہیں مظلوموں کو حق دلانے کے لئے کام کرتا ہے۔

جو امور امن و امان کے رائج نظاموں میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں وہ یہ ہیں

۱۔ حاکم کی ذاتی غلط روی کہ جب وہ اپنے حکم و فرمان میں غیر مسلم طاقتوں کی منشاء و ایماء کا لحاظ رکھے اور مسلم قوم کی ضرورت اور خواہش نیز اسلامی احکام کو مدنظر نہ رکھے۔

پس یہ طرز عمل فساد و خرابی کے پھیلنے، حقوق کے ضائع ہونے، اسلام و مسلمانوں کی کمزوری اور کفار کے منصوبوں کی تقویت کا موجب ہے بلکہ اس کے ہر حکم میں یہی چیز شامل ہوتی ہے اور خاص کر امن عامہ اور جاسوسی کے نظام میں وہ ایسا ہی کرتا ہے، پس وہ حکام لوگوں کو تہمت و گمان میں پکڑتے، قسم قسم کے شکنجوں کی سزا دیتے، مسلمانوں کی ہتک حرمت کرتے اور محترم نفوس کو قتل کرتے ہیں، یہ سب کچھ کفر و گمراہی کے منصوبوں کی بنیاد پر ہو رہا ہے اگرچہ اسے اسلام کا نام دیا جاتا ہے، جہاں تک ایسے حاکم کا تعلق ہے جس کے حکم و فرمان کی بناء مسلمانوں کے ارادوں اور خواہشوں پر قائم ہے تو بے شک اس کا امن عامہ اور استخبار و جاسوسی کا نظام اسلامی احکام پر عمل کرنے والے مسلمانوں کے لئے اطمینان و سکون کا نظام ہے، اس نظام کے عہدیداروں اور کارگزاروں کے نزدیک یہ نظام لوگوں کو ڈرانے دھمکانے، انہیں مرعوب کرنے اور دبانے کے لئے نہیں بلکہ یہ ان سے محبت اور ان کے بارے میں حسن ظن رکھنے پر قائم ہوتا ہے، اس میں ان کے اعمال و افعال کو درست تصور کیا جاتا ہے مگر یہ کہ اس کے لئے کوئی صحیح شرعی دلیل ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

یایها الذین آمنوا، اجتنبوا کثیراً من الظن، انّ بعض الظن اثم، ولا تجسّسوا ولا یغتب بعضکم بعضا –

(۱۳۵)

"اے ایمان والو! بہت سے گمان (بد) سے بچے رہو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے"۔

نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ فرمایا: تم گمان (بد) سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور جستجو و چھان بین

نہ کرتے پھرو اور نہ ایک دوسرے سے لڑو جھگڑو۔ (۱۳۶)

اس سلسلے کی بہت سی احادیث پہلی فصل میں گزر چکی ہیں، پس مراجعہ کریں۔

کیوں نہ ہو؟ جبکہ مسلمانوں کے امام کی سیرت حضرت رسولؐ کی سیرت کے مطابق ہونی چاہئے. جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سیرت کے بارے میں فرمایا:

لقد جاء کم رسول من انفسکم، عزیز علیه ماعنتم، حریص علیکم، بالمؤمنین رؤوف رحیم - (۱۳۷)

"لوگو! تمہیں میں سے (ہمارا) ایک رسولؐ تمہارے پاس آچکا ہے (جس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ) اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ اور اسے تمہاری بہبودی کا ہو کا ہے. ایمان داروں پر حد درجہ شفیق و مہربان ہے۔"

پس ضروری ہے کہ حاکم اور اس کی طرف سے مقرر عمال کی سیرت اس طرح کی ہو۔

۲۔ اس وقت مسلم ملکوں اور تیسری دنیا میں امن عامہ اور استخبار و جاسوسی کا نظام اور ان سے متعلق ادارے امریکی و روسی طور طریقوں کی تقلید کرتے ہیں جس طرح وہ اپنی ثقافت. معاشرتی نظام اور عادات و اطوار میں بھی ان کی نقالی کر رہے ہیں. جبکہ ان کا طریقہ اسلامی معاشروں اور کمزور قوموں کی دشمنی پر مبنی ہے اور وہ اپنے جاسوسی اداروں اور دیگر ذرائع کو ان کی آواز کو دبا دینے کے لئے کام میں لاتے ہیں. لہٰذا یہی چیز ان کی تقلید کرنے والے حکمرانوں میں سرایت کرتی ہے اور ان کے جاسوسی ادارے بھی اسی ڈگر پر چلتے ہیں. حالانکہ اسلامی نظام میں یہ چیز معین ہے کہ مسلمانوں کی ثقافت اور اطوار نیز ان کے ادارے اسلامی احکام کے تحت تشکیل پائیں. پس مسلم حکمران کو چاہئے کہ وہ اس سے بچے اور اپنے حکومتی و جاسوسی اداروں کے نام بھی دشمنوں کے اداروں جیسے نہ قرار دے کیونکہ نام لینے سے اس چیز کا تصور ابھرتا ہے جس کے لئے وہ تجویز کیا گیا ہو لہٰذا مسلم حکومتوں کو غیر مسلموں کے اداروں سے ملتے جلتے نام کے ادارے نہیں بنانا چاہئیں بلکہ وہ ان کے لئے اسلامی نام مقرر کریں۔

۳۔ اکثر ملکوں میں امن عامہ اور استخبار و جاسوسی کے اداروں کے افسر اور کار گزار ایسے لوگوں میں سے لئے جاتے ہیں جو فاسد و مفسد اور اصول اخلاق و شریعت سے دور ہوں. پس ان محکموں پر فساد. کذب اور مکر کا سایہ ہے اور وہ لوگ اپنے فساد و بے اصولی سے مسلمانوں کو عذاب و تکلیف دیتے ہیں. جبکہ اسلام نے واجب قرار دیا ہے کہ اسلامی نظام کا نگراں اور اس کے عمال خدا کے فرمانبردار. اہل صدق و وفا. صاحب امانت و عقل اور اسلامی اخلاق فاضلہ کے حامل ہوں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

۴۔ اکثر ملکوں میں امن عامہ اور استخبار و جاسوسی کے نظاموں کا ہدف و مقصد اور ان کا دائرہ کار حاکم اعلیٰ کی شخصیت و ذات کی حفاظت. اس کی حکومت کا بچاؤ اور سرکاری افسروں کا تحفظ کرنے تک محدود ہے خواہ وہ کسی بھی طرح ہو پائے. ان کی کارکردگی کے لئے یہی معیار مقرر ہے اور ان کے نزدیک دیگر شرعی و اخلاقی اصولوں کا کوئی وزن نہیں ہے. لیکن حکومت اسلامی میں استخبار و جاسوسی کے محکمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرعی اصولوں اور اخلاقی قدروں کا پابند رہے. اس کا ہدف و

مقصد اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ اور نظام عدل و انصاف کا استحکام ہے اگرچہ امام کے وقار کی حفاظت بھی اسلام اور اس کے مقررات کی حفاظت کے دائرے کے اندر اہم مصالح میں سے ہے۔ پس غور کریں۔

باب ٦ فصل ٨

حواشی

(۱) سورۂ حجرات۔ آیت ۱۲ (۲) مجمع البیان ۵/ ۱۳۷، الجزء ۹ (۳) المکاسب/ ۴۰ (۴) سورۂ نور۔ آیت ۱۹ (۵) تفسیر القرطبی ۱۶/ ۳۳۱ (۶) سنن البیہقی ۸/ ۳۲۳ کتاب الاشربۃ والحد فیھا، باب ماجاء فی النھی عن التجسس (۷) تفسیر القرطبی ۱۶/ ۳۳۲ (۸) اصول الکافی ۲/ ۲۵۷، کتاب الایمان والکفر، باب الغیبۃ والبھت، حدیث ۲ (۹) تفسیر نور الثقلین ۳/ ۵۸۲ (۱۰) الکافی ۸/ ۱۴۷، حدیث ۱۲۵ (۱۱) الکافی ۲/ ۳۵۴، کتاب الایمان والکفر، باب من طلب عثرات المومنین .... حدیث ۲ (۱۲) الکافی ۲/ ۳۵۵، کتاب الایمان والکفر، باب من طلب عثرات المومنین .... حدیث ۴ (۱۳) الکافی ۲/ ۳۵۵، کتاب الایمان والکفر، باب من طلب عثرات المومنین .... حدیث ۵ (۱۴) تفسیر القرطبی ۱۶/ ۳۳۳ (۱۵) الکافی ۲/ ۳۵۵، کتاب الایمان والکفر، باب من طلب عثرات المومنین .... حدیث ۶ (۱۶) الکافی ۲/ ۳۵۸، کتاب الایمان والکفر، باب الروایہ علی المومن، حدیث ۲ (۱۷) نہج البلاغہ۔ فیض/ ۹۹۷، عبدہ ۳/ ۹۶، لح/ ۴۲۹، مکتوب ۵۳ (۱۸) الغرر والدرر ۳/ ۳۱۸، حدیث ۴۵۸۰ (۱۹) الغرر والدرر ۳/ ۳۱۸، حدیث ۴۵۸۱ (۲۰) الغرر والدرر ۴/ ۱۷۵، حدیث ۵۷۳۵ (۲۱) الغرر والدرر ۵/ ۳/۷۱، حدیث ۸۷۹۹ (۲۲) الغرر والدرر ۵/ ۳/۷۱، حدیث ۸۸۰۲ (۲۳) الغرر والدرر ۴/ ۱۳۲، حدیث ۵۵۷۵ (۲۴) نور الثقلین ۵/ ۹۳ (۲۵) نور الثقلین ۵/ ۹۳ (۲۶) الوسائل ۱۸/ ۳۲۸، الباب ۱۶ من ابواب مقدمات الحدود حدیث ۶ (۲۷) سنن البیہقی ۸/ ۳۳۳، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی النھی عن التجسس (۲۸) تفسیر القرطبی ۱۶/ ۳۳۳ (۲۹) سنن البیہقی ۸/ ۳۳۳، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی النھی عن التجسس، تفسیر القرطبی ۱۶/ ۳۳۳ (۳۰) صحیح البخاری ۴/ ۱۷۲، کتاب الحدود، باب ظھر المومن حمی الاّ فی حداو حق (۳۱) کنز العمال ۳/ ۸۰۸، الباب ۲ من کتاب الاخلاق من قسم الافعال حدیث ۸۸۲۷ (۳۲) نہج البلاغہ۔ فیض/ ۵۴۹، عبدہ ۲/ ۱۰۰، لح/ ۲۴۴، خطبہ ۱۶۹ (۳۳) نہج البلاغہ۔ فیض/ ۴۴۲، عبدہ ۲/ ۳۹، لح/ ۲۰۳، خطبہ ۱۴۶ (۳۴) نہج البلاغہ۔ فیض/ ۱۱۹۷، عبد ۳/ ۲۰۸، لح/ ۵۱۲، حکمت ۲۵۲ (۳۵) الکافی ۱/ ۲۰۰، کتاب الحجۃ، باب نادر جامع فی فضل الامام و صفاتہ۔ حدیث ۱ (۳۶) کشف الغمہ ۲/ ۱۰۹ (۳۷) امالی المفید/ ۱۴، المجلس ۲، حدیث ۲ (۳۸) الوسائل ۱۱/ ۲۰، الباب ۶ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۲ (۳۹) قرب الاسناد/ ۱۴۸ (۴۰) نہج البلاغہ۔ فیض/ ۱۰۱۱، عبدہ ۳/ ۱۰۶، لح/ ۴۳۵، مکتوب ۵۳ (۴۱) تحف العقول/ ۱۳۷۔ دعائم الاسلام ۱/ ۳۶۱، کتاب الجہاد (۴۲) تحف العقول/ ۱۳۳ (۴۳) دعائم الاسلام ۱/ ۳۵۹، کتاب الجہاد (۴۴) نہج البلاغہ۔ فیض/ ۹۶۵، عبدہ ۳/ ۷۸، لح/ ۴۱۶، مکتوب ۴۵ (۴۵) نہج البلاغہ۔ فیض/ ۹۵۵، عبدہ ۳/ ۷۲، لح/ ۴۱۲، مکتوب ۴۰ (۴۶) نہج البلاغہ۔ فیض/ ۹۶۱، عبدہ ۳/ ۷۶، لح/ ۴۱۵، مکتوب ۴۳ (۴۷) نہج البلاغہ۔ فیض/ ۹۶۲، عبدہ

۳/ ۷۶، لح/ ۴۱۵، مکتوب ۴۴ (۴۸) نہج البلاغہ، فیض / ۱۰۵۲، عبدہ ۳/ ۱۳۳، لح/ ۴۵۳، مکتوب ۶۳ (۴۹) نہج البلاغہ.
فیض/ ۱۰۷۳، عبدہ ۳/ ۱۴۵، لح/ ۴۶۱، مکتوب ۷۱ (۵۰) نہج البلاغہ، فیض / ۹۴۴، عبدہ ۳/ ۶۶، لح/ ۴۰۷، مکتوب ۳۴
(۵۱) نہج البلاغہ، فیض/ ۸۷۰، عبدہ ۳/ ۲۲، لح/ ۳۷۷، مکتوب ۲۰ (۵۲) الخراج / ۱۱۱ (۵۳) الخراج / ۱۱۸ (۵۴)
سورۂ انفال- آیت ۶۰ (۵۵) سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۲۵۲- المغازی ۱/ ۱۳ (۵۶) المغازی ۱/ ۱۹ (۵۷) سیرۃ ابن ہشام ۲/
۲۶۷ (۵۸) صحیح مسلم ۳/ ۱۵۱۰، کتاب الامارۃ. الباب ۴۱ باب ثبوت الجنہ للشہید. حدیث ۱۹۰۱ (۵۹) سنن البیہقی ۹/
۱۴۸، کتاب السیر باب بعث العیون- سنن ابو داؤد ۲/ ۳۷، کتاب الجہاد، باب فی بعث العیون (۶۰) سیرۃ ابن ہشام ۲/
۲۶۵ (۶۱) سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۲۶۹ (۶۲) التراتیب الاداریۃ ۱/ ۳۶۲ (۶۳) المغازی ۱/ ۲۰۶ (۶۴) المغازی ۱/ ۲۰۷
(۶۵) سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۱۰۰ (۶۶) طبقات ابن سعد- القسم الاول من الجزء الثانی/ ۲۵ (۶۷) التراتیب الاداریۃ ۱/
۳۶۳ (۶۸) سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۲۴۰ (۶۹) سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۲۴۲ (۷۰) المغازی ۱/ ۶۰۴، الجزء ۲ (۷۱) المغازی ۱/
۴۰۳ (۷۲) المغازی ۱/ ۴۰۴ (۷۳) مجمع البیان ۵/ ۱۱۷، الجزء ۹ (۷۴) المغازی ۱/ ۶۴۰ الجزء ۲ (۷۵) المغازی ۲/
۸۹۳، الجزء ۳ (۷۶) التراتیب الاداریۃ ۱/ ۳۶۲ (۷۷) تفسیر نور الثقلین ۵/ ۶۵۱ (۷۸) طبقات ابن سعد، القسم الاول
من الجزء الثانی/ ۱۳۶- شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱/ ۱۵۹ (۷۹) التراتیب الاداریۃ ۱/ ۳۶۱ (۸۰- ۸۱- ۸۲- ۸۳)
التراتیب الاداریۃ ۱/ ۳۶۲ (۸۴) التراتیب الاداریۃ ۱/ ۳۶۳ (۸۵) نہج البلاغہ، فیض/ ۹۴۲، عبدہ ۳/ ۶۵، لح ۴۰۶،
مکتوب ۳۳ (۸۶) نہج البلاغہ، فیض/ ۸۵۴، عبدہ ۳/ ۱۴، لح/ ۳۷۱، مکتوب ۱۱ (۸۷) تحف العقول/ ۱۹۱ (۸۸) دعائم
الاسلام ۱/ ۳۶۹، کتاب الجہاد (۸۹) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۶/ ۹۲ (۹۰) سورۂ منافقون- آیت ۴ (۹۱) مفردات
الراغب/ ۱۰۶ (۹۲) مجمع البیان ۵/ ۲۹۴، الجزء ۱۰ (۹۳) الغارات ۱/ ۲۳۷، تاریخ الطبری ۶/ ۳۴۲۲- لیڈن، شرح نہج
البلاغہ لابن ابی الحدید ۳/ ۱۳۰ (۹۴) الوسائل ۱۴/ ۴۲۵، الباب ۱۰ من ابواب مایحرم بالکفر، حدیث ۷ (۹۵) نہج
السعادۃ ۴/ ۲۴ (۹۶) نہج السعادۃ ۴/ ۶۸ عن الغارات (۹۷) الغرر والدرر ۲/ ۲۱۵، حدیث ۲۴۱۶ (۹۸) نہج البلاغہ.
فیض / ۵۹، عبدہ ۱/ ۳۷، لح / ۵۳، خطبہ ۶ (۹۹) النہایۃ ۲/ ۲۸۶ (۱۰۰) سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۸۵ (۱۰۱) بحار الانوار ۱۹/
۱۳، تاریخ بینا- باب دخولہ الشعب، حدیث ۵ (۱۰۲) بحار الانوار ۱۶/ ۲۶، تاریخ بینا- باب دخولہ الشعب، حدیث ۱۵
(۱۰۳) سورۂ مائدہ- آیت ۱۲ (۱۰۴) التراتیب الاداریۃ ۱/ ۲۳۶ (۱۰۵) سنن ابو داؤد ۲/ ۱۱۹، کتاب الخراج والفئی والا
مارۃ. باب فی العرافۃ (۱۰۶) صحیح البخاری ۲/ ۸۲، کتاب العتق، باب من ملک من العرب رقیقاً (۱۰۷) الکافی ۱/
۴۰۶، کتاب الحجۃ، باب مایجب من .... حدیث ۵ (۱۰۸) الوسائل ۱۲/ ۱۳۶، الباب ۴۵ من ابواب مایکتسب بہ
حدیث ۶ (۱۰۹) الوسائل ۱۲/ ۱۳۷، الباب ۴۵ من ابواب مایکتسب بہ، حدیث ۷ (۱۱۰) الوسائل ۱۱/ ۲۸۰، الباب ۵۰
من ابواب جہاد النفس، حدیث ۱۰ (۱۱۱) دعائم الاسلام ۲/ ۵۳۸، کتاب آداب القضاۃ، حدیث ۱۹۱۲ (۱۱۲) اصول الکافی
۲/ ۶۰۶، کتاب فضل القرآن، باب فضل حامل القرآن، حدیث ۱۱ (۱۱۳) سنن الدارمی ۲/ ۴۷۰، کتاب فضائل القرآن، باب
فی ختم القرآن (۱۱۴) مسند احمد ۲/ ۳۵۲ (۱۱۵) مسند احمد ۵/ ۱۶۶ (۱۱۶) سنن ابو داؤد ۲/ ۱۱۹، کتاب الخراج والفئی

والامارة، باب فی العرافۃ (۱۱۷) الوسائل ۱۲/ ۲۳۴، الباب ۱۰۰ من ابواب ما یکتسب بہ، حدیث ۱۲ (۱۱۸) نہج البلاغہ، فیض / ۱۱۳۴، عبدہ ۳/ ۱۷۴، لح / ۴۸۶، حکمت ۱۰۴ (۱۱۹) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۳/ ۱۷۷ (۱۲۰) التراتیب الاداریہ ۱/ ۲۳۶ (۱۲۱) مفردات الراغب/ ۵۲۹ (۱۲۲) الصحاح للجوہری ۱/ ۲۲۷ (۱۲۳) الصحاح ۴/ ۱۴۰۲ (۱۲۴) النہایۃ ۵/ ۱۰۱ (۱۲۵) النہایۃ ۳/ ۲۱۸ (۱۲۶) لسان العرب ۴/ ۶۹۷ (۱۲۷) لسان العرب ۹/ ۲۳۸ (۱۲۸) التراتیب الاداریۃ ۱/ ۲۳۵ (۱۲۹) المبسوط ۲/ ۷۵ (۱۳۰) التذکرۃ ۱/ ۴۳۷ (۱۳۱) التراتیب الاداریۃ ۱/ ۳۶۳ (۱۳۲) الوسائل ۱۸/ ۴۹۷، الباب ۷ من ابواب حد السرقۃ، حدیث ۲ (۱۳۳) الوسائل ۱۹/ ۱۲۱، الباب ۱۲ من ابواب دعوی القتل، حدیث ۱ (۱۳۴) مروج الذہب ۲/ ۱۹۴ (۱۳۵) سورۂ حجرات۔ آیت ۱۲ (۱۳۶) تفسیر القرطبی ۱۶/ ۳۳۱ (۱۳۷) سورۂ توبہ۔ آیت ۱۲۸

نویں فصل

کیا امام کے حکم سے چاند ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

میں کہتا ہوں ـــــ ہمارے نزدیک چاند بذات خود دیکھنے، ایسی عام شہرت جو علم و اطمینان کے لئے مفید ہو بلکہ اس علم یقین سے جو کسی بھی طریقے سے حاصل ہو، اجمالی طور پر دو عادل گواہوں کی گواہی سے خواہ وہ حاکم کے سامنے نہ ہو یا گزشتہ مہینے کے تیس دن پورے ہونے سے ثابت ہوتا ہے، اسی طرح امام معصوم کے حکم سے بھی چاند بلا اشکال ثابت ہوتا ہے۔

کیا غیر معصوم حاکم شرعی کے حکم سے چاند مطلقاً ثابت ہوتا ہے یا مطلقاً ثابت نہیں ہوتا یا اس میں تفصیل دی جائے کہ جو دو گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو اور جو حاکم کے دیکھنے یا اس کے علم و یقین سے ثابت ہو؟ کیا ثبوت کے مفروضہ پر امام و والی اعظم پر انحصار کیا جائے یا اس کی جانب سے کسی عمل یا قضاوت کے لئے مقرر فقیہ بھی کافی ہے یا کوئی بھی فقیہ کافی ہے اگرچہ وہ کسی حکومتی عمل یا قضاوت پر متعین نہ ہو؟

اس مسئلہ میں کئی وجوہ ہیں۔ حدائق میں کہا گیا اور اس کا خلاصہ یہ ہے: چند ایک اصحاب و فقہاء جن میں علامہ کے علاوہ اور بزرگ بھی شامل ہیں انہوں نے تصریح کی ہے کہ روزہ اور افطار کے لئے چاند کے دو گواہوں کے ذریعے ثابت ہونے میں حاکم کا حکم معتبر نہیں ہے بلکہ اگر دو عادل شخص چاند دیکھیں لیکن وہ حاکم کے سامنے گواہی نہ دیں تو بھی جو ان کی گواہی کو سنے جبکہ ان کی عدالت کو پہچانتا ہو ـــــ اس پر روزہ رکھنا یا افطار کرنا واجب ہے ......

ظاہر یہ ہے کہ اس حکم میں شک اور اشکال نہیں ہے لیکن اس میں اشکال ہے کہ کیا مکلّف اور عاقل و بالغ پر حاکم شریعت کے حکم پر عمل کرنا واجب ہے جبکہ اس کے نزدیک چاند ثابت ہو جائے اور وہ اس کا حکم جاری کر دے یا ضروری ہے کہ مکلّف اس عبیر کو دونوں گواہوں سے بذات خود سنے؟

بزرگان اور فقہاء کا ظاہر پہلا قول ہے بلکہ بعض نے مزید کہا ہے جیسا کہ آگے آئے گا کہ خود حاکم شرعی کے چاند دیکھنے پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے۔ بعض متاخر افاضل سے اس کا عدم اعتبار ظاہر ہوتا ہے اور انہوں نے کہا ہے: جو چاند حاکم شرعی کے ہاں ثابت ہوا ہے مکلّف پر واجب نہیں ہے کہ اس کے مطابق عمل کرے بلکہ اگر خود اس کے نزدیک چاند کا ثبوت حاصل ہو تو وہ اس کے مطابق عمل کرے ورنہ نہیں ـــــ اس کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ مسئلہ رؤیت ہلال کے علاوہ دیگر مسائل میں بھی یہ بحث ہو سکتی ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے کہ اگر حاکم کے نزدیک پانی کا غصبی ہونا ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی دلیل موجود نہیں کہ مکلّف کے لئے اس پانی سے اجتناب کرنا واجب ہو، اسی طرح اگر وہ حکم دے کہ وقت معین حصے میں داخل ہو گیا ہے تو بھی مکلّف پر اسے تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ (۱)

حدائق کا کلام ختم ہوا۔

میں لکھتا ہوں ـــــ ان کا پہلے قول کو ظاہر اصحاب سے نسبت دینا اس معنی میں ہے کہ وہ ان کے ہاں مشہور ہے. لیکن خود آنجناب قدس سرہ نے اس کے دلائل پر بحث کرنے اور ان میں مناقشہ کرنے کے بعد کہا ہے: میرے نزدیک یہ مسئلہ توقف و اشکال کا مورد ہے۔

فاضل نراقی بھی المستند میں اس مسئلہ سے متعرض ہوئے ہیں اور انہوں نے اس پر اشکال کرتے ہوئے حدائق کی اتباع کی ہے بلکہ عدم کو قوی قرار دیا ہے۔ (۲)

شہید نے دروس میں کہا ہے: کیا چاند کے ثابت ہونے میں تنہا حاکم کا قول کافی ہے؟ صحت کے زیادہ قریب یہ ہے کہ اس کا قول کافی ہے۔ (۳)

ان کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ حکم کے اسناد کی اقسام میں فرق نہیں ـــــ پس یہ حاکم کے دیکھنے اور اسے علم و یقین ہونے کو بھی شامل ہے۔

مدارک میں ہے: کیا چاند کے ثابت ہونے میں اکیلے حاکم شرعی کا قول کافی ہے؟ اس میں دو وجوہ ہیں: ایک یہ کہ اس کا جواب ہاں میں ہے اور ان دلائل کی بناء پر دروس کا موقف اختیار کیا گیا ہے کہ جن میں یہ دلالت پائی جاتی ہے کہ حاکم اپنے علم کے مطابق چاند کے بارے میں حکم دے سکتا ہے. دوسرے یہ کہ حاکم کے سامنے شہادت پیش ہو اور پھر وہ چاند کے بارے میں حکم کرے تو اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جیسے اس کے دیگر احکام پر عمل کیا جاتا ہے. لیکن شہادت کی نسبت اس کا علم و یقین قوی ہے کیونکہ اس میں مرجع دو شہادتوں پر اکتفاء ہے کہ جس سے اس کے قول پر عدل (عمل۔ ظ) متحقق ہوتا ہے پس وہ تمام موارد میں مقبول ہو گا اور آنجناب ؒ کے ارشاد کے اطلاق کی بناء پر عدم قبول کا احتمال بھی ہے کہ فرمایا: "میں رویت ہلال میں دو عادل مردوں کی شہادت کے بغیر کسی قول کی اجازت نہیں دیتا"۔ (۴)

ان کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ حاکم شرعی کے اس حکم کا ثابت ہونا طے شدہ ہے کہ جو شہادت عدلین کی بناء پر دیا گیا ہو۔

سبزواری کی کتاب کفایہ میں ہے: چاند کے ثبوت میں تنہا حاکم شرعی کے قول کا قبول ہونا دو وجوہ رکھتا ہے. ایک یہ ہے کہ وہ دروس کا موقف ہے اور وہ حقیقت سے بعید نہیں ہے (۵)

کتاب کشف الغطاء میں ہے: اس میں چھٹا فقیہ مجتہد مامون کا حکم ہے جو اس کے مقلدوں کے لئے لائق اتباع ہے کہ چاہے وہ چاند دیکھنے کی بناء پر حکم کرے یا گواہوں کی گواہی کے مطابق حکم دے یا کسی اور ذریعے سے چاند کا حکم جاری کرے۔ (۶)

ظاہر یہ ہے کہ ان ادلہ کے اطلاق کی بناء پر جو اس کے نفوذ پر دلالت کرتی ہیں حکم حاکم سے رؤیت ہلال ثابت ہے کہ جو اس کے علم کی بناء پر جاری ہوا ہو، اس کے قول کو رد کرنے والا ائمہ ؑ کے قول کو رد کرنے والے کی طرح ہے. مقدمات و نزاعات کے فیصلوں اور عدالت، فسق، اجتہاد اور نسب کے موضوعات میں کوئی فرق نہیں ہے جن میں اس کا حکم نافذ ہے۔ (۷)

عروۃ الوثقیٰ میں رمضان و شوال کے چاند کے ثبوت کے طرق میں ہے: چھٹا طریقہ حکم حاکم ہے جبکہ اس کی خطاء اور اس کی

بناء حکم کی خطاء و غلطی کا علم نہ ہو۔ (۸)

اس میں کوئی فرق نہیں کہ حاکم کے حکم کی بنیاد گواہوں کی شہادت ہو یا اس کا بذات خود چاند کو دیکھنا ہو۔

الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے۔ چاند کے ثبوت اور روزہ کے وجوب میں لوگوں کے اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے حکم حاکم شرط نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے مذہب کے کسی بھی طریقہ کے تحت چاند کے ثبوت کا حکم جاری کرے تو مسلمانوں پر روزہ واجب ہے اگرچہ وہ حکم ان میں سے بعض کے مسلک کے خلاف بھی ہو کیونکہ حاکم کا حکم اختلاف کو دور کر دیتا ہے اور سوائے شافعیوں کے یہ بات مسلمانوں میں متفق علیہ ہے۔

پھر اس کے حاشیہ میں کہا ہے۔ شافعیوں نے کہا ہے کہ چاند کی تحقیق اور اس کے مطابق لوگوں پر روزہ رکھنے کے وجوب میں شرط ہے کہ حاکم اس کا حکم جاری کرے۔ پس جب وہ حکم دے تو لوگوں پر واجب ہے کہ روزہ رکھیں اگرچہ اس کا حکم ایک ہی عادل کی گواہی پر مبنی ہو۔ (۹)

میں کہتا ہوں ــــــ صدر کلام کا ظاہر یہ ہے کہ شافعیوں کے استثناء کی برگشت دوسرے حکم یعنی حکم حاکم کی حجیت کی طرف ہے اور اس کے مطابق ان کے نزدیک اس کی حجیت نہیں ہے۔ لیکن حاشیے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ استثناء کی برگشت پہلے حکم کی طرف ہے یعنی شہادت اور دوسری علامات میں حکم حاکم شرط نہیں ہے پس اس بناء پر ان کے ہاں اس حکم کی حجیت متفق علیہ ہے۔

ہاں یہ بعض متاخرین کے کلمات ہیں لیکن شیعہ و اہل سنت کی چند ایک کتب میں روزہ کے باب کی طرف رجوع کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں بہت سی کتابوں میں حکم حاکم کی حجیت اور چاند کے ثبوت میں اس کے حکم پر عمل کا وجوب مذکور نہیں ہے۔ وہ دیگر علامات کے عرض میں اس سے متعرض نہیں ہوئے اگرچہ تمام زمانوں میں روزہ، افطار اور حج کے سلسلے میں انہیں چاند کے ثبوت کا مسئلہ درپیش رہا ہے۔

البتہ جس طریقے سے چاند ثابت ہوتا ہے اس بات میں ان کلمات سے اس چیز کا احساس ہوتا ہے کہ اس کی حجیت ان کے نزدیک گویا طے شدہ ہے جہاں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ بینہ و گواہ یا ایک عادل کے معتبر ہونے والے قول کی بناء پر آیا وہ ہر ایک کے لئے معتبر ہیں یا ان دونوں کا اعتبار حکم حاکم کے ساتھ معتبر ہے؟ پس ہمارے فقہاء اور اکثر علماء اہل سنت نے بینہ کو ہر ایک کے لئے معتبر سمجھا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جس کے لئے وہ قائم ہو اس کے حق میں حکم حاکم شرط نہیں ہے اور شافعیوں سے حکایت کی گئی ہے کہ حاکم کا حکم معتبر ہے لیکن مناسب تھا کہ اصل مسئلہ پر بھی بحث کی جاتی اور گویا یہاں انہوں نے اس بحث کو ترک کیا ہے کیونکہ حکم حاکم ان علامات کے عرض میں نہیں طول میں ہے اور ان میں ایک طرف متقدم ہے یا یہ کہ حاکم کے اختیارات اور اس کے حکم کی حجیت و نفوذ کے موارد کا محل بحث کتاب الامارہ یا قضاء ہے۔ اسے یاد رکھیں۔

لیکن میں گمان نہیں کرتا کہ یہ دونوں عذر اس مسئلہ کو فقہ کے باب صوم میں ترک کرنے کو درست قرار دے سکیں۔ پس اس پر غور کریں۔

بہرحال کیا چاند کے بارے میں حکم حاکم نافذ ہوتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں انہوں نے کئی اقوال ذکر کئے ہیں جن میں سے

تیسرا قول بینہ و گواہ سے چاند کے ثبوت اور حاکم کے دیکھنے اور اس کے علم سے ثبوت ہونے کے درمیان تفصیل ہے جیسا کہ مدارک کے حوالے سے گزر چکا ہے، نیز عدم حجیت کے قائل نے جیسا کہ المستند میں ہے اصل اور ان اخبار سے استدلال کیا ہے جو روزہ اور افطار کو چاند دیکھنے یا دو گواہوں کی گواہی یا تیس دن گزرنے کے ساتھ متعلق کرتے ہیں اور حصر میں ظہور رکھتے ہیں، نیز ان اخبار کے ساتھ جو چاند کے معاملے میں ظن و شک کی اتباع سے منع کرتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ حاکم کا حکم ظن و گمان سے زیادہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ (۱۰)

جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے اس پر یہ اعتراض آتا ہے کہ اصل ــــ دلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتی جب دلیل ثابت ہو، اخبار میں حصر کا ظہور ممنوع ہے اور اس کا مفہوم لقب کے قبیل سے ہے، تاہم وہ حصر جو ابو عبداللہؑ کے ارشاد میں ظاہر ہے کہ امیر المومنینؑ فرمایا کرتے تھے "میں چاند کے معاملے میں جائز قرار نہیں دیتا مگر یہ کہ دو عادل مردوں کی گواہی ہو" (۱۱)

اس میں پایا جانے والا حصر اضافی ہے جو عورتوں کی شہادت اور ایک عادل کی شہادت کے مقابلہ میں ہے جیسا کہ واضح ہے۔ اس حکم کے معتبر ہونے پر دلیل قائم ہونے کی صورت میں اس کی حجیت قطعی ہو جائے گی مثل دیگر معتبر علامتوں اور نشانیوں کے جن کا اعتبار ہے، پس جو ادلہ ظن و گمان کی پیروی سے منع کرتی ہیں وہ اس حکم کو شامل نہیں ہیں، شائد اخبار کا اس سے متعرض نہ ہونا اس بناء پر ہے کہ وہ باقی علامات کے طول میں ہے اور ان سے تعلق رکھتا ہے، پس اس مقام پر اور ایسے دیگر مقامات کے لئے عمدہ بات اس حکم کے معتبر ہونے پر دلیل کا قائم ہونا ہے۔

حجیت کے قائل نے ان اخبار کے اطلاق سے استدلال کیا ہے جو ان فقہاء کی طرف رجوع کرنے پر دلالت کرتی ہیں جن کا علم و فقہ اہل بیتؑ کی احادیث اور ان کے حکم کو قبول کرنے پر مبنی ہے مثل امام جعفر صادقؑ کے ارشاد کے جو مقبولہ میں ہے "پس جب وہ ہمارے حکم کے مطابق حکم دے اور کوئی اسے قبول نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضعیف سمجھا گیا اور ہمارے قول کو رد کیا گیا ہے، پھر جو ہمارے قول کو رد کرے تو اس نے خدا کے حکم کو رد کیا ہے"۔ (۱۲)

حضرت صاحب زمان عجل اللہ فرجہ کا ارشاد جو توقیع میں ہے: اور باقی رہے واقع ہونے والے حوادث اور نئے واقعات تو ان میں ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں ان پر خدا کی حجت ہوں۔ (۱۳)

چاند کا معاملہ ظاہر و عمومی حوادث میں سے ہے جو تمام زمانوں میں واقع ہوتے ہیں، یہ روایت اور اس کے علاوہ روایات جو دلالت کرتے ہیں کہ آپ کے نواب کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

صحیحہ محمد بن قیس میں ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: جب امام کے حضور دو گواہ یہ گواہی دیں کہ ان دونوں نے چاند دیکھا ہے تیسویں دن میں تو امام اس دن افطار کا حکم دیں گے جب انہوں نے زوال سے قبل گواہی دی ہو، اگر زوال کے بعد گواہی دیں تو امام اس دن افطار کا حکم دیں گے اور نماز عید کو اگلے دن پر مؤخر کریں گے، پھر ان کے ساتھ نماز ادا کریں گے۔ (۱۴)

حدائق میں ان دو ادلہ سے متعرض ہونے کے بعد کہا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے: آپ کو علم و خبر ہے کہ اس میں مناقشہ کی

گنجائش ہے۔ باقی رہی مقبولہ وغیرہ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف دعووں، مقدموں اور آپس کے جھگڑوں میں فیصلے کے لئے یا احکام شرعی میں فتویٰ کے لئے رجوع کرنا ہے۔

رہی صحیحہ محمد بن قیس تو اس میں لفظ امام سے ظاہراً وہی اصل امام مراد ہیں یا وہ جو ان سے، ائمہ جور سے یا خلفاء عامہ وغیرہ سب کے لئے عام ہے جو مسلمانوں کے امور پر تسلط رکھتے تھے۔ البتہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب یہ بات اصل امام کے لئے ثابت ہوجائے تو حق نیابت کی بناء پر ان کے نائب کے لئے بھی ثابت ہوگی مگر یہ بھی اشکال سے خالی نہیں ہے کیونکہ ہم اس کلیہ کی دلیل سے واقف نہیں ہیں اور بہت سے ایسے مسائل ہیں جن سے نائب کو چھوڑ کر امام ہی مخصوص ہے۔

خلاصہ یہ کہ میرے نزدیک یہ مسئلہ توقف و اشکال کا مورد ہے کیونکہ حکم حاکم کو اخذ کرنے کے وجوب اور اسی طرح مقام نزاع میں بھی اس کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جو عموم انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اگر بینہ و گواہی سے حاکم کے نزدیک پانی کی نجاست اور گوشت کی حرمت ثابت ہو اور مکلّف کے نزدیک ثابت نہ ہو کیونکہ اس نے گواہی کو خود نہیں سنا، لیکن اس بناء پر کہ اس پر حکم حاکم کو اخذ کرنا واجب ہے پس پہلی چیز نجس اور دوسری حرام ہے، یہ امر ان اخبار کے منافی ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ "تمہارے لئے ہر چیز پاک ہے یہاں تک کہ تمہیں اس کی گندگی و نجاست کا علم ہوجائے" ــــ ہر چیز جس میں حلال و حرام کا سوال ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے جب تک تم حرام کو نہ جان لو اور اسے ترک کردو، انہوں نے اس کا علم ہونے کے طریقوں میں ان دونوں قواعد کے ساتھ حکم حاکم کو اس سے متعلق قرار نہیں دیا، انہوں نے صرف مالک کا خبر دینا اور دو گواہوں کا شہادت دینا ہی ذکر کیا ہے اور اخبار بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (۱۵)

میں کہتا ہوں ــــ جو کچھ انہوں نے پانی کی نجاست اور خاص قسم کے حرام گوشت وغیرہ کا ذکر کیا ہے جو شخصی و خبری امور میں سے ہیں وہ اس مقام پر وارد نہیں ہیں کیونکہ چاند کا معاملہ جس پر مسلمانوں کا روزہ، عید اور ان کا حج موقوف ہے وہ ان کے اہم اور اجماعی امور میں سے ہے اور وہ کوئی جزئی و شخصی معاملہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسا امر ہے جس سے مسلمانوں کے معاشرے کو بار بار سابقہ پڑتا ہے نیز حضرت رسولؐ، امیر المومنینؑ اور حکام و قضاۃ ہر زمانے میں اس کے لئے اہتمام کرتے تھے، چاند کی تحقیق کرنا اور اسے ثابت کرنا ان کے وظائف اور ذمہ داریوں سے تھا، مسلمانوں کا طریقہ یہ نہ تھا کہ روزہ، افطار اور وقوف عرفات اور وہاں سے چلنے میں ہر شخص اپنی اپنی مرضی سے عمل کرتا ہو، بلکہ وہ ان امور میں حکام اور ان کے نائب والیان امر کی طرف رجوع کرتے تھے جیسا کہ اس کی گواہی وہ مقررہ روش دیتی ہے جو ہمارے زمانے تک پہنچی ہے، اس بارے میں بہت سی روایات بھی ہیں جو آگے آئیں گی۔

مثال کے طور پر یہ ہے کہ امور حج امیر حاج کے سپرد ہوتے تھے جو اس مقصد کے لئے خلفاء کی طرف سے مقرر ہوتا تھا، بعض اوقات خلفاء بذات خود اس امر کے درپے ہوتے اور لوگ ان کے تابع ہوتے تھے، یہ چیز کہیں مذکور نہیں کہ کوئی مسلمان امیر حاج سے تخلف کرتا ہو یا مسلمان حاکم سے اس کے حکم کی سند کے بارے میں سوال کرتا ہو کہ یہ بینہ سے یا شخصی علم سے حاصل ہوا ہے، پس یہ اپنی جگہ پر محقق و ثابت ہے کہ حاکم اپنے علم کے مطابق حکم جاری کرسکتا ہے۔

جب امام جعفر صادقؑ نے روایت مقبولہ کے مطابق قاضیانِ جور کی طرف رجوع کرنے سے منع فرمایا کہ وہ طاغوت ہیں اور شیعوں کے لئے ان کی بجائے فقیہ کو حاکم بنایا جو ان کی حاجات و ضروریات کو پورا کرے تو ممکن ہے کہا جائے کہ اس کا حکم ہر اس چیز میں نافذ ہے جس میں اس زمانے کے قاضیوں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور ان معاملوں میں چاند کا ثبوت بھی شامل تھا جیسا کہ ہمارے آج کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہے۔ پھر حضرت صاحب العصر عجل اللہ فرجہ نے جب شیعوں کو واقع ہونے والے حوادث میں اہل بیتؑ کی حدیثوں کے راویوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا تو کوئی واقع ہونے والا حادثہ چاند کے ثبوت سے اہم کیونکر ہو سکتا ہے جس سے سب مسلمانوں کو ایک ہی دن سابقہ پڑتا ہے مگر یہ کہا جائے کہ مقبولہ میں قرض اور میراث ایسے نزاعات مورد سوال ہیں، پس وہ چاند ایسے عمومی مسئلے تک وسیع نہیں ہے۔ لیکن جب آنجنابؑ نے فرمایا "وہ ہمارے حکم کے مطابق حکم کرے اور اس کی طرف سے قبول نہ کیا جائے" اس بناء پر چاند کے ثبوت کا حکم ان حضرات کی طرف سے صادر ہونا اول کلام ہے اور اس کو اس روایت سے ثابت کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ کوئی حکم اپنے موضوع کو خود ثابت نہیں کرتا۔ پس غور کریں۔

جیسا کہ توقیع مبارک میں حوادث واقعہ سے عموم کا ارادہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ ایسا سوال ہے جو مذکور نہیں اور اس کا جواب ظاہر نہیں ہے۔ شائد وہ کچھ خاص قسم کے حوادث ہوں یہ جواب بھی مجمل ہے کیونکہ معلوم نہیں ہے کہ رجوع کرنے کا حکم اگر حوادث میں ہے تو فتویٰ کی حجیت پر دلالت کرے گا اور حکم و فیصلہ میں ہے تو قضاوت کے نفوذ پر دلالت کرے گا یا اجمال کو رفع کرنے کے لئے ہے تو شائد اس مقام کو بھی شامل ہو۔ ممکن ہے کہ اس فرمان کے اہم حوادث سے متعلق ہونے کا دعویٰ کیا جائے کہ جن سے حکم حاکم کے بغیر عہدہ بر آ نہ ہوا جا سکتا ہو جبکہ چاند کا معاملہ ان میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ چاند کا ثبوت اسے دیکھنے اور گواہوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسے یاد رکھیں

رہا وہ بیان جو حدائق میں ذکر ہوا ہے کہ صحیحہ میں لفظ امام کو اصل امام پر حمل کیا جائے تو وہ ظاہر کے بہت ہی خلاف ہے۔ یہ امر ہر اس شخص کے لئے ظاہر ہے جو فقہ و حدیث کے مختلف ابواب میں اس لفظ کے استعمال کے موارد کو ملاحظہ کرے۔ جیسا کہ ان میں بہت سے اس کتاب (کی جلد اول) کے تیسرے باب میں ذکر کئے جا چکے ہیں۔

قبل ازیں آپ اس سے واقف ہو چکے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا ائمہ اثنا عشرؑ سے ذہنی لگاؤ اس کا سبب بنا کہ یہ گمان کیا جائے کہ لفظ امام خاص انہی کے لئے وضع ہوا یا صرف انہی کے لئے ہے حالانکہ یہ لفظ اس قائد و رہبر کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ نماز، جہاد، حج یا تمام حالات میں اس کی اقتداء و پیروی کی جائے خواہ وہ امام بر حق یا امام باطل ہو۔

چنانچہ امام جعفر صادقؑ نے یہ لفظ (امام) اسماعیل بن علی کے لئے استعمال کیا جو امیر حاج تھا۔ یہ اس وقت ہوا جب عرفات سے روانگی میں آپ اپنے خچر سے گر گئے اور اسماعیل آپ کے پاس رک گیا تھا ___ تب ابو عبداللہؑ نے فرمایا: چلو کیونکہ امام نہیں رکتا (۱۶)

امام علیؑ بن الحسینؑ کے رسالہ حقوق میں ہے: تدبیر و سیاست کرنے والا ہر شخص امام و رہبر ہے۔ (۱۷)

خلاصہ یہ کہ عمومی شان و حالت میں قائد و رہبر ہی امام ہے یا تمام عمومی حالات و معاملات میں قیادت کرنے والا امام ہے

اور یہاں اس سے مراد حاکم عادل ہے اگرچہ وہ معصوم نہ بھی ہو جیسا کہ لفظ کے اطلاق کا تقاضا ہے۔ لیکن جب ائمہ اثناء عشر ظہور رکھتے ہوں تو وہ اس منصب شریف کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

آپ تفصیل سے جان چکے ہیں کہ امامت اور اس کے فرائض اسلام کے نظام اور اس کے تار و پود میں داخل ہیں نیز امامت کسی بھی زمانے میں معطل نہیں ہو سکتی، چونکہ چاند کی تحقیق اور اس کا ثبوت، مسلمانوں کے فرائض کا تعین، ان کے روزہ، عید اور عرفات میں وقوف وغیرہ اہم عمومی وظائف میں سے ہے، نبی اکرمؐ اپنے عہد سے چاند کی تحقیق و ثبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریوں کی تعیین میں مصروفیت رکھتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ان کے حاکم تھے نیز امیر المومنینؑ اور دیگر خلفاء بھی ان امور کی انجام دہی کی طرف متوجہ رہتے تھے۔

۱۔ سنن ابو داؤد میں عکرمہ سے، ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نبی کریمؐ کی بارگاہ میں آیا اور اس نے کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، حسن نے اپنی روایت میں کہا ہے یعنی ماہ رمضان کا چاند ـــــ آنحضرتؐ نے فرمایا؛ کیا تو یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا یہ گواہی بھی دیتا ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! تب آپ نے فرمایا: اے بلال! لوگوں میں منادی کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔ (۱۸)

۲۔ عکرمہ سے روایت ہوئی ہے: ایک دفعہ مسلمانوں نے رمضان کے چاند میں شک کیا اور انہوں نے چاہا کہ نہ قیام (نماز مستحبی) کریں اور نہ روزہ رکھیں، تب حرہ سے ایک اعرابی آیا اور گواہی دی کہ اس نے چاند دیکھا ہے، اس پر اسے نبی اکرمؐ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں خدا کا رسول ہوں؟ اس نے کہا جی ہاں! پھر اس نے گواہی دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، پس آنحضرتؐ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے لوگوں میں منادی کی کہ وہ قیام کریں اور روزہ رکھیں۔ (۱۹)

۳۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ اس نے کہا: لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی تو میں نے حضرت رسولؐ سے عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، پس آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (۲۰)

شائد اس اعرابی اور ابن عمر کی شہادت کے ساتھ ایسے قرائن بھی تھے جن سے وثوق اور اطمینان حاصل ہو گیا جبکہ خود حضرت رسولؐ بھی علم و احاطہ رکھتے تھے، لہٰذا یہ روایات ان ادلہ کے منافی نہیں ہیں جو گواہوں کے تعدد پر دلالت کرتی ہیں۔

رمضان اور شوال کے چاند میں یہ تفصیل دینا کہ پہلے میں ایک گواہ کافی ہو نہ کہ دوسرے میں جیسا کہ بعض اہل سنت فقہاء سے منقول ہے لیکن ہمارے اصحاب میں سے مشہور بزرگوں کے نزدیک یہ ممنوع ہے، اس کی تحقیق اس کے محل پر ہوگی۔

۴۔ اصحاب پیغمبرؐ میں ایک فرد سے روایت ہوئی ہے: لوگوں نے رمضان کے آخری دن کے بارے میں اختلاف کیا تو دو اعرابی آئے اور انہوں نے نبی کریمؐ کے حضور اللہ کی قسم کھا کر گواہی دی کہ کل شام انہوں نے چاند دیکھا ہے، تب آنحضرتؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ افطار کریں اور صبح کو عید گاہ کی طرف چلیں۔ (۲۱)

۵۔ ابن حزم کی کتاب المحلیٰ میں ہے: ہم سے ابو عثمان نہدی کے طریق سے روایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا: حضرت

رسولؐ کی خدمت میں دو اعرابی آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم دونوں مسلمان ہو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! پس آپ نے لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے افطار کیا یا روزہ رکھا۔ (۲۲)

۶۔ ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ ابو عمیر بن انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: صحابہ میں انصار میں سے میرے چچاؤں نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ ایک دفعہ شوال کا چاند ہمیں نظر نہ آیا تو ہم نے اگلی صبح کو روزہ رکھا، پھر دن کے آخر میں ایک قافلہ آیا اور ان لوگوں نے نبی اکرمؐ کے روبرو گواہی دی کہ کل انہوں نے چاند دیکھا ہے۔ اس پر آپ نے صحابہ کو افطار کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ اگلے روز وہ نماز عید کے لئے نکلیں (۲۳)

یہ روایت بعینہ المصنف میں بھی ہے: نبی کریمؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ آج افطار کریں اور کل عید کے لئے نکلیں۔ (۲۴)

۷۔ الجواہر میں نبی اکرمؐ سے مروی ہے: چاند کے بارے میں شک والی رات کی صبح کو ایک اعرابی آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا کہ جس نے چاند دیکھنے کی شہادت دی، تب آپ نے منادی کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے کچھ نہیں کھایا وہ روزہ رکھے اور جس نے کھایا ہے اب وہ کھانے پینے سے رکا رہے۔ (۲۵)

مجھے کتب اہل سنت میں اس طرح کی روایت نہیں مل سکی لیکن صحیح مسلم میں ہے: حضرت رسولؐ نے عاشور کے دن قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو حکم دے کر بھیجا کہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ روزہ رکھے اور جس نے کچھ کھایا ہے وہ اپنا روزہ رات تک پورا کرے۔ (۲۶) یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے

۸۔ الوسائل میں حماد بن عیسیٰ سے، عبداللہ بن سنان سے، ایک شخص سے روایت ہے کہ اس نے کہا: امیر المومنینؑ نے کوفہ میں ماہ رمضان میں اٹھائیس دن کے روزے رکھے تو لوگوں نے چاند دیکھا لیکن آپ نے منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے کہ لوگ ایک اور روزہ رکھیں کیونکہ مہینہ کم از کم انتیس دن کا ہوتا ہے۔ (۲۷)

۹۔ کتاب ام الشافعی میں فاطمہ بنت الحسین سے مروی ہے: ایک شخص نے امیر المومنینؑ کے حضور ماہ رمضان کا چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپ نے روزہ رکھا اور میں گمان کرتا ہوں راوی نے کہا کہ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ رکھیں۔ (۲۸)

ان روایات سے ظاہر ہوا کہ حضرت رسولؐ اور امیر المومنینؑ چاند کے مسئلہ میں مسلمانوں کے روزہ اور عید کے نگران ہوتے تھے۔ جب چاند ان کے نزدیک ثابت ہو جاتا تو ان کو روزہ یا افطار کا حکم دیتے تھے۔ اس میں یہ احتمال دینا کہ یہ امور نبی اکرمؐ وائمہ طاہرینؑ کے خصائص میں سے ہیں، یہ اس شخص کے لئے واضح طور پر باطل ہے کہ جس پر یہ چیز ثابت ہو چکی ہے کہ زمانہ غیبت میں امامت اور اس کے فرائض معطل نہیں ہیں اور شریعت میں اس عظیم امر کو مہمل چھوڑنا جائز نہیں کہ جو ہر زمانے کے لوگوں کو پیش آتا ہے۔ حضرت رسولؐ کی ذات میں ہمارے لئے بہترین اسوہ و نمونہ ہے اور ہر اس چیز میں آپ کی پیروی کرنا ہم پر واجب ہے جو آپ کے لئے خاص نہ ہو۔ اسی طرح ائمہ طاہرینؑ کی پیروی بھی ہم پر واجب ہے۔

۱۰۔ صحیحہ محمد بن قیس میں ابو جعفرؑ کے بارے میں مروی ہے: دو گواہوں نے ابو جعفرؑ کے سامنے گواہی دی کہ ان

دونوں نے تیس دن گزرنے کے بعد چاند دیکھا ہے تو آپ نے اس روز افطار کرنے کا حکم دیا۔ (۲۹)

۱۱۔ رفاعہ نے ایک مرد سے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہ نے فرمایا: میں مقام حیرہ میں ابوالعباس عباسی کے پاس گیا تو اس نے کہا "اے ابو عبداللہ آج کے روزے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ امام و سربراہ مملکت کی طرف سے ہوتا ہے. پس اگر آپ نے روزہ رکھا ہے تو ہم روزہ رکھیں گے اور آپ نے افطار کیا ہے تو ہم بھی افطار کریں گے. تب اس نے کہا. اے لڑکے! دسترخوان میرے سامنے لے آ اور پھر میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا جبکہ بخدا میں جانتا تھا کہ وہ رمضان کے دنوں میں سے ایک دن تھا. پس میرا ایک دن افطار کر کے اس کی قضاء کر لینا اس سے آسان تھا کہ میری گردن اڑا دی جائے اور پھر میں خدا کی عبادت نہ کر سکوں۔ (۳۰)

امام علیہ السلام کا زمانہ تقیہ میں ہونا اس بات کا موجب نہیں بنتا کہ آپ کے ارشاد "یہ امام کی طرف سے ہوتا ہے" اسے تقیہ پر محمول کیا جائے کیونکہ یہ کلیہ ہے کہ اگر یہ قول حق نہ ہوتا تو اس کے بیان کی ضرورت نہ تھی کہ ضرورتیں ایک اندازے اور مقدار کے مطابق فرض کی جاتی ہیں. آپ کا روزے کی قضاء کرنا تقیہ میں بجالائی جانے والی عبادت کی صحت کے منافی نہ تھا. کیونکہ ترک روزہ کے عمل کا کوئی وجود نہیں جب تک وہ واجب روزے میں سے نہ ہو۔

۱۲۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: پس میں اس کے قریب ہوا اور کہا کہ روزہ بھی آپ (بادشاہ) کے ساتھ اور افطار بھی آپ کے ساتھ ہے۔ (۳۱)

۱۳۔ اس سلسلے کی تیسری روایت میں ہے: میرا روزہ نہیں مگر جب آپ کا روزہ ہو اور میرا افطار نہیں جب آپ کا افطار ہو۔ (۳۲)

۱۴۔ صدوق نے اپنی سند کے ساتھ عیسیٰ بن ابو منصور سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں ابو عبداللہ کی خدمت میں تھا کہ جس دن روزہ کے بارے میں شک تھا. پس آپ نے فرمایا اے لڑکے! جاکر دیکھ آؤ کہ بادشاہ نے روزہ رکھا ہے کہ نہیں — تب وہ گیا اور واپس آکر بتایا کہ بادشاہ نے روزہ نہیں رکھا. اس پر آپ نے دن کا کھانا منگوایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھایا۔ (۳۳)

صدوق کی سند ابن ابی منصور تک صحیح ہے اور وہ بھی ثقہ ہے۔

یہ بہت سے اخبار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ چاند کا معاملہ اسلامی حاکم کے اختیار میں تھا اور واضح طور پر یہ حکومت کی ذمہ داری تھی اور لوگ بھی اس میں حکومت کی اطاعت کرتے تھے. یعنی روزہ رکھنے. افطار کرنے اور حج بجالانے میں حکومت کا فرمان نافذ ہوتا تھا. پس لوگوں کا ایک ہی رمضان. ایک ہی عید اور ایک ہی وقت میں حج ہوتا تھا اور اختلاف سے بچنے اور بدنظمی کو دور رکھنے کے لئے یہ نظام حاکم کے ہاتھ میں تھا۔

الجواہر میں ہے: اس میں احتمال عدم ان دلائل کے اطلاق سے منافات رکھتا ہے اور یہ ایک ایسی چیز میں شک کرنا ہے جس پر اجماع کا حاصل ہونا ممکن ہے خصوصاً اس طرح کے معاملات کہ جن میں حکام کی طرف رجوع کرنا ظاہر و معلوم ہے. جیسا کہ یہ اس شخص پر مخفی نہیں جو شریعت اور اس کے نظام نیز مختلف مقامات میں اصحاب کے کلمات سے باخبر ہے۔ (۳۴)

۱۵۔ ابو جارود سے مروی ہے کہ اس نے کہا: ایک سال ہم نے عید قربان کے دن میں شک کیا اور میں نے اس بارے میں ابو جعفرؑ سے سوال کیا جبکہ ہمارے بہت سے اصحاب نے عید کر لی تھی. آپ نے فرمایا کہ افطار اسی دن ہے جس دن لوگ افطار کریں. قربانی اسی دن ہے جس دن لوگ قربانی کریں اور روزہ اسی دن ہے جس دن لوگ روزہ رکھیں۔ (۳۵)

۱۶۔ کنزالعمال میں ترمذی سے اور اس نے بی بی عائشہ سے روایت کی ہے. افطار اسی دن ہے جس دن لوگ افطار کریں اور قربانی اسی دن ہے جس دن لوگ قربانی کریں۔ (۳۶)

۱۷۔ ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: روزہ اسی دن ہے جس دن تم روزہ رکھو. افطار اسی دن ہے جس دن تم افطار کرو اور قربانی اسی دن ہے جس دن تم قربانی کرو۔

ترمذی نے کہا ہے کہ بعض اہل علم نے اس حدیث کی (یوں) تفسیر کی کہ اس کا مطلب بس یہی ہے کہ روزہ و افطار لوگوں کی اکثریت اور جماعت کے ساتھ ہے۔ (۳۷)

اگرچہ ان روایات میں سے اکثر سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں لیکن بعض کے صدور کے وثوق کے علاوہ بعض کی صحت اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ چاند کا معاملہ انفرادی نہیں بلکہ یہ ان امور عامہ میں سے ہے جن کا مرکز اسلامی حاکم ہی تھا اور یہ ایسا اجتماعی و معاشرتی امر ہے جس کا نظام حاکم کے ہاتھ میں تھا۔

اس کے علاوہ پہلے کی روش بھی اس پر گواہی دیتی ہے کہ گزشتہ زمانوں میں لوگوں کے روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں حاکم ہی لوگوں کا مرجع تھا نیز حج میں امام و حاکم کا مقرر کیا ہوا امیر حاج تھا جو لوگوں کو ٹھہرنے اور چلنے کا حکم دیتا اور وہ اس کی اتباع کرتے تھے۔

ماوردی نے امیر حاج کی پانچ ذمہ داریاں شمار کرتے ہوئے کہا ہے. ان پانچ ذمہ داریوں میں سے ایک لوگوں کے لئے احرام باندھنے اور مشاعر کی طرف چلنے کا اعلان کرنا ہے تاکہ وہ اس کے تابع ہوں اور اس کے افعال کی اقتداء کریں. ابو یعلیٰ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ (۳۸)

ہمارے ائمہ معصومینؑ اور ان کے اصحاب بھی دو سو سال سے زیادہ عرصے تک لوگوں کی جماعت کے ساتھ حج کرتے رہے اور یہ واقعہ کہیں نقل نہیں ہوا کہ انہوں نے عرفات میں ٹھہرنے. وہاں سے چلنے اور قربانی کرنے اور دیگر اعمال حج میں ان سے تخلف کیا ہو. اگر ایسا ہوتا تو اصحاب اور مؤرخین اسے ضرور نقل کرتے. اس میں یہ احتمال بہت ہی بعید ہے کہ ان تمام سالوں میں چاند دیکھنے میں لوگوں کے ساتھ اور امیر حاج کے ساتھ ان کا اتفاق رہا ہے ــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل سنت حکمران کے حکم پر عمل کرنا کافی ہے کم از کم اس صورت میں جب اس کے خلاف واقع ہونے کا علم نہ ہو. اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حج بغیر امیر حاج کے ادا نہیں ہوتا تھا جو اس مقصد کے لئے حاکم کی طرف سے مقرر ہوتا تھا اور تمام مواقف میں اس کا اتباع کیا جاتا تھا۔

مسعودی نے مروج الذہب کے آخر میں ان افراد کے ناموں کے لئے ایک باب باندھا ہے جنہوں نے ۸ھ سے ۳۳۵ھ تک امیر حاج کی حیثیت سے لوگوں کو حج کرایا. پس مراجعہ کریں۔ (۳۹)

چاند کے ثبوت میں بعض فروعات

۱۔ مخفی نہیں کہ چاند کے بارے میں حکم حاکم کی حجیت کی دلیل اگر وہی مقبولہ یا توقیع شریف یا ان جیسے دیگر عمومی ارشادات ہیں تو پھر شیعوں کے لئے ان میں حاکم سے مراد وہ فقیہ ہے جس کا علم و فقاہت کتاب و سنت اور ائمہ طاہرینؑ کی احادیث پر مبنی ہو۔ پس وہ ہر جامع الشرائط فقیہ کے لحاظ سے عام ہو گا چاہے وہ امامت و قضاوت کر رہا ہو یا ان کاموں سے فارغ کیا جا چکا ہو۔

لیکن اگر اس کی دلیل وہ اخبار خاصہ ہوں جو گزر چکے ہیں تو پھر حاکم سے مراد وہ امام و رہبر ہے جو مسلمانوں کی حکومت و ریاست پر فائز ہے۔ اس صورت میں مختلف شہروں میں اس کی طرف سے مقرر کئے گئے عمال اور قاضیوں کا اس حکم میں شمول مشکل ہے اور اس سے زیادہ مشکل اس فقیہ کے بارے میں ہے جو ان دونوں عہدوں سے معزول ہو چکا ہو اگرچہ وہ ان کی صلاحیت رکھتا ہو مگر یہ کہ ہر فقیہ کے لئے ولایت فعلی کا دعویٰ کیا جائے کہ اسے ولایت فقیہ کے ادلہ کے مطابق وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو امام معصومؑ کے لئے ہیں۔ لیکن گزشتہ بیانات میں ہم اس میں مناقشہ کر چکے ہیں ہاں ممکن ہے کہا جائے کہ خلیفہ و حاکم اعظم کے احکام اس زمانے میں تمام شہروں میں پہنچنا عادۃً میسر نہ تھا۔ پس جب ہم نے طریقہ جاریہ اور ان روایات سے معلوم کیا کہ شریعت کی بناء چاند کے ثبوت۔ روزہ۔ عید اور مواقف حج میں مسلمانوں کے اتحاد عمل اور وحدت کلمہ پر تھی تو لامحالہ واجب ہے کہ ہر شہر میں اس کا ذمہ دار وہ شخص ہو جو حاکم کی طرف سے نائب بنایا گیا ہے چاہے وہ عامل ہو یا قاضی ہو۔ جیسا کہ ہمارے زمانے میں بھی اسلامی ملکوں میں ایسا ہی ہو رہا ہے کہ چاند کے ثبوت میں ہر ملک کا قاضی القضاۃ ذمہ دار ہے۔ خصوصاً اگر ہم کہیں کہ افق کے اختلاف کی بناء پر ہر علاقے میں علیحدہ حکم ہو گا جیسا کہ اس مسئلہ میں مشہور اور قوی یہی قول ہے۔

حج کے سلسلے میں واجب ہے کہ اس کا ذمہ دار امیر حاج ہو اگرچہ وہ خود امام نہ ہو۔ پس جائز بلکہ واجب ہے کہ عامل اور قاضی اس کے ذمہ دار بنیں خصوصاً جب امام و رہبر صراحت کے ساتھ یہ کام ان کے سپرد کرے۔

البتہ قضاۃ کی نسبت میرے دل میں ایک بات ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ماوردی اور ابویعلیٰ نے قاضیوں کے جو اختیارات ذکر کئے ہیں ان میں چاند کے ثبوت کا شمار نہیں کیا۔ اگر اس زمانے میں یہ معاملہ ان سے مربوط ہوتا تو مناسب تھا کہ وہ دونوں اس کا نام بھی لیتے جیسے وہ ولایت حج میں اس سے متعرض ہوئے ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اسے یاد رکھیں۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ چاند کے ثبوت میں حکم لگانا فقیہ پر واجب کفائی ہے جب یہ لوگوں کے لئے واضح نہ ہو اور اس کے متعلق ان میں اختلاف ہو کیونکہ یہ بھی امور حسبیہ میں سے ہے کہ جن کا مہمل چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی امر بہ معروف و نہی از منکر اور اختلاف و افتراق کو دور کرنے سے تعلق رکھتا ہے جن میں اہل بیتؑ کی حدیثوں کے راویوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں ـــــ اس بیان کا تقاضا یہ ہے کہ فقیہ کے موجود نہ ہونے کی صورت میں عادل مومنین پر واجب ہے کہ وہ

چاند کے ثبوت کے معاملے میں ذمہ داری لیں اور اس میں ان کا حکم نافذ ہو اور ظاہر یہ ہے کہ اس امر کا کوئی بھی قائل نہیں ہے. پس اس میں غور کریں۔

۲۔ حکم کا مطلب ہے کسی چیز کو لازم کرنا یا کسی امر کے ثبوت اور وقوع کو واضح کرنا اور یہ ضروری نہیں کہ اسے حکمتُ (میں نے حکم کیا) کے الفاظ یا اسی مادہ کے مشتقات میں سے اس کے مترادف لفظوں کے ساتھ ادا کیا جائے بلکہ حاکم کا یہ کہہ دینا کافی ہے "آج رمضان یا شوال کا دن ہے" یا آج کے دن تم پر روزہ رکھنا یا افطار کرنا واجب ہے. نیز ایسے ہی کلمات جو عام مفہوم کے لحاظ سے ظاہر و واضح ہوں. پس اس میں جو چیز ضروری و لازمی ہے وہ حکم کا واقع ہونا اور حکم کا دیا جانا ہے نہ کہ اس کا مفہوم ظاہر کرنا مثلاً "میرے نزدیک ثابت ہوچکا ہے" اس قول کے کافی ہونے میں اشکال ہے کیونکہ اس کا ظاہر خبر دینا ہے نہ کہ حکم و انشاء کرنا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

۳۔ چاند اور اس کے علاوہ دیگر امور میں حاکم کا حکم امر واقع کے عرض میں اور اس کو بدلنے کا سبب نہیں ہے بلکہ وہ واقع سے مطلع ہونے کا ایک شرعی طریق ہے اور دیگر علامات کی طرح اس پر حجت و دلیل ہے لہٰذا واقع کے بارے میں علم و یقین کی صورت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں چاہے وہ واقع تک پہنچ جائے یا اس میں خطاء کر جائے البتہ تنازعات و مقدمات میں بنائے مخالفت کو ختم کرنے کے لئے فریقین پر اس کے حکم کا تسلیم کرنا واجب ہے جیسا کہ واضح ہے۔ نیز اس کے حکم پر عمل کرنے کی گنجائش نہیں ہے جب یہ علم ہو جائے کہ حاکم نے اپنے حکم کے وجوہ میں تقصیر و کوتاہی کی ہے کیونکہ اس صورت میں وہ حکم کرنے کی اہلیت سے عاری ہو جائے گا. اس کی وجہ یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے مقبولہ میں فرمایا "جب وہ ہمارے حکم کے ساتھ حکم کرے" اس سے مراد یہ نہیں کہ اس کے حکم کے متعلق علم و یقین ہو کہ یہ معصومینؑ کا حکم ہے ورنہ اسے قبول کرنا واجب ہو گا. اس کے حکم سے مراد یہ ہے کہ وہ معصومینؑ کے احکام کی بنیاد پر جاری کیا گیا ہو اور وہ قرآن اور صحیح حدیث و سنت کے موافق ہو ان لوگوں کے احکام کے مقابلے میں جو ظن و قیاس اور اپنی پسند پر جاری کئے جاتے ہیں. یہ بات اس کے حکم پر صادق نہیں آئے گی جو اپنے حکم کے مبادی میں تقصیر و کوتاہی کرے بلکہ اس پر ہے جو ان سے غافل ہو چاہے کوتاہی کی بناء پر ہی ہو. پس غور کریں۔

۴۔ مجتہد کا فتویٰ خود اس کے اور اس کے مقلدین کے حق میں حجت ہے نہ کہ دیگر مجتہدین کے حق میں البتہ چاند وغیرہ کے سلسلے میں اس کی حجیت کے مفروضہ کی بناء پر اس کا حکم صرف اس کے مقلدین میں منحصر نہیں ہو گا بلکہ دوسرے مجتہدین کے لئے بھی عمومیت رکھتا ہے جب وہ اس کے اجتہاد. شرائط حکم کی جامعیت اور اس کے مبادی میں تقصیر و کوتاہی نہ کرنے کی تصدیق کرتے ہوں. اسی طرح تنازعات و مقدمات میں بھی اس کا حکم سب کے لئے حجت ہے اگرچہ وہ شبہہ حکمیہ ہو کہ جس کے بارے میں مجتہدین میں اختلاف ہے. جیسا کہ دو افراد اختلاف کریں کہ مریض کے مواعید کی رقم اس کے اصل مال میں سے ہے یا تہائی مال میں ہے. پس وہ یہ مقدمہ مجتہد کے پاس لے جائیں اور وہ اصل مال سے ادا کرنے کا فیصلہ دے تو یہ نافذ ہو گا حتیٰ کہ اس کے حق میں بھی جو انہیں ثلث میں سے تصور کرتا ہے کیونکہ نزاع کو ختم کرنے کے تقاضا کے مطابق فریقین پر واجب ہے کہ وہ حاکم کے حکم کو قبول کریں چاہے وہ اجتہادی یا تقلیدی لحاظ سے ان میں سے کسی ایک کے نظریئے کے خلاف ہو۔

خلاصہ یہ کہ حاکم کا حکم نافذ ہے حتیٰ کہ باقی مجتہدین کے حق میں بھی نافذ ہے کیونکہ امام نے توقیع مبارک میں ان کے حجت ہونے کا حکم فرمایا اور واضح ہے کہ کسی کے لئے امام کی حجت کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ نیز مقبولہ کی دلالت کی بناء پر اس کا قبول کرنا واجب اور رد کرنا حرام ہے بلکہ اس کا رد کرنا ائمہ طاہرین کو رد کرنا ہے اور اس کا اطلاق مجتہد کو بھی شامل ہے۔ مقبولہ کا مورد شبہ حکمیہ ہے یا اس سے وسیع و عام ہے جیسا کہ اس کی طرف مراجعہ کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

اس حکم پر فتویٰ کے ساتھ نقض و تردید کرنا جائز نہیں کیونکہ فتویٰ انشاء حکم نہیں ہے بلکہ وہ اس چیز کی خبر دینا ہے جو اس نے کتاب و سنت سے سمجھا ہے پس وہ اس کے حق میں حجت نہیں ہے جو ان دونوں مآخذ سے مسئلہ معلوم کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پس غور کریں

ان سب دلائل کے علاوہ ایک اہم چیز یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام و حاکم اور وہ جو اس کی طرف سے مقرر ہے۔ جب کوئی حکم کرے تو مسلمانوں کی وحدت کلمہ اور ان کے اتحاد عمل اور ان کے نظام کی حفاظت کے لئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ جماعت میں تفریق ڈالے اور بالشت بھر بھی ادھر ادھر کھسکے اور امام و حاکم کی مخالفت کرے چاہے وہ مجتہد ہو یا مقلد ہو اور چاند کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اور نبی اکرم نیز امیر المومنین کے زمانے میں اسی طرح عمل ہوتا تھا ورنہ نظام میں خلل پڑے گا اور ہرج و مرج لازم آئے گا۔ اس مسئلہ کی تفصیل کا مقام و محل الگ ہے۔

باب ۶ فصل ۹

حواشی

(۱) الحدائق الناضرہ ۱۳/ ۲۵۸ (۲) مستند الشیعہ ۲/ ۱۳۲ (۳) الدروس/ ۷۷ (۴) مدارک الاحکام / ۳۷۰ (۵) کفایۃ الاحکام/ ۵۲ (۶) کشف الغطاء / ۳۲۵ (۷) جواہر الکلام ۱۶/ ۳۵۹ (۸) العروۃ الوثقیٰ، کتاب الصوم، فصل فی طرق ثبوت ہلال رمضان و شوال (۹) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۵۵۱ (۱۰) مستند الشیعہ ۲/ ۱۳۲ (۱۱) الوسائل ۷/ ۲۰۷، الباب ۱۱ من ابواب احکام شہر رمضان، حدیث ۱ (۱۲) الوسائل ۱۸/ ۹۹، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی، حدیث ۱ (۱۳) الوسائل ۱۸/ ۱۰۱، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی، حدیث ۹ (۱۴) الوسائل ۷/ ۱۹۹، الباب ۹ من ابواب احکام شہر رمضان، حدیث ۱ (۱۵) الحدائق الناضرہ ۱۳/۲۵۹ (۱۶) الوسائل ۱۸/ ۲۹۰، الباب ۲۶ من ابواب آداب السفر (۱۷) الخصال للصدوق/ ۵۶۵، الجزء ۲، ابواب الخمسین ۔حدیث ۱ (۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰) سنن ابو داؤد ۱/ ۵۴۷، کتاب الصیام، باب فی شہادۃ الواحد علی رؤیت ہلال رمضان (۲۱) سنن ابو داؤد ۱/ ۵۴۶، کتاب الصیام، باب شہادۃ رجلین .... (۲۲) المحلیٰ لابن حزم ۳/ ۲۳۷، الجزء ۶، المسئلہ ۷۵۷ (۲۳) سنن ابن ماجۃ ۱/ ۵۲۹، کتاب الصیام، الباب ۶، حدیث ۱۶۵۳ (۲۴) المصنف لعبد الرزاق ۴/ ۱۶۵، کتاب الصیام، باب اصبح الناس صیاماً .... حدیث ۷۳۳۹ (۲۵) الجواہر ۱۶/ ۱۹۷

(۲۶) صحیح مسلم ۲/ ۷۹۸، کتاب الصیام، باب من اکل فی عاشوراء .... حدیث ۱۱۲۵ (۲۷) الوسائل ۷/ ۲۱۴، الباب ۱۴ من ابواب احکام شھر رمضان، حدیث ۱ (۲۸) الام للشافعی ۲/ ۸۰ (۲۹) الوسائل ۷/ ۱۹۹، الباب ۶ من ابواب احکام شھر رمضان، حدیث ۱ (۳۰) الوسائل ۷/ ۹۵، الباب ۵۷ من ابواب مایمسک عنہ الصائم .... حدیث ۵ (۳۱) الوسائل ۷/ ۹۵، الباب ۵۷ من ابواب مایمسک عنہ الصائم .... حدیث ۴ (۳۲) الوسائل ۷/ ۹۵، الباب ۵۷ من ابواب ما یمسک عنہ الصائم .... حدیث ۶ (۳۳) الوسائل ۷/ ۹۴، الباب ۵۷ من ابواب مایمسک عنہ الصائم .... حدیث ۱ (۳۴) الجواہر ۱۶/ ۳۶۰ (۳۵) الوسائل ۷/ ۹۵، الباب ۵۷ من ابواب مایمسک عنہ الصائم .... حدیث ۷ (۳۶) کنز العمال ۸/ ۴۸۹، الباب ۱ من کتاب الصوم من قسم الاقوال، حدیث ۲۳۷۶۳ (۳۷) سنن الترمذی ۲/ ۱۰۴، ابواب الصوم، الباب ۱۱، حدیث ۶۹۳ (۳۸) الاحکام السلطانیہ / ۱۱۰، باب ولایۃ الحج ـــ الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ / ۱۱۲، فصل ولایۃ الحج (۳۹) مروج الذہب ۲/ ۵۶۶

دسویں فصل

ذخیرہ اندوزی اور نرخ مقرر کرنے کا بیان

چونکہ ضروریات زندگی سے تعلق رکھنے والی اشیاء کے نرخوں کی تعیین اور ان کی ذخیرہ اندوزی کا مسئلہ موجودہ زمانے کی بڑی مشکلات میں سے ہے اور حکومتیں اس مسئلہ اور اس کے اثرات سے دوچار ہیں. بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس مشکل مسئلے کی شدت کے باعث متزلزل ہوں یا ٹوٹ جائیں. اس کی وجہ یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی میں اس کے اقتصادی پہلو سے زیادہ سیاسی وجوہات کا دخل ہو گیا ہے. لہٰذا مناسب تھا کہ حکومت اسلامی کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس پر بھی گفتگو کی جائے اگرچہ اس پر گفتگو کرنے کا محل فقہ میں کتاب التجارۃ ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ اس میں بحث کے کئی جہات ہیں۔

ذخیرہ اندوزی

۱۔ ذخیرہ اندوزی اور تجارتی اجارہ داری موجودہ دور کی ایک مشکل ہے

مخفی نہیں کہ ذخیرہ اندوزی کوئی نئی چیز نہیں کہ جو گزشتہ صدیوں میں معروف نہ ہو بلکہ یہ تمام گزشتہ زمانوں میں معاشروں کی بہت بڑی مشکل رہی ہے خصوصاً ان طویل جنگوں میں جن کا دائرہ وسیع ہوتا تھا. کیونکہ یہ اس حرص و طمع کا نتیجہ ہے جو انسان کی فطرت میں داخل ہے ـــــ جی ہاں! انسان کے ضمیر میں حرص کا پہلو اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ علوم و معارف اور فضائل و کمالات کے حاصل کرنے میں جمود کا شکار نہ ہو اور اس سلسلے میں کسی خاص حد پر رک نہ جائے بلکہ اپنی روح و نفس کی بلندی کے لئے ہمیشہ ذاتی طور پر علوم. فضائل اور اعمال صالحہ میں کوشاں رہے. لیکن یہ مقدس غریزے اکثر مواقع پر اپنے راستے اور منزل سے دور ہو گئے اور یہ چیز اس کا موجب بنی کہ انسان مادی خطرات میں پھنس کر رہ گیا۔

بہرحال مال تجارت اور اشیاء ضروریہ کی ذخیرہ اندوزی کے فعل کی تاریخ حیات انسانی کے قدیم زمانے سے جا ملتی ہے جب اجناس کا تجارتی تبادل عام طور پر رائج تھا. پھر تجارتی لین دین کا میدان جتنا وسیع ہوتا گیا اور تجارتی فنون ترقی پاتے گئے تو ذخیرہ اندوزی اور اقتصادی حلقے بڑھتے اور ان تمام چیزوں تک پھیلتے گئے کہ انسان اپنی خوراک و لباس، صنعت و حرفت اور زراعت میں جن کا محتاج ہے. پھر تجارت میں برائیاں عام ہو گئیں اور اس سے پیدا ہونے والی تکلیفیں بڑھ گئیں۔ اب ہمارے آج کے زمانے میں تجارت اور ذخیرہ اندوزی اتنی وسعت اختیار کر گئی ہے کہ یہ استعماری اور سامراجی منصوبوں کا اہم جزء اور ان کا حربہ بن گئی ہے جسے بڑی طاقتیں اور جابر حکومتیں کمزور ملکوں اور قوموں کے خلاف استعمال کرتی ہیں تاکہ ان کو بے بس کریں

اور ان کی سیاست، ثقافت اور ان کی دولت و ثروت پر اپنا تسلط جمائیں۔

پس تیسری دنیا کے صاحب نظر اور دانشمند افراد کا فرض ہے کہ وہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے سوچ بچار کریں کہ جس نے ان کے ملکوں اور قوموں کو گھیر رکھا ہے۔

اس کے بارے میں ہم اجمالی طور پر کہتے ہیں کہ اس کا ذریعہ اسلام اور احکام اسلام سے تمسک، اسلام کے جھنڈے تلے متحد ہونا اور جہاں تک ہوسکے بڑی بڑی ظالم و قاہر حکومتوں سے اپنے تعلقات میں کمی کرنا ہے اور اس کی تفصیل کا محل کوئی اور ہے۔

۲۔ ذخیرہ اندوزی (احتکار) کا لغوی مفہوم

ابن اثیر نے نہایہ میں کہا ہے: جو طعام کا احتکار کرے تو وہ ایسا ہے "اسے خرید کر روکے رکھے تاکہ اس کی قلت واقع ہو اور اس کی قیمت بڑھ جائے۔"

حکر و حکرۃ ــــ اسی کا اسم ہے اور اسی سے وہ حدیث ہے: انہ نھی عن الحکرۃ یعنی ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا ہے۔ اسی سے حدیث عثمان ہے: انہ کان یشتری العیر حکرہ یعنی وہ کارواں کا مال یکبارگی خریدتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اندازے سے قیمت لگا کر خریدنا ہے۔ حکر کا اصل معنی جمع کرنا اور روک رکھنا ہے۔ حکر متحرک حروف کے ساتھ ـ تھوڑے سے جمع شدہ پانی اور اسی طرح تھوڑے سے کھانے اور دودھ کے معنی میں ہے۔ (۱)

لسان العرب میں ہے: الحکر غلے اور خوراک کا ذخیرہ کرنا اس کے مہنگا ہونے کے انتظار میں۔ محتکر وہ ہے جو ایسا کرے۔

ابن سیدہ: الاحتکار۔ خوراک وغیرہ میں جو چیزیں کھائی جاتی ہیں ان کو جمع کرنا اور مہنگائی کے انتظار میں ان کو روکے رکھنا ..... حدیث میں ہے: من احتکر طعاماً فھو کذا یعنی جو طعام کا احتکار کرے وہ ایسا ہے: یعنی وہ اسے خریدے اور روکے رکھے تاکہ قلت کے باعث مہنگا ہوجائے۔ حکر و حکرۃ اس کا اسم ہے حکرہ یحکرہ حکراً کا معنی ہے ـ اس پر ظلم کیا۔ اس کو نقصان پہنچایا اور اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا۔ ازہری نے کہا ہے: الحکر کا معنی ظلم کرنا، نقصان پہنچانا اور بری معاشرت کرنا۔ جب کوئی کسی کی معاشرت اور معاش میں تنگی و سختی کو داخل کرے تو کہا جاتا ہے فلان یحکر فلاناً ...... اور الحکر کا معنی لجاجت اور ہٹ دھرمی ہے۔ (۲)

قاموس میں ہے: الحکر کا معنی ظلم اور معاشرتی طور پر تنگ کرنا ہے۔ اس کا فعل ضرب کی طرح ہے ...... اور حرکات کے ساتھ ما احتکر یعنی روکا گیا مہنگائی کے انتظار میں ...... اور لجاجت نیز کسی چیز میں زبردستی کرنا ...... اور جمع شدہ پانی۔ (۳)

الصحاح اللغتہ میں ہے: احتکار کا معنی غلے کو اکٹھا کرنا اور مہنگائی کے انتظار میں اسے روک رکھنا اور الحکرہ ہے پیش کے ساتھ۔ (۴)

المنجد میں ہے: حکرہ اس سے بری معاشرت کی، اس کی معاش میں سختی و تکلیف کو داخل کیا، اس پر ظلم کیا، اسے نقصان

پہنچایا۔ حکر، حکراً لجاجت سے کام لیا، حکر بالامر مستبد ہوا اسی سے پونجی کو روک رکھنے میں استبداد ہے تاکہ اسے زیادہ قیمت پر فروخت کیا جائے تحکر و احتکر الشیی کا معنی ہے کسی چیز کو جمع کیا اور مہنگائی کے انتظار میں اسے روکے رکھا کہ زیادہ قیمت پر بیچے۔ (۵)

میں کہتا ہوں ــــ مخفی نہیں کہ اہل لغت کے ان کلمات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کی اصل و وضع کے لحاظ سے اس کا معنی و مفہوم کسی ایسی چیز کو جمع کر رکھنا ہے کہ لوگ جس کی حاجت رکھتے ہوں، اس کو مستقل طور پر روکنا، سخت ہو جانا اور لوگوں کو نہ دینا، اس کا لازمہ لجاجت، ظلم اور برا برتاؤ ہے یا شائد اصل میں سوء معاشرت ہے اور پھر یہ اس چیز کو روک رکھنے میں استعمال ہوا ہے جس کی لوگوں کو حاجت و ضرورت ہو کیونکہ یہ ظلم کے معنی کے زیادہ قریب ہے۔

بہر حال احتکار مفہوم کے لحاظ سے ہر اس چیز کے لئے عام ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہو اور ان کو اس سے محروم رکھنا اور نہ دینا کہ جو ظلم و طغیان کا باعث ہے، لہٰذا یہ غلے اور خوراک کے ساتھ مخصوص نہیں اور طعام سے اس کی نسبت اضافی اور مثال کے طور پر ہے کیونکہ طعام و خوراک زیادہ ضروری حاجتوں میں سے ہے، یاد رکھیں

۳۔ کلمات فقہاء میں احتکار کا مفہوم

فقہاء کے کلمات میں عام طور پر طعام یا قوت یا خاص قسم کی اشیاء کا ذکر ہے

المقنعہ میں ہے، حکرہ کھانے پینے کی چیزوں کو روک رکھنا ہے جبکہ شہر والوں کو ان کی ضرورت ہو اور وہ ان میں تنگی محسوس کرتے ہوں ــــ یہ فعل مکروہ ہے۔ (۶)

نہایہ میں ہے، گندم، جو، کھجور، کشمش اور گھی کو فروخت نہ کرنا اور روکے رکھنا احتکار ہے۔ (۷)

مختصر النافع میں مکروہ معاملات کو شمار کرتے ہوئے کہا ہے، کھانے پینے کی چیزوں کو روکے رکھنا احتکار ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حرام ہے۔ (۷۔ الف)

دروس میں مناہی کے شمار میں کہا ہے، ان میں سے احتکار ہے جو چاروں غلوں نیز گھی، زیتون اور نمک کو اقرب قول کے مطابق روکے رکھنا ہے تاکہ وہ مہنگے ہوں اور اس کی حرمت ظاہر ہے جبکہ لوگوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہو۔ (۸)

القواعد میں ہے، ہمارے خیال میں احتکار حرام ہے اور وہ گندم، جو، کشمش، گھی اور نمک کو ان دو شرطوں کے ساتھ روکے رکھنا ہے ــــ قیمت میں زیادتی کے لئے رکھنا اور یہ کہ دوسری جگہ سے مل نہ سکیں۔ (۹)

ایسے دیگر کلمات بھی ہیں جو فقہاء کی زبان پر احتکار کی تعریف میں جاری ہوئے ہیں۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ فقہاء اس لفظ کی وضع اور مفہوم کے لحاظ سے اس کی تعریف و تعارف کے درپے نہیں تھے بلکہ وہ اس فعل کی تعریف کرتے تھے جس کی حرمت یا کراہت وارد شدہ روایات سے ان کے ہاں ثابت ہوئی تھی کیونکہ ان میں بہت سوں کے ہاں خاص قسم کی چیزیں مذکور ہیں یعنی چاروں غلے اور زیتون و گھی جیسا کہ آگے آئے گا۔

خلاصہ یہ کہ لفظ احتکار کا وضع لغوی کے لحاظ سے خاص چیزوں کے ساتھ نسبت رکھنا اور ان چیزوں کا اس کے مفہوم میں

داخل ہونا بہت ہی بعید ہے نیز اس کا حقیقت شرعی یا حقیقت متشرعہ ہونا بھی ممکن نہیں ہے، پس یہ مفہوم کے لحاظ سے عام ہے اگرچہ مفروض یہ ہے کہ اس میں ادلہ کے لحاظ سے حرام شدہ چھ یا سات چیزیں شامل ہیں، عنقریب ہم اس بحث کی طرف متوجہ ہوں گے، پس انتظار کریں۔

۴۔ آیا احتکار حرام ہے یا مکروہ؟ اس میں فقہاء کے بعض کلمات

علامہ نے المختلف میں کہا ہے: احتکار کے بارے میں ہمارے علماء نے اختلاف کیا ہے کہ وہ حرام ہے یا مکروہ؟ صدوق نے المقنع میں کہا ہے کہ احتکار حرام ہے، ابن براج نے یہی کہا اور ابن ادریس کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، المبسوط میں شیخ نے اور مفید نے کہا کہ احتکار مکروہ ہے، کتاب کافی میں ابو الصلاح کا یہی قول ہے اور فصل بیع میں کہا کہ حرام ہے اور اس میں قریب صحت اس کے مکروہ ہونے کا قول ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل عدم تحریم ہے اور حلبی نے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے۔ (۱۰)

مفتاح الکرامہ میں ہے: احتکار اجماعی طور پر ممنوع ہے جیسا کہ نہایۃ الاحکام میں ہے اور مابعد کے قرینے سے اس میں مکروہ کی نسبت عموم مراد ہے، المصنف نے حکم لگایا ہے کہ وہ حرام ہے جو المقنع، الفقیہ اور ہدایہ کے ظاہر سے موافقت رکھتا ہے اور یہ صدوق کی کتاب ہے جیسا کہ یہ ان کی طرف منسوب ہے، نیز استبصار، سرائر، تحریر، تذکرہ، دروس، جامع المقاصد، مسالک اور روضہ کے مطابق یہی قول قوی ہے، اسی طرح تنقیح اور میسیہ میں ہے اور قاضی و حلبی سے بھی یہی منقول ہے اور منتہی میں بھی ہے ...... اور احتکار کے مکروہ ہونے کا قول مقنعہ، نہایہ، مبسوط، مراسم، شرائع، نافع، ارشاد، مختلف اور ایضاح النافع کا موقف ہے نیز ایک اور قول میں تقی سے بھی یہی منقول ہے۔ (۱۱)

میں کہتا ہوں ــــ ہدایہ میں مجھے احتکار کی کراہت کے بارے میں صدوق کا کوئی کلام نہیں ملا اور نہ نہایہ میں کراہت کی کوئی صراحت ملی ہے۔

البتہ نہایہ میں کہا ہے: طعام کا فروخت کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کام میں احتکار سے محفوظ نہیں رہا جاسکتا۔ (۱۲)
لیکن یہ حکم احتکار سے متعلق نہیں ہے، لسے یاد رکھیں۔

یہاں یہ گمان نہ کیا جائے کہ احتکار کے حرام ہونے کا قول لوگوں کو کھانے کی چیزوں کی ضرورت کی صورت میں ہے اور کراہت کا محل وہ ہے جب مال و جنس کی کثرت ہو اور لوگوں کو اس کی احتیاج نہ ہو بلکہ ظاہر یہ ہے کہ حرام یا مکروہ ہونے کے دونوں اقوال کا محل لوگوں کو متاع کی حاجت و ضرورت ہونا ہے اور اس کا روکنا اور بند رکھنا اس شخص کی طرف سے لوگوں پر تنگی کا موجب ہے، باقی رہی وہ صورت کہ جب اتنا موجود ہو جس سے لوگوں کی ضرورت پوری ہو رہی ہو اور احتکار کرنے والے کے عمل سے ان کو تکلیف و دشواری نہ ہو تو وہ ان دونوں اقوال سے خارج ہے اگرچہ کسی اور وجہ سے کراہت کی بات کہی جائے بعض کلمات کا ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں احتکار کا عنوان صادق ہی نہیں آتا، گویا ان کے نزدیک اس لفظ کے مفہوم میں صعوبت و دشواری اور تنگی و سختی کو شامل سمجھا گیا ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ اہل لغت کے کلمات سے بھی اس کے یہی

معنی معلوم ہوئے ہیں۔
شیخ صدوق کی کتاب المقنع میں ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص غلہ خرید کر رکھ لے اور اسے فروخت نہ کرے جبکہ وہ اس کے بھاؤ میں اضافہ چاہتا ہو در آنحالیکہ اس کے علاوہ دوسروں کے ہاں خوراک کی چیزیں موجود ہوں. اگر اس کے علاوہ کسی کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر اسے ان کو روکے رکھنے کا حق نہیں اور اس پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کو فروخت کرے اور یہ شخص محتکر اور ذخیرہ اندوز ہے۔ (۱۳)

شیخ کی کتاب نہایہ میں ہے: احتکار کا حکم اس وقت لازم آتا ہے جب لوگوں کو کسی چیز کی سخت ضرورت ہو اور وہ اس شخص کے علاوہ کسی اور سے نہ ملتی ہو، لیکن اگر ایسی چیزیں بازار میں موجود ہوں تو پھر کسی چیز کو روکے رکھنے میں کوئی حرج نہیں چاہے مہنگائی کے لئے روکے۔ (۱۴)

ابوالصلاح کی کافی میں بیع کی بحث میں ہے: کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ لوگوں کے کھانے پینے کی چیزوں میں ذخیرہ اندوزی کرے جبکہ ان کی ضرورت و حاجت ظاہر ہو۔ (۱۵)

ابن براج کی مہذب میں ہے کہ جہاں اس نے حرام پیشوں کو شمار کیا ہے: غلہ جات کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے جبکہ وہ لوگوں کو نہ ملتے ہوں اور انہیں ان کی شدید ضرورت ہو۔ (۱۶)

غنیہ میں ہے: کھانے پینے کی چیزوں میں احتکار و ذخیرہ اندوزی جائز نہیں ہے جبکہ لوگوں کو ظاہر بظاہر ان کی ضرورت ہو۔ (۱۷)

سرائر میں ہے: (چاروں غلات اور گھی میں) احتکار و ذخیرہ اندوزی اس وقت منع ہے جب ان میں سے کسی چیز کی لوگوں کو شدید حاجت ہو اور وہ شہر میں کہیں موجود نہ ہو۔ (۱۸)

دروس سے یہ قول گزر چکا ہے: احتکار کی تحریم ظاہر و واضح ہے جب لوگوں کو اس چیز کی ضرورت ہو۔ (۱۹)

قواعد میں ان کا قول ہے: دو شرطوں کے ساتھ کہ قیمت میں اضافے کے لئے جمع کرنا اور وہ چیز اس کے علاوہ کسی دوسرے سے نہ مل سکتی ہو، پس اس صورت میں احتکار حرام ہے۔ (۲۰)

یہ ان میں سے بعض کلمات ہیں جن کا ظاہر احتکار کی حرمت ہے۔

مقنعہ میں ہے: حکرہ، کھانے پینے کی چیزوں کا احتکار و ذخیرہ اندوزی ہے جبکہ شہر والوں کو ان کی حاجت ہو اور ان چیزوں کی بابت ان پر تنگی ہو تو یہ مکروہ ہے۔ (۲۱)

مبسوط میں ہے: باقی رہا احتکار تو وہ کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں مکروہ ہے جبکہ اس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچے اور اسی طرح اس وقت جب یہ چیزیں ایک شخص کے سوا کسی اور کے پاس نہ ہوں۔ (۲۲)

خلاصہ یہ کہ فقہاء کے دونوں طرح کے اقوال میں ان کے مدنظر حاجت اور شدت کی صورت ہے، پس مراجعہ کریں اور ان کے کلمات پر نظر ڈالیں۔

ابن قدامہ حنبلی کی المغنی کے ذیل میں مطبوعہ شرح کبیر میں ہے: احتکار و ذخیرہ اندوزی حرام ہے جیسا کہ ابو امامہ نے روایت

کی ہے ...... وہ احتکار حرام ہے جس میں تین شرائط جمع ہوں:

۱۔ اس نے وہ چیز خریدی ہو، پس اگر وہ اس چیز کو کسی سے واپس لے یا اس کے اپنے غلے میں سے ہو اور اس نے وہ روک رکھی ہو تو وہ محتکر و ذخیرہ اندوز نہیں ہو گا، یہ بات حسن و مالک سے مروی ہے ......

۲۔ وہ چیز خوراک و غذا میں سے ہو، لیکن مصالحہ، شہد، زیتون اور چارے بھوسے کا احتکار حرام نہیں ہے۔

۳۔ اس نے وہ چیز خرید کر لوگوں کو تنگی میں ڈالا ہو اور ایسا نہیں ہوتا مگر دو باتوں سے ایک یہ کہ وہ ایسے شہر میں ہو جس کے رہنے والوں کو احتکار سے تنگی ہو جائے مثلاً مکہ و مدینہ اور سرحدی مقامات ــــ یہ احمد کا قول ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ بڑے شہروں جیسے بغداد، بصرہ، مصر وغیرہ میں احتکار حرام نہیں ہے کیونکہ وہاں ایک آدھ کی ذخیرہ اندوزی اثر انداز نہیں ہوتی، دوسری یہ کہ تنگی و کمیابی کے وقت احتکار کرے کہ شہر میں کوئی قافلہ آیا پس مالدار لوگ جلدی سے چیزیں خرید کر لوگوں کو تنگی میں ڈال دیتے ہیں لیکن اگر ایک شخص نے وسعت اور ارزانی کے وقت چیزیں خریدیں کہ کسی کو تنگی نہیں دی تو پھر یہ احتکار حرام نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں ــــ اس کا یہ کہنا کہ بڑے شہروں میں احتکار کا اثر نہیں پڑتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان وقتوں میں بڑی بڑی کمپنیاں اور تجارتی ادارے نہیں تھے کہ جو بعض اوقات اپنی ہمکار کمپنیوں کے ذریعے سے ایک بڑے علاقے یا بہت سے علاقوں کے مادی وسائل پر قابض ہو جاتے ہیں اور پھر جیسا چاہتے ہیں انہیں کام میں لاتے ہیں، بعض موقعوں پر اپنے اس احتکار اور تسلط سے ایک حربے کے طور پر حکومتوں کو مجبور کرتے ہیں تو پھر قوموں کو کیسے مجبور نہ کریں گے جیسا کہ ہمارے آج کے زمانے میں بعض قوموں کو مجبور کیا جاتا ہے۔

فقہ حنفیہ کی کتاب بدائع الصنائع میں احتکار کی تفسیریوں کی ہے۔ احتکار یہ ہے کہ کسی شہر میں کوئی شخص خوراک کی چیزیں خریدے اور انہیں فروخت نہ کرے کہ یہ عمل لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہو، اسی طرح اگر کسی قریب کے گاؤں سے چیزیں خریدے کہ جہاں سے خوراک شہر میں آتی ہو جبکہ وہ شہر چھوٹا ہو اور یہ فعل تنگی کا باعث ہو تو وہ شخص محتکر ہو گا، اگر شہر بڑا ہو اور چیزوں کا اس طرح خرید لینا مضر نہ ہو تو پھر یہ شخص ذخیرہ اندوز نہیں ہو گا۔ (۲۴)

رملی شافعی سے موسوعۃ الفقہ الاسلامی میں ہے اور اسی طرح نووی شافعی کی شرح صحیح مسلم میں ہے: خوراک کو مہنگائی کے وقت خرید لینا احتکار ہے تاکہ اسے روکے رکھے اور پھر قلت کے باعث اسے اس کی قیمت سے زیادہ رقم کے بدلے فروخت کرے۔ (۲۵)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ احتکار کے حرام ہونے میں ضرر و تنگی کی موجودگی کا ذکر فقہاء اہل سنت کے کلمات میں بھی آیا ہے۔

۵۔ طرفین کے دلائل

احتکار کی کراہت کے قائل نے اس میں عدم حرمت کی اصل اور اپنے اموال پر لوگوں کے تسلط کے قاعدے سے استدلال

کیا ہے. نیز کاروبار اور تجارت میں تدبیر، ہوشمندی اور احتیاط کے نصوص سے اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ الجواہر میں ہے اور احتکار کی کراہت کا ذکر صحیحہ حلبی میں ہے جو آگے آئے گی۔

میں کہتا ہوں ـــــ اصل اور قاعدے آنے والی روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور صحیحہ حلبی کا جواب بھی اس کے محل پر دیا جائے گا۔

احتکار کی حرمت کے قائلین نے بہت سے اخبار سے استدلال کیا ہے جو فریقین کے طریقوں سے وارد ہوئے ہیں اور وہ اس کی حرمت میں ظہور رکھتے ہیں بلکہ ان میں اتنی شدت ہے کہ احتکار جہنم میں لے جانے کا سبب ہے اور محرمات کبیرہ کے عرض میں مثل ہمیشہ شراب پینے، دلالی کرنے اور سود کھانے کے ہے. اس کے علاوہ روایات ہیں جو ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو مال فروخت کرنے پر مجبور کرنے اور اسے سزا دینے کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں۔

لیکن اس میں قوی وہی دوسرا قول ہے یعنی اس صورت میں جب احتکار لوگوں کے ضرر اور تنگی کا موجب ہو بلکہ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اس کے علاوہ احتکار کا حکم صادق بھی نہیں آتا مگر یہ کہ مجازاً کہا جائے۔

۶۔ احتکار کے بارے میں اخبار کے پانچ گروہ

پس یہاں ہم احتکار کے بارے میں آمدہ اخبار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں. وہ اخبار پانچ گروہوں میں تقسیم ہیں. اگرچہ ان میں سے بعض ایک دوسرے کے گروہ میں دخل رکھتے ہیں جیسا کہ آگے ظاہر ہوگا۔

۱۔ وہ اخبار جو احتکار کی مطلق ممانعت پر دلالت کرتے ہیں

۲۔ وہ اخبار جو خاص طور پر خوراک میں احتکار کی مطلق ممانعت ظاہر کرتے ہیں۔

۳۔ وہ اخبار جو سختی و شدت کے زمانے میں تین دن گزرنے پر احتکار کی ممانعت کرتے ہیں۔

۴۔ وہ اخبار جو شہر میں خوراک ایک شخص کے پاس ہونے اور اس کی قلت اور اس کے علاوہ کسی صورت حال کے درمیان تفصیل دیتے ہیں پس احتکار کی ممانعت پہلی صورت میں ہے۔

۵۔ وہ اخبار جو بعض خاص چیزوں میں احتکار کی ممانعت کرتے ہیں۔

اخبار کا پہلا گروہ

جو احتکار کی مطلق ممانعت پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ ابن قداح کی خبر میں ابو عبداللہ ؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسول ؐ نے فرمایا. ایک شہر سے دوسرے شہر میں جنس لانے والا مرزوق (نفع لینے والا) ہے اور احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔ (۲۵ الف)

۲۔ ورام بن ابو فراس نے اپنی کتاب میں نبی کریم ؐ کے ذریعے جبرئیل ؑ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا. میں نے جہنم کی آگ میں جھانک کر دیکھا تو اس میں ایک وادی پائی جو کھول رہی تھی. میں نے داروغہ جہنم سے پوچھا. اے مالک! یہ وادی

کس کے لئے ہے؟ اس نے کہا: یہ تین قسم کے افراد کے لئے ہے جن میں احتکار کرنے والے، ہمیشہ شراب پینے والے اور برائی میں دلالی کرنے والے ہیں۔ (۲۶)

۳۔ کتاب الفقیہ میں تصریح ہوئی ہے: امیر المومنین ؑ نے تمام شہروں میں احتکار و ذخیرہ اندوزی سے نہی فرمائی۔ (۲۷)

اس میں امیر المومنین ؑ کی طرف نہی فرمانے کی یقینی و حتمی طور پر نسبت دینے سے ظاہر ہے کہ صدوق کے نزدیک یہ روایت ثابت شدہ ہے، کیونکہ اس تعبیر میں اور یہ کہنے میں فرق ہے کہ "امیر المومنین ؑ سے روایت ہوئی ہے نیز مادہ و صیغہ کے لحاظ سے نہی کا ظاہر احتکار کی حرمت ہی ہے۔

۴۔ نہج البلاغہ میں مالک اشتر کے نام امیر المومنین ؑ کے مکتوب میں ہے کہ آپ نے تاجروں کے بارے میں فرمایا: اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھو کہ ان تاجروں میں بعض بڑے تنگ نظر اور بہت ہی کنجوس ہوتے ہیں جو نفع کمانے کے لئے ذخیرہ اندوزی کرتے اور پھر قیمتیں بڑھا دیتے ہیں، یہ عمل لوگوں کے لئے نقصان رساں اور حکام کی بدنامی کا باعث بنتا ہے، لہٰذا ان کو ذخیرہ اندوزی سے روکنا کیونکہ حضرت رسول ؐ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اس کے علاوہ خرید و فروخت صحیح ترازو اور مناسب نرخ کے ساتھ عام ہونی چاہئے تاکہ نہ فروخت کرنے والے کو نقصان ہو اور نہ خریدنے والے کو خسارہ ہو، اگر اس کے بعد بھی کوئی شخص احتکار و ذخیرہ اندوزی کرے تو اس کو مناسب حد تک سزا دینا۔ (۲۸)

اگر آپ کہیں کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ اس میں احتکار کی ممانعت ذاتی نہیں کیونکہ یہ حکم خدا سے نہیں تاکہ یہ فقہی حرمت ہوتی بلکہ یہ والی و حاکم کی طرف سے ہے جو ولایت کے لوازمات سے ہے، جیسا کہ آنجناب ؑ نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ وہ تاجروں کو احتکار سے روکیں اور آپ کا یہ فرمان والی ہونے کی بناء پر تھا، اسی طرح حضرت رسول ؐ کا حکم بھی والی ہونے کی حیثیت سے تھا پس والی کی طرف سے ممانعت کئے جانے کے بعد وہ حرام ولائی ہو گا۔۔۔ اسی لئے فرمایا کہ "تمہارے منع کرنے کے بعد بھی کوئی ذخیرہ اندوزی کرے" سابقہ روایت میں یہی بیان ہے اور آنے والی روایت میں بھی جاری رہے گا۔

میں کہوں گا ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم ؐ کی طرف سے جو حکم ولائی صادر ہوئے اور اسی طرح ائمہ طاہرین ؑ سے صادر ہوئے وہ ساری امت کے لئے عام ہیں کیونکہ ان کی ولایت عمومی ہے مگر یہ کہ خصوصیت کا قرینہ موجود ہو۔۔۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ امیر المومنین ؑ نے حضرت رسول ؐ کی ممانعت کو اپنی ممانعت کی علت قرار دیا ہے، روایات کی تلاش کرنے والے پر ظاہر ہو گا کہ ائمہ طاہرین ؑ مختلف مسائل میں نبی اکرم ؐ کی طرف سے صادر شدہ ولائی احکام سے استدلال کرتے تھے، پس آنحضرت ؐ کی جو ولایت آیت مبارکہ سے ثابت ہے وہ صرف اس زمانے کے مومنین کے لئے خاص نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا - (۲۹)

"رسول ؐ تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جس سے نہی کرے اس سے رک جاؤ۔"

اس سے یہ ظاہر ہے کہ ولائی امر و نہی بھی عمومیت رکھتے ہیں جیسا کہ مقبولہ عمر بن حنظلہ میں حکومت فقیہ کی تشکیل کے لئے

امام جعفر صادقؑ کا حکم اگرچہ ولائی ہے لیکن وہ آپ کے زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، پس غور کریں (۳۰)

۵۔ دعائم الاسلام میں منقول ہے کہ امیر المومنینؑ نے رفاعہ کو لکھا. احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو روکو اور جو نہی کرنے کے باوجود ایسا کرے تو اسے دردناک عذاب دو، پھر مزید سزا دینے کے لئے اس چیز کو نکال لو جو اس نے ذخیرہ کر رکھی تھی۔ (۳۰۔ الف)

رفاعہ کے بارے میں مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ امیر المومنینؑ کی طرف سے اہواز کا قاضی تھا۔

۶۔ دعائم ہی میں آنجنابؑ سے مروی ہے: احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار و نافرمان ہے۔ (۳۱)

۷۔ اسی کتاب میں امام جعفرؑ بن محمدؑ سے مروی ہے: جو ذخیرہ اندوزی لوگوں کو ضرر پہنچائے اور اس سے بھاؤ چڑھ جائے. اس میں خیر و بھلائی نہیں ہے۔ (۳۲)

۸۔ الغرر والدرر میں امیر المومنینؑ سے مروی ہے: احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنا ایک رذیل حرکت ہے۔ (۳۳)

۹۔ اسی کتاب میں آنجنابؑ سے مروی ہے: ذخیرہ اندوزی محرومیت کو دعوت دیتی ہے۔ (۳۴)

۱۰۔ اسی کتاب میں آپ کا ارشاد ہے: ذخیرہ اندوزی فاجروں کا طریقہ ہے۔ (۳۵)

۱۱۔ اسی کتاب میں آنجنابؑ سے مروی ہے: ذخیرہ اندوز نعمت سے محروم ہے۔ (۳۶)

۱۲۔ اسی کتاب میں آنجنابؑ سے آیا ہے: تھوڑا تھوڑا بیچنے والا بن لیکن ذخیرہ اندوز نہ بن۔ (۳۷)

۱۳۔ اسی کتاب میں آپ سے مروی ہے: جاہلوں اور کمینوں کی عادت اپنے نفسوں کو ذخیرہ اندوزی میں تھکانا ہے۔ (۳۸)

۱۴۔ مستدرک میں آمدی سے آپ کا ارشاد منقول ہے: بخیل و ذخیرہ اندوز اس کے لئے جمع کرتا ہے جو اس کا شکریہ ادا نہیں کرے گا اور وہ اس ذات کی طرف جانے والا ہے جو اس کے عذر کو قبول نہیں کرے گا۔ (۳۹)

۱۵۔ صحیح مسلم میں اس کی سند کے ساتھ معمر سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: جو ذخیرہ اندوزی کرے وہ خطاء کار ہے (۴۰)

ایک اور روایت میں معمر سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ذخیرہ اندوزی نہیں کرے گا مگر خطاء کار۔ (۴۱)

ترمذی نے بھی انہی الفاظ میں روایت کی اور کہا ہے: اس بارے میں علیؑ، عمر بن خطاب، ابی امامہ اور ابن عمر سے معمر نے روایت کی ہے جو حسن و صحیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے، انہوں نے طعام کا ذخیرہ کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے اور بعض نے طعام کے علاوہ احتکار میں رخصت دی ہے۔ (۴۲)

ابن ماجہ نے بھی اس کو انہی لفظوں میں روایت کیا ہے اور اس کتاب کے حاشیہ نگار نے اس حدیث کے ذیل میں کہا ہے "مگر خطاء کار" گنہگار کے معنی میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احتکار ایسے قبیح فعل کی جرائت وہی کرے گا جو نافرمانی کی عادت رکھتا ہو، پس اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ یہ بڑی نافرمانی ہے اور انسان اس کا ارتکاب نہیں کرتا مگر یہ کہ آہستہ آہستہ اس کا عادی بن جانے کے بعد ہی ایسا کرتا ہے۔ (۴۳)

۱۶۔ حاکم نیشاپوری کی مستدرک میں اس کی سند کے ساتھ آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ فرمایا: جو شخص احتکار و ذخیرہ اندوزی کرے اور اس کا مقصد مسلمانوں کے لئے مہنگائی پیدا کرنا ہو تو وہ خطاء کار و گنہگار ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بری اور الگ ہے۔ (۴۴)

۱۷۔ اسی کتاب میں حضرت رسولؐ سے مروی ہے: احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔ (۴۵)

۱۸۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ یسع بن مغیرہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: آنحضرتؐ بازار میں ایک شخص کے قریب سے گزرے جو گندم عام بھاؤ سے کم پر فروخت کر رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا تم ہمارے بازار کے نرخ سے ارزاں بیچ رہے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا: کیا صبر اور احتساب کی بناء پر ایسا کر رہے ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں! اس پر آپ نے فرمایا: تجھے بشارت ہو کہ ہمارے بازار میں باہر سے مال لانے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور ہمارے اس بازار میں احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا خدا کی کتاب کے بارے میں بے یقینی رکھنے والے کی مانند ہے۔ (۴۶)

اگرچہ مورد بحث طعام و گندم ہے لیکن حضرت رسولؐ کے کلام کی عمومیت کے لحاظ سے یہ حکم ان کے علاوہ دیگر اشیاء کو بھی شامل ہے۔

۱۹۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ معقل بن یسار سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے سنا: جو شخص مسلمانوں کے مقررہ نرخوں میں سے کسی چیز میں اس لئے دخل دے تاکہ مہنگائی پیدا کرے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اسے جہنم کے گہرے حصے میں پھینکے جبکہ اس کا سر نیچے ہو (۴۷)

۲۰۔ کنزالعمال میں معاذ سے مروی ہے: بدتر بندہ احتکار کرنے والا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نرخوں میں ارزانی کردے تو وہ غمگین ہو جاتا ہے اور اگر گرانی کر دے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ (۴۸)

۲۱۔ اسی کتاب میں ابن عمر سے مروی ہے: جو شخص میری امت کے لئے ایک ہی رات کی مہنگائی پیدا ہونے کی تمنا کرے تو خدائے تعالیٰ اس کے چالیس سال کے اعمال ضائع کر دیتا ہے۔ (۴۹)

۲۲۔ اسی کتاب میں امیر المومنین امام علیؑ سے مروی ہے کہ انہوں نے شہر میں احتکار و ذخیرہ اندوزی سے نہی فرمائی۔ (۵۰)

۲۳۔ اسی کتاب میں صفوان بن سلیم سے مروی ہے: خیانت کاروں کے علاوہ کوئی احتکار نہیں کرتا۔ (۵۱)

۲۴۔ اسی کتاب میں ابوہریرہ سے مروی ہے: احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والے اور قتل کرنے والے جہنم کے ایک ہی درجے میں رکھے جائیں گے۔ (۵۲)

۲۵۔ اسی کتاب میں ہے: اے لوگو! اپنی حفاظت کرو، ذخیرہ اندوزی نہ کرو، ایک دوسرے سے نہ لڑو اور چیزوں کے بھاؤ کو تہ و بالا نہ کرو۔ (۵۳)

۲۶۔ اسی کتاب میں ابن مسعود سے روایت ہے: احتکار کرنے والا اور ذخیرہ اندوز اس حالت میں کھڑا ہوگا جبکہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا "اے کافر! اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"۔ (۵۴)

ان بہت سے اخبار کا ظہور احتکار و ذخیرہ اندوزی کی حرمت میں ہے بلکہ ان میں سے اکثر اس میں شدت پر دلالت کرتی ہیں اور اب اس میں شک کرنا ایک واضح امر میں شک کرنا ہے۔

اخبار کا دوسرا گروہ

جو مطلقاً اور بالخصوص طعام و خوراک میں احتکار کی ممانعت کرتا ہے۔

۱۔ شیخ نے اپنی سند کے ساتھ اسماعیل بن ابو زیاد سے، ابو عبداللہؑ سے، ان کے والد گرامیؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: طعام و خوراک میں خاطی و گنہگار کے سوا کوئی ذخیرہ اندوزی نہیں کرے گا۔ (۵۵)

اسماعیل ابن ابو زیاد وہی سکونی ہے اور اس سند کے ظاہر میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ صدوق کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: طعام میں احتکار و ذخیرہ اندوزی نہیں کرے گا مگر وہ جو خاطی و گنہگار ہو گا۔ (۵۶)

یہ روایت لفظ طعام کے ذکر کے بغیر مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ سے نقل ہو چکی ہے، صدوق کا اسے یقینی طور پر حضرت رسولؐ سے نسبت دینا دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت صحیح اور ثابت ہے۔

۳۔ مستدرک الوسائل میں دعائم الاسلام سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے احتکار و ذخیرہ اندوزی سے نہی کی اور فرمایا: طعام و خوراک میں ذخیرہ اندوزی نہیں کرے گا مگر وہ جو خاطی و گنہگار ہو گا۔ (۵۷)

۴۔ مستدرک حاکم میں اس کی سند کے ساتھ ابو امامہ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے طعام میں ذخیرہ اندوزی سے نہی فرمائی (۵۸)

۵۔ مستدرک الوسائل میں طب النبیؐ سے منقول ہے: جو شخص مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے طعام و خوراک میں احتکار و ذخیرہ اندوزی کرے تو خدا اس کو جذام و کوڑھ میں مبتلا کر کے مارے گا۔ (۵۹)

۶۔ بحار میں اس کی سند کے ساتھ سکونی سے، جعفرؑ بن محمدؑ سے، ان کے والد گرامیؑ اور ان کے آباء کرامؑ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر رات کو عذاب آیا اور صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ ان میں سے چار طرح کے افراد یعنی طبل بجانے والے، طعام کی ذخیرہ اندوزی کرنے والے، سود کھانے والے اور صرافی کرنے والے ناپید ہو چکے ہیں۔ (۶۰)

یہ روایت بحار اور جعفریات سے مستدرک میں بھی نقل ہوئی ہے۔

۷۔ اسی کتاب میں الخصال سے اس کی سند کے ساتھ ثمالی کی خبر ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو غلے کی نعمت عطا کی اور اس پر سپش (سسری) کو مسلط کیا، اگر یہ کیڑا نہ ہوتا تو بادشاہ غلے کو اپنے خزانوں میں بھر لیتے جیسا کہ سونے چاندی کو جمع کیے رکھتے ہیں۔ (۶۱)

۸۔ ابن حزم نے المحلیٰ میں اپنی سند کے ساتھ ابو الحکم سے روایت کی ہے: امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے ذخیرہ کی ہوئی

گندم جلادی جو ایک لاکھ کی تھی۔ (۶۲)

۹۔ اسی کتاب میں حبیش سے روایت ہوئی ہے: امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے کوفے کے اطراف میں میرے گندم کے انبار جلا دیئے، اگر وہ انہیں چھوڑ دیتے تو مجھے ان سے کوفہ کے خراج و صدقہ کے برابر نفع حاصل ہوتا۔ (۶۳)

۱۰۔ کنز العمال میں ابو امامہ سے مروی ہے: اہل مدائن نے اپنے آپ کو خدا کی راہ میں پابند کر رکھا ہے، ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں ذخیرہ اندوزی نہ کرو اور نرخوں میں اضافہ نہ کرو۔ (۶۴)

ان اخبار میں احتکار و ذخیرہ اندوزی کی حرمت واضح ہے۔

آیا یہ روایات پہلے گروہ کے روایات سے مختلف ہیں کہ جن میں احتکار کا ذکر مطلق طور پر ہے، پس جس طرح مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے ـــــ ان روایات کو بھی دوسرے گروہ پر تطبیق دی جائے گی یا یہ کہ ان میں طعام کا ذکر غلبہ کے باب میں سے ہے کیونکہ غلہ و گندم زیادہ عام اور ظاہر چیزوں میں سے ہیں کہ جن کا احتکار و ذخیرہ اندوزی معلوم ہے اور ان کو روکے رکھنا لوگوں کے لئے ضرر و تنگی کا باعث ہے اور ذخیرہ اندوزی میں ان کا وجود لازمی ہے، اگر آپ چاہیں تو یوں کہیں کہ ان روایات میں مفہوم احتکار لقب کے قبیل سے ہے اور اس میں حجیت نہیں ہے، اس میں یہ دو وجوہ ہیں اور شائد دوسری وجہ ہی زیادہ ظاہر ہے۔

مطلق کو مقید پر وہاں حمل کیا جاتا ہے جہاں حکم کی وحدت مقصود ہو جیسے آپ کا ارشاد "اگر ظہار کرو تو ایک غلام آزاد کرو" نیز یہ ارشاد "اگر ظہار کرو تو مومن غلام آزاد کرو" یہ وہاں ہوتا ہے جہاں وحدت سبب کی بناء پر وحدت حکم منظور ہو، لیکن یہ مقام ایسا نہیں ہے کیونکہ احتمال ہے کہ احتکار مطلقاً حرام ہو اور طعام و خوراک کی صورت میں شدت حرمت ہو کہ اس میں احتیاج زیادہ ظاہر ہے، یہ چیز ان بہت سے اخبار سے قطع نظر کرتے ہوئے ہے جو احتکار سے نہی کے بارے میں آگے آئیں گے۔

پھر یہ کہ کیا طعام سے مراد مطلق وہ چیزیں ہیں جو خوراک و غذا کے طور پر کھائی جاتی ہیں پس یہ چار اجناس اور چاول و مکئی کے لئے عام ہوگا یا خاص طور پر اس سے گندم ہی مراد ہے جبکہ لغت میں یہ ان معنی میں شمار ہوا ہے نیز بعض اخبار میں بھی لفظ گندم استعمال ہوا ہے؟ اس میں دو وجوہ ہیں۔

ابن اثیر نے نہایہ میں کہا ہے: طعام کا لفظ ہر اس چیز کے لئے عام ہے جسے غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے مثل گندم، جو اور کھجور وغیرہ کے ...... ابو سعید کی روایت میں ہے: ہم زکات فطرہ طعام یعنی گندم میں سے ایک صاع یا جو میں سے ایک صاع نکالتے تھے، خلیل نے کہا ہے کہ کلام عرب میں طعام کا معنی خاص طور پر گندم ہے۔ (۶۵)

میں کہتا ہوں ـــــ اللہ تعالیٰ کے قول میں طعام کا ذکر ہے اور اس کی تفسیر اس طرح ہوئی ہے:

وطعام الذین اوتوا الکتاب حلّ لکم - (۶۶) "اور جنہیں کتاب دی گئی ہے ان لوگوں کا طعام تمہارے لئے حلال ہے"

ہمارے اخبار میں طعام کی تفسیر غلے، سبزی، مسور اور چنے سے ہوئی ہے۔ (۶۷)

اخبار کا تیسرا گروہ

جو تین دن یا چالیس دن کے بعد ذخیرہ رکھنے سے منع پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ سکونی نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: خوشحالی کے زمانے میں احتکار و ذخیرہ اندوزی چالیس دن تک اور تنگی و شدت کے دنوں میں تین دن تک ہو سکتی ہے، پس جو خوشحالی کے زمانے میں چالیس دن سے زیادہ اور تنگی و عسرت میں تین دن سے زیادہ ذخیرہ اندوزی کا مرتکب ہو وہ ملعون ہے۔ (۶۸)

اس روایت کی سند میں کوئی حرج نہیں اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ احتکار چالیس اور تین دن تک جائز ہے اور اس کے بعد ممانعت ہے، پس ان دونوں مقداروں کی موضوعیت ہے اور شیخ نے اس کے ظاہر کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

نہایہ میں کہا ہے: خوراک کی کمی اور مہنگائی کے زمانے میں احتکار کی حد تین دن اور وسعت و ارزانی کے زمانے میں اس کی حد چالیس دن ہے۔ (۶۹)

المختلف میں کہا ہے: شیخ نے فرمایا کہ خوراک کی کمی اور مہنگائی میں احتکار کی حد تین دن اور وسعت و ارزانی کے زمانے میں اس کی حد چالیس دن ہے، اس میں ابن براج نے بھی ان کی پیروی کی ہے۔ (۷۰)

میں کہتا ہوں ـــــ شرعی طور پر تین دن اور چالیس دن کی موضوعیت کو لازم کرنا مشکل ہے اگرچہ وہ مجعولہ شرعی علامت کے طور پر ہی ہو، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں کے ساتھ حد بندی عام اور اغلب حالات کے لحاظ سے ہے کیونکہ تنگی کے وقت لوگ عموماً تین دن کی خوراک مہیا کر لیتے ہیں لہٰذا اس مدت میں احتکار ضرر رساں ثابت نہیں ہوتا اور اس کے بعد اس کا اثر پڑتا ہے، جیسا کہ اگر خوراک کی چیزوں کو چالیس دن تک روکا اور بند رکھا جائے تو لازم ہے کہ اکثر لوگوں کے لئے تنگی و سختی پیدا ہو جائے گی چاہے وہ خوشحالی کا زمانہ ہی کیوں نہ ہو، پس احتکار حرام کا معیار وہ ہے کہ جس سے لوگ اذیت و تکلیف میں مبتلا ہو جائیں۔

شہید نے شرح لمعہ میں کہا ہے: احتکار و ذخیرہ اندوزی کو مہنگائی میں تین دن اور ارزانی میں چالیس دن میں محدود و مقید نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اتنے وقت میں ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور یہ ظن و گمان کا معاملہ ہے۔ (۷۱) اسے یاد رکھیں

اس بیان کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ اس روایت اور اسی قسم کی دیگر روایات سے تمسک کرتے ہوئے حرمت احتکار کی نفی کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے کہ خوشحالی کے دور میں چالیس دن سے زائد کا احتکار و ذخیرہ اندوزی حرام نہیں ہے کیونکہ اس وقت اس سے ضرر و تنگی ہی نہیں ہوئی، لیکن اس کے باوجود اس کے لئے لعنت واقع ہوئی ہے ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ لعنت کراہت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے لہٰذا تین دن سے زائد کے احتکار کے لئے لعنت کا واقع ہونا اس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں بنے گا۔

۲۔ ابراہیم بن عبدالحمید نے موسیٰؑ بن جعفرؑ سے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: باقی رہا گندم والا تو وہ میری امت میں طعام کا احتکار و ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، اگر وہ اس حالت میں خدائے تعالیٰ سے ملاقات کرتا کہ چور ہوتا تو یہ مجھے زیادہ پسند

ہے اس سے کہ وہ خدائے تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے کہ اس نے چالیس دن سے زیادہ احتکار کیا ہو۔ (۷۲)

۳۔ ابو مریم نے ابو جعفرؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: جو شخص طعام و خوراک خریدے اور پھر اسے چالیس روز تک روکے رکھے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ مسلمان تنگی میں مبتلا ہوں، اس کے بعد وہ اسے بیچے اور اس کی قیمت صدقہ میں دے دے تو بھی اس کا یہ عمل اس فعل کا کفارہ نہیں بن سکتا جو اس نے کیا ہے۔ (۷۳)

۴۔ بحار میں کتاب الاعمال سے اس کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: جو چالیس دن سے زیادہ احتکار کرے تو وہ جنت اس پر حرام ہے جس کی خوشبو پانچ سو سال کی راہ سے سونگھی جاسکتی ہے۔ (۷۴)

۵۔ مستدرک الوسائل میں طب النبیؐ کے ذریعے آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ فرمایا: جو طعام اور خوراک کو مہنگائی کا انتظار کرتے ہوئے چالیس دن تک روکے رکھے تو وہ خدا سے الگ اور خدا اس سے دور ہے۔ (۷۵)

۶۔ مستدرک حاکم میں اس کی سند کے ساتھ ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: جو شخص چالیس راتوں تک خوراک کو ذخیرہ کئے رکھے تو اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے اور جن لوگوں میں کوئی انسان بھوکا ہو تو خدائے تعالیٰ ان سے بری الذمہ ہے۔ (۷۶)

۷۔ کنز العمال میں معاذ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص میری امت میں چالیس دن تک احتکار کرے اور پھر اس جنس کو صدقہ میں دے دے تو اس کا یہ عمل قابل قبول نہیں ہے۔ (۷۷)

یہ روایت انس سے بھی اسی طرح نقل کی گئی ہے۔ (۷۸)

احتکار کے چالیس دنوں کے ساتھ مقید ہونے کی وجہ آپ جان چکے ہیں، وہ غلبہ اور تعداد کی کثرت کے طور پر ہے، ان اخبار کا ظہور احتکار کی حرمت میں ہے اور ان کا قریب تواتر ہونا ان میں سے بعض کے صدور پر وثوق کا سبب بنے گا اور ان کے علاوہ سکونی کی خبر ہے کہ جو ہمارے لئے قابل اعتبار ہے۔

اخبار کا چوتھا گروہ

یہ شہر میں طعام و خوراک کے ہونے اور نہ ہونے میں تفصیل دیتا ہے۔

۱۔ صحیحہ سالم حناط میں ہے کہ اس نے کہا: مجھ سے ابو عبداللہؑ نے فرمایا تم کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ گندم بیچتا ہوں ــــ بعض اوقات اسے کھلے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور کبھی تھوڑی تھوڑی کر کے بیچتا ہوں اور اسے روکے رکھتا ہوں، آپ نے پوچھا جو لوگ تمہارے ساتھ رہتے ہیں وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص احتکار کرتا ہے، آپ نے دریافت کیا کہ آیا تمہارے علاوہ بھی کوئی گندم فروخت کرتا ہے؟ عرض کیا میں تو ہزار میں سے ایک حصہ بھی نہیں بیچتا، آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں ہے ــــ قریش میں ایک شخص حکیم بن حزام تھا، جب مدینہ میں باہر سے گندم آتی تو وہ ساری کی ساری خرید لیتا تھا، نبی اکرمؐ اس کے قریب سے گزرے تو فرمایا کہ اے حکیم بن حزام! احتکار و ذخیرہ اندوزی سے

بچو۔ (۷۹)

اس روایت کی سند صحیح ہے اور آنحضرتؐ کا ارشاد "ذخیرہ اندوزی سے بچو" اس فعل سے ڈرانے میں قوی ظہور رکھتا ہے پس وہ اس کی حرمت کو لازم کرتا ہے اور تاکیدی مکروہات کے لئے اس طرح کی تعبیر کا پایا جانا اجازت نہیں دیتا کہ اس ظاہر مفہوم کو چھوڑ دیا جائے جب تک اس میں رخصت ثابت نہ ہو جیسا کہ فقہاء نے باب اوامر و نواہی میں ذکر کیا ہے کہ ان دونوں کو وجوب و حرمت پر حمل کرنا واجب ہے اگرچہ استحباب و کراہت میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہے۔ امامؑ کا ارشاد "تمہارے علاوہ بھی کوئی گندم فروخت کرتا ہے" اس سے مراد کسی ایک کا فروخت کرنا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ بازار میں اس کے علاوہ بقدر کفایت گندم بیچی جاتی ہو کہ اس کا احتکار کرنا صعوبت اور تنگی کا موجب نہ ہو۔

آپ کا ارشاد "پھر کوئی حرج نہیں" اس کا ظاہر نفی کراہت بھی ہے لہٰذا اس کو ذخیرہ اندوزی میں کراہت کی نفی کے معنی میں لیا جائے گا ورنہ طعام اور کھانے کی فروخت کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا بذاتہ مکروہات میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں احتکار کا ظن و گمان پایا جاتا ہے، پس مراجعہ کریں (۸۰)

اس صحیحہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احتکار جو مضر اور ممنوع ہے وہ وہی ہے جو افراد یا تجارتی کمپنیوں کی طرف سے ہو جو اقتصادی گھیراؤ کچھ اس طرح کرتی ہیں کہ تمام اجناس اور مال و متاع انہی کے قبضے میں ہوتا ہے اور اس میں جس طرح چاہیں معاملہ کرتی ہیں جیسا کہ ہمارے زمانے میں بڑی بڑی سرمایہ دارانہ حکومتوں میں ہوتا ہے۔ باقی رہا وہ حصہ کہ جس کا روکے رکھنا بازار پر گہرا اثر نہ ڈالتا ہو اور اس سے مال و جنس کی قلت یا نایابی لازم نہ آئے تو اسے روکنے والا ذخیرہ اندوز نہیں ہے۔

۲۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ حذیفہ بن منصور سے، ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت رسولؐ کے زمانے میں ایک موقع پر گندم ختم ہو گئی تو مسلمان آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! گندم ختم ہو گئی ہے اور اس میں سے کہیں بھی کچھ باقی نہیں ہے مگر فلاں شخص کے پاس گندم موجود ہے پس اسے اس کے فروخت کرنے کا حکم دیں — راوی کہتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا: اے فلاں! مسلمانوں نے مجھے بتایا ہے کہ گندم ختم ہو گئی ہے مگر اس میں سے تمہارے پاس ہے لہٰذا اسے نکال کر جس طرح چاہو فروخت کرو لیکن اسے روک کر نہ رکھو۔

یہ روایت شیخ نے بھی بیان کی ہے لیکن ختم ہو گئی کی بجائے نایاب ہو گئی کہا ہے اور روایت میں تینوں مقامات پر یہی تعبیر کی ہے۔ (۸۰۔ الف)

اس روایت کے رجال و راویان میں سوائے حذیفہ اور محمد بن سنان کے کوئی کلام نہیں ہے، مگر ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں کے بارے میں کوئی زیادہ پریشانی نہیں ہے کیونکہ ان کا ضعف و کمزوری اس حد تک نہیں کہ ان کی روایات کو کلی طور پر مسترد کر دینے کا موجب ہو۔ شائد اس خبر میں فلاں سے مراد حکیم بن حزام ہو جو سابقہ صحیحہ میں مذکور ہے۔

آنحضرتؐ کا گندم کو نکالنے اور بیچنے کا حکم دینے اور روک رکھنے سے منع کرنے میں احتمال ہے کہ یہ الٰہی و فقہی حکم ہو اور آپ کا امر و نہی ارشادی ہو نیز یہ کہ وہ حکم ولائی ہو اور آپ سے اس لئے صادر ہوا ہو کہ آپ امت کے والی و حاکم ہیں۔

بہرحال آپ کے حکم و امر کا ظاہر اس کا وجوب ہے اور امت پر واجب ہے کہ اس حکم کو اخذ کرے کہ یہ آنحضرتؐ کے

زمانے سے مخصوص نہیں ہے اگرچہ دوسرے احتمال کی بناء پر شائد آپ کے عہد سے مخصوص ہو مگر حضور اکرمؐ مومنین کے ولی ہیں اور تا روز قیامت ان سے اولیٰ ہیں۔ دیگر یہ کہ اس میں گندم فروخت کرنے کے وجوب کا تقاضا ہے کہ اس کا احتکار و ذخیرہ اندوزی حرام ہے جبکہ اس کی تصریح بھی موجود ہے۔

۳۔ کلینی نے صحیح سند کے ساتھ حلبی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو عبداللہؑ سے ایک مرد کے بارے میں سوال کیا کہ جو طعام و خوراک کی ذخیرہ اندوزی کرتا اور پھر انتظار میں رہتا ہے، کیا اس کا یہ فعل درست ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر غلہ و خوراک بہت ہو اور لوگوں کے لئے کفایت کرتا ہو تو اس فعل میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر خوراک کی قلت ہو اور وہ لوگوں کے لئے کافی نہ ہو تو خوراک و غلہ کا احتکار و ذخیرہ اندوزی مکروہ ہے جب انسانوں کو ایسی حالت میں چھوڑا جائے کہ ان کے پاس طعام و خوراک نہ ہو۔ اس کو شیخ نے بھی روایت کیا ہے۔ (۸۱)

کراہت کا لفظ لغت اور کتاب و سنت کے لحاظ سے فقہاء کی اصطلاح حرمت و کراہت سے بہت عام اور وسیع ہے بلکہ شائد حرمت میں اس کا ظہور قوی ہے جیسا کہ اس پر ظاہر ہو گا جو کتاب و سنت میں اس لفظ کے موارد استعمال کی جستجو کرے مثل خدائے تعالیٰ کے ارشاد کے جس میں فرمایا ہے:

وکرّہ الیکم الکفر والفسوق و العصیان – (۸۲)

"اور تمہیں کفر، بدکاری اور نافرمانی سے بیزار کر دیا ہے"

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں زنا، قتل اولاد اور یتیم کا مال کھانے ایسے کاموں سے نہی کے بعد فرمایا:

کل ذلک کان سیئہ عند ربك مکروھاً – (۸۳)

"(اے رسولؐ ان) سب میں جو بری بات ہے وہ تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہے۔"

اسی طرح کے اور موارد بھی ہیں جہاں کراہت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

پس جب کوئی دلیل کسی عمل کے شارع مقدس کے نزدیک مکروہ ہونے پر دلالت کرے تو اس کا ارتکاب جائز نہیں ہے مگر جب کوئی دلیل اس میں رخصت پروارد ہو جیسے انہوں نے باب نہی میں ذکر کیا ہے، چونکہ آنجنابؑ نے پہلے جملے میں حرج و ضرر کی نفی کی ہے اور دوسرا پہلے جملہ کے معنی کا بیان ہے تو آپ کا ارشاد "ذخیرہ اندوزی مکروہ ہے" اس کے برابر ہے کہ کہیں "اس میں حرج ہے" پس اس کا ظاہر بھی احتکار کی حرمت ہے، پس غور کریں۔

علاوہ ازیں لوگوں کو طعام و خوراک سے محروم رہنے دینا ایسا فعل ہے کہ عقل اس کی قباحت کا حکم لگاتی ہے اور اس کے جواز کا حکم شریعت کے مذاق سے بہت بعید ہے، گویا امامؑ نے یہ جملہ ایک امر کی علت کے طور پر فرمایا ہے کہ جسے عقل درک کر سکتی ہے، پس غور کریں۔

بہر حال صحیحہ اصطلاحی کراہت میں ظہور نہیں رکھتی کہ اس کے باعث ان روایات کثیرہ سے ہاتھ اٹھالیا جائے جو احتکار و ذخیرہ اندوزی کی شدت حرمت میں بیان ہو چکی ہیں۔

۴۔ صدوق نے حلبی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ابو عبداللہؑ سے احتکار و ذخیرہ اندوزی کے بارے میں سوال کیا گیا

تو فرمایا: احتکار یہ ہے کہ تم وہ خوراک و طعام خرید لو جس کے علاوہ شہر میں کہیں موجود نہ ہو اور تم اسے روک رکھو ــــ لیکن اگر شہر میں خوراک اور مال و متاع ہو یا کوئی اور بھی اسے بیچتا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنی پونجی پر منافع حاصل کرو۔ (۸۴)

کلینی نے بھی اسی طرح روایت کی اور مزید کہا ہے: راوی کہتا ہے کہ میں نے آنجناب ؑ سے کشمش کے احتکار کے بارے میں پوچھا تو فرمایا جب تمہارے علاوہ کسی اور کے پاس بھی ہو تو پھر اسے روک رکھنے میں کوئی حرج نہیں ــــ اس کو شیخ نے بھی اسی اضافے کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (۸۵)

اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعینہ سابقہ روایت ہے جو تقدیم و تاخیر کے ساتھ بالمعنی نقل ہوئی ہے جیسا کہ راوی اور مضمون کی مطابقت اس کی گواہی دیتی ہے۔

۵۔ مستدرک میں دعائم الاسلام سے مروی ہے کہ ابو عبداللہ ؑ نے فرمایا: احتکار یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا غلہ و خوراک خریدے جب شہر میں وہ کسی کے پاس نہ ہو اور پھر اسے روکے رکھے، لیکن اگر شہر میں اس کے علاوہ خوراک یا مال موجود ہو کہ جسے لوگ خرید سکیں تو پھر کوئی حرج نہیں اور اگر کہیں سے نہ مل سکتا ہو تو اس کا احتکار و ذخیرہ اندوزی مکروہ ہے، حضرت رسول ؐ کی طرف سے احتکار کی نہی اس طرح ہوئی کہ قریش میں ایک شخص حکیم بن حزام تھا ــــ جب مدینہ میں غلہ و گندم آتی تو وہ ساری کی ساری خرید لیتا تھا، نبی اکرم ؐ اس کے قریب سے گزرے اور فرمایا: اے حکیم! احتکار و ذخیرہ اندوزی سے بچو۔ (۸۶)

میں کہتا ہوں ــــ آنجناب ؑ کا قول "نبی اکرم ؐ کی طرف سے نہی" جو مکروہ ہونے کے قول کے بعد ہے، ہو سکتا ہے کہ اس سے احتکار کے مکروہ ہونے کے ساتھ اس کی حرمت پر شہادت لائی جائے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

پس یہاں تک ہم نے اس سلسلے کے اخبار کے چار گروہ نقل کئے ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض سند یا دلالت کے لحاظ سے کمزور ہیں تاہم ان میں ایسے اخبار بھی ہیں جو ان دونوں خامیوں کی تلافی کرتے ہیں ــــ اس کے علاوہ ان اخبار کی کثرت اجمالی طور پر ان میں سے بعض کے صدور کے علم و یقین کا موجب ہے، نیز ان میں بہت سے بلکہ اکثر اخبار احتکار کی حرمت پر پوری طرح دلالت کرتے ہیں۔

اخبار کے چاروں گروہوں میں جمع و تطبیق

مخفی نہیں کہ جس احتکار سے نہی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جب شہر میں بقدر ضرورت خوراک یا سامان نہ ہو اور اس کا روکے رکھنا اس کا موجب بنے کہ لوگ بغیر خوراک کے رہ جائیں بلکہ ان میں بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صورت حال کے علاوہ احتکار کا فعل صادق ہی نہیں آتا، اس کی گواہی وہ چیز دیتی ہے جس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ اس لفظ میں اصل ضرر، ظلم اور بد سلوکی وغیرہ ہے، اخبار کا وہ گروہ جو تفصیل کی تصریح کرتا ہے اس سے سابقہ تین گروہوں کی تفسیر و تشریح کی جائے گی اگرچہ وہ اطلاق کی شکل میں ہیں۔

شیخ نے استبصار میں عمومی اخبار نقل کرنے کے بعد کہا ہے: یہ احتکار سے نہی کے سلسلے میں عام اخبار ہیں جو ہر حالت میں اس

کی نہی کرتے ہیں جبکہ روایت ہوئی ہے کہ ممنوعہ احتکار وہ ہے کہ جب اس غلہ و خوراک کے علاوہ شہر میں کہیں بھی کچھ نہ ہو جو احتکار کرنے والے نے روک رکھا ہے اور ایک وہی غلے والا ہو، پس اس وقت اسے یہ غلہ و خوراک اپنے گودام سے نکالنے اور اپنی مرضی کے مطابق بیچنے پر آمادہ کیا جائے اور خدا کی طرف سے جو رزق اس کو ملے وہ اس کے لئے ہو گا، جیسا کہ نبی اکرمؐ نے حکم فرمایا تھا پس مناسب ہے ان مطلق اخبار کو انہی مقید روایات کے مطابق تصور کیا جائے ـــــ اس کے بعد انہوں نے حلبی کی دو اور حناط کی ایک صحیح حدیث ذکر کی ہے۔ (۸۷)

ہمارا بیان آپ پڑھ چکے ہیں کہ کراہت اور حرمت کے ہر دو اقوال کا محل بھی یہی صورت ہے اور یہ بھی جان چکے ہیں کہ اخبار کا ظاہر احتکار کی حرمت ہے بلکہ ان میں بہت سی روایات اس کی شدت کو ظاہر کرتی ہیں نیز یہ کہ احتکار جہنم میں لے جانے کا موجب ہے اور بڑے بڑے حرام افعال میں شامل ہے جیسے شراب کا عادی ہونا، جرائم میں دلالی کرنا اور ایسے ہی دیگر معاصی ہیں۔

علاوہ ازیں اگر احتکار حرام نہ ہوتا تو حاکم کی طرف سے محتکر کو مال بیچنے پر مجبور کرنے اور اسے سزا دینے کی کوئی وجہ نہ تھی ـــــ ایسا کیوں نہ ہو؟ کیا ایسے عمل پر شارع مقدس کے راضی ہونے کا قول ممکن ہے جو لوگوں کے لئے تنگی، مشکل اور ضرر کا موجب ہے؟ پس یہ موضوع اور اس کے بارے میں وارد شدہ حکم کی مناسبت بھی احتکار کی حرمت کے قول کو لازم کرتی ہے، اسے یاد رکھیں

صاحب الجواہر کا کلام

صاحب الجواہر نے شرائع میں محقق کے بیان کی موافقت کرتے ہوئے احتکار کی کراہت کا فتویٰ دیا اور اخبار نقل کئے ہیں، انہوں نے ان اخبار کو کراہت سے متعلق قرار دیا ہے بلکہ مزید کہا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے: یہ بات حقیقت کے قریب ہے کہ یہ اخبار احتکار کی کراہت میں صریح ہوں کیونکہ ظاہر ہے کہ ان کے الفاظ اور عبارت میں کراہت کا عنصر پایا جاتا ہے اور اسی بناء پر صحیحہ حلبی میں بھی کراہت کی تصریح ہوئی ہے بلکہ بعض اوقات شہر اور قصبے کی قید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ احتکار کے حرام ہونے کی صورت میں ایک اور دوسرے شہر میں کوئی فرق نہیں ہوتا ـــــ اس سے تو کراہت کی شدت و ضعف میں فرق پڑتا ہے، اسی طرح چالیس اور تین دن کی تفصیل اور کراہت کے دیگر علائم بھی یہی ظاہر کرتے ہیں۔

موضوع بحث غلہ و خوراک کو دوسری تجارتی چیزوں کی طرح بھاؤ چڑھانے کے لئے روکے رکھنا ہے نہ کہ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے ارادے سے ایسا کرنا ہے اگرچہ کوئی شخص سارے کا سارا غلہ و خوراک خرید لے اور پھر ان سے اپنی مرضی کے مطابق قیمت وصول کرے یا اس بناء پر کہ اس کے فعل سے لوگوں پر مہنگائی کا بوجھ پڑ جائے یا بہت سے لوگ احتکار پر متفق ہو جائیں تاکہ مہنگائی ہو جائے اور عوام کو اس طرح کا ضرر پہنچے کہ وہ اس کے لئے تدبیر نہ کر سکیں یا اس کے علاوہ دیگر مقاصد کہ جنہیں مانحن فیہ سے کوئی ربط نہیں اور ان کی حرمت امر خارجی کے طور پر معلوم اور یقینی ہے۔ (۸۸)

میں کہتا ہوں ـــــ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ دلائل جن کے مطابق احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والے، ہمیشہ کے شرابی

اور جرائم میں رہنمائی کرنے والے جہنم کی کھولتی وادی میں ہیں، وہ دلائل جو بتاتے ہیں کہ محتکر پر جنت کی خوشبو حرام ہے، وہ دلائل جن سے اس کو مال بیچنے پر مجبور کرنا اور اسے سزا دینا ظاہر ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ چوری کرنے والے سے بھی مبغوض ہے اور اسی طرح کی دیگر تعبیریں ہیں تو کیونکر ان کے الفاظ و زبان کراہت کے حامل اور احتکار کی کراہت میں صراحت رکھتے ہیں؟ نیز صحیحہ حلبی کے ذیل میں کراہت کی تعبیر کا جواب دیا جا چکا ہے، گویا صاحب الجواہر نے اس چیز کو محل بحث قرار دیا ہے جو دوسرے اصحاب سے الگ ہے اور اخبار کے باب میں بعض کو بعض سے مطابقت دینے کے بعد حاصل ہونے والے موضوع سے بھی جدا ہے، کیونکہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں فقہاء کا محل بحث اور دونوں اقوال کا مورد وہ صورت ہے جب احتکار ضرر و تنگی کا موجب ہو بلکہ شائد یہ لفظ لغت کے لحاظ سے جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، اس صورت کے علاوہ صادق بھی نہیں آتا، اس کے علاوہ اخبار میں باہم جمع کرنے اور بعض کو بعض پر حمل کرنے سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ بھی احتکار کی حرمت ہی ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ تین دن اور چالیس دن کی حد بندی بھی عام اور اغلب تعداد کی بناء پر ہے کیونکہ تنگی اور شدت عام طور پر ان کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ البتہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہمارے اور صاحب الجواہر کے درمیان نزاع و بحث لفظی ہے کیونکہ جس صورت میں ہم احتکار کی حرمت کا حکم لگاتے ہیں وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں لیکن احتکار کے عنوان سے نہیں بلکہ ظلم کرنے اور ضرر پہنچانے کے لحاظ سے اسے حرام کہتے ہیں، پس غور کریں

مال روک رکھنے کے اقسام

مخفی نہیں کہ مال و جنس کو روک رکھنے کے کئی اقسام ہیں

۱۔ ایک شخص یا اسی طرح کے دیگر اشخاص کا مال و جنس کو اس طریقے سے روکے رکھنا کہ وہ بازار میں نایاب ہو جائے یا اس کی قلت ہو جائے کہ جس سے لوگ تنگی و سختی میں پڑ جائیں تو اصل میں احتکار و ذخیرہ اندوزی کی یہی وہ صورت ہے جس سے نہی کی گئی ہے اور حلبی و حناط کی صحیحہ نیز دوسرے اخبار کا مورد یہی ہے، اخبار کے مفہوم و مطلب کے مطابق یہ حرام ہے اور عقل بھی اس کی حرمت کا حکم لگاتی ہے چاہے یہ احتکار ضرر پہنچانے اور تنگی دینے کے ارادے سے ہو یا نہ ہو، پس اس میں اصل تنگی و سختی کا ظاہر ہونا ہے۔

شائد اس احتکار اور مال روک رکھنے کی پہچان اور تشخیص حاکم کی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ جو شہر کے حالات اور اس میں رہنے والوں کی حاجات کا نگران ہے، یہی وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے مالک اشتر اور رفاعہ کو ایسے احتکار سے نہی کرنے اور اس کے مرتکب کو سزا و عقاب کرنے کا حکم دیا تھا۔

۲۔ ایک شخص یا ایسے کئی اشخاص کے مال کو روکے رکھنے سے بازار میں اس کی قیمت کا چڑھنا ہے مگر یہ کہ لوگ تنگی و سختی میں مبتلا نہ ہوں اور ایسے افراد موجود ہوں جو فروخت کے لئے زیادہ مال پیش کریں اور قیمت میں اتنا اضافہ ہو جو عموماً قابل برداشت ہو ـــ اس صورت میں احتکار کی نہی کے ادلہ کا اطلاق مشکل بلکہ ممنوع ہے خصوصاً جب ہم یہ نہ کہیں کہ مالک کے خلاف نرخ مقرر کرنا جائز ہے، شائد دونوں صحیح روایات اور انہی جیسے اخبار سے اس کا حرام نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

البتہ کبھی کہا جاتا ہے کہ جو اخبار خوشحالی میں احتکار کرنے میں چالیس دن کے بعد محتکر پر لعنت وارد ہونے کی دلالت کرتے ہیں وہ اس کی مطلق حرمت کو بھی ثابت کرتے ہیں پس وہ اس صورت میں بھی احتکار کی حرمت کو واضح کرتے ہیں کیونکہ قوی احتمال ہے کہ تین دن اور چالیس دن کا ذکر غالب مقدار کے لحاظ سے ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔

۳۔ غلے اور جنس کو اس لئے روکنا کہ جو بازار میں موجود ہے وہ فروخت ہو جائے کیونکہ فصل کی کٹائی کے ساتھ بازار میں اجناس کی افراط ہو جاتی ہے اور نرخ کم ہو جاتے ہیں لہٰذا بعض اوقات کساد بازاری سے بچنے کے لئے غلے کو روک رکھتے ہیں. جیسا کہ تاجر اپنے مال کے سلسلے میں مختلف مقامات میں اس کی مانگ اور کھپت کو ملحوظ رکھتے ہیں اور فروخت کے مناسب وقت اور جگہ کا بھی خیال رکھتے ہیں، چنانچہ جب لوگوں کو اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اسے بازار میں لاکر مناسب نرخ پر بیچ دیتے ہیں، مخفی نہیں کہ یہ تجارت کا نفع بخش طریقہ ہے جو شرعی طور پر پسندیدہ ہے اور اس طرح سے مال کے روک رکھنے میں احتکار و ذخیرہ اندوزی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۴۔ ایک شخص سال بھر کی ضرورت کے مطابق ذخیرہ کے طور پر غلہ و جنس کو روک رکھتا ہے تاکہ اپنے اہل و عیال کی حاجت پوری کرے اور وہ اس میں تجارت کا ارادہ نہیں رکھتا. یہ بات معلوم ہے کہ بہت سے لوگ اپنے لئے سال بھر کی ضرورت کا غلہ ذخیرہ کرتے ہیں اگرچہ ان کے اس اقدام سے غلے کی مانگ بڑھتی اور قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے. تاہم اس میں کوئی اشکال نہیں بلکہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فعل مستحب ہے۔

ابو بکر کی خبر میں ابو الحسنؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا. انسان جب اپنی روزی جمع کرلیتا ہے تو اس سے اس کا نفس سکون و تسلی حاصل کرتا ہے۔

معمر بن خلاد کی روایت میں ہے کہ اس نے ابو الحسن رضاؑ سے غلے کو سال بھر کے لئے جمع کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں. اس سے مراد اپنے لئے سال بھر کا غلہ و خوراک جمع و محفوظ کرنا ہے۔

ایک اور روایت میں راوی نے کہا ہے کہ میں نے ابو الحسن رضاؑ کو فرماتے سنا. ابو جعفرؑ اور ابو عبداللہؑ جب تک سال بھر کے لئے غلہ و خوراک (گھر میں) نہ رکھ لیتے کوئی جائداد وغیرہ نہیں خریدتے تھے. ان ہر دو بزرگوں کا قول ہے کہ جب انسان سال بھر کی ضرورت کا غلہ و خوراک (گھر میں) جمع کرلے تو اس کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور وہ راحت محسوس کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور روایات بھی ہیں پس مراجعہ کریں۔ (۸۹)

اخبار کا پانچواں گروہ

جو دلالت کرتے ہیں کہ نہی شدہ احتکار خاص امور میں ہے۔

۱۔ مشائخ ثلاثہ (کلینی، صدوق و طوسی) نے غیاث سے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: گندم. جو. کھجور، کشمش اور گھی کے سوا کسی چیز میں احتکار نہیں ہے. صدوق نے اسے اپنی اسناد کے ساتھ غیاث بن ابراہیم کے ذریعے ابو عبداللہؑ سے روایت کیا ہے لیکن کہا ہے کہ احتکار۔ کشمش. گھی اور زیتون میں لاگو ہوتا ہے۔ (۹۰)

کلینی و شیخ کی سند غیاث تک صحیح ہے جبکہ نجاشی نے غیاث بن ابراہیم کی توثیق کی ہے۔ (۹۱)

بعض دیگر علماء نے بھی اس کی توثیق کی ہے اگرچہ اس کے مذہب میں اختلاف ہے اور اکثر کا نظریہ ہے کہ وہ بتری (ایک زیدی فرقے سے) ہے. (۹۲)

۲۔ الخصال میں اس کی سند کے ساتھ سکونی سے. ابو عبداللہؑ سے ان کے آباء کرامؑ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: احتکار کا سوال چھ چیزوں گندم، جو، کھجور، زیتون، گھی اور کشمش میں ہے۔ (۹۳)

اس روایت کی سند اس طرح ہے: حمزہ بن محمد علوی، علی بن ابراہیم سے، اس کے باپ سے، نوفلی سے اور سکونی سے ـــ اگرچہ کتب رجال میں حمزہ بن محمد کی توثیق نہیں ہوئی لیکن کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ صدوق کا اس کثرت کے ساتھ اس سے روایت کرنا ان کی اس سے رضامندی اور اس کی مدح پر دلالت کرتا ہے، اس کی باقی سند میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ قرب الاسناد میں حمیری نے سندی بن محمد سے، ابوالبختری سے، ابو عبداللہؑ سے، ان کے والد گرامیؑ سے روایت کی ہے کہ امیرالمومنینؑ شہروں میں احتکار و ذخیرہ اندوزی سے نہی کرتے تھے، پس فرمایا: گندم، جو، کھجور، کشمش، اور گھی کے سوا کسی چیز میں احتکار کا سوال نہیں ہے۔ (۹۴)

ابوالبختری وہی وہب بن وہب ہے کہ جس کے متعلق علماء رجال نے کہا ہے: وہ عامی المذہب، ضعیف اور بہت جھوٹا تھا۔ (۹۵)

۴۔ مستدرک الوسائل میں دعائم الاسلام کے حوالے سے مروی ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: گندم، جو، کشمش، زیتون اور کھجور کے سوا کسی چیز میں ذخیرہ اندوزی کا سوال نہیں ہے۔ (۹۶)

۵۔ اسی کتاب میں طب النبیؐ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے اور وہ دس چیزوں میں ہوتا ہے ـــ گندم، جو، کھجور، کشمش، مکئی، گھی، شہد، پنیر، اخروٹ اور زیتون۔ (۹۷)

یہ وہ اخبار ہیں جو نہی کردہ احتکار کو بعض خاص چیزوں میں منحصر قرار دیتے ہیں۔

ان پانچ روایات میں اعلیٰ مرتبہ کی صحیح روایت کوئی بھی نہیں اور ان میں سے صرف ایک ہی روایت کتب اربعہ میں ذکر ہوئی ہے، پس جس نے روایت کی حجیت کو صحیح اعلائی (خود راوی سے سننے) میں منحصر قرار دیا ہے جیسے صاحب معالم و صاحب مدارک تو اس کے لئے خبر غیاث کے علاوہ کسی کو اختیار کرنا دشوار ہے. بہرحال ان روایات کو اخذ کرنے کے بعد وہ چیز جس کا فقہی ضرورت اقتضاء کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان روایات کو سابق الذکر مطلق روایات پر تحمیل کیا جائے. ہمارے اصحاب میں اکثریت کے نزدیک فتویٰ کا دارومدار خاص چیزوں یا اشیاء خوراک پر ہے اور ان میں اکثر نے تصریح کی ہے کہ احتکار ان کے علاوہ کسی چیز میں متصور نہیں ہے۔

پس نہایہ میں ہے: احتکار کا مطلب گندم، جو، کھجور، کشمش، اور گھی کو فروخت نہ کرنا اور انہیں روکے رکھنا ہے. ان کے علاوہ کسی چیز میں احتکار کا سوال نہیں ہے۔ (۹۸)

المبسوط میں ہے: باقی رہا احتکار تو وہ خوراک کی چیزوں میں مکروہ ہے جب وہ مسلمانوں کے ضرر کا موجب ہو...... خوراک کی

چیزیں جن میں احتکار کا دخل ہے وہ گندم، جو، کھجور، کشمش، نمک اور گھی ہے۔ (۹۹)

ابن حمزہ کی الوسیلہ میں ہے: احتکار چھ چیزوں میں ہوتا ہے ـــــ گندم، جو، کھجور، کشمش، گھی اور نمک ـــــ لیکن جب ان کی ضرورت نہ ہو تو پھر احتکار نہیں ہے۔ (۱۰۰)

السرائر میں ہے: احتکار سے نہی کی گئی ہے، ہمارے اصحاب کے نزدیک احتکار گندم، جو، کھجور، کشمش اور گھی کو فروخت سے روکے رکھنا ہے۔ جس احتکار سے نہی کی گئی ہے وہ خوراک کی اجناس میں ہے ان کے علاوہ کسی میں نہیں ہے۔ (۱۰۱)

شرائع میں ہے: احتکار کا دخل صرف گندم، جو، کھجور، کشمش، اور گھی میں ہے نیز کہا گیا ہے کہ نمک بھی ان میں شامل ہے۔ (۱۰۲)

مختصر النافع میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ (۱۰۳)

القواعد میں ہے: احتکار سے مراد گندم، جو، کھجور، کشمش، گھی اور نمک کو روک رکھنا ہے۔ (۱۰۴)

المنتہی میں اسی طرح ہے مگر یہ کہ انہوں نے کہا ہے ایک قول ہے کہ ان میں نمک بھی شامل ہے۔ (۱۰۵)

التذکرہ میں بھی وہی ہے جو القواعد میں آیا ہے لیکن مزید کہا ہے: احتکار کی حرمت کھانے کی چیزوں مثل کھجور اور کشمش میں ہے اور کھانے کی تمام چیزوں کے لئے عام نہیں ـــــ شافعی نے بھی یہی کہا ہے۔ (۱۰۶)

دروس میں ہے: احتکار چار غلوں کے علاوہ گھی، زیتون اور نمک کو روک رکھنا ہے ـــــ ان میں سے آخری دو چیزوں میں اقرب ہے۔ (۱۰۷)

لمعہ میں ہے: ان سات چیزوں میں احتکار و ذخیرہ اندوزی کو ترک کرے ـــــ گندم، جو، کھجور، کشمش، گھی، زیتون، اور نمک۔ (۱۰۸) اسے یاد رکھیں

مقنعہ میں ہے: کھانے کی چیزوں کو روک رکھنا جب اہل شہر کو ان کی حاجت ہو اور ان چیزوں کی بابت ان پر تنگی و سختی لانا احتکار ہے۔ (۱۰۹)

ابو الصلاح کی کافی میں ہے: کسی کے لئے حلال نہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں کو روک رکھے جبکہ ظاہرا طور پر لوگوں کو ان کی ضرورت ہو۔ (۱۱۰)

غنیہ میں ہے: خوراک اور کھانے پینے کی چیزوں میں احتکار جائز نہیں جب ظاہراً ان کی ضرورت ہو۔ (۱۱۱)

صدوق کی مقنع میں ہے: جب شہر میں اس کے علاوہ طعام و خوراک موجود نہ ہو تو اسے روک رکھنے کا حق نہیں، اس پر اسے فروخت کرنا لازم ہے اور ایسا شخص محتکر و ذخیرہ اندوز ہے۔ (۱۱۲)

ان کے علاوہ بھی اس مسئلہ میں اصحاب کے کلمات ہیں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ نمک کے سوا ان کلمات میں مذکور اشیاء کے نام اخبار و روایات سے لئے گئے ہیں کیونکہ اس کا ذکر نہیں ہوا لیکن شیخ نے المبسوط میں اس کا نام لیا ہے اور پھر دوسروں نے ان کی پیروی کی ہے اور شائد یہ اس کی شدید احتیاج کے باعث ہے، خلاصہ یہ کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک وہ احتکار جس سے نہی

کی گئی جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کھانے کی پانچ یا چھ یا سات چیزوں میں منحصر ہے، ان کی سند مذکورہ اخبار ہیں جب مطلقات کو مقیدات پر حمل کیا جائے۔

باقی رہے فقہاء اہل سنت تو ان میں شافعیہ میں سے رملی اور نووی کی شرح صحیح مسلم میں احتکار کی تعریف اس طرح ہے:
خوراک و طعام کو مہنگائی کے وقت خرید لینا اور اسے روک رکھنا احتکار ہے تاکہ بعد میں اسے اس کی قیمت سے زیادہ پر بیچے اور لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرے۔ (۱۱۳)

آپ شافعی سے تذکرہ کی نقل پڑھ چکے ہیں اور حنابلہ کی فقہی کتاب شرح کبیر کی عبارت بھی گزر چکی ہے جہاں اس نے حرام احتکار میں تین شرائط مقرر کیں اور کہا ہے: دوسری یہ کہ خوراک و طعام ہو باقی رہا سالن، شہد، زیتون اور چوپاؤں کا چارہ تو ان کا احتکار حرام نہیں ہے۔ (۱۱۴)

پس شافعی اور احمد کے نزدیک احتکار انسان کے طعام و خوراک کے ساتھ مخصوص ہے۔

البتہ سنن ابو داؤد میں ہے کہ اس نے کہا، میں نے احمد سے سوال کیا کہ احتکار کیا ہے؟ ان چیزوں کا روکنا جن کے ساتھ لوگوں کی زندگی ہو، شائد یہ طعام و خوراک سے عام اور وسیع ہے۔ (۱۱۴۔ الف)

فقہ حنفیہ کی کتاب بدائع الصنائع کا شانی میں ہے: احتکار ہر اس چیز میں ہے جو عام لوگوں کی ضرورت ہو اور یہ مضر ہے، ابو یوسف کے نزدیک وہ کھانے پینے کی چیزوں میں ہوتا ہے، محمد کے نزدیک احتکار لوگوں کی خوراک و طعام اور چوپاؤں کے چارے گندم، جو، بھوسہ اور قت (ایک غلہ) میں ہوتا ہے۔ (۱۱۵)

فقہ مالکیہ کی کتاب المدونۃ الکبریٰ میں ہے: میں نے مالک کو یہ کہتے سنا، احتکار بازار کی ہر چیز میں ہوتا ہے مثل طعام و خوراک، کتاب، زیتون، پشم اور ہر وہ چیز جس کا احتکار بازار پر برا اثر ڈالے نیز یہ کہا کہ شہد، گھی، زرد رنگ اور ہر چیز میں احتکار جاری ہوتا ہے، مالک نے مزید کہا کہ جو احتکار کرے اسے روکا جائے گا جس طرح پھل توڑنے سے روکا جاتا ہے، میں نے کہا: اگر احتکار بازار کے لئے مضر نہ ہو؟ اس نے کہا: تب اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ بازار پر برا اثر نہ ڈالے (۱۱۶)

۷۔ کیا نہی شدہ احتکار طعام و خوراک کے ساتھ مختص ہے یا خاص چیزوں کے ساتھ یا ایسا نہیں؟

آپ پر ظاہر ہو چکا ہے کہ ہمارے اصحاب امامیہ کے کلمات کا ظہور یہ ہے کہ نہی کردہ احتکار طعام و خوراک یا خاص چیزوں میں منحصر ہے جو روایات میں مذکور ہیں، اخبار منقولہ میں جمع کرنے اور بعض کو بعض پر حمل کرنے کے بعد پہلی نظر میں وہ اسی چیز کا اقتضاء کرتی ہیں اور شافعی و حنبل سے بھی یہی بات منسوب ہے لیکن حنفیوں اور مالکیوں کے نزدیک یہ موضوع اس سے وسیع ہے پس ان کے نزدیک احتکار ہر اس چیز کو شامل ہے کہ انسان اپنی زندگی و معیشت میں جس کا محتاج ہے، پھر اس مسئلے میں حقیقت کیا ہے؟

میں کہتا ہوں ـــــ ظاہر ہے کہ احتکار کی حرمت یا کراہت کا حکم کسی سبب کے بغیر یا کسی پوشیدہ سبب کی بناء پر نہیں کہ جسے

لوگ نہ جانتے ہوں بلکہ اس کا ملاک و سبب وہی ہے جو اس باب کے اخبار سے بھی معلوم ہوتا ہے اور وہ لوگوں کو خوراک و طعام کی حاجت اور اس کے نایاب ہونے کی صورت میں ان کا تنگی و سختی میں مبتلا ہونا ہے۔

صحیحہ حلبی میں ہے: اگر غلہ و خوراک اتنا زیادہ ہو کہ اس میں لوگوں کے لئے وسعت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر غلہ کم ہو جو لوگوں کے لئے کفایت نہ کرے تو پھر احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنا مکروہ ہے جب لوگوں کو طعام نہ ملے اور انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ (۱۱۷)

اس صحیحہ سے حکم کی علت و سبب ظاہر ہے اور اس کی تشریع میں شارع حکیم کی نظر اس طرف ہے کہ لوگ وسعت و خوشحالی میں رہیں اور انہیں خوراک و طعام کے بغیر نہ رہنے دیا جائے کہ جس میں ان کی زندگی و حیات ہے۔

کلینی کی نقل کے مطابق اس کی دوسری صحیحہ میں ہے: میں نے آنجناب سے کشمش کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: اگر یہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے کے پاس بھی ہو تو اسے روکے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۱۱۸)

کشمش کے بارے میں روایات و فتاویٰ متفق ہیں حالانکہ اکثر اوقات لوگوں کی حاجت کشمش کی نسبت دوسری چیزوں میں زیادہ ہوتی ہے۔

بعض چیزوں میں احتکار کا حصر کرنے والی کچھ روایات میں زیتون کا ذکر بھی ہے اور فقہاء نے اس کا فتویٰ دیا ہے حالانکہ زیتون کوئی ایسی چیز نہیں جس کی عام لوگوں کو اشد ضرورت ہو بلکہ وہ بعض علاقوں مثلاً شام میں سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جبکہ بہت سے علاقے اور شہر ایسے ہیں جن کے رہنے والوں کی خوراک و غذا چاول اور مکئی ہے اور ان میں احتکار و ذخیرہ اندوزی ان کے بغیر طعام و غذا کے رہ جانے کا سبب بنتا ہے، آیا ممکن ہے کہ ان شہروں میں چاول اور مکئی کا احتکار جائز ہو اور کشمش و زیتون ایسی چیزوں کا احتکار جائز نہ ہو؟ کیا ان لوگوں کو کشمش کی نسبت چاول اور مکئی کی ضرورت کچھ کم ہے؟

بلکہ بعض اوقات لوگوں کو خوراک کے علاوہ کچھ چیزوں کی کشمش اور زیتون سے بڑھ کر ضرورت اور حاجت ہوتی ہے. جیسا کہ اگر کوئی بیماری پھیل جائے اور لوگوں کو کسی دوا کی شدید ضرورت ہو کہ جس پر ان کی زندگی یا صحت و سلامتی کا دارومدار ہو تو بعض دواخانے اس دوا کا احتکار کریں یا گرمی و سردی کے ملبوسات اور ان کے مواد میں احتکار کیا جائے یا مثل ایندھن، ندی اور زمین میں رکاوٹ و بندش لگائی جائے کہ جس سے لوگوں کو شدید تنگی لاحق ہو جائے. چنانچہ امیرالمومنین نے مالک اشتر کے نام اپنے خط میں احتکار سے نہی کرنے کا سبب واضح کیا اور تاجروں کے بارے میں فرمایا ہے: اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھو کہ ان میں کچھ ایسے ہیں جو بڑے تنگ نظر اور بخیل ہوتے ہیں، وہ منافع خوری کے لئے مال و متاع کو روکے رکھتے ہیں اور اس کے نرخ بڑھا لیتے ہیں، یہ چیز عوام کے لئے نقصان دہ اور حکام کے لئے بدنامی کا باعث ہوتی ہے پس احتکار اور ذخیرہ اندوزی سے منع کرتے رہنا۔ (۱۱۹)

خلاصہ یہ کہ احکام شرع بلاوجہ اور بغیر کسی سبب کے نہیں ہیں بلکہ ان کی تشریع مصالح و مفاسد کی بناء پر ہوئی ہے اور وہ کسی خاص زمانہ اور کسی جگہ کے لئے بھی نہیں کیونکہ وہ سب ملکوں اور سب لوگوں کے واسطے قیامت تک کے لئے ہیں، لوگوں کی

حاجات اور ان کی معاشی ضروریات علاقوں، حالتوں اور زمانوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں اور بہت سی روایات جو مطلق احتکار سے منع کرتی اور روکتی ہیں وہ ان تمام حالات کو شامل ہیں نیز اس حکم کا موضوع، اس کی مناسبت اور اس کا سبب بھی اطلاق کو اخذ کرنے کا تقاضا کرتا ہے نیز اس میں حصر کرنے والی روایات باہم مختلف ہیں پس زیتون ان روایات میں مذکور ہے جو نبی کریمؐ سے آئی ہیں لیکن امیر المومنینؑ سے منقول اخبار میں اس کا نام نہیں آتا، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ شیخ اور ان کے بعد ہونے والے علماء کے کلام میں نمک کا ذکر ہوا ہے مگر ان سے پہلے کے علماء کے ہاں اس کا نام نہیں آیا اور روایات میں بھی اس کا ذکر نہیں ہوا، پس ان سب باتوں کے پیش نظر میں خیال کرتا ہوں کہ احتکار حرام چند خاص چیزوں تک محدود نہیں ہے۔

۸۔ احتکار کا حصر کرنے والے اخبار میں تحمیل کے وجوہ

اگر آپ کہیں کہ حصر والی روایات کو کس بات پر حمل کریں گے۔

میں کہوں گا ان میں کئی وجوہ کا احتمال ہے۔

۱۔ ان میں قضیہ خارجیہ اور قضیہ حقیقیہ نہ ہو، اس تقریب کے ساتھ کہ خبر کے صدور کے زمانہ اور حالات میں چند اشیاء ہی عمدہ تھیں جن کی لوگوں کو حاجت تھی اس لئے لازماً وہی چیزیں احتکار و ذخیرہ اندوزی کے تحت آتی ہوں گی اور ان کے علاوہ کسی کم مقدار کے مال کا احتکار نہیں ہوتا تھا یا زیادہ ضرورت اور زیادہ مصرف کی چیزوں کو روکنے کی طرف رغبت ہوتی تھی یا روکنے کی صورت میں ان کا نہ ہونا ضرر کا باعث ہوتا تھا، اس کے ساتھ ان روایات میں زیتون کے ذکر کی توجیہ ہو سکتی ہے جو نبی کریمؐ سے مروی ہیں اور امیر المومنینؑ سے وارد روایتوں سے اس کو ترک کرنے کی وجہ معلوم ہو سکتی ہے۔

۲۔ بعض اوقات یہ بات از خود دل میں آتی ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں ابو حنیفہ و مالک عراق کے فقیہ تھے شائد ان کا فتویٰ خلفاء اور مختلف شہروں میں ان کے عمال کا مورد عمل تھا، چنانچہ وہ اس فتوے کا سہارا لے کر احتکار کو روکنے کے نام سے لوگوں کے اموال پر ہاتھ ڈالتے تھے جبکہ اس زمانے میں مخصوص چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء کی شدید ضرورت نہ تھی کہ وہ احتکار کے تحت آتیں اور حکومت کی دخالت کا سبب بنتیں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بعض سرکاری محکمے سخت قسم کی زیادتیاں کرتے ہیں، پس امام جعفر صادقؑ نے چاہا کہ وہ اپنے اس ارشاد کے ساتھ انہیں اس کام سے روک دیں کہ جو شرعی احکام کے برخلاف ہے۔

ظاہر ہے کہ حصر کرنے والی روایات میں تعبیر کا لب و لہجہ یہ بتاتا ہے کہ اس زمانہ میں کچھ لوگ تھے جو احتکار کے عموم پر اصرار کرتے تھے اور ان کے نزدیک یہ سب چیزوں میں جاری ہوتا تھا، پس آپ نے نبی کریمؐ اور امیر المومنینؑ کے اقوال کی حکایت کرتے ہوئے انہیں پابند کر دیا اور حقیقت میں یہ اس قضیہ کے خارجی ہونے کا ایک اور ثبوت ہے اور اس سے اس کے قضیہ حقیقی ہونے کا اشارہ نہیں ملتا۔

احتکار کے موضوعات کی تعیین والی و حاکم کی ذمہ داریوں میں سے ہے

۳۔ احتکار کا چند چیزوں میں حصر کرنے والی روایات میں حصر کوئی کلی فقہی حکم نہیں جو تمام اوقات و حالات کے لئے ہو بلکہ یہ

ایک خاص زمانے اور خاص مقام کے لئے ہے، پس احتکار کی تعیین حاکم کی ذمہ داریوں میں سے ہے اور وہ اپنے زمانے کے حالات، اپنی حکومت کے حدود اور لوگوں کے ضروریات و حاجات کے لحاظ سے حکم لگائے گا۔

اسلام کی شریعت سہلہ جو ہر زمانہ اور ہر جگہ کے حالات کے لئے جاری کی گئی ہے، مناسب یہ ہے کہ اس کے احکام اصولوں اور کلیات کی شکل میں ہوں جو ہر زمانے کے حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے قابل ہوں، یعنی وہ ان کلیات کے جزئیات طے کرنے کا فرض حکام اور والیوں کے سپرد کرے ـــــ جیساکہ ہم نے باب زکات میں احتمال دیا ہے کہ قرآن کریم میں جس چیز کی تشریع کی گئی ہے وہ اصل زکات کا وجوب اور لوگوں کے اموال سے صدقات کا اخذ کرنا ہے، لیکن اس کے موضوع کی تعیین والیوں اور حکام کے سپرد کی گئی ہے جو لوگوں کے اموال اور ثروتوں کے مطابق ہوگی، وہ نو موضوعات جن کی تشخیص نبی کریمؐ کی طرف سے ہوئی وہ ایک ولائی و حکومتی حکم تھا جو آپ سے اپنے زمانے کے لحاظ سے صادر ہوا کیونکہ اس وقت عربوں کے اموال انہی چیزوں میں منحصر تھے جیساکہ بعض روایات میں اس طرف اشارہ ہوا ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ـــــ مثلاً آنجناب کا ارشاد "نبی اکرمؐ نے زکات نو چیزوں پر رکھی اور ان کے علاوہ دیگر اشیاء میں معاف فرمادی" (۱۲۰)

گویا احتکار کے موضوعات کی تعیین ہر زمانے میں والی و حاکم کے شئون و ذمہ داریوں میں سے ہے اور حصر والی روایات میں یہ تعیین اسی طرح کی تھی لہٰذا وہ تمام اوقات و مقامات کے لئے عمومیت نہیں رکھتی، پس غور کریں

منجملہ ان چیزوں کے جو گواہی دیتی ہیں کہ احتکار کی تعیین اور اس سے نہی کرنا حکام و والیان کی ذمہ داری ہے، ایک تو امیر المومنینؑ کا مالک اشتر اور رفاعہ کو حکم دینا ہے کہ وہ احتکار سے نہی کریں اور جو خلاف ورزی کرے اسے سزا دیں، دیگر یہ کہ حضرت رسولؐ نے احتکار و ذخیرہ کئے ہوئے مال کو نکالنے اور فروخت کرنے کا حکم فرمایا جیساکہ حذیفہ کی خبر میں ہے، پس غور کریں

اگر آپ یہ سوال اٹھائیں کہ خود ہم ہی نے اس سے قبل یہ لکھا ہے کہ نبی اکرمؐ وائمہ طاہرینؑ سے جو احکام ولائی صادر ہوتے ہیں وہ بھی احکام الٰہی کے مانند ہیں جو تمام مسلمانوں کے لئے قیامت تک لائق اتباع ہیں، اس پر میں جواباً یہ کہوں گا ـــــ جی ہاں! ایسا ہی ہے لیکن جب خصوصیت کا کوئی قرینہ نہ ہو تو آنحضرتؐ کا احتکار سے منع کرنا تمام زمانوں کے لئے اسی طرح عام ہے جیسے آپ کی طرف سے نفی ضرر و ضرار کا حکم عام ہے، مگر جہاں تک احتکار کو خاص چیزوں میں منحصر کرنے کا تعلق ہے تو وہ سبب حکم میں غور کرنے سے سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ ایک خاص زمانے سے مختص ہے، پس غور کریں

۹۔ بعض فقہاء کا کلام

ضرر پہنچانے کے ارادے یا مہنگائی اور تنگی پیدا ہونے یا بہت سے لوگوں کی طرف سے اس فعل پر اتفاق کرلینے کی صورت میں صاحب الجواہر نے بذاتہ احتکار کی کراہت کا حکم لگانے کے بعد کہا ہے: بلکہ وہ (احتکار) ہر ایسی چیز میں روک اور بندش لگانا ہے کہ جس کی لوگوں کو حاجت ہو اور وہ اس کے حصول پر مجبور ہوں کہ اس کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ کار نہ ہو، مثل

خوراک و لباس اور دوسری اشیاء کے جن کی ضرورت و حاجت ہوتی ہے پس جب لوگ ان چیزوں کے لئے تنگی میں ہوں تو نہ کسی میعاد کی قید ہے، نہ کسی وعدہ و عہد کے ذریعے کہیں منتقل کرنا ہے، نہ کسی حد کے ساتھ محدود کیا جانا ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ایسی صورت میں جب کسی چیز کی قیمت حد سے بڑھ جائے تو اس کا نرخ اس طرح معین کر لیا جائے کہ وہ ضرور تمندوں کے لئے مناسب ہو، یہ بھی بعید نہیں کہ مہنگائی پیدا کرنے کے لئے قصداً کسی چیز کو روکنا اور بند کرنا بھی حرام ہو اگرچہ اس وقت لوگوں کو اس کی حاجت نہ ہو اور وہ وافر مقدار میں پائی جاتی ہو، اس سے بڑھ کر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہنگائی کا قصد کرنا اور اس کی خواہش کرنا بھی حرام ہے چاہے اس میں ضرر پہنچانے کا خیال نہ بھی ہو اور ممکن ہے کہ احتکار کی حرمت کے قول کو ان میں سے بعض سے تطبیق دی جائے۔ (۱۲۱)

نیز اسی کتاب میں ہے: اگر قحط کے زمانے میں لوگ پہلی مرتبہ کسی نئے غلے کا استعمال کریں تو اس میں بھی احتکار نہ کرنے کا یہی حکم جاری ہو گا، اخبار میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ احتکار کے حکم کا دارومدار کسی چیز کی ضرورت و حاجت پر ہے اور اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے انہیں بطور مثال کے سمجھا جائے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (۱۲۲)

پس آنجناب قدس سرہ حاجت و اضطرار کے ہوتے ہوئے احتکار کی عمومی حرمت کے قائل ہیں۔

فقہاء متاخرین میں سے آیتہ اللہ اصفہانی طاب ثراہ نے احتکار کی عمومی حرمت کا فتویٰ دیا ہے، انہوں نے اپنی کتاب وسیلۃ النجاۃ میں کہا ہے: کھانے پینے کی چیزوں کو ذخیرہ کرنا اور روکے رکھنا احتکار ہے، جب مسلمانوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہو اور اس شخص کے علاوہ کسی کے پاس نہ ہوں کہ جو بقدر کفایت لوگوں کو مہیا کرے تو مہنگائی کے انتظار میں ان کو روک رکھنا حرام ہے، گندم، جو، کھجور، کشمش، اور روغن کو روک رکھنا احتکار ہے، اور اسی طرح اقویٰ نہیں تو احوط قول کی بناء پر زیتون اور نمک کا روک لینا بھی احتکار میں داخل ہے، بلکہ بعید نہیں کہ یہ ہر اس چیز پر صادق آئے کہ اہل شہر کھانے کی چیزوں میں سے جس کے ضرور تمند ہوں نیز بعض شہروں میں مکئی اور چاول بھی اسی ذیل میں ہوں۔ (۱۲۳)

میں کہتا ہوں ـــــ جن روایات میں احتکار کو چند خاص چیزوں میں منحصر کیا گیا ہے ان میں مکئی اور چاول کا ذکر نہیں ہے، پس موصوف نے ان کی طرف جو توجہ مبذول کی ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ اشیاء کے تذکرے کو بطور مثال تصور فرمایا ہے اور ان سے مراد وہ ضروری چیزیں ہیں کہ جن کی انسان کو حاجت ہوتی ہے، اس صورت میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مکئی اور چاول کو بھی خصوصیت نہیں ہے مگر یہ کہا جائے کہ روایات اور کلمات فقہاء میں احتکار کا موضوع خوراک و طعام ہے لہٰذا غیر خوردنی اشیاء پر احتکار کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

محقق حائری نے اپنی کتاب، ابتغاء الفضیلہ فی شرح الوسیلہ میں کہا ہے: جب طعام و خوراک کے علاوہ مسلمانوں کے لئے دیگر ضروری چیزوں کی احتیاج فرض کی جائے جیسے دوا اور سردیوں میں ایندھن وغیرہ کہ ان کے احتکار و ذخیرہ اندوزی سے ان کو ضرر پہنچے تو جیسا کہ گزر چکا ہے یہ اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے اگرچہ لغت کے اعتبار سے یہ احتکار نہ قرار پائے۔

حسب ظاہر اس وجہ و علت کو اخذ کرنا ممکن ہے جو حلبی کی معتبر روایت میں گزر چکی ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ایک

امر ارتکازی کی تعلیل ہے تو وہ حکم لگاتی ہے کہ احتکار میں طعام و خوراک کی قید کو بے معنی قرار دیا جائے کہ ارتکاز کے لحاظ سے نفس و جان کی حفاظت اس پر موقوف ہے، پس یہی علت و سبب دوا میں بھی موجود ہے لہٰذا اس میں شک نہیں کہ وہ بھی اسی حکم کے تحت آتی ہے اور جب صورت یہ ہے تو پھر خوراک وغیرہ کے ساتھ احتکار کی خصوصیت کو غیر ضروری قرار دیا جانا چاہئے۔ (۱۲۴)

میں کہتا ہوں ـــــ احتکار کی عمومیت کے لئے صحیحہ حلبی کے ذیل سے ان کا استدلال بہت عمدہ ہے لیکن ان کا یہ احتمال بہت کمزور ہے کہ لغت کے لحاظ سے اس پر احتکار کا مفہوم صادق نہیں آتا کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ لغت کے لحاظ سے احتکار میں خاص چیزیں مراد نہیں ہیں ـــــ ان کا ذکر تو فقہاء نے احتکار کی معرفت کرانے کے لئے کیا ہے کیونکہ وہ حرمت یا کراہت کے لحاظ سے اس کی حد بندی کرنا چاہتے تھے، اسے یاد رکھیں۔

امام مدظلہ نے تحریر الوسیلہ میں احتکار میں عمومیت کی نفی کی اور کہا ہے: چاروں غلات اور گھی و زیتون کے علاوہ کسی چیز میں احتکار کا سوال نہیں اور یہ قول بہت قوی ہے، البتہ وہ ایک ناپسندیدہ فعل ہے ان تمام چیزوں میں کہ جن کی لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے، تاہم جن چیزوں کا ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ کسی اور چیز میں احتکار کے احکام ثابت نہیں ہوئے۔ (۱۲۵)

۱۰۔ آیا احتکار میں کسی چیز کا خریدنا شرط ہے یا نہیں؟

علامہ نے المنتھی میں کہا ہے: مالک و اوزاعی کا کہنا ہے کہ احتکار ثابت نہیں ہوتا مگر اس شرط سے کہ اس شخص نے وہ چیز خرید کی ہو، اگر اس نے کوئی چیز کہیں سے حاصل کی یا اس کے غلے میں شامل ہوئی اور اس نے احتکار و ذخیرہ اندوزی کی تو وہ محتکر نہیں ہے۔ (۱۲۶)

اس سے ظاہر ہے کہ موصوف نے اس قول کو پسند کیا ہے

مفتاح الکرامہ میں احتکار کے شرائط میں مذکور ہے: نہایتہ الاحکام میں مزید کہا ہے کہ اس شخص نے وہ چیز خرید کی ہو پس اگر اس نے وہ کہیں سے حاصل کی یا اپنے ہی غلے میں سے ذخیرہ کیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ظاہراً یہ المنتھی سے حکایت ہوئی ہے، جامع المقاصد میں بھی اسی طرف مائل ہیں یا اس کے قائل ہوئے ہیں۔ (۱۲۷)

ابن قدامہ کی شرح کبیر سے نقل ہو چکا ہے کہ اس نے احتکار کے شروط میں کہا ہے: ان شروط میں سے ایک یہ ہے کہ اس شخص نے یہ چیز خریدی ہو پس اگر اس نے کوئی چیز حاصل کی یا اس نے اپنے غلے میں سے کچھ ذخیرہ کیا ہے تو وہ محتکر نہیں ہے ـــــ حسن و مالک سے بھی یہی روایتؔ ہوئی ہے۔ (۱۲۸)

بدائع الصنائع میں احتکار کی تشریح میں کہا ہے: احتکار یہ ہے کہ شہر میں سے غلہ و خوراک خریدے اور اس کی فروخت بند کر دے جبکہ یہ فعل لوگوں کے لئے مضر ہو، اسی طرح اگر شہر کے قرب و جوار سے غلہ خریدے کہ جہاں سے شہر میں لایا جاتا ہے تو بھی احتکار ثابت ہے۔ (۱۲۹)

شافعیوں کی کتاب موسوعتہ الفقہ الاسلامی میں ہے: احتکار یہ ہے کہ مہنگائی کے زمانے میں غلہ و خوراک خریدے اور پھر

لوگوں کو تنگی دینے کے لئے اس کو زیادہ قیمت لے کر فروخت کرے۔ (۱۳۰)

لیکن ہمارے اکثر اصحاب امامیہ اور ان میں سے خاص کر متقدمین کے کلمات مطلق ہیں جو خرید کر احتکار کرنے کے علاوہ دوسری صورتوں کو بھی شامل ہیں جیسا کہ اس سلسلے کے اکثر اخبار بھی مطلق ہیں البتہ حلبی کی دو صحیح روایات میں سے ایک میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: احتکار یہ ہے کہ تم خوراک وطعام خرید کرو جبکہ شہر میں اس کے علاوہ کہیں موجود نہ ہو اور پھر اس کا احتکار کرو اور اسے روکے رہو۔ (۱۳۱)

لفظ انما کا ظاہر حصر ہے جیسا کہ صحیحہ حناط میں ہے کہ جب مدینہ میں غلہ واجناس آتے تو حکیم بن حزام وہ سب کے سب خرید لیتا تھا۔ (۱۳۲)

ابو مریم کی خبر میں بھی موضوع طعام و خوراک کا خرید کرنا ہے۔ (۱۳۳)

میں کہتا ہوں ـــــ صحیحہ حلبی میں حصر دوسرے فقرے کے مقابل میں ہے یعنی پس اگر شہر میں اس کے علاوہ بھی غلہ یا دیگر چیزیں موجود ہوں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے سرمائے کے ساتھ فضل و اضافہ تلاش کرو، یہ خرید کے علاوہ ملکیتی مال ومتاع کے لئے نہیں ہے پس خرید کا ذکر مثال وغلبہ کے طور پر ہے اور اس کا شاہد حلبی کی دوسری صحیحہ میں خرید کا ذکر نہ ہونا ہے۔ (۱۳۴)

آپ ظاہراً دیکھ چکے ہیں کہ ممکن ہے راوی، مضمون اور جن بزرگ سے روایت ہوئی ہے، ان کے اتحاد کی بناء پر یہ دونوں دراصل ایک ہی روایت کی دو صورتیں ہوں، نیز یہ کہ صحیحہ حناط اور ابو مریم کی خبر میں خصوصیت کے ساتھ کسی چیز کی خریداری کا ذکر اس کے اختصاص اور اس کے غیر کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔

احتکار سے نہی لوگوں کی حاجت کو پورا کرنے اور ان سے تنگی دور کرنے کے لئے ہے جیسا کہ اس طرف آپ کے اس قول میں اشارہ ہوا ہے "اور لوگوں کو اس حالت میں چھوڑ دیا جائے کہ ان کے پاس طعام و خوراک نہ ہو" لہٰذا اس میں خرید کر احتکار کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شیخ اعظم نے المکاسب میں اس قول سے استدلال کرنے کے بعد کہا ہے: پس اس میں اس بناء پر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ غلہ وجنس اس کے کھیت کی پیداوار ہو یا ترکے میں ملی یا اسے ہبہ کی گئی ہو یا اس نے اپنی ضرورت سے خرید کی ہو اور ضرورت پوری ہونے کے بعد اب وہ بچی پڑی ہو اور اس نے اسے روک رکھا ہو کہ مہنگائی ہونے پر فروخت کرے گا۔ (۱۳۵)

۱۱۔ منافع و زیادتی کے لئے روکنے کی شرط

ظاہر یہ ہے کہ اس چیز کو قیمت میں اضافہ ہونے کے انتظار میں روکے رکھنا محل بحث ہو، اگر وہ اسے اپنی ذاتی ضرورت اور اپنے اہل و عیال کے لئے یا بیج ڈالنے کے لئے روکے ہوئے ہے تو وہ محتکر نہیں اور بعض صورتوں میں یہ فعل حرام نہیں ہوگا۔

ابن حمزہ کی الوسیلہ میں ہے: جب وہ غلہ وجنس کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی روزی کے لئے روک رکھے تو یہ احتکار نہیں

ہو گا۔ (۱۳۶)

شرائع میں کہا ہے: اس شرط کے ساتھ وہ احتکار ہے کہ اس چیز کو قیمت میں اضافے کے لئے روک رکھے۔ (۱۳۷)

الجواہر میں اس عبارت کی شرح میں کہا ہے: نص و فتویٰ کے لحاظ سے کوئی اشکال نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی اختلاف ہے کہ احتکار مکروہ یا حرام ہے (اس شرط کے ساتھ کہ اس چیز کو قیمت میں اضافے کے لئے روکے رکھے) پس اگر اسے ضرورت کے تحت مثلاً بیج کے لئے جمع رکھے تو اس سے کوئی حرج نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ احتکار ہی نہیں ہو گا جیسا کہ نص و فتویٰ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (۱۳۸)

مختصر النافع میں ہے: احتکار کی کراہت اس وقت ثابت ہوگی جب وہ جنس کو قیمت میں اضافے کے لئے روکے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا مہیا کرنے (بیچنے خ ل) کے لئے تیار نہ ہو۔ (۱۳۹)

القواعد میں ہے: دو شرطوں کے ساتھ احتکار ہے یعنی قیمت میں اضافے کے لئے روکے رکھنا اور یہ کہ اس کے علاوہ کسی اور سے نہ مل سکتا ہو۔ (۱۴۰)

ان کے علاوہ اور کلمات بھی ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ مورد بحث قیمت میں زیادتی اور مہنگائی کے انتظار والی صورت ہے۔

ابو مریم کی خبر میں ہے: اس (احتکار کرنے والے) کا ارادہ مسلمانوں کو مہنگائی میں مبتلا کرنا ہو۔ (۱۴۱)

صحیحہ حلبی میں ہے: پس کوئی حرج نہیں کہ تم اپنی پونجی سے منافع و اضافہ چاہو (۱۴۲)

حاکم نیشاپوری نے نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے: جو شخص اس ارادے سے احتکار کرے کہ مسلمانوں کو مہنگائی سے دوچار کر دے تو وہ خاطی و گنہگار ہے۔ (۱۴۳)

اس طرح کی روایات کی بناء پر مسئلہ واضح ہے البتہ مستحب ہے کہ مہنگائی میں سب لوگوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے اگرچہ وہ عمدہ چیز بیچتا ہو جبکہ وہ کمتر مال خریدنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

۱۔ حماد کی خبر میں ہے کہ مدینہ میں قحط پڑ گیا یہاں تک کہ خوشحال لوگ گندم میں جو ملا کر کھانے لگے اور جو غلہ موجود تھا وہ خریدنا شروع کر دیا، ابو عبداللہؑ کے ہاں عمدہ گندم تھی جو آپ نے سال کے آغاز میں خریدی تھی، چنانچہ آپ نے اپنے بعض موالی سے فرمایا: ہمارے لئے جو خریدو اور انہیں اس گندم میں ملا دو یا اس گندم کو فروخت کر دو کیونکہ ہم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ ہم عمدہ کھانا کھائیں جبکہ دوسرے لوگ معمولی غذا کھا رہے ہوں۔ (۱۴۵)

۲۔ معتب کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: مدینہ میں کبھی کبھی بھاؤ چڑھ جاتے ہیں، بتاؤ کہ ہمارے پاس گندم کتنی ہے؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: ہمارے پاس اتنی گندم ہے کہ کئی ماہ تک کافی ہوگی، آپ نے فرمایا اسے نکال کر فروخت کر دو، میں نے عرض کیا اس وقت مدینہ میں گندم نایاب ہے، آپ نے فرمایا تم اسے بیچ دو پس میں نے ساری گندم فروخت کر دی، تب آپ نے فرمایا کہ روزانہ کی ضرورت کے لئے خرید لایا کرو نیز ارشاد کیا اے معتب میرے اہل و عیال کی غذا میں آدھی گندم اور آدھے جو شامل رکھو تاکہ خدا دیکھ لے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ انہیں گندم ہی گندم کھلاؤں اور اسے

پسند کرتا ہوں کہ خدا مجھے اس حالت میں دیکھے جب میں نے اپنی گزران کا اچھا طریقہ رکھا ہے۔ (۱۴۶)

۱۲۔ محتکر و ذخیرہ اندوز کو مال فروخت کرنے پر مجبور کیا جانا

۱۔ مفید نے المقنعہ میں کہا ہے: سلطان و حاکم کو یہ حق ہے کہ جب لوگوں کو ظاہراً غلے کی ضرورت ہو تو وہ محتکر و ذخیرہ اندوز کو اپنا غلہ نکالنے اور اسے فروخت کرنے پر مجبور کرے۔ (۱۴۷)

۲۔ شیخ نے نہایہ میں کہا ہے: جب لوگ خوراک و طعام کے لئے تنگی میں ہوں اور وہ ایک ذخیرہ اندوز کے سوا کسی سے نہ ملے تو سلطان و حاکم پر لازم ہے کہ وہ اسے اپنا غلہ فروخت کرنے پر مجبور کرے اگرچہ وہ شخص ایسا نہ کرنا چاہتا ہو۔ (۱۴۸)

۳۔ المبسوط میں ہے: پس جب وہ احتکار و ذخیرہ اندوزی کرے اور لوگوں کی حالت وہ ہو جو ہم نے بیان کی ہے تو سلطان و حاکم نرخ مقرر کئے بغیر اسے اپنا غلہ فروخت کرنے پر مجبور کرے۔ (۱۴۹)

۴۔ ابو صلاح کی کافی میں ہے: جب وہ ایسا کرے تو اسے پکار کر کہا جائے گا کہ وہ اپنا غلہ مسلمانوں کے بازاروں میں لائے اور اس کو اس عمل پر مجبور کیا جائے گا۔ (۱۵۰)

۵۔ الوسیلہ میں ہے: پس جب وہ غلے کی فروخت روک رکھے حالانکہ لوگوں کو اس کی احتیاج ہو اور وہ اسے نہ بیچے تو اسے غلے کی فروخت پر مجبور کیا جائے گا لیکن نرخ کی بابت کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا۔ (۱۵۱)

۶۔ السرائر میں ہے: جب لوگوں کو خوراک و طعام میں تنگی ہو اور وہ نہ ملتا ہو مگر اس سے جس نے اس کا احتکار و ذخیرہ اندوزی کر رکھی ہے تو سلطان اور اس کے مقرر کردہ حکام پر لازم ہے کہ وہ اس کو غلے کی فروخت پر مجبور کریں اور سختی سے کام لیں۔ (۱۵۲)

۷۔ شرائع میں ہے: محتکر و ذخیرہ اندوز کو غلّہ فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ (۱۵۳)

نیز مختصر النافع میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ (۱۵۴)

۸۔ القواعد میں ہے: ہماری رائے کے مطابق اس (ذخیرہ اندوز) کو غلہ فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا لیکن کسی نرخ اور بھاؤ کے لئے اسے پابند نہیں کیا جائے گا۔ (۱۵۵)

۹۔ دروس میں ہے: پس اس صورت میں اسے غلہ بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔ (۱۵۶)

۱۰۔ حدائق میں ہے: اصحاب کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام و حاکم احتکار کرنے والوں کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرے گا، اس پر گزشتہ چند ایک اخبار دلالت کرتے ہیں۔ (۱۵۷)

۱۱۔ الجواہر میں ہے: بہر حال یہ کہا گیا ہے کہ اصحاب کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام اور جو اس کا قائمقام ہو اگرچہ وہ عادل مسلمان ہوں، محتکر و ذخیرہ اندوز کو اپنا مال فروخت کرنے پر مجبور کریں گے، بلکہ ان دونوں اقوال کی بناء پر ایک جماعت نے اس امر پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ (۱۵۸)

۱۲۔ شیخ اعظم کی المکاسب میں ہے: ظاہر یہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ محتکر کو مال بیچنے پر مجبور کرنے میں حتیٰ کہ احتکار کی کراہت کے قول کی بناء پر بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ المھذب البارع سے اجماع کا دعویٰ ہوا ہے اور تنقیح کے حوالے سے حدائق میں ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس کی دلیل وہی ہے جو اسے غیر واجب پر مجبور نہ کرنے سے اس کو ایک طرف کرتی ہے، اسی لئے ہم نے ذکر کیا ہے کہ فروخت پر مجبور کرنے کے دلائل کا ظاہر احتکار کی حرمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ غیر لازم کو لازم قرار دینا خلاف قاعدہ ہے۔ (۱۵۹)

میں کہتا ہوں ـــــ اس حکم کے واضح ہونے کے علاوہ اس پر اجماع اور عدم اختلاف دلالت کرتا ہے کہ جس کا دعویٰ کیا گیا ہے، جیسا کہ حذیفہ کی سابق خبر میں ہے کہ نبی کریمؐ نے ذخیرہ اندوز کو مال کے نہ روکنے اور اسے فروخت کرنے کا حکم دیا، احتکار شدہ مال کو بازاروں میں لے آنے کا حکم ابو حمزہ کی خبر میں ہے جو آگے آئے گی نیز امیر المومنینؑ کا مالک اشتر اور رفاعہ کو احتکار سے روکنے کا حکم دینا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دینے کی ہدایت فرمانا اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے، اسے یاد رکھیں

الجواہر میں ہے: اگر محتکر و ذخیرہ اندوز کو مجبور نہ کیا جاسکے تو اس موقع پر حاکم قیام کرے گا، بلکہ بعض اخبار کا ظاہر یہ ہے کہ مجبور کیا جا سکتا ہو تو حاکم ہی قیام کرے اور خصوصاً امام ایسا کرے اگرچہ بعض اوقات اس پر مناقشہ کیا جاتا ہے کہ یہ بات ماثور و منقول اخبار کے خلاف ہے۔ (۱۶۰)

۱۳۔ نرخ مقرر کرنا

آیا نرخ مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کے بعض کلمات۔

اس سلسلے میں فقہاء کے کلمات و عبارات باہم مختلف ہیں اور اکثر نرخ مقرر کرنے کی ممانعت میں ہیں بلکہ مفتاح الکرامہ میں ہے: اجماع اور متواتر اخبار کے لحاظ سے جیسا کہ السرائر میں اور بغیر اختلاف کے جیسے المبسوط میں ہے نیز ہمارے (علماء امامیہ) کے نزدیک نرخ مقرر کرنا جائز نہیں جیسا کہ التذکرہ میں ہے۔ (۱۶۱)

علماء امامیہ

۱۔ شیخ کی نہایہ میں ہے: اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس (محتکر) کو نرخ معین کرنے پر مجبور کرے، بلکہ وہ اسے اس بھاؤ پر بیچے گا جتنا رزق اللہ تعالیٰ اس کو دے، حاکم کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اس پر اس سے زیادہ پابندی لگائے۔ (۱۶۲)

۲۔ المبسوط میں ہے: فصل برائے تعیین نرخ، امام یا اس کے نائب کے لئے جائز نہیں کہ وہ تاجروں کے مال اور غلہ میں سے کسی کا نرخ مقرر کرے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، نبی اکرمؐ سے روایت ہوئی ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ گیہوں اور غلے والوں کے لئے نرخ مقرر کر دیجئے، آپ نے فرمایا میں دعا کرتا ہوں، پھر دوسرا آیا اور کہا یا رسول اللہؐ! گندم والوں کے لئے نرخ مقرر کریں، آپ نے فرمایا بلکہ خدا اس کو اٹھاتا اور نیچے لاتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ خدا

سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے کسی کے ساتھ ظلم اور ناانصافی نہ کی ہو پس ثابت ہوا کہ جب تاجروں میں سے کوئی نرخ کی کمی یا زیادتی میں مخالفت کرے تو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ (۱۶۳)

۳۔ نیز اسی کتاب میں ہے: پس جب کوئی شخص احتکار و ذخیرہ اندوزی کرے جبکہ لوگوں کی حالت وہی ہو جو ہم نے بیان کی ہے تو سلطان و حاکم اسے غلہ بیچنے پر مجبور کرے گا مگر نرخ میں اس پر دباؤ نہیں ڈالے گا۔ (۱۶۴)

۴۔ غنیہ میں ہے: تاجروں کو کسی خاص نرخ کے لئے مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ (۱۶۵)

۵۔ شرائع میں ہے: اس (محتکر) کے لئے نرخ مقرر نہیں کیا جائے گا اور کہا گیا ہے کہ مقرر کیا جائے گا لیکن پہلا قول واضح ہے۔ (۱۶۶)

۶۔ مختصر النافع میں ہے: آیا اس (محتکر) پر نرخ مقرر کیا جائے گا؟ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ نہیں کیا جائے گا۔ (۱۶۷)

۷۔ القواعد میں ہے: ہماری رائے میں اسے (محتکر کو) مال بیچنے پر مجبور کیا جائے اور نرخ مقرر کرنے میں اس پر دباؤ نہ ڈالا جائے۔ (۱۶۸)

۸۔ المقنعہ میں ہے: حاکم کو حق ہے کہ نرخ مقرر کرے لیکن وہ ایسا نہ ہو کہ جس سے خوراک و طعام کے تاجروں کو خسارہ ہو۔ (۱۶۹)

۹۔ ابن حمزہ کی الوسیلہ میں ہے: اس (محتکر) کو مال بیچنے پر مجبور کیا جائے گا نہ کہ نرخ کے لئے مگر یہ کہ وہ اس میں حد سے بڑھ جائے لیکن اگر کوئی بازار میں نرخ کی کمی یا زیادتی میں مخالفت کرے تو اس پر اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ (۱۷۰)

۱۰۔ دروس میں ہے: اس (محتکر) پر نرخ مقرر نہیں کیا جائے گا مگر جب وہ اس میں حد سے بڑھ جائے۔ (۱۷۱)

۱۱۔ مفتاح الکرامہ میں ہے: وسیلہ، مختلف، ایضاح، دروس، لمعہ، مقتصر، اور تنقیح میں ہے کہ اگر وہ قیمت میں زیادتی کرے تو حاکم اس کے لئے نرخ مقرر کرے گا کیونکہ اس صورت میں لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے کہ جس کی نفی کی گئی ہے۔ (۱۷۲)

یہ ہمارے اصحاب و فقہاء کے بعض کلمات ہیں۔

فقہاء اہل سنت

۱۲۔ علامہ نے المنتہی میں کہا ہے: امام و حاکم پر لازم ہے کہ وہ احتکار کرنے والوں کو مال بیچنے پر مجبور کرے لیکن اسے یہ حق نہیں کہ نرخ میں ان پر کوئی دباؤ ڈالے بلکہ انہیں چھوڑ دے کہ جس طرح چاہیں مال فروخت کریں، یہ ہمارے اکثر علماء کا قول ہے اور شافعی نے بھی یہی کہا ہے لیکن مفید و سلار نے کہا ہے کہ امام کو حق ہے کہ ان کے لئے نرخ کا تعین کرے پس وہ شہر بھر کے لئے ایک بھاؤ کر دے اور مالک کا بھی یہی قول ہے۔ (۱۷۳)

۱۳۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی میں ہے: مالکیوں نے وضاحت کی ہے کہ جو شخص بازاروں سے غلہ و خوراک خرید کر ذخیرہ کرے اور لوگوں کو ضرر پہنچائے تو وہ اس سے قیمت خرید پر غلہ لے سکتے ہیں۔ (۱۷۴)

۱۴۔ اسی کتاب میں ہے: حنبلیوں نے تصریح کی ہے کہ ولی امر کو یہ حق ہے کہ جب لوگوں کو اس کی ضرورت ہو تو وہ احتکار کرنے والوں کو مال بیچنے پر مجبور کرے. مثلاً قحط کے دنوں میں کسی کے پاس گندم ہو تو جو ضرورتمند ہے وہ اس کی مرضی کے بغیر بھی قیمت مثل پر لے سکتا ہے اور اگر وہ زیادہ قیمت پر دیتا ہو تو بھی وہ قیمت مثل پر ہی لے گا...... اسی بناء پر بہت سے فقہاء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ امام کو حق ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ مال کا نرخ مقرر کرے اور وہ لوگوں کو قیمت مثل پر خرید و فروخت کا پابند کرے. علماء میں سے کسی کو اس میں کوئی تردد نہیں ہے۔ (۱۷۵)

پس ظاہر ہوا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تھا یہ مسئلہ علماء فریقین کے نزدیک اختلافی ہے لیکن ہمارے اکثر فقہاء نرخ کی تعیین کی ممانعت کے قائل ہیں سوائے اس کے جب مال کا مالک قیمت میں تعدی و زیادتی کا مرتکب ہو.

علامہ طاب ثراہ نے المنتہی میں تعیین نرخ کی ممانعت پر ان اخبار سے استدلال کیا ہے جو فریقین کے ہاں مروی ہیں اور عنقریب مذکور ہوں گی. اس میں اصل یہ ہے کہ غیر کے مال کو اس کے اذن کے بغیر لینا حرام ہے. چونکہ وہ مال اس کا ہے اس لئے ہر دو فریق جس قیمت پر باہم راضی ہوں اس میں رکاوٹ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ اس میں بگاڑ کا پہلو بھی ہے کہ جب باہر سے مال لانے والا اس صورت حال سے آگاہ ہو گا تو وہ اپنا مال وہاں نہیں لائے گا. اسی طرح جب کوئی پونجی والا نرخ میں سختی کی بات سنے گا تو وہ اپنا مال روکے رکھے گا جس سے خریدنے اور بیچنے والوں سب کو ضرر و نقصان ہو گا. مالک کو اس کے مال کی فروخت بند ہو جانے سے خسارہ ہو گا اور خریدار کو مال نہ آنے اور دستیاب نہ ہونے سے ضرر پہنچے گا۔ (۱۷۶)

۱۴۔ نرخ مقرر کرنے کے سلسلے میں اخبار و روایات

۱۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ حذیفہ بن منصور سے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: حضرت رسولؐ کے زمانے میں غلے کا قحط پڑ گیا تو مسلمان آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہؐ! خوراک و طعام ختم ہو گیا ہے اور اس میں سے کچھ باقی نہیں رہا مگر فلاں شخص کے پاس ہے پس اس کو حکم دیجئے کہ وہ اسے فروخت کرے. راوی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا: اے فلاں! مسلمانوں نے بتایا ہے کہ خوراک و طعام ختم ہو گیا ہے مگر کچھ تمہارے پاس ہے پس اسے نکالو اور جس طرح چاہو بیچو لیکن اسے روک کر نہ رکھو. اس حدیث کو شیخ نے بھی روایت کیا ہے مگر تینوں مقامات پر ختم ہو گیا کی بجائے مفقود ہو گیا سے تعبیر کیا ہے۔ (۱۷۷)

یہ حدیث اس سے پہلے ذکر ہو چکی ہے اور سوائے حذیفہ و محمد بن سنان کے اس کے راویوں میں کوئی کلام نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں کا معاملہ آسان ہے. پس آنحضرتؐ نے غلہ فروخت کرنے میں اسے چھوٹ دی کہ جس طرح چاہے بیچے اور اس کے لئے نرخ مقرر نہیں کیا۔

۲۔ شیخ نے اپنی سند کے ساتھ حسین بن عبیداللہؒ بن ضمرہ سے. اس کے باپ سے. اس کے دادا سے. علی بن ابی طالبؑ سے. مرفوعاً حضرت رسولؐ سے روایت کی ہے. راوی نے کہا کہ آنحضرتؐ احتکار کرنے والوں کے قریب سے گزرے اور حکم دیا کہ ان کا ذخیرہ کیا ہوا مال نکال کر ایسی جگہ لایا جائے جہاں عام نگاہیں اسے دیکھیں پس آپ سے عرض کیا گیا

کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اس کا نرخ بھی مقرر فرمادیتے. اس پر آپ غضبناک ہوئے یہاں تک کہ اس کے آثار آپ کے چہرہ مبارک پر دکھائی دینے لگے پس فرمایا! کیا میں نرخ مقرر کروں؟ نرخ کا مقرر ہونا تو خدا کی طرف سے ہے کہ جب چاہے اونچا لے جائے اور جب چاہے نیچے لے آئے (۱۷۸)

اس کو صدوق نے بھی روایت کیا ہے چنانچہ الفقیہ میں بطور مرسل اور التوحید میں سند مؤثق سے درج کیا ہے۔ (۱۷۹)

۳۔ صدوق نے الفقیہ میں روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ سے عرض کیا گیا. کیا ہی اچھا تھا کہ آپ ہمارے لئے چیزوں کے نرخ مقرر فرماتے کیونکہ ان کے بھاؤ چڑھتے اترتے رہتے ہیں آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ کسی بدعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں کہ جس کا اس نے مجھے حکم نہیں دیا ہے. پس اللہ کے بندوں کو چھوڑو کہ بعض بعض کے ذریعے سے کھائیں کمائیں اور جب تم سے نصیحت اور خلوص کی خواہش کی جائے تو نصیحت کرو. نیز انہوں نے اس کو التوحید میں بھی من بعض کے قول تک روایت کیا ہے۔ (۱۸۰)

۴۔ صدوق نے ہی اپنی اسناد کے ساتھ ابو حمزہ ثمالی سے روایت کی ہے کہ علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا: نرخ اور بھاؤ ایک فرشتے کے سپرد ہے جو اس معاملے کو سلجھاتا ہے. اس کی روایت التوحید میں بھی کی گئی ہے۔ (۱۸۱)

۵۔ ابو حمزہ ثمالی سے ہی روایت ہوئی ہے کہ علیؑ بن الحسینؑ کے حضور نرخوں میں اضافے کا تذکرہ ہوا تو فرمایا: مہنگائی سے مجھے کوئی ضرر نہیں اگر مہنگائی ہو تو اسی کی طرف سے ہے اور سستا ہو تو بھی اسی کی طرف سے ہے نیز التوحید میں بھی اس کی روایت ہوئی ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ (۱۸۲)

۶۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن اسلم سے. ایک شخص سے. ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نرخ اور بھاؤ ایک فرشتے کے سپرد کر رکھا ہے. پس نہ قلت کی وجہ سے مہنگائی ہوتی ہے نہ کثرت کے باعث سستا ہوتا ہے۔ (۱۸۳)

۷۔ کلینی نے ہی اپنی سند کے ساتھ یعقوب بن یزید سے. ایک شخص سے. ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے نرخ اور بھاؤ پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو اس کا انتظام کرتا ہے۔ (۱۸۴)

۸۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے مروی ہے: ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہؐ! چیزوں کے نرخ مقرر کر دیجئے. آپ نے فرمایا بلکہ میں دعا کروں گا. اس کے بعد ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہؐ! نرخ مقرر کر دیجئے ــــ آپ نے فرمایا کہ خدا ہی اسے نیچے اور اوپر لے جاتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ کسی کا حق میرے ذمہ نہ ہو۔ (۱۸۵)

۹۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ انس بن مالک سے مروی ہے: لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! نرخ چڑھ گئے ہیں پس آپ ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیجئے. آپ نے فرمایا بے شک خدا ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے وہی بند کرنے اور کھولنے والا رازق ہے. میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کوئی بھی مجھ سے کسی خون یا مال کا

مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ (۱۸۶)

اس کی روایت ابن ماجہ اور احمد نے بھی کی ہے۔ (۱۸۷)

اسی طرح کی روایت عبدالرزاق نے المصنف میں حسن سے کی ہے۔ (۱۸۸)

۱۰۔ ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ ابو سعید سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: حضرت رسولؐ کے زمانے میں نرخ چڑھ گئے تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہؐ! کیا ہی اچھا تھا کہ آپ نرخ مقرر کر دیتے. آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تم سے اس حالت میں جدا ہوں کہ کوئی مطالبہ کرنے والا نہ ہو کہ جس پر میں نے زیادتی کی ہو۔ (۱۸۹)

۱۱۔ عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ المصنف میں سالم بن ابو الجعد سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: نبی کریمؐ سے کہا گیا کہ ہمارے لئے گندم کا نرخ مقرر کر دیں. آپ نے فرمایا بھاؤ کا مہنگا یا سستا ہونا خدا کے ہاتھ میں ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ کوئی شخص مجھ سے کسی ظلم کا مطالبہ نہ کرے جو میں نے خون یا مال کے سلسلے میں کیا ہو۔ (۱۹۰)

اس بارے میں ان کے علاوہ اور روایات بھی ہیں جن میں بعض کو ابو یوسف نے کتاب الخراج میں روایت کیا ہے پس مراجعہ کریں۔ (۱۹۱)

۱۵۔ نرخ مقرر کرنا کب جائز ہے؟

میں کہتا ہوں ــــــ عمومی طبیعی نرخ کا دارومدار طبیعی حالات یعنی مال وجنس کی کمی وبیشی. لوگوں کی طلب میں کمی وبیشی. مصارف پیداوار وتقسیم نیز تحفظ اور نقل وحمل وغیرہ کی اجرت پر ہے جو طبیعی جہات میں سے ہیں. دوسرے لفظوں میں متعارف ومعلوم نرخ طلب ورسد اور طبیعی واجتماعی حالات کا نتیجہ ہے. پس بالآخر ان سب معاملات وحالات کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے جو نظام جہان پر حکمرانی کرتا ہے. حضرت رسولؐ کا ارشاد "نرخ کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جب چاہتا ہے اسے چڑھا دیتا ہے اور جب چاہے گھٹا دیتا ہے. نیز ائمہ طاہرینؑ سے نرخ کے بارے میں جو کچھ نقل ہوا ہے اس کا تعلق اسی طبیعی نرخ یا اس سے ملتے جلتے نرخ سے ہے کیونکہ اس کی بازگشت خدائے تعالیٰ کی طرف ہے لیکن اس میں وہ نرخ ہرگز مراد نہیں ہے جو اقتصادی تسلط یا مالک کی طرف سے ظلم وزیادتی کی بناء پر معین ہوتا ہے۔

گویا وہ لوگ نبی کریمؐ سے خواہش کرتے تھے کہ آپ طبیعی نرخ میں تصرف کریں اور اس میں کمی کر دیں چنانچہ آنحضرتؐ اس بات پر ان سے خفا ہوئے اور نرخ کو طلب ورسد اور ایسے ہی طبیعی اسباب پر منحصر رہنے دیا۔

لیکن جب اقتصادی تسلط واقع ہو تو لامحالہ نرخ کا معاملہ حکومت کی دخل اندازی کا محتاج ہوتا ہے تاکہ وہ ضرورت کے مطابق اس کو معین کرے اور پھر اس سے تجاوز جائز نہیں ہوگا. کیونکہ مومن کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی مانند ہے اور عقل وشریعت کے حکم سے لوگ اپنے مال پر حق تصرف رکھتے ہیں. کسی کے مال میں اس کی اجازت یا باہمی رضامندی سے دونوں فریقوں کے لین دین کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے. پس اجتماعی ضرورت کے سوا کسی کو مجبور کرنا درست نہیں کہ

عقل و شریعت جس کا حکم دیتے ہیں. پس کبھی وہ ضرورت صرف مال کو بازار میں نکال لانے سے رفع ہو جاتی ہے اور کبھی حاکم کو مال کے مالکوں کی تعدی و زیادتی کا سدباب کرنا پڑتا ہے جو معاشرے کے لئے تنگی و ضرر کا موجب ہوتی ہے. بعض اوقات مشکل کا حل نرخ مقرر کرنے کے علاوہ نہیں ہوتا. اس صورت میں کبھی حاکم کو تاجروں کی طرف سے سرکشی اور نافرمانی کا سامنا ہوتا ہے تو وہ انہیں قیمت مثل پر مال فروخت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نرخ مقرر کرنے سے ممانعت کرنے والی روایات اپنی کثرت کے باوجود ایسے موارد سے تعلق رکھتی ہیں جن میں حاکم کی طرف سے نرخ مقرر کرنے کی نوبت نہیں آتی بلکہ محض مال و جنس نکلوانے اور اس کی وافر مقدار کے بازار میں مہیا کرا دینے سے مشکل حل ہو جاتی ہے۔

صدوق نے کتاب التوحید میں کہا ہے: پس بازار میں مہنگا اور سستا چیزوں کی کمی و زیادتی کی بناء پر ہوتا ہے. پس یہ اللہ کی طرف سے ہے اس پر راضی ہونا اور اسے تسلیم کرنا واجب ہے. لیکن وہ مہنگا اور سستا کہ جس پر گرفت کی جاتی ہے وہ چیزوں کی قلت و کثرت کے بغیر اور لوگوں کی رضامندی کے خلاف ہوتا ہے یا شہر کا سارا غلہ و طعام کسی ایک شخص کے خرید لینے اور اس کے نتیجے میں مہنگائی ہونے کی صورت ہے. پس یہ اس تعدی کرنے والے شخص کے فعل کا اثر ہوتا ہے جو سارا غلہ خرید لیتا ہے جیسے حکیم بن حزام کہ جب مدینہ میں گندم آتی تو وہ ساری کی ساری خرید لیتا تھا. جب نبی کریمؐ اس کے قریب سے گزرے تو فرمایا: اے حکیم بن حزام! احتکار و ذخیرہ اندوزی سے بچو۔ (۱۹۲)

المسالک میں مصنف نے نرخ مقرر نہ کرنے کی تائید کے بعد کہا ہے: مگر تنگی و سختی کے وقت میں نرخ مقرر کیا جائے گا ورنہ محتکر و ذخیرہ اندوز کو مال نکالنے پر مجبور کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ ممکن ہے وہ اپنے مال کی اتنی قیمت مانگے جس کی کسی میں سکت نہ ہو یا جو لوگوں کی حالت کے لحاظ سے مضر ہو حالانکہ غرض و غایت ضرر کا دور کرنا ہے۔ (۱۹۳)

الروضہ میں کہا ہے: سستے وقت میں نرخ مقرر کرنا جائز نہیں جبکہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہوتی اور زیادہ قوی قول یہ ہے کہ جب تعدی کرنے کی صورت میں اسے حکم دیا جائے تو بھی نرخ مقرر نہ کیا جائے بلکہ اسے قیمت میں کیا ہوا اضافہ واپس لینے اور قیمت کم کرنے کو کہا جائے اگرچہ یہ بھی نرخ مقرر کرنے کے مترادف ہے لیکن یہ کسی خاص مقدار میں منحصر نہیں ہے۔ (۱۹۴)

الجواہر میں ہے: البتہ بعید نہیں ہے کہ حد سے گزرنے کی صورت میں نفی ضرر و ضرار کی بناء پر محتکر کو اس سے روکا جائے جیسا کہ ابو حمزہ و فاضل سے المختلف میں نیز شہید ثانی اور دیگر علماء سے نقل ہوا ہے کیونکہ ایسا نہ کیا جائے تو پھر اسے مال بیچنے پر مجبور کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہو گا اور ممکن ہے وہ اپنے مال کی اتنی زیادہ قیمت طلب کرے جسے کوئی ادا نہ کر سکتا ہو اور وہ لوگوں کے لئے ضرر و تنگی کا موجب بنے جبکہ غرض و مقصد دفع ضرر ہے. تعدی اور زیادتی سے روکنا نرخ مقرر کرنا نہیں ہے. اسی لئے بعض فقہاء نے اسے ترک کیا ہے اور کچھ فقہاء کا قول کہ یہ بھی جائز نہیں ہے وہ نرخ مقرر نہ کرنے کے اطلاق کی بناء پر ہے. ابو عبداللہؑ سے ابن سنان کی صحیح حدیث میں ان سوداگروں کے بارے میں ہے جو کسی مقام پر آئے اور باہم فیصلہ کیا کہ وہ اپنی مرضی کی قیمت وصول کئے بغیر مال نہ بیچیں گے. تب آپ نے فرمایا "اس میں کوئی حرج نہیں" نیز حذیفہ کی خبر میں آپ کا

ارشاد ''اس کو جس طرح چاہو بیچو'' اس قول کا ضعف واضح ہے کیونکہ ضروری ہے کہ مطلق کو ان دلائل سے مقید کیا جائے جو آپ پڑھ چکے ہیں اور وہ اس سے زیادہ قوی ہیں. مذکورہ صحیح روایت ہماری بحث سے خارج ہے اور جس طرح چاہے بیچے کا اذن دیا جانا عام طرز عمل سے ہے کہ غالباً کوئی تاجر ناقابل برداشت حد تک من مانی نہیں کرتا۔ (۱۹۵)

یہ کلمات دلالت کرتے ہیں کہ مال بیچنے میں ظلم و زیادتی سے روکنا حاکم کے فرائض میں سے ہے. اس بات کے واضح و روشن ہونے کے علاوہ امیرالمومنین کا وہ فرمان بھی اس کی تائید کرتا ہے جو آپ نے مالک اشتر کو بھیجا اور فرمایا کہ احتکار و ذخیرہ اندوزی سے روکو کیونکہ حضرت رسول نے اس سے منع فرمایا ہے نیز یہ کہ خرید و فروخت مناسب نرخوں اور درست پیمانوں سے ہونی چاہئے تاکہ بیچنے اور خریدنے والوں میں سے کسی فریق کو خسارہ اور نقصان نہ ہو۔

آپ کے اس عہد نامے کو سید رضی سے پہلے حسن بن علی بن شعبہ نے تھوڑے سے فرق کے ساتھ تحف العقول میں روایت کیا اور دعائم الاسلام میں بھی کچھ زیادہ اختلاف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

اس کے اصحاب میں مشہور و معروف ہونے کے علاوہ خود نص بھی اجمالی طور پر اس کی صحت کی تائید کرتی ہے جیسا کہ نجاشی و شیخ نے اصبغ بن نباتہ کے حالات میں اس عہد نامے کا ذکر کیا اور دونوں نے اپنی سند اس تک پہنچائی ہے اور اجمالی طور پر اس سند میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خاتمہ

صحیحہ ابن سنان جس کی صاحب الجواہر نے ابھی حکایت کی ہے اگرچہ وہ تمام تاجروں کے ایک خاص نرخ اور منافع کی شرح پر باہم عہد و معاہدے کے جواز پر دلالت کرتی ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب ان کا یہ معاہدہ لوگوں کے لئے تنگی و ضرر کا موجب نہ ہو ورنہ وہ عقلی و شرعی طور پر قابل قبول نہ ہو گا.

خلاصہ یہ کہ کسی خاص نرخ پر تاجروں کا باہمی اتفاق رائے کوئی خاص ہرج نہیں رکھتا بلکہ بعض اوقات اس کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تاکہ یہ مال کی قیمت کے گرنے اور مالکوں کے خسارے کو روکے لیکن جو چیز لازم ہے وہ نرخ مقرر کرنے میں انصاف اور منع ضرر کی رعایت ہے۔

کلینی نے ابوجعفر فزاری سے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہ نے ایک غلام مسمیٰ مصادف کو بلایا اور اسے ایک ہزار دینار دیتے ہوئے ہدایت کی کہ تیاری کرو اور مصر جاؤ کیونکہ میرے اہل و عیال زیادہ ہوگئے ہیں. راوی کا کہنا ہے کہ وہ کچھ مال و متاع لے کر تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا. جب وہ لوگ مصر کے قریب پہنچے تو شہر سے باہر ایک اور قافلے سے ان کی ملاقات ہوئی پس انہوں نے اپنے مال کے بارے میں قافلے والوں سے سوال کیا کہ مصر میں اس کی طلب و رسد کی کیفیت کیا ہے؟

انہوں نے بتایا کہ جو مال تمہارے پاس ہے اس میں سے کوئی بھی چیز مصر میں موجود نہیں ہے. یہ سن کر ان لوگوں نے مل کر قسم کھائی کہ ہم اپنا مال ایک دینار پر ایک دینار منافع سے کم قیمت پر فروخت نہیں کریں گے. پس وہ اپنا مال بیچ کر اور اس کی قیمت

وصول کر کے واپس مدینہ آگئے اور مصادف ابو عبداللہؑ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ اس کے پاس دو تھیلیاں تھیں جن میں سے ہر ایک میں ہزار ہزار دینار تھے. اس نے کہا قربان جاؤں یہ ایک ہزار راس المال اور وہ ایک ہزار منافع ہے. آپ نے فرمایا یہ منافع تو بہت زیادہ ہے تم لوگوں نے اپنا مال کیسے بیچا؟ اس نے سب حال بیان کیا کہ کس طرح سے ہم نے ایک دوسرے سے عہد کیا اور مال فروخت کیا ہے. آپ نے فرمایا سبحان اللہ! تم مسلمانوں کے خلاف آپس میں قسم کھاتے ہو کہ ایک دینار کے ساتھ ایک دینار منافع لے کر مال فروخت کریں گے. پھر فرمایا کہ یہ تو میرا راس المال ہے لیکن یہ جو منافع ہے اس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے نیز فرمایا اے مصادف! تلواروں کی جنگ کرنا آسان ہے لیکن حلال کی کمائی کرنا مشکل ہے۔ (۱۹۶)

پس اس روایت میں امامؑ تاجروں کے باہمی معاہدے اور قول و قسم کو غلط قرار نہیں دیتے بلکہ ایک دینار پر ایک دینار منافع کے معاہدے میں جو تعدی اور زیادتی ہوئی تھی اسے خطاء و غلطی قرار دیتے ہیں. پس غور کریں

باب ۶ فصل ۱۰

حواشی

(۱) النہایۃ ۱/ ۴۱۷ (۲) لسان العرب ۴/ ۲۰۸ (۳) القاموس المحیط/ ۲۳۹ (۴) الصحاح اللغۃ ۲/ ۶۳۵ (۵) المنجد/ ۱۴۶ (۶) المقنعہ/ ۹۶ (۷) النہایۃ للشیخ / ۳۷۴ (۷۔ الف) المختصر النافع/ ۱۲۰ (۸) الدروس/ ۳۳۲، کتاب المکاسب (۹) القواعد ۱/ ۱۳۲ (۱۰) المختلف/ ۳۴۵ (۱۱) مفتاح الکرامہ ج ۴ کتاب المتاجر/ ۱۰۷ (۱۲) النہایۃ للشیخ/ ۳۶۸ (۱۳) الجوامع الفقہیہ/ ۳۱ (۱۴) النہایۃ للشیخ / ۳۷۴ (۱۵) الکافی لابی الصلاح/ ۳۶۰ (۱۶) المہذب ۱/ ۳۴۶ (۱۷) الجوامع الفقہیہ/ ۵۲۸ (۱۸) السرائر/ ۲۱۲ (۱۹) الدروس/ ۳۳۲، کتاب المکاسب (۲۰) القواعد ۱/ ۱۲۲ (۲۱) المقنعہ/ ۹۶ (۲۲) المبسوط ۲/ ۱۹۵ (۲۳) المغنی ۴/ ۴۶، کتاب البیع (۲۴) بدائع الصنائع ۵/ ۱۲۹ (۲۵) موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۳/ ۱۹۵، فی الاحتکار (۲۵۔ الف) الوسائل ۱۲/ ۳۱۳، الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۳ (۲۶) الوسائل ۱۲/ ۳۱۴، الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۱۱ (۲۷) الوسائل ۱۲/ ۳۱۴، الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۹ (۲۸) نہج البلاغہ، فیض/ ۱۰۱۷، عبدہ، ۳/ ۱۱۰، لح/ ۴۳۸، مکتوب ۵۳ (۲۹) سورۂ حشر۔ آیت ۷ (۳۰) الوسائل ۱۸/ ۹۹، الباب ۱۱ من ابواب صفات القاضی، حدیث ۱ (۳۰۔ الف) دعائم الاسلام ۲/ ۳۶، کتاب البیوع، الفصل ۶، حدیث ۸۰ (۳۱ ۔ ۳۲) دعائم الاسلام ۲/ ۳۵، کتاب البیوع، الفصل ۶، حدیث ۷۷ ۔ ۷۸ (۳۳) الغرر والدرر ۱/ ۳۹، حدیث ۱۱۱ (۳۴) الغرر والدرر ۱/ ۶۶، حدیث ۲۵۵ (۳۵) الغرر والدرر ۱/ ۱۶۰، حدیث ۶۰۶ (۳۶) الغرر والدرر ۱/ ۱۲۷، حدیث ۴۶۴ (۳۷) الغرر والدرر ۴/ ۶۰۱، حدیث ۷۱۳۹ (۳۸) الغرر والدرر ۶/ ۲۸، حدیث ۹۳۴۹ (۳۹) مستدرک الوسائل ۲/ ۴۶۸، الباب ۲۱ من ابواب التجارۃ، حدیث ۱۰ (۴۰) صحیح مسلم ۳/ ۱۲۲۷، کتاب

المساقاة، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات، حدیث ۱۶۰۵ (۴۱) صحیح مسلم ۳/۱۲۸۳، کتاب المساقاة، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات (۴۲) سنن الترمذی ۲/۳۶۹، کتاب البیوع، باب ماجاء فی الاحتکار، حدیث ۱۲۸۵ (۴۳) سنن ابی ماجه ۲/۷۲۸، کتاب التجارات، باب الحکرة، حدیث ۲۱۵۴ (۴۴) مستدرک الحاکم ۲/۱۲، کتاب البیوع (۴۵) مستدرک الحاکم ۲/۱۱، کتاب البیوع (۴۶ـ۴۷) مستدرک الحاکم ۲/ ۱۲، کتاب البیوع (۴۸) کنزالعمال ۴/۹۷، الباب ۳ من کتاب البیوع من قسم الاقوال، حدیث ۹۷۱۵ (۴۹) کنزالعمال ۴/۹۸، الباب ۳ من کتاب البیوع من قسم الاقوال، حدیث ۹۷۲۱ (۵۰) کنزالعمال ۴/۹۸، الباب ۳ من کتاب البیوع من قسم الاقوال، حدیث ۹۷۲۴ (۵۱) کنزالعمال ۴/۱۰۱، الباب ۳ من کتاب البیوع من قسم الاقوال، حدیث ۹۷۳۸ (۵۲) کنزالعمال ۴/۱۰۱، الباب ۳ من کتاب البیوع من قسم الاقوال، حدیث ۹۷۳۹ (۵۳) کنزالعمال ۴/۱۷۸ الباب ۲ من کتاب البیوع من قسم الافعال باب احکام البیع، حدیث ۱۰۰۵۶ (۵۴) کنزالعمال ۱۶/۶۵، الباب ۲ من کتاب المواعظ والحکم من قسم الاقوال، حدیث ۴۳۹۵۸ (۵۵) الوسائل ۱۲/۳۱۵، الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارة، حدیث ۱۲ (۵۶) الوسائل ۱۲/۳۱۴، الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارة، حدیث ۸ (۵۷) مستدرک الوسائل ۲/۴۶۸، الباب ۲۱ من ابواب آداب التجارة، حدیث ۴ (۵۸) مستدرک الحاکم ۲/۱۱، کتاب البیوع (۵۹) مستدرک الوسائل ۲/ ۴۶۸، الباب ۲۱ من ابواب آداب التجارة، حدیث ۹ (۶۰) بحار الانوار ۱۰۰/۸۹، طبعة ایران ۱۰۳/ ۸۹، کتاب العقود والایقاعات، باب الاحتکار، حدیث ۱۲ (۶۱) بحار الانوار ۱۰۰/ ۸۷ طبعة ایران ۱۰۳/۸۷، کتاب العقود والایقات، باب الاحتکار، حدیث ۳ (۶۲ـ۶۳) المحلی ۶/۶۵، الجزء ۹ المسئلہ ۱۵۶۷ (۶۴) کنزالعمال ۴/۱۰۰، الباب ۳ من کتاب البیوع من قسم الاقوال، حدیث ۹۷۳۴ (۶۵) النهایة ۳/۱۲۶ (۶۶) سورۂ مائدہ ـ آیت ۵ (۶۷) الوسائل ۱۶/۳۸۰ ـ ۳۸۲، الباب ۵۱ من ابواب الاطعمة المحرمة من کتاب الاطعمة والاشربة (۶۸) الوسائل ۱۲/۳۱۲. الباب ۲۷ من ابواب التجارة. حدیث ۱ (۶۹) النهایة للشیخ /۳۷۴ (۷۰) المختلف/ ۳۴۶ (۷۱) الروضه البهیه ۳/۲۹۹ (۷۲) الوسائل ۱۲/۹۸. الباب ۲۱ من ابواب مایکتسب به. حدیث ۴ (۷۳) الوسائل ۱۲/ ۳۱۴. الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارة. حدیث ۶ (۷۴) بحار الانوار ۱۰۰/ ۸۹. طبعه ایران ۱۰۳/۸۹. کتاب العقود والایقاعاة. باب الاحتکار. حدیث ۱۱ (۷۵) مستدرک الوسائل ۲/۴۶۸. الباب ۲۱ من ابواب التجارة. حدیث ۹ (۷۶) مستدرک الحاکم ۱۲/۱۱. کتاب البیوع (۷۷) کنزالعمال ۴/۹۷. الباب ۳ من کتاب البیوع من قسم الاقوال. حدیث ۹۷۲۰ (۷۸) کنزالعمال ۴/۹۹ـ۱۰۰. الباب ۳ من کتاب البیوع من قسم الاقوال. حدیث ۹۷۳۳ ـ ۹۷۳۵ (۷۹) الوسائل ۱۲/۳۱۶. الباب ۲۸ من ابواب آداب التجارة. حدیث ۳ (۸۰) الوسائل ۱۲/۹۷. الباب ۲۱ من ابواب مایکتسب به (۸۰ـ الف) الوسائل ۱۲/۳۱۶. الباب ۲۷ من ابواب التجارة. حدیث ۱ (۸۱) الوسائل ۱۲/ ۳۱۳. الباب ۲۷ من ابواب التجارة، حدیث ۲ (۸۲) سورۂ حجرات ــــ آیت ۷ (۸۳) سورۂ بنی اسرائیل ــــ آیت ۳۸ (۸۴) الوسائل ۱۲/۳۱۵، الباب ۲۸ من ابواب آداب التجارة، حدیث ۱ (۸۵) الوسائل ۱۲/۳۱۵، الباب ۲۸ من ابواب آداب التجارة، حدیث ۲ ـ الکافی ۵/۱۶۵، کتاب المعیشة، باب الحکرة، حدیث ۳ (۸۶) مستدرک الوسائل ۲/۴۶۸، الباب ۲۲ من ابواب آداب

التجارۃ، حدیث ۲ (۸۷) الاستبصار ۳/۱۱۵، باب النھی عن الاحتکار (۸۸) الجواہر ۲۲/۴۸۰ (۸۹) الوسائل ۱۲/۳۲۰.
الباب ۳۱ من ابواب آداب التجارۃ (۹۰) الوسائل ۱۲/۳۱۳، الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۴ (۹۱_۹۲)
رجال النجاشی/۲۱۵، طبعۃ اخریٰ/۳۰۵ _ تنقیح المقال ۲/۳۶۶ (۹۳) الوسائل ۱۲/۳۱۴، الباب ۲۷ من ابواب آداب
التجارۃ، حدیث ۱۰ (۹۴) الوسائل ۱۲/۳۱۴، الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۷ (۹۵) تنقیح المقال ۳/۲۸۱
(۹۶) مستدرک الوسائل ۲/۴۶۸، الباب ۲۱ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۵ (۹۷) مستدرک الوسائل ۲/۴۶۸.
الباب ۲۱ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۸ (۹۸) النھایۃ للشیخ /۳۷۴ (۹۹) المبسوط ۲/۱۹۵ (۱۰۰) الجوامع الفقھیہ
/۵۴۷ (۱۰۱) السرائر/۲۱۲ (۱۰۲) الشرائع ۲/۲۱ (۱۰۳) المختصر النافع/۱۲۰ (۱۰۴) القواعد/۱۲۲ (۱۰۵) المنتھی
۲/۱۰۰۷ (۱۰۶) التذکرہ ۱/۵۸۵ (۱۰۷) الدروس/۳۳۲، کتاب المکاسب (۱۰۸) اللمعۃ الدمشقیہ ۳/۲۹۸
(۱۰۹) المقنعۃ/۹۶ (۱۱۰) الکافی لابی الصلاح/۳۶۰ (۱۱۱) الجوامع الفقھیہ/۵۲۸ (۱۱۲) الجوامع الفقھیہ/۳۱ (۱۱۳)
موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۲/۱۹۵، فی الاحتکار (۱۱۴) المغنی ۴/۴۷، کتاب البیع (۱۱۴_الف) سنن ابو داؤد ۲/۲۴۳، کتاب
الاجارہ، باب فی النھی عن المحتکر (۱۱۵) بدائع الصنائع ۵/۱۲۹ (۱۱۶) المدونۃ الکبریٰ ۳/۲۹۰، باب ما جاء فی
الحکرۃ (۱۱۷) الوسائل ۱۲/۳۱۳، الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۲ (۱۱۸) الوسائل ۱۲/۳۱۵، الباب ۲۸
من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۲ _ الکافی ۵/۱۹۵، کتاب المعیشۃ، باب الحکرۃ، حدیث ۳ (۱۱۹) نہج البلاغہ، فیض
/۱۰۱۷، عبدہ ۳/۱۱۰، لح/۴۳۸، مکتوب ۵۳ (۱۲۰) الوسائل ۶/۳۲، الباب ۸ من ابواب ماتجب فیہ الزکاۃ (۱۲۱) الجواہر
۲۲/۴۸۱ (۱۲۲) الجواہر ۲۲/۴۸۳ (۱۲۳) وسیلۃ النجاۃ ۲/۸ (۱۲۴) ابتغاء الفضیلۃ ۱/۱۹۷ (۱۲۵) تحریر الوسیلہ
۱/۵۰۲، المسئلہ ۲۳ من المکاسب المحرمہ (۱۲۶) المنتھی ۲/۱۰۰۷ (۱۲۷) مفتاح الکرامہ ج ۴، کتاب المتاجر/۱۰۸ (۱۲۸)
المغنی ۴/۴۶ (۱۲۹) بدائع الصنائع ۵/۱۲۹ (۱۳۰) موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۳/۱۹۵، فی الاحتکار (۱۳۱) الوسائل ۱۲/۳۱۵.
الباب ۲۸ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۱ (۱۳۲) الوسائل ۱۲/۳۱۶، الباب ۲۸ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۳
(۱۳۳) الوسائل ۱۲/۳۱۴، الباب ۲۷ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۶ (۱۳۴) الوسائل ۱۲/۳۱۳، الباب ۲۷ من
ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۲ (۱۳۵) المکاسب/۲۱۳ (۱۳۶) الجوامع الفقھیہ/۵۴۷ (۱۳۷) الشرائع ۲/۲۱
(۱۳۸) الجواہر ۲۲/۴۸۳ (۱۳۹) المختصر النافع/۱۲۰ (۱۴۰) القواعد ۱/۱۲۲ (۱۴۱) الوسائل ۱۲/۳۱۴، الباب ۲۷ من
ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۶ (۱۴۲) الوسائل ۱۲/۳۱۵، الباب ۲۸ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۱ (۱۴۳)
مستدرک الحاکم ۲/۱۲ کتاب البیوع (۱۴۴) .... (۱۴۵) الوسائل ۱۲/۳۲۱، الباب ۳۲ من ابواب آداب
التجارۃ، حدیث ۱ (۱۴۶) الوسائل ۱۲/۳۲۱، الباب ۳۲ من ابواب آداب التجارۃ، حدیث ۲ (۱۴۷) المقنعہ/۹۶ (۱۴۸)
النھایۃ للشیخ/۳۷۴ (۱۴۹) المبسوط ۲/۱۹۵ (۱۵۰) الکافی لابی الصلاح/۳۶۰ (۱۵۱) الجوامع الفقھیہ/۵۴۷ (۱۵۲)
السرائر/۲۱۲ (۱۵۳) الشرائع ۲/۲۱ (۱۵۴) المختصر النافع/۱۲۰ (۱۵۵) القواعد ۱/۱۲۲ (۱۵۶) الدروس/۳۳۲، کتاب
المکاسب (۱۵۷) الحدائق ۱۸/۶۴ (۱۵۸) الجواہر ۲۲/۴۸۵ (۱۵۹) المکاسب/۲۱۳ (۱۶۰) الجواہر ۲۲/۴۸۵ (۱۶۱)

مفتاح الکرامۃ ج ۴. کتاب المتاجر/ ۱۰۹ (۱۶۲) النھایۃ للشیخ / ۳۷۴ (۱۶۳_۱۶۴) المبسوط ۲/۱۹۵ (۱۶۵) الجوامع
الفقھیہ/۵۲۸ (۱۶۶) الشرائع ۲/۲۱ (۱۶۷) المختصر النافع / ۱۲۰ (۱۶۸) القواعد ۱/۱۲۲ (۱۶۹) المقنعہ/۹۶ (۱۷۰)
الجوامع الفقھیہ / ۵۴۷ (۱۷۱) الدروس /۳۳۲. کتاب المکاسب (۱۷۲) مفتاح الکرامہ ج ۴. کتاب المتاجر /۱۰۹
(۱۷۳) المنتھی ۲/۱۰۰۷ (۱۷۴_۱۷۵) موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۳/۱۹۸. فی الاحتکار (۱۷۶) المنتھی ۲/۱۰۰۷ (۱۷۷)
الوسائل ۱۲/۳۱۶. الباب ۲۹ من ابواب آداب التجارۃ. حدیث ۱ (۱۷۸_۱۷۹) الوسائل ۱۲/۳۱۷. الباب ۳۰ من ابواب
آداب التجارۃ. حدیث ۱ _ الفقیہ ۳/۲۶۵. حدیث ۳۹۵۵ _ التوحید /۳۸۸. باب القضاء والقدر. حدیث ۳۳ (۱۸۰)
الوسائل ۱۲/۳۱۸. الباب ۳۰ من ابواب آداب التجارۃ. حدیث ۲ (۱۸۱) الوسائل ۱۲/۳۱۸. الباب ۳۰ من ابواب
آداب التجارۃ. حدیث ۳ (۱۸۲) الوسائل ۱۲/۳۱۸. الباب ۳۰ من ابواب آداب التجارۃ. حدیث ۴ (۱۸۳) الوسائل
۱۲/۳۱۸. الباب ۳۰ من ابواب آداب التجارۃ. حدیث ۵ (۱۸۴) الوسائل ۱۲/۳۱۸. الباب ۳۰ من ابواب آداب
التجارۃ. حدیث ۶ (۱۸۵_۱۸۶) سنن ابو داؤد ۲/۲۴۴. کتاب الاجارہ. باب فی التسعیر (۱۸۷) سنن ابن ماجہ ۲/۷۴۱.
کتاب التجارات. الباب ۲۷. حدیث ۲۲۰۰. مسند احمد ۳/۱۵۶ (۱۸۸) المصنف ۸/۲۰۵ باب ہل یسعر. حدیث ۱۴۸۹۷
(۱۸۹) سنن ابن ماجہ. ۲/۷۴۲. کتاب التجارات. الباب ۲۷. حدیث ۲۲۰۱ (۱۹۰) المصنف ۸/۲۰۵. باب ہل یسعر.
حدیث ۱۴۸۹۹ (۱۹۱) کتاب الخراج /۴۹ (۱۹۲) التوحید /۳۸۹ (۱۹۳) المسالک ۱/۱۷۷ (۱۹۴) الروضۃ البھیہ
۳/۲۹۹ (۱۹۵) الجواہر ۲۲/۴۸۶ (۱۹۶) الوسائل ۱۲/۳۱۱. الباب ۲۶ من ابواب آداب التجارۃ. حدیث ۱

گیارھویں فصل

امام اور اس کے عمال کے لئے تمام اموال کی وصولی و حفاظت. انہیں مقررہ مدات میں صرف کرنے. ان کی تقسیم میں عدل وانصاف اور مساوات کو ملحوظ رکھنے اور حقدار کو اس کا حق دینے نیز ان کے اموال ان سے زبردستی چھین لینے والے غاصبوں کو اس سے باز رکھنے کے وجوب کا بیان

۱۔ روضہ کافی میں صحیح سند کے ساتھ محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: جب حضرت علیؑ (ظاہری طور پر) خلیفہ و ولی امر بنائے گئے تو منبر پر گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا ـــ قسم بخدا کہ میں تمہارے مال فیٔ و غنیمت میں ایک درہم کی کمی نہ کروں گا جب تک یثرب میں میرے لئے کھجور کا گچھا قائم رہا پس تمہارے نفس تم سے سچی بات کریں اور اس پر ایمان رکھیں. کیا تم سمجھتے ہو کہ میں خود کو روک کر تمہیں دوں گا؟ راوی کہتا ہے کہ اس وقت عقیل اٹھے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا ـــ بخدا کہ مدینہ میں آپ مجھے اور ایک حبشی غلام کو برابر قرار دیتے ہیں. آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ آیا یہاں تمہارے علاوہ کوئی آدمی نہ تھا جو بات کرتا؟ ہاں تمہیں کسی سابقہ کارنامے یا تقویٰ کے بغیر اس پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ (۱)

۲۔ اسی کتاب میں ہے کہ امیر المومنینؑ نے خطبہ دیا پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا: اے لوگو! حضرت آدمؑ کے ہاں کوئی غلام و کنیز پیدا نہیں ہوئی اور لوگ سب کے سب آزاد ہیں لیکن خدا نے تم میں سے بعض کو بعض کا مالک بنایا ہے پس جس کسی کو آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے خیر و بھلائی میں صبر کیا تو وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہ جتلائے. یاد رکھو کہ کچھ مال آیا ہے اور ہم اس میں سیاہ و سرخ کو برابر قرار دیں گے. تب مروان نے طلحہ و زبیر سے کہا اس سے ان کی مراد تم دونوں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے. راوی کا کہنا ہے کہ آپ نے ان تینوں میں سے ہر ایک کو تین تین دینار دیئے اور بعد میں ایک سیاہ فام غلام آیا تو آپ نے اسے بھی تین دینار دیئے. اس پر ایک انصاری نے کہا یا امیر المومنینؑ! یہ ایک غلام ہے جسے میں نے کل ہی آزاد کیا ہے اور آپ اسے اور مجھے برابر قرار دے رہے ہیں. آپ نے فرمایا میں نے اللہ کی کتاب دیکھی ہے پس میں نے اسحاقؑ کی اولاد پر اسماعیلؑ کی اولاد کی کوئی فضیلت نہیں پائی۔ (۲)

۳۔ فروع کافی میں مرسل سند کے ساتھ ابو مخنف ازدی سے مروی ہے کہ اس نے کہا. شیعوں کا ایک گروہ امیر المومنینؑ کی بارگاہ میں آیا اور انہوں نے عرض کیا یا امیر المومنینؑ! اگر آپ یہ مال و زر نکال کر ان شیوخ اور سرداروں میں تقسیم کرتے اور ان کو ہم پر بڑائی دیتے یہاں تک کہ امور حکومت پختہ ہو جاتے. تب آپ اس افضل طریقے کی طرف لوٹ آتے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو عادی بنایا ہے جو برابر تقسیم اور رعایا میں عدل وانصاف سے عبارت ہے. آپ نے فرمایا وائے ہو تم پر ـــ کیا تم مجھے مسلمانوں میں ان لوگوں پر ظلم و جور کرنے کا مشورہ دیتے ہو جن کا میں والی و حاکم بنا ہوں اور اس ظلم کے ذریعے مدد و نصرت طلب کروں؟ نہیں ـــ قسم بخدا کہ ایسا نہیں ہو گا جب تک قصہ گو قصہ سناتا رہے گا اور جب تک میں آسمان پر ستارہ

دیکھتا رہوں گا. خدا کی قسم! اگر یہ اموال میری ذاتی ملکیت میں ہوتے تو بھی یہ ان میں برابر تقسیم کرتا. پھر یہ اموال ان میں کیوں نہ مساوی طور پر تقسیم کروں جبکہ یہ خود انہی کے اموال ہیں. راوی کہتا ہے اس کے بعد آپ بڑی دیر تک خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ تم میں سے جس کے پاس مال ہو وہ فتنے سے بچے کیونکہ یہ کسی کو بغیر حق کے دینا اسراف و فضول خرچی ہے. وہ اپنے مالک کا ذکر لوگوں میں بلند کرتا ہے لیکن خدا کے ہاں اسے پست کرتا ہے اور کوئی شخص اپنا مال غلط جگہ اور نااہل آدمی کے ہاتھ پر نہیں رکھتا مگر یہ کہ خدا اسے ان کے شکریئے سے محروم کر دیتا ہے اور وہ اس کے علاوہ دوسروں سے محبت و مودت کرتے ہیں. پس اگر ان میں سے کوئی ایسا رہ جائے جو اس سے شکریئے کا اظہار کرتا ہے اور اسے اپنا خلوص دکھاتا ہے تو وہ چاپلوسی اور جھوٹی خوشامد ہے. پھر اگر ان کے اس ساتھی کے حالات خراب ہو جائیں اور وہ ان میں کسی سے اپنے احسان کے بدلے اور اعانت کا محتاج ہو تو وہ زیادہ ملامت کرنے والا اور برا ساتھی ہو گا. کوئی شخص اپنا مال غلط جگہ اور نااہل آدمی کے پاس نہیں رکھتا مگر یہ کہ اس میں اس کا حصہ کمینوں اور بروں کی طرف سے مدح و تعریف کے سوا کچھ نہ ہو گا اور وہ بھی اس وقت تک کہ وہ ان کو دیتا دلاتا رہے. ہاں جاہل کی زبان اسے کتنا بڑا سخی بنا دیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بخیل ہے پس کون سا حصہ اس سے زیادہ باعث ہلاکت ہے؟ اور کس اچھائی کا فائدہ اس اچھائی سے کم ہے. ہاں تم میں سے جس کے پاس کوئی مال ہو وہ اپنے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرے. اس مال سے اچھی مہمانی کرے اور جو ساتھی کسی تنگی میں ہے اسے آزاد کرائے اور مسافروں کی مدد کرے کیونکہ ان عادات و اطوار کا حامل ہونا دنیا و آخرت میں کرامت کا باعث ہے۔ (۳)

صدر روایت کافی سے الوسائل میں مروی ہے اور السرائر سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (۴)

۴۔ الغارات میں اس کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ اصحاب میں سے ایک گروہ امیر المومنینؑ کے پاس آیا اور عرض کیا یاامیر المومنینؑ! یہ مال عرب اور قریش کے ان سرداروں کو عطا کریں اور انہیں بھی جن کے بھاگ جانے کا خوف ہے پس ان لوگوں کو اہل عجم اور موالیوں پر فضیلت دیں. راوی کا کہنا ہے کہ ان لوگوں نے آپ سے یہ باتیں اس لئے کیں کہ معاویہ اپنے پاس آنے والوں سے یہی برتاؤ کرتا تھا. تب امیر المومنینؑ نے ان سے فرمایا کہ آیا تم مجھے یہ مشورہ دیتے ہو کہ میں ظلم و جور کے وسیلے سے ان کی مدد و نصرت حاصل کروں...... تا آخر۔ (۵)

نیز اسی کتاب میں ایک اور روایت بھی ہوئی ہے جو کافی کی روایت کے قریب تر ہے۔

اس کے علاوہ الوسائل میں امالی ابن الشیخ سے اور مستدرک میں امالی مفید سے اسی طرح کی روایت نقل ہوئی ہے۔ (۷)

۵۔ نہج البلاغہ میں ہے: جب مال کی تقسیم میں برابری کا اصول برتنے پر کچھ لوگ بگڑے تو آپ نے یہ کلام ارشاد فرمایا: کیا تم مجھ پر یہ امر عائد کرنا چاہتے ہو کہ میں جن لوگوں کا حاکم ہوں ان پر ظلم و زیادتی کر کے کچھ لوگوں کی امداد حاصل کروں؟ پس قسم بخدا کہ جب تک دنیا کا قصہ چلتا رہے گا اور کچھ ستارے دوسرے ستاروں کی طرف جھکتے رہیں گے میں اس کام کے قریب بھی نہیں پھٹکوں گا. اگر یہ میرا اپنا مال ہوتا تو بھی میں اس کو سب میں برابر تقسیم کرتا اور پھر یہ تو اللہ تعالیٰ کا مال ہے. دیکھو بغیر کسی حق کے داد و دہش کرنا بے اعتدالی اور فضول خرچی ہے اور یہ فضول خرچ کرنے والے کو دنیا میں تو بلند کر دیتی ہے

لیکن آخرت میں پست کرتی ہے ـــــ لوگوں کے درمیان تو عزت میں اضافہ کرتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل کرتی ہے. جو بھی شخص بغیر حق کے یا نااہل افراد کو مال دے گا اللہ تعالیٰ اسے ان کے شکریئے سے محروم ہی رکھے گا اور ان کی طرف سے دوستی و محبت بھی دوسروں کے حصے میں آئے گی اور اگر کسی دن اس کے پیر پھسل جائیں یعنی فقر و فاقہ اسے آگھیرے اور وہ ان کی امداد کا محتاج ہو تو وہ اس کے لئے بہت برے ساتھی اور کمینے دوست ثابت ہوں گے۔ (۸)

شرح نہج البلاغہ میں اس خطبہ کی شرح کے ذیل میں ہے. اور معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ایک فقہی مسئلہ ہے اور اس میں حضرت علیؑ و حضرت ابو بکر کی رائے ایک جیسی ہے کہ مال فئ و صدقات کی تقسیم مسلمانوں میں مساوی و برابر کی جائے اور شافعی کی رائے بھی یہی ہے. لیکن جب حضرت عمر والئی خلافت بنے تو انہوں نے اس میں بعض کو بعض پر فضیلت دی پس سابقین کو دوسروں پر اور قریش میں سے مہاجرین کو دوسرے مہاجرین پر، سب مہاجرین کو انصار پر، عربوں کو عجمیوں پر اور ہر آزاد کو آزاد شدہ پر فضیلت و ترجیح دی. بلکہ انہوں نے حضرت ابو بکر کی خلافت میں ان کو بھی یہ مشورہ دیا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی اور اس نے کہا ہے کہ صدقات سب فقراء و مساکین کے لئے ہیں. گویا ایک گروہ کو چھوڑ کر دوسرے کو مخصوص نہیں کیا. تاہم جب خلافت حضرت عمر تک پہنچی تو انہوں نے اس طریقہ پر عمل کیا جس کا پہلے مشورہ دے چکے تھے. بہت سے فقہاء اسی رائے کے حامی ہیں اور یہ مسئلہ اجتہاد کے تحت ہے یعنی امام کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس میں اپنے اجتہاد پر عمل کرے. اگرچہ ہمارے نزدیک اس میں حضرت علیؑ کی اتباع کرنا اولیٰ ہے خصوصاً جب حضرت ابو بکر کی موافقت نے اس مسئلہ میں ان کی تقویت کی اور ان کی بات کو محکم کیا نیز اگر یہ خبر صحیح ہو کہ حضرت رسولؐ نے مساوی تقسیم کی تھی تو پھر یہ مسئلہ منصوص قرار پاتا ہے کیونکہ آپ کا فعل آپ کے قول کے مانند ہے۔ (۹)

ابن ابی الحدید کا کلام ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں ـــــ مخفی نہیں کہ برابری اور ترجیح میں وہ عطایا زیر بحث ہیں جو مؤلفتہ القلوب کے علاوہ دوسروں کو ان کی شخصی حاجات کے لئے دیئے جاتے تھے. واضح ہے کہ ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں کہ جو انہوں نے ذکر کیا مثل سیاہ کو سرخ پر یا عرب کو عجم پر یا اس قسم کی دوسری ترجیحات ہیں بلکہ سابقہ کارنامے. فضائل علمی اور اللہ تعالیٰ سے قربتیں بھی ان عطایا میں ترجیح کا موجب نہیں جن میں ضروریات زندگی پوری کرنا مقصود ہے. یہ فضائل ان لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے مابین تعلق کے مظہر ہیں اور عطایا میں ان کا کوئی دخل نہیں ہے. چنانچہ آگے بیان ہو گا کہ ان میں ترجیح کی وجہ کسی کی حاجت اور اس کے اہل و عیال کی کثرت ہی ہو سکتی ہے۔

باقی رہا افراد کو کسی کام پر لگانا اور خاص امور کے لئے انہیں اجیر بنانا تو وہ معاشرے میں اس کام کی اہمیت کے تابع ہے اور مختلف کاموں. کاریگروں اور ماہروں کی اجرت و معاوضہ ملکوں اور زمانوں کے لحاظ سے معین ہوتا ہے جیسا کہ واضح ہے. پس اس بارے میں لازم ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے تاکہ تمام امور منظم ہو جائیں۔

۶۔ الوسائل میں شیخ سے ان کی سند کے ساتھ حفص بن غیاث سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبد اللہؑ کو یہ فرماتے سنا. جبکہ آپ سے بیت المال کی تقسیم کے بارے میں پوچھا گیا پس فرمایا: مسلمان اسلام کے فرزند ہیں. میں عطاء میں ان کے درمیان

مساوات رکھوں گا. رہے ان کے فضائل تو وہ ان کا اور ان کے خدا کا معاملہ ہے لہٰذا میں انہیں ایک مرد کے بیٹوں کی طرح دیکھوں گا کہ ان میں سے کسی کے فضل و کمال کی بناء پر میراث میں اسے دوسرے کمزور و ناقص پر فضیلت نہیں دوں گا. پھر فرمایا حضرت رسول ؐ کا ابتداء سے یہی طرز عمل تھا لیکن ہمارے مقابل نے کہا ہے کہ میں اس چیز کے باعث عطایا میں ان کو ترجیح دوں گا جو خدا نے فضیلت میں سے ان کو دی ہے یعنی اسلام میں ان کے سابقہ کارناموں کا لحاظ کروں گا کیونکہ یہ عطایا انہیں اسلام کی وجہ سے ملے ہیں پس میں انہیں میراث پانے والوں کے مانند قرار دوں گا کہ جن میں بعض زیادہ قریب ہیں اور ان کا حصہ دور والوں سے زیادہ ہے کہ وہ اپنے اتصال رحمی کے باعث وارث ہوئے ہیں چنانچہ حضرت عمر ایسا ہی کرتے تھے۔ (۱۰)

۷۔ نہج البلاغہ میں امیرالمومنین ؑ کا کلام ہے جو آپ ؑ نے عبداللہ بن زمعہ سے کیا. وہ آپ کی جماعت میں شمار ہوتا تھا آپ کے زمانہ خلافت میں طلب مال کے لئے حاضر خدمت ہوا تو اس سے فرمایا: یہ مال نہ میرا ہے نہ تمہارا بلکہ اس پر مسلمانوں کا مشترکہ حق ہے اور یہ ان کی تلواروں سے حاصل شدہ سرمایہ ہے. اگر جنگ میں تم ان کے ساتھ ہوتے تو اس میں تمہارا حصہ بھی ان کے برابر ہوتا ورنہ ان کے ہاتھوں کی کمائی دوسروں کے منہ کا نوالہ بننے کے لئے نہیں ہے۔ (۱۱)

۸۔ نیز اسی کتاب میں زیاد بن ابیہ کے نام آپ کا خط ہے جبکہ عبداللہ بن عباس بصرہ و اہواز اور فارس و کرمان کے حاکم تھے اور وہ بصرہ میں ان کا نائب تھا. آپ نے اسے تحریر فرمایا: میں خدا کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مجھے یہ پتہ چل گیا کہ تم نے مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتے ہوئے کسی چھوٹی بڑی چیز میں کوئی ہیر پھیر کیا ہے تو یاد رکھو کہ میں تمہیں وہ مار ماروں گا جو تمہیں تہی دست. بوجھل پیٹھ والا اور بے آبرو کر کے رکھ دی گی. والسلام۔ (۱۲)

۹۔ اسی کتاب میں مصقلہ بن ہبیرہ کے نام آپ کا خط ہے جو اردشیر خرہ میں حاکم تھا. آپ نے اسے تحریر فرمایا: مجھے تمہارے متعلق ایک ایسے امر کی اطلاع ملی ہے جو اگر تم نے کیا ہے تو اپنے خدا کو ناراض کیا اور اپنے امام کو غضبناک کیا. وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس مال غنیمت کو جسے ان کے نیزوں (کی انیوں) اور گھوڑوں (کی ٹاپوں) نے جمع کیا اور جس پر ان کے خون بہائے گئے تھے. اس کو تم اپنے قبیلے کے بدوؤں میں بانٹ رہے ہو جو تمہارے ہوا خواہ ہیں ــــ اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور جاندار چیزوں کو پیدا کیا ہے. اگر یہ معاملہ صحیح ثابت ہوا تو تم میری نظروں میں ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا پلڑا ہلکا ہو جائے گا. تم اپنے پروردگار کے حق کو سبک نہ سمجھو اور دین کو بگاڑ کر اپنی دنیا نہ بناؤ ورنہ عمل کے اعتبار سے خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگے. دیکھو! وہ مسلمان جو میرے اور تمہارے آس پاس ہیں وہ اس مال کی تقسیم میں برابر کے حصہ دار ہیں. اسی اصول کی بناء پر وہ میرے پاس آتے ہیں اور اپنا حصہ لے کر چلے جاتے ہیں۔ (۱۳)

۱۰۔ اسی کتاب میں ایک اور عامل کے نام خط میں ہے: مجھے تمہارے متعلق ایسے فعل کی خبر ملی ہے کہ اگر تم اس کے مرتکب ہوئے ہو تو تم نے اپنے رب کو ناخوش کیا. اپنے امام کی نافرمانی کی اور اپنی امانتداری کو بھی داغ لگایا. مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے بیت المال کی زمین کو صفاچٹ میدان بنا دیا اور جو کچھ تمہارے پاؤں تلے تھا اس پر قبضہ جمالیا ہے جو تمہارے ہاتھوں میں تھا اسے ہڑپ کر لیا ہے. ہاں تم ذرا اپنا حساب مجھے بھیج دو اور یقین رکھو کہ انسانوں کی حساب فہمی سے خدا کا حساب کہیں

زیادہ سخت ہوگا. والسلام۔ (۱۴)

شائد اس خط میں ابن عباس ہی مخاطب ہیں جیسا کہ اگلے خط میں اس کا بیان آیا ہے۔

۱۱۔ اسی کتاب میں ایک عامل کے نام آپ کے خط میں ہے. امابعد ـــ میں نے تمہیں اپنی امانت میں شریک کیا اور تمہیں اپنا خاص الخاص آدمی قرار دیا تھا. ہمدردی. مددگاری اور امانتداری کے لحاظ سے میرے قبیلہ میں تم سے بڑھ کر میرے بھروسے کا کوئی آدمی نہ تھا. لیکن جب تم نے دیکھا کہ زمانہ تمہارے چچازاد بھائی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے. دشمن بپھرا ہوا ہے. امانتیں لٹ رہی ہیں اور امت بے راہ. منتشر اور پراگندہ ہوچکی ہے تو تم نے بھی اپنے ابن عم سے منہ موڑ لیا ہے اور ساتھ چھوڑنے والوں کے ساتھ ہی تم نے بھی ساتھ چھوڑ دیا اور خیانت کرنے والوں میں شامل ہوکر تم بھی خائن ہوگئے. اس میں نہ تم نے اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ ہمدردی کا خیال کیا نہ ہی امانتداری کا احساس کیا. گویا اپنے جہاد میں تمہارا مدعا خدائے تعالیٰ کی رضامندی نہ تھا اور گویا تم اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی روشن دلیل نہ رکھتے تھے اور اس امت کے ساتھ اس کی دنیا بٹورنے کے لئے چال چل رہے تھے اور اس کا مال لینے کے لئے غفلت کا موقع تاک رہے تھے. چنانچہ جب تمہیں امت کے مال میں بھرپور خیانت کرنے کا موقع ملا تو جھٹ سے دھاوا بول دیا اور جلدی سے کود پڑے. پھر اس مال پر جو بیواؤں اور یتیموں کے لئے محفوظ رکھا گیا تھا جہاں تک ہوسکا جھپٹ پڑے کہ جس طرح پھرتیلا بھیڑیا زخمی اور لاچار بکری کو اچک لیتا ہے. تم نے خوشی خوشی اس مال کو حجاز روانہ کردیا اور اسے لے جانے میں گناہ کا احساس تمہارے سدِ راہ نہ ہوا. خدا تمہارے دشمنوں کا برا کرے گویا یہ تمہارے ماں باپ کا ترکہ تھا جسے لے کر تم نے اپنے گھر والوں کی طرف روانہ کیا ـــ اللہ اکبر! کیا تمہارا قیامت پر ایمان نہیں؟ کتاب اعمال کی چھان بین کا ذرا بھی ڈر نہیں؟ اے وہ شخص جسے ہم ہوشمندوں میں شمار کرتے تھے. کھانا پینا کیونکر تمہیں خوشگوار معلوم ہوتا ہے جس کے متعلق جانتے ہو کہ حرام کھا رہے ہو اور حرام پی رہے ہو. تم ان یتیموں. مسکینوں. مومنوں اور مجاہدوں کے مال سے کنیزیں خریدتے اور بیاہ رچاتے ہو جسے اللہ نے ان کا حق قرار دیا تھا اور ان کے ذریعے شہروں کی حفاظت کی تھی. اب اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں کا مال انہیں واپس کرو. اگر تم نے ایسا نہ کیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے تم پر قابو دے دیا تو میں اپنے آپ کو تمہارے بارے میں اس کے سامنے سرخرو کروں گا اور اپنی اس تلوار سے تمہیں ضرب لگاؤں گا کہ اس کا وار میں نے جس پر بھی کیا وہ سیدھا دوزخ میں گیا. خدا کی قسم! اگر حسنؑ و حسینؑ بھی وہ کرتے جو تم نے کیا ہے تو میں ان سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا اور نہ وہ مجھ سے اپنی کوئی تمنا پوری کراسکتے یہاں تک کہ میں ان سے حق وصول کرلیتا اور ان کے ظلم سے پیدا ہونے والے غلط نتائج کو مٹا دیتا میں رب العالمین کی قسم کھاتا ہوں کہ میرے لئے یہ کوئی دل خوش کن بات نہ تھی کہ وہ مال جو تم نے ہتھیا لیا ہے وہ میرے لئے حلال ہوتا اور میں اسے بعد والوں کے لئے بطور ترکہ چھوڑ جاتا. ذرا سنبھلو اور سمجھو کہ تم عمر کی آخری حد تک پہنچ چکے ہو. مٹی کے نیچے رکھ دیئے گئے ہو اور تمہارے تمام اعمال تمہارے سامنے پیش ہیں کہ جہاں ہر ظالم واحسرتا کی صدا بلند کرتا ہوگا اور اپنی عمر کو برباد کرنے والے دنیا کی طرف پلٹنے کی آرزو کرتے ہوں گے حالانکہ اب گریز کا کوئی موقع نہ ہوگا۔ (۱۵)

اسی طرح آنجنابؑ نے اشعث بن قیس عامل آذربائیجان کے نام خط لکھا: یہ عہدہ تمہارے لئے معیشت کا ذریعہ نہیں بلکہ

وہ تمہاری گردن میں ایک امانت کا پھندا ہے۔ (۱۶)

اس کے بعد ان دونوں خطوط کے مخاطب اشخاص کے بارے میں کچھ گفتگو کی ہے. چونکہ موضوع کتاب سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا لہٰذا اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ (مترجم)

۱۲۔ نہج البلاغہ ہی میں ہے: خدا کی قسم! سعدان کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنا اور طوق و زنجیر میں جکڑ کر گھسیٹے جانا مجھے کہیں زیادہ پسند ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے کسی بندے پر ظلم کیا ہو یا مال دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو. میں اس نفس کی خاطر کیونکر کسی پر ظلم کر سکتا ہوں جو جلد ہی فنا کی طرف پلٹنے والا اور مدتوں مٹی کے نیچے پڑا رہنے والا ہے.

بخدا کہ میں نے اپنے بھائی (عقیل) کو سخت فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا یہاں تک کہ وہ تمہارے (حصہ کے) گیہوں میں سے ایک صاع مجھ سے مانگتے تھے. میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے اور فقر و بے نوائی سے رنگ سیاہی مائل ہو چکے تھے گویا ان کے چہرے نیل چھڑک کر سیاہ کر دیئے گئے تھے. وہ (عقیل) میرے پاس آئے اور اس بات کو بار بار دہرایا ___ میں نے ان کی باتیں کان دھر کے سنیں تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ میں اپنا دین ان کے ہاتھ بیچ ڈالوں گا اور اپنی روش چھوڑ کر ان کی کھینچ تان پر ان کے پیچھے ہو جاؤں گا. مگر میں نے یہ کیا کہ لوہے کے ایک ٹکڑے کو تپایا اور اسے ان کے جسم کے قریب لے گیا تاکہ وہ عبرت حاصل کریں. چنانچہ وہ اس طرح چیخے جس طرح کوئی بیمار درد و کرب سے چیختا ہے اور قریب تھا کہ ان کا بدن اس لوہے کے ٹکڑے کا داغ دینے سے جل جائے. تب میں نے کہا اے عقیل! رونے والیاں تم پر روئیں کیا تم اس لوہے کے ٹکڑے سے چیخ اٹھے ہو جسے ایک انسان نے ہنسی مذاق میں (جلانے کی نیت کے بغیر) تپایا ہے اور مجھے تم اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے. تم تو یہاں اتنی سی اذیت پر چیخو اور میں دوزخ کے شعلوں سے ڈر کر نہ چلاؤں؟

اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص رات کے وقت بند منہ کے برتن میں شہد ڈال کر بنایا ہوا حلوہ لے کر ہمارے گھر آیا اور مجھے اس سے ایسی نفرت تھی جیسے وہ سانپ کے لعاب دہن یا اس کی قے سے بنایا گیا ہو. میں نے اس شخص سے پوچھا کہ یہ تحفہ ہے یا زکات یا صدقہ کہ جو ہم اہل بیتؑ پر حرام ہے؟ اس نے کہا کہ یہ نہ زکات ہے نہ صدقہ بلکہ تحفہ ہے. میں نے اس سے کہا پسر مردہ عورتیں تجھ پر روئیں ___ کیا تو دین کی راہ سے مجھے فریب دینے آیا ہے اور کیا تو بہک گیا ہے یا دیوانہ ہو گیا ہے یا یونہی ہذیان میں باتیں کر رہا ہے؟ خدا کی قسم! اگر ان چیزوں سمیت جو آسمان کے نیچے ہیں مجھے ہفت اقلیم دے دیئے جائیں کہ خدا کی صرف اتنی معصیت کروں کہ چیونٹی کے منہ سے جو کا چھلکا چھین لوں تو ہرگز ایسا نہ کروں گا؟ یہ دنیا میرے نزدیک اس پتی سے بھی زیادہ بے قیمت ہے جسے ٹڈی منہ میں لئے ہوئے چبا رہی ہو. علیؑ کو فنا ہونے والی نعمتوں اور مٹ جانے والی لذتوں سے کیا واسطہ؟ ہم لوگ عقل کے خواب غفلت میں پڑ جانے اور لغزشوں اور برائیوں سے خدا کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ (۱۷)

میں کہتا ہوں ___ ہم نے یہ طویل خطبہ پورے کا پورا اس لئے نقل کیا کہ یہ ایسے امور پر مشتمل ہے جن کا ولایت و

حکومت پر فائز ہر شخص اور بیت المال و اموال عامہ پر مامور ہر آدمی کو مطالعہ کرنا. ان کالحاظ رکھنا. ان کو اپنا نصب العین قرار دینا اور ان سے عبرت حاصل کرنا چاہئے. شرح ابن ابی الحدید میں ہے کہ آپ کے ارشاد " بند منہ کے برتن میں شہد ڈال کر بنایا ہوا حلوہ لے کر " سے مراد یہ ہے کہ اشعث بن قیس نے ایک قسم کا حلوہ جسے اچھی طرح تیار کیا تھا بطور ہدیہ امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیا. لیکن آپ اشعث کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ وہ آپ سے بغض و عناد رکھتا تھا اور چونکہ اس نے گمان کیا کہ وہ اس صلح و سلوک سے امیر المومنین کو اپنی کسی دنیاوی غرض کے لئے ہموار کرلے گا جو اس کے دل میں پوشیدہ تھی. تاہم آپ اس چیز کو جانتے اور سمجھتے تھے لہٰذا آپ نے اشعث کا ہدیہ واپس کر دیا ــــ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ اس کا ہدیہ قبول کر لیتے کیونکہ نبی اکرم نے ہدیہ قبول فرمایا اور خود امیر المومنین نے بھی اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ہدیئے قبول کئے تھے جیسا کہ آپ کو اس شخص نے حلوے کی ضیافت دی جس سے آپ کو انس تھا. آپ نے ان لوگوں کے ساتھ حلوہ تناول فرمایا پھر پوچھا کہ یہ کس لئے بنایا گیا ہے؟ اس نے بتایا میں نے حلوہ اس لئے تیار کروایا کہ آج نوروز ہے. اس پر آپ مسکرائے اور کہا اگر تم میں استطاعت ہو تو ہمارے لئے ہر دن کو نوروز بنادو۔ (۱۸)

۱۳۔ شرح ابن ابی الحدید میں ہے: معاویہ نے عقیل سے لوہے کے گرم کئے گئے ٹکڑے کے بارے میں پوچھا تو وہ رو دیئے اور کہا پہلے میں تجھے ایک بات سناتا ہوں پھر وہ بیان کروں گا جو تم نے پوچھا ہے. پس عقیل نے ایک طویل واقعہ سنایا جو بڑا عبرتناک تھا جسے سن کر معاویہ نے کہا تو نے اس کا ذکر کیا ہے جس کی فضیلت کا انکار نہیں کیا جاسکتا. خدا کی رحمت نازل ہو ابو الحسن پر کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں سے گوئے سبقت لے گئے اور بعد والوں کو عاجز کر گئے ــــ ہاں اب وہ لوہے کے ٹکڑے والی بات سناؤ. تب عقیل نے کہا کہ میں محتاج و نادار ہو گیا اور میرے ہاں سخت بھوک کا دور دورہ تھا پس میں نے آنجناب سے سوال کیا مگر آپ کا دل نہ پسیجا اور پھر میں نے اپنے بچوں کو جمع کیا اور انہیں ان کے سامنے لے گیا جبکہ بھوک اور تنگی کے آثار ان کے چہروں سے عیاں تھے. آپ نے فرمایا تم شام کو میرے پاس آجانا تاکہ میں تمہیں کچھ دوں. چنانچہ میں ان کی خدمت میں آیا جبکہ میرا بیٹا مجھے کھینچ رہا تھا. آپ نے اسے دور ہٹ جانے کا حکم دیا اور مجھ سے فرمایا ذرا آگے آؤ پس میں حریص بن کر گرا کہ مجھ پر دیوانگی کا عالم تھا. میں گمان کرتا تھا یہ تھیلی ہے لہٰذا میں نے ہاتھ اس پر رکھا تو وہ لوہے کا ٹکڑا تھا جس سے آگ نکل رہی تھی میں نے اسے پکڑا تو فوراً چھوڑ دیا اور جلن کے باعث میں اس بیل کی طرح آواز نکالنے لگا جو قصاب کی چھری تلے ہوتا ہے. اس پر امیر المومنین نے مجھ سے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے ــــ یہ تو لوہے کا ایک ٹکڑا ہے جس کے لئے دنیا کی آگ روشن کی گئی ہے پس کل کو تیرا اور میرا کیا حال ہو گا جب ہمیں جہنم کی بیڑیوں میں جکڑا جائے ــــ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی "ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور بیڑیوں کے ساتھ انہیں گھسیٹا جائے گا" ۔ اس کے بعد فرمایا میرے پاس تیرے لئے اس کے سوا نہیں ہے جو اللہ نے فرض کیا. جو کچھ ہے وہ تو نے دیکھ لیا ہے ہاں اب اپنے گھر والوں کے پاس چلے جاؤ ــــ یہ سن کر معاویہ نے کہا یہ بہت مشکل مقام ہے اور علی ایسا شخص ہرگز ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا. زمانے کی عورتیں اس سے عاجز ہیں کہ علی جیسے فرد کو جنم دے سکیں۔ (۱۹)

۱۴۔ المناقب میں جمل انساب الاشراف سے منقول ہے: اور عقیل امیر المومنین کی خدمت میں آئے تو آپ نے امام حسن

سے فرمایا اپنے چچا کو لباس پہناؤ. امام حسنؑ نے انہیں اپنی قمیص پہنائی اور اپنی چادر اوڑھائی جب شام کا کھانا آیا تو وہ روٹی اور نمک پر مشتمل تھا عقیل نے کہا یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا تو کیا یہ اللہ کی نعمت نہیں ہے؟ پس اس کے لئے بہت ہی حمد و ثناء ہے. تب عقیل نے کہا مجھے اتنا دیجئے کہ جس سے اپنا قرض ادا کروں. میری روانگی کے لئے جلدی کیجئے تاکہ میں آپ کے ہاں سے کوچ کر جاؤں. آپ نے فرمایا تمہارا قرض کتنا ہے؟ عقیل نے کہا وہ ایک لاکھ درہم ہے. آپ نے فرمایا خدا کی قسم کہ اتنا میرے پاس نہیں ہے اور نہ میں اتنے مال کا مالک ہوں. لیکن صبر کرو یہاں تک کہ عطایا میں میرا حصہ مل جائے تو اس میں سے بطور ایثار تمہیں دے دوں گا اور اگر اہل و عیال کے لئے مجھے اس کی ضرورت نہ ہوتی تو میں سارے کا سارا تمہیں دے دیتا. عقیل نے کہا بیت المال آپ کے اختیار میں ہے اور آپ مجھے عطایا میں اپنے حصے کا انتظار کراتے ہیں اور آپ کا حصہ ہے ہی کتنا اور اس سے کیا بنے گا...... اگرچہ آپ وہ سارا ہی مجھے دے دیں؟ آپ نے فرمایا بیت المال میں میری اور تمہاری حیثیت بس ایک مرد مسلمان کے برابر ہے. دونوں بھائیوں کی یہ گفتگو قصر امارہ کے اوپر بیٹھ کر ہو رہی تھی اور وہ بازار والوں کے صندوقوں کو دیکھ سکتے تھے. امیر المومنینؑ نے عقیل سے کہا کہ جو میں کہہ رہا ہوں اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو بازار میں اتر جاؤ اور ان میں سے کچھ صندوقوں کے تالے توڑ کر جو کچھ ان میں ہے وہ لے لو. عقیل نے کہا ان میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان میں تاجروں کا مال و اسباب ہے. عقیل نے کہا کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ ان لوگوں کے صندوقوں کے تالے توڑوں جو اللہ پر توکل کر کے اپنا مال ان میں رکھ گئے ہیں امیر المومنینؑ نے فرمایا تو کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ مسلمانوں کے بیت المال کو کھول کر ان کے اموال تمہیں دے دوں جبکہ انہوں نے بھی اللہ پر توکل کر کے اس پر تالہ لگایا ہے؟ اگر چاہو تو تم اپنی تلوار اٹھاؤ اور میں اپنی تلوار اٹھالیتا ہوں اور ہم دونوں حیرہ چلتے ہیں جہاں بہت سے مالدار تاجر ہیں ہم ان میں سے بعض کے گھروں سے مال نکال لاتے ہیں. عقیل نے کہا کیا میں یہاں چور بن کر آیا ہوں؟ آپ نے فرمایا ایک آدمی کی چوری کرو تو وہ اس سے بہت کم ہے کہ تمام مسلمانوں کی چوری کرو. اس پر عقیل نے کہا آیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں معاویہ کے پاس چلا جاؤں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے تمہیں اس کی اجازت دے دی. عقیل نے کہا اب اس سفر میں میری مدد کیجئے. آپ نے امام حسنؑ سے فرمایا کہ اپنے چچا کو چار سو درہم دے دو...... تب وہ وہاں سے نکل پڑے اور کہہ رہے تھے "عنقریب وہ مجھے تونگر کر دے گا جس نے آپ کو مجھ سے بے نیاز کر دیا ہے اور ہمارا قرض وہ پروردگار ادا کر دے گا جو قریب ہے"

عمرو بن عاص (عمرو بن طلاء ــــ بحار) نے ذکر کیا ہے کہ جب عقیل نے امیر المومنینؑ سے بیت المال میں سے طلب مال کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جمعہ کے دن تک یہاں قیام کرو پس عقیل وہاں ٹھہرے رہے. جب امیر المومنینؑ نماز جمعہ پڑھا چکے تو عقیل سے فرمایا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو ان تمام لوگوں کے ساتھ خیانت کرے؟ عقیل نے کہا وہ بہت برا شخص ہو گا. آپ نے فرمایا لیکن تم تو مجھے حکم دیتے ہو کہ میں ان سب سے خیانت کرتے ہوئے تمہیں مال عطاء کروں" اسی کتاب سے بحار میں بھی روایت ہوئی ہے۔ (۲۰)

۱۵۔ اسی کتاب میں ہے: میں نے تذکرے کے طور پر سنا ہے کہ ایک رات امیر المومنینؑ بیت المال میں تشریف فرما تھے کہ عمرو بن عاص وہاں آیا. اس وقت آپ نے چراغ ٹھنڈا کر دیا اور چاند کے اجالے میں آبیٹھے گویا آپ نے اسے حلال نہ سمجھا کہ

بغیر حق کے اس چراغ کی روشنی میں بیٹھیں۔ (۲۱)

۱۶۔ تعلیقات احقاق الحق میں سے کتاب مناقب المرتضویہ میں ہے کہ راوی نے کہا: امیر المومنین ایک رات بیت المال میں تقسیم اموال کا حساب لکھ رہے تھے کہ طلحہ و زبیر وہاں آ گئے۔ اس وقت آپ نے وہ چراغ ٹھنڈا کر دیا جو آپ کے سامنے روشن تھا اور اپنے گھر سے دوسرا چراغ لانے کا حکم دیا۔ ان دونوں نے پوچھا تو فرمایا اس چراغ کا تیل بیت المال میں سے تھا لہٰذا مناسب نہیں کہ میں اس کی روشنی میں تم لوگوں سے گفتگو کروں۔ (۲۲)

۱۷۔ المناقب ہی میں تاریخ طبری و فضائل امیر المومنین ابن مردویہ سے منقول ہے: جب امیر المومنینؑ یمن سے پلٹے تو جو لشکر آپ کے ساتھ تھا اس پر ایک شخص کو حاکم بنایا اور خود جلدی سے نبی کریمؐ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کے جانے کے بعد اس شخص نے ان ملبوسات میں سے ایک ایک حلہ ہر آدمی کو پہنا دیا جو آپ یمن سے لا رہے تھے۔ پس جب لشکر قریب پہنچا تو حضرت علیؑ آگے نکلے تاکہ ان کے ساتھ ملیں اور انہیں لے کر آئیں۔ اچانک جو آپ کی نظر پڑی تو دیکھا کہ ہر شخص کے بدن پر ایک حلہ ہے پس آپ نے اس سے کہا تمہارے لئے ہلاکت ہو یہ کیا حرکت ہے؟ اس نے کہا میں نے ان کو یہ لباس اس لئے پہنا دیئے کہ جب لوگوں کے سامنے جائیں تو انہیں اچھے لگیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے لئے ہلاکت ہو تم نے یہ ملبوسات حضرت رسولؐ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے ہی تقسیم کر دیئے؟ راوی کا کہنا ہے کہ آپ نے لشکر والوں سے وہ حلے واپس لے کر بقایا سامان میں رکھ دیئے اس پر لشکر والوں نے آپ کے اس سلوک پر زبان شکایت کھولی۔ اس سلسلے میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت علیؑ کی شکایت کی تو نبی اکرمؐ خطبہ دینے کے لئے اٹھے اور فرمایا: اے لوگو! علیؑ کی شکایت نہ کرو پس قسم بخدا کہ وہ اللہ کی ذات کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ (۲۳)

۱۸۔ اسی کتاب میں ہے: ایک روایت میں ابو الہیثم بن تیہان اور عبداللہ بن ابو رافع سے وارد ہوا ہے کہ طلحہ و زبیر امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں نے کہا حضرت عمر ہمیں اس طرح نہیں دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں تو حضرت رسولؐ تمہیں کس طرح دیتے تھے؟ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کیا آنحضرتؐ مسلمانوں میں برابر کی تقسیم نہیں کرتے تھے؟ ان دونوں نے کہا جی ہاں برابر تقسیم کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے نزدیک رسول کریمؐ کی سنت اتباع کے لئے اولیٰ ہے یا حضرت عمر کی روش؟ ان دونوں نے کہا حضرت رسولؐ کی سنت زیادہ لائق اتباع ہے۔ لیکن یا امیر المومنینؑ! ہماری سبقت اور ہمارا تکلیف و زحمت اٹھانا نیز آنحضرتؐ سے ہماری قرابت ... آپ نے فرمایا تمہاری سبقت زیادہ قریب ہے یا میری سبقت؟ دونوں نے کہا آپ کی سبقت۔ آپ نے فرمایا تم دونوں کی قرابت یا میری قرابت؟ انہوں نے کہا آپ کی قرابت۔ آپ نے فرمایا تمہاری تکلیف و زحمت زیادہ ہے یا میری؟ انہوں نے کہا آپ کی تکلیف و زحمت زیادہ ہے۔ تب آپ نے کہا خدا کی قسم! اس معاملے میں میرا یہ اجیر اور میں ایک ہی درجے میں ہیں اس کے ساتھ آپ نے اپنے ہاتھ سے اجیر کی طرف اشارہ بھی کیا۔ (۲۴)

مستدرک میں دعائم الاسلام سے اسی طرح روایت ہوئی ہے اور مستدرک کے اس باب میں اور روایات بھی ہیں جو اس مقام سے مناسبت رکھتی ہیں۔ پس مراجعہ کریں۔ (۲۵)

۱۹۔ کنزالعمال میں حضرت علیؑ سے روایت ہوئی ہے کہ فرمایا: خلیفہ کے لئے اللہ کے مال میں سے حلال نہیں مگر دو پیالے ---- ایک وہ پیالہ جس سے وہ خود اور اس کے اہل و عیال کھائیں اور دوسرا وہ پیالہ جو وہ دوسروں کو کھلائے. کرحم۔ (۲۶)

۲۰۔ اسی کتاب میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسولؐ کو یہ فرماتے سنا! خلیفہ کے لئے اللہ کے مال میں سے حلال نہیں مگر دو پیالے ان میں ایک وہ خود اور اس کے عیال کھائیں اور دوسرا وہ لوگوں کے سامنے رکھے. کرحم۔ (۲۷)

یہ روایت ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں درج کی ہے پس مراجعہ کریں۔ (۲۸)

۲۱۔ تاریخ ابن عساکر میں اس کی سند کے ساتھ مجمع تیمی سے منقول ہے. حضرت علی بن ابی طالبؑ اپنی تلوار لئے ہوئے بازار میں آئے اور فرمایا: کون ہے جو مجھ سے میری یہ تلوار خریدتا ہے پس اگر میرے پاس چار درہم ہوتے جن سے میں تہبند خرید لیتا تو میں اسے فروخت نہ کرتا۔ (۲۹)

۲۲۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ سفیان سے روایت ہے کہ اس نے کہا: حضرت علیؑ نے اینٹ پر اینٹ، پتھر پر پتھر اور بانس پر بانس رکھ کر مکان نہیں بنایا اور آپ کا غلہ ایک تھیلے میں مدینہ سے آتا تھا۔ (۳۰)

۲۳۔ شیخ مفید کی کتاب الجمل میں ہے کہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے اپنے رجال سے روایت کی ہے کہ جب امیر المومنینؑ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو آپ اہل بصرہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے اہل بصرہ! تم مجھ پر کس چیز کا عیب لگاتے اور اس کو ناپسند کرتے ہو؟ آپ نے اپنی قمیص اور رداء کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا قسم بخدا یہ دونوں کپڑے میرے اہل خانہ کے کاتے ہوئے سوت سے بنے ہوئے ہیں. اے اہل بصرہ! مجھ پر کس چیز کا عیب لگاتے ہو اور آپ نے اس تھیلی کی طرف اشارہ کیا جو آپ کے ہاتھ میں تھی کہ جس میں آپ کی غذا و خوراک تھی. فرمایا بخدا اس میں نہیں مگر میرے مدینہ والے غلہ میں سے پس اگر میں تم میں سے اس کے علاوہ لے کر نکلوں جسے تم دیکھ رہے ہو تو اللہ کے ہاں خیانت کاروں میں سے ہوں گا۔ (۳۱)

۲۴۔ کتاب الغارات میں اس کی سند کے ساتھ بکر بن عیسیٰ سے. روایت ہے کہ حضرت علیؑ کہا کرتے. اے اہل کوفہ! جب تمہارے درمیان سے اپنے سامان و سواری اور اپنے غلام کے علاوہ کوئی چیز لئے ہوئے نکلوں تو خائن ہوں. آپ کا نان و نفقہ مدینہ میں چشمہ ینبع کے غلہ سے آتا تھا. آپ دوسرے لوگوں کو گوشت روٹی کھلاتے اور خود زیتون کے ساتھ روٹی کھاتے تھے. یہ روایت شرح ابن ابی الحدید میں بھی آئی ہے۔ (۳۲)

۲۵۔ الغارات ہی میں اس کی سند کے ساتھ حبیب بن ابو ثابت سے روایت ہے کہ عبداللہ بن جعفر طیار نے حضرت علیؑ سے کہا. یاامیرالمومنین! کاش آپ میرے لئے نفقہ کے اجراء کا حکم دیتے. خدا کی قسم! میرے پاس کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں اپنی بعض اونٹنیاں (یا بکریاں) بیچ دوں. آپ نے فرمایا: بخدا میں اپنے پاس تمہارے لئے کوئی چیز نہیں پاتا مگر یہ کہ تم اپنے چچا سے کہو کہ وہ چوری کر کے تمہیں دے۔

یہ روایت ابن ابی الحدید نے بھی بیان کی ہے مگر یہ کہ اس نے کہا "آپ نے فرمایا میں اپنا گھوڑا بیچ دوں"۔ (۳۳)

۲۶۔ الغارات میں ہی اس کی سند کے ساتھ ابو اسحاق ہمدانی سے روایت ہے: عطایا کی تقسیم کے وقت دو عورتیں حضرت علیؑ کے پاس آئیں کہ ان میں سے ایک عرب اور دوسری موالی میں سے تھی. آپ نے ان میں سے ہر ایک کو پچیس پچیس درہم اور ایک ایک کرّ گندم دی، عرب عورت کہنے لگی یا امیر المومنینؑ! میں عربوں میں سے ایک عورت ہوں اور یہ عجمیہ ہے حضرتؑ نے فرمایا خدا کی قسم! میں اس مال فئی میں بنی اسماعیل کے لئے بنی اسحاق پر کوئی فضیلت نہیں پاتا۔

الوسائل اور شرح ابن ابی الحدید میں بھی اسی طرح روایت ہوئی ہے۔ (۳۴)

۲۷۔ شرح ابن ابی الحدید میں ہے: علی بن محمد بن ابو یوسف مدائنی نے فضیل بن جعد سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا. امیر المومنینؑ کا ساتھ دینے میں عربوں کے ہٹ کر بیٹھ جانے کا سب سے اہم سبب مال تھا کیونکہ آپ کسی بڑے کو چھوٹے پر اور کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں دیتے تھے نیز آپ رؤساء و شیوخ سے وہ امتیازی سلوک نہیں کرتے تھے جو بادشاہ کیا کرتے ہیں نہ آپ کسی کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے تھے. جبکہ معاویہ کا طریقہ آپ کے برعکس تھا پس ان لوگوں نے حضرت علیؑ کو چھوڑ دیا اور معاویہ سے جاملے۔ (۳۵) اسے یاد رکھیں

۲۸۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ جب امیر المومنینؑ نے حضرت عثمان کی دی ہوئی جاگیریں لوگوں سے واپس لے لیں تو ارشاد فرمایا. قسم بخدا! اگر مجھے کہیں ایسا مال نظر آجاتا جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر صرف کیا جاچکا ہوتا تو میں وہ بھی واپس لے لیتا. کیونکہ عدل کے تقاضے پورے کرنے میں وسعت ہے اور جسے عدل میں تنگی محسوس ہو اسے ظلم میں زیادہ تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ (۳۶)

میں کہتا ہوں ـــــ شائد مقصود یہ ہے کہ عدل میں امام اور امتؐ دونوں کے لئے وسعت ہے کیونکہ لوگوں کے نفوس عدل کے جھنڈے تلے مطمئن ہو کر ضرور ہی اس عادل حکومت کے مطیع و فرمانبردار رہتے ہیں جو ان کے حقوق کی محافظ ہو نیز اس سے حاکم بھی وسعت و راحت پاتا ہے. باقی رہا حاکم کا ظلم و جور تو اس کے نتیجے میں قوم اس کے خلاف ہو جاتی ہے اور پھر اس کے مقابل انقلاب برپا کرتی ہے پس اس سے امام اور امت دونوں کا معاملہ تنگی و تکلیف تک پہنچ جاتا ہے. غور کریں۔

شرح ابن ابی الحدید میں ہے: قطائع وہ جاگیریں ہیں جو امام و حاکم بیت المال کی خراج والی زمین میں سے رعیت کے بعض افراد کو دیتا ہے. اس زمین سے خراج ساقط ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ برائے نام مالیہ لگ جاتا ہے. حضرت عثمان نے بنی امیہ اور اپنے ساتھیوں میں بہت سے لوگوں کو خراجی زمین میں سے ایسی جاگیریں دے رکھی تھیں. حلبی نے اس خطبہ کا ذکر کیا اور اس کی سند صالح تک ہے اور ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے مدینہ میں اپنی بیعت ہونے سے اگلے روز یہ خطبہ دیا اور فرمایا: آگاہ رہو کہ ہر وہ جاگیر جو عثمان نے کسی کو دی اور ہر وہ مال جو انہوں نے کسی کو دیا ہے وہ بیت المال میں داخل ہو گا کیونکہ کوئی چیز قدیم حق کو باطل نہیں کر سکتی. اگر میں کوئی ایسا مال دیکھتا کہ جس سے عورتوں کے ساتھ نکاح کیا گیا اور اسے مختلف شہروں میں تقسیم کر دیا گیا ہو تو بھی اسے اس کی جگہ پر پلٹا دوں گا کیونکہ عدل میں وسعت ہے اور جس پر حق کی صورت میں تنگی ہو تو اسے ظلم کی صورت میں زیادہ تنگی اٹھانا پڑے گی۔

کلینی نے کہا ہے. اس کے بعد امیر المومنینؑ نے حکم دیا کہ عثمان کے گھر میں جو ایسے ہتھیار ہیں جن سے انہوں نے

مسلمانوں پر قوت حاصل کی ہے وہ قبضے میں لے لئے جائیں. صدقے کے اونٹوں میں سے جو اونٹنیاں ان کے گھر میں ہیں وہ لے لی جائیں نیز ان کی تلوار اور زرہ لے آنے کا حکم دیا. یہ بھی فرمایا کہ وہ ہتھیار جن سے انہوں نے مسلمانوں سے جنگ نہیں کی وہ رہنے دیئے جائیں اور ان کے تمام اموال جو گھر میں یا گھر سے باہر ہیں وہ بھی چھوڑ دیئے جائیں. لیکن وہ اموال جو عثمان نے انعام واکرام کے طور پر دیئے تھے وہ اموال یا ان کے مالک مل جائیں تو انہیں لایا جائے۔ پس یہ خبر عمرو بن عاص کو پہنچی جو شام کے مقام ایلہ میں تھا اور وہ اس وقت سے یہاں آٹھہرا تھا جب لوگوں نے خلیفہ عثمان پر یورش کر دی تھی. اس نے معاویہ کو لکھا کہ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو کیونکہ ابو طالب کا بیٹا تجھ سے تمام مال و متاع اس طرح چھیل کر الگ کر دے گا جس طرح ڈنڈے سے اس کا چھلکا اتارا جاتا ہے۔ (۳۷)

۲۹۔ مسعودی نے مروج الذہب میں کہا ہے: حضرت علیؑ نے وہ تمام جاگیریں واپس لے لیں جو خلیفہ عثمان نے بعض لوگوں کو دی تھیں اور آپ نے بیت المال میں موجود سارا مال لوگوں میں تقسیم کر دیا اور اس میں کسی کو کسی پر فضیلت و ترجیح نہ دی۔ (۳۸)

۳۰۔ دعائم الاسلام میں ہے: ہمیں حضرت علیؑ کے بارے میں روایت پہنچی ہے کہ جب لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی تو خلیفہ عثمان کے گھر میں مسلمانوں کا جو مال اور ہتھیار تھے ان کو آپ کے حکم سے قبضے میں لے لیا گیا اور ان کا ذاتی مال و ترکہ ان کے وارثوں کے لئے رہنے دیا گیا۔ (۳۹)

۳۱۔ اسی کتاب میں ہے: حضرت علیؑ کے بارے میں ہم سے روایت کی گئی ہے کہ جب آپ کی بیعت ہو چکی تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ کہ ہر وہ جاگیر اور مال جو عثمان نے اللہ کے مال سے کسی کو دیا ہے وہ مسلمانوں کے لئے بیت المال میں داخل کر لیا جائے گا کیونکہ باطل کو حق نہیں لے جا سکتا. قسم ہے اس کی جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور جاندار چیزوں کو پیدا کیا. اگر میں نے ایسے اموال کو اس حالت میں دیکھا کہ ان سے عورتوں کا حق مہر دیا گیا اور اسے مختلف شہروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تو بھی میں اسے اس کے حقداروں کی طرف پلٹاؤں گا کیونکہ حق و عدل میں تمہارے لئے وسعت ہے اور جس کے لئے عدل میں تنگی ہے تو ظلم اس کے لئے زیادہ تنگی کا باعث ہے۔ (۴۰)

میں کہتا ہوں ...... اس حدیث اور اس سے ملتی جلتی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم اسلامی کے کندھے پر جن فرائض کا بوجھ ڈالا گیا ہے ان میں طاقتوروں سے کمزوروں کا حق دلانے کے علاوہ عمومی اموال میں سے جو کچھ غصب کیا گیا ہو اس کا واپس لینا بھی شامل ہے اور اسے مصادرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے. اس میں زیادہ مدت گزر جانا. مال کا ایک سے دوسرے ہاتھ میں چلا جانا اور اس کا مختلف شہروں میں تقسیم ہو جانا اس کی واپسی کے حق کو زائل نہیں کرتا مگر یہ کہ امام و حاکم جس کے پاس ایسا مال دیکھے تو اسے اس کا شرعی مصرف سمجھے اور اسے درست تصور کرے۔

اس مسئلے میں آپ اکثر لوگوں کو افراط و تفریط میں پائیں گے چنانچہ بعض اوقات یہ وہم و گمان کیا جاتا ہے کہ جو ہوا سو ہوا اور اب اس کو نہیں چھیڑنا چاہئے. کبھی یہ گمان کیا جاتا ہے کہ غاصب کا سختی سے مواخذہ کیا جانا چاہئے لہٰذا اس کے ان اموال میں بھی مصادرہ و بازگیری کا عمل کیا جائے جو اس کی ذاتی ملکیت اور اس کے لئے حلال ہیں. لیکن یہ دونوں باتیں یعنی غاصب کو چھوڑ دینا

اور اس کے ذاتی مال سے تعرض کرنا جائز و حلال نہیں ہیں بلکہ بیت المال کا مال بیت المال میں داخل کیا جائے اور اس کے شخصی مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا درست نہیں ہو گا. پس غور کریں۔

۳۲۔ امیر المومنین ؑ نے جو حکم اصطخر کے عامل منذر بن جارود کو دیا تھا احتمال ہے کہ وہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ آپ نے اسے لکھا. امابعد واقعہ یہ ہے کہ مجھے تمہارے باپ کی سلامت روی نے دھوکے میں ڈالا...... پس جب تم اپنی ہوا و ہوس کو نہیں چھوڑتے ...... جس وقت میرا یہ خط ملے تو میرے سامنے حاضر ہو جاؤ. والسلام

پس وہ آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اسے معزول کر دیا اور اس پر تیس ہزار کا تاوان لگایا۔ (۴۱)

مذکورہ بالا خط کچھ فرق کے ساتھ نہج البلاغہ میں بھی موجود ہے۔ (۴۲)

شائد ایک جستجو کرنے والا شخص اس بارے میں مزید روایات سے بھی آگاہ ہو. پس تحقیق کریں

خاتمہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں ہم ان باتوں کا ذکر بھی کریں جو خلیفہ عمر کے بارے میں نقل کی گئی ہیں. یہ نہج البلاغہ پر ابن ابی الحدید کی شرح سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ حضرت عمر کے پاس ایک وفد آیا جس میں مختلف علاقوں کے لوگوں کے نمائندے شامل تھے. پس آپ نے ان کے لئے اپنی عبا کا فرش بچھایا اور سخت قسم کا کھانا ان کے سامنے رکھا. تب آپ کی بیٹی ام المومنین بی بی حفصہ نے کہا کہ یہ لوگوں کے نمائندے اور عرب کے معزز افراد ہیں ان کی اچھی طرح خاطر مدارات کیجئے. حضرت عمر نے کہا اے حفصہ! مجھے بتاؤ اس سے زیادہ نرم کونسا فرش ہے جو تم نے حضرت رسول ؐ کے لئے بچھایا اور کونسا اچھا کھانا ہے جو آپ نے تمہارے ہاں کھایا تھا؟ بی بی نے جواب دیا کہ خیبر والے سال ہمیں ایک پیوند لگا کمبل مل گیا تھا آنحضرت ؐ کے لئے میں وہی کمبل بچھایا کرتی تھی اور آپ اس پر سوتے تھے. ایک رات میں نے (اس کے نیچے ایک اور بچھونا بچھا کر) اسے اونچا کر دیا جب صبح ہوئی تو آپ نے پوچھا. آج ہمارا بستر کیسا تھا؟ میں نے عرض کیا وہی جو ہر رات ہوتا ہے مگر آج رات میں نے اسے اونچا کر دیا تا کہ وہ آپ کے لئے زیادہ آرام دہ ہو. آپ نے فرمایا اسے اس کی پہلی حالت کی طرف پلٹا دو کیونکہ اس بستر کے ہموار و نرم ہونے نے مجھے آج رات کی نماز (قیام لیل) سے روک دیا ہے۔

ہمارے پاس جو کا ایک صاع ان چھنا آٹا تھا. ایک دن میں نے اسے چھان کر آنحضرت ؐ کے لئے روٹی پکائی اور ہمارے ہاں ایک پیالے میں گھی تھا وہ میں نے اس پر ڈال دیا. آپ وہ روٹی کھا ہی رہے تھے کہ اچانک ابو درداء آئے اور کہنے لگے میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے ہاں گھی بہت کم ہے ہمارے گھر گھی کا ایک پیالہ ہے. آنحضرت ؐ نے فرمایا وہ لے آؤ پس وہ لے آئے اور اس جو کی روٹی پر ڈال دیا اور آپ نے کھایا. پس یہ عمدہ کھانا تھا جو رسول کریم ؐ نے میرے ہاں سے کھایا تھا. اس پر عمر بن خطاب رونے لگے اور بی بی حفصہ سے کہا خدا کی قسم! میں ان کو اس عبا کے فرش اور اس کھانے کے علاوہ کچھ نہ دوں گا کہ یہ نبی ؐ کا بستر اور یہ ان کا کھانا ہے۔ (۴۳)

جب عتبہ بن فرقد۔ آذر بائیجان آیا تواس کے لئے خبیص (کھجور، میدہ اور بالائی کا حلوہ) لایا گیا پس اس نے کھایا تو وہ اسے بڑالذیذ معلوم ہوا. اس نے اپنے دل میں کہا کیوں نہ یہ حلوہ "امیر المومنین" کے لئے بھی تیار کراؤں ـــ پھر اس نے خلیفہ عمر کے لئے خبیص کے دو مٹکے بھرے اور دو اونٹوں پر لاد کر مدینہ بھجوائے جب وہ وہاں پہنچے تو خلیفہ نے کہا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ خبیص (حلوہ) ہے پس انہوں نے اسے شیریں ولذیذ پایا تو قاصد سے کہا وائے ہو تجھ پر کیا تمہارے شہر میں سب مسلمان اس سے سیر ہوتے ہیں؟ اس نے کہا نہیں تو ـــ تب خلیفہ عمر نے اسے حکم دیا کہ دونوں مٹکے واپس لے جاؤ اور اس کے ساتھ ہی عتبہ کو لکھا. امابعد یہ خبیص (حلوہ) جو تم نے بھیجا ہے نہ تیرے باپ کی محنت اور نہ تیری ماں کی زحمت سے تیار ہوا ہے. پس اس چیز سے مسلمانوں کو سیر کرو جس سے تم اپنے گھر میں سیر ہوتے ہو اور اپنے آپ کو کسی پر ترجیح نہ دو کیونکہ یہ بری بات ہے. والسلام۔ (۴۴)

میں کہتا ہوں ـــ خلیفہ عمر کے پیرو آنکھیں کھولیں اور عبرت حاصل کریں جو خود کو ان سے نسبت دیتے ہیں خصوصاً ان میں سے رؤساء و شیوخ کہ جو مسلمانوں کی دولت و ثروت کے مصادر و منابع پر قابض اور مسلط ہیں اور مسلمانوں کے اموال اپنے ذاتی مفادات پر صرف کرتے ہیں. وہ اسراف و فضول خرچی کرتے ہیں اور یورپ و امریکہ میں بڑے بڑے محلات مہنگے داموں خریدتے اور اپنے لئے عیاشیوں کے سامان مہیا کرتے ہیں. لیکن مختلف ملکوں میں مسلمان مالی اور ثقافتی طور پر تہی دستی اور نارسائی میں گھرے ہوئے ہیں. پس ان پر لازم ہے کہ اگر ان کا کوئی دین نہیں تو کم از کم اس دنیا میں شریف انسانوں کی طرح تو رہیں۔

۳۔ نیز عتبہ بن فرقد نے روایت کی ہے: میں خلیفہ عمر کے لئے فارس سے بڑے بڑے ڈبوں میں حلوہ لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ عمدہ غذا ہے جو میں آپ کے لئے لایا ہوں. وہ بولے وائے ہو تجھ پر تو نے یہ خاص طور پر میرے لئے کیوں مہیا کیا ہے؟ میں نے کہا آپ ایسے مرد ہیں جو دن کے پہلے حصے میں لوگوں کی حاجات و ضروریات پوری کرتے ہیں لہٰذا میں نے پسند کیا کہ جب آپ گھر لوٹیں تو آپ کے لئے عمدہ کھانا موجود ہو اور آپ اسے کھا کر اپنے مشکل کام کے لئے قوت حاصل کریں پھر آپ نے ایک ڈبہ کھول کر اس میں سے تھوڑا سا حلوہ چکھا اور اسے لذیذ پایا تو کہا اے عتبہ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ جب لوٹ کر جاؤ تو مسلمانوں میں سے ہر ایک کو ایسا ہی حلوہ دو. میں نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے اگر میں قبیلہ قیس کا سارا مال خرچ کروں تو بھی اتنا حلوہ نہیں بن سکتا کہ سب کو دوں. اس پر انہوں نے کہا مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (۴۵)

۴۔ حضرت عمر خیانت کرنے والوں کا مال ضبط کر لیتے تھے پس ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ میں انکا عامل تھا اس کا مال ضبط کر لیا اور کہا مجھے خبر ملی ہے تمہارے پاس دو کنیزیں ہیں اور تم دوسرے لوگوں کو دو قسم کا کھانا دیتے ہو. پس مال ضبط کرنے کے بعد اسے اس کے عہدے پر بحال کر دیا۔ (۴۶)

۵۔ ابو ہریرہ حضرت عمر کی طرف سے بحرین کا عامل تھا. انہوں نے اس کا مال ضبط کیا اور کہا کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے تمہیں بحرین کا عامل بنایا جبکہ تمہارے پاؤں میں جوتا بھی نہ تھا اور مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے ایک ہزار چھ سو دینار کے گھوڑے بیچے ہیں. ابو ہریرہ نے کہا میری گھوڑیاں تھیں اور انہوں نے بچے دیئے. حضرت عمر نے کہا میں نے تمہارا وظیفہ مقرر کیا تھا اور

یہ اس میں بچت ہے. ابو ہریرہ نے کہا آپ کو ایسا کرنے کا حق نہیں پہنچتا. انہوں نے کہا لیکن قسم بخدا میں تمہاری پشت پر شدید کوڑے لگاؤں گا پھر کوڑا لے کر اس کی طرف بڑھے اور اس کی پشت پر کوڑے برسائے یہاں تک کہ خون پھوٹ پڑا. تب اس سے کہا کہ وہ مال لے آؤ اور جب ابو ہریرہ نے وہ مال حاضر کیا تو کہا میں یہ اللہ کے حساب میں دیتا ہوں. خلیفہ عمر نے کہا یہ اس صورت میں ہوتا کہ جب تم نے یہ حلال طریقے سے حاصل کیا ہوتا اور اپنی خوشی سے دیتے. قسم بخدا یہ جان رکھو کہ تمہاری غریب ماں نے تمہارے بارے میں یہ امید بھی نہیں کی تھی کہ تم اپنے لئے ہجر. یمامہ اور بحرین کا مال جمع کرو گے جو نہ اللہ کے لئے اور نہ مسلمانوں کے لئے ہو پس وہ تم سے اس کے سوا کوئی توقع نہ رکھتی تھی کہ تم گدھے چرایا کرتے اس کے بعد ابو ہریرہ کو معزول کر دیا۔ (۴۷)

۶۔ حارث بن وہب جو بنی لیث بکر بن کنانہ سے تھا، حضرت عمر نے اس کا مال بھی ضبط کیا اور پوچھا وہ اونٹ اور غلام کس طرح کے تھے جو تو نے سو دینار میں بیچے ہیں؟ اس نے کہا میں نے اپنے نفقہ میں سے بچا کر اس سے تجارت کی ہے، خلیفہ عمر نے کہا۔ قسم بخدا کہ ہم نے تجھے تجارت کرنے نہیں بھیجا تھا پس وہ رقم لاؤ، اس نے کہا بخدا کہ اس کے بعد میں آپ کا عامل نہیں بنوں گا انہوں نے کہا بخدا میں اس کے بعد تمہیں عامل نہیں بناؤں گا۔ پھر منبر پر گئے اور کہا. اے امراء و حکام کی جماعت! بے شک اگر ہم دیکھتے کہ یہ مال ہمارے لئے حلال ہے تو اسے تمہارے لئے بھی حلال قرار دیتے، لیکن جب ہم اسے اپنے لئے حلال نہیں سمجھتے اور خود کو اس سے دور رکھتے ہیں تو تم بھی اپنے آپ کو اس سے بچائے رکھو، پس بخدا میں تمہارے لئے کوئی مثال نہیں پاتا مگر اس پیالے کی جو دریا کی لہر میں داخل ہو جائے اور کوئی اسے وہاں سے نکالنے والا نہ ہو، ہاں جب وہ بھر جائے تو دریا میں ڈوب جائے۔ (۴۸)

۷۔ عمرو بن عاص مصر کا عامل تھا، حضرت عمر نے اسے لکھا، اما بعد مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے مال میں اونٹ، بھیڑ بکریاں اور لونڈی غلام شامل ہیں جبکہ اس سے پہلے تمہارا مال اتنا نہیں تھا اور نہ یہ تمہارے وظیفے میں سے جمع ہوا ہے پس یہ تمہیں کہاں سے ملا ہے؟ حالانکہ میرے پاس کچھ سابقین اولین تھے جو تم سے بہتر تھے لیکن پھر بھی میں نے تمہاری تونگری کے باعث تمہیں عامل بنایا، مگر جب تمہارا عمل تمہارے اور ہمارے نقصان میں ہے تو پھر ہم تمہیں کیوں ترجیح دیں پس مجھے جلدی سے لکھو کہ تمہارا یہ مال کہاں سے آیا ہے؟ والسلام

اس کے جواب میں عمرو بن عاص نے حضرت عمر کو لکھا. میں نے "امیر المؤمنین" کا خط پڑھا اور انہوں نے سچ کہا ہے لیکن جو کچھ میرے مال کے بارے میں کہا گیا اس میں عرض ہے کہ میں ایک ایسے شہر میں آیا ہوں جہاں نرخ سستے اور جنگ و جہاد زیادہ ہے پس اس میں جو کچھ مجھے حاصل ہوا ہے اس کی بچت میں نے ان چیزوں میں لگادی ہے جن کا ذکر آپ نے کیا ہے، بخدا "اے امیر المؤمنین" ! اگر آپ سے خیانت کرنا ہمارے لئے حلال ہوتا تو بھی ہم آپ سے خیانت نہ کرتے کیونکہ آپ نے ہمیں امین بنایا ہے، پس اپنی اس ذمہ داری کو ہم سے ہٹالیں، ہمارے خصائص اور خاندانی شرافتیں ایسی ہیں کہ جب ہم ان کی طرف رخ کریں تو وہ ہمیں آپ کے عامل بننے سے بے نیاز کرتی ہیں، باقی رہے وہ جو سابقین اولین میں سے آپ کے پاس ہیں تو آپ نے انہیں ہی عامل کیوں نہ بنا دیا، پس خدا کی قسم کہ میں نے اس کے لئے آپ کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا تھا۔

اس پر حضرت عمر نے اسے لکھا۔ امابعد میں تمہاری ان فضول باتوں اور کلام میں نکتہ آفرینیوں کو کچھ نہیں سمجھتا، تم امراء و حکام کی جماعت نے ہمیشہ اموال ہضم کئے اور بہانے بنائے ہیں حالانکہ تم آگ کھا رہے ہو اور ننگ و عار اپنے پیچھے چھوڑنے والے ہو۔ میں محمد بن سلمہ کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں تاکہ وہ اس مال کو آدھا آدھا تقسیم کر دے جو تمہارے پاس ہے۔ والسلام۔

پھر جب محمد بن سلمہ اس کے پاس پہنچا تو عمرو بن عاص نے کھانا تیار کروا کے اس کے سامنے رکھا لیکن اس نے کھانے سے انکار کر دیا، عمرو نے کہا ہمارا کھانا کیوں نہیں کھاتے ہو؟ وہ بولا۔ اس لئے کہ تم نے میرے لئے ایسا کھانا پکوایا ہے جس سے شرو برائی کا آغاز ہوتا ہے، اگر تم میرے لئے مہمان ہونے کے لحاظ سے کھانا تیار کراتے تو میں کھانا کھالیتا پس اپنا یہ کھانا لے جاؤ اور اپنا مال لے آؤ چنانچہ اگلے روز اس نے مال حاضر کیا تو محمد بن سلمہ اسے نصفا نصف کرنے لگا کہ ہر چیز میں سے نصف لے لیتا اور بقایا نصف عمرو کے لئے چھوڑتا تھا۔ جب اس نے وہ مال دیکھا جو ابن سلمہ نے لے لیا تھا تو کہا اے محمد! اب میں کچھ کہہ سکتا ہوں؟ اس نے کہا جو چاہو کہو۔ تب عمرو بن عاص نے کہا خدا لعنت کرے اس دن پر جب میں عمر بن خطاب کی طرف سے والی بنا تھا۔ (۴۹)

باب ۶ فصل ۱۱

حواشی

(۱) الکافی ۸/۱۸۲ _ الروضہ _ حدیث ۲۰۴ _ الوسائل ۱۱/۷۹، الباب ۳۹ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۱ (۲) الکافی ۸/۶۹ _ الروضہ _ حدیث ۲۶ (۳) فروع الکافی ۴/۳۱، طبعۃ القدیم ۱/۱۷۰، کتاب الزکاۃ، باب وضع المعروف موضعہ، حدیث ۳ (۴) الوسائل ۱۱/۸۰، الباب ۳۹ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۲ (۵) الغارات ۱/۷۵ (۶) ....
(۷) الوسائل ۱۱/۸۱، الباب ۳۹ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۶ _ المستدرک ۲/۲۶۰، الباب ۳۵ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۳ (۸) نہج البلاغہ، فیض/ ۳۸۹، عبدہ ۲/۱۰، لح/۱۸۳، خطبہ ۱۲۶ (۹) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۸/۱۱۱ (۱۰) الوسائل ۱۱/۸۱، الباب ۳۹ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۳ (۱۱) نہج البلاغہ، فیض/ ۶۲۸، عبدہ ۲/۲۵۳، لح/ ۲۵۳، خطبہ ۲۳۲ (۱۲) نہج البلاغہ، فیض/ ۸۷۰، عبدہ ۳/۲۲، لح/ ۳۷۷، مکتوب ۲۰ (۱۳) نہج البلاغہ، فیض/ ۹۶۱، عبدہ ۳/۷۶، لح/ ۴۱۵، مکتوب ۴۳ (۱۴) نہج البلاغہ، فیض/ ۹۵۵، عبدہ ۳/۷۲، لح/ ۴۱۲، مکتوب ۴۰ (۱۵) نہج البلاغہ، فیض/ ۹۵۶، عبدہ ۳/۷۲، لح/ ۴۱۳، مکتوب ۴۱ (۱۶) نہج البلاغہ، فیض/ ۸۳۹، عبدہ ۳/۷، لح/ ۳۶۶، مکتوب ۵ (۱۷) نہج البلاغہ، فیض/ ۷۱۳، عبدہ ۲/۲۴۳، لح/ ۳۴۶، خطبہ ۲۲۴ (۱۸) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۱/۲۴۷ (۱۹) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۱/۲۵۳ (۲۰) المناقب لابن شہر آشوب ۱/۳۷۶ _ بحار الانوار ۴۱/۱۱۳، تاریخ امیر المومنین الباب ۱۰۷ _ باب

جوامع مکارم الاخلاقہ. حدیث ۲۳ (۲۱) المناقب لابن شہر آشوب ۱/۳۷۷ (۲۲) احقاق الحق ۸/۵۳۹ (۲۳) المناقب لابن شہر آشوب ۱/۳۷۷ (۲۴) المناقب لابن شہر آشوب ۱/۳۷۸ (۲۵) مستدرک الوسائل ۲/۲۶۰. الباب ۳۵ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۱ (۲۶) کنز العمال ۵/۷۷۳. الباب من کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال. حدیث ۱۴۳۴۸ (۲۷) کنز العمال ۵/۷۷۳. الباب ۲ من کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال. حدیث ۱۴۳۴۹ (۲۸) تاریخ ابن عساکر. ترجمۃ الامام علی بن ابی طالبؑ ۳/۱۸۷ (۲۹) تاریخ ابن عساکر ترجمۃ الامام علی بن ابی طالبؑ ۳/۱۸۹ (۳۰) تاریخ ابن عساکر. ترجمۃ الامام علی بن ابی طالبؑ ۳/۱۸۸ (۳۱) کتاب الجمل/ ۲۲۴ (۳۲) الغارات ۱/۶۸، شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۲/۲۰۰ (۳۳) الغارات ۱/۶۶ _ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۲/۲۰۰ (۳۴) الغارات ۱/۶۹ _ الوسائل ۱۱/۸۱. الباب ۳۹ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۴ _ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۲/۲۰۰ (۳۵) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۲/۱۹۷ (۳۶) نہج البلاغہ. فیض/۶۶. عبدہ ۱/۴۲. لح/۵۷. خطبہ ۱۵ (۳۷) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱/۲۹۹ (۳۸) مروج الذہب ۲/۴ (۳۹ _ ۴۰) دعائم الاسلام ۱/۳۹۶. کتاب الجہاد (۴۱) تاریخ الیعقوبی ۲/۱۷۹ (۴۲) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۷۳. عبدہ ۳/۱۴۵. لح/۴۶۱. مکتوب ۷۱ (۴۳) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۲/۳۴ (۴۴) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۲/۳۵ (۴۵) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۲/۳۵ (۴۶ _ ۴۷ _ ۴۸) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۲/۴۲ (۴۹) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۲/۴۳

بارہویں فصل

کمزور افراد اور بیواؤں و یتیموں کے معاملے میں امام اور اس کے عمال کی طرف سے اہتمام کا وجوب کہ جو اپنی معاش کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے

۱۔ اصول کافی میں ان کی سند کے ساتھ سفیان بن عیینہ سے، ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: میں ہر مومن کے نفس پر اولیٰ و مختار ہوں اور میرے بعد علیؑ اس پر اولیٰ ہیں، پس آپ سے پوچھا گیا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نبی کریمؐ کا یہ قول "جو قرض یا اہل و عیال چھوڑ جائے وہ میرے لئے ہیں اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے" پس مرد کو اپنے اوپر ولایت نہیں ہے جب اس کے پاس مال نہ ہو اور جب وہ اپنے اہل و عیال کو نان و نفقہ نہ دے تو ان پر اس کا امر و نہی جاری نہیں ہوتا، نبی اکرمؐ و امیر المؤمنینؑ اور جو ان دونوں کے بعد (ائمہ) ہیں اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ان پر لازم قرار دیا اور اس بناء پر وہ ان کے نفسوں پر اولیٰ ہیں، اکثر یہودیوں کے اسلام لانے کا سبب کوئی اور نہ تھا سوائے اس کے کہ حضرت رسولؐ کے اس قول کے بعد وہ اپنے نفسوں اور اپنے اہل و عیال کی بابت محفوظ و مامون ہو گئے۔ (۱)

۲۔ بحار میں معانی الاخبار سے صدوق کی سند کے ساتھ امام علی رضاؑ سے مروی ہے: نبی کریمؐ منبر پر گئے اور فرمایا کہ جو شخص قرض یا اہل و عیال چھوڑ جائے تو وہ مجھ پر اور میرے لئے ہیں اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے پس اسی بناء پر آپ ان پر ان کے ماں باپ سے اولیٰ و مختار ہو گئے نیز آپ ان کے نفسوں سے بڑھ کر ان پر اولیٰ و متصرف ہو گئے، آپؐ کے بعد یہ چیز امیر المؤمنینؑ کے لئے جاری ہوئی جس طرح حضرت رسولؐ کے لئے تھی۔ (۲)

۳۔ مسند احمد میں نبی اکرمؐ سے مروی ہے: میں ہر مومن پر اس کے نفس سے بڑھ کر اولیٰ و مختار ہوں پس جو شخص قرض یا اہل و عیال چھوڑ جائے تو وہ میرے ذمے اور جو شخص مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارث کے لئے ہے۔ (۳)

میں کہتا ہوں ــــ یہ مضمون کتب فریقین میں متواتر ہے اور خاص کر اہل سنت کی کتابوں میں حد تواتر پر ہے، پس مراجعہ کریں

۴۔ اصول کافی میں ان کی سند کے ساتھ صباح بن سیابہ سے، ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: جو مسلم و مومن مرے اور قرض چھوڑ جائے کہ وہ فساد و اسراف میں سے نہ ہو تو امام و حاکم پر لازم ہے کہ وہ اس کا قرض ادا کرے پس اگر وہ ادا نہ کرے گا تو اس کا گناہ اس پر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صدقات فقراء و مساکین کے لئے ہیں، چونکہ یہ مرنے والا غریب قرضداروں میں سے ہے لہٰذا امام کے ہاں اس کا حصہ ہے اور اگر وہ اس کا حصہ نہیں دیتا تو گنہگار ہے۔ (۴)

۵۔ اسی کتاب میں ان کی سند کے ساتھ امام علی رضاؑ سے روایت ہے: کوئی شخص جب کسی حق بات کے لئے قرض لے یا طلب کرے تو اس میں اسے ایک سال کی مہلت دی جائے پس اگر اسے ادائیگی کی وسعت حاصل ہو جائے تو بہتر ورنہ امام و حاکم

اس کا قرض بیت المال میں سے ادا کرے گا۔ (۵)

۶۔ موسیٰ بن بکر کی خبر میں ہے کہ مجھ سے ابوالحسنؑ نے فرمایا: جو شخص رزق حلال کی طلب اور تلاش کرے تاکہ اس سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی گزران کرے اور ان سے بھلائی کرے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے، پس اگر معاملہ اس کی ہمت سے بڑھ جائے تو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ذمہ داری پر قرض لے اور اس سے اپنے اہل و عیال کو کھانا کھلائے، پھر اگر وہ مرجائے اور اس نے وہ قرض ادا نہ کیا ہو تو امام و حاکم پر لازم ہے کہ اس کی طرف سے قرض ادا کرے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بار گناہ اسی پر ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صدقات فقراء و مساکین اور قرضداروں کے لئے ہیں، پس وہ مرنے والا فقیر و مقروض ہے اور اس کا قرض صدقات میں سے ادا کرنا ضروری ہے۔ (۶)

اس کے علاوہ اس مضمون کی اور روایات بھی ہیں کہ جن میں سے بعض اس کتاب (کی جلد اول) کے تیسرے باب کی فصل زکات میں نقل ہوئی ہیں، پس مراجعہ کریں۔

۷۔ نہج البلاغہ میں مالک اشتر کے نام امیرالمؤمنینؑ کے خط میں ہے: پھر خصوصیت کے ساتھ غریب اور پسماندہ طبقے کے بارے میں اللہ کا خوف کرنا کہ جن کا کوئی سہارا نہیں ہوتا، وہ مسکینوں، محتاجوں، فقیروں اور معذوروں کا طبقہ ہے — ان میں کچھ تو ہاتھ پھیلا کر مانگنے والے ہوتے ہیں اور بعض کا چہرہ بشرہ سوالی ہوتا ہے، ان بے کسوں کے بارے میں اللہ کے اس حق کی حفاظت کرنا جس کا اس نے تمہیں ذمہ دار بنایا ہے، ان کے لئے ایک حصہ بیت المال میں سے معین کرنا اور ایک حصہ غنیمت کی زمینوں کی پیداوار میں سے دینا کیونکہ اس میں دور رہنے والوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا نزدیک والوں کا ہے اور تم ان سب کے حقوق کے نگہدار بنائے گئے ہو لہذا دولت کا نشہ تم کو ان سے غافل نہ کر دے، تمہاری کسی معمولی فرد گزاشت کو اس لئے نظر انداز نہیں کیا جائے گا کہ تم نے بہت سے اہم امور انجام دیئے ہیں، لہذا ان کی طرف سے اپنی توجہ نہ ہٹانا اور تکبر کے ساتھ ان کی طرف سے منہ نہ موڑنا نیز خاص طور پر ان افراد کا خیال رکھو جو تم تک نہیں پہنچ سکتے، ان میں وہ ہیں کہ آنکھیں جن کو دیکھنا پسند نہ کرتی ہوں گی اور لوگ ان کو حقارت سے ٹھکراتے ہوں گے، تم ان کے لئے اپنے کسی بھروسہ کے آدمی کو مقرر کر دینا جو خوف خدا رکھنے والا اور متواضع ہو کہ وہ ان کے حالات تم تک پہنچاتا رہے، پھر ان کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کرنا کہ جس سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے حجت پیش کر سکو کیونکہ رعیت میں دوسروں سے زیادہ یہ انصاف کے محتاج ہیں اور ویسے تو سبھی ایسے ہیں کہ تمہیں ان کے حقوق سے عہدہ برآ ہو کر اللہ کے سامنے سرخرو ہونا ہے، ہاں دیکھو کہ یتیموں اور سالخوردہ بوڑھوں کا خیال رکھنا کہ جو نہ کوئی سہارا رکھتے ہیں اور نہ سوال کرنے کو نکلتے ہیں اور یہی وہ کام ہے جو حکام پر گراں ہوتا ہے لیکن جو لوگ عقبیٰ کے طلبگار رہتے ہیں خدا اس کام کی گرانیوں کو ان کے لئے ہلکا کر دیتا ہے، وہ اس کا بوجھ اپنی ذات پر ڈال لیتے ہیں اور اللہ نے ان سے جو وعدہ کیا ہے اس کی سچائی پر بھروسہ رکھتے ہیں، تم اپنے اوقات کا ایک حصہ حاجتمندوں کے لئے معین کر دینا کہ جس میں سب کام چھوڑ کر انہی کے لئے وقف ہو جانا پس ان کے لئے ایک کھلی کچہری لگانا اور اس میں اللہ کے لئے انکسار و تواضع اختیار کرنا، اس وقت دربانوں، پولیس والوں اور فوجیوں کو ہٹا دینا تاکہ کہنے والے بے دھڑک اپنی بات کہہ سکیں کیونکہ میں نے حضرت رسولؐ سے کئی بار سنا کہ اس قوم میں پاکیزگی و بہبودی نہیں آسکتی جس میں

طاقتوروں سے کمزوروں کا حق کھلے عام نہ دلایا جاتا ہو، پھر یہ کہ ان لوگوں کے تیور بگڑیں یا واضح طور پر بات نہ کہہ سکیں تو اسے برداشت کرنا اور ان کے مقابلے میں نخوت اور تنگ دلی کو پاس نہ آنے دینا، اس کے عوض اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتوں کا دامن پھیلادے گا اور تمہیں ضرور اس فرمانبرداری کا اجر دے گا، ان سے جو حسن سلوک کرنا اس میں چہرے پر شکن نہ آنے دینا اور جب کچھ دے نہ سکو تو اچھے طریقے سے عذر خواہی کر لینا۔ (۷)

۸۔ نیز نہج البلاغہ میں ایک عامل کے نام امیر المومنین ؑ کا عہد نامہ ہے جسے تحصیل زکات کے لئے بھیجا تھا، اس میں آپ نے فرمایا: میں اسے حکم دیتا ہوں کہ اپنے مخفی ارادوں اور پوشیدہ کاموں میں اللہ سے ڈرتا رہے جہاں اس ذات کے علاوہ نہ کوئی گواہ اور نہ نگران ہوتا ہے، اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ ظاہر میں اللہ کے کسی فرمان پر عمل نہ کرے کہ اس کا پوشیدہ عمل اس کے برعکس ہو، جس شخص کا ظاہر و باطن اور کردار و گفتار آپس میں مختلف نہ ہوں اس نے امانتداری کا فرض ادا کیا اور خدا کی عبادت میں خلوص سے کام لیا، میں اس کو حکم دیتا ہوں کہ وہ لوگوں کو آزردہ اور پریشان نہ کرے، نہ اپنے عہدے و مقام کی برتری کے باعث ان سے بے رخی کا برتاؤ کرے کیونکہ وہ اس کے دینی بھائی اور زکات و صدقات کی وصولی کا ذریعہ ہیں۔

(تم جو عامل زکات ہو) اس میں تمہارا بھی معلوم حصہ اور مقررہ معاوضہ ہے، اس میں بے چارے مسکین اور فاقہ کش لوگ بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں، جب ہم تمہارا حق پورا پورا ادا کرتے ہیں تو تم بھی ان کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرو، ورنہ یاد رکھو کہ قیامت کے روز تمہارے ہی دشمن سب سے زیادہ ہوں گے، اس شخص کی بدبختی پر افسوس ہے کہ جس کے خلاف اللہ کے حضور فریق بن کر کھڑے ہونے والے فقیر، نادار، سائل، دھتکارے ہوئے لوگ، قرض دار اور (بے خرچ) مسافر ہوں، یاد رکھو کہ جو امانت کو بے وقعت سمجھتے ہوئے اس کی پرواہ نہ کرے اور خیانت کی چراگاہوں میں چرتا پھرے کہ خود کو اور اپنے دین کو اس کی آلودگیوں سے نہ بچائے تو اس نے اپنے آپ کو دنیا میں بھی ذلتوں اور خواریوں میں ڈالا اور آخرت میں بھی ذلیل و رسوا ہو گا، سب سے بڑی خیانت امت کے ساتھ خیانت کرنا ہے اور سب سے بڑی فریب کاری اپنے امام کو دغا دینا ہے، والسلام (۸)

۹۔ نہج البلاغہ ہی میں آپ کی وصیت ہے جب ابن ملجم نے ضرب لگائی: دیکھو! یتیموں کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہنا ان کو کھانے پینے میں فاقہ نہ آئے اور وہ تمہاری موجودگی میں تباہ نہ ہوں۔ (۹)

۱۰۔ اصول کافی میں حبیب بن ثابت سے مروی ہے: امیر المومنین ؑ کی بارگاہ میں ہمدان و حلوان سے شہد و انجیر آئے تو آپ نے عریفوں اور فقیہوں سے کہا کہ یتیموں کو لے آؤ، پھر آپ نے انہیں شہد کی مشکوں کے دہانوں سے شہد چاٹنے دیا جبکہ لوگوں میں پیالہ پیالہ بھر تقسیم کر رہے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ یا امیر المومنین ؑ! ان کو شہد چاٹنے کا موقع کیوں دیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا امام یتیموں کا باپ ہوتا ہے اور میں نے ان کے باپوں کی رو رعایت سے انہیں شہد چٹایا ہے۔ (۱۰)

۱۱۔ المناقب ابن شہر آشوب میں ابو نعیم سے منقول ہے: امیر المومنین ؑ ہمیشہ خندرو اور خوش رہتے، رغبت کرنے والے کے لئے ابر کرم تھے، جو عطاء و بخشش چاہتا اس کی حاجت پوری فرماتے تھے، امید رکھنے والے کی امید گاہ تھے، نیز آپ بیواؤں کا

سہارا، رعیت سے نرمی و مہربانی کرنے والے اور اپنے ارادے پر اختیار و قابو رکھنے والے تھے، آپ اپنی دلیل و حجت کے ساتھ اپنی حفاظت اور اپنی جان کے ساتھ اپنی کفایت کرتے تھے۔

امیرالمومنینؑ نے دیکھا کہ ایک عورت کے کندھے پر پانی کی مشک تھی آپ نے اس سے مشک لے لی اور اس کے گھر تک لے گئے، آپ نے اس کے حالات پوچھے تو وہ کہنے لگی کہ علی بن ابی طالبؑ نے میرے خاوند کو ایک سرحد پر بھیجا، وہ وہاں شہید ہوگیا اور یتیم بچوں کا بوجھ مجھ پر ڈال گیا ہے جبکہ میرے پاس ان کے لئے کچھ نہیں ہے پس اب ضرورت نے مجھے دوسرے لوگوں کی مزدوری و خدمت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

آپ اس کے ہاں سے واپس گئے اور وہ رات اضطراب و پریشانی میں گزاری، صبح ہوئی تو ایک ٹوکری اٹھا کر چلے کہ جس میں کھانا رکھا تھا، کسی نے عرض کیا کہ یہ مجھے دیجئے کہ اٹھا کر لے چلوں، فرمایا لیکن قیامت کے روز میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟ پس آپ وہاں پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا اس عورت نے کہا کون ہے؟ فرمایا میں وہی غلام ہوں جس نے رات کو تمہاری مشک اٹھائی تھی، دروازہ کھولو کیونکہ میرے پاس بچوں کے لئے کچھ چیزیں ہیں، وہ بولی پس خدا تجھ سے راضی ہو اور وہ میرے اور علی ابن ابی طالبؑ کے درمیان فیصلہ کرے۔

آپ ٹوکری لئے ہوئے اندر داخل ہوئے اور فرمایا میں ثواب کمانا چاہتا ہوں پس تم انتخاب کرو اس میں کہ آٹا گوندھو اور روٹیاں پکاؤ یا بچوں کو بہلاؤ تاکہ میں روٹی پکاؤں، اس نے کہا میں روٹی پکانا خوب جانتی ہوں یہ کہہ کر وہ آٹا گوندھنے لگی، اس وقت امیرالمومنینؑ نے گوشت پکایا اور کھجوریں تیار کیں پس جب بچے ان میں سے کوئی چیز کھاتے تو آپ فرماتے بیٹا جو کچھ تم پر گزر چکا ہے اس کے لئے علیؑ کو معاف کرو، جب آٹے کا خمیر تیار ہوگیا تو اس عورت نے کہا اے اللہ کے بندے تنور گرم کرو تاکہ میں روٹی پکاؤں، آپ نے جلدی سے تنور گرم کر دیا جب آگ کا شعلہ اٹھتا اور وہ آپ کو جھلساتا تو آپ کہتے اے علیؑ! اس سزا کا مزا چکھو کہ یہ اس کے لئے ہے جو بیواؤں اور یتیموں کے حقوق ضائع کر دے، پس یہ منظر ایک عورت نے دیکھا جو آپ کو پہچانتی تھی اس نے اس بیوہ سے کہا وائے ہو تجھ پر یہ تو امیرالمومنینؑ ہیں ـــــ راوی کا کہنا ہے کہ وہ بیوہ عورت جلدی سے آپ کی طرف آئی جبکہ وہ کہہ رہی تھی یا امیرالمومنینؑ! مجھے حد سے زیادہ شرم آ رہی ہے، آپ نے فرمایا بلکہ میں تجھ سے بہت شرمندہ ہوں اے کنیز خدا ـــــ کیونکہ میں نے تمہارے بارے میں کوتاہی کی ہے۔ (۱۱)

یہ روایت المناقب سے بحار میں بھی نقل ہوئی ہے۔ (۱۲)

مخفی نہیں کہ آج کے زمانے میں زندگی وسیع اور آبادی زیادہ ہوگئی ہے تو یتیم، کمزور اور بے سہارا لوگوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا ہے، اس وقت کئی ایسے کام نظر آتے ہیں جو یہ لوگ کر سکتے پس امام اور اس کے عاملوں پر واجب ہے کہ وہ موجودہ حالات میں ان محتاج لوگوں کے لئے وسیع تر منصوبہ بنائیں تاکہ یہ مختلف کاموں میں مشغول رہیں اور فقر و احتیاج کا احساس نہ کریں، اس طرح ان میں احساس محرومی و احساس کمتری راہ نہیں پائے گا اور ملکی پیداوار میں اضافہ بھی ہوگا، ایسا انتظام کرنا یقیناً انہیں صدقہ و خیرات پر لگانے اور مفت خوری کا موقع دینے سے بدرجہا بہتر ہے کہ جس سے ان کے اندر اپنی حاجتمندی اور کم مائیگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

باب ۶ فصل ۱۲

حواشی

(۱) اصول الکافی ۱/۴۰۶. کتاب الحجۃ . باب ما یجب من حق الامام .... حدیث ۶ (۲) بحار الانوار ۲۷/۲۴۲. کتاب الامامتہ . باب حق الامام علی الرعیۃ .... حدیث ۱ (۳) مسند احمد ۲/۴۶۴ (۴) اصول الکافی ۱/۴۰۷. کتاب الحجۃ . باب مایجب من حق الامام .... حدیث ۷ (۵) اصول الکافی ۱/۴۰۷. کتاب الحجۃ . باب مایجب حق الامام .... حدیث ۹ (۶) الوسائل ۱۳/۹۱. الباب ۹ من ابواب الدین. حدیث ۲ (۷) نہج البلاغہ . فیض /۱۰۱۹. عبدہ ۳/۱۱۱. لح/۴۳۸. مکتوب ۵۳ (۸) نہج البلاغہ . فیض/۸۸۴. عبدہ. ۳/۳۰. لح/۳۸۲. مکتوب ۵۳ (۹) نہج البلاغہ . فیض /۹۷۷. عبدہ ۳/۸۶. لح /۴۲۱. مکتوب ۴۷ (۱۰) اصول الکافی ۱/۴۰۶. کتاب الحجۃ . باب مایجب من حق الامام .... حدیث ۵ (۱۱) المناقب لابن شہر آشوب ۱/۳۸۲ (۱۲) بحار الانوار ۴۱/۵۱. تاریخ امیر المومنینؑ . الباب ۱۰۴ (باب حسن خلقہ وحلمہ وعفوہ) . حدیث ۳

تیرھویں فصل

اسلام کی سیاست خارجہ اور غیر مسلم اقلیتوں سے برتاؤ۔
اس میں بحث کے کئی جہات ہیں اور ہم ان سے اجمالی طور پر متعرض ہوتے ہیں۔

پہلی جہت۔ اسلام دین و سیاست اور قانون و حکومت کا حامل ہے۔
اس کتاب (کی جلد اول) کے تیسرے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ کتاب عزیز میں غور کرنے اور فریقین شیعہ و سنی کی احادیث و روایات میں جستجو کرنے سے طہارت سے دیات تک مختلف ابواب میں ان کے فقہاء کے فتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ایسا دین نہیں جیسا کہ بعض سادہ اور ناواقف مسلمان بلکہ کئی علماء سامراجیوں اور ان کے گماشتوں کی باتوں میں آکر اس کے متعلق گمان کرتے ہیں، وہ صرف عبادات اور شخصی آداب و مراسم میں منحصر نہیں ہے کہ سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی مسائل کی طرف التفات نہ کرتا ہو، وہ تو ایک جامع نظام ہے جو ان تمام چیزوں کا کفیل ہے جن کی انسانوں کو اپنی معاش و معاد میں احتیاج ہے اور پیدائش سے زندگی کے آخری مراحل تک تمام انفرادی و اجتماعی مسائل میں رہنمائی کرتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ انسان کو اپنے خالق و حاکم، اہل و عیال، اپنی قوم کے ساتھ یا دیگر اقوام وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم ان کے ساتھ کس طرح رہنا واجب یا مناسب ہے، اسلام اپنی تعلیمات اور احکام میں کفایت کرتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے جو تمام علاقوں اور زمانوں پر منطبق ہو سکتی ہے پس وہ اپنے پیروکاروں کے لئے ہر میدان اور ہر شعبے میں استقلال و حریت اور ترقی و تکامل حاصل کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

اسلام صرف احکام بیان کرنے اور قانون سازی پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ اس کے احکام و مقررات ایک صالح حکومت کے قیام کی خاطر وضع و مرتب ہوئے ہیں جو اپنے عادلانہ قوانین کو نافذ کرتی ہے پس اسلام دین و سیاست اور قانون و حکومت کا جامع ہے اس کے لئے اس باب کی طرف رجوع کریں جہاں ہم نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

دوسری جہت۔ اصل حاکم اللہ تعالیٰ ہے۔
اس کتاب کے چھٹے باب کے آغاز میں بیان ہو چکا ہے کہ حکومت سے مراد مطلق العنان بادشاہوں کی طرح مسلمانوں پر تسلط جمانا اور ان کے شہروں میں حکم نافذ کرنا نہیں کہ حاکم جس طرح چاہے ان پر حکومت کرے بلکہ اس سے مراد اسلامی احکام و قوانین اور اس کے حدود کو نافذ کرنا اور امت کے معاملات کا انتظام کرنا ہے، اس کی اساس و بنیاد وہ اصول ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے اور اپنے رسول ؐ پر نازل فرمائے ہیں جو عبادات، سیاست، اقتصاد اور آداب پر مشتمل ہیں۔
پس حقیقت میں حاکم وہی اللہ تعالیٰ ہے جو بندوں اور شہروں کا مالک ہے اور ہر اس چیز کو جانتا ہے جو ان کے لئے نفع بخش یا

ضرر رساں ہے، نبی اکرمؐ ان احکام کو پہنچانے اور نافذ کرنے والے ہیں اور اس امر میں آپ کے جانشین ائمہ اثنا عشرؑ ہیں جو قیامت تک آنے والے تمام زمانوں میں آپ کے خلفاء صالحین ہیں، پس جائز نہیں کہ کسی بھی زمانہ میں اسلام کے احکام اور اس کی حکومت کو معطل رکھا جائے کہ جو انہیں نافذ کرے۔

تیسری جہت۔ اسلام ایک عالمی اور ابدی دین ہے۔

اسلام اس طرح کا نہیں ہے جیساکہ دین سے عناد رکھنے والی کتابوں سے نظر آتا ہے کہ وہ جزیرۂ عرب یا صرف عرب لوگوں کا دین اور ان کی شریعت ہے بلکہ وہ ایک عالمگیر دین ہے جسے نبی اکرمؐ قیامت تک کے سب انسانوں کے لئے لائے ہیں پس اسلام خاتم ادیان ہے اور نبی کریمؐ خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد تا روز آخر کوئی نبی نہیں آئے گا جیساکہ اس پر آیات قرآن اور اخبار متواتر ناطق اور گواہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وما ارسلناك الاكافة للناس بشيراً ونذيراً ولكن اكثر الناس لايعلمون - (١)

ترجمہ:۔ "ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر سب لوگوں کے لئے بشیر و نذیر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

۲۔ پھر فرمایا:

يايها الناس اني رسول الله اليكم جميعاً، الذي له ملك السماوات والارض، لا اله الا هو، يحيي ويميت. فآمنوا بالله ورسوله النبي الامي الذي يومن بالله وكلماته. واتبعوه لعلكم تهتدون - (٢)

ترجمہ:۔ "اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسولؐ ہوں وہ کہ آسمانوں اور زمین کا ملک جس کا ہے، نہیں کوئی معبود مگر وہی، وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے پس اللہ اور اس کے رسولؐ نبی امی پر ایمان لے آؤ جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو تاکہ ہدایت حاصل کرو۔"

۳۔ یہ بھی فرمایا:

هو الذي ارسل رسوله بالهدی ودين الحق ليظهره على الدين كله ولوكره المشركون - (٣)

ترجمہ:۔ "وہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غلبہ دے اگرچہ مشرک ناپسند کرتے ہیں۔"

۴۔ نیز فرمایا:۔

وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم، وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضي لهم. وليبدلنهم من بعد خوفهم امناً يعبدونني لايشركون بي شيئاً. ومن كفر بعد ذلك فاولئك هم الفاسقون - (٤)

ترجمہ:۔ "خدا نے وعدہ کیا ہے ان سے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور انہوں نے سب نیک کام کئے کہ انہیں ضرور زمین

میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے ان کے اس دین کو تمکین و قدرت دے کہ جو ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے خوف کے بعد اسے امن میں بدل دے جو میری عبادت کرتے ہیں کسی چیز کو میرے ساتھ شریک قرار نہیں دیتے اور اس کے بعد جو لوگ انکار کریں وہ فاسق ہیں۔ ''

۵۔ ارشاد الٰہی ہے:

ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيئ عليماً – (۵)

ترجمہ:۔ '' (لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر یعنی ختم کرنے والے ہیں اور خدا تو ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ ''

۶۔ مجمع البیان میں سورۂ جمعہ کی تفسیر میں آیا ہے: ذیل آیت ۳___ کہا گیا ہے وہ عجمی ہیں جو عربی زبان میں گفتگو نہیں کرتے، کیونکہ نبی کریمؐ مبعوث ہیں ہر اس شخص کی طرف جس نے آپ کو دیکھا اور اس کی طرف جو ان کے بعد عرب و عجم میں سے ہے، یہ ابن عمر اور سعید بن جبیر سے مروی ہے اور ابو جعفرؑ سے بھی اسی طرح روایت ہوئی ہے۔

روایت کی گئی ہے کہ نبی اکرمؐ نے یہ آیت پڑھی تو آپ سے پوچھا گیا یہ کون ہیں؟ آپ نے سلمان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، اگر ایمان ثریا میں ہو تو بھی اس کی قوم کے کچھ مرد اس کو حاصل کریں گے۔ (۶)

۷۔ اسی کتاب میں سورۂ احزاب کی تفسیر میں ہے: جابر بن عبداللہ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: انبیاء میں میری مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے مکان بنایا اور اسے سجایا مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی پس جو شخص اس میں داخل ہوا اس نے اس جگہ کو دیکھا اور کہا یہ مکان کتنا اچھا ہے مگر یہ اینٹ کی جگہ تو آپ نے فرمایا اس جگہ کے لئے وہ اینٹ میں ہوں کہ مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم و تمام کیا ہے، اسے بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (۷)

۸۔ نہج البلاغہ میں ہے: پھر یقیناً اسلام اللہ کا وہ دین ہے جسے اس نے اپنے لئے چن لیا ہے ...... پھر اس کو ایسا قرار دیا ہے کہ اس کا دستہ ٹوٹنے والا نہیں ہے، نہ اس کا کوئی حلقہ اس سے جدا ہونے والا ہے، نہ اس کی بنیاد خراب ہونے والی ہے، نہ اس کے ستون جھکنے والے ہیں، نہ اس کے درخت اکھڑنے والے ہیں، نہ اس کی عمر ختم ہونے والی ہے، نہ اس کے قانون اور طریقے مٹنے والے ہیں اور نہ اس کے فروع اور اس کی شاخیں کٹنے والی ہیں۔ (۸)

اسلام کی خاتمیت اور اس کے آخری دین ہونے نیز حلال محمدؐ کے قیامت کے دن تک حلال ہونے اور حرام محمدؐ کے قیامت کے دن تک حرام ہونے کے بارے میں فریقین کے ہاں بہت سے اخبار ہیں۔

۹۔ صحیحہ زرارہ میں ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ سے حلال و حرام کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: حلال محمدؐ قیامت کے دن تک حلال ہے اور ان کا حرام کیا ہوا قیامت تک حرام ہے نہ اس کے علاوہ کچھ ہوگا نہ ان کے علاوہ کوئی آئے گا۔ (۹)

نبی کریمؐ نے غیر عرب بادشاہوں اور جزیرۂ عرب سے باہر کے لوگوں کی طرف خطوط بھیجے جن میں ان کو دعوت دی کہ وہ خود اور ان کی رعایا اسلام میں داخل ہوں اور اطاعت قبول کریں جیسا کہ محدثین و مورخین نے یہ واقعہ اپنی اپنی کتابوں میں

لکھا ہے. پس ہم اپنے اس بیان کی تائید کے لئے یمن و برکت کے طور پر ان میں سے بعض کو کتاب الوثائق السیاسیہ سے نقل کرتے ہیں، جو شخص ان کی تفصیل اور ان کے حوالہ جات پر مطلع ہونا چاہتا ہو وہ مذکورہ کتاب اور اس موضوع کی دیگر کتب کی طرف رجوع کرے۔

۱۔ آنحضرتؐ کا شاہ حبشہ نجاشی کے نام خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے نجاشی اصحم شاہ حبشہ کی طرف ہے

تم اسلام قبول کرو، میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی جو بادشاہ، پاک ذات، سلامتی والا اور امن دینے والا نگہبان ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ خدا کی پیدا کی ہوئی روح اور اس کا کلمہ ہیں جن کو اس نے مریم بتول پاکیزہ اور پاکدامن کے بطن میں ڈالا پس وہ حاملہ ہوئیں پھر خدا نے انہیں اپنی روح اور دم سے پیدا کیا جیسے آدمؑ کو اپنے دست قدرت اور روح ڈالنے سے پیدا کیا تھا۔

میں تمہیں ایک اکیلے خدا کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ تم میری اتباع کرو اور جو کچھ میری طرف آیا ہے اس پر ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔

میں نے تمہاری طرف اپنے بھائی جعفر اور چند مسلمانوں کو بھیجا ہے پس جب وہ تمہارے پاس آئے تو اسے عزت و توقیر دے اور بڑائی و زبردستی کو چھوڑ دے، ہاں میں تجھے اور تیرے لشکروں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، بے شک میں نے تبلیغ و نصیحت کی ہے پس میری نصیحت کو قبول کرو، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

ایک اور روایت کے مطابق میں نے نبی کریمؐ کی مہر کے ساتھ اس خط کو یوں پایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے باعظمت نجاشی حبشہ کے نام ہے

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، امابعد میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی جو بادشاہ، پاک ذات، سلامتی والا، امن دینے والا اور نگہبان ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ اللہ کی پیدا کی ہوئی روح اور اس کا کلمہ ہیں کہ جن کو اس نے مریم بتول پاکیزہ پاکدامن کے بطن میں ڈالا، پس وہ وجود عیسیٰؑ کی حاملہ ہوئیں اللہ کی روح و دم کے ساتھ جیسے اس نے آدمؑ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا۔

میں تمہیں ایک اکیلے خدا کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں نیز اس کی اطاعت پر موالات و دوستی کی دعوت دیتا ہوں، پس تم میری اتباع کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے اس پر یقین کرو بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، میں تجھے اور

تیرے لشکروں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، ہاں میں نے تبلیغ و نصیحت کر دی ہے اب تم لوگ میری نصیحت قبول کرو، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ محمدؐ رسول اللہ۔ (۱۰)

۲۔ نجاشی کی طرف آنحضرتؐ کا ایک اور خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط محمد النبیؐ کی جانب سے نجاشی اصحم رئیس حبشہ کے نام ہے

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، وہ گواہی دے کہ نہیں کوئی معبود مگر ایک خدا کہ جس کا کوئی شریک نہیں اور جس نے نہ کسی کو اپنی بیوی بنایا نہ اپنا بیٹا بنایا، نیز یہ کہ محمدؐ اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے، میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں بے شک میں ہی اس کا رسول ہوں پس اسلام لے آؤ سالم رہو گے "اے اہل کتاب! ایک ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں، اللہ کو چھوڑ کر بعض دوسروں کو ارباب اور مالک نہ قرار دیں پس اگر وہ پشت پھیریں تو کہو ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں" ہاں اگر تم نے انکار کیا تو تمہاری قوم نصاریٰ کا گناہ بھی تمہارے سر ہو گا۔ (۱۱)

میں کہتا ہوں ـــــ شائد آنحضرتؐ نے دو مختلف اوقات میں اس کو خط لکھے ہوں گے

۳۔ آنحضرتؐ کا خط شاہ روم ہرقل کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور رسول محمدؐ کی طرف سے شاہ روم ہرقل کی جانب

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، امابعد میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ بچ جاؤ گے اور اسلام لے آؤ کہ اللہ تمہیں دگنا اجر دے گا، اگر تم نے انکار کیا تو عیسائیوں کا گناہ بھی تم پر ہو گا "اے اہل کتاب! آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے وہ یہ کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو پروردگار نہ بنائے پس اگر وہ پشت پھیریں تو کہو ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ (۱۲)

۴۔ قیصر روم کے نام آنحضرتؐ کا دوسرا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے قیصر روم کی جانب

میں تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں پس اگر تم اسلام لے آؤ تو تمہارے لئے وہ فوائد ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے لئے ہیں اور وہ خطرات ہیں جو ان پر ہیں، اگر تم اسلام میں داخل نہیں ہوتے تو پھر جزیہ دو کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے "جنگ کرو ان کے ساتھ جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے نہ دین حق کو دین تصور کرتے ہیں ان میں سے کہ جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں در آنحالیکہ وہ حقیر ہوں۔"

اگر تم ایسا نہیں کرتے تو پھر اسلام اور اپنے دیہاتیوں کے درمیان سے ایک طرف ہٹ جاؤ کہ وہ چاہیں تو اسلام قبول کریں اور چاہیں تو جزیہ دیں۔ (۱۳)

۵۔ مقوقس کے نام آنحضرتؐ کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے مقوقس حاکم قبط کے نام

سلام ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد میں تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام لے آ سالم رہے گا اور خدا تجھے دگنا اجر دے گا، پس اگر تو پشت پھیرے تو سارے قبطیوں کا گناہ تجھ پر ہو گا ___ "اے اہل کتاب! اس کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے وہ یہ کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کچھ دوسروں کو پروردگار نہ ٹھہرائے، پس اگر وہ پشت پھیریں تو کہو ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔" (۱۴)

۶۔ ایک اور روایت میں مقوقس کے نام آنحضرتؐ نے یہ خط لکھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے مصر و اسکندریہ کے حاکم کے نام

امابعد بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر قرآن نازل کیا ہے، مجھے حجت تمام کرنے اور ڈرانے نیز کفار سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ وہ میرے لائے ہوئے دین کو اپنا دین بنالیں اور لوگ میری ملت میں داخل ہو جائیں۔

میں نے تجھے اللہ کی توحید کی طرف بلایا ہے، اگر تو نے ایسا کیا تو سعادت مند ہو گا اور انکار کیا تو بدبخت اور شقی ہو گا، والسلام۔ (۱۵)

۷۔ آنحضرتؐ کا خط پرویز کسرائے ایران کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے عظیم کسرائے ایران کے نام

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے، میں خدا کی دعوت کے ساتھ تجھے دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں ہی سب لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ میں اسے ڈراؤں جو زندہ ہے اور کافروں پر حق بات ثابت ہو جائے۔ پس اسلام قبول کر لے سالم رہے گا اور اگر انکار کیا تو تمام مجوسیوں کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ (۱۶)

۸۔ کسریٰ کی طرف آنحضرتؐ کا یہ خط بھی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے عظیم کسرائے ایران کے نام

اسلام قبول کرو سلامتی پاؤ گے جو ہماری شہادت کے مطابق شہادت دے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ضمانت و ذمہ داری میں ہے۔ (۱۷)

۹۔ آنحضرتؐ کا خط ہرمزان کے نام جو کسریٰ کی طرف سے گورنر تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام قبول کر لے سلامتی پائے گا۔ (۱۸)

ان کے علاوہ اور روایات بھی ہیں ان کی طرف مراجعہ کریں۔ اس سے پہلے ادارۂ تنفیذیہ (انتظامیہ) کی بحث میں کتانی کی کتاب تراتیب الاداریہ سے بادشاہوں کی طرف آنحضرتؐ کے قاصدوں کے نام نقل ہو چکے ہیں۔

چوتھی جہت۔ اسلام حق اور عدالت کی دعوت دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کو حق وعدالت کے معیار پر پیدا کیا ہے اور ان کو ایسی عقلیں دی ہیں جو ان دونوں (حق وعدالت) کے مطابق حکم کرتی ہیں لیکن نفس برائی کا حکم دیتا ہے اور جن وانس میں سے شیاطین اس کو دھوکہ دینے پر حریص ہیں لہٰذا بنی آدم ان عقلوں کے علاوہ مزید رہنمائی کے محتاج ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء پیدا کئے جو بشارت دینے اور ڈرانے والے ہیں تاکہ وہ ان سے فطرت کے عہد و میثاق کو پورا کرنے کا مطالبہ کریں اور ان کے پوشیدہ عقول کو بیدار کریں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط – (۱۹)

ترجمہ:۔ "ہم نے یقیناً اپنے پیغمبروں کو واضح و روشن معجزے دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ ساتھ کتاب اور انصاف کی ترازو نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

۲۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتآئ ذی القربٰی ینہی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون – (۲۰)

ترجمہ:۔ "اس میں شک نہیں کہ خدا انصاف اور نیکی کرنے اور قرابت داروں کو کچھ دینے کا حکم کرتا ہے اور بدکاری اور ناشائستہ حرکتوں اور سرکشی کرنے سے منع کرتا ہے، تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

۳۔ ارشاد الٰہی ہے:

قل امر ربی بالقسط – (۲۱)

ترجمہ:۔ " (اے رسولؐ) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے"

۴۔ اللہ تعالٰی نے ہمارے نبیؐ کو دعوت حق کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن، ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین – (۲۲)

ترجمہ:۔ " (اے رسولؐ) لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلاؤ اور بحث و مباحثہ کرو بھی تو اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹک گئے ہیں تمہارا پروردگار ان کو خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے۔

اللہ تعالٰی نے لوگوں کو سمجھنے اور یقین کرنے کے لحاظ سے دعوت کے تین درجے ذکر کئے ہیں۔

۵۔ نیز فرمایا ہے:

فلذلک فادع، واستقم کما امرت، ولا تتبع اھواء ھم – (۲۳)

ترجمہ:۔ "تو (اے رسولؐ) تم لوگوں کو اسی دین کی طرف بلاتے رہو اور اس پر قائم رہو جیسا کہ تم کو حکم ہوا ہے اور ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔"

۶۔ فرمان خداوندی ہوا:

یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک، وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ، واللہ یعصمک من الناس – (۲۴)

ترجمہ:۔ "اے رسولؐ جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کا کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔"

آنحضرت ؐ نے اپنے دن اور راتیں اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں امت کی دعوت و ہدایت میں صرف کر دیں اور قریب تھا کہ ان کے لئے اپنی جان دے دیں، آپ نے مختلف بادشاہوں اور سرداران قبائل کی طرف اپنے قاصد اور سفیر بھیجے اور انہیں اسلام کی طرف بلایا پھر آپ کی امت نے بھی اسلام کی دعوت دینے، عدل پھیلانے اور نیکی کو فروغ دینے میں آپ کی پیروی کی جیسا کہ واضح ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله. على بصيرة انا ومن اتبعني. سبحان الله وما انا من المشركين – (۲۵)

ترجمہ:۔ " (اے رسول ؐ) ان سے کہہ دو کہ میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں خدا کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرا پیرو مضبوط دلیل پر ہیں اور خدا پاک و پاکیزہ ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ "

حق کی طرف دعوت دینے، جاہل کو ہدایت وارشاد کرنے، امر بہ معروف و نہی از منکر کرنے اور حق و عدالت قائم کرنے کے وجوب میں فریقین کے طرق سے بہت سی آیات و روایات وارد ہیں کہ جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا، اس کے علاوہ قضاوت کی بحث میں بھی کثیر التعداد آیات و روایات گزر چکی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اسلام نے عدل و قسط کے قیام کی خاطر خاص اہتمام کیا ہے، پس وہ مسلمانوں میں سے کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ ظالموں اور طاغوتوں کے سامنے خاموش رہے بلکہ وہ جہاد کہ عقل و شریعت جس کا حکم دیتے ہیں اس سے غرض حق و عدالت کی حمایت اور اس کا دفاع ہی ہے جیسا کہ فصل جہاد میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما لكم لاتقاتلون فى سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها. واجعل لنا من لدنك ولياً، واجعل لنا من لدنك نصيراً – (۲۶)

ترجمہ:۔ "تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ اور عاجز مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر قتال نہیں کرتے ہو جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال لے جا کہ جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی طرف سے ولی و سرپرست مقرر فرما اور ہمارے لئے اپنی طرف سے مددگار قرار دے۔ "

اس آیت کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ توحید کو پھیلانے اور کمزوروں کی حمایت میں قتال کرنے کا لازم ہونا ایک ایسی چیز ہے جس کا عقل و فطرت حکم کرتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس کے ترک کرنے پر سرزنش کی ہے، بہت سے لوگوں پر ہوا و ہوس اور تعدی و تجاوز کا غلبہ ہوجاتا ہے اور ان کو طاقت اور تلوار کے علاوہ کوئی چیز حق و عدالت پر قائم نہیں رکھتی، جیسا کہ کافی میں امام صادق ؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسول ؐ نے فرمایا: سب کی سب خیر و بھلائی تلوار میں اور تلوار کے سائے میں ہے اور تلوار کے سوا کوئی چیز لوگوں کو سیدھا نہیں رکھ سکتی، (۲۷)

امیر المومنین ؑ سے روایت کی گئی ہے: بے شک اللہ نے جہاد فرض کیا اور اسے اپنی نصرت قرار دیا ہے. قسم بخدا کہ اس کے

بغیر دین و دنیا درست نہیں ہو سکتے۔ (۲۸)

کفار میں سے کسی کے ساتھ جنگ کرنا جائز نہیں ہے مگر انہیں اسلام اور اس کے احکام کی دعوت دینے کے بعد بشرط ضرورت ان سے جنگ کی جا سکتی ہے۔

کافی سے ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں امیرالمومنین سے منقول ہے کہ فرمایا: حضرت رسول نے مجھے یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: اے علی! کسی سے اس وقت تک جنگ نہ کرنا جبکہ اسے اسلام کی دعوت نہ دے لو، بخدا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دونوں ہاتھوں پر ایک شخص کو ہدایت کر دے تو وہ تمہارے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔ (۲۹)

دین کا اختیار کرنا بشر کے لئے ایک اختیاری امر ہے اور دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے، اکثر لوگ اپنی اس فطرت کی بناء پر جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے دین کی طرف مائل ہیں جبکہ وہ ان کے سامنے صحیح طور پر پیش کیا جائے، لیکن جب دین کو ان کے سامنے ٹھیک طرح سے پیش کرنے میں کافر یا ظالم حکومتیں حائل ہو جائیں، جنہوں نے اللہ کے مال کو ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے والی چیز اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے جیسا کہ عام معاشروں میں نظر آتا ہے تو پھر باب لطف کی بناء پر ان سے قتال کرنا اور اقوام عالم کو ان کے شر و فساد سے بچانا واجب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله - (۳۰)

ترجمہ:۔ "اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ کے لئے ہو جائے۔"

آنحضرت سے منقول ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لاالٰہ الا اللہ کہیں، پس جب وہ یہ کہہ دیں تو میری طرف سے ان کے خون اور مال محفوظ ہیں مگر ان کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب کتاب اللہ عزوجل کے ہاں ہے۔ (۳۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں جہاد ایک تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی حمایت اور اس کے دفاع کے لئے ہے جو اپنے بندوں پر اللہ کا حق ہے، دوسرے مستضعفین و کمزور لوگوں کے حقوق دلانے کے لئے واجب ہے لیکن انسانوں اور شہروں پر تسلط جمانے کے لئے جہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ آج کل کے سامراجیوں کا طریقہ ہے۔

ابو جعفرؑ سے حدود جہاد کے بارے میں مروی ہے۔ اس (جہاد) کی ابتداء بندوں کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دینا ہے، بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت اور بندوں کی ولایت سے اللہ کی ولایت کی طرف دعوت دینا ہے ...... ایک بندے کے لئے اپنے جیسے دوسرے بندے کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (۳۲)

بہر حال پیغمبر اکرمؐ کے خط اور طریقے کو اس کے مختلف شعبوں کے ساتھ دوام بخشنا، آپ کے اعلیٰ اغراض و مقاصد کے حصول میں کوشاں رہنا، اپنی بدنی قوتوں، مالی سیاسی اور ثقافتی وسائل توحید و عدالت کو پھیلانے، ظلم و فساد کو دور کرنے، جہاد کے شرائط پر عمل کرنے والے مجاہدین راہ خدا کو تقویت دینے نیز تمام ملکوں اور شہروں میں غریبوں اور کمزوروں کی حمایت میں

صرف کرنا کہ وہ دور کے ہوں یا قریب والے ہوں اگرچہ وہ رنگ نسل زبان اور وطن کے لحاظ سے مختلف ہوں لیکن سب مسلمان ایک ہی جماعت ہیں پس اس قسم کے ظاہری و مادی تفرقے اور فاصلے ان میں تفریق نہیں ڈال سکتے جیسا کہ اس سے اگلے بیان میں آئے گا۔

پانچویں جہت۔ سب مسلمان ایک امت ہیں ان میں کسی کو دوسرے پر سوائے تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں وہ عناصر اور اصول جو مسلمانوں کے ایک ہی امت ہونے کے مفہوم کو ظاہراً ثابت کرتے ہیں وہ زمین وعلاقہ، قومیت و جنسیت، زبان، رنگ، مشترک مصالح اور فکر و عقیدے کا اشتراک ہے، اس میں شک نہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز مختلف افراد کے درمیان وحدت قائم کرنے اور انسان کی پرورش و تربیت میں اثر انداز ہے کیونکہ انسان اپنی زندگی کے مادی پہلوؤں اور ان کے خواص و آثار سے الگ نہیں رہ سکتا۔

لیکن یہ بات ہر ایک پر واضح ہے کہ انسان کی انسانیت اور اس کی کرامت اس کے بدن، مزاج اور مادی قوتوں سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ یہ اس کی عقل و فکر اور رائے و نظریہ سے متعلق ہے، وہ چیز جو اس کے دل اور روح پر حکم فرما ہے وہ اس کی فکر اور ایمان ہے جسے وہ بذات خود سب سے عزیز ترین متاع قرار دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے، اگر ہم فرض کریں کہ دو ہموطن ایک ہی زمین پر پیدا ہوں اور وہ تمام مادی عناصر و اصول میں اشتراک رکھتے ہوں لیکن عقیدہ و فکر میں مختلف ہوں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ ہر روز باہم جھگڑیں گے، ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہیں گے اور ان کے درمیان قریبی تعلق نہیں پایا جائے گا، اس کے برعکس اگر ہم دو ایسے انسان فرض کریں جو وطن اور مادی عناصر میں ایک دوسرے سے جدا ہوں لیکن افکار و آراء اور روحانی نظریات میں متفق ہوں تو وہ دونوں ایک دوسرے کے محب اور ایک دوسرے کی طرف کشش رکھنے والے ہوں گے گویا ان کے جسم دو ہیں لیکن ان کی روح ایک ہی ہے اور انسان دوسرے حیوانات سے محض اپنی فکر، روح اور عقائد کے لحاظ سے ہی ممتاز ہے، پس فکر و ایمان کی وحدت افراد انسانی کو جمع کرنے اور ان کے درمیان تعلق پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن وطن اور رنگ و نسل یہ قدرت نہیں رکھتے۔

اسی بناء پر آپ دیکھتے ہیں کہ اسلام مومنین کی اخوت اور امت اسلامی کی وحدت کا حکم اس لئے لگاتا ہے کہ وہ مومن ہیں، لیکن وہ رنگ نسل زبان اور مادی امتیازات کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتا کہ وہ ایمان و تقویٰ کے مقابلے میں انسانی فضیلت کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایها الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلنا کم شعوباً وقبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم (۳۳)

ترجمہ:۔ "اے لوگو! ہم نے تو تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے ہی تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرے، اس میں شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیز گار ہو۔"

۲۔ ارشاد ہوتا ہے:

انما المومنون اخوۃ – (۳۴)

ترجمہ:۔ "مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

۳۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا:

فان تابوا واقاموا الصلاۃ وآتوا الزکات فاخوانکم فی الدین – (۳۵)

ترجمہ:۔ "تو اگر (وہ شرک سے) توبہ کریں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکات دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔"

۴۔ فرمان الٰہی ہے:

ان ھذہ امتکم امۃً واحدۃ وانا ربکم فاعبدون – (۳۶)

ترجمہ:۔ "بے شک تمہاری یہ جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری ہی عبادت کرو۔"

۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وان ھذہ امتکم امۃً واحدۃً وانا ربکم فاتقون – (۳۷)

اور بیشک تمہاری یہ جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میرا تقوٰی اختیار کرو۔

اس بناء پر کہ ان ہر دو آیات میں لفظ امت جماعت کے معنی میں ہے نہ کہ دین و ملت کے معنی میں جیسا کہ کہا گیا ہے۔

پس سب کے سب مسلمان ایک امت ہیں ـــــ ان کا پروردگار ایک، ان کا دین ایک، ان کا نبیؐ ایک اور ان کی کتاب ایک ہے لہٰذا ان میں سے کسی کو دوسرے پر امتیاز حاصل نہیں مگر تقویٰ اور احکام الٰہی کو ماننے کے ساتھ فضیلت ہے جو مسلمان کی روح کے کمال اور ترقی کا موجب ہیں اور ان کے ذریعے انسان کو شرف اور کرامت حاصل ہوتی ہے۔

۶۔ حضرت رسولؐ سے روایت کی گئی ہے: اے لوگو! یاد رکھو کہ تمہارا پروردگار ایک اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، آگاہ رہو کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے، نہ سیاہ کو سرخ پر اور نہ سرخ کو سیاہ پر مگر تقویٰ کے ساتھ۔ (۳۸)

۷۔ حجتہ الوداع کے ضمن میں آنحضرتؐ سے مروی ہے: اے لوگو! بے شک تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے ہیں، بے شک تم میں زیادہ عزت دار وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر بجز تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں سنو کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ ان لوگوں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا پس شاہد و موجود اسے غائب تک پہنچادے۔ (۳۹)

۸۔ ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ منبر پر گئے اور فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کے ذریعے ایک دوسرے پر فخر کرنے کا طریقہ تم سے دور کر دیا ہے، یاد رکھو کہ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے ہیں، آگاہ رہو کہ اللہ کے بندوں میں زیادہ اچھا وہ بندہ ہے جو اللہ سے ڈرے، تمہاری یہ

عربی زبان ایک باپ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تو ایک بولی ہے، جس کو اس کا عمل پیچھے کر دے خاندانی شرف اسے منزل تک نہیں پہنچائے گا، خبردار ہو جاؤ کہ زمانہ جاہلیت کا ہر خون اور ہر بغض و کینہ قیامت تک میرے ان دونوں پاؤں کے نیچے ہے۔ (۴۰)

۹۔ آنحضرتؐ کے مسجد خیف میں دیئے ہوئے خطبے میں ہے: مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، ان کے خون ایک دوسرے کے برابر ہیں اور ان میں کمزور ترین بھی ان کی طرف سے ذمہ لے سکتا ہے۔ (۴۱)

۱۰۔ ایک اور روایت میں آنحضرتؐ سے اس طرح مروی ہے: مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں، ان کے خون ایک دوسرے کے برابر ہیں اور وہ اپنے غیر کے مقابلے میں ایک مٹھی کی طرح ہیں، ان میں سے کمزور ترین بھی ان کی طرف سے ذمہ لینے کی کوشش کر سکتا ہے۔ (۴۲)

۱۱۔ حجتہ الوداع کے خطبے میں آنحضرتؐ سے یوں مروی ہے: اے لوگو! میری بات سنو اور اس کو سمجھو تمہیں جاننا چاہئے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں پس کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں مگر وہ جو کچھ اپنی رضا و رغبت سے دے پس اپنے آپ پر ظلم نہ کرو — خدایا! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ (۴۳)

۱۲۔ آنحضرتؐ سے روایت ہوئی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنا دین اور کلمہ اخلاص کو اس کا حسن قرار دیا ہے پس جو شخص ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، ہماری شہادت کے مطابق شہادت دے اور ہمارے ذبیحہ کو حلال سمجھے تو وہ مسلمان ہے، اس کے لئے وہی کچھ ہے جو ہمارے لئے ہے اور جو ہمارے خلاف ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ (۴۴)

۱۳۔ امیرالمومنینؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: جو شخص ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، ہمارا ذبیحہ کھائے ہمارے نبیؐ پر ایمان لائے اور ہماری شہادت کے مطابق شہادت دے تو وہ ہمارے دین میں داخل ہے اور ہم اس پر قرآن کا حکم جاری کریں گے، اسلام کے حلقے میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ یاد رکھو کہ متقیوں کے لئے اللہ کے ہاں بہت بڑا ثواب ہے اور ان کے لئے بہترین جزاء اور بہترین بازگشت ہے۔ (۴۵)

۱۴۔ حضرت رسولؐ سے مروی ہے: ایک دوسرے سے مودت رکھنے، عطوفت و مہربانی کرنے اور ایک دوسرے پر رحم کرنے میں مومنین کی مثال ایک جسم ایسی ہے کہ جب اس میں کسی عضو میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو اس کے لئے بیدار رہنے اور بخار جھیلنے پر آمادہ کرتی ہے۔ (۴۶)

۱۵۔ صحیحہ ابو بصیر میں ہے کہ میں نے ابوعبداللہؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مومن مومن کا بھائی اور وہ مثل ایک جسم کے ہیں کہ اگر اس میں کوئی بیماری آئے تو اس کا درد سارے جسم میں محسوس کیا جاتا ہے، دو مومنوں کے ارواح ایک ہی روح سے ہیں کیونکہ مومن کی روح خدا کی خاص روح سے بہ نسبت شعاع کے سورج سے اتصال کے زیادہ شدید اتصال رکھتی ہے (۴۷)

۱۶۔ مفضل بن عمر کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: مومنین ایک ہی ماں باپ کی اولاد اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں، جب ان میں سے کسی ایک کی رگ پر زخم لگایا جائے تو وہ سب اس کے درد سے بیدار رہتے ہیں۔ (۴۸)

۱۷۔ علی بن عقبہ کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: مومن مومن کا بھائی ہے وہ اس کا رہبر اور اس کی آنکھ ہے، وہ اس سے خیانت نہیں کرتا، اس پر ظلم نہیں کرتا اور اس سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۴۹)

۱۸۔ فضیل بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ کو یہ فرماتے سنا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے کہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے، نہ اس کی غیبت کرتا ہے، نہ اس سے خیانت کرتا ہے اور نہ اسے محروم کرتا ہے۔ (۵۰)

۱۹۔ حارث بن مغیرہ کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس کی آنکھ اور اس کا آئینہ ہے، وہ اس کی دلیل اور رہبر ہے کہ نہ اس سے خیانت کرتا ہے نہ اس کو دھوکہ دیتا ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اس کی غیبت کرتا ہے۔ (۵۱)

۲۰۔ ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی پر حق ہے کہ وہ سیر نہ ہو جبکہ اس کا بھائی بھوکا ہو، سیراب نہ ہو جبکہ اس کا بھائی پیاسا ہو اور وہ لباس نہ پہنے جب اس کا بھائی ننگا ہو پس مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی پر کتنا عظیم حق ہے۔ (۵۲)

۲۱۔ ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: جو صبح کرے اور امور مسلمین کے بارے میں اہتمام نہ رکھتا ہو وہ ان میں سے نہیں ہے، جو شخص کسی کی آواز سنے کہ وہ پکار رہا ہے اے مسلمانو فریاد کو پہنچو اور وہ لبیک نہ کہے تو مسلمان نہیں ہے۔ (۵۳)

۲۲۔ ابو المعزاء کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: مسلمان پر حق ہے کہ وہ دوسرے سے ملنے اور اس سے تعاون کرنے کی کوشش کرے، اہل حاجت پر عطوفت و مہربانی کرنے، دوسرے سے مواسات کرنے (خود پر ترجیح دینے) اور ایک دوسرے سے مہربانی کرنے میں کوشاں رہے یہاں تک کہ تم سب مسلمان آپس میں اس طرح ہو جاؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "رحماء بینہم" ایک دوسرے پر رحم کرنے والے یعنی دور دراز کے مسلمانوں کی تکلیف پر دکھ کا احساس کرنے والے جس طرح آنحضرتؐ کے زمانے میں انصار کی جماعت گزری ہے۔ (۵۴)

ان کے علاوہ بھی اس بارے میں فریقین کے طرق سے بہت سی روایات آئی ہیں۔

اس ضمن میں آپ سے میں خاص طور پر سفارش کرتا ہوں کہ آپ ان واقعات کی طرف مراجعہ کریں جو مسلمانوں کی باہم اخوت و مساوات کے متعلق نبی کریمؐ و ائمہ معصومینؑ سے نقل ہوئے ہیں وہ ہر قسم کے مادی و عنصری امتیازات یعنی رنگ نسل وطن کی حدیں قائم کرنے کو لغو قرار دیتے ہیں جن کو اس دنیا کے لوگ بہت اہمیت دیتے ہیں، اس بارے میں وہ روایات ہیں جو آنحضرتؐ کی طرف سے زینب بنت جحش کی زید بن حارثہ سے تزویج کرنے، ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب کا مقداد سے نکاح کرنے اور انصار میں سے ایک بڑے آدمی زیاد بن لبید کی بیٹی زلفاء کی سیاہ فام جویبر کے لئے خواستگاری کئے جانے، علیؑ بن الحسینؑ کے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر کے اس سے تزویج کرنے نیز ابو جعفر باقرؑ کی طرف سے منجح بن رباح کے لئے ایک معزز شخص کی بیٹی کا رشتہ طلب کرنے اور ایسے ہی دیگر واقعات کا فروع کافی میں ذکر ہوا ہے پس مراجعہ کریں۔ (۵۵)

مختصر یہ کہ اگر مسلمانوں کو ان کی فطرت اور ان کی اسلامی ذمہ داری پر رہنے دیا جائے تو پھر وہ سب کے سب ایک امت ہیں کہ ان کا دین ایک ان کا نبی ایک اور ان کی کتاب ایک ہے لہٰذا واجب ہے کہ ان کے گھروں اور ان کے شہروں پر ایک ہی قانون کی حکمرانی ہو یعنی ان کا طرز حکومت و سیاست ایک ہی ہو جیسا کہ صدر اسلام میں ان کی کیفیت یہی تھی لیکن اسلام کے دشمنوں نے مسلمانوں کے درمیان باطل تعصبات اور رنگ و نسل کے اختلافات پیدا کر دیئے ہیں، یوں ان کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، ان میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی ہے اور ان پر اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں ــــ چنانچہ ان دشمنان اسلام کے گماشتے مسلمانوں کے شہروں ملکوں ان کے مالی ذخیروں اور ان کے نظریوں پر مسلط ہوگئے جبکہ کچھ علماء اسلام ان کی تائید و حمایت کرتے ہیں ــــ ہائے سامراج کے دو خبیث درختوں سے مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبتیں ــــ پس اللہ تعالیٰ محمد و آل محمد علیہم اسلام کے حق کے صدقے میں مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائے۔

پس مسلمانوں کو آگاہ اور بیدار ہونا چاہئے تاکہ وہ اس طرف توجہ کریں کہ ہمارے دشمن اسرائیل نے مذہب کے نام پر دنیا کے ہر گوشے سے اپنے بیٹے اکٹھے کر لئے ہیں اور بغیر رنگ، نسل اور زبان کی تفریق کے انہیں ایک جھنڈے تلے جمع کر لیا ہے، اس طرح اس نے مسلمانوں کے خلاف اپنی قوت و طاقت یکجا کر لی ہے، جبکہ مسلمان اپنی کثرت تعداد اپنے ملکوں اور اپنے مادی ذخائر کی وسعت کے باوجود عربی ایرانی اور ترکی وغیرہ کے ناموں سے قوموں میں بٹے ہوئے ہیں اور غاصب اسرائیل کے ہاتھوں سخت نقصان اٹھا رہے ہیں پس یہ افتراق کا نتیجہ ہے اور اسرائیل کو اس کے اتفاق کا ثمرہ مل رہا ہے۔

اس بناء پر حکومت اسلامی اور اس کے زیر نگیں امت کا فرض ہے کہ وہ اپنے وسائل اور اپنی نظر کو کسی علاقے اور کسی خاص معاشرے میں منحصر نہ کر دیں بلکہ وہ تمام مسلمانوں کی طرف ملتفت ہوں جو قریب یا دور کے ممالک میں ہیں، پس ان کے لئے بقدر وسعت علم و ثقافت اور دفاع کے ذرائع تشکیل دیئے جائیں ان سے فقر و عجز اور داخلی و خارجی دشمنوں کے ظلم اور شر کو دور کرنے کی کوشش کی جائے ان کاموں میں سے جو ہو سکتا ہے اسے اس کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے جو نہیں ہو سکتا کیونکہ جو مقصد پوری طرح سے حاصل نہیں ہو سکتا اسے سرے سے ترک بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ عقل و شریعت اسے واضح کرتے ہیں، پس مسلمان آگاہ ہوں اور بیدار ہو کر ضروری اقدامات کریں۔

چھٹی جہت ۔ کفار کو دوست اور راز داں بنانے سے نہی۔

اسلام نے مسلمانوں کے استقلال و مضبوطی اور ان کی عزت و وقار کو اہمیت دی ہے نیز یہ کہ کفار ان پر غالب نہ ہوں یا ان کو طوق و زنجیر میں نہ جکڑ لیں یا ان پر سبیل و راہ حاصل نہ کر لیں اور شائد مسئلہ جہاد کے بعد کوئی ایسا سیاسی مسئلہ نہیں ملے گا جس کو قرآن نے وہ اہمیت دی ہو جو اس مسئلہ کو دی ہے کہ جو اسلام کی سیاست خارجہ کی بنیاد ہے کیونکہ کفر ایک ہی ملت ہے جو اپنے پورے وجود کے ساتھ اسلام سے عناد رکھتی ہے، کفار سبھی مسلمانوں کے پکے دشمن ہیں اور دشمن کا پہلا اور آخری کام دشمنی کرنا اور ضرر پہنچانا ہوتا ہے چاہے کھلی اور چھپی تدبیروں سے دشمنی کرے یا دوستی، ملائمت اور امداد و حمایت کے پردے میں ہو جیسا کہ پچھلی دو صدیوں سے مسلمان ان کی ایسی دشمنی میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں اس کینہ و عداوت کی خبر دی ہے جو مسلمانوں کے لئے کفار و مشرکین کے دلوں میں پوشیدہ ہے۔

۱۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

مایود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم - (۵۶)

" (اے رسولؐ) اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے خیر (وحی) نازل کی جائے۔ "

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان تمسسکم حسنة تسؤھم وان تصبکم سیئة یفرحوا بھا، وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئا، ان اللہ بما یعملون محیط - (۵۷)

ترجمہ:۔ " (ایماندارو) اگر بھلائی تم کو چھو بھی گئی تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور جب تم پر کوئی بھی مصیبت آپڑے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گا، جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا اس پر احاطہ رکھتا ہے۔ "

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ودکثیر من اھل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفاراً حسدًا من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق - (۵۸)

" (مسلمانو) اہل کتاب میں سے اکثر اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں اور لطف تو یہ ہے کہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔ "

۴۔ ارشاد الٰہی ہے کہ جس میں یہودیوں کا ذکر ہے:

فبما نقضھم میثاقھم لعناھم وجعلنا قلوبھم قاسیة، یحرفون الکلم عن مواضعه ونسوا حظًا مما ذکروا به، ولا تزال تطلع علی خائنة منھم الا قلیلا منھم - (۵۹)

ترجمہ:۔ " پس ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو گویا ہم نے خود سخت بنا دیا کہ کلمات کو ان کے اصل معنوں سے بدل کر دوسرے معانی میں استعمال کرتے ہیں اور جن جن باتوں کی انہیں نصیحت کی گئی تھی ان میں سے ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے اور (اے رسولؐ) اب تو تم ان میں چند آدمیوں کے سوا ایک نہ ایک کی خیانت پر برابر مطلع ہوتے رہتے ہو۔ "

۵۔ مشرکین کے بارے میں فرمایا:

کیف و ان یظھروا علیکم لایرقبوا فیکم الا ولا ذمة؟ یرضونکم بافواھھم وتأبی قلوبھم واکثرھم فاسقون - (۶۰)

ترجمہ:۔ "(ان کا عہد) کیونکر رہ سکتا ہے جبکہ اگر تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ تو رشتہ ناتہ ہی کا لحاظ کریں گے اور نہ اپنے قول و قرار کا، یہ لوگ تمہیں اپنی زبانی کلامی باتوں سے خوش کر دیتے ہیں حالانکہ ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے بہت سے تو بد چلن ہیں۔"

ان کے علاوہ بھی قرآن مجید میں اس موضوع پر آیات آئی ہیں جن کے ذریعے اللہ عزوجل نے امت مسلمہ پر فرض کر دیا ہے کہ وہ ہمیشہ اعلیٰ اور جدید دفاعی ساز و سامان کے ساتھ تیار رہے اور اپنے وسائل کے مطابق اسلحہ اور سواریاں مہیا کر رکھے تاکہ دشمن اس سے خوف زدہ رہے اور وہ لوگ مسلمانوں کے شہروں پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں۔ اس میں ظاہر بظاہر دشمنوں اور جن سے دشمنی ہونے کا احتمال ہو ان میں کوئی فرق نہیں اسی طرح اندرونی و بیرونی دشمنوں میں بھی کوئی تفاوت نہیں ہے نیز دشمنوں کے خلاف تیاری کے لئے مال خرچ کرنے کی ترغیب بھی دلائی گئی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واعدّوا لهم ما استطعتم من قوة، ومن رباط الخيل، ترهبون به عدّو الله وعدّوكم وآخرين من دونهم لاتعلمو نهم. الله يعلمهم وما تنفقوا من شيءٍ فى سبيل الله يوفّ اليكم وانتم لاتظلمون - (٦١)

ترجمہ:۔ "اور (مسلمانو) ان کفار کے مقابلے کے لئے جہاں تک ہوسکے اپنے بازو کے زور اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے سامان (جنگ) مہیا کرو اس سے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن اور دوسرے لوگوں پر بھی اپنی دھاک بٹھالو گے جن کو تم نہیں جانتے ہو مگر خدا تو ان کو جانتا ہے، اور خدا کی راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم پورا پورا بھر پاؤ گے، اور تم پر کسی طرح ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

اس طرح کفار کو دوست و راز داں بنانے سے بڑی شدت کے ساتھ روکا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کے پوشیدہ امور سے مطلع نہ ہوں

۷۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يايها الذين آمنوا، لاتتخذوا بطانة من دونكم، لايألونكم خبالاً، ودّوا ما عنتم، قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفى صدورهم اكبر. قدبيّنا لكم الآيات ان كنتم تعقلون - ها انتم اولآء تحبونهم ولا يحبونكم، وتومنون بالكتاب كله، واذا لقوكم قالوا آمنّا و اذا خلوا عضوا عليكم الانامل من الغيظ، قل موتوا بغيظكم ان الله علم بذات الصدور - (٦٢)

ترجمہ:۔ "اے ایمان والو! اپنے مومنین کے سوا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، یہ غیر لوگ تمہاری بربادی میں کچھ اٹھا نہیں رکھیں گے، جتنا زیادہ تم تکلیف میں پڑو گے اتنا ہی یہ لوگ خوش ہوں گے، دشمنی تو ان کے منہ سے ٹپکی پڑتی ہے اور جو ان کے دلوں میں بھرا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، ہم نے اپنے احکام تم سے صاف صاف بیان کر دیئے ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ اے لوگو تم ایسے ہو کہ ان سے الفت رکھتے ہو اور وہ تمہیں ذرا بھی نہیں چاہتے اور تم تو پوری کتاب (خدا) پر ایمان رکھتے ہو، وہ جب تمہیں ملتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کے مارے انگلیاں

کاٹتے ہیں، اے رسولؐ تم کہو کہ تم اپنے غصے میں جل مرو جو باتیں دلوں میں ہیں بے شک خدا ان کو ضرور جانتا ہے۔ "

۸۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایہا الذین آمنوا. لاتتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزواً ولعباً من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللّٰہ ان کنتم مئومنین – (۶۳)

ترجمہ:۔ "اے ایماندارو جن لوگوں (یہود و نصاریٰ) کو تم سے پہلے کتاب (توریت وانجیل) دی جاچکی ہے ان میں سے جن افراد نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور کفار کو اپنا سرپرست نہ بناؤ اور اگر تم سچے ایماندار ہو تو خدا ہی سے ڈرتے رہو۔ "

۹۔ فرمان خداوندی ہے:

یایہا الذین آمنوا. لاتتخذوا الکافرین اولیاء من دون المئومنین، اتریدون ان تجعلوا للّٰہ علیکم سلطاناً مبیناً – (٦٤)

ترجمہ:۔ "اے ایمان والو مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا کا صریحی الزام اپنے اوپر قائم کرلو۔ "

۱۰۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایہا الذین آمنوا. لاتتخذوا عدوّي وعدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودة وقد کفروا بما جاء کم من الحق. یخرجون الرسول وایّاکم ان تئومنوا باللّٰہ ربکم، ان کنتم خرجتم جہاداً في سبیلي وابتغاء مرضاتی تسرّون الیہم بالمودة وانا اعلم بما اخفیتم وما اعلنتم، ومن یفعله منکم فقد ضلّ سواء السبیل – (٦٥)

ترجمہ:۔ "اے ایماندارو اگر تم جہاد کرنے میری راہ میں اور میری خوشنودی کی تمنا میں نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے وہ لوگ انکار کرتے ہیں، وہ لوگ رسولؐ کو اور تم کو اس بات پر (گھر سے) نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار خدا پر ایمان لے آئے ہو اور تم ہو کہ ان کے پاس چھپ چھپ کر دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر یا ظاہری طور پر کرتے ہو میں اس سے خوب واقف ہوں اور تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا وہ سیدھی راہ سے یقیناً بھٹک گیا۔ "

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یایہا الذین آمنوا. لاتتخذوا الیہود والنصاری اولیاء بعضہم اولیاء بعض، ومن یتولہم منکم فانه منہم، ان اللّٰہ لایہدي القوم الظالمین – فتری الذین في قلوبہم مرض یسارعون فیہم یقولون نخشی ان تصیبنا دائرة، فعسی اللّٰہ ان یاتي بالفتح او امر من عنده فیصبحوا علی ما اسرو في انفسہم نادمین – (٦٦)

ترجمہ:۔ "اے ایماندارو یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا دوست و سرپرست نہ بناؤ کیونکہ وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں

اور تم میں سے جس نے ان کو اپنا سرپرست بنایا پس وہ بھی انہی لوگوں میں سے ہوگیا بے شک خدا ظالموں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔ تو (اے رسولؐ) جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے تم انہیں دیکھو گے کہ دوڑ دوڑ کر ان میں ملے جاتے ہیں اور اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہیں زمانہ کی گردش میں نہ پھنس جائیں تو عنقریب خدا (مسلمانوں کی) فتح یا کوئی اور بات ظاہر کردے گا تب یہ لوگ اس پر جو اپنے دل میں چھپاتے ہیں شرمائیں گے۔"

۱۲۔ ارشاد ہوتا ہے:

یایها الذین آمنوا اِن تطیعوا الذین کفروا یردّوکم علی اعقابکم فتنقلبوا خاسرین ، بل الله مولاکم وهو خیر الناصرین – (٦٧)

ترجمہ:۔ "اے ایماندارو اگر تم لوگوں نے کافروں کی پیروی کرلی تو وہ تمہیں پچھلے پاؤں کفر کی طرف پھیر کر لے جائیں گے پھر الٹے تم ہی گھاٹے میں آجاؤ گے، (تم کسی کے محتاج نہیں) بلکہ خدا تمہارا سرپرست ہے اور وہ سب مددگاروں سے بہتر ہے۔"

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو کفار سے دوستی و مودت کرنے، ان کی اطاعت کرنے اور ان پر اعتماد کرنے سے نہی کرتی ہیں۔

پس ان آیات مبارکہ میں غور و تامل کریں اور دیکھیں کہ مسلمان ایسے والیوں اور حاکموں کی وجہ سے کس طرح مصیبت میں مبتلا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی شخصیت اور اپنی ملت کے وقار کو ٹھیس لگائی اور اپنا ملک، اپنی ثقافت اور اپنے مالی وسائل کافروں اور یہودیوں کے ہاتھوں میں دے رکھے ہیں، وہ اس کے لئے یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہیں زمانے کی گردش میں نہ پھنس جائیں

حالانکہ قریب ہے خدا مسلمانوں کے لئے مختلف ملکوں میں کامیابی کا سامان کردے جیسا کہ اسلامی ملک ایران میں مضبوط و محکم قیادت اور ان کے اتحاد و ایمان کی بدولت انقلاب اسلامی کی صورت میں بہت بڑی فتح و کامرانی ہوئی، ان فاسقوں اور خائنوں کے تخت حکومت کو تاریخ کے دامن میں دفن کردیا گیا اور اس طرح کافروں اور ان کے گماشتوں کے ہاتھ پیر قلم کردیئے تھے، ممکن ہے دوسرے ملکوں میں ایسا ہی ہو اور کافروں کو ہزیمت اٹھانا پڑے، انشاء اللہ۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار پر نظر کریں اور اس کی رحمت واسعہ کا انتظار کریں لیکن اس میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہمت باندھیں اور انقلاب برپا کریں تاکہ یہ طاغوتی حکومتیں ختم ہوجائیں کیونکہ خدا نے آج تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلی کہ جسے خود اپنی حالت کو بدلنے کا خیال نہ ہو۔

ساتویں جہت۔ کفار کے ساتھ مدارات اور ان کے حقوق کی حفاظت۔

جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے ظاہر ہوگیا ہے کہ اسلام کا وقار اور مسلمانوں کی عزت اس چیز کا تقاضا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی ثقافت، سیاست اور وسائل میں مضبوطی و پائداری کی حفاظت کی جائے اور ان کو کفر کے پھندوں میں جانے سے بچایا جائے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں کفار سے مدارات کرنے اور انہیں دعوت حق دینے سے منافات نہیں رکھتیں بلکہ ان کے ساتھ احسان و مروت کے برتاؤ سے ان کی تالیف قلوب کی جائے تاکہ وہ اسلام کی طرف رغبت کریں نیز ان سے معاہدے کرنا اور ان کے ساتھ سیاسی و اقتصادی تعلقات قائم کرنا صحیح ہے جب حاکم مسلمانوں کے مفادات کی رو سے انہیں ضروری سمجھتا ہو لیکن اس میں سخت احتیاط کرنا چاہئے تاکہ کسی وقت وہ مسلمانوں کو غفلت میں نہ ڈال دیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مقابلے میں قوت و طاقت تیار کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

وان جنحوا للسلم فاجنح لها، وتوكل على الله انه هوالسميع العليم - (٦٨)

ترجمہ:۔ "اور اگر یہ کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہوجاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو کہ بے شک وہ سنتا جانتا ہے۔"

۲۔ کفار سے قتال کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

الا الذين يصلون الى قوم بينكم وبينهم ميثاق اوجاءوكم حضرت صدورهم ان يقاتلوكم اويقاتلوا قومهم، ولوشاء الله لسلطهم عليكم فلقتلوكم، فان اعتزلوكم فلم يقاتلوكم والقوا اليكم السلم فما جعل الله لكم عليهم سبيلا - (٦٩)

ترجمہ:۔ "مگر جو لوگ کسی ایسی قوم سے جا ملے ہوں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد و پیمان ہو چکا ہے یا تم سے جنگ لڑنے یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے دل تنگ ہو کر تمہارے قریب ہوں تو (ان کو آزار نہ پہنچاؤ) اگر خدا چاہتا اور ان کو تم پر غلبہ دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑ پڑتے پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں اور وہ تم سے نہ لڑیں اور تمہارے پاس صلح کا پیغام بھیجیں تو پھر تمہارے لئے ان لوگوں پر خدا نے کوئی سبیل نہیں نکالی۔"

۳۔ فرمان الٰہی ہے:

لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبرّوهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين - انما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين واخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم انّ تولّوهم، ومن يتولّهم فاولئك هم الظالمون - «٧٠»

ترجمہ:۔ "جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے بھڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے خدا تمہیں منع نہیں کرتا۔ بے شک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ خدا تو بس ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکال باہر کیا اور تمہارے نکالنے میں (اوروں کو) مدد دی اور جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہ لوگ ظالم ہیں۔"

۴۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

وان احد من المشركين استجارك فأجره حتي يسمع كلام الله، ثم ابلغه مامنه، ذلك بانّهم قوم لايعلمون (٧١)

ترجمہ:۔ ”اور (اے رسولؐ) اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے، پھر اسے اس کے امن کی جگہ واپس پہنچا دو یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ نادان ہیں۔“

۵۔ ارشاد ہوتا ہے:

ولا تجادلوا اهل الكتاب الّا بالتي هي احسن الا الذين ظلموا منهم – (۷۲)

ترجمہ:۔ ”اور (اے ایماندارو) اہل کتاب سے مناظرہ نہ کیا کرو مگر عمدہ اور شائستہ الفاظ و عنوان سے لیکن ان میں سے جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا (ان کے ساتھ رعایت نہ کرو)۔“

۶۔ حضرت رسولؐ نے مشرکین مکہ، یہود مدینہ، نصاریٰ نجران اور دوسرے لوگوں سے معاہدے کئے اور آپ ان کے ساتھ بہترین آداب و اخلاق سے معاشرت و معاملہ کرتے تھے، پس آنحضرتؐ کو خدا نے ہمارے لئے نمونہ قرار دیا اور فرمایا:

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الآخر و ذكرالله كثيراً – (۷۳)

ترجمہ:۔ ”(مسلمانو) تمہارے واسطے تو خود رسول اللہؐ کا ایک اچھا نمونہ تھا مگر یہ اس شخص کے واسطے ہے جو خدا اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور خدا کی یاد بکثرت کرتا ہو۔“

۷۔ سنن ابو داؤد میں حضرت رسولؐ سے روایت ہوئی ہے: یاد رکھو جو شخص کسی ذمی پر ظلم کرے یا اسے نقصان پہنچائے یا اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری اس پر ڈالے یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے تو میں قیامت کے دن اس شخص پر حجت قائم کروں گا۔ (۷۴)

۸۔ فتوح البلدان بلاذری میں آنحضرتؐ سے مروی ہے: جو کسی معاہدے والے ذمی پر ظلم کرے اور اسے اس کی طاقت سے زیادہ کام سونپے تو میں اس کا فریق مقابل ہوں گا۔ (۷۵)

۹۔ مالک اشتر نخعی کے نام امیرالمومنینؑ کے خط میں ہے: اور اپنے دل کو رعیت کے لئے رحمت کا لباس پہنا اور ان سے محبت اور لطف کا برتاؤ کر ان کے لئے کاٹنے والا درندہ نہ بن جو ان کو کھا جانا اچھا سمجھے۔ کیونکہ ان کی دو قسمیں ہیں کہ یا تو تمہارے دینی بھائی ہیں یا خلقت میں تمہارے مثل ہیں۔ (۷۶)

پس مسلمانوں کے حاکم پر اپنی رعیت پر رحم کرنا اور ان سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آنا واجب ہے اگرچہ وہ مسلمان نہ ہوں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے اخلاق کے ذریعے ایک انسان کو اپنی طرف مائل کریں اگرچہ وہ کافر ہو۔

۱۰۔ ایک روایت میں ہے: ایک نابینا ضعیف آدمی گزرا جو گدائی کر رہا تھا، امیرالمومنینؑ نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا امیرالمومنین! یہ نصرانی ہے، آپ نے فرمایا تم اس سے کام لیتے رہے یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو گیا اور کام سے عاجز ہے تو اب اس کا نفقہ روک دیا ہے پس اس پر بیت المال سے خرچ کرو۔ (۷۷)

۱۱۔ امیرالمومنینؑ اہل کتاب کی عزت و ناموس اور ان کے مال کی حرمت کے اسی طرح قائل ہیں جیسے مسلمانوں کی عزت و ناموس اور مال کی حرمت کے قائل ہیں، پس جب آپ نے سنا کہ معاویہ کے گھڑ سواروں نے انبار پر شب خون مارا اور انہوں

نے مسلمان اور اہل ذمہ عورتوں پر سختی کی ہے تو آپ نے فرمایا: مجھے تو یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھس جاتا تھا پھر ان کے پیروں کے کڑے، ہاتھ کے کنگن اور گلوبند وغیرہ اتار لیتا، تب ان کے پاس اس سے بچنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا سوائے اس کے کہ اناللہ کہتے ہوئے صبر سے کام لیں یا خوشامد سے اس سے رحم کی التجاء کریں، پس وہ لدے پھندے ہوئے پلٹ گئے نہ ان میں کسی کو زخم آیا نہ کسی کا خون بہا ـــ اب اگر کوئی مسلمان ایسے واقعات کے بعد مارے رنج و غم کے جان دے دے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہئے۔ (۷۸)

۱۲۔ امیرالمومنین ؑ نے خراج وصول کرنے والوں کو جو خط بھیجا اس میں لکھا۔ اور لوگوں سے خراج وصول کرنے کے لئے ان کے سردی گرمی کے لباس، ان کے مویشی جن سے وہ کام لیتے ہیں اور ان کے غلاموں کو فروخت نہ کرو اور رقم کی خاطر کسی کو تازیانے نہ مارو، کسی مسلمان یا ذمی کے مال پر ہاتھ نہ ڈالو مگر یہ کہ اس کے پاس ایسا گھوڑا اور ہتھیار ہو جو اہل اسلام کے خلاف استعمال ہونے والا ہو، کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اسے دشمنان اسلام کے ہاتھوں میں رہنے دے کہ وہ مسلمانوں پر غلبے کا سبب بن جائے۔ (۷۹)

۱۳۔ اسلام میں ذمی کا احترام اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اسے اجازت ہے وہ امام مسلمین سے نزاع و مخاصمت کرے اور اس کے دعویٰ پر اس سے گواہوں کا مطالبہ کرے جیسا کہ امیرالمومنین ؑ کی زرہ کے سلسلے میں آپ کے عہد خلافت میں آپ کا مقدمہ ایک یہودی کے خلاف قاضی شریح کے سامنے پیش ہوا تھا، یہ روایت قانون کی نظر میں مساوات کی بحث میں گزر چکی ہے۔ (۸۰)

اسلام نے اہل کتاب میں سے صرف زندہ و موجود لوگوں کا احترام نہیں کیا بلکہ آپ نے دیکھا کہ آنحضرتؐ نے بذات خود ان کے مردگان کا احترام کیا اور ہمیں بھی اس کا حکم دیا۔

۱۴۔ صحیح بخاری میں اس کی سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک سے ایک جنازہ گزرا پس نبی کریمؐ اس کے لئے کھڑے ہوگئے اور ہم بھی اٹھ کر کھڑے ہوگئے، ہم نے عرض کیا یارسول اللہؐ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے ـــ آپ نے فرمایا کہ تم جب بھی کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوجایا کرو۔ (۸۱)

۱۵۔ اسی کتاب میں ہے: سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے قریب سے کچھ لوگ جنازہ لئے ہوئے گزرے تو وہ دونوں کھڑے ہوگئے، ان سے کہا گیا کہ یہ اہل ذمہ میں سے ہے، انہوں نے کہا کہ نبی کریمؐ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپؐ کھڑے ہوگئے، آپ سے کہا گیا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا تو کیا وہ نفس انسانی نہیں؟ (۸۲)

میں کہتا ہوں ـــ یہ ہے اسلام کی بات کہ وہ انسان کی عزت و حرمت حتیٰ کہ جنازے کی حرمت کا بھی قائل ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب و ملت کا ہو لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس نے دوسروں کے حقوق میں تجاوز نہ کیا ہو، اسے یاد رکھیں

یہودیوں، نصرانیوں اور مجوسیوں نے اسلامی حکومتوں کے زیر سایہ عزت و آبرو سے زندگی بسر کی اور سیاست، معیشت اور علم و فن کے حصول میں وہ آزادی دیکھی ہے جو دیگر حکومتوں اور خصوصاً عیسائی حکومتوں میں نہیں ملی، یورپ کی عیسائی حکومتیں یہودیوں کو غلام بناتی ذلیل و خوار کرتی اور انہیں سخت ترین شکنجوں میں گرفتار رکھتی تھیں جبکہ مسلمان ممالک ان کی پناہ گاہ تھے، اور وہ وہاں ان سہولتوں سے بہرہ مند ہوتے جن سے مسلمان فائدہ اٹھاتے تھے جیسا کہ تاریخ اس کی شاہد ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے اس احسان کا بدلہ کس طرح دیا اور اب بھی دے رہے ہیں یعنی وہ انہیں فلسطین اور لبنان میں بمباری کر کے نیکی کا عوض دے رہے ہیں، پس ہم عزیز، جبار اور منتقم خدا سے امید رکھتے ہیں کہ وہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر ان کو غیور مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت و خواری سے دوچار کرے گا۔ نیز قدس شریف کو ان کے ناپاک ہاتھوں سے نکال لے گا، انشاء اللہ تعالیٰ

آٹھویں جہت۔ امان اور صلح

مناسب ہے کہ یہاں تین مسائل سے بحث کی جائے جو ایک دوسرے سے نسبت رکھتے ہیں اور جن سے فقہاء کتاب جہاد میں متعرض ہوئے ہیں، وہ دشمن کو امان دینے کا مسئلہ، جزیہ کا مسئلہ اور صلح کا مسئلہ ہے۔

۱۔ امان دینے کا مسئلہ: اس سے مراد یہ ہے کہ امام یا اس کا نائب یا کوئی مرد مسلمان چاہے وہ ادنیٰ درجے کا ہو وہ جنگ و قتال کرنے والے کفار میں سے کسی فرد یا گروہ کو امان دے۔

۲۔ جزیہ کا مسئلہ: یہ وہ محصول ہے جو اہل کتاب وغیرہ پر لگایا گیا ہے تاکہ انہیں ان کے دین پر رہنے دیا جائے اور وہ جان و مال اور عزت کی سلامتی کے ساتھ اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کریں۔

۳۔ صلح کا مسئلہ: اس سے مراد وہ معاہدہ ہے جو امام یا اس کا نائب جنگ کرنے والے کفار سے ایک مقررہ مدت تک جنگ بندی کے لئے کریں، وہ عوض کے ساتھ یا بلا عوض جس طرح اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت دیکھیں عمل کریں۔

لیکن اس لئے کہ ان مسائل کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ان کا محل بحث بڑی بڑی فقہی کتب ہیں لہٰذا ہم اس کی تفصیل ان کے لئے چھوڑتے ہیں، جزیہ کے متعلق ہم اس کتاب کے آٹھویں باب میں ایک مختصر سی بحث کریں گے جسے ہم نے حکومت اسلامی کے مالی ذرائع کے لئے منعقد کیا ہے، باقی رہی صلح و امان تو ان دونوں کے متعلق ہم قارئین کی اجمالی اطلاع کے لئے بعض آیات، روایات اور کلمات علماء کا ذکر کرتے ہیں۔

عقد امان

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کی جائے امن پر پہنچا دو۔ (۸۳)

۲۔ حضرت رسولؐ نے مسجد خیف کے خطبے فرمایا: مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان کے خون برابر ہیں، ان میں

ایک ادنیٰ شخص بھی ان کی طرف سے امان دینے کا اقدام کر سکتا ہے۔ (۸۴)

۳۔ سکونی نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے: میں نے آپ سے کہا کہ نبی کریمؐ کے قول "ان میں ایک ادنیٰ شخص بھی ان کی طرف سے امان دینے کا اقدام کر سکتا ہے" کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر مسلمانوں کا لشکر مشرکین کے کسی گروہ کا محاصرہ کر لے پھر ایک شخص اوپر سے جھانکے اور کہے مجھے امان دو تاکہ میں تمہارے سردار سے ملاقات کر کے اس سے تبادلہ خیال کروں پس اسے ان میں سے ایک ادنیٰ شخص امان دے دے تو ان کے اعلیٰ و افضل پر اس امان پر عمل کرنا واجب ہے۔ (۸۴۔ الف)

۴۔ مسعدہ بن صدقہ نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: امیر المومنینؑ نے عبد مملوک (غلام) کو بھی اجازت دی کہ وہ کسی قلعہ کے رہنے والوں کو امان دے دے کیونکہ وہ مومنین (امان دینے والوں) میں سے ہے۔ (۸۵)

۵۔ محمد بن حکم نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: اگر ایک گروہ نے کسی شہر کا محاصرہ کیا ہوا ہو پس وہ ان سے امان کا سوال کریں اور یہ انکار کریں لیکن وہ گمان کریں کہ ہاں کی ہے اور ان کی طرف آ جائیں تو وہ امان میں ہوں گے۔ (۸۶)

۶۔ شیخ نے المبسوط میں کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے قول "اور اگر مشرکین میں سے کوئی تجھ سے امان چاہے تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ تک پہنچا دو" کی بناء پر مشرکین کے لئے عقد امان جائز ہے نیز حدیبیہ کے سال نبی کریمؐ نے مشرکین کے ساتھ امان کا عہد نامہ لکھا تھا پس اس کا جواز ثابت ہو گیا تو اب دیکھا جائے گا کہ ان سے امان کا معاہدہ کرنے والا اگر امام ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ تمام علاقوں اور شہروں کے مشرکین کے لئے عہد امان کرے کیونکہ مسلمانوں کے مفادات پر نظر رکھنا اس کی ذمہ داری ہے اور یہ عہد نامہ بھی ان میں سے ایک ہے، اگر عہد امان کرنے والا کسی علاقہ میں امام کا نائب و قائم مقام ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ان کفار سے معاہدہ کرے جو اس کے قریب ہیں کیونکہ اس کا اختیار انہی تک ہے اور سب کے لئے وہ ایسا نہیں کر سکتا، اگر عہد امان کرنے والا مسلمانوں میں سے کوئی فرد ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ ایک سے دس تک افراد کو امان دے اور معاہدہ کرے لیکن وہ ایک شہر، علاقہ اور ملک کے لوگوں کے ساتھ عقد امان نہیں کر سکتا کیونکہ اسے تمام مسلمانوں کے مصالح پر نظر کرنے کا اختیار نہیں ہے، پس جب ایک مسلمان کے لئے امان دینے کا جواز ثابت ہو گیا تو اگر عقد امان کرنے والا آزاد اور مکلّف ہو تو اس کے لئے بلا اختلاف جائز ہے اور اگر غلام ہے تو بھی صحیح ہے چاہے اسے جنگ کرنے کا اذن دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو لیکن اس میں آنحضرتؐ کے قول "ان کی طرف سے ان میں ادنیٰ بھی ذمہ لے سکتا ہے" اور ان میں ادنیٰ ان کے غلام ہیں، باقی رہی عورت تو اس کا امان دینا بلا اختلاف صحیح ہے جیسا کہ ام ہانی بنت ابو طالب نے فتح مکہ کے دن مشرکین میں سے ایک شخص کو پناہ دی، پس نبی اکرمؐ نے ان کی پناہ کو درست قرار دیا اور فرمایا "جس کو تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی اور جس کو تم نے امان دی اسے ہم نے بھی امان دی۔"

البتہ طفل اور مجنون کی امان صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں غیر مکلّف ہیں۔ (۸۷)

۷۔ شرائع میں ہے: اور مسلمانوں میں کسی فرد کے لئے جائز ہے کہ وہ اہل حرب میں سے ایک آدھ کو ذمی بنا لے لیکن وہ

ان سب کو اور کسی علاقے کے لوگوں کو امان نہیں دے سکتا، کیا وہ ایک بستی یا ایک قلعہ کے لوگوں کو امان دے کر ذمی بنا سکتا ہے؟ کہا گیا ہے ہاں جس طرح امیر المومنینؑ نے ایک قلعہ والوں کے لئے ایک شخص کی دی ہوئی امان کو جائز رکھا تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ امان نہیں دے سکتا اور یہی قریب صحت ہے کیونکہ امیر المومنینؑ کا فعل ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

البتہ امام اہل حرب کو خصوصاً امان دے کر ذمی بنا سکتا ہے، اسی طرح وہ شخص جس کو امام کسی علاقے کی نگرانی پر مقرر کرے وہ ان لوگوں کو ذمی بنا سکتا ہے اور اس امان پر عمل کرنا واجب ہے جب تک کسی شرعی حکم کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ (۸۷۔ الف)

۸۔ ابن رشد کی بدایہ المجتہد کی کتاب الجہاد میں ہے علماء نے امام کے امان دینے کے جواز پر اتفاق کیا ہے اور جمہور علماء آزاد مسلمان مرد کے امان دینے کے جواز کے قائل ہیں، مگر ابن ماجشون کی رائے ہے کہ یہ امام کی اجازت پر موقوف ہے۔

عورت اور غلام کی طرف سے امان دیئے جانے میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں لیکن ابن ماجشون و سحنون کہتے ہیں کہ عورت کی امان اذن امام پر موقوف ہے اور ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ غلام کی امان جائز نہیں مگر یہ کہ وہ جنگ میں شریک ہو۔ (۸۸)

صلح و ترک قتال

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مگر ہاں جن مشرکوں سے تم نے عہد و پیمان کیا ہے پھر ان لوگوں نے کبھی تم سے (وفاء عہد میں) کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہے تو ان کے عہد و پیمان کو اس کی مدت تک پورا کردو خدا پرہیز گاروں کو یقیناً دوست رکھتا ہے۔ (۸۹)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد کیا: مگر جن لوگوں سے تم نے خانہ کعبہ کے پاس معاہدہ کیا تھا تو وہ لوگ اسے تمہارے ساتھ قائم رکھنا چاہیں تو تم بھی ان سے اپنا عہد قائم رکھو بے شک خدا بد عہدی سے پرہیز کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۹۰)
پس خدائے تعالیٰ نے معاہدے کی پابندی کو تقویٰ کے آثار اور اس کے لوازم میں سے قرار دیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اسی کی طرف مائل ہو جاؤ بے شک وہ (اللہ) سننے جاننے والا ہے۔ (۹۱)

۴۔ نہج البلاغہ میں ہے: اگر دشمن تمہیں ایسی صلح کی دعوت دے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو تو اسے کبھی نہ ٹھکرانا کیونکہ صلح میں تمہارے لشکروں کے لئے آرام و راحت خود تمہارے لئے پریشانیوں سے نجات اور شہروں کے لئے امن کا سامان ہے لیکن صلح کے بعد دشمن سے خوب چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قرب حاصل کرتا ہے تاکہ تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھائے لہٰذا احتیاط کو ملحوظ رکھو اور اس بارے میں حسن ظن سے کام نہ لو۔ (۹۲)

۵۔ شیخ نے المبسوط میں کہا ہے: ہدنہ و معاہدہ کا ایک ہی معنی ہے اور وہ ایک مدت کے لئے بغیر کسی عوض کے قتال کو روک دینا اور جنگ بند کر دینا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بناء پر جائز ہے "اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ" نیز اس کے جواز کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے سال آنحضرتؐ نے قریش سے دس سال تک کے ترک قتال (جنگ بندی) پر صلح کی تھی۔

امام دو حالتوں سے خالی نہیں کہ یا تو اس کو غلبہ حاصل ہو گا یا نہیں ہو گا پس اگر اسے غلبہ حاصل ہو لیکن صلح میں مسلمانوں کا فائدہ ہو اور اس نے ان کے لئے غور و فکر کیا ہو یعنی اسے امید ہو کہ وہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے یا جزیہ دیں گے تو امام صلح کرے گا، اگر اس میں مسلمانوں کی مصلحت نہ دیکھے بلکہ صلح کے ترک کرنے میں مصلحت ہو اور وہ اس طرح کہ دشمن تعداد میں کم اور کمزور ہو اور جنگ بندی سے ان کی قوت بڑھ جائے گی اور وہ اپنے کفر پر برقرار رہیں گے تو پھر صلح جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے ضرر ہے۔

پس جب ان سے اس موقع پر صلح کرے جہاں وہ جائز ہے تو ضروری ہے کہ نص قرآن کی بناء پر چار ماہ کے لئے صلح کریں جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے "پس چلو پھرو زمین میں چار ماہ" لیکن ایک سال یا اس سے زیادہ تک کی صلح جائز نہیں ہے......

لیکن اگر امام کا مشرکوں پر غلبہ نہ ہو بلکہ وہ غالب ہوں کہ ان کی قوت زیادہ اور مسلمانوں کی قوت کم ہو یا دشمن بہت دور کی مسافت پر ہو اور وہاں تک جانے میں بہت مال خرچ کرنا پڑتا ہو تو پھر ان سے دس سال کے لئے صلح کا معاہدہ کر سکتا ہے کیونکہ حدیبیہ کے سال نبی اکرمؐ نے قریش سے دس سال کا معاہدہ صلح کیا لیکن بعد میں خود انہی لوگوں نے اسے توڑ دیا تھا۔ (۹۳)

میں کہتا ہوں ـــــ شیخ کے قول "بغیر عوض کے" سے ظاہر یہ ہے کہ ان کی مراد ہے کہ صلح میں عوض کی شرط نہیں ہے نہ یہ کہ صلح میں عوض کی شرط کرنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ علامہ نے التذکرہ میں کہا ہے: مہادنہ، موادعہ اور معاہدہ باہم مترادف الفاظ ہیں جن کا مطلب عوض کے ساتھ یا بغیر عوض کے ایک مدت تک قتال کو روکنا یا جنگ بندی کرنا ہے اور یہ نص اور اجماع کی بناء پر جائز ہے۔ (۹۴)

۷۔ ابن قدامہ حنبلی کی المغنی میں ہے: اور ہدنہ کا معنی اہل حرب کے ساتھ بالعوض یا بلا عوض ترک قتال کا عہد نامہ طے کرنا ہے، اس کا نام مہادنہ، موادعہ اور معاہدہ ہے اور یہ جائز ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ـــــ "اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان مشرکین سے بیزاری ہے جن سے تم نے صلح کا عہد و پیمان کیا تھا" نیز فرمایا "اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ۔"

مروان و مسور بن مخرمہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے حدیبیہ میں سہیل بن عمرو سے دس سال کی جنگ بندی پر صلح کی تھی، چونکہ بعض اوقات مسلمانوں میں کمزوری ہوتی ہے لہٰذا امام صلح کر سکتا ہے تاکہ اس عرصے میں مسلمان قوی ہو جائیں۔ (۹۵)

۸۔ التذکرہ میں ہے: عقد ذمہ کی صحت میں چار امور ضروری ہیں۔

پہلا امر

اس کا نگران امام ہو یا جسے وہ اس کا اذن دے کیونکہ یہ اہم کاموں میں سے ہے۔

دوسرا امر

مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہو اور اس میں ان کی مصلحت ہو یا تو مقابلہ کرنے میں ان کی کمزوری کی بناء پر صلح کر کے امام ان کے قوی ہونے کا انتظار کرے یا مشرکین کے اسلام لانے یا جزیہ دینے اور حکومت اسلامی کا حکم ماننے کی توقع ہو۔ اگر اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی مصلحت نہ ہو یعنی مسلمان قوی ہوں اور مشرکین کمزور ہوں اور جنگ نہ کرنے میں ان کی قوت کے جمع ہونے کا خوف ہو تو پھر امام کے لئے صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسرا امر

عقد صلح کسی فاسد شرط سے خالی ہو اور یہ ہر عقد میں ضروری ہے پس اگر سرپرست کسی فاسد شرط پر عقد کرے مثلاً عورتیں یا ان کے مہر یا چھینے ہوئے ہتھیار واپس کر دے گا یا انہیں مال دے گا جبکہ ایسا کرنے کی ضرورت نہ ہو ...... پس ایسی سب شرائط فاسد ہیں اور ان سے عقد صلح بھی فاسد ہو جائے گا۔

چوتھا امر

اس مدت کا ذکر واجب ہے کہ جس کے لئے صلح ہوئی ہے۔ (۹۶)

میں کہتا ہوں ـــــ یہ صلح و امان کے دو مسائل کے بارے میں اجمالی بحث ہے. آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی تفصیلی بحث کا محل فقہ میں کتاب الجہاد ہے پس اس کی طرف مراجعہ کریں۔

نویں جہت

عہد پورا کرنے کا وجوب اور وعدہ خلافی کی حرمت چاہے کفار سے ہو

جب امت مسلمہ یا حکومت اسلامی کفار میں سے کسی فرد یا حکومت سے معاہدہ کرے یا کسی تجارتی کمپنی یا کسی ادارہ سے عہد و پیمان کرے اور ان کے درمیان وہ طے ہو جائے تو اس کی پابندی کرنا اور اسے پورا کرنا واجب ہے، اس معاہدے کو کسی بھی طرح سے توڑنا جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ دوسرا فریق خلاف ورزی کرے اور اسے توڑ دے اور عقل و شریعت اس پر دلالت کرتے ہیں۔

۱- یایها الذین آمنوا اوفوا بالعقود - (۹۷)

ترجمہ:۔ "اے ایماندارو اپنے اقراروں کو پورا کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو ہر قسم کے معاہدوں کی پابندی اور پورا کرنے کے وجوب سے شروع کیا ہے، اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایفائے عہد ایمان کے لوازمات میں سے ہے، نیز اس سورہ میں مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی جانب سے عہد و میثاق کو بطور خاص بیان کیا ہے۔

۲- واذکروا نعمة اللّٰه علیکم ومیثاقه الذی واثقکم به اذ قلتم سمعنا واطعنا – (۹۸)

ترجمہ:۔ ”اور جو احسانات خدا نے تم پر کئے ہیں ان کو اور اس عہد کو یاد کرو جس کا وہ تم سے پکا اقرار لے چکا ہے، جب تم نے یہ کہا تھا کہ ہم نے (احکام خدا کو) سنا اور (دل سے) مان لیا۔“

۳- ولقد اخذ اللّٰه میثاق بنی اسرآئیل، وبعثنا منهم اثنی عشر نقیباً (۹۹)

ترجمہ:۔ ”اور اس میں بھی شک نہیں کہ خدا نے بنی اسرائیل سے (بھی ایمان کا) عہد و پیمان لے لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار ان پر مقرر کئے۔“

٤- فبما نقضهم میثاقهم لعنّهم وجعلنا قلوبهم قاسیة- (۱۰۰)

ترجمہ:۔ ”پس ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو (گویا) ہم نے خود سخت کر دیا۔“

۵- ومن الذین قالوا انا نصاری اخذنا میثاقهم فنسو احظاً مما ذکّروا به – (۱۰۱)

ترجمہ:۔ ”اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں ان سے (بھی) ہم نے (ایمان کا) عہد و پیمان لیا تھا مگر جن جن باتوں کی انہیں نصیحت کی گئی تھی ان میں سے ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے۔“

پس سورۂ مائدہ تمام کی تمام عہد و میثاق کے بیان پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے عہد کی پابندی کو مومنین کے صفات میں شمار کیا ہے۔“

٦- والذین هم لاماناتهم وعهدهم راعون – (۱۰۲)

ترجمہ:۔ ”اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں۔“

۷- واوفوا بعهد اللّٰه اذا عاهدتم. ولا تنقضوا الأیمان بعد توکیدها وقد جعلتم اللّٰه علیکم کفیلاً، ان اللّٰه یعلم ماتفعلون – (۱۰۳)

ترجمہ:۔ ”اور جب تم لوگ باہم قول و قرار کر لیا کرو تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو ان کے پکا ہو جانے کے بعد نہ توڑا کرو حالانکہ تم تو خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو، جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اسے ضرور جانتا ہے۔“

۸- واوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولاً – (۱۰٤)

ترجمہ:۔ ”اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔“

ان میں بعض آیات کی تصریح کے علاوہ ان آیتوں کا اطلاق مسلمانوں کے کفار کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں پر بھی ہوتا ہے۔

۹- الا الذین عاهدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً ولم یظاهروا علیکم احداً، فاتموا الیهم عهدهم

الی مدتہم. ان اللہ یحب المتقین – (١٠٥)

ترجمہ:۔ "مگر جن مشرکوں سے تم نے عہدو پیان کیا تھا پھران لوگوں نے کبھی کچھ تم سے (وفائے عہد میں) کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو ان کے عہدو پیان کو جتنی مدت کے واسطے مقرر کیا ہے پورا کر دو. یقیناً خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

١٠- کیف یکون للمشرکین عہد عند اللہ وعند رسولہ. الا الذین عاہدتم عند المسجد الحرام. فما استقاموا لکم فاستقیموا لہم. ان اللہ یحب المتقین – (١٠٦)

ترجمہ:۔ "(جب انہوں نے خود عہد شکنی کی تو) مشرکین کا کوئی عہد و پیان خدا کے نزدیک اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کیونکر (قائم) رہ سکتا ہے مگر جن لوگوں سے تم نے خانہ کعبہ کے پاس معاہدہ کیا تھا تو وہ لوگ (اپنا عہد) تم سے قائم رکھنا چاہیں تو تم بھی ان سے (عہد) قائم رکھو. بے شک خدا (بد عہدی) سے پرہیز کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

ہاں یہ دونوں آیات ایفائے عہد کو تقویٰ کے لوازم میں سے قرار دیتی ہیں

١١- حبہ عرنی سے مروی ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا. جس شخص نے کسی کو اپنے خون پر امین بنایا اور پھر اس نے اسے حقیر سمجھا تو میں قاتل سے بری ہوں اگرچہ مقتول بھی جہنم میں جائے گا۔ (١٠٧)

١٢- عبداللہ بن سلیمان نے کہا کہ میں نے ابو جعفرؑ کو یہ فرماتے سنا! جو شخص کسی کو اپنے ذمہ و امان (اپنے خون پر. خ ل) امین بنائے اور وہ اسے قتل کر دے تو قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ اس نے غدر و بے وفائی کا جھنڈا اٹھا رکھا ہو گا۔ (١٠٨)

١٣- سکونی کی خبر میں ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ سے عرض کیا کہ نبی اکرمؐ کے قول "ان میں سے ادنیٰ بھی ان کی طرف سے ذمہ لے گا" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اگر مسلمانوں کا لشکر مشرکوں کے ایک گروہ کا محاصرہ کرے پس ان میں سے ایک مرد قلعہ سے جھانکے اور کہے مجھے امان دو تاکہ میں تمہارے سردار سے مل کر اس سے گفتگو کروں تو ان میں سے ایک ادنیٰ شخص اسے امان دے پس ان میں سے افضل پر بھی اس کا لحاظ کرنا واجب ہے۔ (١٠٩)

١٤- الخصال میں اس کی سند کے ساتھ ابن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا. چار چیزیں ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ منافق ہے اور اگر ان میں سے ایک ہو تو اس میں نفاق کی ایک عادت ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے اور وہ یہ ہیں ــــ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب عہد کرے تو اسے توڑے اور جب نزاع کرے تو بد زبانی کرے۔ (١١٠)

١٥- نہج البلاغہ میں ہے. وفائے عہد اور سچائی ان دونوں کا ہمیشہ ہمیشہ کا ساتھ ہے اور میرے علم میں اس سے بڑھ کر حفاظت کرنے والی کوئی سپر نہیں کہ جو شخص اپنی بازگشت کی حقیقت کو جان جاتا ہے وہ کبھی غداری نہیں کرتا مگر ہمارا زمانہ ایسا ہے جس میں اکثر لوگوں نے غدر و فریب کو عقل و فراست سمجھ لیا ہے اور جاہلوں نے ان کی چالوں کو حسن تدبیر سے منسوب کر دیا ہے. اللہ انہیں غارت کرے انہیں کیا ہو گیا ہے. وہ شخص جو زمانے کی اونچ نیچ دیکھ چکا ہے اور اس کے ہیر پھیر سے آگاہ ہے وہ

اپنے لئے کبھی کوئی تدبیر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اس کا رستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو وہ اس حیلہ و تدبیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اس پر قابو پانے کے باوجود اسے چھوڑ دیتا ہے اور جسے کوئی دینی احساس سد راہ نہیں وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ (۱۱۱)

۱۶۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ عمرو بن عبسہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسولؐ کو یہ فرماتے سنا: پس جس کا کسی گروہ سے کوئی عہد و پیمان ہو تو وہ نہ اس کی گرہ کو سخت کرے اور نہ کھولے جب تک اس کی مدت ختم نہ ہو یا یکساں طور پر ان کی طرف لوٹا دے۔ (۱۱۲)

۱۷۔ نیز اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ ابو بکرہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص عہد و پیمان کی مدت ختم ہوئے بغیر کسی ذمی کو بے موقع قتل کرے تو خدا اس پر جنت حرام کر دے گا۔ (۱۱۳)

۱۸۔ نیز اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: عہد شکن اور فریب کار کے لئے قیامت میں ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کا دھوکہ ہے۔ (۱۱۴)

امیر المؤمنینؑ نے معاہدوں اور ذمہ داریوں کی نگہداشت کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اس کے ضروری اور لازم ہونے پر حد سے زیادہ زور دیا ہے اگرچہ وہ دشمن کے ساتھ کئے ہوں۔

۱۹۔ پس مالک اشتر کے نام اپنے خط میں فرمایا: اور اگر اپنے اور اپنے دشمن کے درمیان کوئی معاہدہ کرو یا اسے اپنے دامن میں پناہ دو تو پھر عہد کی پابندی کرو، وعدہ کا لحاظ رکھو اور اپنے قول و قرار کی حفاظت کے لئے اپنی جان کو سپر بنادو کیونکہ اللہ کے عائد کردہ فرائض میں سے ایفائے عہد کے ایسی کوئی چیز نہیں جس پر دنیا اپنے ــــ الگ الگ نظریوں اور مختلف رایوں کے باوجود یک جہتی سے متفق ہو اور مسلمانوں کے علاوہ مشرکوں تک نے اپنے درمیان معاہدوں کی پابندی کی ہے اس لئے کہ عہد شکنی کے نتیجہ میں انہوں نے تباہیوں کا اندازہ کیا تھا ــــ لہٰذا تم اپنے عہد و پیمان میں غداری اور اپنے قول و قرار میں بدعہدی نہ کرنا اور اپنے دشمن پر اچانک حملہ نہ کرنا کیونکہ اللہ پر جرائت کسی بدبخت جاہل کے علاوہ دوسرا نہیں کر سکتا اور اللہ نے عہد و پیمان کی پابندی کو امن کا پیغام قرار دیا ہے جسے اپنی رحمت سے بندوں میں عام کر دیا ہے اور ایسی پناہ گاہ بنایا ہے جس کے دامن حفاظت میں پناہ لینے اور اس کے جوار میں منزل کرنے کے لئے وہ تیزی سے بڑھتے ہیں، لہٰذا اس میں کوئی جعلسازی مکاری اور فریب کاری نہ ہونا چاہئے اور کوئی ایسا معاہدہ کرو ہی نہیں کہ جس میں تاویلوں کی ضرورت پڑنے کا امکان ہو، معاہدہ کے پختہ اور طے ہو جانے کے بعد اس کے کسی مبہم لفظ کے دوسرے معنی نکال کر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو اور اس عہد و پیمان الٰہی میں کسی دشواری کا محسوس ہونا تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہونا چاہئے کہ تم ناحق اسے منسوخ کرنے کی کوشش کرو کیونکہ ایسی دشواریوں کو جھیل جانا کہ جن سے چھٹکارے کی اور انجام بخیر ہونے کی امید ہو اس بدعہدی سے بہتر ہے جس کے برے انجام کا تمہیں خوف اور اندیشہ ہو کہ اللہ کے ہاں تم سے اس پر کوئی باز پرس ہوگی اور اس طرح تمہاری دنیا و آخرت دونوں کی تباہی ہوگی۔ (۱۱۵)

۲۰۔ مستدرک میں دعائم الاسلام سے منقول ہے کہ حضرت رسولؐ نے امیر المومنینؑ سے اس عہد و پیمان میں فرمایا جو ان

سے کیا تھا. اللہ کے عہد میں غدر کرنے اور اس کے ذمہ کو توڑنے سے بچو یوںنہ اللہ نے اپنے عہد و ذمہ کو امان قرار دیا ہے جسے اپنی رحمت سے بندوں کے درمیان جاری کیا ہے اور اس تنگی پر صبر کرنا جس کے دور ہو جانے کی امید ہو اس فکر سے بہتر ہے جس کے بوجھوں سرزنشوں اور برے انجام کا خوف ہو۔ (١١٦)

پس یہ ہے اسلام کی سیاست جو معاہدوں اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر مبنی ہے، اگر دشمن کے ساتھ بھی کوئی عہد کیا ہو جس کے باعث تنگی و زحمت آجائے تو بھی اس میں غداری، فریب دہی اور حیلہ جوئی نہیں ہونی چاہئے البتہ دنیا کے بندوں اور اہل حرص کی سیاست بے وفائی اور فریب پر مبنی ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور جو شخص امیرالمومنین ؑ کو سیاست سے ناواقف ہونے کا الزام دیتا ہے اس کی مراد یہی دنیا داروں کی سیاست ہوتی ہے جس کی بنیاد جھوٹ اور فریب پر قائم ہے، آپ نے خود فرمایا "خدا کی قسم! معاویہ مجھ سے زیادہ مکاری نہیں جانتا لیکن وہ غدر اور فجور سے بھی نہیں چوکتا لیکن اگر غداری و عیاری میرے نزدیک مکروہ نہ ہوتی تو میں سب لوگوں سے زیادہ ہوشیار و زیرک ہوتا۔ (١١٧) اسے یاد رکھیں۔

جیسا کہ امیرالمومنین ؑ نے ذکر فرمایا ہے وفائے عہد کرنا ان مسائل میں سے ہے جن پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے اگرچہ ان کے آراء و نظریات میں اختلاف ہے اور اسے تو مشرکوں نے بھی لازم قرار دیا ہے حالانکہ وہ اخلاق و عقائد میں مسلمانوں سے بہت پست تھے، پس یہ ایک فطری امر ہے کہ جسے تمام لوگوں کی عقلیں بہتر تصور کرتی ہیں لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ وفائے عہد کو اپنے اوپر لازم کرے اگرچہ مفروضے کے طور پر وہ خود اس کے لئے ضرر کا باعث بھی ہو اور اس معاہدے کا دوسرا فریق کافر ہی ہو، اگر ایفائے عہد کا اصول نہ ہو تو کوئی کسی پر اعتماد نہ کرے نظام عالم تہ و بالا ہو جائے اور نوع انسانی تکلیف و ضرر میں مبتلا ہو جائے۔

٢١۔ حضرت رسول ؐ نے ایفائے عہد کو اپنی سیرت میں بہت اہمیت دی ہے کیونکہ آپ اپنے معاہدوں کے پابند رہتے جب تک دوسرا فریق اس میں خیانت نہ کرتا تھا۔

پس صلح حدیبیہ میں جب آپ کے اور مشرکین کے نمائندے سہیل بن عمرو کے درمیان معاہدہ صلح طے پا گیا اور اس میں لکھا تھا کہ قریش میں سے جو شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد ؐ کے پاس آیا تو وہ اسے واپس کریں گے" پس اس وقت جب فریقین یہ عہدنامہ لکھ رہے تھے، اچانک ہی ابو جندل آیا جو پہلے سے اسلام لا چکا تھا، تب سہیل اٹھا اور اس کے منہ پر طمانچہ مارتے ہوئے کہا "یا محمد ؐ! اس کے یہاں آنے سے پہلے میرے اور آپ کے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے پس آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا اور اس وقت سہیل اس کو کھینچتا تھا تاکہ اسے قریش کے پاس واپس لے جائے جبکہ ابو جندل بلند آواز سے پکارتا تھا "اے مسلمانوں کی جماعت! کیا میں مشرکین کی طرف پلٹ جاؤں اور وہ میرے دین میں فتنہ و فساد ڈال دیں؟ آنحضرت ؐ نے فرمایا "اے ابو جندل صبر کرو اور یہ مصیبت خدا کے حساب میں جھیلو، بے شک اللہ تمہارے اور جو دیگر کمزور و بے بس ہیں ان کے لئے کشائش اور آزادی کی راہ قرار دے گا، ہم نے اپنے اور اس گروہ قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ کیا ہے اور اس پر ہم نے اور انہوں نے ایک دوسرے کو اللہ کے نام کے ساتھ عہد و پیمان دیا ہے اور اب ہم ان سے عہد شکنی نہیں کر سکتے۔ (١١٨)

حضرت رسولؐ جب مدینہ پلٹ آئے تو ابو بصیر عتبہ بن اسید آپ کے پاس آیا اور وہ ان افراد میں سے تھا جو مکہ میں قید تھے. جب وہ آپ کے پاس پہنچ گیا تو ازہر اور اخنس نے آپ کی طرف ایک خط لکھا جو بنی عامر کے ایک شخص اور انہی کے ایک غلام کے ہاتھ ارسال کیا. جب وہ خط لے کر آپ کے حضور آئے تو آپ نے فرمایا اے ابو بصیر ہم اس قوم کو وہ عہد دے چکے ہیں جسے تم جانتے ہو اور ہمارے دین کے لحاظ سے ہمارے لئے اسے توڑنا درست نہیں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور جو دوسرے کمزور و بے بس ہیں ان کے لئے کشائش اور آزادی کی راہ قرار دے گا، پس تم اپنے قبیلے کی طرف چلے جاؤ. اس نے کہا یارسول اللہؐ ! آپ مجھے مشرکین کی طرف واپس بھیجتے ہیں کہ وہ میرے دین میں مجھے حق سے پھیرلیں؟ آپ نے فرمایا اے ابو بصیر چلے جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے اور تمہارے جیسے بے بس افراد کے لئے کشائش و کشادگی کی راہ قرار دے گا۔ (۱۱۹)

پس رسول اکرمؐ کے اپنے عہد و پیمان پر کار بند رہنے اور اس کی طرف متوجہ رہنے کی طرف غور کریں کہ آپ اس کی خلاف ورزی پر آمادہ نہیں ہوئے اگرچہ اس میں بعض ایسے افراد کی بہتری تھی جو آپ پر ایمان لاکر آپ کی پناہ میں آچکے تھے۔

۲۲۔ صفین میں جب امیرالمؤمنینؑ کے لشکر کا بہت بڑا حصہ تحکیم اور اس کے لئے ابو موسیٰ اشعری کے انتخاب پر راضی ہو گیا اور آپ رائے کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن اس کے بعد جب وہ لوگ اپنی رائے سے پلٹ پڑے اور آپ سے کہنے لگے "جب حکمین کے تقرر پر راضی ہوئے اس وقت ہم بھٹک گئے تھے پس اب ہم اس سے رجوع کرتے ہوئے توبہ کرتے ہیں پس آپ بھی اس فیصلے سے رجوع کریں اور توبہ کریں ـــ اس پر امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا وائے ہو تم پر کیا ہم راضی ہونے اور عہد و پیمان باندھنے کے بعد رجوع کریں اور پلٹ جائیں، آیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ "عہد کی پابندی کرو" نیز فرمایا "اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم معاہدہ کرو قسموں کے پختہ ہونے کے بعد ان کو نہ توڑو جبکہ تم نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کو کفیل قرار دیا ہے" پس امیرالمؤمنینؑ نے اس معاہدے سے پلٹنے سے انکار کر دیا۔ (۱۲۰) اسے یاد رکھیں

وہ تمام چیزیں جو اس فصل میں اسلام کی سیاست خارجہ اور کفار سے مسلمانوں کے معاملہ کے بارے میں ذکر ہوئی ہیں، آپ کے لئے ان کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام دین بھی ہے اور سیاست بھی ہے، وہ عالمی اور ابدی دین ہے وہ دین حق و عدالت ہے پس واجب ہے کہ سب انسانوں کو اس کی طرف دعوت دی جائے، پس مشرق و مغرب میں اس دین کی اور جو اس میں داخل ہو اس کی حمایت اور اس کا دفاع کیا جائے نیز یہ کہ مسلمان ایک امت ہیں اور ان پر بس اسلام ہی حکمرانی کر سکتا ہے، کفر بھی اپنے تمام شعبوں کے ساتھ ایک ہی ملت ہے اور وہ باہم اکٹھے ہو کر اسلام سے عداوت رکھتے ہیں، لہٰذا واجب ہے کہ مسلمان تیاری کریں ساز و سامان مہیا کریں اور اپنی تمام قوتوں کو کفار کے مقابلہ میں یکجا کریں نیز ان سے دوستی قائم کرنا اور انہیں اپنا راز داں بنانا چھوڑ دیں، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حق اور انسانیت کے حق کو ادا کرنے اور توحید و عدالت کا دفاع کرنے کے لئے ہے۔ لیکن اگر وہ مسلمانوں سے جنگ نہ کریں اور ان کے خلاف ایک دوسرے کی پشت پناہی نہ کریں تو ان کے ساتھ احسان اور عدل و انصاف سے معاملہ کیا جائے، جب اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو تو ان کے ساتھ عہد و معاہدہ کیا جائے اور

جب تک وہ اس معاہدہ کی پابندی کریں تو حکومت اسلامی اور امت مسلمہ پر واجب ہے کہ وہ ان معاہدوں کی رعایت کریں کیونکہ یہ چیز ایمان و تقویٰ کے لوازمات میں سے ہے جیسا کہ کتاب عزیز کی نص سے ظاہر ہوتا ہے۔

البتہ جب وہ مسلمانوں سے فریب اور غداری کریں اور اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیں تو ان کے کئے ہوئے عمل کی بناء پر از خود ان کی عزت و حرمت ساقط ہو جائے گی جیسا کہ غداری اور خیانت کے علامات ظاہر ہوں تو پھر صبر کرنا بعض اوقات احتیاط کے خلاف ہوتا ہے اور ایسے غفلت کے وقت ان کے مسلمانوں پر مسلط ہو جانے کا سبب بنتا ہے۔

پس مسلمانوں کے حاکم پر واجب ہے کہ ایسے وقت میں اسلام و امت کے لئے احتیاط کے طور پر ان کو بتادے کہ ہمارے تمہارے دوستانہ تعلقات ختم ہیں لیکن اس طرح کا اعلان کرنے سے پہلے اس کے لئے ان سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جن لوگوں سے تم نے عہد و میثاق کیا تھا پھر وہ لوگ اپنے عہد کو ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور پھر (خدا سے) نہیں ڈرتے تو لڑائی میں اگر وہ تمہارے ہتھے چڑھ جائیں تو ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی تتر بتر کر دو جو ان کی پشت پر ہوں تاکہ یہ عبرت حاصل کریں اور اگر تمہیں کسی گروہ کی خیانت (عہد شکنی) کا خوف ہو تو تم بھی برابر سے ان کا عہد ان کی طرف دے مارو، خدا ہرگز دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۱۲۱)

دسویں جہت۔ سفیروں اور قاصدوں کے لئے سیاسی تحفظ

سفیروں اور قاصدوں کو حاکم اسلامی کے نزدیک وہ احترام اور سیاسی تحفظ حاصل ہے کہ ان میں سے کوئی ایک کسی خوف اور ضرر کے بغیر پیغام پہنچائے یا اپنے مخالفانہ نظریات کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کرے۔

۱۔ قرب الاسناد سے سندی بن محمد سے، ابو البختری سے، جعفرؑ بن محمدؑ سے، ان کے آباء کرامؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے: قاصد اور گروی رکھے ہوئے شخص کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (۱۲۲)

۲۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مسیلمہ کذاب نے حضرت رسولؐ کو خط لکھا:

مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہؐ کی طرف۔ سلام علیک امابعد میں اس امر رسالت میں آپ کا شریک بنایا گیا ہوں آدھی زمین ہمارے لئے اور آدھی قریش کے لئے ہے لیکن قریش تعدی و تجاوز کرنے والا گروہ ہے۔

پس دو قاصد یہ خط لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان سے فرمایا تم دونوں کیا کہتے ہو؟ ہم وہی کہتے ہیں جو اس نے کہا ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا، آگاہ رہو بخدا اگر یہ امر نہ ہوتا کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔

پھر آپ نے مسیلمہ کی طرف لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، امابعد بے شک زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے

اس کا وارث بناتا ہے اور عاقبت متقیوں کے لئے ہے، یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ (۱۲۳)

۳۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ نعیم بن مسعود سے مروی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے مسیلمہ کذاب کا خط پڑھا تو میں نے آپ کو ان دونوں سے یہ فرماتے سنا. تم دونوں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم وہی کہتے ہیں جو اس نے کہا ہے، آپ نے فرمایا قسم بخدا اگر یہ حکم نہ ہوتا کہ قاصد قتل نہیں کئے جائیں گے تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔ (۱۲۴)

۴۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسولؐ کو یہ فرماتے سنا. اگر تم قاصد نہ ہوتے تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔ (۱۲۵)

۵۔ سنن بیہقی میں اس کی سند کے ساتھ عبداللہ سے مروی ہے کہ سنت اس پر جاری ہوئی کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے۔ (۱۲۶)

۶۔ سنن ابو داؤد میں اس کی سند کے ساتھ ابو رافع سے مروی ہے: قریش نے مجھے حضرت رسولؐ کی طرف بھیجا، جب میں نے آپ کو دیکھا تو اسلام میرے دل میں داخل ہو گیا پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! قسم بخدا کہ میں کبھی ان کی طرف پلٹ کے نہ جاؤں گا، آپ نے فرمایا میں عہد و پیمان کو حقیر نہیں سمجھوں گا اور قاصد کو نہیں روک رکھوں گا، البتہ تم واپس جاؤ اور اگر تمہارے نفس میں وہی کچھ ہو جو اس وقت تمہارے نفس میں ہے تو پھر پلٹ آنا پس میں چلا گیا اور پھر نبی اکرمؐ کی خدمت میں واپس آکر اسلام قبول کیا۔ (۱۲۷)

میں کہتا ہوں ــــ شائد حضرت رسولؐ کا کلام ایک ارتکازی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس کا فطرت حکم کرتی ہے کیونکہ اجتماعی نظام کی حفاظت اجتماعی روابط پر موقوف ہے اور وہ قاصدوں اور مراسلوں کی حفاظت و نگہداشت، معاہدوں کو پورا کرنا اور اس قسم کے دیگر امور ہیں جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ عقلاء کی روش سفیروں اور قاصدوں کی حفاظت پر قائم رہی ہے۔

۷۔ بلاذری کی انساب الاشراف میں اس مکتوب کے ذکر میں ہے جو معاویہ نے امیر المومنینؑ کی طرف بھیجا تھا، راوی نے کہا پس جب آپ نے وہ مکتوب دیکھا تو لانے والے سے کہا وائے ہو تجھ پر تمہارے پیچھے کیا ہے؟ اس نے کہا مجھے ڈر ہے کہ آپ مجھے قتل کر دیں گے، فرمایا بھلا میں تجھے کیوں قتل کروں گا، جبکہ تم ایک قاصد ہو۔ (۱۲۸)

گیارھویں جہت۔ دشمن کے جاسوسوں کے بارے میں احکام

جو اہم مسائل حکومتوں اور نظاموں کو درپیش ہوتے ہیں ان میں سے ایک دشمن کے داخلی و خارجی جاسوسوں کا مسئلہ ہے جو معاشروں دفتروں لشکروں اور اہم سرکاری مراکز میں اثر و نفوذ رکھتے اور وہاں سے خاص خاص خبریں اور اطلاعات حاصل کرتے ہیں، ان کی سرگرمیوں سے حکومتوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے اور خاص طور پر جنگوں میں ان کے ہاتھوں بڑی تباہی ہوتی ہے، پس صاحب عقل و تدبیر حاکم پر واجب ہے کہ وہ سرکاری کارندوں میں سے ہر ایک کے حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھے اور ان کی طرف سے کسی خفیہ سرگرمی کے مقابلہ کے لئے ہمیشہ آمادہ و تیار رہے کیونکہ اس معاملے میں کی گئی غفلتیں

بعض اوقات شرمناک شکست اور بدترین خسارے اور نقصان سے دو چار کردیتی ہیں کہ جن کی تلافی نہیں ہوسکتی، شائد کفار کے مقابلے میں قوت فراہم کرنے کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا قول "اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں جن کو تم نہیں جانتے" اس پانچویں کالم (داخلی جاسوسی) کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے دشمن مسلمانوں کے وسائل اور ان کے خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

اسلامی آثار و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جاسوسی کے عظیم گناہ کی مناسب سزا قتل کر دینا ہے مگر یہ کہ بعض وجوہات کی بناء پر اسے معاف کیا جائے جو اسے درست اور راست رو بنائیں، کیونکہ جرم کی سنگینی اور اس کی سزا میں شدت سے بہت سے برے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں پس اس بارے میں ہم بعض روایات نقل کرتے ہیں۔

ا۔ جب مشرکین نے معاہدہ حدیبیہ توڑ دیا تو حضرت رسولؐ نے اسلام کے ساتھ ان کے بغض و عناد اور حق و عدالت کی ترویج میں رکاوٹیں ڈالنے کے پیش نظر مکہ کو فتح کرنے اور ان کو شر و برائی سے روکنے ان کی شان و شوکت پر ضرب لگانے ان پر اچانک جا پڑنے اور ان کو تیاری کا موقع دیئے بغیر انہیں جا لینے کا مصمم ارادہ کیا آپ نے لوگوں کو بتایا ہم مکہ جارہے ہیں اور اس کے لئے ان کو تیاری کرنے کا حکم دیا اور فرمایا "اے خدا! قریش سے جاسوسوں اور خبروں کو لے لے یہاں تک کہ میں اچانک ان کے شہر میں جانکلوں" پس سب لوگ تیار ہوگئے اور جب آنحضرتؐ نے مکہ جانے کے انتظامات مکمل کر لئے تو حاطب بن بلتعہ نے قریش کو ایک خط لکھا جس میں انہیں خبر دی کہ حضرت رسولؐ تمہاری طرف آنے کو تیار ہوگئے ہیں، پھر وہ خط ایک عورت کو دیا اور اس کے لئے انعام مقرر کیا بشرطیکہ وہ یہ خط قریش کو پہنچا دے، اس نے وہ خط اپنے بالوں میں رکھ کر گوندھ لیا اور مکہ روانہ ہوگئی، حضرت رسولؐ کے پاس یہ خبر آسمان سے آئی تو آپ نے علیؑ بن ابی طالب اور زبیر بن عوام کو اس کے تعاقب میں بھیجا اور فرمایا کہ اسے راستے ہی میں جالو پس وہ دونوں نکلے یہاں تک کہ اسے جا پکڑا، اسے سواری سے اتر آنے کو کہا اور اس کے سامان کی تلاشی بھی لی لیکن اس سے کچھ برآمد نہ ہوا، اس پر امام علی مرتضیٰؑ نے اس عورت سے کہا خدا کی قسم نہ تو حضرت رسولؐ کو جھوٹی خبر دی گئی اور نہ ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے پس وہ خط نکال کے دے دو ورنہ ہم تجھے برہنہ کریں گے، جب اس نے آپ کی یہ پختگی دیکھی تو کہا کہ آپ منہ دوسری طرف کرلیں آپ نے منہ پھیر لیا تو اس نے اپنی مینڈیاں کھول کر وہ خط نکال دیا اور آپ نے لاکر حضرت رسولؐ کو دے دیا، آنحضرتؐ نے حاطب کو بلایا اور پوچھا "اے حاطب! کس چیز نے تجھے اس کام پر آمادہ کیا"؟ اس نے کہا یا رسول اللہؐ! بخدا کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں اور میں نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے، لیکن میں ایک ایسا شخص ہوں کہ قریش میں نہ میری اصل ہے اور نہ قبیلہ ہے جبکہ میری بیوی بچے ان کے درمیان رہ رہے ہیں پس میں نے ان لوگوں پر احسان کرنا چاہا ہے، عمر بن خطاب نے کہا یا رسول اللہؐ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ شخص منافق بن گیا ہے، اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اے عمر تجھے کیا معلوم کہ شائد خدائے تعالیٰ بدر کے دن اصحاب بدر کے ایمان سے مطلع ہوا اور ان سے کہا ہو کہ جو عمل چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے حاطب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی "اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ مبادا ان سے محبت کرنے لگو۔"

جو کچھ سیرت ابن ہشام میں آیا ہے اس کا خلاصہ بیان ختم ہوا۔ (۱۲۹)

اسی طرح سنن ابو داوٗد کے باب جہاد میں مروی ہے: پس عمر بن خطاب نے کہا مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق (حاطب بن بلتعہ) کی گردن اڑا دوں، حضرت رسول ؐ نے فرمایا یہ جنگ بدر میں موجود تھا اور تمہیں کیا معلوم کہ شائد خدا نے اہل بدر کے عمل پر مطلع ہو کر کہا ہو کہ جو چاہو کرو کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (۱۳۰)

حاطب بن بلتعہ کا واقعہ علی بن ابراہیم نے بھی اپنی تفسیر میں سورہ ممتحنہ کے ذیل میں لکھا ہے۔ (۱۳۱)

اس واقعہ کو طبرسی نے مجمع البیان میں اور بخاری نے کتاب الجہاد میں روایت کیا ہے لیکن ان کے الفاظ میں اختلاف ہے پس مراجعہ کریں۔

حضرت رسول ؐ نے عمر بن خطاب کے اس نظرئے کی تردید نہیں کی کہ منافق جاسوس کا قتل جائز ہے بلکہ آپ نے شائد اس کی تائید فرمائی ہے لیکن آپ نے حاطب کی سبقت اسلام اور جنگ بدر میں اس کی شرکت کے باعث اسے معاف کرنے کی بات کی ہے لہٰذا یہ قول اس سے منافات نہیں رکھتا کہ اس فعل کی اصل کے لحاظ سے اس کی سزا قتل ہی ہے جیسا کہ آنے والی روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔

پس وہ جو المبسوط میں آیا ہے کہ مسلمان جاسوس کا قتل حلال نہیں کیونکہ نبی کریم ؐ نے حاطب کے قتل کو حلال نہیں سمجھا، یہ قول قابل مناقشہ ہے۔ (۱۳۳)

۲۔ واقدی کی کتاب المغازی میں غزوۂ مریسیع (بنی المصطلق) کے بیان میں کہا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے: پس جب نبی اکرم ؐ نے مقام بقعاء میں نزول اجلال فرمایا تو وہاں مشرکین کا ایک جاسوس پکڑا گیا، صحابہ نے اس سے پوچھا تمہارے پیچھے کیا خبر ہے؟ وہ لوگ کہاں ہیں؟ اس نے کہا مجھے ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے تب عمر بن خطاب نے کہا سچ سچ بتاؤ ورنہ میں تمہاری گردن مار دوں گا، اس نے کہا میں بنی مصطلق کا ایک فرد ہوں میں نے حارث بن ابو ضرار کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ اس نے تمہارے مقابلے میں لوگوں کے جتھے جمع کر لئے ہیں اور اس کی طرف بہت لوگ کھنچ آئے ہیں، اس نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ تمہارے بارے میں اسے خبر پہنچاؤں، پھر کہا کیا تم مدینہ سے آئے ہو؟ پس عمر بن خطاب اس کو حضرت رسول ؐ کے حضور لے آئے اور اس کے متعلق ساری بات بتائی، تب آنحضرت ؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے انکار کر دیا، اس پر عمر بن خطاب نے عرض کیا یارسول اللہ ؐ! اس کی گردن اڑا دیجئے پس آپ نے اسے آگے کھڑا کیا اور اس کی گردن اڑا دی۔ (۱۳۴)

۳۔ مستدرک الوسائل میں دعائم الاسلام سے منقول ہے کہ جاسوس اور دشمن کے نگہبان پر جب قابو حاصل ہو جائے تو انہیں قتل کیا جائے گا اور ہمیں اہل بیت ؑ سے اسی طرح کی روایت پہنچی ہے۔ (۱۳۵)

۴۔ سنن ابو داوٗد میں اس کی سند کے ساتھ سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ حضرت رسول ؐ کے پاس مشرکوں کا ایک جاسوس آیا جبکہ آپ سفر میں تھے، وہ آپ کے اصحاب کے پاس بیٹھا رہا اور پھر وہاں سے نکل گیا، آنحضرت ؐ نے فرمایا اس کو تلاش کر کے قتل کر دو ــــ سلمہ کہتا ہے کہ میں نے اس کی طرف سبقت کی اسے قتل کر دیا اور اس کا ساز و سامان لے لیا پس

آپ نے وہ سب کچھ مجھے بخش دیا۔ (۱۳۶)

۵۔ اسی کتاب میں سلمہ سے روایت ہے: میں حضرت رسولؐ کے ساتھ جنگ ہوازن میں شریک ہوا تو ہم سے کچھ لوگ پیدل اور کچھ کمزور تھے، اس اثناء میں جب ہم ناشتہ کر رہے تھے اچانک ایک شخص سرخ اونٹ پر آیا پس اس نے اونٹ کے پیٹ پر سے ایک رسی کھینچی اور اسے باندھ دیا پھر آکر لوگوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا، وہاں اس نے کمزور افراد اور ان کی پشتوں کی ہڈیاں نکلی ہوئی دیکھیں تو دوڑتا ہوا اپنے اونٹ کے پاس گیا اسے کھولا پھر بٹھایا اور اس پر سوار ہو کر اسے بھگاتا ہوا چلا گیا، ایک شخص نے جو قبیلہ اسلم سے تھا وہ اس کے تعاقب میں گیا جس کا اونٹ مٹیالے رنگ کا تھا اور وہ اُن کے نزدیک سب سے اچھی سواری تھی، سلمہ کہتا ہے کہ میں بھی اس کے پیچھے نکلا اور میں نے اس بھاگنے والے کو پالیا جبکہ ناقہ کا سر اونٹ کی ران کے سامنے تھا اور میں ناقہ کی ران کے سامنے تھا پھر میں آگے بڑھا یہاں تک کہ میں اونٹ کی ران کے مقابل ہو گیا اور میں کچھ آگے بڑھا پس میں نے اونٹ کی مہار پکڑ کر اسے بٹھالیا اور جب اونٹ اپنا گھٹنا ٹیک رہا تھا تو میں نے تلوار سونت کر اس شخص کا سرتن سے جدا کر دیا، پھر اس کی سواری اور اس کا ساز و سامان اپنے ساتھ لے آیا، تب حضرت رسولؐ نے لوگوں میں آتے ہوئے میرا استقبال کیا اور فرمایا اس مقتول کا سب ساز و سامان اسی (سلمہ) کا ہے۔ (۱۳۷)

اس واقعہ کو صحیح مسلم میں بھی روایت کیا گیا ہے۔ (۱۳۸)

۶۔ اسی کتاب میں اس کی مسند کے ساتھ فرات بن حیان سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا جبکہ وہ ابو سفیان کا جاسوس تھا اور انصار میں سے ایک شخص کا حلیف تھا، پس وہ انصار کے ایک گروہ کے پاس سے گزرا اور کہا میں مسلمان ہوں، انصار میں سے ایک فرد نے کہا یا رسول اللہؐ! یہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو آپؐ نے فرمایا "تم میں سے کچھ افراد ایسے ہیں جنہیں ہم نے ان کے ایمان کے سپرد کیا ہوا ہے اور ان میں فرات بن حیان بھی ہے۔ (۱۳۹)

۷۔ ارشاد مفید میں ہے: جب معاویہ بن ابو سفیان کو امیر المومنینؑ کی خبر وفات ملی اور ان کے بیٹے حسنؑ سے لوگوں کے بیعت کرنے کا علم ہوا تو اس نے حمیر میں سے ایک شخص کو کوفہ اور بنی قین کے ایک شخص کو بصرہ بھیجا تاکہ وہ اسے وہاں کی خبریں لکھ بھیجیں اور حسنؑ کے معاملات میں رخنہ ڈالیں، پس امام حسنؑ کو اس کا علم ہو گیا اور آپ نے حمیری کو گوشت والے یا (حجام۔ خ ل) کے ہاں سے پکڑ کر کوفہ سے نکال دینے کا حکم جاری کیا جب اسے برآمد کیا گیا تو آپ نے اسے قتل کرنے کا فیصلہ کیا نیز معاویہ کو لکھا، امابعد تو نے خفیہ طور پر کچھ افراد جاسوس بنا کر زیر زمین کارروائیاں کرنے کو بھیجے ہیں، گویا تو ملاقات (جنگ) چاہتا ہے اور وہ کس قدر قریب نظر آ رہی ہے۔ (۱۴۰)

خلاصہ یہ کہ جاسوسوں کا مستحق قتل ہونا نبی کریمؐ و ائمہ طاہرینؑ کے زمانے میں ایک واضح امر تھا اگرچہ بعض معقول وجوہات کی بناء پر کبھی معاف بھی کر دیا جاتا تھا۔

علاوہ ازیں جاسوس پر منافق، مفسد، محارب اور باغی ہونا بھی صادق آتا ہے، اس پر غور کریں

ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ہے: اے امیر المومنین! آپ نے جاسوسوں کے بارے میں سوال کیا ہے جو اہل حرب، اہل ذمہ یا مسلمانوں میں سے ہوتے ہیں، اگر وہ اہل حرب یا اہل ذمہ جو (یہود، نصاریٰ، مجوس) میں سے جزیہ دیتے ہیں ان میں

سے ہوں تو ان کی گردن اڑادیں اور اگر عرفاً مسلمانوں میں سے ہوں تو ان کو سخت ترین سزا دیں اور طویل مدت تک قید میں رکھیں یہاں تک کہ توبہ کرلیں۔

ابو یوسف نے مزید کہا کہ امام و حاکم کے پاس نگرانوں اور پہرے داروں کی ایک جماعت ہونی چاہئے جو ان راستوں پر رہیں جہاں سے دشمن کے شہروں کو راستے نکلتے ہیں پس جو تاجران کے پاس سے گزریں وہ ان کی جانچ پڑتال کریں، ان میں جس کے پاس ہتھیار ہوں وہ دیکھ کر واپس کئے جائیں جس کے غلام ہوں ان کی تلاشی کرکے اس کے حوالے کئے جائیں اور جس کے پاس خطوط ہوں وہ اس سے لے کر پڑھے جائیں اگر کسی خط میں مسلمانوں کی کوئی خفیہ خبر ہو تو اس خط کے حامل شخص کو امام و حاکم کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ اس کے متعلق مناسب حکم جاری کرے۔ (۱۴۱)

مختصر یہ کہ نظام کی حفاظت جو اہم فرائض میں سے ہے، وہ منافقوں اور دشمن کے جاسوسوں کے بارے میں احتیاط اور ہوشیاری سے کام لینے پر موقوف ہے، یعنی شاہراہوں اور راستوں پر نگہبان رکھے جائیں اور دشمن کے علاقے میں اپنے جاسوس بھیجے جائیں تاکہ وہ ان سازشوں اور مکاریوں کی خبریں معلوم کریں اور امام کو ان سے مطلع کرتے رہیں۔

دشمن کے جاسوسوں اور مسلمانوں کے جاسوسوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم کے جاسوس کفر و فساد کو ترقی دیتے ہیں اور دوسری قسم کے جاسوس حق و عدالت کے نظام کو تقویت دیتے ہیں پس پہلے کے شر کو دفع کرنا اور دوسرے کی مدد کرنا واجب ہے۔

بارہویں جہت۔ کفار، اہل کتاب اور دیگر گروہوں سے نبی اکرمؐ کے معاہدے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیان کی تکمیل کے لئے کفار سے نبی اکرمؐ کے بعض معاہدوں کا ذکر کیا جائے، ان کی تفصیل بڑی کتابوں میں مل سکتی ہے۔

۱۔ میثاق مدینہ

وہ معاہدہ جو آنحضرتؐ اور اہل مدینہ کے درمیان لکھا گیا۔

جب نبی اکرمؐ مدینہ وارد ہوئے تو اس کے بعد آپؐ نے مدینہ کے مسلمانوں، یہودیوں اور دوسرے گروہوں کے درمیان ایک سیاسی دستاویز مرتب کرائی جو انسانی تعلقات اور ایک دوسرے پر ان کے حقوق کی تصریح کرتی ہے، اس معاہدے کو حکومت اسلامی کا دستور اساسی قرار دیا جاسکتا ہے کہ جس کی بنیاد آپ نے مدینہ میں قائم کی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر (اور عہد نامہ) ہے محمد نبیؐ کی طرف سے قریش اور یثرب کے مومنین و مسلمین کے درمیان اور وہ جو ان کے ساتھ آملے اور ان کے ساتھ ہو کر جہاد کرے، یہ سب دوسرے لوگوں سے علیحدہ ایک امت ہیں، مہاجرین قریش اپنی رسم کے مطابق ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے اور مومنین میں عدل و انصاف کے ساتھ اپنے اسیروں کا فدیہ دیں گے، بنو

عوف اپنی رسم کے مطابق دیات لیں گے اور سب گروہ مومنین میں معروف طریقے سے اپنے قیدیوں کا فدیہ دیں گے، بنو حارث پہلے کی طرح دیات لیں گے اور ہر گروہ مومنین میں عدل و انصاف سے اپنے قیدیوں کا فدیہ دے گا، بنو جشم اپنے پہلے طریقے پر خوں بہالیں گے اور ہر گروہ مومنین میں عدل کے ساتھ قیدیوں کا فدیہ دے گا، بنو نجار اپنی رسم کے مطابق دیات لیں گے ان میں ہر گروہ مومنین میں عدل و انصاف کے ساتھ اپنے قیدیوں کا فدیہ دے گا، بنو عمرو بن عوف اپنی رسم کے مطابق دیت لیں گے اور ان میں ہر گروہ مومنین میں عدل و انصاف کے ساتھ اپنے قیدیوں کا فدیہ دے گا، بنو نبیت اپنی رسم کے مطابق دیت لیں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنین میں عدل و قسط سے دیں گے، بنو اوس اپنی پہلی رسم کے مطابق دیت لیں گے اور مومنین میں عدل کے ساتھ اپنے قیدیوں کا فدیہ دیں گے، مومنین اپنے درمیان کسی کو بوجھ تلے دبا ہوا نہیں رہنے دیں گے وہ اسے معروف طریقے سے دیت و فدیہ میں مدد دیں گے، کوئی مومن کسی مومن کو چھوڑ کر اس کے غلام کا حلیف نہیں بنے گا، مومنین میں سے جو بغاوت کرے دوسروں کے ہاتھ اور مال اس کے خلاف ہوں گے، ان میں سے جو ظلم، عدوان اور گناہ کرے یا مومنین میں فساد پھیلانا چاہے تو ان سب کے ہاتھ یکبارگی اس کے خلاف اٹھیں گے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو۔

کوئی مومن دوسرے مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا اور نہ ہی مومن کے خلاف کافر کی مدد کرے گا اور اللہ کا ذمہ و ضمانت ایک ہی ہے اور ان کی ذمہ داری پر ان کا ادنیٰ بھی پناہ دے گا۔

دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر مومنین میں سے بعض بعض کے موالی و دوست ہیں اور یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے اس کے لئے مدد و نصرت ہوگی، ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی، مومنین کی صلح ایک ہی ہے، ایک مومن دوسرے مومن کو چھوڑ کر قتال راہ خدا میں صلح نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ دونوں کے لئے برابر اور مساوی ہوگی، جو لوگ ہمارے ساتھ مل کر جنگ کرتے ہیں ان میں سے بعض بعض کے پیچھے ہوں گے اور مومنین میں سے بعض بعض کی طرف رجوع کریں گے کہ ان کا خون خدا کی راہ میں بہا ہے۔

مومنین متقین ہدایت پر مضبوط و محکم ہیں اور کوئی مشرک قریش کے مال اور نفس کو پناہ نہیں دے گا اور کسی مومن کے اور ان کے درمیان حائل نہیں ہو گا، جو کسی بے گناہ مومن کو قتل کرے اس سے ظاہر بظاہر قصاص لیا جائے مگر یہ کہ مقتول کا وارث راضی ہو جائے، سارے مومنین اس قاتل کے خلاف ہوں گے اور اس کے خلاف قیام کریں گے، جو کچھ اس عہد نامہ میں ہے اس کا اقرار کرنے والا مومن کہ جو خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی غلط کار کی مدد کرے یا اسے پناہ دے ورنہ قیامت کے روز اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہو گا اور اس سے توبہ یا کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، اس میں سے تم جس چیز میں باہم اختلاف کرو گے تو اس کی بازگشت اللہ تعالیٰ اور محمدؐ (رسول اللہؐ) کی طرف ہوگی۔

جب تک کسی سے جنگ رہے گی یہودی مومنوں کے ساتھ اس میں مال خرچ کرتے رہیں گے، بنی عوف کے یہودی مومنوں کے ساتھ امت میں داخل ہیں مگر یہودیوں کا اپنا دین اور مسلمانوں کا اپنا دین ہے اس میں ان کے موالی اور وہ خود شامل ہیں مگر جو ظلم اور گناہ کرے تو وہ اپنے آپ اور اپنے اہل کے سوا کسی کو تباہ نہیں کرے گا، یہود بنی نجار کے لئے وہ حقوق

ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں اور یہود بنی حارث کے لئے وہ ہے جو یہود بنی عوف کے لئے ہے اور یہود بنی ساعدہ کے لئے بنی عوف کی مثل ہے، یہود بنی حبشم کے لئے بنی عوف کی مثل حقوق ہیں، یہود بنی اوس کے لئے بنی عوف کی مثل حق ہے اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے لئے بھی یہود بنی عوف جیسے حقوق ہیں سوائے اس کے جو ظلم و گناہ کرے تو اس کا وبال خود اس پر اور اس کے اہل خانہ پر ہو گا، جفنہ بنی ثعلبہ کی ایک شاخ ہے جو انہی کے ساتھ ہیں ـــــ بنی شطیبہ کے لئے وہی حق ہے جو یہود بنی عوف کے لئے ہے اور نیکی تو گناہ سے الگ ایک چیز ہے، بنی ثعلبہ کے موالی انہی کی طرح ہیں اور یہودیوں کے قریبی دوست بھی اسی طرح حقوق رکھتے ہیں، نیز یہ کہ ان میں سے کوئی محمدؐ (رسول اللہؐ) کے اذن و اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا، کسی کو زخم کی دیت یا قصاص کا مطالبہ کرنے سے نہیں روکا جائے گا، جو کسی کو قتل کرے اس نے خود کو اور اپنے گھر والوں کو قتل کیا مگر وہ جس پر ظلم ہوا ہو، اللہ اس کے ساتھ اور اس پر راضی ہے جو اس عہد نامے کا زیادہ مطیع ہو۔

یہودیوں پر اپنے مصارف اور مسلمانوں پر اپنے مصارف کا ذمہ ہے، ان کے درمیان یہ معاہدہ اس کے خلاف ہے جو اس معاہدے میں شامل ہونے والوں سے جنگ کرے، ان کے درمیان آپس میں خلوص نصیحت اور نیکی مطلوب ہے اور برائی مطلوب نہیں، کوئی شخص اپنے حلیف اور ساتھی کی وجہ سے گناہ گار تصور نہیں کیا جائے گا اور مدد و نصرت مظلوم کے لئے ہے، مدینہ اور اس کا اندرونی حصہ اس معاہدے کے شرکاء کے لئے حرام ہے (یعنی یہاں جنگ نہیں کر سکتے)، ہمسایہ مثل اپنے نفس و ذات کے ہے جب تک وہ ضرر نہ پہنچائے اور گناہ نہ کرے۔

کسی کے حرم و عورت کو اس کے اہل خانہ کے اذن کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی، اس معاہدے کے شرکاء میں کوئی حادثہ یا نزاع ہو کہ جس سے فساد کا خطرہ ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور محمد رسول اللہؐ کی طرف سے ہو گا، اس معاہدے کے سلسلے میں خدا زیادہ متقی اور زیادہ نیکی کرنے والے کے ساتھ ہے، قریش اور وہ جو ان کی مدد کرے اسے پناہ نہیں دی جائے گی بلکہ جو مدینہ پر حملہ کرے اس کے خلاف وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے، جب ان کو ایسی صلح کی طرف بلایا جائے کہ اس فرد یا گروہ سے صلح کریں اور میل جول رکھیں تو اس سے صلح کریں گے اور میل جول رکھیں گے، جب وہ بلائے جائیں اس لئے کہ جو مومنین کے خلاف دین کے معاملے میں جنگ کرے تو اپنے فائدے کے لئے تمام لوگوں کو اس میں بقدر ہمت حصہ لینا ہو گا، اوس کے یہودی اور ان کے موالی اس معاہدہ کے پابند ہیں جس طرح اس معاہدے کے شرکاء پابند ہیں خالص نیکی میں جو ان کی طرف سے ان کے لئے ہے، ابن ہشام نے کہا ہے کہ اس معاہدے کے شرکاء میں نیک اور اچھے کے ساتھ نیکی و حسن سلوک ہے،

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ نیکی تو گناہ سے الگ ایک چیز ہے کہ جسے کوئی نہیں کرتا مگر اپنے نفس کے لئے کرتا ہے اور خدا اس معاہدے کے بارے میں زیادہ مخلص اور زیادہ پابندی کرنے والے پر راضی ہے اور اس تحریر میں تبدیلی نہیں کرے گا مگر وہ جو ظالم و گناہ گار ہو، جو نکلے وہ امن میں ہے اور جو بیٹھا رہے وہ امن میں ہے سوائے اس کے جو ظلم اور گناہ کرے، اللہ اور اس کا رسول محمدؐ اس کے ساتھی ہیں جو نیک اور پرہیز گار ہے۔ (۱۴۲)

میں کہتا ہوں ـــــ اس معاہدے کو کچھ اختلاف کے ساتھ ابو عبیدہ نے الاموال میں نیز مجموعہ الوثائق السیاسیہ میں بھی اس کو

روایت کیا ہے۔ (۱۴۳)

اس معاہدے کی طوالت کے باوجود ہم نے اسے نقل کیا ہے کیونکہ یہ سب سے قدیم سیاسی معاہدہ اور اسلام میں سب سے طویل معاہدہ ہے جو حکومت اسلامی کا سنگ بنیاد ہے، یہ حضرت رسولؐ کی وسعت نظر فکری گہرائی اور سیاسی عظمت کی واضح دلیل ہے، آپ نے اس معاہدے کے ذریعے اہل مدینہ میں سے اوس و خزرج اور یہود کو ان کے باہمی جھگڑوں کے باوجود ایک لڑی میں پرو دیا، آپ نے کفر و شرک کے مقابلے میں ان کو ایک بڑی قوت بنادیا اور ان کے لئے اپنی نگرانی میں ایک عادلانہ حکومت کی بنیاد استوار فرمادی۔

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں یہ عہدنامہ اہم اصولوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱۔ مسلمانوں میں مختلف شعوب و قبائل کے باوجود انہیں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک ہی امت قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ مہاجرین وانصار کے قبائل میں ہرایک کو دیت وفدیہ کے احکام میں ان کے پرانے طریقے پر برقرار رکھا گیاالبتہ بعد میں جب اسلام کے حدود، دیات اور قصاص کے احکام وارد ہوئے توپھر ان طریقوں کو فسخ کردیا۔

۳۔ ہرگروہ پر واجب قرار دیا کہ وہ عدل وانصاف کے مطابق اپنے اسیر کا فدیہ دے

۴۔ مومنین پر واجب ہے کہ ان میں سے جو فدیہ و دیت کے بوجھ تلے دبا ہو وہ اس کی اعانت کریں

۵۔ مومنین پر لازم ہے کہ جو ان کے درمیان ظلم و گناہ اور فساد کے لئے اٹھے تو وہ سب کے سب اس کے خلاف قیام کریں چاہے وہ ان کا اپنا بیٹاہی کیوں نہ ہو۔

۶۔ کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اور نہ مومن کے خلاف کافر کو مدد دی جائے۔

۷۔ ایک ادنیٰ مسلمان کو بھی حق ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری پر جسے چاہے امان دے

۸۔ کسی مشرک کواجازت نہ تھی کہ وہ قریش میں سے کسی مشرک کو جان یا مال میں پناہ دے۔

۹۔ جو مومن کو قتل کرے اس سے قصاص لیا جائے گا مگر یہ کہ مقتول کا ولی دیت پر راضی ہوجائے۔

۱۰۔ کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی جرم کرنے والے کی مدد کرے یا اسے پناہ دے۔

۱۱۔ قبائل یہود ان کے موالی اور ان کے دوستوں کے لئے مذہبی آزادی، عمومی حقوق اور باقی سرگرمیوں میں حصہ ہے بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہیں اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں جنگ میں ان پر بھی اتنا ہی خرچ لازم ہے جتنا مسلمانوں کے ذمہ ہے۔

۱۲۔ اس معاہدے کے تمام شرکاء پر لازم ہے کہ مدینہ پر حملہ کرنے والے کے مقابلہ میں قیام کریں، اگر ان میں سے ایک گروہ صلح کی بات کرے تو اسے یہ حق حاصل ہے مگر یہ کہ وہ دین کے معاملے میں جنگ کررہا ہو۔

۱۳۔ ہمسایہ ایک شخص کے لئے خود اس کے نفس کی مانند ہے جب ضرر نہ پہنچائے اور گناہ نہ کرے۔

۱۴۔ مسلمانوں کے درمیان یا یہودیوں کے درمیان یا مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات میں

نبی اکرم ؐ ہی حکم، مرجع اور فیصلہ کرنے والے ہیں۔

۲۔ صلح حدیبیہ

ہجرت کے چھٹے سال کے آخر میں حضرت رسول ؐ اپنے لوگوں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے، آپ جنگ نہیں چاہتے تھے لہٰذا عمرہ کا احرام باندھ کر چل پڑے یہاں تک کہ حدیبیہ میں جا اترے اور وہیں بیعت رضوان ہوئی، ادھر قریش نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا پکا ارادہ کرلیا اور آنحضرت ؐ نے ان کے ساتھ سفیروں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع کیا، تب قریش نے آپ کے پاس سہیل بن عمرو کو بھیجا تاکہ وہ آپ سے صلح کی بات کرے، اس سے کہلا بھیجا کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں پس عرب ہمارے بارے میں یہ باتیں نہ کریں کہ محمد (رسول اللہ ؐ) زبردستی قریش کے شہر میں داخل ہوئے ہیں، چنانچہ آنحضرت ؐ اور سہیل کے درمیان کئی بار گفتگو ہوئی اور پھر ان کے درمیان صلح طے پا گئی پس حضرت رسول ؐ نے علی ؑ بن ابی طالب کو بلایا اور انہیں صلح نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ اس کی شکل یہ تھی۔

باسمک اللھم

یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد ؐ بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی ہے۔

ان دونوں نے اس بات پر صلح کی کہ لوگوں میں جنگ دس سال تک روک دی گئی ہے تاکہ اس عرصے میں وہ پرامن رہیں اور ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں۔

محمد ؐ (رسول اللہ ؐ) کے اصحاب میں سے جو حج یا عمرہ کرنے یا کاروبار کے لئے مکہ آئے تو اس کا خون و مال مامون ہوگا، اسی طرح قریش میں سے جو کاروبار کے لئے مصر و شام آتے جاتے مدینہ سے گزرے گا اس کا خون و مال محفوظ و مامون ہوگا۔

طے ہوا کہ قریش میں سے جو اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد ؐ کے پاس آئے تو وہ اسے واپس بھیج دیں گے اور اصحاب محمد ؐ میں سے جو قریش کے ہاں آئے وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

ہمارے درمیان نہ عیب جوئی ہوگی نہ تلوار کھنچے گی نہ خیانت ہوگی۔

جو چاہے وہ محمد ؐ سے عقد و عہد کرے اور جو چاہے قریش کے عقد و عہد میں داخل ہوجائے نیز یہ کہ آپ (محمد ؐ) اس سال واپس چلے جائیں اور مکہ میں داخل نہ ہوں، اگلے سال ہم آپ کے لئے شہر خالی کریں گے تب آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور وہاں تین دن قیام کریں گے جبکہ آپ کے ساتھ سوار ہوں جن کی تلواریں نیاموں میں ہوں گی ان کے علاوہ کوئی ہتھیار لے کر وہ مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔

قربانی یہیں ہو جہاں ہم اس وقت آئے ہوئے ہیں اور اس سے آگے نہ لائی جائے۔

اس صلح پر کچھ مرد مسلمانوں میں سے اور کچھ مشرکین میں سے گواہ ٹھہرے...... (۱۴۴)

۳۔ آنحضرتؐ کا امان نامہ (تیماء کے بنی عادیا یہودیوں کے لئے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط محمد رسول اللہؐ کی طرف سے بنی عادیا کے لئے ہے

ذمی بن جانا ان کے فائدے میں ہے اور ان پر جزیہ لازم ہے، ان پر ظلم اور تجاوز نہیں ہو گا، نہ رات ان کی جلاوطنی کو لمبا کرے گی نہ دن اس کو مضبوط کرے گا، اسے خالد بن سعید نے لکھا۔ (۱۴۵)

۴۔ آنحضرتؐ کا اہل ایلہ سے معاہدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ امان نامہ اللہ اور نبی محمد رسول اللہؐ کی طرف سے یحنہ بن رؤبہ و اہل ایلہ کے لئے ہے۔

ان کی وہ کشتیاں اور ان کے وہ قافلے جو سمندر و خشکی میں ہیں ان کے لئے اللہ اور محمد نبیؐ کی طرف سے امان ہے اور ان کے ساتھ جو اہل شام یمن اور اہل بحر ہیں ان کے لئے بھی امان ہے

لیکن ان میں سے جو بھی کوئی جرم کرے تو اس کا مال اس کی جان کے سامنے حائل نہیں ہو گا اور وہ پاک ہو گا اس کے لئے جو اسے لے لے

یہ حلال نہیں کہ انہیں اس پانی سے روکا جائے جس میں وہ داخل ہوتے ہیں نہ ہی کسی راستے سے جس کا وہ خشکی و سمندر سے ارادہ رکھتے ہوں۔

یہ خط جہیم بن صلت و شرجیل نے رسول اللہؐ کے اذن سے لکھا۔ (۱۴۶)

نجران کے علماء و مبلغین کو آنحضرتؐ کا دعوت نامہ

محمد رسول اللہؐ کی طرف سے نجران کے اسقفون کے نام

ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے الہ و معبود کے نام سے شروع

اما بعد میں تمہیں بندوں کی عبادت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور بندوں کی ولایت و سرپرستی سے اللہ کی ولایت و سرپرستی میں آنے کی دعوت دیتا ہوں پس اگر انکار کرتے ہو تو جزیہ دو اور اس سے انکاری ہو تو پھر میں تمہارے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں والسلام (۱۴۷)

۶۔ آنحضرتؐ کا خط ابوالحارث بن علقمہ اسقف نجران کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد نبیؐ کی طرف سے اسقف ابوالحارث: نجران کے اسقفوں، کاہنوں ان کے پیروکاروں اور راہبوں کے نام یقیناً ان

کے لئے وہ سب کچھ ہے جو ان کے گرجوں، ان کی نمازوں اور ان کی رہبانیت میں سے قلیل و کثیر میں سے ان کے زیر دست ہے. اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے ان اسقفوں اور پادریوں میں سے کسی کو بدلا نہیں جائے گا نیز ان کے راہبوں میں سے کسی راہب کو اور ان کے کاہنوں میں سے کسی کاہن کو نہیں بدلا جائے گا. ان کے حقوق میں سے کسی حق کو تبدیل نہیں کیا جائے گا نہ کسی چیز کو ان کے تسلط سے نکالا جائے گا. اسی پر اللہ اور اس کے رسول ؐ کی پناہ ہمیشہ ہے جب تک یہ مخلص و خیر خواہ رہیں اور جو کچھ ان پر عائد ہے اس مصالحت پر برقرار رہیں اور وہ ظلم و ظالموں کی وجہ سے ناقابل برداشت نہ ہو جائیں۔ (۱۴۸)

۷۔ آنحضرتؐ کا نصاریٰ نجران سے معاہدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ معاہدہ ہے جو نبی محمد رسول اللہؐ نے اہل نجران سے کیا ہے

نجران اور اس کے اطراف کے لئے اللہ کی پناہ اور نبی محمد رسول اللہؐ کا ذمہ ہے، ان کے مال و نفوس ان کی ملت ان کے غائب و شاہد اور ان کے قبیلہ ان کے گرجوں اور جو کچھ ان کے اسقفوں میں سے قلیل و کثیر کسی کے زبردست ہے اس کی ضمانت دی گئی ہے، ان کے اسقفوں میں سے کسی اسقف کو نہیں بدلا جائے گا نہ ان کے راہبوں اور کاہنوں میں سے کسی کو بدلا جائے گا. نہ ان پر کوئی پستی (نگہبانی۔ خ ل) ہے نہ زمانہ جاہلیت کا کوئی خون ان کے ذمہ ہے، نہ ان کو بلا کر اکٹھا کیا جائے گا نہ ان سے عشر لیا جائے گا اور ان کے علاقے سے لشکر نہیں گزرے گا، ان میں جو بھی کسی حق کا مطالبہ کرے گا تو ان کے درمیان منصفانہ فیصلہ ہو گا جبکہ وہ نہ ظالم ہوں اور نہ مظلوم ہوں، اگر ان میں سے کوئی شخص پہلے سے سود کھاتا ہے تو میں اس سے بری الذمہ ہوں اور ان میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کے ظلم کی وجہ سے نہیں پکڑا جائے گا۔ (۱۴۹)

تاریخ نسطوریین میں دو طویل وثیقے ملے ہیں جو اہل نجران کے نام نبی اکرمؐ کے تحریر کردہ خط ہیں جن میں بہت ہی اہم مسائل کا ذکر ہے لیکن احتمال ہے کہ یہ دونوں خطوط وضعی اور جعلی ہوں پس مراجعہ کریں۔ (۱۵۰)

باب ۶ فصل ۱۳

حواشی

(۱) سورۂ سبا۔ آیت ۲۸ (۲) سورۂ اعراف۔ آیت ۱۵۸ (۳) سورۂ توبہ۔ آیت ۳۳ (۴) سورۂ نور۔ آیت ۵۵ (۵) سورۂ احزاب۔ آیت ۴۰ (۶) مجمع البیان ۵/ ۲۸۴ الجزء ۱۰ (۷) مجمع البیان ۴/ ۳۶۲ الجزء ۸ (۸) نہج البلاغہ. فیض / ۶۳۸. عبدہ ۲/ ۲۰۰. لح/ ۳۱۳ ۳۱۴. خطبہ ۱۹۸ (۹) الکافی ۱/ ۵۸. کتاب فضل العلم. باب البدع .... حدیث ۱۹ (۱۰) الوثائق السیاسیہ/ ۱۰۰ ۔ ۱۰۳. الرقم ۲۱ (۱۱) الوثائق السیاسیہ/ ۱۰۳. الرقم ۲۲ (۱۲) الوثائق السیاسیہ/ ۱۰۹. الرقم ۲۶ (۱۳) الوثائق السیاسیہ/ ۱۱۰. الرقم ۲۷ (۱۴) الوثائق السیاسیہ/ ۱۳۵. الرقم ۴۹ (۱۵) الوثائق السیاسیہ/ ۱۳۸. الرقم ۵۱

(۱۶) الوثائق السیاسیہ/ ۱۴۰، الرقم ۵۳ (۱۷) الوثائق السیاسیہ/ ۱۴۳، الرقم ۵۳ ـ الف (۱۸) الوثائق السیاسیہ/ ۱۴۴، الرقم ۵۴ (۱۹) سورۂ حدید ـ آیت ۲۵ (۲۰) سورۂ نحل ـ آیت ۹۰ (۲۱) سورۂ اعراف ـ آیت ۲۹ (۲۲) سورۂ نحل ـ آیت ۱۲۵ (۲۳) سورۂ شوریٰ ـ آیت ۱۵ (۲۴) سورۂ مائدہ ـ آیت ۶۷ (۲۵) سورۂ یوسفؑ ـ آیت ۱۰۸ (۲۶) سورۂ نساء ـ آیت ۷۵ (۲۷) الوسائل ۱۱/۵، الباب ۱ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۱ (۲۸) الوسائل ۱۱/۹، الباب ۱ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۱۵ (۲۹) الوسائل ۱۱/۳۰، الباب ۱۰ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۱ (۳۰) سورۂ انفال ـ آیت ۳۹ (۳۱) سنن ابو داؤد ۲/۴۱، کتاب الجہاد، باب علی مایقاتل المشرکون (۳۲) الوسائل ۱۱/۷، الباب ۱ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۸ (۳۳) سورۂ حجرات ـ آیت ۱۳ (۳۴) سورۂ حجرات ـ آیت ۱۰ (۳۵) سورۂ توبہ ـ آیت ۱۱ (۳۶) سورۂ انبیاء ـ آیت ۹۲ (۳۷) سورۂ مومنون ـ آیت ۵۲ (۳۸) تفسیر القرطبی ۱۶/۳۴۲، ذیل الآیت ۱۳ من سورۃ الحجرات (۳۹) تحف العقول/ ۳۴ (۴۰) الکافی ۸/۲۴۶ (الروضہ)، حدیث ۳۴۲ (۴۱) الکافی ۱/۴۰۳، کتاب الحجۃ، باب ما امر النبیؐ بالنصیحۃ لائمۃ المسلمین ...... حدیث ۱ (۴۲) الکافی ۱/۴۰۴، کتاب الحجۃ، باب ما امر النبیؐ بالنصیحۃ لائمۃ المسلمین ...... حدیث ۲ (۴۳) سیرۃ ابن ہشام ۴/۲۵۱ (۴۴) بحار الانوار ۶۵/۲۸۸ طبعۃ ایران ۶۸/۲۸۸، کتاب الایمان والکفر، الباب ۲۴ باب الفرق بین الایمان والاسلام، حدیث ۴۷ عن نوادر الراوندی (۴۵) بحار الانوار ۶۵/۲۹۲ طبعۃ ایران ۶۸/۲۹۲، کتاب الایمان والکفر، الباب ۲۴، حدیث ۵۲ (۴۶) مسند احمد ۴/۲۷۰ (۴۷) الکافی ۲/۱۶۵، کتاب الایمان والکفر، باب اخوۃ المومنین بعضہم لبعض، حدیث ۱ (۴۹) الکافی ۲/۱۶۶، کتاب الایمان والکفر، باب اخوۃ المومنین بعضہم لبعض، حدیث ۳ (۵۰) الکافی ۲/۱۶۷، کتاب الایمان والکفر، باب اخوۃ المومنین بعضہم لبعض حدیث ۱۱ (۵۱) الکافی ۲/۱۶۶، کتاب الایمان والکفر، باب اخوۃ المومنین بعضہم لبعض، حدیث ۵ (۵۲) سفینۃ البحار ۱/۱۲، فی کلمۃ الاخ، عن البحار ۷۱/۲۲۱ طبعۃ ایران ۷۴/۲۲۱ عن الاختصاص (۵۳) الکافی ۲/۱۶۴، کتاب الایمان والکفر، باب الاہتمام بامور المسلمین ...... حدیث ۵ (۵۴) الکافی ۲/۱۷۵، کتاب الایمان والکفر، باب التراحم والتعاطف، حدیث ۴ (۵۵) الکافی ۵/۳۳۷ ـ ۳۴۹، کتاب النکاح، باب ان المومن کفو المومنہ ومابعدہ (۵۶) سورۂ بقرہ ـ آیت ۱۰۵ (۵۷) سورۂ آل عمران ـ آیت ۱۲۰ (۵۸) سورۂ بقرہ ـ آیت ۱۰۹ (۵۹) سورۂ مائدہ ـ آیت ۱۳ (۶۰) سورۂ توبہ ـ آیت ۸ (۶۱) سورۂ انفال ـ آیت ۶۰ (۶۲) سورۂ آل عمران ـ آیت ۱۱۸ ـ ۱۱۹ (۶۳) سورۂ مائدہ ـ آیت ۵۷ (۶۴) سورۂ نساء ـ آیت ۱۴۴ (۶۵) سورۂ ممتحنہ ـ آیت ۱ (۶۶) سورۂ مائدہ ـ آیت ۵۱ ـ ۵۲ (۶۷) سورۂ آل عمران ـ آیت ۱۴۹ ـ ۱۵۰ (۶۸) سورۂ انفال ـ آیت ۶۱ (۶۹) سورۂ نساء ـ آیت ۹۰ (۷۰) سورۂ ممتحنہ ـ آیت ۸ ـ ۹ (۷۱) سورۂ توبہ ـ آیت ۶ (۷۲) سورۂ عنکبوت ـ آیت ۴۶ (۷۳) سورۂ احزاب ـ آیت ۲۱ (۷۴) سنن ابو داؤد ۲/۱۵۲، کتاب الخراج والفیئ والامارۃ، باب فی تعشیر اہل الذمہ (۷۵) فتوح البلدان/ ۱۶۷ (۷۶) نہج البلاغہ، فیض/ ۹۹۳، عبدہ ۳/ ۹۳، لح/ ۴۲۷، مکتوب ۵۳ (۷۷) الوسائل ۱۱/۴۹، الباب ۱۹ من ابواب جہاد العدو، حدیث ۱ (۷۸) نہج البلاغہ، فیض/ ۹۵، عبدہ ۱/ ۶۴، لح/ ۶۹ ـ ۷۰، خطبہ ۲۷ (۷۹) نہج البلاغہ، فیض/ ۹۸۴، عبدہ ۳/ ۹۰، لح/ ۴۲۵، مکتوب ۵۱ (۸۰) :: (۸۱) صحیح البخاری ۱/۲۲۸، فی

الجنائز. باب من قام لجنازة یہودی (۸۲) صحیح البخاری ۱/ ۲۲۸. فی الجنائز. باب من قام لجنازة یہودی (۸۳) سورۂ توبہ۔ آیت ۶ (۸۴) الکافی ۱/ ۴۰۳. کتاب الحجۃ. باب ما امر النبی ؐ بالنصیحۃ لائمۃ المسلمین .... حدیث ۱ (۸۴ ـ الف) الوسائل ۱۱/ ۴۹. الباب ۲۰ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۱ (۸۵) الوسائل ۱۱/ ۴۹. الباب ۲۰ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۲ (۸۶) الوسائل ۱۱/ ۵۰. الباب ۲۰ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۴ (۸۷) المبسوط ۲/ ۱۴ (۸۷ـ الف) الشرائع ۱/ ۳۱۴ (۸۸) بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۷۰ طبعۃ اخریٰ ۱/ ۳۲۶ (۸۹) سورۂ توبہ۔ آیت ۴ (۹۰) سورۂ توبہ۔ آیت ۷ (۹۱) سورۂ انفال۔ آیت ۶۱ (۹۲) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۲۷. عبدہ ۳/ ۱۱۷. لح/ ۴۴۲. مکتوب ۵۳ (۹۳) المبسوط ۲/ ۵۰ ـ ۵۱ (۹۴) التذکرہ ۱/ ۴۴۷ (۹۵) المغنی ۱۰/ ۵۱۷ (۹۶) التذکرہ ۱/ ۴۴۷ (۹۷) سورۂ مائدہ۔ آیت ۱ (۹۸) سورۂ مائدہ۔ آیت ۷ (۹۹) سورۂ مائدہ۔ آیت ۱۲ (۱۰۰) سورۂ مائدہ۔ آیت ۱۳ (۱۰۱) سورۂ مائدہ۔ آیت ۱۴ (۱۰۲) سورۂ مومنون۔ آیت ۸ (۱۰۳) سورۂ نحل۔ آیت ۹۱ (۱۰۴) سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۳۴ (۱۰۵) سورۂ توبہ۔ آیت ۴ (۱۰۶) سورۂ توبہ۔ آیت ۷ (۱۰۷) الوسائل ۱۱/ ۵۱. الباب ۲۰ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۶ (۱۰۸) الوسائل ۱۱/ ۵۰. الباب ۲۰ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۳ (۱۰۹) الوسائل ۱۱/ ۴۹. الباب ۲۰ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۱ (۱۱۰) الخصال ۱/ ۲۵۴. باب الاربعہ. حدیث ۱۲۹ (۱۱۱) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۲۶. عبدہ ۱/ ۸۸. لح/ ۸۳. خطبہ ۴۱ (۱۱۲) سنن ابو داؤد ۲/ ۷۶. کتاب الجہاد. باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو عہد فیسیر الیہ (۱۱۳) سنن ابو داؤد ۲/ ۷۶. کتاب الجہاد. باب فی الوفاء للمعاہد و حرمتہ زمتہ (۱۱۴) سنن ابو داؤد ۲/ ۷۵. کتاب الجہاد. باب فی الوفاء بالعہد (۱۱۵) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۲۷. عبدہ ۳/ ۱۱۷. لح ۴۴۲ ـ ۴۴۳. مکتوب ۵۳ (۱۱۶) مستدرک الوسائل ۲/ ۲۵۰. الباب ۱۹ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۱ (۱۱۷) نہج البلاغہ. فیض/ ۶۴۸. عبدہ ۲/ ۲۰۶. لح/ ۳۱۸. خطبہ ۲۰۰ (۱۱۸) سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۳۳۲ ـ ۳۳۳ (۱۱۹) سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۳۳۷ (۱۲۰) وقعۃ صفین/ ۵۱۴ (۱۲۱) سورۂ انفال۔ آیت ۵۶ ـ ۵۸ (۱۲۲) الوسائل ۱۱/ ۹۰. الباب ۴۴ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۲ (۱۲۳) سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۲۴۷ (۱۲۴ ـ ۱۲۵) سنن ابو داؤد ۲/ ۷۶. کتاب الجہاد. باب فی الرسل (۱۲۶) سنن البیہقی ۹/ ۲۱۲. کتاب الجزیہ. باب السنۃ ان لایقتل الرسل (۱۲۷) سنن ابو داؤد ۲/ ۷۵. کتاب الجہاد. باب فی الامام یستجن بہ فی العہود (۱۲۸) انساب الاشراف ۲/ ۲۱۱ (۱۲۹) سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۳۹ ـ ۴۱ (۱۳۰) سنن ابو داؤد ۲/ ۴۴ ـ ۴۵. کتاب الجہاد. باب فی حکم الجاسوس اذا کان مسلماً (۱۳۱) تفسیر علی بن ابراہیم ۲/ ۳۶۱. مجمع البیان ۵/ ۲۶۹ ـ ۲۷۰ الجزء ۹. صحیح البخاری ۲/ ۱۷۰. کتاب الجہاد والسیر باب الجاسوس (۱۳۲) .. (۱۳۳) المبسوط ۲/ ۱۵ (۱۳۴) المغازی ۱/ ۴۰۶ (۱۳۵) مستدرک الوسائل ۳/ ۲۴۹. الباب ۱ من ابواب الدفاع. حدیث ۱ (۱۳۶ ـ ۱۳۷) سنن ابو داؤد ۲/ ۴۵. کتاب الجہاد. باب فی الجاسوس المستامن (۱۳۸) صحیح مسلم ۳/ ۱۳۷۴. کتاب الجہاد و السیر الباب ۱۳. باب استحقاق القاتل سلب القتیل. حدیث ۱۷۵۴ (۱۳۹) سنن ابو داؤد ۲/ ۴۵. کتاب الجہاد. باب فی الجاسوس الذمی (۱۴۰) الارشاد للمفید/ ۱۷۰ طبعۃ اخریٰ/ ۱۸۸ (۱۴۱) الخراج/ ۱۸۹ (۱۴۲) سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۱۴۷ ـ ۱۵۰ (۱۴۳) الاموال/ ۲۶۰ ـ ۲۶۴. الرقم ۵۱۸. الوثائق

الاموال. ۳۳۲ ـ ۳۳۱ / ۳ سیرة ابن ہشام. ۱۱ الرقم. ۸۰ ـ ۷۷ / الوثائق السیاسیه (۱۴۴) ۱ الرقم. ۶۲ ـ ۵۹ / السیاسیه
الوثائق (۱۴۶) ۱۹ الرقم. ۹۸ /الوثائق السیاسیه (۱۴۵) الوثائق من نقلناه وقد النقل باختلاف. ومابعده ۴۴۰ الرقم. ۲۰۹ ـ ۲۰۶
(۱۴۸) ۹۳ الرقم. ۱۷۴ / الوثائق السیاسیه (۱۴۷) بینهما بتفاوت ۵۱۴ الرقم. ۲۵۸ / الاموال. ۳۱ الرقم. ۱۱۷ / السیاسیه
عبید لابی الاموال. ۴۷ / فتوح البلدان. ۹۴ الرقم. ۱۷۶ ـ ۱۷۵ / الوثائق السیاسیه (۱۴۹) ۹۵ الرقم. ۱۷۹ /الوثائق السیاسیه
۹۷ ـ ۹۶ الرقم ۱۹۰ ـ ۱۸۱ / الوثائق السیاسیه (۱۵۰) ۵۰۳ الرقم. ۲۴۴

چودہویں فصل

اسلام میں عسکری قوت کے اہتمام کی طرف اجمالی اشارہ

اس کتاب (کی جلد اول) کے تیسرے باب کی چھٹی فصل میں جہاد و دفاع کے بارے میں ایک جائزہ گزر چکا ہے جس میں فقہ اسلامی میں ان دونوں کی بحث میں وارد ہونے والی بعض آیات و روایات نقل ہوئی ہیں پس مراجعہ کریں۔

یہاں ہم اجمالی طور پر اتنا ہی کہتے ہیں کہ دعوت اسلام کے لئے انہوں نے جس جہاد کا ذکر کیا ہے وہ ایک طرح سے دفاع ہی کی طرف پلٹتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

انسان کا اپنی ذات اور جو چیزیں اس کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں ان سے دفاع کرنا ایک ایسا امر ہے جس کے حق و ضرورت کا عقل و فطرت حکم کرتے ہیں بلکہ وہ حیوانات کی فطرت میں بھی داخل ہے اور خلقی و پیدائشی طور پر انہیں اپنے دفاع کے ذرائع سے نوازا گیا ہے، پس جس طرح روح میں بدن کی حفاظت و پرورش کے لئے اللہ تعالیٰ نے غذا کی خواہش ودیعت کر رکھی ہے اسی طرح اس میں قوت غضب بھی پیدا کر دی ہے تاکہ وہ انسان کی ذات اور اس سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے دفاع کرنے کے لئے از خود ابھرے اور مدافعت کرے، جیسے خون میں سرخ ذرات رکھے ہیں کہ وہ تمام اجزائے بدن کو مفید مواد پہنچائیں اور پھر خون میں سفید ذرات بھی پیدا کئے تاکہ وہ بدن کا دفاع کریں اور مفسد و نقصان رساں جراثیم کا خاتمہ کریں۔

پس نظام طبیعت میں دفاع کرنا ایک فطری و ضروری امر ہے اور جس طرح ایک فرد اپنے منافع و مصالح کا دفاع کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک معاشرے اور ایک قوم و امت کو بھی اپنا دفاع کرنا پڑتا ہے، چنانچہ حکومت و امت کا وجود ان کی عسکری و فوجی قوت پر موقوف ہے اور امت فوج کی تعداد اور ہتھیاروں کے ذخائر کے لحاظ سے جتنی قوی و مضبوط ہوگی اسی قدر زندگی کے مختلف میدانوں میں اپنے وجود، امن اور استقلال کا دفاع کرنے پر قادر ہوگی۔

لیکن فوج اور فوجی ساز و سامان کی تیاری کے ساتھ اس کا منظم ہونا بہت ضروری ہے نیز یہ کہ صالح و عادل قیادت کے ماتحت اس کی سخت نگرانی کی جائے تاکہ اسے دین حق کی خدمت اور ملک کے مختلف شعبوں کے دفاع کے لئے استعمال کیا جا سکے نہ کہ کسی شخص کی خدمت یا اس کی اور اس کے اقرباء کے مفادات کی حفاظت کا کام لیا جائے جیسا کہ بعض ملکوں میں ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس فوجی قوت کو لوگوں کے اموال اور ان کے حقوق پر تجاوز کرنے اور شہروں اور انسانوں پر زور و زبردستی سے تسلط جمانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے جیسا کہ مغرب و مشرق کی شاہی حکومتوں میں کیا جاتا ہے،

بہرحال یہاں ہم بعض آیات و روایات کا ذکر کرتے ہیں جو فوجوں اور ہتھیاروں کی فراہمی میں اسلام کے اہتمام پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اور (مسلمانو) ان کفار کے (مقابلہ کے) واسطے جہاں تک تم سے ہو سکے (اپنے زور بازو)

اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے (لڑائی کا) سامان مہیا کرو، اس سے تم خدا کے دشمن، اپنے دشمن اور دوسرے لوگوں پر بھی اپنی دھاک بٹھالو گے جنہیں تم نہیں جانتے ہو مگر خدا تو ان کو جانتا ہے اور خدا کی راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم پورا پورا بھر پاؤ گے اور تم پر کسی طرح ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۱)

پس اس آیت میں کئی ایک نکات ہیں جن کی طرف اشارہ کیا جانا چاہئے۔

(ا) عسکری قوت کی ضرورت: چونکہ انسانی معاشرہ افراد و اقوام سے مرکب ہے جو طبائع، افکار اور خواہشات کے لحاظ سے باہم مختلف ہوتے ہیں نیز ان کے طور طریقوں اور مفادات میں تضاد پایا جاتا ہے، پس اگر قوت و طاقت کی فراہمی کے ساتھ ضروری تیاری نہ کی جائے تو طرف مقابل حملہ اور غلبہ کے لئے جرأت کرے گی۔

(ب) قوت و طاقت کے وسیع مفہوم کے لحاظ سے اس کا فراہم و تیار کرنا واجب و ضروری ہے، اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جس سے نظام کی حفاظت اور اس کا دفاع کرنے کی قوت حاصل کی جاسکے، یعنی یونیورسٹیاں بنانا، فوجی چھاؤنیاں قائم کرنا، جنگی جہازوں اور ہیلی کاپٹروں کے کارخانے لگانا اور فنون جنگ کے ماہرین و تجربہ کار افراد کی تربیت کا انتظام کرنا، یہ چیزیں مختلف ممالک، حالات و کوائف اور رفتار زمانہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں، گزشتہ ادوار میں گھوڑا سب سے تیز رفتار سواری کے طور پر معروف تھا، اس وقت ملکوں کی سرحدوں پر اہم قوت گھڑ سوار فوج تھی اور سرحدوں کی حفاظت ہر زمانے میں زبردست اہمیت کی حامل رہی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

(ج) اس آیت میں نبی یا امام نہیں امت مخاطب ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دفاع کی ذمہ داری میں تنہا نبی یا امام جوابدہ نہیں بلکہ یہ فرض ایک ایک مسلمان پر عائد ہوتا ہے اور ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق اس میں حصہ لے، پس وہ ایسی چیزوں میں تجربہ و مہارت حاصل کرے جو جنگ سے تعلق رکھتی ہیں نیز یہ کہ اس مقصد کے لئے اپنا مال بھی خرچ کرے، اگرچہ فوجی و دفاعی نظام قائم کرنا حکومت کے فرائض میں ہے کیونکہ وہ ساری امت و قوم کی نمائندگی کرتی ہے اور اسے حق پہنچتا ہے کہ جب وہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت دیکھے تو فنون حرب کی تعلیم لازمی قرار دے اور لوگوں کو فوج میں جبری طور پر بھرتی کر کے انہیں جنگ و دفاع کے قابل بنائے۔

(د) فوجی طاقت کی فراہمی آتش جنگ کو بھڑکانے کے لئے نہیں ہے، اس ذمہ داری کے پورا کرنے میں یہ شرط نہیں کہ دشمن سامنے موجود ہو اور اس کا حملہ فعلی طور پر متوقع ہو بلکہ فوجی تیاریوں، عسکری سرگرمیوں اور سرحدوں کی کڑی نگرانیوں کا مقصد موجودہ دشمن یا وہ قوت جس کی طرف سے دشمنی کا احتمال ہو اسے مرعوب کرنا اور ڈرانا ہے تاکہ شہروں میں امن و امان رہے اور لوگ اپنے گھروں میں مطمئن ہوں ــــ اسے مسلح صلح کہتے ہیں۔

(ہ) دشمن صرف وہی نہیں ہوتا جس کی دشمنی ظاہر و معلوم ہو، ممکن ہے وہ شخص جسے صلح جو اور مسلمانوں کا دوست تصور کیا جاتا ہو اور وہ اپنے اسلام و ایمان کو نمایاں کرتا ہو در اصل وہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت ترین دشمن ہو جیسے پانچویں کالم کے لوگ یعنی منافقین ہیں، شائد ان کے مقابلے میں تیار ہونے کے لئے ظاہری دشمن کے خلاف تیاری کی نسبت زیادہ مال اور زیادہ محنت کی ضرورت ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

(و) فوجی قوت و طاقت فراہم کرنے میں بہت زیادہ مال خرچ کرنا پڑتا ہے جو سوائے اجتماعی تعاون کے حاصل نہیں ہوتا. اس میں تمام افراد قوم کو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبے سے حصہ لینا چاہئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ترغیب دلائی ہے "اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ تم پورا پورا بھرپاؤ گے" یہ حکم جان و مال اور ان کے علاوہ دیگر سب امور کو شامل ہے، پس غور کریں

۲۔ مجمع البیان میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کہا ہے: عقبہ بن عامر نے نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ قوت سے مراد تیراندازی ہے۔ (۲)

۳۔ الوسائل میں کافی سے ان کی سند کے ساتھ منقول ہے: عبداللہ بن مغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "ان کے لئے اپنے (بازو کے) زور اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے تیاری کرو جتنی بھی تم سے ہوسکے" کے متعلق حضرت رسولؐ نے فرمایا قوت سے مراد تیراندازی ہے۔ (۳)

۴۔ اسی کتاب میں کافی سے اس کی سند کے ساتھ طلحہ بن زید سے مروی ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: تیراندازی اسلام کے حصوں میں ایک حصہ ہے۔ (۴)

۵۔ تفسیر نور الثقلین میں تفسیر عیاشی سے اللہ تعالیٰ کے قول "ان کے لئے اپنے (بازو کے) زور سے جہاں تک ہوسکے تیاری کرو" کے ذیل میں منقول ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا وہ قوت تلوار اور ڈھال ہے۔ (۵)

۶۔ اسی کتاب میں تفسیر علی بن ابراہیم سے اللہ تعالیٰ کے قول "ان کے لئے اپنے (بازو کے) زور سے جہاں تک ہوسکے تیاری کرو" کے ذیل میں منقول ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا وہ قوت جنگی ہتھیار ہیں۔ (۶)

۷۔ درالمنثور میں اس آیت کی تفسیر میں احمد، مسلم، ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ سے عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہوئی ہے کہ اس نے کہا: میں نے حضرت رسولؐ کو فرماتے سنا جبکہ آپ منبر پر تھے "ان کے لئے تیاری کرو قوت میں جتنی تم سے ہوسکے" یاد رکھو قوت سے مراد تیری اندازی ہے یاد رکھو قوت سے مراد تیراندازی ہے یہ تین بار فرمایا۔ (۷)

۸۔ اسی کتاب میں ابن منذر سے مکحول سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: دو ہدفوں اور نشانوں کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے پس تیراندازی کا فن سیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا "ان کے لئے اپنے (بازو کے) زور سے جتنی ہوسکے تیاری کرو" فرمایا پس تیراندازی میں قوت ہے۔ (۸)

۹۔ اسی کتاب میں ابو الشیخ و ابن مردویہ سے ابن عباس سے مروی ہے، خدا کے قول "ان کے لئے اپنے (بازو کے) زور سے جتنی ہوسکے تیاری کرو" انہوں نے کہا یہ قوت تیراندازی، تلواریں اور ہتھیار ہیں۔ (۹)

۱۰۔ الوسائل میں کافی سے ان کی سند کے ساتھ عبداللہ بن مغیرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: مومن کا ہر کھیل باطل ہے مگر تین چیزیں یعنی گھوڑے کو سدھانا، کمان سے تیر چلانا اور اپنی بیوی سے خوش فعلی کرنا کہ یہ تینوں امور صحیح و درست ہیں۔ (۱۰)

میں کہتا ہوں ــــ یہاں باطل سے مراد بے مقصد و بے فائدہ ہونا ہے نہ یہ کہ امر حرام ہو کیونکہ جب تک شرط مذکور نہ ہو

کھیل کود کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے، نبی کریمؐ سے وارد ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تفریح اور کھیل کود کرو اور میں پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دین میں شدت و سختی دیکھی جائے۔ (۱۱)

۱۱۔ اسی کتاب میں صدوق کی الفقیہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب شرط لگا کر مقابلہ ہوتا ہے تو فرشتے چلے جاتے ہیں وہ مقابلہ کرنے والوں پر لعنت کرتے ہیں سوائے گھوڑے اس کی رفتار اس کی زیبائش اور نیزے کے ــــ حضرت رسولؐ نے اسامہ بن زید کے ساتھ گھوڑا دوڑانے میں مقابلہ کیا تھا۔ (۱۲)

۱۲۔ اسی کتاب میں شیخ سے اس کی سند کے ساتھ علاء بن سیابہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے گھوڑا دوڑایا اور سبقت لے گئے، آپ فرمایا کرتے کہ فرشتے رفتار، نیزے اور زیبائش کے مقابلے میں حاضر ہوتے ہیں اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ قمار بازی اور حرام ہے۔ (۱۳)

ان کے علاوہ بھی فریقین کی کتب میں شرط اور مقابلے کے بارے میں روایات موجود ہیں

۱۳۔ اسی کتاب میں کلینی سے ان کی سند کے ساتھ علی بن اسماعیل سے مرفوع روایت ہے کہ اس نے کہا: حضرت رسولؐ نے فرمایا سواری کرو اور تیر اندازی کرو، اگر تیر اندازی کرو تو وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ تم سواری کرو پھر فرمایا مومن کا ہر کھیل باطل ہے مگر تین چیزیں یعنی اپنے گھوڑے کو سدھانا، اپنی کمان سے تیر چلانا اور اپنی بیوی سے خوش فعلی کرنا کیونکہ یہ صحیح و درست ہیں یاد رکھو اللہ تعالیٰ ایک تیر کے باعث تین افراد کو جنت میں داخل کرے گا وہ تیر کا پر بنانے والا، انی کو تیز کرنے والا اور اس کو خدا کی راہ میں چلانے والا ہے۔ (۱۴)

اس کو شیخ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (۱۵)

۱۴۔ درالمنثور میں ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی سے عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہوئی ہے کہ اس نے کہا: میں نے نبی کریمؐ کو یہ فرماتے سنا کہ خدا ایک تیر کے باعث تین افراد کو جنت میں داخل کرے گا یعنی اس کا بنانے والا جو اس میں خیر و بھلائی کا گمان رکھے، وہ جو اسے اللہ کی راہ میں تیز کرتا ہے اور وہ جو اسے خدا کی راہ میں چلاتا ہے پھر فرمایا تیر اندازی کرو اور سواری کرو اور اگر تیر اندازی کرو تو وہ سواری کرنے سے بہتر ہے پھر فرمایا ہر وہ چیز جس سے فرزند آدم لہو و لعب کرے وہ باطل ہے مگر تین چیزیں یعنی اس کا اپنی کمان سے تیر چلانا، اپنے گھوڑے کو سدھانا اور اپنی بیوی سے خوش فعلی کرنا، یہ تینوں امور حق ہیں اور جو شخص تیر اندازی سیکھنے کے بعد اسے ترک کر دے تو یہ اس نے ایک نعمت کا کفران کیا ہے۔ (۱۶)

میں کہتا ہوں ــــ اسلام کا گھوڑوں اونٹوں اور تیر اندازی میں مقابلے کو جائز قرار دینا بلکہ اس کی ترغیب دلانا اور اس کے ساتھ ہی شرط بدنے کو حرام قرار دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس بات کا بہت زیادہ اہتمام کرتا ہے کہ مسلمان فنون حرب میں مہارت حاصل کریں اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے آمادہ و تیار ہوں۔

روایات و کلمات اصحاب میں باب السبق میں اگرچہ گھوڑے اونٹ اور تیر اندازی کا ذکر ہے لیکن احتمال ہے کہ یہ خصوصیت وقتی ہے اور اس مقصد میں وسعت پیدا ہوتی رہی ہے پس اس میں ان تمام آلات جنگ کو شامل کیا جانا چاہئے جو اب تک ایجاد ہوئے ہیں جیسے بمبار طیارے، ہیلی کاپٹر، ٹینک، راکٹ اور لڑاکا بحری کشتی و آبدوز وغیرہ ہیں، یہ کوئی تعبدی حکم نہیں

کہ جس کی وجہ معلوم نہ ہو اور اس کے مصالح پوشیدہ ہوں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہ جانتا ہو. اس مسئلے میں تلاش و جستجو کا مقام فقہ میں کتاب السبق والرمایہ ہے۔

۱۵۔ درالمنثور میں بیہقی سے منقول ہے کہ ابن عمر نے کہا نبی کریمؐ نے فرمایا: اپنے لڑکوں کو تیرنے اور تیر اندازی کی تربیت دو اور عورتوں کو چرخہ کاتنے پر لگاؤ۔ (۱۷)

۱۶۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ ابو رافع سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: بیٹے کا اپنے باپ پر حق ہے کہ وہ اسے لکھنا، تیرنا اور تیر چلانا سکھائے۔ (۱۸)

۱۷۔ کنزالعمال میں ابو رافع سے مروی ہے: بیٹے کا اپنے باپ پر حق ہے کہ وہ اسے لکھنا، تیرنا اور تیر چلانا سکھائے نیز اسے پاکیزہ روزی دے۔ (۱۹)

اس کی روایت نہج الفصاحتہ میں بھی ہوئی ہے اور اس کے آخر میں مزید کہا ہے کہ جب بیٹا بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرے۔ (۲۰)

میں کہتا ہوں ـــــ چونکہ اسلام، مسلمانوں اور ان کے شہروں نیز ان کی ثقافت کا دفاع کرنا اہم اسلامی فرائض میں سے ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس کے لئے قیام کریں یہاں تک کہ ہر وہ شخص اس میں حصہ لے جو اس کی طاقت رکھتا ہو. یہی وجہ ہے کہ گھڑ سواری اور تیر اندازی میں مہارت حاصل کرنا ایک ضروری امر تھا جس کا ہر مسلمان کو اہتمام کرنا چاہئے تھا پس عمومی طور پر تیر اندازی سیکھنے کی ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے، واضح ہے کہ یہ چیز مختلف ملکوں اور زمانوں میں آلات حرب و ضرب کے لحاظ سے ایک جیسی نہیں ہوتی۔

تاہم اسلام نے تمام مسلمانوں پر جہاد واجب کر کے ان سب کو اسلام کا لشکر قرار دیا ہے اور سب سے بہتر اور کامیاب لشکر وہ ہے جو رضا اور رغبت کے ساتھ جہاد و دفاع کی طرف قدم بڑھائے، اس کا حساب اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور ہر ایک کو ایمان و خلوص کے ساتھ میدان میں جانا ہے کیونکہ ایمان کا ہتھیار سب سے قوی اور زیادہ کارگر ہے. صدر اسلام میں اس کی یہی صورت تھی اور بیس ثابت قدم مسلمان دو سو کافروں پر غالب آتے تھے اگرچہ ان کے پاس جنگی ہتھیار ان سے کم ہوتے تھے۔

لیکن حکومت کا منظم لشکر اس قدیم اسلامی لشکر کے ساتھ منافات نہیں رکھتا جو جنگی ساز و سامان میں جدید ترین ہتھیار رکھتا ہو اور اسے مستقل تنخواہ دی جاتی ہو تاکہ وہ شہروں اور سرحدوں کی حفاظت کرے، چنانچہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں ان دونوں قسم کے لشکروں کا ذکر کیا ہے جیسا کہ اس نے تصریح کرتے ہوئے کہا ہے:

"لشکر اسلام دو قسم کا ہے یعنی تنخواہ دار اور رضا کار ـــــ پس تنخواہ دار لشکر والوں کے نام دفتر میں درج ہوتے ہیں وہ اہل جہاد اور مال فئ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی تنخواہ مال فئ میں سے ان کی حیثیت کے مطابق مقرر ہوتی ہے، باقی رہے رضا کار فوجی تو وہ دیوان لشکر سے باہر ہوتے ہیں جو اعراب اور بادیہ نشینوں میں سے ہیں اور اپنی بستیوں میں رہتے ہیں کہ جنہیں خدا نے پکارا ہے، "ہلکے اور بھاری ہو کر جاؤ اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو. اللہ تعالیٰ کے قول " خفافاً و

ثقالاً" میں چار تاویلیں ہیں ان میں ایک ہے جوان اور بوڑھے، یہ حسن و عکرمہ کا قول ہے ـــــ دوسری ہے مالدار و نادار، یہ ابو صالح کا قول ہے تیسری ہے سوار و پیادے، یہ ابو عمر کا قول ہے ـــــ چوتھی تاویل ہے عیالدار و غیر عیالدار، یہ فراء کا قول ہے۔

رضا کار فوجیوں کو صدقات و زکات میں سے مال دیا جائے گا انہیں مال فئ یعنی حضرت رسولؐ کے سہم و حصہ میں سے نہیں دیا جائے گا جو آیت صدقات میں مذکور ہے گویا انہیں مال فئ میں سے دینا جائز نہیں کیونکہ ان کا حق صدقات میں ہے، تنخواہ دار فوجی کہ جن کا تعلق دیوان و دفتر سے ہے انہیں مال صدقات میں سے نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کا حق فئ میں ہے، ان دونوں قسم کے لشکروں میں ہر ایک کے لئے ایسا مال مخصوص ہے جس میں دوسرا اس کا شریک نہیں ہے، تاہم ابو حنیفہ نے جائز قرار دیا ہے کہ دونوں قسم کے لشکروں کو فئ و صدقات میں سے دیا جائے اور حسب ضرورت ان پر خرچ کیا جائے۔ (۲۱)

میں کہتا ہوں ـــــ سہم رسول اللہؐ سے اس کی مراد وہی سہم سبیل اللہ ہے کیونکہ آنحضرتؐ اس کو جہاد میں صرف کرتے تھے، احتمال ہے کہ یہاں الفاظ میں تغیر ہو گیا ہو اور ابو یعلیٰ کی احکام السلطانیہ میں سہم سبیل اللہ لکھا ہوا ہے پس مراجعہ کریں۔ (۲۲)

پھر ظاہر یہ ہے کہ ہر دو قسم کے فوجیوں کو دونوں طرح کے اموال میں سے دینا جائز ہے اور شائد زکات بھی فئ کا ایک جزء ہے جو بیت المال میں جمع ہوتی ہے لہٰذا نبی اکرمؐ کے عہد میں واجب تھا کہ اس کو آپ کی خدمت میں پہنچایا جائے۔

شیخ نے المبسوط میں کہا ہے: غازی دو قسم کے ہیں ان میں پہلی قسم رضا کار ہیں اور وہ وہی ہیں کہ جب خوشحال ہوتے ہیں تو جہاد میں شامل ہو جاتے ہیں اور جب فراخی نہیں ہوتی تو اپنی معاش میں مشغول ہو جاتے ہیں ان کے لئے صدقات کا ایک حصہ ہے، پس جب دارالحرب میں غنیمت حاصل کریں تو غنیمت والوں کے ساتھ شریک ہوں گے اور انہیں اس میں بھی حصہ دیا جائے گا۔ دوسری قسم مستقل مجاہدین کی ہے جنہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے وقف کر رکھا ہے ان کے لئے غنیمت کے پانچ میں سے چار حصے ہیں، تاہم ہمارے ہاں یہ جائز ہے کہ انہیں صدقہ و زکات میں ابن سبیل کے حصے میں سے بھی دیا جائے کیونکہ یہ عنوان ان پر بھی صادق آتا ہے لیکن اس کی تخصیص محتاج دلیل ہے۔ (۲۳)

کفار مسلمانوں کے شہروں اور ان کے ملکوں پر غالب نہیں آئے اور مسلمان کمزور نہیں ہوئے نہ وہ ذلت و کمزوری میں مبتلا ہوئے مگر اس وقت جب انہیں کفار اور ان کے گماشتوں نے جہاد سے غافل کر دیا، علماء سوء جو کفار کے وظیفہ خوار ہیں اور بعض سادہ دل علماء نے جہاد و دفاع کے مسائل کو نظر انداز کر دیا، انہوں نے موجودہ زمانے کے ہتھیاروں سے مسلح ہونے کی ضرورت واضح نہیں کی حالانکہ وہ جہاد و قتال کی آیتیں پڑھتے اور قوت و طاقت حاصل کرنے اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار کرنے کی روایات فریقین کی کتابوں میں دیکھتے ہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان پر جادو کر دیا گیا تاکہ ان کی عقل و فکر اور عزم و ارادہ اپنا کام نہ کریں پس قاری ان آیتوں کو پڑھتا ہے لیکن ان کے مقصد اصلی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا نیز وہ اخبار و روایات دیکھتا ہے مگر ان کی غرض و غایت سے نابلد رہتا ہے۔

۱۸۔ سکونی کی خبر میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: جو جہاد کو ترک کردے اللہ تعالیٰ اسے فقر و فاقہ اور ذلت کا لباس پہناتا ہے اور اس کا دین مٹ جاتا ہے، بے شک اللہ نے میری امت کو ان کے گھوڑوں کے سموں اور ان کے نیزوں کے پھلوں کے ذریعے غنی کیا (عزت دی۔ خ ل) ہے۔ (۲۴)

پس دیکھیں کہ مسلمان کفار کے مقابلے میں کس طرح ذلیل ہوئے ہیں ان کے اموال اور ذخائر لوٹے گئے ہیں اور ان کے شہروں پر فقر و فاقہ اور مردنی چھائی ہوئی ہے کیونکہ کفار نے ان پر حملہ کردیا اور انہوں نے جہاد و دفاع اور مسلح جنگ سے ہاتھ روک رکھے تھے۔

۱۹۔ نہج البلاغہ میں ہے: امابعد جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لئے کھولا ہے، یہ پرہیزگاری کا لباس اللہ کی محکم زرہ اور مضبوط سپر ہے جو اس سے پہلو بچاتا اور اسے چھوڑ دیتا ہے خدا اسے ذلت و خواری کا لباس پہناتا اور مصیبت و ابتلاء کی چادر اوڑھا دیتا ہے، وہ ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرایا جاتا ہے اور اس کے دل پر غفلت و مدہوشی کا پردہ پڑ جاتا ہے، جہاد کو ضائع و رائیگاں کردینے سے حق اس کے ہاتھ سے لے لیا جاتا ہے اسے ذلت سہنا پڑتی ہے اور انصاف اس سے روک لیا جاتا ہے۔ (۲۵)

میں کہتا ہوں ـــــ پس جہاد ایک ایسی سپر اور ڈھال ہے جو مسلمانوں کے معاشرے کو کفر اور اس کے فساد و بے حیائی کے اس کی طرف نفوذ سے بچاتی ہے، جہاد کو ترک کردینا مسلمانوں پر کفار کے تسلط اور ان کے ذلیل و حقیر ہوجانے کا باعث ہے۔

اس کتاب (کی جلد اول) کے تیسرے باب میں جہاد کی فصل میں بہت سی آیات و روایات نقل ہوچکی ہیں پس مراجعہ کریں۔

۲۰۔ فوجوں کے معاملے میں اسلام کا اہتمام ان کی سہولت کے ذرائع ان سے نرمی کا برتاؤ کرنے اور ان کے افسروں کا انتخاب کرنے میں جن چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے وہ مالک اشتر کے نام امیرالمومنینؑ کی وصیت میں بیان ہوئیں جب آپ نے انہیں مصر کا والی بنایا پس آپ نے فرمایا: ہاں تو یہ فوجی دستے بحکم خدا رعیت کی حفاظت کا قلعہ فرمانرواؤں کی زینت دین و مذہب کی قوت اور امن کا وسیلہ ہیں کیونکہ رعیت کا نظم و نسق انہی سے قائم رہ سکتا ہے، فوج کی زندگی کا سہارا وہ خراج ہے جس سے وہ دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے میں تقویت حاصل کرتے اپنی حالت کو درست بناتے اور اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں......

فوج کا سردار اسے بنانا جو اپنے اللہ کا اپنے رسولؐ کا اور تمہارے امام کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہو سب سے زیادہ پاکدامن ہو بردباری میں نمایاں ہو اور جلد غصے میں نہ آتا ہو عذر معذرت پر مطمئن ہوجاتا ہو کمزوروں پر رحم کرتا ہو اور طاقتوروں کے سامنے ڈٹ جاتا ہو، نہ تو بدخوئی اسے جوش میں لاتی ہو اور نہ پست ہمتی اسے بٹھا دیتی ہو، پھر یہ ہونا چاہئے کہ تم اعلیٰ خاندان نیک گھرانے اور اچھی روایات رکھنے والوں ہمت و شجاعت اور جود و سخاء کے مالکوں سے اپنا ربط و ضبط بڑھاؤ کیونکہ یہی لوگ بزرگیوں کا سرمایہ اور نیکیوں کا سرچشمہ ہوتے ہیں، پھر ان کے حالات کی اس طرح دیکھ بھال کرو جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اگر ان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرو جوان کی تقویت کا باعث ہو تو اسے زیادہ اہم نہ سمجھنا اور

اپنے کسی معمولی سلوک کو بھی غیر اہم نہ سمجھ لینا کہ اسے چھوڑ بیٹھو کیونکہ تمہارے اس حسن سلوک سے ان کی خیر خواہی کا جذبہ ابھرے گا اور حسن اعتماد میں اضافہ ہو گا نیز اس خیال سے کہ تم نے ان کی بڑی ضرورتوں کو پورا کر دیا ہے ان کی چھوٹی ضرورتوں سے آنکھ بند نہ کر لینا کیونکہ یہ تھوڑی تھوڑی مہربانی بھی اپنی جگہ مفید ہوتی ہے اور وہ بڑی ضرورتیں پوری کرنا اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں. فوجی سرداروں میں سے تمہارے ہاں وہ بلند مرتبہ قرار پائے جو فوجیوں کی مدد و اعانت میں برابر کا حصہ لیتا اور اپنے مال سے اتنا سلوک کرتا ہو کہ جس سے ان کا اور ان کے پیچھے رہ جانے والے بال بچوں کا بخوبی گزارا ہو سکتا ہو تاکہ وہ ساری پریشانیوں سے چھٹکارا پاکر پوری یکسوئی کے ساتھ دشمن سے جہاد کریں نیز فوجی سرداروں سے تمہارا مہربانی سے پیش آنا ان کے دلوں کو تمہاری طرف موڑ دے گا۔

حکمرانوں کے لئے سب سے بڑھ کر آنکھوں کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ شہروں میں عدل و انصاف برقرار رہے اور رعایا کی محبت ظاہر ہوتی رہے. ان کی محبت اسی وقت ظاہر ہوا کرتی ہے جب ان کے دلوں میں میل نہ ہو اور ان کی خیر خواہی اس وقت ثابت ہوتی ہے جب وہ اپنے حکمرانوں کی حفاظت کے لئے ان کے گرد گھیرا ڈالے رہیں ان کے اقتدار کو سر چڑھا بوجھ نہ سمجھیں اور نہ ان کی حکومت کے خاتمہ کے لئے گھڑیاں گنیں لہٰذا ان کی امیدوں میں وسعت و کشائش رکھنا انہیں اچھے لفظوں کے ساتھ سراہتے رہنا اور ان میں سے اچھی کارگزاری دکھانے والوں کے کارناموں کا تذکرہ کرتے رہنا اس لئے کہ ان کے اچھے کارناموں کا ذکر بہادروں کو جوش میں لے آتا ہے اور پست ہمتوں کو ابھارتا ہے اگر اللہ چاہے جو شخص کوئی کارنامہ انجام دے اسے پہچانتے رہنا اور ایک کا کارنامہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کرنا اس کے حسن کارکردگی کا صلہ دینے میں کمی نہ کرنا. کبھی ایسا نہ کرنا کہ کسی شخص کی بلندی و رفعت کی وجہ سے اس کے معمولی کام کو بڑا سمجھ لو اور کسی کے بڑے کام کو خود اس کے پست ہونے کی وجہ سے معمولی قرار دے لو۔ (۲۶)

میں کہتا ہوں ـــــ سالار لشکر کے محاذ جنگ کی طرف جانے میں ماوردی کے کلام میں اس پر سات حقوق کا بیان ہے جس کا خلاصہ ہم فائدے کی تکمیل کے لئے درج کرتے ہیں جیسا کہ اس نے احکام السلطانیہ میں کہا ہے:

لشکر کو لے کر چلنے میں امیر لشکر پر سات حقوق ہیں

۱۔ اہل لشکر کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور اس رفتار پر چلنا کہ کمزور ترین بھی چل سکے اور قوی ترین کی قوت محفوظ رہے. چلنے کی رفتار اتنی تیز نہ ہو جو کمزور کو ہلاک کر دے اور قوی کی قوت ختم ہو جائے. حضرت رسولؐ نے فرمایا "یہ دین محکم ہے پس اس میں نرمی کے ساتھ چلو کیونکہ متفرق اور بچھڑا ہوا نہ سفر طے کرتا ہے نہ سواری کو باقی رہنے دیتا ہے اور بری رفتار تیز روی اور لوگوں کو تھکا دینا ہے (یا رات کے پہلے حصے میں چلنا ہے)۔ آنحضرتؐ سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا کمزور آدمی اپنے ساتھیوں کا امیر ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کا گھوڑا کمزور ہو لوگوں کو اس کی رفتار پر چلنا چاہئے۔

۲۔ سالار اپنے لشکریوں کے گھوڑوں اور ان کی دوسری سواریوں کی دیکھ بھال کرے اور ان کے حالات کے مطابق سفر طے کرے۔

۳۔ جو مجاہد و غازی اس کے ساتھ ہیں ان کی رعایت کرے اور وہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو بیت المال سے تنخواہ لیتے ہیں

دوسرے وہ جو رضا کارانہ طور پر جہاد میں حصہ لیتے ہیں

۴۔ ان دونوں قسم کے فوجیوں پر نگران ونقیب مقرر کرے تاکہ ان کے ذریعے ان کے حالات سے واقف ہو سکے۔

۵۔ ان میں سے ہر گروہ کے لئے ایک علامت اور نشان مقرر کرے اور وہ اسی سے پکارے جائیں تاکہ جب منتشر ہوں تو پہچانے جائیں اور اکٹھے ہوں تو کامیاب ہوں۔

۶۔ اپنے لشکر کی اور جو لوگ ان میں آ ملے ہوں ان کی چھان بین کرے تاکہ ایسے افراد کو نکال باہر کرے جو مسلمانوں کو جہاد سے الگ رہنے کی تلقین کرتے ہیں ان میں افواہیں پھیلاتے ہیں یا ان کے خلاف مشرکوں کے لئے جاسوسی کرتے ہیں......

۷۔ جو شخص اس سے نسبی تعلق رکھتا ہو یا مسلک میں اس کے موافق ہو اسے اس شخص پر ترجیح نہ دے اور اس کو اس سے کچھ زیادہ نہ دے جو اس سے نسبی تعلق نہیں رکھتا یا مسلک میں اس سے جدا ہے کہ اس طرح ان میں مخالفت ظاہر ہوگی اور وحدت کلمہ میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ (۲۷)

باب جہاد، دفاع اور تنظیم لشکر نیز قوت و طاقت کا فراہم کرنا ایک وسیع باب ہے جس پر بحث کے لئے ایک الگ تالیف کی ضرورت ہے لیکن یہاں ہمارا مقصد اس کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اجمالی طور پر یہ چیز امام و حاکم کے فرائض و وظائف میں داخل ہے کہ مسلمانوں کا جو دشمن سامنے ہے یا جس کی طرف سے دشمنی ظاہر ہونے کا احتمال ہے اس کے خلاف افرادی قوت اور اسلحہ فراہم کرے اور مقابلے کے لئے ہر وقت تیار رہے، پس غور کریں

تنبیہ

معلوم ہونا چاہئے کہ شریعت اسلامی اکثر سیاسی و حکومتی اداروں سے متعلق ان کے اصول کی حد تک متعرض ہوئی ہے اور تفصیلات ہر زمانے کے ولی امر کے لئے رہنے دی ہیں جو مسلمانوں کے حالات و حاجات زمان و مکان اور وسائل و امکانات میں تبدیلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی حد بندی کرے گا۔

مسلح قوت کی تشکیل اور اسلحہ کے کارخانوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ کتاب و سنت میں ان کے کلی احکام وارد ہوئے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول "اور جہاں تک ہو سکے ان کے مقابلے میں اپنے (بازو کے) زور اور بندھے ہوئے گھوڑوں کو تیار کرو کہ جن سے تم اپنے دشمن اور اللہ کے دشمن پر دھاک بٹھاؤ"

مالک اشتر کے نام امیر المومنینؑ کے عہد نامہ میں ہے: پس بحکم خدا لشکر رعیت کا قلعہ والیوں کی زینت دین کی عزت اور امن کا ذریعہ ہے، اس کے بغیر رعیت کے لئے امن اور درستگی نہیں ہو سکتی۔" اسی طرح کے دیگر ارشادات ہیں جن میں فوجی نظام کی تفصیلات ذکر نہیں کی گئیں وہ ہر ملک اور ہر زمانے میں حکم عقل اور سیرت عقلاء کے مطابق طے کی جائیں گی۔ اس بناء پر کہ امت اسلامی فوج و لشکر کے لحاظ سے دو مسلح قوتوں کی ضرورت رکھتی ہے ایک وہ قوت ہے جو اذن خدا سے غیروں کے مقابلے میں رعیت کے قلعے ہیں جو سرحدوں کو بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھتے ہیں، دوسری قوت داخلی امن و امان کے ذریعے ہیں جو شہروں اور انسانوں کو اندرونی دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان شرپسندوں سے بھی جو امن عامہ میں خلل ڈالتے اور ان

کے نفوس اموال اور حقوق پر حملہ کرتے ہیں پس عقل ضرور یہ حکم کرتی ہے کہ ان ہر دو بنیادی مسلح لشکروں کو ان کے مختلف شعبوں کے ساتھ قائم و تیار کرنا لازم ہے یعنی بری بحری اور فضائی افواج کو ان کے لئے ضروری ہتھیاروں اور ساز و سامان سمیت آمادہ کرنا قوم و ملت کی ضرورت ہے۔

مناسب ہے کہ بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنے والی پہلی فوجی قوت کو وزارت دفاع کے ماتحت اور اندرونی شرپسندوں کی سرکوبی کرنے والی دوسری مسلح نفری کو وزارت داخلہ کی نگرانی میں یا عدلیہ کے تحت رکھا جائے یا پہلی قوت کو فوجی قیادت کے زیر نظر اور دوسری کو انتظامیہ کے اختیار میں دیا جائے یا آپ اس کی جو بھی تعبیر کرنا چاہیں کرلیں، تاہم ضروری ہے کہ ان دونوں قوتوں میں سے ہر ایک سے متعلق افراد کی تربیت کے لئے ایک عملی و فنی ادارہ ہونا چاہیئے جو اس کے لئے مخصوص ہو اور اس میں اسی قوت کے حسب حال تربیت کا نظام موجود ہو۔

جیسا کہ عقل و شریعت حکم لگاتے ہیں کہ قتال و دفاع پر قدرت رکھنے والے تمام مسلمانوں کے لئے جنگی تربیت اور مہارت حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ایک رضاکار لشکر کے طور پر مسلمانوں کے دفاع کے لئے آمادہ رہیں اور جب بھی غیر متوقع طور پر خاص قسم کے حالات پیش آئیں اور ان دونوں قوتوں میں سے کسی ایک کو ان کے تعاون کی ضرورت ہو تو وہ اس کے ساتھ ہو کر ملک و قوم کا دفاع اور تحفظ کریں۔ اسے یاد رکھیں۔

اس کے ساتھ ہی قسم قسم کے ہتھیار اور فوجی ساز و سامان جیسے بم ٹینک راکٹ آبدوز طیارے ہیلی کاپٹر وغیرہ تیار کرنے کے لئے کارخانے لگائے جائیں جو کسی مضبوط، عادل اور قابل ماہر جنگ کی نگرانی میں کام کریں اور وہ تمام چیزیں اپنے ملک میں بنیں جن کی مسلح لشکروں کو ضرورت پڑتی ہے پس یہ وہ کام ہے جس کے ضروری ہونے کا عقل و شریعت حکم کرتے ہیں۔

ہمارے اس بیان سے واضح ہوجاتا ہے کہ ہمارے زمانے میں اور ہمارے ملکوں میں جو متعدد مسلح قوتیں ہیں مثلاً پاسداران انقلاب، مجلس انقلاب اسلامی، شہری پولیس، رینجرز، عدلیہ کی پولیس، اور آفیسرز وغیرہ کو آہستہ آہستہ سرحدی لشکر اور اندرونی لشکر کے ساتھ منسلک کر دیا جائے کیونکہ کئی مسلح دستے جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوں نیز بری بحری اور فضائی فوج بھی ہو، پھر جنگی سامان تیار کرنے والے کارخانوں کے الگ الگ دفاتر کہ جو ایک ہی طرح کا اسلحہ بناتے ہوں تو یہ صورت حال اس چیز کا سبب بنتی ہے کہ بیت المال پر بہت زیادہ بوجھ پڑجائے اور دوسرے ان کے نگرانوں اور افسروں کے فرائض ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوجائیں، اس سے لوگ یہ سمجھنے میں پریشانی محسوس کرتے ہیں کہ بعض کاموں کا اصلی ذمہ دار کون ہے نیز آئندہ چل کر ان ایک جیسے اداروں کے مابین اختلاف و تضاد پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے، پس ملک و ملت کا والی و سرپرست اس اہم مسئلے کی طرف متوجہ ہو اور انہیں صحیح خطوط پر منظم کرے چاہے موجود الوقت ادارے کتنا ہی اعلیٰ معیار رکھتے ہوں اور ان میں کام کرنے والے لوگ ایمان و تقویٰ کے کتنے ہی اونچے درجے پر فائز ہوں، پس غور کریں

باب ۶ فصل ۱۴

حواشی

(۱) سورۂ انفال۔ آیت ۶۰ (۲) مجمع البیان ۲/ ۵۵۵. الجزء ۴ (۳) الوسائل ۱۳/ ۳۴۸. الباب ۲ من کتاب السبق والرمایۃ. حدیث ۳ (۴) الوسائل ۱۳/ ۳۴۸. الباب ۲ من کتاب السبق والرمایۃ. حدیث ۲ (۵) نور الثقلین ۲/ ۱۶۴. حدیث ۱۳۹ (۶) نور الثقلین ۲/ ۱۶۵. حدیث ۱۴۰ (۷۔ ۸۔ ۹) در المنثور ۳/ ۱۹۲ (۱۰) الوسائل ۱۳/ ۳۴۷. الباب ۱ من کتاب السبق والرمایۃ. حدیث ۵ (۱۱) نہج الفصاحۃ / ۱۰۵. حدیث ۵۳۱ (۱۲) الوسائل ۱۳/ ۳۴۷. الباب ۱ من کتاب السبق والرمایۃ. حدیث ۶ (۱۳) الوسائل ۱۳/ ۳۴۹. الباب ۳ من کتاب السبق والرمایۃ. حدیث ۳ (۱۴) الوسائل ۱۱/ ۱۰۷. الباب ۵۸ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۳ (۱۵) .. (۱۶) در المنثور ۳/ ۱۹۲ (۱۷۔ ۱۸) در المنثور ۳/ ۱۹۴ (۱۹) کنز العمال ۱۶/ ۴۴۳. الباب ۷ من کتاب النکاح من قسم الافعال. حدیث ۴۵۳۴۰ (۲۰) نہج الفصاحۃ ۲۹۳. حدیث ۱۳۹۴ (۲۱) الاحکام السلطانیہ / ۳۶ (۲۲) الاحکام السلطانیہ / ۳۹ (۲۳) المبسوط ۲/ ۴۷ (۲۴) الوسائل ۱۱/ ۵. الباب ۱ من ابواب جہاد العدو. حدیث ۲ (۲۵) نہج البلاغہ. فیض/ ۹۴. عبدہ ۱/ ۶۳. لح/ ۶۹. خطبہ ۲۷ (۲۶) نہج البلاغہ. فیض / ۱۰۰۳. عبدہ ۳/ ۱۰۰. لح/ ۴۳۲. مکتوب ۵۳ (۲۷) الاحکام السلطانیہ / ۳۵۔ ۳۷

پندرہویں فصل

ان آیات و روایات کا اجمالی ذکر جو امام و امت کے باہمی حقوق پر دلالت کرتے ہیں. امت پر واجب ہے کہ امام کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور اسی طرح ان عمال و حکام کی اطاعت کرے جو اس کی طرف سے مقرر ہوئے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور جو تم میں سے صاحبان حکم ہوں ان کی اطاعت کرو۔" (۱)

اس آیت کی تفسیر اور اولی الامر کے معنی بیان ہو چکے ہیں. اطیعوا کے تکرار کی وجہ بھی اس کتاب (کی جلد اول) کے دوسرے باب میں ان آیات میں چھٹی آیت کے ذیل بیان ہوئی جو نبی و ائمہ کی ولایت پر دلالت کرتی ہیں نیز اس کتاب (کی جلد اول) کے پانچویں باب کی تیسری فصل میں مقبولہ عمر بن حنظلہ کی تمہید کے طور پر بھی اس کا بیان آیا ہے پس مراجعہ کریں۔

جو کچھ وہاں ذکر ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے. اللہ کی اطاعت کا امر ان احکام سے متعلق ہے جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں اور یہ امر ارشادی ہے لیکن رسول و اولی الامر کی اطاعت کا امر ان احکام کے لئے ہے جو ان کی طرف سے بطور ولی و حاکم کے صادر ہوئے اور ان کی اطاعت کے لئے یہ امر ولائی ہے ارشادی نہیں. اسی لئے اطیعوا کا تکرار ہوا ہے۔

آیت میں اس امر سے مراد ولایت و حکومت ہے کیونکہ ایک طرف سے اس کا تعلق امر کے ساتھ اور دوسری طرف سے اطاعت کے ساتھ ہے اسی سبب سے اس کو حکومت بھی کہا جاتا ہے پس اولی الامر سے مراد وہ حکام ہیں جن کو نظام معاشرہ اور فصل خصومات و مقدمات میں امر و نہی کا حق حاصل ہو۔ اگرچہ ہمارے نزدیک امامت عظمیٰ ائمہ معصومین کا حق ہے جو عترت نبی میں سے ہیں اور جب وہ موجود و حاضر ہوں تو بھی دوسرے لوگوں کی امامت باطل ہے لیکن یہ چیز تفصیل سے ذکر ہو چکی ہے کہ زمانہ غیبت امام میں حکومت معطل نہیں رہ سکتی اور اس کا معطل رکھنا اسلام کو معطل کر دینے کے مترادف ہے۔

حاکم اصلی کے لئے اس کے دائرہ ولایت اور مقام حکم میں مطلق طور پر امر و نہی کا حق ثابت ہے اور اس کی اطاعت لازم اور ضروری ہے. کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص کو ولایت پر شرعی طور پر نصب کرنے یا منتخب کرنے میں چاہے وہ کسی شعبہ میں یا کسی خاص علاقہ میں ہو اس کی اطاعت کو لازم قرار نہ دیا جائے جبکہ اس کے بغیر امر ولایت تکمیل نہیں پاتا اور اس کی غرض و غایت حاصل نہیں ہوتی پس ولی و حاکم کی اطاعت کرنا ضروری ہے. پس وجوب اطاعت کو اس کے صاحب امر ہونے سے متعلق کرنا گویا حکم کو وصف کے ساتھ مربوط کرنا ہے جو اطاعت کی علت و سبب کو ظاہر کرتا ہے لہٰذا وجوب اطاعت کی بنیاد اس کا اس طرح سے صاحب امر ہونا ہے کہ اسے امر و نہی کرنے کا حق ہو چاہے وہ معصوم ہو یا غیر معصوم ہو. یہاں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وجوب اطاعت کو امام معصوم کے لئے مخصوص کیا جائے اور نبی اکرم و امیر المؤمنین کے مقرر کئے ہوئے عمال

مثل مالک اشتر کی اطاعت جائز نہ رکھی جائے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

پس وہ حصر جو بعض روایات میں مذکور ہے کہ جن کا اس آیت کی تفسیر میں ذکر ہوا ہے جیسے برید کی خبر میں ابو جعفرؑ کا ارشاد ہے "اس میں خصوصیت سے ہم ہی مراد ہیں اور قیامت تک کے لئے تمام مومنین کو ہماری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ (۲)

واجب ہے کہ اس حصر کو ان حکام جور کی نسبت سے حصر اضافی قرار دیا جائے جو اس زمانے میں حکومت کے کاموں پر تصرف رکھتے تھے۔

اگرچہ ائمہ معصومینؑ کی اطاعت قیامت تک کے لئے واجب ہے لیکن یہ چیز زمانہ غیبت میں حکومت حقہ کی تشکیل کے وجوب کے ساتھ منافات نہیں رکھتی اور اس حکومت کی اطاعت واجب ہے کیونکہ آیات قرآن خاص مواقع و موارد کے ساتھ مقید نہیں ہیں اور بعض روایات میں تطبیق اور تخصیص ان میں اطلاق و عموم کے ساتھ تمسک کرنے سے مانع نہیں ہے. مگر یہ کہا جائے کہ ان کی طرف سے نصب کئے گئے حاکم یا اسلامی معیار اور ان کی طرف سے بیان شدہ قواعد کے تحت منتخب ہونے والے کی اطاعت گویا ائمہ معصومینؑ کی اطاعت سے جاملتی ہے اور ہم حاکم کی اطاعت کے وجوب کو لازم قرار دینے کے بعد اس سے انکار نہیں کرتے. البتہ غیر معصوم حاکم و رہبر کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی معصیت میں جائز نہیں ہے جیسا کہ اخبار سے معلوم ہوتا ہے اور ان کا ذکر آگے آئے گا بلکہ خود آیت میں بھی یہی کہا گیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ صاحب امر کی اطاعت ہے یعنی وہ جسے حق امر حاصل ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دے. صاحب امر کا اطلاق سوائے اس کے کسی پر نہیں ہوتا کہ جس کو حق امر ہو جیسا کہ صاحب خانہ کی لفظ نہیں بولی جاتی مگر اس کے لئے جو اس کا شرعی طور پر مالک ہو نہ یہ کہ وہ غصب یا ظلم سے اس پر قابض ہو گیا ہو پس حکام جور خاص طور پر ان آیات کے مفہوم سے خارج ہیں۔

زمخشری نے اسی آیت کی تفسیر میں کہا ہے: اولی الامر سے مراد امراء حق ہیں کیونکہ امراء جور سے اللہ اور اس کے رسولؐ بری ہیں پس اللہ و رسولؐ کی اطاعت کے وجوب میں ان کی اطاعت کا عطف نہیں ہو سکتا. جمع تو اللہ و رسولؐ اور ان امراء کے درمیان کیا جاتا ہے جو عدل کو ترجیح دینے حق کو اختیار کرنے ان کے احکام کو نافذ کرنے اور ان کی مخالفت سے نہی کرنے میں اللہ اور رسولؐ کے فرمانبردار ہوتے ہیں......

پھر امراء جور کی اطاعت کس طرح لازم ہو سکتی ہے جبکہ خدائے تعالیٰ نے اطاعت اولی الامر کے حکم کو اس طرح واضح کیا ہے کہ جس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا اور وہ اس طرح کہ پہلے ان کو امانتیں ادا کرنے اور فیصلے میں عدل سے کام لینے کا حکم دیا ہے. پھر انہیں ہدایت کی ہے کہ جس معاملے میں مشکل پیش آئے وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کریں لیکن امراء جور نہ امانتیں ادا کرتے ہیں نہ عدل کے مطابق فیصلے دیتے ہیں پس وہ ان صفات کے لحاظ سے الگ ہو چکے ہیں جو اللہ و رسولؐ کے نزدیک اولی الامر میں پائے جاتے ہیں بلکہ وہ تو اس لائق ہیں کہ انہیں ایسے چور ڈاکو کہا جائے جنہوں نے لوگوں پر غلبہ پالیا ہو۔ (۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے پروردگار کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اس چیز میں حاکم قرار نہ دیں جس میں ان کے درمیان تنازعہ ہو پھر وہ اپنے دلوں میں اس پر تنگی محسوس نہ کریں کہ جو فیصلہ تم نے کیا ہے اور اسے تسلیم کریں اس

طرح ... حق تسلیم ہے۔ (۴)

اس کی بنا ... کہ حکم آنحضرتؐ کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ ان کے والی و حاکم ہیں اس لئے آپ ... و فیصلہ کو تسلیم کرنا ان پر واجب ہے۔ اسی طرح ہر اس حاکم کا حکم ماننا بھی ان پر لازم ہے کہ جس کی ولایت و حکومت شرعی طور پر ثابت ہو چکی ہو۔

۳۔ اصول کافی میں موثق سند کے ساتھ ابن ابی یعفور سے ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ فرمایا: حضرت رسولؐ نے مسجد خیف میں لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا خدا اس بندے کو خوش و خرم رکھے گا جو میری بات سنے اسے یاد رکھے اور اس تک پہنچائے جس نے نہیں سنی کیونکہ بہت سے فقیہ ایسے ہوتے ہیں جو دراصل فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے اہل فقہ ایک چیز کو ان کے پاس لے جاتے ہیں جو ان سے بڑے فقیہ ہوتے ہیں تاہم تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا ___ اللہ کے لئے خالص عمل کرنا مسلمانوں کے ائمہ کے ساتھ نصیحت و خیر خواہی کا برتاؤ کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا۔ ان کی دعوت ان کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی ہے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں ان کے خون ایک دوسرے کے برابر و مساوی ہیں ان کا ادنیٰ ان کی طرف سے امان دے سکتا ہے اور وہ غیروں کے مقابل ہمدست اور ایک مٹھی ہیں۔ (۵)

اسی طرح سفیان ثوری سے اس کی سند کے ساتھ جعفرؑ بن محمدؑ کے واسطہ سے نبی اکرمؐ سے روایت کی گئی ہے۔ (۶)

آنحضرتؐ کے ارشاد "بے شک ان کی دعوت" کے متعلق مجلسی نے مرآۃ العقول میں کہا ہے: دعوت "دعا" سے ہے اور یہ ایک دفعہ کی پکار ہے۔ اس میں ضمیر کی طرف اضافت دراصل مفعول کی طرف اضافت ہے یعنی نبی کریمؐ کا ان کو دعوت دینا انہیں احاطہ کئے ہوئے ہے پس جب کوئی شخص ان میں داخل ہو جائے اور ان کی جماعت کو لازم پکڑے تو یہ دعوت اس کو بھی شامل ہو جاتی ہے یا اضافت فاعل کی طرف ہے یعنی مسلمانوں میں سے بعض کو بعض کی دعوت اس کو بھی شامل ہو جاتی ہے۔ (۷)

یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جنہیں فریقین نے آنحضرتؐ سے روایت کیا ہے بلکہ اس کا مضمون کتب فریقین میں قریب تواتر ہے۔

۴۔ اسی طرح کی حدیث ہے جسے احمد نے اپنی سند کے ساتھ انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: خدا اس بندے کو خوش و خرم رکھے جو میری بات سنے اور اسے یاد رکھے، پس بہت سے غیر فقیہ ہیں کہ فقہ کے حامل ہیں اور بہت سے فقیہ ہیں جو ایک بات اس کے پاس لے جاتے ہیں جو ان سے بڑا فقیہ ہوتا ہے۔ تین چیزیں ہیں جن میں مسلمانوں کا سینہ خیانت نہیں کرتا ___ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کو خالص کرنا اولی الامر سے خلوص و نصیحت کا برتاؤ کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا کیونکہ ان کی دعوت ان کے علاوہ دوسروں کو بھی محیط ہے۔ (۸)

نیز اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ جبیر بن مطعم کے واسطہ سے آنحضرتؐ سے اس طرح روایت ہوئی ہے: اخلاص

عمل ولی امر کے لئے خلوص و نصیحت اور جماعت کو لازم پکڑے رہنا کیونکہ ان کی دعوت اس کے ذریعے سے آگے بڑھتی ہے۔ (۹)

۵۔ جن روایات میں امام و امت کے باہمی حقوق کا بیان ہے ان میں امیر المومنینؑ کا وہ خطبہ ہے جو آپ نے میدان صفین میں ارشاد کیا تھا پس فرمایا: امابعد ... اللہ سبحانہ نے مجھے تمہارے امور کا اختیار دے کر میرا حق تم پر قائم کر دیا ہے اور جس طرح تم پر میرا حق ہے اسی طرح تمہارا بھی مجھ پر حق ہے یوں تو حق کے بارے میں باہمی اوصاف گنانے میں بڑی وسعت ہے لیکن آپس میں حق و انصاف کرنے کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ دو آدمیوں میں ایک کا دوسرے پر حق اس وقت ہے جب دوسرے کا بھی پہلے پر حق ہو اور اس کا حق پہلے پر اس وقت ہوتا ہے جب پہلے شخص کا بھی اس پر حق ہو۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کا تو دوسروں پر حق ہو لیکن اس پر کسی کا حق نہ ہو تو یہ امر ذات باری کے لئے مخصوص ہے نہ اس کی مخلوق کے لئے کیونکہ وہ اپنے بندوں پر پورا تسلط و اقتدار رکھتا ہے اور اس نے تمام چیزوں میں جن پر اس کے فرامین قضاء جاری ہوئے ہیں عدل کرتے ہوئے ہر صاحب حق کو حق دیا ہے۔ اس نے بندوں پر اپنا یہ حق رکھا ہے کہ وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس نے محض اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کو وسعت دینے کی بناء پر جس کا وہ اہل ہے ان کا کئی گنا اجر قرار دیا ہے۔ پھر اس نے ان حقوق انسانی کو بھی جنہیں ایک کے لئے دوسرے پر قرار دیا ہے اپنے حقوق میں سے قرار دیا ہے اور انہیں اس طرح ٹھہرایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں برابر اتریں اور کچھ ان میں سے کچھ حقوق کا باعث ہوتے ہیں اور اس وقت تک واجب نہیں ہوتے جب تک ان کے مقابلہ میں حقوق واجب نہ ہو جائیں اور سب سے بڑا حق جسے اللہ سبحانہ نے واجب کیا وہ حکمران کا رعیت پر اور رعیت کا حکمران پر حق ہے جس کو اللہ نے حاکم و رعیت میں سے ہر ایک کے لئے فریضہ بنا کر عائد کیا ہے اور اسے ان میں رابطہ محبت قائم کرنے اور ان کے دین کو سرفرازی بخشنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ رعیت اس وقت خوشحال رہ سکتی ہے جب حاکم کے طور طریقے درست ہوں اور حاکم بھی اسی وقت صلاح و درستگی سے آراستہ ہو سکتا ہے جب رعیت اس کے احکام کی انجام دہی کے لئے آمادہ ہو۔ جب رعیت فرمانروا کے حقوق پورے کرے اور فرمانروا رعیت کے حقوق سے عہدہ برآ ہو تو ان میں حق اور باوقار دین کی راہیں استوار اور عدل و انصاف کے نشانات برقرار ہو جائیں گے۔ پیغمبرؐ کی سنتیں اپنے محور پر چل نکلیں گی اور زمانہ سدھر جائے گا۔ بقائے سلطنت کے توقعات پیدا ہو جائیں گے اور دشمنوں کی حرص و طمع ــــ یاس و ناامیدی میں بدل جائے گی۔ جب رعیت حاکم پر مسلط ہو جائے یا جب حاکم رعیت پر ظلم ڈھانے لگے تو اس موقع پر ہر بات میں اختلاف ہو گا۔ ظلم کے نشانات ابھر آئیں گے دین میں مفسدے بڑھ جائیں گے شریعت کی راہیں متروک ہو جائیں گی خواہشوں پر عملدر آمد ہو گا شریعت کے احکام ٹھکرا دیئے جائیں گے اور نفسانی بیماریاں بڑھ جائیں گی...... (۱۰)

۶۔ نیز نہج البلاغہ میں ہے: اے لوگو! ایک تو میرا تم پر حق ہے اور ایک تمہارا مجھ پر حق ہے کہ میں تمہاری خیر خواہی کو پیش نظر رکھوں اور بیت المال سے تمہیں پورا پورا حصہ دوں اور تمہیں تعلیم دوں کہ تم جاہل نہ رہو۔ اس طرح تمہیں تہذیب سکھاؤں جس پر تم عمل کرو ــــ اور میرا حق تم پر یہ ہے کہ بیعت کی ذمہ داریوں کو پورا کرو سامنے اور پس پشت خیر خواہی کرو جب بلاؤں تو میری صدا پر لبیک کہو اور جب کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو۔ (۱۱)

۷۔ نیز اسی کتاب میں ہے: بے شک اللہ کی سلطنت میں تمہارے لئے سامان حفاظت ہے لہٰذا تم اس کی ایسی اطاعت کرو کہ نہ تو لائق سرزنش ہو اور نہ بد دلی سے بجالائی گئی ہو۔ (۱۲)

اس بناء پر اس خطبے میں "اللہ کی سلطنت" سے حکومت عادلانہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہے جیسا کہ اس کا ظاہر شائد یہی ہے۔

۸۔ نیز اسی کتاب میں ہے: مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ بسر (بن ارطاط) یمن پر چھا گیا ہے بخدا میں تو اب ان لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنے لگا ہوں کہ عنقریب وہ تم سے سلطنت و دولت چھین لیں گے کیونکہ وہ مرکز (باطل) پر متحد و یکجا ہیں اور تم اپنے (مرکز) حق سے پراگندہ و منتشر ہو، تم امر حق میں اپنے امام کے نافرمان اور وہ باطل میں اپنے امام کے مطیع و فرمانبردار ہیں، وہ اپنے صاحب (معاویہ) کے ساتھ امانتداری کے فرض کو پورا کرتے ہیں اور تم خیانت کرنے سے نہیں چوکتے۔ (۱۳)

۹۔ نیز اسی کتاب میں سرداران لشکر کے نام آپ کا خط ہے: امابعد ــــ حاکم پر فرض ہے کہ جس برتری کو اس نے پایا اور جس فارغ البالی کی منزل پر پہنچا ہے وہ رعایا کے ساتھ اس کے رویہ میں تبدیلی پیدا نہ کرے بلکہ اللہ نے جو نعمت اس کے نصیب میں کی ہے وہ اسے بندگان خدا سے نزدیکی اور اپنے بھائیوں سے ہمدردی کا ذریعہ بنائے، ہاں مجھ پر تمہارا یہ حق بھی ہے کہ حالت جنگ کے علاوہ کوئی راز تم سے پردہ میں نہ رکھوں اور حکم شرعی کے سوا دوسرے امور میں تمہاری رائے مشورہ سے پہلو تہی نہ کروں تمہارے کسی حق کو پورا کرنے میں کوتاہی نہ کروں اور اسے انجام تک پہنچائے بغیر دم نہ لوں نیز یہ کہ حق میں میرے نزدیک تم سب برابر سمجھے جاؤ، جب میرا برتاؤ یہ ہو تو اللہ کے احسان کا شکر تم پر لازم ہے اور میری اطاعت بھی لازم ہے کہ کسی پکار پر قدم پیچھے نہ ہٹاؤ نیک کاموں میں کوتاہی نہ کرو حق تک پہنچنے کے لئے سختیوں کا مقابلہ کرو، اگر تم اس رویہ پر برقرار نہ رہو تو پھر تم میں سے بے راہ ہوجانے والوں سے زیادہ کوئی میری نظر میں ذلیل نہ ہوگا پس میں اسے سزا بھی سخت دوں گا اور وہ اس بارے میں مجھ سے کوئی رعایت نہ پائے گا، تم اپنے ماتحت سرداروں سے یہی عہد و پیمان لو اور اپنی طرف سے بھی ایسے حقوق کی پیشکش کرو کہ جس سے اللہ تمہارے معاملات کو سلجھاوے، والسلام۔ (۱۳ـالف)

۱۰۔ نیز اسی کتاب میں اہل مصر کے نام آپ کا خط ہے جب مالک اشتر کو حاکم بنایا: تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تمہاری طرف بھیجا ہے جو خطرے کے دنوں میں سوتا نہیں اور خوف کی گھڑیوں میں دشمن سے ہراساں نہیں ہوتا اور فاجروں کے لئے جلانے والی آگ سے بھی زیادہ سخت ہے، وہ مالک بن اشتر مذحجی ہے ــــ اس کی بات سنو اور اس کے ہر حکم کو مانو جو حق کے مطابق ہو کیونکہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے کہ نہ جس کی دھار کند ہوتی ہے نہ اس کا وار خالی جاتا ہے، اگر وہ تمہیں دشمنوں کی طرف بڑھنے کے لئے کہے تو بڑھو اور ٹھہرنے کو کہے تو ٹھہرے رہو اس لئے کہ وہ میرے حکم کے بغیر نہ آگے بڑھے گا نہ پیچھے ہٹے گا نہ کسی کو آگے بڑھاتا ہے نہ پیچھے ہٹاتا ہے، میں نے اس کے بارے میں تمہیں خود اپنے اوپر ترجیح دی ہے کیونکہ وہ تمہارا خیر خواہ اور دشمنوں کے لئے سخت گیر ثابت ہوگا۔ (۱۴)

۱۱۔ اصول کافی میں صحیح سند کے ساتھ برید بن معاویہ سے، ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: اللہ

عزوجل نے اپنے کسی ولی کی طرف نظر نہیں کی جو اپنے امام کی اطاعت میں اپنی طرف سے پوری سعی کرتا اور خلوص و خیر خواہی سے پیش آتا ہے مگر یہ کہ وہ رفیق اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہو گا۔ (۱۵)

۱۲۔ اسی کتاب میں ان کی سند کے ساتھ حلبی سے روایت ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے اور امام کی بیعت توڑ دے تو وہ اللہ کی بارگاہ میں ہتھ کٹا آئے گا۔ (۱۶)

۱۳۔ اسی کتاب میں ان کی سند کے ساتھ ابو حمزہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو جعفرؑ سے سوال کیا کہ لوگوں پر امام کا حق کیا ہے؟ فرمایا ان پر اس کا حق یہ ہے کہ اس کی ہر بات سنیں اور اطاعت کریں. میں نے عرض کیا ان کا امام پر کیا حق ہے؟ فرمایا وہ ان کے درمیان یکساں و برابر مال تقسیم کرے اور رعیت میں عدل و انصاف سے کام لے۔ (۱۷)

۱۴۔ اسی کتاب میں ان کی سند کے ساتھ مسعدہ بن صدقہ سے. ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: اپنے والیوں سے خیانت نہ کرو اپنے ہادیوں کو دھوکہ نہ دو اپنے ائمہ سے بے خبر نہ رہو اور اپنی رسی سے کٹ نہ جاؤ ورنہ کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی پس اسی طریقے پر تمہارے امور کی بنیاد ہو اور اسی کو لازم پکڑے رہو...... (۱۸)

۱۵۔ اسی کتاب میں ان کی سند کے ساتھ سدیر سے روایت ہے کہ میں نے ابو جعفرؑ سے کہا: میں نے آپ کے موالیوں کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ ان میں اختلاف ہے ان میں ایک دوسرے سے تبرا و بیزاری کرتا ہے ___ راوی کہتا ہے کہ آپ نے فرمایا تو پھر تجھے اس سے کیا مطلب؟ لوگوں کو تین چیزوں کا مکلّف اور ذمہ دار بنایا گیا ہے یعنی ائمہ کی معرفت. ان کے سامنے ان تمام امور میں سر تسلیم خم کرنا جو ان پر وارد ہوں اور جن مسائل میں باہمی اختلاف ہو انہیں ائمہ کے پاس لے جانا۔ (۱۹)

۱۶۔ اسی کتاب میں صحیح سند کے ساتھ زرارہ سے روایت ہے کہ ابو جعفرؑ نے فرمایا: امر حکومت کی بلندی اور اصلیت اس کی کلید سب چیزوں کا دروازہ اور خدائے رحمٰن کی رضا ___ امام کی معرفت کے بعد اس کی اطاعت ہے. پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے کہا "جو شخص رسولؐ کی اطاعت کرے پس اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو پشت پھیرے تو ہم نے تجھے ان کا نگہبان مقرر نہیں کیا۔" (۲۰)

۱۷۔ اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ محمد بن فضیل سے روایت ہے کہ میں نے ابو جعفرؑ سے افضل عمل کے بارے میں پوچھا جس سے بندے اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرتے ہیں. آپ نے فرمایا: وہ افضل عمل جس سے اللہ عزوجل کا تقرب حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کی اطاعت اس کے رسولؐ کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت ہے۔ (۲۱)

۱۸۔ نیز اسی کتاب میں اس کی سند کے ساتھ ابو عبداللہؑ سے ابن ابی لیلیٰ کی طویل روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی امر کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ اور رسولؐ کی اطاعت اپنی اطاعت کے ساتھ متصل کر دی ہے پس جو شخص والیان امر کی اطاعت چھوڑ دے اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی ہی نہیں۔ (۲۲)

۱۹۔ امالی شیخ مفید میں ان کی سند کے ساتھ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: اس کی بات سنو اور اطاعت کرو جسے خدا نے والئی امر بنایا ہے کیونکہ یہی اسلام کا نظام اور اس کی رسی ہے۔ (۲۳)

۲۰۔ تحف العقول میں امام علیؑ بن الحسینؑ کے رسالہ حقوق سے منقول ہے: پس حاکم کا حق تم پر لازم ہے۔ تم اس کی وجہ سے آزمائش میں ہو اور وہ تمہاری وجہ سے امتحان میں ہے۔ تم اس کے خیر خواہ بن کر رہو اور اس سے عداوت نہ رکھو کیونکہ اقتدار کے باعث اس کا ہاتھ لمبا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں ہلاک کر دے اور خود بھی ہلاک ہو جائے۔ (۲۴)

اسی طرح کی ایک روایت الخصال کے رسالہ حقوق میں ہے کہ فرمایا: پس رعیت کا حق تجھ پر لازم ہے۔ تو حاکم ہے اس لئے قوی ہے اور وہ تیری رعیت ہیں اس لئے کمزور ہیں۔ تیرے لئے ضروری ہے کہ عدل سے کام لے ان کے لئے باپ کی طرح شفیق بنے غلطی کو معاف کرے سزا دینے میں جلدی نہ کرے اور خدا کا شکر گزار رہے کہ اس نے تجھے یہ طاقت و قوت عطا کی ہے۔ (۲۵)

۲۱۔ تحف العقول میں ہشام کے لئے امام موسیٰ کاظمؑ کی وصیت میں ہے: عدل کرنے والے حاکموں کی اطاعت عزت و حرمت کا باعث ہے۔ (۲۶)

۲۲۔ تحف العقول میں امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے: رعیت پر حاکم کے تین حق ہیں ـــــ حاکم کی اطاعت کریں، سامنے اور پیٹھ پیچھے خیر خواہی کریں، اس کی بہتری و کامیابی کے لئے دعا کریں۔

حاکم پر رعیت کے تین حق ہیں: اچھا کام کرنے والے کو انعام دے تاکہ دوسروں کو رغبت ہو، غلطی کرنے والے سے درگزر کرے تاکہ تائب ہو کر گمراہی سے باز آجائے، عدل و احسان کرے اور سب کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرے۔ (۲۷)

۲۳۔ تحف العقول میں حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے: مسلمانوں کو برا بھلا کہنے، گناہگار کی اطاعت کرنے اور امام عادل کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائے رکھو۔ (۲۸)

۲۴۔ اسی کتاب میں امام علیؑ بن الحسینؑ کے نصائح میں سے ہے: جو امور تمہیں پیش آئیں ان میں خدا کے حکم اور اس کی اطاعت نیز جس کی اطاعت کا اس نے حکم دیا ہے اس کی اطاعت کو مقدم رکھو۔ حکام جور کی اطاعت میں تمہیں جو کام کرنا پڑیں کہ جن میں ظاہر داری ہوتی ہے انہیں خدا کے حکم اس کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت پر ترجیح نہ دو۔ پس خدا سے ڈرو اپنے نفوس کی اصلاح کی طرف بڑھو اور خدا و مقربان خدا کی اطاعت کرو۔ آگاہ رہو کہ جو خدا کے دوستوں کی مخالفت کرے دین خدا کے سوا کسی اور دین کا پیرو بنے ولی خدا کے حکم کو چھوڑ کر خود سر بن جائے وہ ایسی بھڑکتی آگ میں جائے گا جو اس کے بدن کو کھا جائے گی اور بدبختی اسے گھیر لے گی۔ (۲۹)

۲۵۔ بحار الانوار میں مطالب السئول سے منقول ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: یہ دنیا جہان ایک باغ ہے اور شریعت اس کی سیاحت کا طریقہ ہے۔ شریعت وہ حاکم ہے جس کی اطاعت واجب ہے اطاعت وہ ذریعہ ہے جس سے ملک و سلطنت قائم رہتی ہے حاکم نگہبان اور لشکر اس کا مددگار ہے لیکن لشکر کی کفالت مال سے ہوتی ہے مال وہ رزق ہے جسے رعیت فراہم کرتی ہے رعیت وہ بڑا گروہ ہے جسے عدل اپنے قریب لے آتا ہے اور عدل ہی وہ بنیاد ہے جس پر دنیا کا نظام قائم و دائم ہے۔ (۳۰)

۲۶۔ ابو عبید کی کتاب الاموال میں تمیم الداری سے منقول ہے: نبی کریمؐ نے فرمایا دین نصیحت و خیر خواہی ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہؐ! کس کے لئے؟ فرمایا اللہ رسولؐ قرآن ائمہ اور امت مسلمہ کے لئے خیر خواہی دین ہے۔ (۳۱)

۲۷۔ کتاب الاموال میں مصعب ابن سعد سے مروی ہے: علیؑ بن ابی طالب نے چند کلمات میں جن میں پورا حق شامل ہے فرمایا امام پر حق ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور امانت ادا کرے۔ اگر وہ ایسا کرے تو لوگوں پر حق ہے کہ وہ اس کی بات سنیں اطاعت کریں اور جب بلائے تو لبیک کہیں۔ (۳۲)

امیر المومنینؑ سے کنز العمال میں بھی اسی طرح کی روایت ہوئی ہے۔ (۳۳)

۲۸۔ مسند زید بن علیؑ میں ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: امام پر حق ہے کہ حکم خدا کے مطابق فیصلہ کرے اور رعیت میں عدل کرے۔ اگر وہ ایسا کرے تو لوگوں پر حق ہے کہ اس کی بات سنیں اور اطاعت کریں جب وہ بلائے تو لبیک کہیں۔ جو امام و حاکم خدا کے حکم پر عمل نہیں کرتا اس کے لئے اطاعت نہیں ہے۔ (۳۴)

۲۹۔ صحیح مسلم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ فرمایا: "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اور جو تم میں صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو" یہ آیت عبداللہ ابن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی جب انہیں ایک سریہ میں امیر لشکر بنا کر بھیجا گیا۔ (۳۵)

۳۰۔ اسی کتاب میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ میرا نافرمان خدا کا نافرمان ہے۔ جس نے میرے مقرر کئے ہوئے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس امیر کی نافرمانی کی وہ میرا نافرمان ہے۔ (۳۶)

۳۱۔ اسی کتاب میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: تجھ پر لازم ہے سننا اور اطاعت کرنا خوشی و راحت اور تنگی و فراخی میں۔ ہاں اسے اپنی خواہش پر ترجیح دینا بھی لازم ہے۔ (۳۷)

۳۲۔ صحیح مسلم میں ابوذر سے مروی ہے: میرے خلیل (رسول اکرمؐ) نے وصیت کی ہے کہ میں امیر و حاکم کی بات سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ وہ ایسا غلام ہو جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔ (۳۸)

۳۳۔ صحیح مسلم میں یحییٰ بن حصین سے روایت ہے کہ میں نے اپنی دادی سے سنا جو یہ کہہ رہی تھیں: حضرت رسولؐ نے حجتہ الوداع کے خطبے میں فرمایا اگر تم پر ایک غلام کو حاکم بنایا جائے جو کتاب خدا کے مطابق حکم کرے تو اس کی بھی سنو اور اطاعت کرو۔ (۳۹)

۳۴۔ صحیح مسلم میں یحییٰ بن حصین سے روایت ہے کہ میں نے اپنی دادی ام الحصین سے سنا وہ کہہ رہی تھیں: حجتہ الوداع میں ہم نے آنحضرتؐ کے ساتھ حج کیا۔ وہ کہتی ہیں آنحضرتؐ نے بہت کچھ ارشاد فرمایا پھر میں نے سنا کہ فرما رہے تھے اگر تم پر کٹے ہاتھوں والے سیاہ فام غلام کو بھی امیر بنایا جائے اور وہ تمہیں کتاب اللہ کے مطابق چلائے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو۔ (۳۹۔ الف)

۳۵۔ صحیح مسلم میں ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: مرد مسلم پر سننا اور اطاعت کرنا واجب ہے چاہے

وہ کسی بات کو پسند کرے یا ناپسند کرے سوائے اس کے جب اسے گناہ پر آمادہ کیا جائے پس اگر اسے گناہ و نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر اس پر سننا اور اطاعت کرنا واجب نہیں ہے۔ (۳۹۔ ب)

۳۶۔ صحیح مسلم میں عبادہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ہم سے تنگی و فراخی اور خوشی و غم میں سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت لی نیز یہ کہ ہم صاحب امر سے تنازعہ نہ کریں اور ہم جہاں بھی ہوں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں اور حق بیانی کریں۔ (۳۹۔ ج)

اس سلسلے میں اور روایات بھی آئی ہیں۔

مخفی نہیں کہ ان روایات میں جو اطاعت مقصود ہے وہ امام یا حاکم کے انتظامی احکام کی اطاعت ہے جو وہ ملک و قوم کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے جاری کرتا ہے۔ ان چیزوں میں امام و حاکم کو اپنے حکم پر عزم و قرار رکھنا اور ہر فرد کو اس کی اطاعت کرنا چاہئے اگرچہ شخصی طور پر اسے اس بات سے اختلاف ہو. جیسا کہ نہج البلاغہ میں ہے کہ امیر المومنینؑ نے ابن عباس سے فرمایا. تم مجھے مشورہ دیتے رہو لیکن اگر میں تمہارے مشورے کے خلاف عمل کروں تو اس میں میری اطاعت کرو۔ (۳۹۔ د)

لیکن جو کچھ امام کی طرف سے اوامر الٰہی کے بیان میں صادر ہوتا ہے وہ احکام ارشادی ہیں ان میں اس کی اطاعت نہیں سوائے اس کے کہ وہ اطاعت الٰہی سے تعلق رکھتی ہے جیسے فقیہ کے احکام ہیں جو حکم الٰہی کے بیان پر مشتمل ہوتے ہیں۔

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں

کسی حاکم بلکہ امام و خلیفہ کی فرمانبرداری جائز نہیں جب اس کا حکم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہو. اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ولیوں کا ولی اور حاکموں کا حاکم ہے لہٰذا اس کی نافرمانی میں کسی حاکم کی اطاعت کا کوئی جواز نہیں اور اللہ کے حقوق کے مقابل انسانوں پر کسی کا حق نہیں ہے. اس بارے میں کتاب ہذا کے گزشتہ ابواب میں بہت سی آیات و روایات ذکر ہوئی ہیں ان میں سے بعض ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

۱۔ اہل جہنم کے قول کی حکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وكبراءنا فاضلّونا السبيلا – (٤٠)

"اور وہ کہیں گے ہمارے پالنے والے ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے آدمیوں کی پیروی کی پس انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے بھٹکا دیا"۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا تطيعوا امر المسرفين، الذين يفسدون فى الارض ولا يصلحون – (٤١)

"ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے"۔

۳۔ ارشاد الٰہی ہے:

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتّبع هواه وكان امره فرطا – (٤٢)

"اس شخص کی پیروی نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اس نے اپنی خواہش کی اطاعت کر لی اور اس کا طریقہ افراط و تفریط پر مبنی ہے"۔

۴۔ نہج البلاغہ کے خطبہ قاصعہ میں ہے: دیکھو ـــــ اپنے ان سرداروں اور بڑے آدمیوں کا راستہ اپنانے سے بچو جو اپنی جاہ و حشمت پر اکڑتے اور اپنے نسب کی بلندیوں پر فخر کرتے ہیں، بدنما چیزوں کو اللہ کے ذمے ڈال دیتے ہیں اس کی قضاء و قدر سے ٹکر لیتے اور اس کی نعمتوں پر قبضہ جمانے کے لئے اس کے احسانات کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں۔ (۴۳)

۵۔ اسی کتاب میں ہے: خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (۴۴)

۶۔ وسائل الشیعہ میں من لا یحضرہ الفقیہ سے منقول ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (۴۵)

۷۔ دعائم الاسلام میں امیر المومنینؑ سے مروی ہے: نبی کریمؐ نے ایک لشکر بھیجا جس کا امیر ایک انصاری کو بنایا اور سب کو ہدایت فرمائی کہ اس کی اطاعت کریں، لشکر روانہ ہو گیا اور اس دوران میں ایک روز امیر لشکر غصے میں آ گئے اور لوگوں سے کہنے لگے آیا رسول اکرمؐ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟ سب نے کہا کیوں نہیں؟ آنحضرتؐ نے یہ حکم دیا ہے، تب ان سے کہا کہ لکڑیاں جمع کرو جب لکڑیاں اکٹھی ہو گئیں تو کہا انہیں آگ دکھا دو۔ آگ جلنے لگی تو لوگوں سے کہا کہ وہ اس میں کود جائیں، ہر شخص پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کے پاس جاتا اور کہتا ہم تو آنحضرتؐ پر ایمان لائے ہیں تاکہ آگ سے محفوظ رہیں، وہ اسی ادھیڑبن میں لگے ہوئے تھے کہ آگ بجھ گئی اور امیر لشکر بھی کچھ ٹھنڈے ہو گئے، جب یہ خبر حضرت رسولؐ کو پہنچی تو فرمایا اگر وہ لوگ اس آگ میں کود جاتے تو تاقیامت اس میں سے نکل نہ پاتے، اطاعت تو نیک اور اچھے کام میں ہے نیز امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ (۴۶)

۸۔ المصنف میں روایت ہوئی ہے: رسول کریمؐ نے عبداللہ بن حذافہ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، ایک مقام پر عبداللہ نے حکم دیا اور آگ روشن کی گئی پھر اس نے کہا اس میں سے چھلانگیں لگاؤ اور لوگ ایسا کرنے لگے تب ایک بوڑھا آدمی آگ میں گر پڑا اور اس کے جسم کے بعض حصے جل گئے، آنحضرتؐ کو یہ خبر ملی تو فرمایا یہ کام کیوں کیا گیا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! وہ ہمارا امیر تھا اور امیر کی اطاعت لازم ہے، آپ نے فرمایا جس کو میں تمہارا امیر بناؤں اگر وہ اطاعت خدا کے سوا کوئی حکم دے تو اس کی بات نہ مانو کیونکہ خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ (۴۷)

یہ حدیث حکم میں عدالت کے شرط ہونے کی فصل میں گزر چکی ہے پس رجوع فرمائیں

کتب فریقین میں اس بارے میں اور روایات بھی موجود ہیں بہر حال عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ مامور معذور ہے یہ ایک شیطانی عذر ہے اور عقل و نقل کے اعتبار سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

باب ۶ فصل ۱۵

حواشی

(۱) سورۂ نساء۔ آیت ۵۹ (۲) للکافی ۱/ ۲۷۶. کتاب الحجۃ. باب ان الامام یعرف الامام الذی یکون بعدہ .... حدیث ۱ (۳) الکشاف ۱/ ۵۳۵ طبعۃ اخریٰ ۱/ ۵۲۴ (۴) سورۂ نساء۔ آیت ۶۵ (۵۔ ۶) الکافی ۱ ۴۰۳. کتاب الحجۃ. باب ماامر النبیؐ بالنصیحۃ لائمۃ المسلمین. حدیث ۱۔ ۲ (۷) مرآۃ العقول ۴/ ۳۳۵ طبعہ قدیم ۱ ۳۰۲ (۸) مسند احمد ۳ ۲۲۵ (۹) مسند احمد ۴/ ۸۰ (۱۰) نہج البلاغہ. فیض/ ۶۸۱. عبدہ ۲/ ۲۲۳. لح ۳۳۲. خطبہ ۲۱۶ (۱۱) نہج البلاغہ. فیض ۱۱۴. عبدہ ۱/ ۸۰. لح/ ۷۹. خطبہ ۳۴ (۱۲) نہج البلاغہ. فیض/ ۵۴۸. عبدہ ۲/ ۹۹. لح ۲۴۴. خطبہ ۱۶۹ (۱۳) نہج البلاغہ فیض. ۸۹. عبدہ ۱/ ۶۰. لح/ ۶۷. خطبہ ۲۵ (۱۳۔ الف) نہج البلاغہ. فیض/ ۹۸۲. عبدہ ۳ ۸۸. لح ۴۲۴. مکتوب ۵۳ (۱۴) نہج البلاغہ. فیض/ ۹۵۱. عبدہ ۳/ ۷۰. لح/ ۴۱۱. مکتوب ۳۸ (۱۵) الکافی ۱ ۴۰۴. کتاب الحجۃ. باب ماامر النبیؐ بالنصیحۃ لائمۃ المسلمین .... حدیث ۳ (۱۶) الکافی ۱/ ۴۰۵. کتاب الحجۃ. باب ماامر النبیؐ بالنصیحۃ لائمۃ المسلمین حدیث ۵ (۱۷) الکافی ۱/ ۴۰۵. کتاب الحجۃ. باب مایجب من حق الامام علی الرعیۃ .... حدیث ۱ (۱۸) الکافی ۱ ۴۰۵. کتاب الحجۃ. باب مایجب من حق الامام علی الرعیۃ .... حدیث ۳ (۱۹) الکافی ۱ ۳۹۰. کتاب الحجۃ. باب التسلیم وفضل المسلمین. حدیث ۱ (۲۰) الکافی ۱/ ۱۸۵. کتاب الحجۃ. باب فرض طاعۃ الائمہ. حدیث ۱. سورۂ نساء۔ آیت ۸۰ (۲۱) الکافی ۱/ ۱۸۷. کتاب الحجۃ. باب فرض طاعۃ الائمہ. حدیث ۱۲ (۲۲) الکافی ۱ ۱۸۱. کتاب الحجۃ باب معرفۃ الامام والرد الیہ. حدیث ۶ (۲۳) الامالی/ ۱۴. المجلس ۲. حدیث ۲ (۲۴) تحف العقول ۲۶۰ (۲۵) الخصال ۔۵۳ جزء ۲ (۲۶) تحف العقول/ ۳۹۰ (۲۷) تحف العقول/ ۳۱۹ (۲۸) تحف العقول ۲۶ (۲۹) تحف العقول ۲۵۴ (۳۰) بحار الانوار ۷۵/ ۸۳ طبعہ ایران ۷۸/ ۸۳. کتاب الروضہ. الباب ۱۶. باب جوامع الکلم امیر المومنینؑ. حدیث ۸۷

(۳۱) الاموال/ ۱۰ (۳۲) الاموال/ ۱۳ (۳۳) کنز العمال ۵/ ۷۶۴. الباب ۲ من کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال، حدیث ۱۴۳۱۳ (۳۴) مسند زید/ ۲۳۲. کتاب السیر باب طاعۃ الامام (۳۵) صحیح مسلم ۳/ ۱۴۶۵. کتاب الامارۃ. الباب ۸ وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ .... حدیث ۱۸۳۴ (۳۶) صحیح مسلم ۳/ ۱۴۶۶. کتاب الامارۃ. الباب ۸ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ .... حدیث ۱۸۳۴ (۳۶) صحیح مسلم ۳ ۱۴۶۶. کتاب الامارۃ. الباب ۸ (۳۷) صحیح مسلم ۳ ۱۴۶۷. کتاب الامارۃ. الباب ۸ حدیث ۱۸۳۶ (۳۸) صحیح مسلم ۳ ۱۴۶۷. کتاب الامارۃ. الباب ۸. حدیث ۱۸۳۷ (۳۹) صحیح مسلم ۳ ۱۴۶۸. کتاب الامارۃ. الباب ۸. حدیث ۱۸۳۸ (۳۹۔ الف) صحیح مسلم ۳ ۱۴۶۸. کتاب الامارۃ. الباب ۸. (۳۹۔ ب) صحیح مسلم ۳ ۱۴۶۹. کتاب الامارۃ. الباب ۸. حدیث ۱۸۳۹ (۳۹۔ ج) صحیح مسلم ۳ ۱۴۷۰. کتاب الامارۃ. الباب ۸ (۳۹۔ د) نہج البلاغہ فیض ۱۲۳۹. عبدہ ۳ ۲۳۰. لح ۵۳۱. حکمت ۳۲۱ (۴۰) سورۂ احزاب۔ آیت

(۴۱) سورۂ شعراء۔ آیت ۱۵۱۔ ۱۵۲ (۴۲) سورۂ کہف۔ آیت ۲۸ (۴۳) نہج البلاغہ. فیض/ ۷۸۵. عبدہ ۲/ ۱۶۶. ۶۷
لح/ ۲۸۹. خطبہ ۱۹۲ (۴۴) نہج البلاغہ. فیض / ۱۱۶۷. عبدہ ۳/ ۱۹۳. لح/ ۵۰۰. حکمت ۱۶۵ (۴۵) الوسائل ۱۱/ ۴۲۲.
الباب ۱۱ من ابواب الامر والنہی. حدیث ۷ (۴۶) دعائم الاسلام ۱/ ۳۵۰. کتاب الجہاد. فی ذکر مایجب للامراء ومایجب علیہم
(۴۷) المصنف ۱۱/ ۳۳۵. باب لاطاعۃ فی معصیۃ. حدیث ۲۰۶۹۹

ساتواں باب

امام کی سیرت، اخلاق، طعام و لباس اور مسلم و غیر مسلم سے معاشرت وغیرہ کے بارے میں بعض آیات و روایات
اس میں تین فصلیں ہیں

پہلی فصل

آنحضرتؐ کے اخلاق کریمہ، آپ کی مہربانی در گزر اور رحمدلی

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبرؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فبما رحمة من الله لنت لهم، ولوكنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفرلهم وشاور هم فى الامر، فاذا عزمت فتوكل على الله، ان الله يحب المتوكلين - (۱)

"(اے رسولؐ) یہ خدا کی مہربانی ہے کہ تم ان کے لئے نرم دل ہو اور اگر تم تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے ہاں سے تتر بتر ہو گئے ہوتے، پس تم ان سے در گزر کرو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو اور کام کاج میں ان سے مشورہ کر لیا کرو تو بھی جب تم کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو. بے شک خدا ان کو دوست رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں ـــــ مخفی نہیں کہ حضرت رسولؐ، ائمہؑ و امت سبھی کے امام ہیں اور ان سب کے لئے کامل نمونہ ہیں. پس امام مسلمین اور اس کے عمال کو نرم مزاج عفو و در گزر کرنے والا رحمدل مہربان اور تند خوئی و سخت دلی سے الگ ہونا چاہئے تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرے ہاں جن کے دلوں پر مہر ہے وہ اس سے اثر پذیر نہیں ہوں گے. امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حدود کو جاری کرے کیونکہ اس میں امت اور معاشرہ کی بھلائی ہے لیکن اس میں تحقیر اور انتقام کا پہلو نہ ہونا چاہئے۔

اس ضمن میں جو کچھ علامہ مجلسی نے بحار میں فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

جب نزول وحی کے باعث رسول اعظمؐ لوگوں سے بے نیاز ہیں تو پھر مشورہ کا کیا فائدہ؟ اس بارے میں چند اقوال ہیں:

۱۔ اس کا مقصد ملت مسلمہ کی قدر افزائی اور راحت قلوب ہے۔

۲۔ اس سے امت میں مشورہ کی عادت راسخ ہو گی اور مشورہ کرنے کو عیب و نقص نہیں سمجھا جائے گا۔

۳۔ یہ دونوں وجوہ باہم مل بھی سکتی ہیں

۴۔ اس میں لوگوں کی آزمائش مقصود ہے تاکہ خیر خواہ اور فریب کار جدا جدا ہو جائیں

۵۔ مشورہ دنیاوی امور اور جنگ کے معاملات میں ہے اور اس میں مسلمانوں کی آراء سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

(۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين واما ينزغنّك من الشيطان نزغ فاستعذ بالله، انه سميع عليم - (۳)

"(اے رسولؐ) تم درگزر کیا کرو، اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو اور اگر شیطان کی طرف سے تمہاری امت (کے دل) میں کسی طرح کا دغدغہ پیدا ہو تو تم خدا سے پناہ مانگو، اس میں تو شک ہی نہیں کہ وہ بڑا سننے والا واقف کار ہے"۔

میں کہتا ہوں ____ مجمع البیان میں طبرسی لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے: عفو یعنی لوگوں کا زاید مال جو ان کے مصارف سے بچ رہے، بعض کا خیال ہے ____ خذ العفو من اخلاق الناس یعنی ان کے بارے میں نرمی اور ڈھیل سے کام لیں ____ اور قضاوت و دیگر معاملات میں آخری حدوں تک نہ جائیں۔

بعض کا قول ہے، عفو یعنی عذر خواہی کرنے والے کا عذر قبول کر لیں روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولؐ نے اس کے بارے میں جبرئیلؑ سے دریافت کیا، انہوں نے کہا میں نہیں جانتا اور خداوند عالم سے پوچھے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا چنانچہ وہ دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا یا محمدؐ! اس میں اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے رہا ہے کہ جو آپ پر زیادتی کرے اسے معاف کر دیں جو آپ کو محروم رکھے اسے عطا کریں اور جو قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئیں۔ وامر بالعرف میں عرف سے مراد معروف ہے یعنی ہر وہ کام جو عقل و شریعت کے لحاظ سے حسن و پسندیدہ ہو اور ناپسند و ناروا نہ ہو، نزغ کا مطلب ہے وسوسہ اور دل میں آنے والے غلط خیال ابن زید کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے پالنے والے پھر غضب کا کیا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر شیطان کی طرف سے دل میں دغدغہ آئے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں۔ (۴)

۳۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

ومنهم الذين يئوذون النبي ويقولون هواذن. قل اذن خير لكم يومن بالله ويومن للمومنين ورحمة للذين آمنوا منكم - (۵)

"اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو رسولؐ کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بس کان ہی ہیں (اے رسولؐ) تم کہہ دو۔ کان تمہاری بھلائی سننے کے لئے ہیں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین کا یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے رحمت ہیں"۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم، حریص علیکم، بالمومنین رؤوف رحیم – (۶)

"لوگو تم ہی میں سے ایک رسولؐ تمہارے پاس آچکا ہے اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ اور اسے تمہاری بہتری کا خیال ہے وہ ایمانداروں پر حد درجہ مہربان ہے"۔

مجمع البیان میں ہے: عزیز علیہ ماعنتم کا معنی ہے شدید علیہ عنتکم یعنی ترک ایمان سے جو ضرر تمہیں ہو گا وہ حضرت رسولؐ کی ذات پر شاق و گراں ہے۔ (۷)

۵۔ فرمان الٰہی ہے:

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هوناً واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً .... والذین یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماماً – (۸)

"اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو وہ ان سے کہتے ہیں سلام ہے .... تا آیت "اور وہ لوگ جو عرض کیا کرتے ہیں کہ پروردگارا ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا"۔

میں کہتا ہوں ـــــ ھوناً کا معنی سنجیدگی و وقار ہے کہ جس میں اکڑپن نہ ہو۔

۶۔ رب العزت فرماتا ہے:

وانذر عشیرتك الاقربین – واخفض جناحك لمن اتبعك من المومنین – (۹)

"اور (اے رسولؐ) تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ اور جو مومنین تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان کے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (تواضع کرو)"۔

۷۔ ارشاد خداوندی ہے:

فاصبر، انّ وعد الله حق، ولا یستخفنك الذین لایوقنون – (۱۰)

"تو (اے رسولؐ) تم صبر کرو. بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے. اور ایسا نہ ہو کہ جو لوگ تمہاری تصدیق نہیں کرتے تمہیں خفیف کر دیں"۔

بحار الانوار میں ہے. ولا یستخفنک یعنی جو لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور یقین نہیں لاتے کہیں وہ آپ کو خفت اور اضطراب میں نہ ڈال دیں۔ (۱۱)

۸۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وبشر المومنین بان لهم من الله فضلاً کبیراً – ولا تطع الکافرین والمنافقین ودع اذاهم وتوکل علی الله وکفی بالله وکیلاً – (۱۲)

"اور تم مومنین کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے خدا کی طرف سے بہت بڑی مہربانی و بخشش ہے. اور (اے رسولؐ) تم

کہیں کافروں اور منافقوں کی بات نہ ماننا اور ان کی ایذا رسانی کا خیال چھوڑ دو اور خدا پر بھروسہ رکھو اور کارسازی میں خدا کافی ہے"۔

۹۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة، ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم - ومایلقاها الا الذین صبروا، ومایلقاها الاذوحظ عظیم واما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ بالله، انه هو السمیع العلیم - (۱۳)

"اور برائی بھلائی کبھی برابر نہیں ہو سکتی. ایسے طریقے سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو تو پھر جس سے تمہاری عداوت ہو گی وہ تمہارا جگری دوست ہو جائے گا. یہ بات بس انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں. اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو خدا کی پناہ مانگ لیا کرو. بے شک وہ سنتا جانتا ہے"۔

۱۰۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا:

ما انت بنعمة ربك بمجنون - وان لك لاجراً غیر ممنون - وانك لعلی خلق عظیم - (۱۴)

"تم اپنے پروردگار کی نعمت و کرم سے دیوانے نہیں ہو اور تمہارے واسطے یقیناً وہ اجر ہے جو کبھی ختم ہی نہ ہو گا اور بے شک تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو"۔

۱۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فاصبر صبراً جمیلاً - (۱۵)

"پس تم اچھی طرح سے صبر کرتے رہو"۔

۱۲۔ رب العزت نے فرمایا:

واصبر علی مایقولون واهجرهم هجراً جمیلاً - وذرنی والمكذبین اولی النعمة ومهلهم قلیلاً (۱۶)

"اور جو کچھ یہ لوگ کہا کرتے ہیں اس پر صبر کرو اور ان سے اچھے عنوان کے ساتھ الگ تھلگ رہو. اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دو جو دولتمند بھی ہیں اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو"۔

۱۳۔ بحار الانوار میں ان کی سند کے ساتھ امالئی طوسی سے منقول ہے. امیر المومنینؑ نے حضرت رسولؐ کے اوصاف بیان تے ہوئے فرمایا: آنحضرتؐ نہ عاجز تھے نہ تنگ دل. تعلقات کے لحاظ سے بہترین طبیعت میں نرم اور ہاتھ کے سخی تھے. جو فت کے ساتھ ملتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا جو پہلی بار دیکھتا اس پر آپ کی ہیبت چھا جاتی اور اس پر آپ کی عزت و عظمت ظاہر جاتی تھی. آپ کے وصف بیان کرنے والا ہمیشہ کہتا کہ ان جیسا نہ پہلے کوئی دیکھا ہے نہ آئندہ دیکھوں گا۔ (۱۷)

۱۴۔ بحار میں عیون اخبار الرضا سے منقول ہے کہ امام حسنؑ بن علیؑ نے فرمایا: میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضرت رسولؐ کا حلیہ مبارک پوچھا تو انہوں نے بتایا ...... آنحضرتؐ زمین پر آہستہ قدم رکھتے نسبتاً تیز چلتے گویا ی سے نیچے کی طرف جا رہے ہوں. جب توجہ فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہو جاتے نگاہ آسمان کی نسبت زمین کی طرف

زیادہ ہوتی اور عام نظر صرف دیکھنے تک رہتی جس سے ملتے سلام میں پہلی فرماتے ضرورت کے بغیر گفتگو نہ فرماتے کلام شروع کرتے تو مسکراتے ہوئے ختم کرتے. جملے چھوٹے چھوٹے اور پر معنی ہوتے جن میں نہ کمی ہوتی نہ زیادتی. آپ خوش اخلاق تھے طبیعت نہ کمزور تھی اور نہ ہی سخت تھی۔ (۱۸)

ہند بن ابی ہالہ آنحضرتؐ کے ربیب (لے پالک) تھے ان کی ماں (یا خالہ) ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ تھیں اور وہ اکثر اوقات آنحضرتؐ کا حلیہ مبارک بیان کرتے رہتے تھے کنز العمال میں ان کی طویل روایت آئی ہے۔ (۱۹)

۱۵۔ بحار الانوار میں عیون اخبار الرضاؑ سے منقول ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے والد گرامی سے اوصاف رسولؐ اس طرح روایت کئے ہیں: آنحضرتؐ بلا مقصد کوئی بات نہ کرتے لوگوں میں الفت و محبت قائم کرتے اور نفرت مٹاتے ہر قوم کے رئیس کی عزت افزائی فرماتے اور اسے ان پر والی بناتے لوگوں کو غلط کاموں سے منع فرماتے لوگوں سے بچ کر رہتے لیکن اس طرح نہیں کہ کسی سے اپنا دامن سمیٹا ہو یا اس کی شکل و صورت کو پسند نہ کیا ہو اپنے اصحاب کے حالات سے باخبر رہتے اور لوگوں سے پوچھتے رہتے اچھے کو اچھا کہتے اور اس کو تقویت دیتے برے کو برا کہتے اور اس کی قوت گھٹاتے تمام معاملات میں اعتدال پر رہتے اور اختلاف نہ کرتے کسی چیز سے غافل نہ ہوتے کہ کہیں لوگ غفلت میں نہ پڑ جائیں یا غلط چیز کی طرف مائل نہ ہو جائیں حق میں نہ کوتاہی کرتے اور نہ تجاوز کرتے. لوگوں میں سے ان کو والی و حاکم بناتے جو ان میں سب سے بہتر افضل اور مسلمانوں کے زیادہ خیر خواہ ہوتے ان میں سے جو اچھا ہو اس کی عزت آپ کے ہاں زیادہ ہوتی اور اس سے ہمدردی فرماتے. اپنی نشست کے لئے کوئی خاص جگہ معین نہ فرماتے اور نہ لوگوں کو ایسا کرنے کی اجازت دیتے. کسی مجلس میں آتے تو جہاں جگہ ہوتی بیٹھ جاتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے. ہر شریک مجلس کو وقت اور توجہ میں برابر رکھتے اور یہ محسوس نہ ہونے دیتے کہ ان میں کوئی آپ کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے. جو شخص کوئی حاجت لے کر آتا وہ پوری کرتے یا اچھے طریقے سے اس کو مطمئن فرماتے. سب کے لئے وسعت رکھتے اور ان کے ساتھ باپ کا سا برتاؤ فرماتے نیز حق کے معاملے میں وہ سب آپ کے نزدیک برابر تھے. آپ کی مجلس علم حیاء صدق اور امانت سے بھرپور ہوتی. نہ کسی کی آواز بلند ہوتی نہ کسی کی توہین کی جاتی اور نہ کسی کی غلطیوں کو اچھالا جاتا. اس مجلس میں سب برابر تھے اور فضیلت صرف تقویٰ کے لحاظ سے ملتی. سب میں تواضع ہوتی بڑے کی عزت اور چھوٹے سے محبت کی جاتی صاحب حاجت کی حاجت پوری کی جاتی اور مسافر کا خیال رکھا جاتا تھا۔

راوی نے عرض کیا شرکائے مجلس کے ساتھ آپ کی روش کیا تھی؟ فرمایا کہ حضرت رسولؐ ہشاش بشاش خوش اخلاق اور نرم خو تھے آپ تند خو بلند گفتار فحش گو اور عیب جو نہ تھے نیز خوشامد اور جھوٹی تعریف کرنے والے نہ تھے. جس چیز کو پسند نہ کرتے اس سے تغافل فرماتے کوئی آپ سے مایوس نہ ہوتا اور آپ لوگوں کی آرزوں کے مطابق عمل نہ کرتے تھے. آپ نے تین چیزوں کو اپنی ذات سے دور کر دیا تھا یعنی تکبر، طلب مال اور بے مقصد کلام. اسی طرح لوگوں کے بارے میں تین چیزوں کو ترک کر رکھا تھا کہ کسی کی مذمت نہ کرتے کسی کو عار نہ دلاتے اور کسی کے راز کی ٹوہ نہ لیتے تھے۔ (۲۰)

حضرت فرما رہے ہیں کہ آنحضرتؐ کسی مجلس میں اپنے لئے کوئی ایسی جگہ قرار نہ دیتے کہ وہاں بیٹھیں تو پہچانے جائیں اور

آپ کا مقام واضح ہو، آپ کسی پر عیب نہ لگاتے اور نہ ہی کسی کی خطاء و عیب کا تذکرہ فرماتے تھے نیز یہ کہ آنحضرتؐ کبھی اتنی اونچی آواز میں کلام نہیں فرماتے تھے جو شور و غوغا کی حد تک پہنچتی ہو۔

۱۶۔ بحار میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ ابو جعفرؑ و ابو عبداللہؑ نے نبی اکرمؐ کے صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا، آنحضرتؐ کا ارشاد ہے ـــــ میں وہ ہوں جس کا نام اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل میں محمد رسول اللہؐ، مجتبیٰؐ اور مصطفیٰؐ رکھا۔ حضور اکرمؐ بری بات زبان پر نہ لاتے اور بازاروں میں اونچا نہ بولتے تھے، بدی کا بدلہ بدی سے نہیں بلکہ اس کے بدلے میں احسان و نیکی فرماتے تھے۔ (۲۱)

۱۷۔ بحار میں گازرونی کی کتاب المنتقی سے منقول ہے کہ امام علیؑ بن ابی طالب نے نبی کریمؐ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا، آنحضرتؐ چلتے تو آگے کو جھکے ہوئے محسوس ہوتے جب متوجہ ہوتے تو پورے بدن کے ساتھ ادھر کو مڑ جاتے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم انبیاء ہوئے سب لوگوں سے زیادہ سخی کھلے سینے والے بات کرنے میں خالص اور سچے ذمہ داری کو سب سے زیادہ پورا کرنے والے تھے، طبیعت کے نرم معاشرت میں مہربان تھے جو پہلی بار دیکھتا اس پر آپ کی ہیبت طاری ہو جاتی جو معرفت کے ساتھ حاضری دیتا رہے اس کو آپ سے محبت ہو جاتی آنحضرتؐ کے اوصاف بیان کرنے والے یہی کہتے ہیں کہ آپ کی مثال نہ پہلے تھی نہ بعد میں ہوگی۔

تھوڑے سے فرق کے ساتھ کتاب الغارات سے بھی اسی طرح نقل ہوا ہے۔ (۲۲)

۱۸۔ اسی کتاب میں امالئ صدوق سے منقول ہے ـــــ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد گرامی سے سنا انہوں نے اپنے آباء کرام سے اور انہوں نے امیر المومنینؑ سے سنا کہ فرمایا، حضرت رسولؐ ایک یہودی کے مقروض تھے اس نے ادائیگی کا تقاضا کیا تو فرمایا میرے پاس مال نہیں کیسے ادائیگی کروں؟ اس نے کہا جب تک رقم نہیں دیں گے آپ یہاں سے جا نہیں سکتے حضرت نے اسی جگہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نماز پڑھی یہاں تک کہ صبح کی نماز بھی وہیں پڑھی، صحابہ یہودی کو غصے کی نظروں سے دیکھ رہے تھے آپ نے فرمایا ایسا کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اس لئے کہ اس یہودی نے آپ کو پابند کر رکھا ہے! فرمایا خدا نے مجھے اس لئے مبعوث نہیں کیا کہ کسی پیمان کرنے والے یا کسی اور پر ظلم کروں۔ پھر جب دن چڑھ آیا تو یہودی آپ کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا اس نے کلمہ پڑھا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں اب آپ میرا مال خدا کی راہ میں تقسیم کریں، میں نے یہ سارا عمل اس لئے کیا کہ میں نے توریت میں پڑھا تھا محمدؐ بن عبداللہ کی جائے ولادت مکہ اور ان کی ہجرت مدینہ کی طرف ہوگی ـــــ حضرت تند خو سخت گیر اور اونچا بولنے والے نہیں ہوں گے نہ ہی بری بات زبان پر لانے اور غلط بات کہنے والے ہوں گے میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود بس ایک اللہ ہے اور آپ اس کے رسول ہیں یہ میرا مال ہے اس میں اس ایک اللہ کے حکم کے مطابق حکم جاری کریں، وہ یہودی بڑا سرمایہ دار تھا۔ (۲۳)

۱۹۔ بحار میں امالئ صدوق سے منقول ہے ـــــ ابو جعفرؑ نے بیان کیا کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا، میں مرتے دم تک پانچ چیزیں ترک نہیں کروں گا ـ غلاموں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا، پالان والے گدھے کی سواری، اپنے ہاتھ سے بکری کا

دودھ دوہنا، اپنے جوتے کو خود پیوند لگانا اور بچوں کو سلام کرنے میں پہل کرنا تاکہ یہ سنت میرے بعد قائم رہے۔ (۲۴)

۲۰۔ بحار میں الخصال صدوق سے منقول ہے: جعفرؑ بن محمدؑ اپنے آباء سے اور وہ امیر المومنینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: میں مرتے دم تک پانچ چیزیں ترک نہیں کروں گا۔ اونی لباس، گدھے کی سواری، غلاموں کے ساتھ کھانا، اپنے جوتے کو خود پیوند لگانا اور بچوں کو سلام کرنا تاکہ میرے بعد یہ سنت قائم رہے۔ (۲۵)

۲۱۔ بحار میں امالئی طوسی سے نقل ہوا ہے کہ ابن عباس نے کہا: حضرت رسولؐ زمین پر بیٹھتے، زمین پر ہی کھانا کھاتے، بکری کا دودھ خود دوہتے، غلام کی دعوت قبول فرماتے اور اس کے ساتھ جو کی روٹی تناول کرتے تھے۔ (۲۶)

۲۲۔ بحار میں اصول کافی سے نقل ہے کہ جمیل کہتے ہیں ابو عبداللہؑ نے فرمایا: حضرت رسولؐ اپنے اصحاب کے لئے وقت تقسیم کر لیتے ہر ایک کی طرف باری باری دیکھتے اور اس میں برابری ملحوظ ہوتی تھی۔ (۲۷)

۲۳۔ بحار میں مکارم الاخلاق سے منقول ہے کہ انس بن مالک نے کہا: اگر کوئی شخص تین دن تک آنحضرتؐ کی خدمت میں نہ آتا تو آپ اس کے بارے میں دریافت فرماتے اگر کہیں گیا ہوتا تو اس کے لئے دعا کرتے اگر گھر میں ہوتا تو خود تشریف لے جاتے اور اگر مریض ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے۔ (۲۸)

۲۴۔ مناقب ابن شہر آشوب میں بعض علماء کی روایات کو آداب رسولؐ کے عنوان سے جمع کیا گیا ہے: رسول اعظمؐ حکم حلم شجاعت عدالت اور شفقت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے آپ نے کسی عورت کو مس نہیں کیا مگر وہ جو آپ کے لئے حلال تھی، سب سے زیادہ سخی تھے درہم و دینار ہاتھ میں نہ رہتا اگر مال بچ جاتا تو لینے والے کا انتظار کرتے اور اس سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جاتے چاہے رات کا بڑا حصہ بھی کیوں نہ گزر جاتا اللہ کے دیئے ہوئے مال سے اپنے لئے صرف سال بھر کا خرچ رکھتے وہ بھی معمولی سا کہ اس میں کھجوریں اور جو ہوتے باقی جو کچھ ہوتا وہ اللہ کی راہ میں دے دیتے جب بھی سوال کیا جاتا عطا کرتے اور اپنے سالانہ خرچ میں بھی دوسروں کو ترجیح دیتے حتیٰ کہ بعض اوقات گھر میں کچھ بھی نہ رہتا زمین پر بیٹھتے زمین پر سوتے اور زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے اپنے جوتے کو خود پیوند لگاتے اور اسی طرح کپڑے کو بھی خود ہی پیوند لگا لیتے آنے والے کے لئے دروازہ خود کھولتے بکری کو خود دوہتے اونٹ کو خود ہی باندھتے کھولتے غلام تھک جاتا تو خود کام کرنے لگتے رات کو وضو کا پانی خود ہی لے لیتے چلنے میں نظریں زمین کی طرف رکھتے اور خاموش رہتے تکیہ لگا کر نہ بیٹھتے گھر کے کاموں میں اہل خانہ کا ہاتھ بٹاتے گوشت وغیرہ کاٹ دیتے کھاتے وقت عام انداز سے بیٹھتے بعد میں انگلیاں چاٹ لیتے ڈکار ہرگز نہ لیتے آزاد و غلام کی دعوت قبول فرما لیتے خواہ بکری کے اگلے یا پچھلے پایوں کا گوشت ہوتا ہدیہ قبول کرتے چاہے دودھ کا ایک گھونٹ ہو لیکن صدقہ نہیں کسی کے چہرے پر نظریں نہیں گاڑتے تھے اللہ کے لئے غصہ ہوتے اپنے نفس کے لئے نہیں بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھ لیتے جو کچھ حاضر ہو کھا لیتے جو کچھ ملتا وہی کھاتے کپڑوں کے دو جوڑے نہیں رکھتے تھے یمنی چادر اونی جبہ اور السی و کپاس کے کھردرے کپڑے پہنتے اکثر اوقات سفید لباس استعمال فرماتے عمامہ باندھتے قمیص دائیں جانب سے پہنا کرتے روز جمعہ کے لئے خاص لباس تھا نیا لباس لیتے تو پہلا کسی مسکین کو دے دیتے عبا سے عبا اور بستر کا دوہرا کام لیتے دائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں

چاندی کی انگوٹھی پہنتے خربوزہ کو پسند فرماتے بدبو سے نفرت کرتے وضو کے وقت مسواک کرتے سواری پر اپنے پیچھے غلام یا کسی اور کو بٹھا لیتے گھوڑا خچر گدھا جو بھی مل جاتا اس پر سواری فرماتے بے زین کے گدھوں پر سوار ہو جاتے جب اس پر کمبل پڑا ہوتا چادر ٹوپی عمامہ کے بغیر ننگے پاؤں بھی چل پڑتے جنازے کے ساتھ ساتھ چلتے شہر کے آخری کنارے تک جاکر مریضوں کی عیادت فرماتے فقیروں کے ساتھ بیٹھ جاتے مسکینوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے مختلف چیزیں خود اٹھا لیتے صاحب عزت لوگوں کی اولاد کی قدر فرماتے صاحب شرف لوگوں سے اچھا سلوک کرتے احکام الٰہی کی حد میں رہتے ہوئے صلہ رحمی فرماتے لیکن اپنوں کو دوسروں پر ترجیح نہ دیتے کسی پر ظلم نہ کرتے معذرت قبول فرما لیتے جب تک قرآن نازل نہ ہوتا اور وعظ و نصیحت کی آیت نہ آتی لوگوں کے ساتھ مسکرا کر ملا کرتے قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے لباس اور خوراک میں کنیزوں غلاموں سے بلند تر ہونے کی کوشش نہ فرماتے نہ کبھی کسی کو گالی دی نہ غلام پر لعنت فرمائی نہ کسی کو ملامت کرتے جب ایسی بات ہوتی تو فرماتے اسے چھوڑ دو آزاد و غلام کوئی کسی حاجت کے لئے کہتا تو اس کے ساتھ چل پڑتے تنگ مزاج اور سخت زبان نہیں تھے نہ بازاروں میں اونچی آواز سے بات کرتے تھے برائی کے بدلے برائی نہ کرتے در گزر فرماتے تھے جو بھی سامنے آتا اسے سلام کرنے میں پہل فرماتے جو شخص کسی کام سے آتا جب تک وہ خود نہ ہٹتا متوجہ رہتے کوئی شخص آپ کا ہاتھ پکڑتا تو جب تک وہ خود نہ چھوڑتا آپ ہاتھ نہ ہلاتے جس مسلمان سے ملتے اس سے مصافحہ فرماتے اٹھتے بیٹھتے ذکر الٰہی کرتے اکثر اوقات دو زانو ہو کر بیٹھتے تا برخاست مجلس اسی طرح بیٹھے رہتے اور قبلہ رو بیٹھا کرتے آنے والے کی عزت کرتے اور بعض دفعہ اس کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے بہت سے آنے والوں کو تکیہ پیش فرماتے خوشی و رنج ہر حالت میں حق بات کہتے۔ (۲۹)

۲۵۔ اصول کافی میں زرارہ نے ابو جعفرؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: وہ یہودیہ عورت جس نے آنحضرتؐ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دی تھی اسے آپ کے حضور لایا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کو ضرر نہیں پہنچے گا اور بادشاہ ہیں تو آپ کی موت سے لوگوں کو راحت مل جائے گی پس آپ نے اسے معاف کر دیا۔ اس روایت کو سیرۃ ابن ہشام میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ (۳۰)

۲۶۔ فتح مکہ کے بعد کفار و مشرکین کے سرداروں سے آنحضرتؐ کے برتاؤ سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کے امام و حاکم کو وسیع القلب اور دشمنوں کو معاف کر دینے والا ہونا چاہئے جب اللہ تعالیٰ نے اسے کامیابی عطا فرمائی ہو جیسا کہ ابو سفیان اور اس کا خاندان اسلام کے سخت ترین دشمن اور ہر جنگ میں آگے آگے رہے تھے لیکن حضرت رسولؐ نے ان پر غالب آنے کے بعد اسے اسلام کی دعوت دی اور اس کے گھر کو دار الامان قرار دے کر فرمایا جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امان میں ہو گا۔ (۳۱)

ہند زوجہ ابو سفیان نے مکہ میں آنحضرتؐ کو کس کس طرح اذیت دی احد میں شہدائے اسلام اور حضرت حمزہ کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا، جب اس نے آپ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کیا اور بکری کے دو بچے بطور ہدیہ پیش کیئے تو شکایت کی کہ بکریوں کے بچے کم ہوتے جا رہے ہیں آپ نے دعا فرمائی اور وہ مال کثیر ہو گیا۔ (۳۲)

اسی ہند کا غلام وحشی جو حضرت حمزہ کا قاتل تھا طائف کی طرف فرار ہو گیا، بعد میں ایک وفد کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت

میں آیا اور اسلام قبول کیا، آپ نے اس سے قتل حمزہ کا واقعہ پوچھا تو اس نے بیان کیا۔ سن کر آپ نے گریہ کیا اور فرمایا اپنا چہرہ مجھ سے دور رکھو۔ (۳۳)

جب آنحضرت مکہ میں داخل ہوئے تو قریش سے کہا، اے گروہ قریش! اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ سب نے کہا اچھا سلوک کریں کہ آپ شریف بھائی اور شریف برادر زادے ہیں پس فرمایا جاؤ تم طلقاء ہو یعنی غلامی کے بعد آزاد کئے گئے ہو، آپ ان پر غالب تھے لیکن انہیں معاف کر دیا جبکہ وہ غلام اور ان کا مال، غنیمت بنایا جاسکتا تھا۔ (۳۴)

اس کے علاوہ بھی کئی واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سرداران قریش جنہوں نے جنگیں کیں اور بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا تھا آپ نے انہیں معاف کر دیا یہاں تک کہ اپنے چچا حمزہ کے قاتل اور ان کا جگر چبانے والی سے بھی انتقام نہیں لیا۔

۲۷۔ جنگ حنین میں آنحضرت بنی ہوازن پر غالب رہے اور مال غنیمت تقسیم کر دیا، ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے قیدی واپس کر دیئے، آپ نے ان سے ان کے رئیس مالک بن عوف نصری کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ طائف میں قبیلہ ثقیف کے ہاں چلا گیا ہے، فرمایا اسے خبر دے دو کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کا مال اولاد سب کچھ واپس کیا جائے گا اور مزید سو اونٹ میں اپنی طرف سے دوں گا، مالک کو یہ خبر ملی تو وہ جعرانہ اور بقولے مکہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا چنانچہ حسب وعدہ آپ نے اس کا مال اولاد اور اپنی طرف سے سو اونٹ اسے دیئے، اس نے اچھے طریقے سے اسلام قبول کیا اور آتے وقت آپ کی مدح کی پس آپ نے اسے اس کے قبیلے پر عامل بنا دیا، پھر اس نے اپنے قبیلے کی قوت سے بنی ثقیف کا ناطقہ بند کر دیا، جب بھی ان کے چرواہے جانوروں کو لے کر آتے یہ انہیں گھیر لیتا یہاں تک کہ وہ سب مسلمان ہو گئے، بعد میں مالک نے فتح قادسیہ میں شرکت کی اور خلیفہ عمر کے زمانے میں فتح دمشق میں بھی شمولیت کی تھی۔ (۳۵)

یہ وہی مالک ابن عوف ہے جس نے حنین میں آنحضرت کے خلاف لشکر کی کمان کی جو تیس ہزار افراد پر مشتمل تھا لیکن اسے شکست ہوئی اور وہ طائف کو بھاگ گیا تھا۔ آپ حضرت رسول کی وسعت قلب دیکھیں کہ فتح و کامرانی کے بعد دشمنوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا تھا۔

مسلمانوں کے رہبر اور حاکم کو امت کی خطاؤں پر عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے لیکن اس میں حدود الٰہی اور حقوق الناس پر زد نہیں آنی چاہئے اور نہ ہی کفار و مشرکین میں سر اٹھانے کی جرأت پیدا ہونی چاہئے۔

سوال یہ ہے کہ ایک طرف عفو و درگزر کا حکم ہے اور دوسری طرف کہا جا رہا ہے "اے نبی! کافروں اور منافقوں سے سخت ترین جنگ کرو" نیز یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ (۳۶)

اس سوال کے جواب میں یوں کہا جاسکتا ہے ــــ جب کفار و منافقین مقابلے پر ہوں جنگ کے لئے آمادہ ہوں اور عہد و پیمان کو بار بار توڑیں تو ان کے لئے جنگ و سختی کا حکم ہے جیسے مدینہ کے یہود بنو قریظہ تھے اور عفو و رحمت کا فرمان اس وقت کے

لئے ہے جب ان پر غلبہ حاصل ہو اور وہ مسلمانوں کے تسلط میں ہوں اور ان کی طرف سے کسی سازش اور حملے کا امکان نہ ہو جیسا کہ صاحبان فہم ان دونوں صورتوں کے فرق کو بخوبی جانتے ہیں۔

کتاب الغرر والدرر میں ہے: بہترین سیاست یہ ہے کہ حکومت میں عدل و انصاف ہو اور طاقت کے باوجود معاف کیا جائے۔ (۳۷)

اسی کتاب میں ہے: شریف لوگوں کی کامیابی عفو و احسان میں ہے اور کمینے لوگوں کی کامیابی جبرو طغیان سے ہے۔ (۳۸)

میں کہتا ہوں ___ امیرالمومنینؑ کا جنگ جمل میں سرداران لشکر کو معاف کر دینا بھی ایسے ہی مواقع میں سے ہے کہ جن میں مروان عبداللہ بن زبیر جیسے افراد اور اس لشکر کی کماندار بی بی عائشہ بھی تھیں جبکہ وہ لوگ بہت سے مسلمانوں کے قتل کا موجب بنے تھے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ایک لشکر دوسرے لشکر پر غالب آ جائے تو وہاں شخصی حقوق کی بجائے عوامی مفاد کا خیال رکھا جاتا ہے، ایسے موقعوں پر انتقام اور عفو کا معاملہ امام و حاکم سے تعلق رکھتا ہے اور قصاص و تاوان شخصی و فردی معاملوں سے متعلق ہوتا ہے، کیا جب ایک نظام حکومت دوسرے نظام حکومت پر فتح و کامرانی حاصل کرے تو مغلوبین کو معاف کر دینا چاہئے؟ ہاں جب معاشرے میں کوئی قوت حقوق العباد اور شخصی حقوق کو پامال کرتی ہو اور کچھ لوگ ان حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہوں تو وہ ہرگز قابل معافی نہیں ہیں لیکن شاید یہ بات اس طرح کے حالات کے مطابق نہیں ہے جن میں معافی دیئے جانے کا ذکر ہوا ہے۔

مثلاً حضرت رسولؐ نے فتح مکہ کے وقت مشرکین کو معاف کر دیا اگرچہ وہ بدر احد وغیرہ کی جنگوں میں مسلمانوں کا خون بہانے میں شریک رہے تھے، آپ نے حضرت حمزہ کے ورثاء اور ان کی بیٹی سے پوچھے بغیر وحشی قاتل حمزہ کو معاف کر دیا نیز بنی ہوازن کے سردار مالک بن عوف کو معافی دی جبکہ وہ بہت سے مسلمانوں کے قتل کا ذمہ دار تھا۔

اسی طرح امیرالمومنینؑ نے اصحاب جمل کو معاف کیا تھا حالانکہ ان کے بارے میں نہج البلاغہ میں آپ کا یہ فرمان منقول ہے:

"یہ لوگ (اصحاب جمل) بصرہ میں میرے عامل اور مسلمانوں کے بیت المال کے خزینہ دار اور دیگر باشندوں تک پہنچ گئے کچھ لوگوں کو قید میں مار مار کر اور کچھ کو مکر و حیلہ سے شہید کیا ___ خدا کی قسم! اگر وہ مسلمانوں میں سے صرف ایک ناکردہ گناہ مسلمان کو عمداً قتل کرتے تو بھی میرے لئے جائز ہوتا کہ میں اس تمام لشکر کو قتل کر دوں کیونکہ وہ موجود تھے اور انہوں نے نہ تو اسے برا سمجھا اور نہ زبان وہاتھ سے اس کی روک تھام کی چہ جائیکہ انہوں نے مسلمانوں کے اتنے آدمی قتل کر دیئے جتنی تعداد خود ان کے لشکر کی تھی جسے لے کر وہ ان پر چڑھ دوڑے تھے۔ (۳۹)

بہرحال یہ ایک فقہی نکتہ ہے، فقیہ کو سیرۃ نبیؐ اور امیرالمومنینؑ کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسئلے پر غور و فکر کرنا چاہئے، اس طرح اسے فقہ کے وسیع باب میں اس کی کئی وجوہ کامل جانا ممکن ہے۔

اول۔ قصاص و ضمانت کی دلیلیں اگرچہ مطلق ہیں لیکن بعض اوقات بنیادی طور پر مصالح شخصیہ اور مصالح عامہ میں ٹکراؤ

ہو جاتا ہے، اس صورت میں اپنی اہمیت کے باعث مصالح عامہ مقدم ہوں گے، امام و حاکم کافر فوج یا باغی لشکر کو معاف کر سکتے ہیں جب اس میں اسلام و مسلمانوں کی مصلحت ہو اور توقع کی جائے کہ کافر یا باغی مصالحت کر کے اسلام کی طرف راغب ہو جائیں گے۔

دوم۔ قصاص کا حق مقتول کے ولی کو مطلقاً حاصل ہے لیکن امام ولی الاولیاء ہے اور تمام مسلمانوں کے نفوس پر ان سے بڑھ کر اولیٰ و متصرف ہے پس ولایت امام ولایت شخصی پر مقدم ہوگی جیسے بتایا جا چکا ہے کہ تعارض کی صورت میں دادا کی ولایت باپ کی ولایت پر مقدم ہے، یہی وہ بنیاد تھی جس کے تحت رسول اعظمؐ نے فرمایا کہ جاہلیت کے قصاص اب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔

سوم۔ ایک لشکر دوسرے لشکر کے مقابل ہو اور ایک فوج دوسری فوج کے سامنے ہو تو اس میں قصاص و ضمانت کی دلیلیں کام نہیں آتیں کیونکہ دونوں فریقوں نے جنگ میں اپنی جانیں پیش کر دی ہیں پس حد سے تجاوز کرنے والا ظالم اور اپنے مال و جان کو تلف کرنے کا ذمہ دار ہے، پھر ایک مومن اپنا مال و جان راہ خدا میں بیچ چکا ہے (تو اب مومنین کی جانیں ان کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ امام و حاکم کو حق ہے مصلحت کے مطابق جو چاہے اقدام کرے) یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ ابو سفیان اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں کو دی گئی معافی ان کے اسلام کی بدولت ہے کہ اسلام پہلے کے معاملات کو ختم کر دیتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ یہ صورت مقام احسان میں ہوتی ہے اور حقوق و ضمانت کا سقوط احسان نہیں ہے، اگر کسی کافر پر مسلمان کا قرض ہو تو کیا وہ اس کے اسلام لانے کے بعد ادا کرنا ضروری نہیں ہوگا؟ اسلام کا پہلے کے معاملات کو ختم کرنا صرف احکام و فرائض سے تعلق رکھتا ہے پس غور کریں

۲۸۔ سنن ابن ماجہ میں ابن مسعود سے مروی ہے، ایک شخص حضرت رسولؐ کی خدمت میں بات کرتے ہوئے گھبرا گیا تو آپ نے فرمایا اپنا حوصلہ قائم رکھو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں تو سوکھا گوشت کھانے والی عورت کا بیٹا ہوں۔ (۴۰)

اس باب میں ہم نے خلق پیغمبرؐ میں سے آداب معاشرت اور عفو و رحمت کے بارے میں بعض آیات و روایات نقل کیے ہیں کیونکہ رسول اعظمؐ ہی حکومت اسلامی کے بانی اور مسلمانوں کے پہلے امام و رہبر ہیں، امت اسلامیہ خصوصاً اس کے قائدین و امراء اور ان کے معین کئے ہوئے حکام کو چاہئے کہ وہ خود کو پیغمبر اکرمؐ کی سیرت و اخلاق کے مطابق ڈھالیں جیسا کہ خداوند کریم کا فرمان ہے " (مسلمانو) تمہارے واسطے تو خود رسول اللہؐ کی ذات میں ایک اچھا نمونہ عمل (عیاں ہوا) مگر یہ اس کے لئے ہے جو خدا اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور خدا کو بکثرت یاد کرتا ہو"۔ (۴۱)

جو باب سیرۃ امام و اخلاق امام کے عنوان سے لکھا جائے یہ ممکن نہیں کہ اس میں حکومت اسلامی کے بانی کی سیرۃ کا ذکر نہ ہو، اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے حکام سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہر زمانے میں آنحضرتؐ کی سیرۃ، انفرادی اعمال اور خاندانی امور میں ان کے نقش قدم پر گامزن رہیں، اسی طرح عبادات معاملات غزوات و سرایا ماتحتوں کے ساتھ طرز عمل دشمنوں اور مخالفوں سے برتاؤ وغیرہ تمام امور میں ان کی روش نبی اکرمؐ کی سیرۃ و سنت کے موافق ہونی چاہئے۔

۲۹۔ الکافی میں حنان سے، اس کے باپ سے، ابو جعفرؑ سے مروی ہے، کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: امامت کے لائق وہی ہے

جس میں تین خصائل ہوں ــــ ورع و پرہیز گاری جو اللہ کی نافرمانی سے مانع ہو، حلم و حوصلہ جس کے ذریعے قوت غضبیہ پر قابو پائے اور رعیت پر بہترین ولایت و حکومت کرے یعنی والی و حاکم کو رعیت کے لئے ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ اولاد کے لئے شفیق باپ ہوتا ہے۔ (۴۲)

۳۰۔ الکافی میں حنان بن سدیر صیرفی سے روایت ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: نبی اکرمؐ کو اس وقت موت کی اطلاع دی گئی جبکہ آپ تندرست تھے اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی یہ خبر جبرئیل کے ذریعے دی گئی، پھر سب لوگوں کو مسلح ہو کر مسجد میں آنے کا حکم ہوا اور مہاجر و انصار جمع ہوگئے تب آنحضرتؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ان لوگوں کو اپنی موت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا میں اپنے بعد امت پر حکومت کرنے والوں کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ مسلمانوں پر رحم نہ کریں انہیں چاہئے کہ طاقتوروں کی عزت کریں اور ضعیف و کمزور لوگوں پر رحم کریں علماء کو بلند مقام دیں ان کو ذلیل کرنے کے لئے ضرر نہ پہنچائیں ان کو رزق کی مار نہ دیں کہ کہیں وہ دین سے بیگانے نہ ہو جائیں اپنے دروازے ان کے لئے بند نہ کریں، اگر ایسا ہوا تو پھر طاقت والے کمزوروں کو کھا جائیں گے سب لوگوں کو سرحدوں پر جانے کے لئے مجبور نہ کریں تاکہ میری امت کی نسل قطع نہ ہونے پائے، پھر فرمایا گواہ رہنا کہ میں نے تبلیغ کردی اور خیر خواہی کا حق ادا کیا ہے۔

ابو عبداللہؑ فرماتے ہیں کہ منبر پر یہ آنحضرتؐ کا آخری خطبہ تھا۔ (۴۳)

۳۱۔ کنز العمال میں ہے: میں بعد کو ہونے والے اپنے جانشین کو خوف خدا کی وصیت کرتا ہوں، جماعت مسلمین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان میں بڑوں کی عزت کریں اور چھوٹوں پر رحم کریں ان کے نزدیک عالم کو معزز ہونا چاہئے، لوگوں کو ضرر نہ پہنچائیں کہ وہ ذلیل ہو جائیں انہیں خوف زدہ نہ کریں مبادا وہ دین کو چھوڑ دیں انہیں اس طرح تباہ نہ کریں کہ ان کی نسل قطع ہو جائے ان کے لئے اپنے دروازے کھلے رکھیں تاکہ ان میں سے طاقتور کمزور کو ختم نہ کردے۔

اسی طرح ابو امامہ سے بھی روایت ہوئی ہے۔ (۴۴)

۳۲۔ نہج البلاغہ میں محمد بن ابی بکر کے لئے امیر المومنینؑ کا عہد نامہ ہے جب ان کو مصر کا حاکم بنایا: لوگوں سے انکساری کے ساتھ ملنا ان سے نرمی کا برتاؤ کرنا کشادہ روئی سے پیش آنا اور سب کو ایک نظر سے دیکھنا تاکہ بڑے لوگ تم سے اپنی ناحق کی طرف داری کی توقع نہ رکھیں اور چھوٹے لوگ (ان بڑوں کے) مقابلہ میں تمہارے عدل و انصاف سے ناامید نہ ہو جائیں اے اللہ کے بندو! وہ تمہارے چھوٹے بڑے کھلے چھپے اعمال کی تم سے باز پرس کرے گا ــــ اس کے بعد اگر وہ عذاب کرے تو یہ تمہارے اپنے ہی ظلم کا نتیجہ ہے اور معاف کردے تو وہ اس کے کرم کا تقاضا ہے۔ (۴۵)

۳۳۔ نہج البلاغہ میں ایک عامل کے نام امیر المومنینؑ کا مکتوب: دشواریوں میں اللہ سے مدد مانگو رعیت کے ساتھ سختی کے ہمراہ نرمی بھی کرو اور جہاں تک مناسب ہو نرمی سے کام لو مگر جب سختی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو سختی کرو، رعیت سے خوش خلقی و کشادہ روئی سے پیش آؤ اور اپنا رویہ نرم رکھو، سلام اشارہ اور نظر کرنے میں ان کے درمیان برابری رکھو تاکہ بڑے لوگ تم سے بے راہ روی کی توقع نہ رکھیں اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہوں، والسلام (۴۶)

۳۴۔ نہج البلاغہ میں عبداللہ بن عباس کو وصیت ہے جب امیر المومنینؑ نے انہیں بصرہ میں حاکم بنایا۔ لوگوں سے کشادہ

روئی سے پیش آؤ ان کو اپنی مجلس میں آنے کا موقع دو حکم میں تنگی روا نہ رکھو اور غصہ سے پرہیز کرو کیونکہ یہ شیطان کے لئے اچھا موقع ہوتا ہے۔ (۴۷)

۳۵۔ نہج البلاغہ ہی میں ہے: امابعد حاکم پر فرض ہے کہ جس برتری کو اس نے پایا اور جس فارغ البالی کی منزل پر پہنچا ہے وہ رعایا کے ساتھ اس کے برتاؤ میں تبدیلی پیدا نہ کرے بلکہ اللہ نے جو نعمت اس کے نصیب میں کی ہے وہ اسے بندگان خدا سے قربت اور اپنے بھائیوں سے ہمدردی کا ذریعہ بنائے، مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ حالت جنگ کے سوا کوئی راز تم سے پوشیدہ نہ رکھوں شرعی حکم کے علاوہ دوسرے امور میں تمہارے مشورے سے پہلو تہی نہ کروں تمہارے کسی حق کو پورا کرنے میں کوتاہی نہ کروں اور اسے انجام تک پہنچائے بغیر دم نہ لوں نیز یہ کہ حق کے بارے میں تم سب میرے نزدیک برابر سمجھے جاؤ پس جب میرا برتاؤ ایسا ہو تو تم پر خدا کے اس احسان کا شکر ادا کرنا اور ساتھ ہی میری اطاعت بھی لازم ہے یعنی کسی پکار پر قدم پیچھے نہ ہٹاؤ نیک کاموں میں کوتاہی نہ کرو اور حق تک پہنچنے کے لئے سختیوں کا مقابلہ کرو۔ (۴۸)

بحار الانوار کی کتاب صفین میں بھی امیر المومنینؑ کا یہ فرمان نقل ہوا ہے پس مراجعہ کریں۔ (۴۹)

میں کہتا ہوں ـــ امامؑ نے فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں سے مشورہ ترک نہیں کروں گا مگر یہ کہ صریح حکم شرعی موجود ہو کیونکہ اللہ کا حکم تو ہر حال میں نافذ ہو گا۔

۳۶۔ نہج البلاغہ میں مالک اشتر کے نام امیر المومنینؑ کا عہد نامہ ہے: رعایا کے لئے اپنے دل میں رحم رافت اور لطف و محبت کو جگہ دو ان کے لئے پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ کہ انہیں نگل جانا پسند کرو کیونکہ رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور دوسرے تمہاری ہی طرح خدا کی مخلوق ہیں، ان سے لغزشیں بھی ہوں گی ان سے خطائیں بھی سرزد ہوں گی ان سے دانستہ یا نادانستہ غلطیاں بھی ہوں گی لیکن تم ان سے اسی طرح در گزر کرنا جس طرح اپنے لئے اللہ سے عفو و در گزر کے خواہشمند ہو، کیونکہ تم ان پر حاکم ہو تمہارے اوپر تمہارا امام حاکم ہے جس نے تمہیں والی مقرر کیا ہے پھر اس پر اللہ تعالیٰ حاکم ہے پس اس نے تم سے ان لوگوں کے معاملات کی انجام دہی چاہی اور ان کے ذریعے تمہاری آزمائش کی ہے ـــ اور دیکھو خیال رکھو کہیں اللہ کے مقابلے پر کھڑے نہ ہو جانا کہ اس کے غضب کے سامنے تم بے بس ہو اور اس کے عفو و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتے تمہیں کسی کو معاف کر دینے پر پچھتانا اور سزا دے کر اترانا نہیں چاہئے غصے میں جلد بازی سے کام نہ لو جب اس کے ٹال دینے کی گنجائش ہو کبھی یہ نہ کہنا کہ میں حاکم بنایا گیا ہوں لہٰذا میرے حکم کے آگے لوگوں کا سر خم ہونا چاہئے کیونکہ یہ خیال دل میں فساد پیدا ہونے دین کے کمزور ہو جانے اور بربادیوں کو قریب سے قریب تر لانے کا سبب ہے۔ (۵۰)

۳۷۔ نہج البلاغہ میں ایک عامل کے نام امیر المومنینؑ کا مکتوب: تمہارے شہر کے زمینداروں نے تمہاری سختی سنگدلی تحقیر آمیز برتاؤ اور تشدد کے رویہ کی شکایت کی ہے، میں نے غور کیا تو بوجہ شرک وہ اس قابل تو نظر نہیں آتے کہ انہیں نزدیک کر لیا جائے لیکن معاہدے کی رو سے انہیں دھتکارا اور دور بھی نہیں پھینکا جا سکتا اس لئے ان کے ساتھ نرمی کا ایسا ڈھب اختیار کرو جس میں کچھ کچھ سختی کی جھلک ہو کبھی سختی کرو اور کبھی نرمی سے کام لو اور دور و نزدیک ہر ایک کے لحاظ سے ایک درمیانہ راستہ اختیار کرو خدا کرے ایسا ہی ہو۔ (۵۱)

۳۸۔ نہج البلاغہ میں ہے. نیک بندوں کے نزدیک حکمرانوں کی ذلیل ترین صورت حال یہ ہے کہ ان کے متعلق یہ گمان ہونے لگے کہ وہ فخر و سربلندی کو پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کے حالات کبر و غرور پر محمول کئے جاسکیں. مجھے تو یہ بھی ناگوار ہے کہ تمہیں اس کا وہم و گمان بھی ہو کہ میں بڑھ چڑھ کر تعریف سننا پسند کرتا ہوں مگر میں ایسا نہیں ہوں اگر مجھے اس چیز کی خواہش ہوتی تو بھی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہوئے اس خواہش کو چھوڑ دیتا اور اس سے بچتا کہ ایسی عظمت و بزرگی اختیار کروں جس کا اہل صرف خدائے تعالیٰ ہی ہے۔

یوں تو لوگ اچھی کارگزاری کے بعد مدح و ثناء کو خوشگوار سمجھا کرتے ہیں لیکن تم اس بات پر میری مدح و ثناء نہ کرو کہ میں اللہ کی اطاعت اور تمہارے حقوق سے عہدہ بر آ ہوا ہوں کیونکہ ابھی ان حقوق کے بارے میں خدشہ ہے کہ جن کے پورا کرنے سے میں تاحال فارغ نہیں ہوا اور ان فرائض کا بھی اندیشہ ہے کہ جن کا نفاذ ضروری ہے مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کرو جیسی جابر و سرکش حکمرانوں سے کی جاتی ہیں اور نہ مجھ سے اس طرح بچ کے رہا کرو جیسے طیش میں آنے والوں سے بچاؤ کیا جاتا ہے مجھ سے اس طرح کا میل جول نہ رکھو جس سے خوشامد و چاپلوسی کا پہلو نکلتا ہو میرے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ میرے سامنے کوئی حق بات کہی جائے گی تو مجھے ناگوار ہوگی یہ بھی خیال نہ کرو کہ میں تم سے کہوں گا کہ مجھے بڑھا چڑھا کر متعارف کراؤ کیونکہ جو شخص اپنے سامنے حق بات کہے جانے کو گراں سمجھتا ہو اسے حق و انصاف پر عمل کرنا زیادہ دشوار ہوگا تم اپنے آپ کو حق بات کہنے اور عدل کا مشورہ دینے سے نہ روکو اس لئے کہ میں خود کو اس سے بالاتر نہیں سمجھتا کہ خطا ہو جائے نہ اپنے فعل میں اس سے مامون ہوں بس یہ تو خدا کا فضل و کرم ہے کہ وہ میرے نفس کو لغزش سے محفوظ رکھتا ہے اور میرے نفس پر اس کو مجھ سے زیادہ اختیار حاصل ہے ہم اور تم سبھی اس کے بے اختیار بندے ہیں کہ جس کے علاوہ کوئی رب نہیں وہ ہم پر اتنا اختیار رکھتا ہے کہ خود ہم اپنے نفوس پر اتنا اختیار نہیں رکھتے۔ (۵۲)

۳۹۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ امیر المومنینؑ کے سفر شام میں مقام انبار کے زمینداروں سے ملاقات ہوئی تو وہ آپ کو دیکھ کر پیادہ ہو گئے اور آگے آگے دوڑنے لگے اس پر آپ نے فرمایا. تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا یہ ہمارا عام طریقہ ہے اور اس طرح ہم اپنے حکمرانوں کی تعظیم کرتے ہیں آپ نے فرمایا بخدا کہ اس سے تمہارے حکمرانوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچتا البتہ اس دنیا میں تم خود کو زحمت و مشقت میں ڈالتے ہو اور آخرت میں اس کے بدلے بدبختی مول لیتے ہو وہ مشقت کس قدر گھاٹے والی ہے جس کا نتیجہ آخرت کی سزا ہو اور وہ راحت کتنی فائدہ مند ہے جس کا نتیجہ دوزخ سے امان ہو۔ (۵۳)

۴۰۔ فروع الکافی میں اس کی سند کے ساتھ بنی ثقیف کے ایک فرد سے روایت ہے کہ جب امیر المومنینؑ نے مجھے بانقیا اور سواد کوفہ کا عامل صدقات بنایا تو فرمایا جبکہ لوگ موجود تھے خراج پر نظر رکھنا اور اس میں سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا. جب وہاں جاؤ تو مجھ سے ملتے جانا پھر جب میں آپ کے پاس آیا تو فرمایا جو کچھ تو نے مجھ سے سنا وہ از راہ تفنن و خوش طبعی کہا گیا تھا ہاں اب سنو کہ اپنے آپ کو اس سے بچائے رکھنا کہ کسی مسلمان یہودی یا نصرانی کو خراج کا ایک درہم نہ دینے پر اذیت دینے لگو کیونکہ ہمیں عفو و درگزر کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ روایت بحار میں بھی اسی طرح نقل ہوئی ہے۔ (۵۴)

۴۱۔ اصول کافی میں مسعدہ بن صدقہ کی خبر میں ہے کہ ابو عبداللہؑ نے اپنے آباء کرام سے روایت کی ہے کہ ایک ذمی امیرالمومنینؑ کا ہم سفر تھا اس کافر ذمی نے آپ سے پوچھا کہاں جانا ہے آپ نے فرمایا کوفہ! ایک دوراہے سے آپ اس ذمی کے ساتھ ہو لئے تو وہ کہنے لگا آپ تو کہہ رہے تھے کوفہ جانا ہے کیا راستہ معلوم نہیں ہے؟ فرمایا کوفہ ہی جانا ہے اور راستہ بھی معلوم ہے اس نے کہا پھر ادھر کیوں آ گئے ہیں؟ یہ راستہ کوفہ کو نہیں جاتا ــــــ فرمایا اکٹھے سفر کرنے میں حق ہے کہ راستے کی تبدیلی کے وقت اپنے ہم سفر کو کچھ دور تک چھوڑنے جائے کیونکہ ہمارے رسولؐ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کافر ذمی نے کہا اچھا تو آپ کے رسولؐ نے یہ تعلیم دی ہے؟ فرمایا ہاں! ایسے میں تو لوگ ان کے اخلاق کریمانہ ہی کی بدولت ان کے گرویدہ و مطیع ہوئے تھے ــــــ میں گواہی دیتا ہوں کہ اب میں نے آپ کے دین کو قبول کر لیا ہے، تب وہ کافر ذمی امیرالمومنینؑ کے ساتھ چل پڑا اور جب اسے معلوم ہوا کہ یہ امیرالمومنینؑ ہیں تو فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ (۵۵)

۴۲۔ اسی کتاب میں عبداللہ بن قداح نے ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: دو شخص اکٹھے امیرالمومنینؑ کی خدمت میں آئے آپ نے ہر ایک کو الگ الگ تکیہ دیا ان میں سے ایک تو بیٹھ گیا لیکن دوسرے نے انکار کر دیا آپ نے فرمایا عزت واحترام کو قبول نہ کرنے والا خر دماغ ہوتا ہے حضرت رسولؐ کا ارشاد ہے کہ جب قوم کا معزز شخص آئے تو اس کی عزت واکرام کرو (۵۶)

۴۳۔ مناقب ابن شہر آشوب میں مختار تمار نے ابی مطر بصری سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: امیرالمومنینؑ خرما فروشوں کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ ایک باندی رو رہی ہے آپ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا میرے مالک نے مجھے کھجوریں خریدنے کے لئے ایک درہم دیا میں خرید کر لے گئی تو اس نے پسند نہیں کیں مگر اب یہ خرما فروش انہیں واپس نہیں لیتا حضرت نے فرمایا اللہ کے بندے! یہ بے چاری باندی ہے جب اس کا مالک یہ کھجوریں قبول نہیں کرتا تو تم کھجوریں لے کر اس کا درہم واپس کر دو اس پر وہ خرما فروش اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت کو سختی کے ساتھ جھڑک دیا دیکھنے والوں نے کہا ارے یہ تو امیرالمومنینؑ ہیں وہ پریشان ہو گیا اور اس کا رنگ پیلا پڑ گیا پس اس نے کھجوریں لے کر درہم واپس کر دیا اور عرض کیا یا امیرالمومنینؑ! آپ مجھ سے راضی ہو جائیں فرمایا اگر تو اپنی روش بدل لے تو میں تجھ سے راضی ہوں، احمد کی کتاب فضائل میں ہے کہ فرمایا اگر تو لوگوں کے حقوق کا خیال رکھے تو میں راضی ہوں۔

امیرالمومنینؑ نے اپنے غلام کو کئی بار پکارا اور جواب نہ ملا آپ باہر آئے تو دیکھا کہ وہ دروازے پر موجود ہے آپ نے پوچھا آواز پر جواب کیوں نہیں دیا وہ کہنے لگا سستی ہوئی ہے اور پھر سزا کا خوف بھی نہ تھا حضرت نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسے لوگوں میں رکھا ہے جن سے مخلوق خدا امن میں ہے اس کے ساتھ ہی غلام سے فرمایا جہاں چاہے چلا جا کہ تو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا گیا ہے۔

امیرالمومنینؑ نماز فجر ادا فرما رہے تھے ابن کواء نے پیچھے کھڑے کھڑے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

ولقد اوحی الیك و الی الذین من قبلك لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخاسرین - (۵۷)

" (اے رسولؐ) تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یقیناً یہ وحی بھیجی جا

چکی ہے کہ اگر (کہیں) شرک کیا تو ضرور تمہارے سارے عمل اکارت ہو جائیں گے اور تم ضرور ہی گھاٹے میں آ جاؤ گے"۔

امیرالمومنینؑ عظمت قرآن کو مدنظر رکھتے ہوئے خاموش ہو گئے جب ابن کواء یہ آیت پڑھ چکا تو آپ نے قراءت شروع کی لیکن اس نے پھر یہ آیت تلاوت کرنا شروع کر دی حضرت استماع قرآن کے لئے خاموش ہو گئے بعد میں قراءت شروع کی تو وہ سہ بارہ یہی آیت پڑھنے لگا اور حضرت خاموش رہے جب اس نے آیت ختم کی تو آپ نے جواباً یہ آیت تلاوت فرمائی:

فاصبر ان وعد الله حق، ولا يستخفنك الذين لايوقنون - (۵۸)

"تو (اے رسولؐ) تم صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور (کہیں) ایسا نہ ہو کہ جو لوگ (تمہاری) تصدیق نہیں کرتے وہ تمہیں خفیف کر دیں"۔

اس مرحلے پر حضرت نے قراءت تمام کی اور رکوع کیا۔

ابو ہریرہ امیرالمومنینؑ کے بارے میں باتیں کیا کرتا تھا اور ایک دن پہلے کسی نے آپ کو بتایا بھی تھا لیکن ابو ہریرہ آیا اور اس نے اپنی حاجات پیش کیں تو آپ نے پوری کر دیں، اصحاب نے عرض کیا آپ ایسے شخص کی حاجت روائی فرما رہے ہیں؟ فرمایا میں حیا محسوس کرتا ہوں کہ مبادا اس کی جہالت میرے علم پر غالب آ جائے اس کا گناہ میرے عفو پر فوقیت پائے اور اس کا سوال میرے جود و سخا سے آگے بڑھ جائے۔

یہ روایت بحار الانوار میں بھی نقل ہوئی ہے۔ (۵۹)

ابن الکواء خارجیوں کا رئیس تھا اور اس کا نام عبداللہ بتایا جاتا ہے۔

۴۴۔ مناقب ابن شہر آشوب میں العقد اور نزہت الابصار سے منقول ہے: جنگ جمل میں مالک اشتر نے مروان کو محبوس کر لیا لیکن امیرالمومنینؑ نے اسے محض ڈانٹ ڈپٹ کی اور آزاد کر دیا، بی بی عائشہ نے کہلا بھیجا کہ آپ فتح مند ہوئے ہیں لہٰذا مجھے اچھے انداز سے معاف کر دیں، حضرت نے ان کے لئے سامان سفر مہیا فرمایا اور نوے یا ستر عورتوں کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔

نیز بی بی عائشہ نے محمد بن ابی بکر کے ذریعے اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے لئے امان طلب کی تو آپ نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھی امان دے دی۔

طلحہ بن عبیداللہ کے بیٹے موسیٰ کو آپ کی خدمت لایا گیا آپ نے اس سے فرمایا کہ تین مرتبہ استغفار کرو اپنا اسلحہ و سامان لے لو جہاں چاہو چلے جاؤ اپنے گھر میں بیٹھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہ روایت بحار الانوار میں بھی منقول ہے۔ (۶۰)

۴۵۔ شرح ابن ابی الحدید معتزلی میں ہے: آپ کو معلوم ہے کہ بی بی عائشہ نے امیرالمومنینؑ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا لیکن جب آپ نے فتح پائی تو ان کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا آپ نے بنی عبدالقیس میں سے بیس عورتوں کو عمامے بندھوائے اور تلواریں دے کر ان کے ساتھ کر دیا راستے میں بی بی عائشہ نے امیرالمومنینؑ کے بارے میں ایسی باتیں کیں جو مناسب نہ تھیں پھر یہ بھی کہا کہ انہوں نے میری عزت کا خیال نہیں کیا اور اپنے لشکر کے آدمی میرے ہمراہ بھیجے ہیں لیکن جب مدینہ

پہنچیں اور ان عورتوں نے عمامے اتار کر بتایا کہ ہم مرد نہیں عورتیں ہیں تو پھر بی بی کو اصل بات کا علم ہوا۔

اہل بصرہ نے امیر المومنینؑ سے جنگ کی آپ کے اور آپ کی اولاد کے سامنے تلواریں لے کر آ کھڑے ہوئے اور آپ کو برا بھلا کہتے رہے لیکن جب آپ ان پر غالب ہوئے تو تلوار نیام میں ڈال لی آپ کے منادی نے اعلان کیا خبردار کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے زخمی کو تنگ نہ کیا جائے قیدی کو قتل نہ کیا جائے جو ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے اور جو ہمارے لشکر میں آ جائے اسے بھی امان ہو گی۔

آپ نے اہل بصرہ کا سامان نہیں لیا ان کی اولاد کو قیدی نہیں بنایا ان کے اموال کو غنیمت نہیں بنایا اگر آپ چاہتے تو سب کچھ کر سکتے تھے، لیکن حضرت نے انہیں معاف کرنے کا فیصلہ کیا اور درگزر سے کام لیا چنانچہ آپ نے فتح مکہ میں حضرت رسولؐ کی قائم کی ہوئی سنت پر عمل کیا جب ان لوگوں کے دلوں میں کینے موجود تھے اور برائی بھلائی میں تمیز نہ کرتے تھے۔ (۶۱)

۴۶۔ انساب الاشراف بلاذری میں جنگ نہروان کے ذیل میں ہے: حضرت علیؑ فرمایا کرتے جب تک وہ (خارجی) خون نہ بہائیں حرام کے مرتکب نہ ہوں ہم ان کو مساجد میں داخل ہونے سے نہیں روکیں گے نہ ان کے اور ان کے مال کے درمیان حائل ہوں گے۔ (۶۲)

۴۷۔ ابن ابی شیبہ کی کتاب المصنف میں اس کی سند کے ساتھ کثیر ابن نمر سے مروی ہے: ہم روز جمعہ مسجد میں حضرت علیؑ کا خطبہ سن رہے تھے کہ ایک گوشے سے ایک شخص اٹھا اور کہا لا حکم الا للہ پھر دوسرا اور پھر تیسرا اٹھا اور یہی نعرہ بلند کیا حضرت نے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا ہاں تو یہ لا حکم الا للہ کلمہ حق ہے لیکن اسے مفہوم باطل میں بولا جا رہا ہے پس تم لوگوں کے بارے میں اللہ کے حکم پر عمل ہو گا، آگاہ رہو کہ جب تک تم لوگ ہمارے ساتھ ہو تمہیں تین حق حاصل رہیں گے یعنی ہم تمہیں مساجد میں ذکر الٰہی سے نہیں روکیں گے جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کے ساتھ ہیں ہم تمہیں تمہارے اموال سے محروم نہیں کریں گے اور جب تک تم ہمارے ساتھ جنگ نہ کرو گے ہم بھی جنگ نہیں کریں گے، اس کے بعد آپ نے پھر سے خطبہ دینا شروع کر دیا، (۶۳)

یہ روایت سنن بیہقی میں بھی نقل ہوئی ہے نیز اس نے شافعی کے توسط سے اس کو حضرت علیؑ سے روایت کیا ہے پس مراجعہ کریں۔ (۶۴)

۴۸۔ الوسائل میں قرب الاسناد کے ذریعے مسعدہ ابن زیاد سے، ابو عبداللہؑ سے روایت ہے کہ ان کے والد گرامی نے فرمایا: امیر المومنینؑ نے اپنے مخالفین کو کبھی شرک و نفاق سے نسبت نہیں دی بلکہ فرمایا کرتے کہ وہ ہمارے بھائی تھے لیکن انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ (۶۵)

صاحب الوسائل فرماتے ہیں یہ روایت بطور تقیہ وارد ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں —— اس میں تقیہ کی وجہ غیر واضح ہے اور ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ اپنے مخالفین سے مسلمانوں کا سا معاملہ کرتے تھے۔

۴۹۔ مذکورہ بالا روایت کے قریب تر ابن ابی شیبہ نے المصنف میں ابو البختری سے ایک خبر نقل کی ہے: امیر المومنینؑ سے

اصحاب جمل کے بارے میں پوچھا گیا کیا وہ مشرک ہیں؟ فرمایا شرک سے تو وہ بھاگے ہوئے ہیں، پوچھا گیا تو کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا منافق تو اللہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں پوچھا گیا پھر وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ ہمارے بھائی ہیں لیکن باغی ہو گئے۔ (٦٦)

میں کہتا ہوں ـــــ آپ ملت اسلامیہ کے امام، امیر المومنینؑ کی وسعت قلب اور عالی ظرفی پر توجہ کریں کہ آپ اپنے مخالفوں اور جنگ آزمائی کرنے والوں کے بارے میں کس طرح اظہار رائے فرماتے تھے ظاہر ہے کہ آپ عفو و درگزر سے کام لیتے اور ان کا ذکر مناسب الفاظ میں کرتے تھے۔

٥٠۔ مناقب شہر بن آشوب میں زاذان سے مروی ہے. امیر المومنینؑ بازار میں تنہا چلے جاتے وہاں بھولے بھٹکے کو راستہ بتاتے غریب و نادار کی حمایت کرتے کریانہ اور سبزی والوں کے پاس رکتے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے تلک الدار الاخرۃ .... (٦٧)

٥١۔ کنزالعمال میں تاریخ ابن عساکر سے زاذان کی خبر ہے. امیر المومنینؑ بازار میں چلتے ہوئے بھولے بھٹکے کی رہنمائی کرتے گمشدہ چیز کی تلاش فرماتے اور کریانہ و سبزی والوں کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت اچھی طرح سے تلاوت کرتے.
"آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو زمین پر اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ اس میں فساد کرنا چاہتے ہیں"۔ (٦٨)

آپ فرمایا کرتے یہ آیت حکام میں سے صاحبان انصاف و تواضع اور لوگوں میں سے صاحبان قوت کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (٦٩)

٥٢۔ شیخ مفید کی کتاب الجمل میں واقدی سے منقول ہے. امیر المومنینؑ بصرہ سے جانے لگے تو وہاں ابن عباس کو حاکم بنایا اور انہیں وصیت فرمائی ـــــ اے ابن عباس! تقویٰ کا دامن نہ چھوڑو جن لوگوں پر تم حاکم ہو ان کے ساتھ انصاف کرو لوگوں سے کشادہ روئی کے ساتھ پیش آؤ ان کو اپنی مجلس میں حاضری کا موقع دو اپنے حلم کو بڑھاؤ اور غصہ سے پرہیز کرو کیونکہ یہ شیطان کے لئے نیک شگون ہے خواہشوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ یہ اللہ کی راہ سے روکنے کا موجب ہوتی ہیں آگاہ رہو جو چیز تمہیں اللہ سے قریب کرے وہ دوزخ سے دور کرتی ہے جو چیز اللہ سے دور کرے وہ دوزخ سے قریب کرتی ہے اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ، اسی طرح کا کلام قبل ازیں نہج البلاغہ سے بھی نقل ہوا ہے۔ (٧٠)

٥٣۔ الوسائل میں الغیبۃ شہید ثانی سے نوفلی کی روایت نقل ہوئی ہے کہ اس نے کہا. میں ابو عبداللہؑ کی خدمت میں حاضر تھا، عبداللہ نجاشی کا غلام آیا اور اس نے آپ کو ایک خط پیش کیا آپ نے اسے کھولا اور پڑھا اس میں لکھا تھا.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجھے اہواز کی حکومت دی گئی ہے۔ آپ میرے مولا و آقا ہیں پس میرے لئے کام کے حدود یا ضروری نصیحت تحریر فرمائیں۔

امامؑ نے جواب میں لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں تمہیں ایسی نصیحت کر رہا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو جس چیز کا تمہیں خوف ہے اس سے خلاصی ہو جائے گی، خبر رکھو کہ تمہاری نجات اس میں ہے کہ لوگوں کے خون محفوظ ہوں اولیاء خدا کو اذیت نہ پہنچے اور رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ ہو ہر معاملہ سوچ بچار سے طے کرو میل جول اچھی طرح ہو اس میں نرمی ہو اور عاجزی نہ ہو سختی ایسی ہو جس میں ظلم اور تجاوز نہ ہو اپنے رفقاء اور باہر کے قاصدوں کی خاطر مدارات کرو اگر تمہارے امر میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کی اصلاح کے لئے حق و عدل کا فیصلہ دو خدا کرے ایسا ہی ہو ـــــ چغل خوروں سے بچ کر رہو ان میں سے کوئی تمہارے ساتھ نہ لگ جائے اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی ایسا دن اور رات نہ دکھائے جب تم ایسے لوگوں کی بات مانو اور اللہ تم سے ناراض ہو جائے، یہ روایت طویل ہے پس رجوع کریں۔ (۷۱)

۵۴۔ تحف العقول میں ابو عبداللہؑ سے مروی ہے: حکام میں بہترین وہ ہے جس میں تین خصائل ہوں ـــــ مہربانی سخاوت اور انصاف، تین چیزوں میں کوتاہی حکام کے لئے اچھی نہیں ہے ـــــ سرحدوں کی حفاظت ناانصافیوں کا علم اور ان کی تلافی اچھے عمال کا انتخاب، حکمران کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں ـــــ نیکی کرنے والے کو اچھا بدلہ دینا تاکہ نیکی میں رغبت بڑھے غلطی کرنے والے سے چشم پوشی کرے تاکہ وہ تائب ہو اور گمراہی سے باز آئے اور سب لوگوں کے ساتھ ایک جیسی الفت و محبت رکھے۔ (۷۲)

۵۵۔ اصول کافی میں صحیح سند کے ساتھ معاویہ بن وہب سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ سے عرض کیا: میرے پاس اپنے لوگوں کے علاوہ دوسرے مذہب کے افراد کا آنا جانا ہے مجھے ان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہئے؟ فرمایا اپنے ائمہ کو دیکھو اور اس معاملے میں ان کی پیروی کرو اور جیسا برتاؤ وہ کرتے ہیں تم بھی وہی کرو قسم بخدا کہ امام ان کے مریضوں کی عیادت کرتے ہیں ان کے جنازوں پر جاتے ہیں ان کے حق میں یا ان کے خلاف شہادت دیتے ہیں اور ان کی امانتیں ان کے حوالے کرتے ہیں۔ (۷۳)

۵۶۔ اصول کافی میں صحیح سند کے ساتھ معاویہ بن وہب سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ سے عرض کیا: ہمیں اپنے اور اپنی قوم نیز اپنے اور دوسرے لوگوں کے درمیان کس طرح معاملہ کرنا چاہئے؟ فرمایا ان کی امانتیں ادا کرو ان کے لئے شہادت دو چاہے وہ ان کے موافق ہو یا مخالف ہو ان کے مریضوں کی عیادت کرو اور ان کے جنازوں میں حاضر ہوا کرو۔ (۷۴)

اس سلسلے میں اور روایات بھی ہیں پس مراجعہ کریں

میں کہتا ہوں ـــــ ان روایات کو جمع کیا جائے تو ان کا مضمون مسعدہ اور ابی البختری کی ہر دو روایتوں سے ملتا جلتا ہے اور ان سے ایک دوسری کی کمی کا تدارک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح تفسیر عیاشی میں سورۂ اعراف کے ذیل میں روایت ہے کہ ایک شخص علیؑ بن الحسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کیا آپ علیؑ بن الحسینؑ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس نے کہا آپ کے بابا

نے مومنوں کو قتل کیا اس پر امام روئے اور پھر آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا تم نے میرے عظیم بابا کے متعلق یہ قطعی فیصلہ کیسے دے دیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کے بابا کا ارشاد ہے "ہمارے بھائیوں نے بغاوت کی اور ہم نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جنگ کی (گویا امیر المومنینؑ نے جمل وصفین والوں کو بھائی کہا ہے) اس پر آپ نے فرمایا آیا تو نے کبھی تلاوت قرآن نہیں کی؟ اس نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے والیٰ مدین اخاھم شعیباً ـــــ والیٰ ثمود اخاھم صالحاً، تو کیا یہ قبیلہ کے لحاظ سے بھائی تھے یا دینی بھائی تھے؟ اس شخص نے کہا وہ قبیلہ کے لحاظ سے بھائی تھے! امامؑ نے فرمایا پس یہ (باغی) لوگ بھی قبیلہ کے لحاظ سے بھائی تھے اور دینی بھائی نہ تھے اس نے عرض کیا خدا آپ کو کشائش عطا فرمائے کہ آپ نے میری مشکل حل کر دی ہے۔ (۷۵)

باب ۷ فصل ۱

حواشی

(۱) سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۵۹ (۲) بحار الانوار ۱۶/ ۱۹۸. تاریخ نبیناً. الباب ۹ باب مکارم اخلاقہ بحوالہ مجمع البیان ۱/ ۵۲۷ جزء ۲ (۳) سورۂ اعراف۔ آیت ۱۹۹۔ ۲۰۰ (۴) مجمع البیان ۲/ ۵۱۲ جزء ۴ (۵) سورۂ توبہ۔ آیت ۶۱ (۶) سورۂ توبہ۔ آیت ۲۸ (۷) مجمع البیان ۳/ ۸۶ الجزء ۵ (۸) سورۂ فرقان۔ آیت ۶۳۔ ۶۴ (۹) سورۂ شعراء۔ آیت ۲۱۴۔ ۲۱۵ (۱۰) سورۂ روم۔ آیت ۶۰ (۱۱) بحار الانوار ۱۶/ ۲۰۵. تاریخ نبیناً. باب مکارم اخلاقہ .... (۱۲) سورۂ احزاب۔ آیت ۴۷۔ ۴۸ (۱۳) سورۂ حمٓ سجدہ۔ آیت ۳۴۔ ۳۶ (۱۴) سورۂ قلم۔ آیت ۲۔ ۴ (۱۵) سورۂ معارج۔ آیت ۵ (۱۶) سورۂ مزمل۔ آیت ۱۰۔ ۱۱ (۱۷) بحار الانوار ۱۶/ ۱۴۷. تاریخ نبیناً. الباب ۸ باب اوصافہ .... حدیث ۳ (۱۸) بحار الانوار ۱۶/ ۱۴۸۔ ۱۵۰. تاریخ نبیناً. باب اوصافہ .... حدیث ۴ (۱۹) کنز العمال ۷/ ۱۶۳. کتاب الشمائل من قسم الافعال. باب فی حلیتہٖ. حدیث ۱۸۵۳۵ (۲۰) بحار الانوار ۱۶/ ۱۵۱۔ ۱۵۳. تاریخ نبیناً. باب اوصافہ ...... حدیث ۴ (۲۱) بحار الانوار ۱۶/ ۱۸۵. تاریخ نبیناً. باب اوصافہ .... حدیث ۲۱ (۲۲) بحار الانوار ۱۶/ ۱۹۰۔ ۱۹۴. تاریخ نبیناً. باب اوصافہ ..... حدیث ۲۷، ۳۳ (۲۳) بحار الانوار ۱۶/ ۲۱۶. تاریخ نبیناً. الباب ۹ باب مکارم اخلاقہ ..... حدیث ۵ (۲۴) بحار الانوار ۱۶/ ۲۱۵. تاریخ نبیناً. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۲ (۲۵) بحار الانوار ۱۶/ ۲۱۹. تاریخ نبیناً. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۱۱ (۲۶) بحار الانوار ۱۶/ ۲۲۲. تاریخ نبیناً. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۱۹ (۲۷) بحار الانوار ۱۶/ ۲۸۰. تاریخ نبیناً. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۱۲۱۔ اصول کافی ۲/ ۶۷۱. کتاب العشرۃ. باب النوادر. حدیث ۱ (۲۸) بحار الانوار ۱۶/ ۲۳۳. تاریخ نبیناً. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۳۵ (۲۹) مناقب ابن شہر آشوب ۱/ ۱۲۶. بحار الانوار ۱۶/ ۲۲۶. تاریخ نبیناً. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۳۴ (۳۰) اصول الکافی ۲/ ۱۰۸. کتاب الایمان و الکفر. باب العفو. حدیث ۹ ۔ سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۳۵۲ (۳۱) سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۴۶ ۔ الکامل لابن الاثیر ۲/ ۲۴۵ (۳۲) الکامل لابن الاثیر ۲/ ۲۵۱ (۳۳) الکامل لابن الاثیر ۲

۲۵۰ (۳۴) الکامل لابن الاثیر ۲/ ۲۵۲۔ سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۵۵ (۳۵) سیرۃ زینی دحلان المطبوع بحاشیتہ السیرۃ الحلبیہ ۲
۳۰۶. سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۱۳۳ (۳۶) سورۂ تحریم۔ آیت ۹. سورۂ فتح۔ آیت ۲۹ (۳۷) الغرر والدرر ۳/ ۳۷۵. حدیث
۴۷۹۲ (۳۸) الغرر والدرر ۴/ ۲۷۳۔ ۲۷۴. حدیث ۶۰۴۴۔ ۶۰۴۵ (۳۹) نہج البلاغہ. فیض/ ۵۵۶. عبدہ ۲/ ۱۰۴.
لح/ ۲۴۷. خطبہ ۱۷۲ (۴۰) سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۱۰۱. کتاب الاطعمہ. باب ۳۰. حدیث ۳۳۱۲ (۴۱) سورۂ احزاب۔ آیت
۲۱ (۴۲) اصول الکافی ۱/ ۴۰۷. کتاب الحجۃ. باب مایجب من حق الامام علی الرعیۃ .... حدیث ۸ (۴۳) اصول
الکافی ۱/ ۴۰۶. کتاب الحجۃ. باب مایجب من حق الامام علی الرعیۃ .... حدیث ۴ (۴۴) کنز العمال ۶/ ۴۷. الباب
الاول من کتاب الامارۃ من قسم الاقوال. حدیث ۱۴۷۸۷ (۴۵) نہج البلاغہ. فیض/ ۸۸۶. عبدہ ۳/ ۳۱. لح/ ۳۸۳. مکتوب
۲۷ (۴۶) نہج البلاغہ. فیض/ ۹۷۶. عبدہ ۳/ ۸۵. لح/ ۴۲۰. مکتوب ۴۶ (۴۷) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۸۰. عبدہ ۳/ ۱۴۹.
لح/ ۴۶۵. مکتوب ۷۶ (۴۸) نہج البلاغہ. فیض/ ۹۸۲. عبدہ ۳/ ۸۸. لح/ ۴۳۴. مکتوب ۵۰ (۴۹) بحار الانوار ۷۲/ ۳۵۴
طبعۃ ایران ۷۵/ ۳۵۴. کتاب العشرۃ. باب احوال الملوک والامراء. حدیث ۷۰۔ کتاب وقعۃ صفین/ ۱۰۷ (۵۰) نہج البلاغہ.
فیض/ ۹۹۳. عبدہ ۳/ ۹۳. لح/ ۴۲۷. مکتوب ۵۳ (۵۱) نہج البلاغہ. فیض/ ۸۶۹. عبدہ. ۳/ ۲۱. لح/ ۳۷۶. مکتوب ۱۹
(۵۲) نہج البلاغہ. فیض/ ۶۸۶. عبدہ ۲/ ۲۲۶. لح/ ۳۳۴. خطبہ ۲۱۶ (۵۳) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۱۰۴. عبدہ ۳/ ۱۶۰. لح
۴۷۵. حکمت ۳۷ (۵۴) فروع الکافی ۳/ ۵۴۰. طبعۃ قدیم ۱/ ۱۵۲. کتاب الزکاۃ. باب ادب المصدق. حدیث ۸۔ بحار
الانوار ۴۱/ ۱۲۸. تاریخ امیر المومنین. الباب ۱۰۷ باب جوامع مکارم اخلاقہ. حدیث ۵ (۵۵) اصول الکافی ۲/ ۶۷۰. کتاب
العشرۃ. باب حسن الصحابۃ وحق الصاحب فی السفر. حدیث ۵ (۵۶) اصول الکافی ۲/ ۶۵۹. کتاب العشرۃ. باب اکرام
الکریم. حدیث ۱ (۵۷) سورۂ زمر۔ آیت ۶۵ (۵۸) سورۂ روم۔ آیت ۶۰ (۵۹) مناقب ابن شہر آشوب ۱/ ۳۷۹۔ بحار
الانوار ۴۱/ ۴۸. تاریخ امیر المومنین. الباب ۴ باب حسن خلقہ. حدیث ۱ (۶۰) مناقب ابن شہر آشوب ۱/ ۳۸۱۔ بحار
الانوار ۴۱/ ۵۰. تاریخ امیر المومنین باب حسن خلقہ. حدیث ۲ (۶۱) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱/ ۲۳ (۶۲) انساب
الاشراف ۲/ ۳۵۹ (۶۳) المصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۳۲۷. کتاب الجمل. حدیث ۱۹۷۷۹ (۶۴) سنن البیہقی ۸/ ۱۴۸.
کتاب قتال اہل البغی. باب القوم یظہرون رای الخوارج .... (۶۵) الوسائل ۱۱/ ۶۲. الباب ۲۶ من ابواب جہاد العدو.
حدیث ۱۰ (۶۶) المصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۲۵۶. کتاب الجمل. حدیث ۱۹۶۰۹ (۶۷) مناقب ابن شہر آشوب ۱ ۳۷۲
(۶۸) سورۂ قصص۔ آیت ۸۳ (۶۹) کنز العمال ۱۳/ ۱۸۰. کتاب الفضائل من قسم الافعال. باب فضائل الصحابۃ.
حدیث ۳۶۵۳۸ (۷۰) کتاب الجمل/ ۲۲۳۔ نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۸۰. عبدہ ۳/ ۱۴۹. لح/ ۴۶۵. مکتوب ۷۶ (۷۱)
الوسائل ۱۲/ ۱۵۰۔ ۱۵۲. الباب ۴۹ من ابواب مایکتسب بہ. حدیث ۱۔ الغیبۃ/ ۱۲۲ (۷۲) تحف العقول/ ۳۱۹
(۷۳) اصول الکافی ۲/ ۶۳۶. کتاب العشرۃ باب مایجب من المعاشرۃ. حدیث ۴ (۷۴) اصول الکافی ۲/ ۶۳۵. کتاب
العشرۃ باب مایجب من المعاشرۃ. حدیث ۲ (۷۵) تفسیر العیاشی ۲/ ۲۰. سورۂ اعراف۔ آیت ۸۵. سورۂ ہود۔ آیت ۸۴.
سورۂ عنکبوت۔ آیت ۳۶ ___ سورۂ ہود۔ آیت ۶۱

دوسری فصل

امام کے لئے ضروری ہے کہ رعایا سے چھپا نہ رہے

۱۔ بحار الانوار میں عیون اخبار الرضا سے منقول ہے کہ امام حسینؑ اپنے والد گرامی سے وصف رسولؐ میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضرت رسولؐ جب بیت الشرف میں جاتے تو اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرما لیتے ــــــ اللہ تعالیٰ اہل و عیال اور دوسرے لوگوں کے لئے جس میں خواص کے بعد عوام سے ملتے تھے، بعض اوقات اپنے لئے کچھ وقت نہیں بچتا تھا ــــ امت کے سلسلے میں آنحضرتؐ کی سیرت یہ تھی کہ اذن ملاقات میں صاحبان فضل کو ترجیح دیتے اور ان کو ان کی دینی عظمت کے اعتبار سے وقت دیتے، بعض کی حاجت ایک ہوتی بعض کی دو اور بعض کی اس سے زیادہ حاجتیں ہوتی تھیں آپ ان کی ضرورتوں اور امت کی فلاح میں مشغول رہتے، وہ لوگ آپ سے پوچھتے اور جس چیز کا بتانا ضروری ہوتا وہ انہیں بتا دیتے اور ساتھ ہی فرمایا کرتے کہ جو حاضر ہے وہ یہ بات غائب تک پہنچائے، جو شخص اپنی حاجت پیش کرنے نہیں آسکتا اس کی طرف سے کوئی دوسرا پیش کر دے، جو شخص حکمران تک ایسے آدمی کی حاجت پہنچائے کہ جو خود اس پر قادر نہیں، خدا قیامت کے دن اسے ثابت قدم رکھے گا............ تا آخر (۱)

اسی طرح کی روایت ہند بن ابی ہالہ سے کنز العمال میں بھی مروی ہے پس مراجعہ کریں۔ (۲)

مجلسی بحار میں فرماتے ہیں: آنحضرتؐ کا یہ قول "یرد ذلک بالخاصتہ علی العامتہ" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت کو اعتبار تھا کہ خواص جو علوم و آداب اور نصیحت حاصل کرتے ہیں وہ اسے عوام تک پہنچا دیں گے ــــ بعض کا خیال ہے اس کلمہ سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرمؐ خواص کے بعد عوام کے لئے الگ مجلس قائم فرماتے تھے۔

۲۔ نہج البلاغہ میں مالک اشتر کے نام امیر المومنینؑ کا مکتوب: خیال رہے کہ زیادہ عرصے تک رعایا سے علیحدگی اختیار نہ کرنا کیونکہ حکام کا رعایا سے چھپ کر رہنا ایک طرح کی تنگ دلی اور معاملات سے بے خبر رہنے کا باعث ہے نیز یہ روپوشی ان کو ایسے امور پر مطلع ہونے میں مانع ہے جن سے وہ واقف نہیں ہیں، اس طرح ان کی نگاہ میں بڑی چیز چھوٹی اور چھوٹی چیز بڑی نیز اچھائی برائی اور برائی اچھائی ہو جایا کرتی ہے لہٰذا حق اور باطل کی آمیزش ہو جاتی ہے، آخر حکمران بھی ایسا ہی بشر ہوتا ہے جو ان باتوں سے ناواقف رہے گا جنہیں لوگ اس سے چھپائے رکھیں، حق کی پیشانی پر کوئی نشان نہیں ہوتا کہ جس کے ذریعے جھوٹ سے سچ کی قسموں کو الگ کر کے پہچان لیا جائے، پھر تم دو ہی طرح کے انسان ہو سکتے ہو، یا تو تم ایسے ہو کہ تمہارا نفس حق کی ادائیگی کے لئے آمادہ ہے تو واجب حقوق ادا کرنے اور اچھے کام کر گزرنے سے منہ چھپانے کی ضرورت ہی کیا؟ یا تم ایسے ہو کہ لوگوں کو تم سے کورا جواب ملتا ہے پس جب وہ تمہاری عطاء سے مایوس ہو جائیں گے تو بہت جلد خود ہی تم سے مانگنا چھوڑ دیں گے، پھر لوگوں کی اکثر ضرورتیں ایسی ہوں گی جن سے تمہاری جیب پر کوئی بار نہیں پڑتا جیسے کسی کے ظلم کی شکایت یا

کسی معاملے میں انصاف کا مطالبہ کیا جائے۔ (۳)

ایسی ہی روایت کنزالعمال میں ابن عساکر اور دینوری سے نقل ہوئی ہے پس مراجعہ کریں۔ (۴)

۳۔ نہج البلاغہ میں قثم بن عباس والئی مکہ کے نام امیرالمومنین ؑ کا مکتوب: لوگوں کے قیام حج کا ساز و سامان کرو اللہ کے یادگار دنوں کی یاد دلاؤ لوگوں کے لئے اپنی صبح و شام کی نشست قرار دو مسئلہ پوچھنے والے کو مسئلہ بتاؤ جاہل کو تعلیم دو اور عالم سے تبادلہ خیال کرو وہاں دیکھو لوگوں کو پیغام پہنچانے کے لئے تمہاری زبان کے سوا کوئی سفیر نہیں ہونا چاہئے تمہارے چہرے کے علاوہ کوئی دربان نہیں ہونا چاہئے کسی ضرورت مند کو ملاقات و حاضری سے محروم نہ کرنا کیونکہ اگر پہلی دفعہ تمہارے دروازے سے حاجت پوری نہ ہوئی تو بعد میں اس کے پورا کر دینے پر تمہاری کوئی توصیف نہ ہو گی۔ (۵)

۴۔ بحار الانوار میں امالئی صدوق سے منقول ہے کہ ابو عبداللہ ؑ نے فرمایا: اللہ پر حق ہے کہ ایسے والی و حاکم کے خوف کو امن میں بدل دے اور اسے جنت عطا فرمائے جو لوگوں کے معاملات میں انصاف سے کام لے جس کا دروازہ لوگوں کے لئے کھلا رہے ان سے شر و فساد کو دور کرے اور ان کے معاملات پر نظر رکھے۔ (۶)

۵۔ بحار الانوار میں الخصال سے ہشام بن معاذ کی روایت نقل ہوئی ہے کہ ابو جعفر ؑ نے عمر بن عبدالعزیز کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے عمر دروازے کھلے رکھو حجاب و دربانی کا سلسلہ کم کر دو مظلوم کی مدد کرو اور بے انصافیوں کو انصاف میں بدل دو۔ (۷)

۶۔ بحار الانوار میں ثواب الاعمال سے ابن نباتہ کی روایت نقل ہوئی ہے کہ امیرالمومنین ؑ نے فرمایا: جو والی و حاکم لوگوں کی حاجات سے کنی کتراتا ہے قیامت کے روز بارگاہ الٰہی سے اس کی حاجات پوری نہیں ہوں گی حاکم کا ہدیہ لینا اپنے گلے میں لوہے کا طوق ڈالنا ہے اور جو رشوت لیتا ہے وہ مشرک ہے۔ (۸)

۷۔ مسند احمد میں اس کی سند کے ساتھ عمرو ابن مرہ جہنی سے روایت ہے کہ اس نے معاویہ سے کہا: اے معاویہ میں نے حضرت رسول ؐ سے سنا ہے کہ جو والی حاکم اور امام لوگوں کی حاجت مفلسی اور بے چارگی کے وقت اپنا دروازہ بند کرے قیامت کے دن خدا اس کی حاجت مفلسی اور بے چارگی کے ہوتے ہوئے اس پر اپنی رحمت کے دروازے بند کر دے گا۔ (۹)

۸۔ مسلمانوں کا جو حاکم ان کی حاجت مفلسی اور بے چارگی کے وقت منہ چھپائے قیامت کے دن خداوند عالم اس کی حاجت مفلسی اور بے چارگی کی پروا نہیں کرے گا۔ یہ روایت ابن سعد اور بغوی نے بھی ابی مریم ازدی سے نقل کی ہے۔ (۱۰)

۹۔ کنزالعمال میں ہے: اگر مسلمانوں کا حاکم کمزوروں اور محتاجوں سے منہ چھپائے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ بھی اس سے یہی برتاؤ کرے گا۔ (۱۱)

۱۰۔ کنزالعمال میں امیرالمومنین ؑ کا ارشاد منقول ہے: جس امام میں تین صفتیں پائی جائیں وہی یہ حق رکھتا ہے کہ امامت کا بار امانت اس کے سپرد کیا جائے یعنی حکم و فیصلے میں انصاف کرے، رعیت سے چھپا نہ رہتا ہو، اپنے نزدیک و دور کے لوگوں میں یکساں طور پر کتاب اللہ پر عمل کرے۔ (۱۲)

۱۱۔ مسند زید میں امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: لوگوں کی حاجتوں سے منہ چھپانے والے حاکم سے قیامت میں اللہ تعالیٰ بھی صرف نظر فرمائے گا۔ (۱۳)

خلاصہ کلام: ان روایات سے معلوم ہوا کہ امام و حاکم کو اپنی رعیت سے کلی طور پر علیحدگی اختیار نہیں کرنی چاہئے اور رعیت سے مراد اجتماع و معاشرہ کے تمام طبقات ہیں، لیکن اگر کوئی خاص مانع ور کاوٹ ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ بعض روایات بھی اس پر شاہد ہیں پس مراجعہ کریں۔

میں کہتا ہوں ـــــ مناسب ہے کہ یہاں خلیفہ عمر کی دو باتیں نقل کر دی جائیں

عبدالرزاق صنعانی کی المصنف میں معمر کے ذریعے عاصم بن ابی النجود سے مروی ہے۔ خلیفہ عمر جب بھی کسی شخص کو کسی علاقے کا حاکم بناتے تو کہتے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا عمدہ کھانے اور نرم و نازک لباس سے پرہیز کرنا عوام کی حاجات کے مقابل اپنے دروازے بند نہ کرنا اگر تم نے ان میں سے کسی امر کا ارتکاب کیا تو سزا کے مستحق ہو جاؤ گے۔

حاکم کو الوداع کر کے واپس آتے وقت کہتے۔ مسلمانوں کے خون عزت اور مال تمہارے قبضے میں نہیں دیئے گئے بلکہ تمہیں حاکم بنانے کا مقصد اقامت نماز مال غنیمت کی صحیح تقسیم اور ہر فیصلہ میں انصاف کرنا ہے، اگر ان چیزوں میں کوئی مشکل پڑے تو میری طرف رجوع کرو۔ (۱۴)

کنزالعمال میں ابراہیم سے روایت ہے کہ اس نے کہا. جب کسی شہر سے کوئی وفد آتا تو خلیفہ عمر اس سے پوچھتے تمہارا حاکم کیسا ہے آیا غلاموں کی عیادت کرتا ہے جنازوں کے ساتھ جاتا ہے اس کا دروازہ کیسا ہے کمزور یا مضبوط؟ اگر جواب ملتا کہ اس کا دروازہ کمزور ہے عیادت کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ ایسے حاکم کو معزول کر دیا جاتا۔ (۱۵)

باب ۷ فصل ۲

حواشی

(۱) بحار الانوار ۱۶/ ۱۵۰. تاریخ نبیناؐ. باب اوصافہ .... حدیث ۴ (۲) کنزالعمال ۷/ ۱۶۳. کتاب الشمائل من قسم الافعال. باب فی حلیتہ .... حدیث ۱۸۵۳۵ (۳) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۰۲۴. عبدہ ۳/ ۱۱۴. لح/ ۴۴۱. مکتوب ۵۳ (۴) کنزالعمال ۱۳/ ۱۸۵. کتاب الفضائل من قسم الافعال. باب فضائل الصحابتہ. حدیث ۳۶۵۵۳ (۵) نہج البلاغہ. فیض ۱۰۶۲. عبدہ ۳/ ۱۴۰. لح/ ۴۵۷. مکتوب ۶۷ (۶) بحار الانوار ۷۲/ ۳۴۰ طبعۃ ایران ۷۵/ ۳۴۰. کتاب العشرۃ. الباب ۸۱

باب احوال الملوک والامراء. حدیث ۱۸ (۷) بحار الانوار ۷۲/۳۴۴ طبعۃ ایران ۷۵/۳۴۴. کتاب العشرۃ. باب احوال الملوک والامراء. حدیث ۴۲ (۸) بحار الانوار ۷۲/۳۴۵ طبعۃ ایران ۷۵/۳۴۵ کتاب العشرۃ. باب احوال الملوک والامراء. حدیث ۴۲ (۹) مسند احمد ۴/۲۳۱ (۱۰) کنزالعمال ۶/۳۵. الباب الاول من کتاب الامارۃ من قسم الاقوال. حدیث ۱۴۷۳۹ ومابعد (۱۱) کنزالعمال ۶/۳۶. الباب ا من کتاب الامارۃ من قسم الاقوال. حدیث ۱۴۷۴۲ (۱۲) کنزالعمال ۵/۷۶۴. الباب ۲ من کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال. حدیث ۱۴۳۱۵ (۱۳) مسند زید/۳۲۳. کتاب السیر باب طاعۃ الامام (۱۴) المصنف ۱۱/۳۲۴. باب الامام راع. حدیث ۲۰۶۶۲ (۱۵) کنزالعمال ۵/۷۷۰. الباب ۲ من کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال. حدیث ۱۴۳۳۶

تیسری فصل

طعام لباس اور نشاط سے دوری میں امام کی سیرۃ

۱۔ نہج البلاغہ میں ہے. اسی طرح جس کی نظروں میں یہ دنیا عظمت پالیتی ہے اور اس کے دل میں اس کی وقعت بڑھ جاتی ہے تو وہ اسے اللہ پر ترجیح دیتا ہے اس کی طرف مڑ جاتا ہے اور اسی کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے. تمہارے لئے حضرت رسولؐ کا قول و عمل کافی اور پیروی کے لائق ہے. اور ان کی ذات دنیا کے عیب و نقص اس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت کو ظاہر کرنے والی ہے کیونکہ اس دنیا کے دامنوں کو ان سے کھینچ لیا گیا اور اس کی وسعتیں دوسروں کے لئے مہیا کر دی گئیں اور (دنیا کی چھاتیوں سے) ان کا دودھ چھڑا دیا گیا اور اس کی آرائش سے آپ کا رخ موڑ دیا گیا۔

اگر دوسرا نمونہ چاہو تو وہ موسیٰ کلیم اللہ ہیں جنہوں نے اپنے رب سے کہا ـــــ پروردگار! تو اس وقت جو بھی تھوڑی بہت نعمت دے گا میں اس کا محتاج ہوں، قسم بخدا انہوں نے صرف کھانے کے لئے روٹی کا سوال کیا تھا. وہ زمین سے اگنے والا ساگ پات کھاتے تھے اور گوشت کی کمی و لاغری کی وجہ سے ان کے پیٹ کی نازک جلد میں سے گھاس کی سبزی نظر آتی تھی۔ اگر چاہو تو تیسری مثال داؤد نبی کی اپنے سامنے رکھ لو جو صاحب زبور اور اہل جنت کے قاری ہیں وہ اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں بنتے اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے تم میں سے کون ہے جو ان کو بیچ کر میری مدد کرے ان کی جو قیمت ملتی اس سے جو کی روٹی کھا لیتے تھے۔

اگر چاہو تو عیسیٰ بن مریم کا حال کہوں جو سر کے نیچے پتھر کا تکیہ رکھتے تھے سخت اور کھردرا لباس پہنتے تھے کھانے میں سالن کی جگہ بھوک رات کو چراغ کی جگہ چاندنی سردیوں میں چھت کی جگہ ان کے سر پر زمین کے مشرق و مغرب کا سائبان ہوتا اور زمین جو گھاس پھونس جانوروں کے لئے اگاتی ہے وہ ان کے لئے پھل پھول کی جگہ ہوتے نہ ان کی بیوی تھی جو انہیں دنیا کے جھگڑوں میں مبتلا کرتی نہ بال بچے تھے جو ان کے لئے فکر و اندوہ کا سبب بنتے نہ کوئی مال متاع تھا کہ ان کی توجہ اپنی طرف کراتا اور نہ کوئی طمع تھی جو انہیں رسوا کرتی. ان کی سواری ان کے دونوں پاؤں اور ان کے خادم ان کے دونوں ہاتھ تھے۔

پس تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی (محمدؐ) کی پیروی کرو کیونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والوں کے لئے نمونہ اور صبر کرنے والوں کے لئے ڈھارس ہے ان کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے انہوں نے دنیا کو (صرف ضرورت بھر) چکھا اور اسے نظر بھر کے نہیں دیکھا وہ دنیا میں سب سے زیادہ خالی پیٹ بسر کرنے والے تھے ان کے سامنے دنیا پیش کی گئی تو انہوں نے اسے قبول نہیں کیا اور جب جان لیا کہ اللہ نے ایک چیز کو برا جانا ہے تو آپ

نے بھی اسے برا ہی جانا اللہ نے ایک چیز کو حقیر سمجھا ہے تو آپ نے بھی اسے حقیر ہی سمجھا۔ اللہ نے ایک چیز کو پست قرار دیا تو آپ نے بھی اسے پست ہی قرار دیا۔ اگر ہم میں صرف یہی ایک چیز ہو کہ ہم اس شئی کو چاہنے لگیں جسے اللہ و رسولؐ برا سمجھتے ہیں اور اس چیز کو بڑا سمجھنے لگیں جسے وہ حقیر سمجھتے ہیں تو اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرتابی کے لئے یہی بہت ہے۔

آنحضرتؐ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے اور غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے اپنے ہاتھ سے جوتا گانٹھتے تھے اپنے ہاتھوں سے کپڑوں کو پیوند لگاتے تھے بے پالان کے گدھے پر سواری کرتے اور اپنے پیچھے کسی اور کو بھی بٹھا لیتے تھے آپ کے گھر کے دروازے پر ایک دفعہ ایسا پردہ لگایا گیا جس پر تصویریں تھیں تو آپ نے اپنی ازواج میں سے ایک کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس پردے کو میری نظروں سے ہٹادو جب میری نگاہیں اس پر پڑتی ہیں تو مجھے دنیا اور اس کی آرائشیں یاد آ جاتی ہیں آپ نے دنیا سے دل ہٹا لیا تھا اپنے نفس سے اس کی یاد تک مٹا دی تھی اور چاہتے تھے کہ اس کی سج دھج نگاہوں سے پوشیدہ رہے تاکہ نہ اس سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں اور نہ اسے اپنی منزل خیال کریں نہ اس میں زیادہ قیام کی آس لگائیں انہوں نے اس کا خیال اپنے نفس سے نکال دیا تھا اور اسے دل سے ہٹا دیا تھا اور اسے نگاہوں نے اوجھل کر رکھا تھا۔ اسی طرح جو شخص کسی چیز کو برا سمجھتا ہے تو نہ اسے دیکھنا چاہتا ہے نہ اس کا ذکر سننا پسند کرتا ہے۔

نبی اکرمؐ کے عادات و خصائل میں ایسے عنوان ہیں جو تمہیں دنیا کے عیوب و نقائص کا پتہ دیں گے جبکہ آپ اس دنیا میں اپنے خاص افراد سمیت بھوکے رہا کرتے تھے اور باوجود اس انتہائی قرب منزلت کے اس کی آرائشیں ان سے دور رکھی گئیں دیکھنے والے کو عقل کی روشنی میں دیکھنا چاہئے کہ اللہ نے انہیں دنیا نہ دے کر ان کی عزت بڑھائی ہے یا اہانت کی ہے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ اہانت کی ہے تو اس نے جھوٹ بولا اور بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ اس طرح ان کی عزت بڑھائی ہے تو اسے یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ نے دوسروں کی بے عزتی ظاہر کی جبکہ انہیں دنیا کی زیادہ سے زیادہ وسعت دے دی اور اس کا رخ اپنے مقرب ترین بندے سے موڑے رکھا۔ پیروی کرنے والے کو ان کی پیروی کرنی چاہئے اور ان کے نشان قدم پر چلنا چاہئے تاکہ انہی کی منزل میں آئے ورنہ وہ ہلاکت سے محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ اللہ نے ان کو قرب قیامت کی نشانی جنت کی خوشخبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنایا ہے۔ آپ دنیا سے بھوکے ہی نکل کھڑے ہوئے اور سلامتیوں کے ساتھ آخرت میں پہنچ گئے آپ نے تعمیر کے لئے کبھی پتھر پر پتھر نہیں رکھا یہاں تک کہ آخرت کی راہ پر چل دیئے اور اللہ کی طرف بلاوا دینے والے کی آواز پر لبیک کہا۔ یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے ہم پر کہ اس نے ہمیں آن جیسا پیشوا بطور نعمت عطا فرمایا کہ ہم ان کی پیروی کرتے اور ان کے قدم بہ قدم چلتے ہیں۔

خدا کی قسم! میں نے اپنی اس قمیص میں اتنے پیوند لگوائے کہ اب پیوند لگانے والے سے شرم آنے لگی ہے ایک کہنے والے نے مجھ سے کہا کہ کیا آپ اس قمیص کو اتاریں گے نہیں؟ میں نے کہا میری نظروں سے دور ہو کہ لوگ رات کو چلنے کی صبح کے وقت تعریف کرتے ہیں۔ (۱)

وہ پردہ جس پر تصویریں تھیں بی بی عائشہ کے دروازہ پر لگا تھا جسے آنحضرتؐ نے اتروایا جیسا کہ یہ واقعہ ابن عساکر سے کنز العمال میں نقل ہوا ہے ــــــ عروہ کا کہنا ہے کہ بی بی عائشہ کے دروازہ پر ایک پردہ تھا جس پر تصویریں تھیں۔ آنحضرتؐ نے

فرمایا اے عائشہ! اسے اتار دو کہ جب اس کو دیکھتا ہوں تو دنیا کا تصور آجاتا ہے۔ (۲)

مسلمانوں کے قائدین اور خود کو ان کا امام و رہبر سمجھنے والے اس خطبہ شریفہ پر غور و فکر کریں. کیونکہ سب پر لازم ہے کہ اللہ کے انبیاءؑ و نبی اکرمؐ کی سیرت پر عمل پیرا ہوں اور دنیا کی زینت اور ظاہری خوبصورتی سے دھوکا نہ کھائیں تاکہ آخرت میں انہیں بلند مقام اور خدا کے انبیاء و اولیاء کے ساتھ نعمتیں عطا کی جائیں۔

۲۔ نہج البلاغہ میں خطبہ قاصعہ کے ذیل میں ہے: اگر خداوند عالم اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو بھی کبر و تکبر کی اجازت دیتا تو وہ اپنے انبیاء و اولیاء کو اس کی اجازت دیتا لیکن اس نے انہیں کبر و غرور سے دور ہی رکھا اور ان کے لئے عجز و فروتنی کو پسند فرمایا چنانچہ انہوں نے اپنے رخسار زمین سے پیوستہ رکھے اور چہرے خاک آلودہ کئے رہے ہیں مومنین کے آگے تواضع و انکسار سے جھکتے رہے وہ دنیا میں کمزور و بے بس تھے انہیں اللہ نے بھوک سے آزمایا اور تعب و مشقت میں ڈالا خوف و خطرے کے مواقع میں ان کا امتحان لیا ابتلاء و مصیبت سے انہیں تہ و بالا کیا لہٰذا خدا کی خوشنودی اور ناراضی کا معیار مال و اولاد کو قرار نہ دو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا دولت و اقتدار سے بھی کس کس طرح امتحان لیتا ہے. جیسا کہ اس نے فرمایا "وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال و اولاد سے سہارا دیتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ بھلائیاں کرنے میں سرگرم ہیں مگر جو (اصل بات ہے اسے) یہ لوگ نہیں سمجھتے"۔ (۳)

واقعہ یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کا جو خود اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھتے ہیں اپنے ان دوستوں کے ذریعے امتحان لیتا ہے جو ان کی نظروں میں عاجز و بے بس ہیں چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے بھائی ہارونؑ کو لے کر اس حالت میں فرعون کے پاس آتے ہیں کہ ان کے جسم پر اونی عبائیں اور ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں. انہوں نے فرعون سے کہا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کی حکومت بھی رہے گی اور اس کی عزت و مرتبہ بھی برقرار رہے گا. تب اس نے (اپنے ہم نشینوں کو مخاطب کر کے) کہا تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ یہ دونوں مجھ سے معاملہ ٹھہرا رہے ہیں کہ میری عزت بھی برقرار رہے گی اور میری حکومت بھی قائم رہے گی، لیکن یہ جس برے حال اور ذلیل صورت میں ہیں وہ تم دیکھ ہی رہے ہو. (اگر ان میں اتنا دم خم تھا) تو پھر ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن کیوں نہیں سجے ہیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سونے اور اس کی جمع آوری کو بڑی چیز سمجھتا تھا اور اونی کپڑوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا ـــــ اگر خداوند عالم یہ چاہتا کہ جس وقت وہ اپنے نبیوں کو مبعوث کرے تو ان کے لئے سونے کی کانوں اور سیم و زر کے خزانوں کے منہ کھول دے باغوں کے کشت زاروں کو ان کے لئے مہیا کرے فضا کے پرندوں اور زمین کے صحرائی جانوروں کو ان کے ہمراہ کر دے تو وہ سب کچھ کر سکتا تھا لیکن اگر ایسا کرتا تو بندوں کا امتحان و آزمائش ختم جزا و سزا بے کار اور آسمانی خبریں اکارت ہو جاتیں. اس طرح ماننے والے آزمائش سے گزرنے والوں کے اجر کا حق نہ رکھتے ایمان لانے والے نیک کرداروں کی جزا کے مستحق نہ رہتے اور الفاظ اپنے معنی کے ساتھ مربوط نہ رہتے۔

لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ارادوں میں قوی اور نظر آنے والے ظاہری حالات میں کمزور و ناتواں قرار دیتا ہے وہ انہیں ایسی قناعت سے سرفراز کرتا ہے جو ان کے دلوں اور آنکھوں کو بے نیاز کر دیتی ہے اور ان پر ایسا افلاس طاری کر دیتا ہے جس سے لوگوں کی آنکھوں اور کانوں میں ناراحتی پیدا ہوتی ہے۔ (۴)

۳۔ بحار میں امالئی صدوق سے صحیح سند کے ساتھ عیص بن قاسم سے مروی ہے: میں نے ابو جعفرؑ کی خدمت میں عرض کیا، آپ کے پدر بزرگوار سے ایک روایت ہوئی ہے کہ حضرت رسولؐ نے کبھی پیٹ بھر کر گندم کی روٹی نہیں کھائی کیا یہ درست ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ آنحضرتؐ نے گندم یا جو میں سے کسی ایک کی روٹی کبھی پیٹ بھر کے نہیں کھائی۔ (۵)

۴۔ بحار میں امالئی صدوق سے منقول ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: آنحضرتؐ کا بستر آپ کی عبا ہوتی گھاس بھرا چمڑے کا تکیہ ہوتا ایک رات بستر میں اضافہ کر دیا گیا تو صبح اٹھ کے فرمایا، قریب تھا کہ یہ بستر مجھے نماز سے مانع ہو جاتا پس حکم دیا کہ بستر اکہرا ہی بچھایا جائے۔ (۶)

۵۔ بحار میں قرب الاسناد سے ابو عبداللہؑ سے مروی ہے کہ ان کے والد گرامی نے فرمایا: حضرت رسولؐ نے ترکہ میں درہم و دینار، بکری اونٹ یا کوئی اور چیز نہیں چھوڑی بلکہ آپ کی زرہ یہودی کے پاس رہن تھی جس کے بدلے گھر کے لئے تین سیر جو لئے گئے تھے۔ (۷)

۶۔ بحار میں کافی سے نقل ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے زیادہ مالدار ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے "ان کا مال و اولاد تجھے تعجب میں نہ ڈالے" نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان آنحضرتؐ کے لئے "دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو نگاہ اٹھا کر دیکھو بھی نہیں جو ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو دے رکھی ہے"۔ (۸)

پھر بھی اگر تمہاری توجہ دنیا کی طرف ہو تو حضرت رسولؐ کی زندگی کو دیکھو کہ جن کی غذا جو، کھجور کا حلوہ اور سالن تھا جبکہ مل جائے۔ (۹)

۷۔ بحار الانوار میں ابن سنان سے روایت ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: آنحضرتؐ کی غذا بغیر سالن کے جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (۱۰)

۸۔ بحار میں عیون اخبار الرضا سے منقول ہے، امام علی رضاؑ اپنے آباء کرام سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ایک فرشتے نے مجھ سے کہا یا محمدؐ! آپ کا پروردگار بعد از سلام فرما رہا ہے اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے وادی مکہ کو سونے سے بھر دوں، میں نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے عرض کیا میرے پروردگار! میں چاہتا ہوں ایک دن سیر ہو کر تیری حمد کروں اور ایک دن بھوکا رہ کر تجھ سے مانگوں۔ (۱۱)

یہ روایت کافی میں بھی ہارون بن خارجہ کے ذریعے ابو عبداللہؑ سے منقول ہے۔ (۱۲)

۱۰۔ بحار میں محاسن برقی سے جابر کی خبر ہے کہ ابو جعفرؑ نے فرمایا: حضرت رسولؐ ایک غلام کی طرح کھاتے غلام کی طرح بیٹھتے اور زمین پر ہی سو جاتے تھے۔

جابر سے یہ روایت کافی میں بھی نقل ہوئی ہے۔ (۱۳)

۱۱۔ اصول کافی میں حمید و جابر سے روایت ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: خدا نے مجھے مخلوق کا امام بنایا ہے، مجھ پر فرض ہے کہ کھانے پینے اور پہننے میں اس طرح رہوں کہ فقیر میرے فقر کی پیروی کرے اور مالدار کو اس کا مال سرکش نہ بنا دے۔ (۱۴)

۱۲۔ اصول کافی میں صحیح سند کے ساتھ معلّیٰ بن خنیس سے روایت ہے: میں نے ابو عبداللہؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میری جان آپ پر قربان ـــــ کاش کہ آل فلاں (بنی عباس) کی طرح آپ کے اور ہمارے پاس نعمتیں ہوتیں تو ہم بھی اچھی زندگی بسر کرتے! فرمایا قسم بخدا کہ اگر ایسا ہوتا تو بھی ہمارا کام رات کو جاگنا دن کو فکر معاش بے مزہ کھانا اور کھردرا لباس پہننا ہی ہو سکتا تھا، اس لئے دنیا ہم سے دور کر دی گئی ـــــ کیا تم نے کوئی ایسا ظلم دیکھا ہے جسے خدا نے نعمت میں ڈھال دیا ہو مگر یہ بنی امیہ و ـــــ یعنی بنی عباس کا ظلم اور ہماری اس طرح کی زندگی کہ ان کے لئے نقص اور ہمارے لئے نعمت ہے۔ (۱۵)

۱۳۔ بحار میں غیبۃ نعمانی سے مفضل بن عمر کی خبر میں ہے کہ طواف کے دوران ابو عبداللہؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے مفضل! تم مغموم ہو اور تمہارا رنگ بدل گیا ہے، میں نے عرض کیا میری جان آپ پر قربان ـــــ ایک طرف بنی عباس کی حکومت و شاہی اور ان کی طاقت و قوت ہے اور دوسری طرف ہماری یہ حالت ہے ـــــ کاش یہ نعمتیں آپ کے لئے ہوتیں تو ہم بھی فائدہ اٹھاتے۔ فرمایا اے مفضل اگر ایسا ہو بھی جاتا تو بھی ہمارا کام رات کو تدبیر و انتظام حکومت دن کو لوگوں کی خبر گیری اور تلاش معاش سخت ترین طعام و لباس ہی ہوتا جیسے امیر المومنینؑ کا وطیرہ تھا کیونکہ اس طریقے کے علاوہ تو آگ ہے، ہم سے دنیا دور رکھی گئی ہے اس لئے ہم عام لوگوں کی طرح کھاتے پیتے اور رہتے سہتے ہیں، کیا تم نے کوئی ظلم دیکھا جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمت بنایا ہو جس طرح یہ ہے (یعنی بنی امیہ و بنی عباس کا ظلم ہمارے لئے نعمت الٰہی ہے) ـــــ (۱۶)

۱۴۔ بحار میں غیبۃ نعمانی سے عمرو بن شمر کی خبر ہے: ہم ابو عبداللہؑ کی خدمت میں تھے اور آپ کا گھر لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، تب آپ نے فرمایا اے عمر! غمگین نہ ہو کہ اب ہم عمدہ چیزیں استعمال کرتے ہیں نرم لباس پہنتے ہیں مگر جو خواہش تم رکھتے ہو (یعنی ہماری خلافت) تو اگر ایسا ہوتا تو پھر معمولی سی غذا اور کھردرا لباس ہوتا جیسے امیر المومنینؑ کا طریقہ تھا ورنہ گردن میں طوق اور آگ میں ٹھکانا تھا۔ (۱۷)

۱۵۔ اصول کافی میں صحیح سند کے ساتھ حماد بن عثمان کی خبر ہے: میں ابو عبداللہؑ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص نے کہا آپ فرماتے ہیں امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کھردرا لباس پہنتے تھے اور ان کی قمیص چار درہم کی ہوتی تھی لیکن آپ نے تو بہترین لباس پہن رکھا ہے، فرمایا جس زمانے میں امیر المومنینؑ وہ لباس پہنتے تھے اسے برا نہیں سمجھا جاتا تھا، اگر وہ آج کے زمانے میں ویسا لباس پہنتے تو انگلیاں اٹھتیں لہٰذا لباس زمانے کے موافق ہونا چاہئے البتہ جب قائم آل محمدؐ آئیں گے ان کا لباس اور سیرت امیر المومنینؑ جیسی ہوگی۔ (۱۸)

میں کہتا ہوں ـــــ امیر المومنینؑ حاکم تھے اور امام قائمؑ بھی حکمران ہوں گے، حاکم کے لئے ضروری ہے کہ ایسا لباس پہنے جو رعیت سے ملتا جلتا ہو۔ اس میں اور دوسری روایتوں میں تعارض نہیں بلکہ زمانے کے حالات، مروجات اور معروفات کا خیال رکھنے اور امام کا لباس رعیت کی حالت کے مطابق ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے غور کیجئے۔

شاید مال کی قلت و کثرت کے باعث امام کے طریق کار میں فرق پڑ جاتا ہے۔

۱۶۔ اصول کافی میں علی بن محمد نے صالح بن ابی حماد نیز ہمارے بہت سے اصحاب نے احمد بن محمد وغیرہ سے مختلف اسناد

کے ساتھ امیر المومنینؑ کا احتجاج روایت کیا ہے۔ عاصم ابن زیاد نے ٹاٹ کا لباس پہن لیا اور نرم لباس ترک کر دیا، اس کے بھائی ربیع، بن زیاد نے امیر المومنینؑ سے اس کی شکایت کی تو آپ نے اسے بلایا اور ناراض ہوئے ــــــ فرمایا نہ تجھے اپنی بیوی کے جذبات کا خیال ہے نہ اولاد کا احساس ہے، کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے عمدہ چیزیں حلال کی ہیں لیکن ان کے استعمال کو پسند نہیں کیا؟ آیا تو اس طرح سے اللہ کی اہانت نہیں کر رہا ہے؟

کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اس نے زمین کو سب مخلوقات کے لئے بنایا اس میں ہر طرح کے لذیذ پھل بکثرت ہیں کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ (۱۹)

کیا اللہ کا فرمان نہیں ہے: اس نے دو سمندروں کو چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے، پس اے جن و انس تم اپنے رب کی کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ان سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ (۲۰)

خدا کی قسم! اس کی نعمتوں کا استعمال کرنا مجھے ان کے زبانی تذکرے سے محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پس اپنے رب کی نعمتوں کا اظہار کرو۔ (۲۱)

عاصم نے عرض کیا: یا امیر المومنینؑ! آپ کیوں اس طرح کا سخت اور کھردرا لباس پہنتے اور بے لذت کھانا کھاتے ہیں؟ فرمایا وائے ہو تجھ پر! اللہ تعالیٰ نے حاکمان عدل پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ ایسی غذا و لباس استعمال کریں جس کے باعث وہ غریب لوگوں کے لئے نمونہ بن جائیں ــــ اس پر عاصم نے ٹاٹ کا لباس اتار دیا اور نفیس کپڑے پہن لئے۔ (۲۲)

میں کہتا ہوں ــــ مرآۃ العقول میں ہے کہ جو نعمتیں میسر ہوں انہیں وسعت کے ساتھ خرچ کرے کہ جس میں تنگی کا شائبہ نہ ہو، نیز اگر حکام عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہوں تو غریب آدمی کڑھتا رہے گا اس کا خون جوش میں آئے گا کہ دیکھیں ہمارے جمع شدہ محصولات کی رقوم سے حکام گلچھرے اڑا رہے ہیں۔

۱۷۔ نہج البلاغہ میں یہ قصہ دوسری صورت میں آیا ہے یعنی امیر المومنینؑ بصرہ میں اپنے ایک صحابی علاء بن زیاد حارثی کی عیادت کو تشریف لے گئے تو اس کے گھر کی وسعت کو دیکھ کر فرمایا: تم دنیا میں اس گھر کی وسعت کو کیا کرو گے در آنحالیکہ تم آخرت میں گھر کی وسعت کے زیادہ محتاج ہو (جہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے) ہاں اگر اس کے ساتھ ہی تم آخرت میں بھی وسیع گھر بنانا چاہتے ہو تو اس میں مہمانوں کی مہمان نوازی قریبیوں سے اچھا برتاؤ اور موقع و محل کے مطابق حقوق کی ادائیگی کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو اس کے ذریعے آخرت کی کامرانیوں کو پالو گے۔ علاء ابن زیاد نے کہا ــــ یا امیر المومنینؑ! مجھے آپ سے اپنے بھائی عاصم ابن زیاد کی شکایت کرنی ہے، حضرت نے پوچھا کیوں اسے کیا ہوا ہے؟ علاء نے کہا اس نے اونی چادر اوڑھ لی ہے اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہو گیا ہے، حضرت نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ جب وہ آیا تو فرمایا اے اپنی جان کے دشمن! تجھے شیطان لعین نے بھٹکا دیا ہے کہ تمہیں اپنے بیوی بچوں پر ترس نہیں آتا، کیا تو نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے جن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لئے حلال کیا ہے اگر تم انہیں کھاؤ یا برتو گے تو اسے ناگوار گزرے گا، تم اللہ کی نظر میں اس سے زیادہ گرے ہوئے ہو کہ وہ تمہارے لئے یہ چاہے ــــ اس نے کہا امیر المومنینؑ! آپ کا لباس بھی تو موٹا جھوٹا اور کھانا روکھا پھیکا ہوتا ہے! حضرت نے

فرمایا حیف ہے تم پر! میں تمہارے مانند نہیں ہوں کیونکہ خدا نے ائمہ حق پر فرض عائد کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تاکہ پریشان حال آدمی اپنے فقر و فاقہ کی وجہ سے پیچ و تاب نہ کھائے۔ (۲۳)

میں کہتا ہوں ـــــ شرح ابن ابی الحدید معتزلی میں ہے: آگاہ رہو کہ جو کچھ بزرگوں کی روایتوں اور عبد اللہ بن احمد بن خشاب کے خط سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ربیع بن زیاد حارثی کی پیشانی میں تیر لگا اور وہ زخم ہر سال ہرا ہو جاتا تھا، پس اس حالت میں امیر المومنینؑ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو اس نے عرض کیا یا امیر المومنینؑ! ہمیں عاصم ابن زیاد کے رویہ کے بارے میں شکایت ہے اس نے ٹاٹ کا لباس پہن لیا ہے اور اچھا لباس ترک کر دیا ہے جب سے اس کے اہل و عیال پریشانی میں ہیں .... تا آخر

اس مفہوم کے قریب قریب کافی میں بھی روایت ہوئی ہے پس رجوع فرمائیں۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ ربیع ابن زیاد نے خراسان کے بعض علاقے فتح کئے تھے لیکن جہاں تک علاء بن زیاد کا تعلق ہے جس کا تذکرہ سید رضی نے کیا ہے تو مجھے اس کی کسی خصوصیت کا علم نہیں، شاید کوئی اور اسے جانتا ہو۔ (۲۴)

۱۸۔ نہج السعادۃ مستدرک نہج البلاغہ میں سبط ابن جوزی کی سند کے ساتھ احنف بن قیس سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں افطار کے وقت امیر المومنینؑ کی خدمت میں جا پہنچا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم حسنؑ و حسینؑ کے پاس افطار کر لو، لیکن خود آپ نے نماز کے بعد چمڑے کے مہر شدہ تھیلے سے جو کے ستو نکالے اور پھر اس پر مہر کر دی، میں نے عرض کیا یا امیر المومنینؑ آپ تو کبھی بخیل نہیں رہے ـــــ یہ مہر کیسی ہے؟ فرمایا یہ اس لئے ہے کہ کہیں حسنؑ و حسینؑ اس میں گھی یا کوئی اور روغن نہ ملا دیں، میں نے عرض کیا آیا گھی اور روغن حرام ہے؟ فرمایا نہیں لیکن ائمہ حق کو چاہئے کہ خوراک و لباس میں غریب ترین افراد کے مطابق رہیں تاکہ ان کو دیکھ کر فقیر و نادار لوگ خدا سے راضی رہیں اور مالداروں کی تواضع اور شکر میں اضافہ ہو۔ (۲۵)

میں کہتا ہوں ـــــ روغن سے مراد روغن زیتون یا پگھلی ہوئی چربی یا کوئی اور روغن ہے جو خوراک میں استعمال ہوتا ہو۔

۱۹۔ نہج البلاغہ میں ہے: امیر المومنینؑ کو خبر پہنچی کہ والی بصرہ عثمان بن حنیف کو وہاں کے لوگوں نے ضیافت دی اور وہ اس میں شریک ہوئے ہیں، پس اس موقع پر انہیں تحریر فرمایا: اے ابن حنیف مجھے خبر ملی ہے کہ بصرہ کے جوانوں میں سے ایک شخص نے تمہیں کھانے پر بلایا اور تم لپک کر پہنچ گئے، وہاں رنگا رنگ کے عمدہ عمدہ کھانے تمہارے لئے چن چن کر لائے جا رہے تھے اور بڑے بڑے قاب تمہاری طرف بڑھائے جا رہے تھے، مجھے امید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کر لو گے کہ جن کے یہاں سے فقیر و نادار دھتکارے گئے ہوں اور دولت مند بلائے گئے ہوں، جو لقمے چباتے ہو انہیں دیکھ لیا کرو جس کے متعلق شبہ ہو اسے چھوڑ دیا کرو اور جس کے پاک و پاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین ہو اس میں سے کھایا کرو۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر حاکم کا ایک پیشوا ہوتا ہے جس کی وہ پیروی کرتا ہے اور جس کے نور علم سے روشنی حاصل کرتا

ہے ـــــ دیکھو تمہارے امام کا تو یہ حال ہے کہ اس نے دنیا کے سامان میں دو پھٹی پرانی چادریں اور کھانے میں دو روٹیوں پر قناعت کر لی ہے. میں مانتا ہوں کہ یہ تمہارے بس کی بات نہیں لیکن اتنا تو کرو کہ پرہیزگاری، سعی و کوشش، پاکدامنی و سلامت روی میں میرا ساتھ دو. خدا کی قسم! میں نے تمہاری دنیا سے سونا سمیٹ کر نہیں رکھا اور نہ اس کے مال و متاع میں سے انبار لگا رکھے ہیں نہ ان پرانے کپڑوں کے علاوہ جو میں نے پہن رکھے ہیں کوئی کپڑا مہیا کیا اور نہ اس کی زمین سے بالشت بھر بھی لی ہے......

اگر میں چاہتا تو مصفیٰ شہد عمدہ گندم اور ریشم کے بنے ہوئے کپڑے کی طرح کے وسائل نشاط مہیا کر سکتا تھا لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ خواہشات مجھے مغلوب کر لیں اور حرص مجھے اچھے اچھے کھانے چن لینے پر آمادہ کرے جبکہ حجاز و یمامہ میں شاید ایسے لوگ ہوں جنہیں ایک روٹی کے ملنے کی بھی آس نہ ہو اور انہیں پیٹ بھر کے کھانا نصیب نہ ہوا ہو. کیا میں شکم سیر ہو کر پڑا رہا کروں درحالیکہ میرے گردو پیش بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر تڑپتے ہوں یا میں ویسا ہو جاؤں جیسا کہ ایک کہنے والے نے کہا ہے۔

تمہاری یہ بیماری کیا کم ہے کہ پیٹ بھر کے لمبی تان لو اور

تمہارے گرد کچھ ایسے جگر ہوں جو ایک ٹکڑے کو ترس رہے ہوں

کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے امیر المومنینؑ کہا جاتا ہے مگر میں زمانہ کی سختیوں میں مومنوں کا شریک و ہمدم اور زندگی کی بدمزگیوں میں ان کے لئے نمونہ نہ بنوں۔ (۲۶)

میں کہتا ہوں ـــــ حضرت کے اس مکتوب شریف پر غور کریں ـــــ امیر المومنینؑ ظاہری طور پر حکمران ہیں مسلمانوں کا مال ان کے قبضہ میں ہے لیکن کھانے اور پہننے میں ان کی روش کیا ہے؟ پھر دیکھیں کہ کوفہ و بصرہ میں کس قدر مسافت ہے اور مخابرات (ٹیلی فون، ٹیلی گراف و لاسلکی) کا نظام موجود نہیں لیکن اپنے معین کئے ہوئے امراء و حکام پر کس طرح نظر رکھتے ہیں اور اس قسم کے چھوٹے چھوٹے امور پر بھی انہیں سرزنش فرما رہے ہیں۔

مسلمانوں کے حکام اور سربراہوں کو چاہئے کہ خود اس سیرت کو اپنائیں اور اپنے عمال و افسران چاہے فوجی ہوں یا غیر فوجی ان پر کڑی نظر رکھیں جو مال ان کے پاس ہے یہ ان کا نہیں مسلمانوں کا مال ہے لہٰذا وہ اس کی حفاظت اور اس کے صرف کرنے میں احتیاط برتیں، خدایا! ہمیں اپنے فرائض پورے کرنے میں مدد دے اور ہمیں پلک جھپکنے کے وقت کے لئے بھی ہمارے نفس کے حوالے نہ فرما۔

۲۰۔ نہج البلاغہ میں ہے. امیر المومنینؑ کے بدن پر بوسیدہ اور پیوند دار لباس دیکھا گیا، اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: اس سے دل متواضع اور نفس رام ہوتا ہے نیز مومنین اس طریقے کی پیروی کرتے ہیں۔ (۲۷)

۲۱۔ الوسائل میں محمد بن قیس سے روایت ہے کہ ابو جعفرؑ نے فرمایا: امیر المومنینؑ غلام کی طرح کھاتے غلام کی طرح بیٹھتے دو قمیص خریدتے ان میں سے جو عمدہ ہو وہ اپنے غلام کو دیتے اور جو کمتر ہو وہ خود پہنتے آستین انگلیوں سے بڑھی ہوتی تو کاٹ دیتے اور پاجامہ کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہوتے تو انہیں بھی کاٹ ڈالتے پانچ سال تک حکمران رہے نہ اینٹ پر اینٹ رکھی نہ کوئی جاگیر بنائی نہ چاندی سونا جمع کیا لوگوں کو گندم کی روٹی اور گوشت کھلاتے خود جو کی روٹی سرکہ یا زیتون کے تیل سے کھاتے

دو کام سامنے آتے اور دونوں اللہ کے لئے ہوتے توان میں وہ اختیار کرتے جو آپ کے بدن کے لئے سخت و مشکل ہو اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہزار غلام آزاد کرائے کام کرتے کرتے ہاتھ خاک آلود ہو جاتے چہرہ پسینے سے تر ہوتا اور اتنا کام کرتے جتنا کوئی بھی نہیں کرتا تھا۔ (۲۸)

۲۲۔ مناقب ابن شہر آشوب میں احیاء العلوم غزالی سے منقول ہے: امیر المومنین بیت المال سے اصلاً خرچ نہ کرتے بعض اوقات ضرورت کے تحت اپنی تلوار فروخت کر دیتے کپڑے دھوتے وقت دوسری قمیص نہ ہوتی تھی کہ پہن لیں۔ (۲۹)

۲۳۔ مناقب ابن شہر آشوب ہی میں ہے: معاویہ نے ضرار بن ضمرہ سے کہا کہ علیؑ کی صفات بیان کرو، اس نے بیان کیا علیؑ دن کو روزہ رکھتے رات عبادت میں گزارتے لباس کھردرا اور کھانا بے مزہ ہوتا ہم میں تشریف فرما ہوتے ہم خاموش رہتے تو وعظ فرماتے ہم کچھ پوچھتے تو جواب دیتے تقسیم مال میں برابری ہوتی رعیت میں انصاف کرتے کمزور کو ان سے ظلم کا خطرہ نہ ہوتا اور قوی ان سے توجہ کی طمع نہ رکھتا___ ایک رات میں نے دیکھا کہ تاریکی نے اپنے پردے ڈال دیئے تھے ستارے ڈوب گئے تھے علیؑ محراب میں سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح تڑپ رہے تھے پر غم حالت میں گریہ کر رہے تھے رخساروں پر آنسو رواں ریش مبارک اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے کہہ رہے تھے اے دنیا تو مجھے شوق دلا رہی ہے اور مجھ سے متعرض ہو رہی ہے میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں جن میں رجوع نہیں ہو سکتا، تیری زندگی کوتاہ، اور تیری عزت کم ہے آہ زاد راہ تھوڑا اور سفر وحشت ناک ہے۔ (۳۰)

۲۴۔ امالئ صدوق میں اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے: ضرار ابن ضمرہ نہشلی معاویہ بن ابو سفیان کے پاس آیا تو اس نے کہا اے ضرار! علیؑ کی صفات بیان کرو، اس نے کہا مجھے اس سے معاف رکھیں لیکن معاویہ نے اصرار کے ساتھ کہا کہ ضرور بیان کرو، تب ضرار نے کہا خدا علیؑ پر رحم فرمائے قسم بخدا ہم میں ایسے ہوتے جیسے ہم میں سے ہی ہیں، ہم پوچھتے تو جواب دیتے زیارت کو جاتے تو بلا کر پاس بٹھا لیتے ہمارے لئے ان کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا نہ ہی انہوں نے کبھی کوئی رکاوٹ پیدا کی، قسم بخدا اس قدر قریب ہونے کے باوجود جب وہ اپنے پاس بھی بٹھاتے تھے ہم ان کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے بات نہیں کر سکتے تھے ان کی عظمت ہمیں بات میں ابتداء کرنے سے مانع ہوتی جب مسکراتے تو دندان مبارک جڑے ہوئے موتیوں کی طرح معلوم ہوتے ....

معاویہ نے کہا کچھ اور بھی بتاؤ___ ضرار نے کہنا شروع کیا کہ خدا علیؑ پر رحم کرے ان کی بیداری طویل اور نیند کم ہوتی تھی دن رات میں اکثر تلاوت قرآن کرتے اپنی جان راہ خدا میں قربان کرنے کو تیار رہتے ہمیشہ خدا کی طرف متوجہ ہوتے ان کے لئے کبھی پردے نہیں لٹکائے گئے نہ انہوں نے مال جمع کیا نہ ان میں اتنی نرمی تھی کہ ہر آدمی سر چڑھے نہ اتنی سختی کہ ظلم کی حد تک پہنچے، میں نے انہیں محراب میں دیکھا جب رات اپنی تاریکی کو پھیلا چکی تھی ستارے ڈوب گئے تھے لیکن وہ ریش مبارک ہاتھوں میں پکڑے سانپ کے ڈسے کی طرح تڑپ رہے تھے اور غم رسیدہ کی طرح رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے دنیا! کیا خود کو میرے سامنے لاتی ہے یا میری دلدادہ و فریفتہ بن کے آتی ہے بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے مجھے تیری خواہش نہیں میں تو تجھے

تین بار طلاق دے چکا ہوں کہ جس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں، پھر فرمار ہے تھے افسوس افسوس ـــــ سفر دور تر زادراہ کم اور منزل سخت ہے، ضرار کہتے ہیں یہ سن کر معاویہ رویا اور کہا بس اے ضرار ـــــ خدا کی قسم! علیؑ ایسے ہی تھے ہاں خدا ابوالحسنؑ پر رحم فرمائے۔ (۳۱)

۲۵۔ نہج البلاغہ میں ہے: ضرار بن حمزہ ضبابی معاویہ کے پاس گئے تو اس نے امیر المومنینؑ کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے کہا میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں میں نے آپ کو بعض مواقع پر دیکھا جبکہ رات اپنے دامن ظلمت کو پھیلا چکی تھی آپ محراب عبادت میں استادہ ریش مبارک کو ہاتھوں میں پکڑے ہوئے مار گزیدہ کی طرح تڑپ رہے تھے اور غم دیدہ کی مانند رو رہے تھے اور کہتے تھے اے دنیا اے دنیا آیا خود کو میرے سامنے لائی ہے یا میری دلدادہ اور فریفتہ بن کے آئی تیرے لئے وہ وقت کبھی نہ آئے بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے، جا اور کسی اور کو دھوکہ دے مجھے تیری خواہش نہیں میں تو تجھے تین بار طلاق دے چکا ہوں جس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں تیری زندگی تھوڑی تیری اہمیت بہت کم اور تیری آرزو ذلیل و پست ہے افسوس کہ زاد راہ تھوڑا راستہ طویل سفر دور دراز اور منزل دشوار ہے۔ (۳۲)

میں کہتا ہوں ـــــ ظاہری طور پر ان دونوں خبروں میں مفہوم کی وحدت اور معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی شخص کا بیان نقل ہوا ہے لیکن دوسری خبر میں اس کے نام میں تبدیلی ہو گئی ہے، تنقیح المقال میں اس شخص کا نام ضرار بن ضمرہ ضبابی ہے اسی طرح نہج البلاغہ کے قدیمی قلمی نسخے میں بھی یہی نام مذکور ہے، اگر آپ اس خبر کی تفصیل جاننا چاہیں تو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید کی طرف رجوع کریں۔ (۳۳)

۲۶۔ مناقب ابن شہر آشوب میں ابانہ کے واسطے سے ابن بطہ سے مروی ہے: امیر المومنینؑ نے کوفہ میں کھجوریں خریدیں اور اپنی چادر میں ڈال کر اٹھالیں، لوگوں نے کہا یا امیر المومنینؑ! انہیں ہم اٹھائے لیتے ہیں فرمایا صاحب عیال ہی انہیں اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔ (۳۴)

۲۷۔ مناقب ابن شہر آشوب میں قوت القلوب سے ابی طالب مکی کی روایت نقل ہوئی ہے: امام علیؑ کھجوریں اور سودا سلف خود ہی اٹھا کے لاتے اور فرماتے:

کسی کامل کے کمال میں کوئی کمی نہیں آتی اگر وہ اپنے عیال کے لئے چیزیں خود اٹھا کے لائے۔ (۳۵)

۲۸۔ تاریخ ابن عساکر میں اس کی سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ابو بکرہ سے روایت ہے: جب تک امیر المومنینؑ حکمراں رہے انہوں نے بصرہ کے بیت المال سے کھال کے بنے ہوئے جبہ یا دار ابجرد کے سیاہ کناروں والے جبہ کے علاوہ کچھ نہیں لیا۔ (۳۶)

المصنف میں ابن ابی شیبہ نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ (۳۷)

۲۹۔ تاریخ ابن عساکر میں عبدالعزیز ابن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی ہے: امیر المومنینؑ کے پاس مال لایا گیا تو وزن کرنے والوں اور سونا چاندی پرکھنے والوں کو اپنے سامنے بٹھایا، آپ نے سونے اور چاندی کے الگ الگ ڈھیر لگوائے اور پھر فرمایا اے سرخ سونے اور اے چاندی! تم لال اور سفید ہو کر کسی اور کو فریب دو۔ (۳۸)

۳۰۔ تاریخ ابن عساکر میں ہارون بن عنترہ اپنے باپ سے راوی ہے: میں شہر خورنق میں امام علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی اور سردی کے آثار ظاہر تھے، میں نے عرض کیا یا امیر المومنینؑ بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے اور آپ سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں، فرمایا ہاں قسم بخدا کہ تمہارے اموال میں سے کچھ نہ لوں گا یہ چادر میرے گھر کے سوت سے بنی ہے یا فرمایا کہ یہ مدینہ سے آئی ہے۔ (۳۹)

۳۱۔ تاریخ ابن عساکر میں سفیان سے روایت ہے: امام علیؑ نے اپنے زمانہ میں نہ اینٹ پر اینٹ رکھی اور نہ ہی کوئی جاگیر بنائی، حسب ضرورت گندم مدینہ سے چمڑے کے تھیلے میں لائی جاتی تھی۔ (۴۰)

۳۲۔ تاریخ ابن عساکر میں اس کی سند کے ساتھ مجمع تیمی سے مروی ہے: امیر المومنینؑ اپنی تلوار لئے ہوئے بازار میں آئے اور فرمایا کوئی میری اس تلوار کا خریدار ہے؟ اگر میرے پاس چادر خریدنے کو چار درہم ہوتے تو میں یہ تلوار فروخت نہ کرتا، اس طرح کی ایک اور روایت بھی ہے رجوع کریں۔ (۴۱)

۳۳۔ تاریخ ابن عساکر میں ابن عباس سے روایت ہے: امیر المومنینؑ نے تین درہم میں قمیص خریدی اور اس کی آستینیں کلائیوں سے کاٹ ڈالیں اور کہا تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے اسے ہمارا لباس بنایا۔ (۴۲)

۳۴۔ تاریخ ابن عساکر میں آل عصیفر کے ایک موالی سے روایت ہے: امیر المومنینؑ نے بزاز سے پوچھا تمہارے پاس سنبلانی قمیص ہے؟ اس نے قمیص دی اور آپ نے پہن کر دیکھی کہ پنڈلیوں تک آتی ہے پھر دائیں بائیں دیکھا اور کہا قمیص اچھی ہے اس کی قیمت کیا ہے بزاز نے کہا چار درہم یا امیر المومنینؑ، آپ نے قمیص اتار کر اسے دے دی اور واپس ہوگئے۔ (۴۳)

۳۵۔ تاریخ ابن عساکر میں سعید الرجانی سے روایت ہے: حضرت علیؑ بن ابی طالب نے سات درہم میں سنبلانی چمڑے کی دو قمیضیں خریدیں ایک قنبر کو دی اور دوسری خود پہننے کا ارادہ کیا تو وہ پیوند والی تھی۔ (۴۴)

۳۶۔ تاریخ ابن عساکر میں زید بن وہب جہنی سے روایت ہے: امیر المومنینؑ ایک دن اس حالت میں گھر سے نکلے کہ ایک چادر کمر میں باندھی اور دوسری اوڑھی ہوئی تھی آپ کی پیوند لگی چادر دیکھ کر ایک شخص نے کہا اے انسان! اس طرح کے پیوند لگے کپڑے پہنتے ہو؟ حالانکہ اس دنیا سے طبعی موت یا قتل کے ذریعے چلے جانا ہے (پھر یہ تنگی و بخل کس لئے ہے) فرمایا اے اعرابی! میرے یہ دو کپڑے تکبر سے دور رکھنے والے، میری نماز کے لئے بہتر اور مومن کے لئے نمونہ ہیں۔ (۴۵)

۳۷۔ تاریخ ابن عساکر میں صالح بزاز نے اپنی جدہ سے روایت کی ہے: حضرت علیؑ بن ابی طالب نے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں اور اوڑھنے کی چادر میں باندھ کر اٹھالیں، لوگوں نے کہا یا امیر المومنینؑ ہم اٹھائے لیتے ہیں فرمایا صاحب عیال انہیں اٹھانے کا زیادہ حق رکھتا ہے، یہ روایت کنزالعمال میں بھی آئی ہے۔ (۴۶)

۳۸۔ کنزالعمال میں تاریخ ابن عساکر سے علی بن ارقم اور اس کے باپ سے منقول ہے: علیؑ ابن ابی طالب بازار کوفہ میں تلوار لئے ہوئے کہہ رہے تھے ہے کوئی اس کا خریدار کہ میں نے اس تلوار سے بارہا حضرت رسولؐ سے دشمنوں کو ہٹایا ہے

اگر میرے پاس چادر خریدنے کے لئے رقم ہوتی تو میں اسے فروخت نہ کرتا۔ (۴۷)

۳۹۔ کنزالعمال میں امیرالمومنینؑ سے منقول ہے: رسول اعظمؐ کی دختر گرامی سے میرا نکاح ہوا تو مینڈھے کی کھال کے سوا ہمارے پاس کوئی بستر نہ تھا رات ہوتی تو اسی پر سو جاتے دن کو اسے پلٹ کر اس پر اونٹنی کو چارہ ڈال دیتے۔ (۴۸)

میں کہتا ہوں ــــ خلافت و امامت کے زمانے میں یہ صورت حال نہ تھی۔

۴۰۔ کنزالعمال میں عمرو بن قیس سے مروی ہے: حضرت علیؑ کے دوش پر پیوند لگی چادر دیکھی گئی تو لوگوں نے کہا یا حضرت یہ کیوں اوڑھی ہے؟ فرمایا اس سے دل خضوع و خشوع کرتا اور مومن اس طریقے کی پیروی کرتا ہے۔ (۴۹)

۴۱۔ کنزالعمال میں مسند علیؑ سے عبداللہ بن شریک اور اس کے والد سے منقول ہے: حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا، فرمایا اے فالودے ــــ تیرا رنگ عمدہ اور خوشبو و ذائقہ بہت اچھا ہے لیکن مجھے پسند نہیں کہ اپنے نفس کو ایک غیر ضروری چیز کا عادی بناؤں۔ (۵۰)

۴۲۔ کنزالعمال میں ابن مبارک نے زید بن وہب سے روایت کی ہے: امیرالمومنینؑ تشریف لائے جبکہ پیوند لگی چادر زیب تن تھی، عرض کیا گیا مولا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا اس طرح کا لباس اس لئے پہنتا ہوں کہ یہ تکبر سے دور میری نماز میں مفید اور مومن کی روش و علامت ہے۔ (۵۱)

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔

اس باب کی پہلی فصل میں بھی اس طرح کی بہت سی روایات درج کی گئی ہیں پس مراجعہ کریں۔

اختتامیہ

سب تعریفیں عالمین کے پروردگار اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام اور ان کے دشمنوں پر لعنت ہو۔

ولایت فقیہ کی دوسری جلد اختتام کو پہنچی۔

انشاء اللہ اس کے بعد تیسری جلد آئے گی جس کی ابتداء آٹھویں باب سے ہے اور اس میں حکومت اسلامی کے مالی ذرائع پر گفتگو ہوگی۔

یہاں حجت الاسلام شیخ محمود واحد اور حجت الاسلام شیخ قربان علی دامت افاضاتہما کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے اس کتاب کے مصادر کی تطبیق اور عبارات کی تصحیح میں قابل قدر حصہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر انہیں بہترین اجر عطا فرمائے اور وہی اجر دینے والا ہے۔ حسین منتظری

NAJAFI BOO[K] LIB[RA]RY
Shop No. 1, M... Heights Mirza Kaleej Baig Road, Soldier Bazar Karachi.
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

باب ۷ فصل ۳

حواشی

(۱) نہج البلاغہ. فیض/ ۵۰۵. عبدہ ۲/ ۷۲. لح/ ۲۲۶. خطبہ ۱۶۰ (۲) کنزالعمال ۷/ ۱۸۶. کتاب الشمائل من قسم الافعال. باب شمائل الاخلاق. حدیث ۱۸۶۰۴ (۳) سورۂ مومنون۔ آیت ۵۵۔ ۵۶ (۴) نہج البلاغہ. فیض/ ۶۸۹. عبدہ ۲/ ۱۶۷. لح/ ۲۹۰. خطبہ ۱۹۲ (۵) بحار الانوار ۱۶/ ۲۱۶. تاریخ نبینا. الباب ۹ باب مکارم اخلاقہ .... حدیث ۴ (۶) بحار الانوار ۱۶/ ۲۱۷. تاریخ نبینا. باب مکارم اخلاقہ .... حدیث ۵ (۷) بحار الانوار ۱۶/ ۲۱۹. تاریخ نبینا. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۸ (۸) سورۂ توبہ۔ آیت ۵۵۔ سورۂ طٰہٰ۔ آیت ۱۳۱ (۹) بحار الانوار ۱۶/ ۲۸۰. تاریخ نبینا. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۱۲۰ (۱۰) بحار الانوار ۱۶/ ۲۸۱. تاریخ نبینا. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۱۲۵ (۱۱) بحار الانوار ۱۶/ ۲۲۰. تاریخ نبینا. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۱۲ (۱۲) بحار الانوار ۱۶/ ۲۲۵۔ ۲۶۲. تاریخ نبینا. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۲۹۔ ۵۲ (۱۳) بحار الانوار ۱۶/ ۲۲۵۔ ۲۶۲. تاریخ نبینا. باب مکارم اخلاقہ. حدیث ۳۰۔ ۵۵ (۱۴) اصول الکافی ۱/ ۴۱۰. کتاب الحجۃ. باب سیرۃ الامام .... حدیث ۱ (۱۵) اصول الکافی ۱/ ۴۱۰. کتاب الحجۃ. باب سیرۃ الامام .... حدیث ۲ (۱۶) بحار الانوار ۵۲/ ۳۵۹. تاریخ الامام الثانی عشر. الباب ۲۷ باب سیرہ و اخلاقہ .... حدیث ۱۲۷ (۱۷) بحار الانوار ۵۲/ ۳۶۰. تاریخ الامام الثانی عشر. باب سیرہ و اخلاقہ .... حدیث ۱۲۸ (۱۸) الکافی ۱/ ۴۱۱. کتاب الحجۃ باب سیرۃ الامام .... حدیث ۴ (۱۹) سورۂ رحمٰن۔ آیت ۱۰۔ ۱۱ (۲۰) سورۂ رحمٰن۔ آیت ۱۹۔ ۲۲ (۲۱) سورۂ ضحیٰ۔ آیت ۱۱ (۲۲) اصول الکافی ۱/ ۴۱۰. کتاب الحجۃ باب سیرۃ الامام .... حدیث ۳ (۲۳) نہج البلاغہ. فیض/ ۶۶۲. عبدہ ۲/ ۲۱۳. لح/ ۳۲۴. خطبہ ۲۰۹ (۲۴) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۱/ ۳۵۔ ۳۷ (۲۵) نہج السعادۃ ۲/ ۴۸. خطبہ ۱۶۸ (۲۶) نہج البلاغہ. فیض ۹۶۵. عبدہ ۳/ ۷۸. لح/ ۴۱۶. مکتوب ۴۵ (۲۷) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۱۳۲. عبدہ ۳/ ۱۷۳. لح/ ۴۸۶. حکمت ۱۰۳ (۲۸) الوسائل ۱/ ۶۶. الباب ۲۰ من ابواب مقدمۃ العبادات. حدیث ۱۲۔ بحار الانوار ۴۱/ ۱۰۲. تاریخ امیر المومنینؑ. الباب ۱۰۷ باب جوامع مکارم اخلاقہ. حدیث ۱ (۲۹) مناقب ابن شہر آشوب ۱/ ۳۶۶ (۳۰) مناقب ابن شہر آشوب ۱/ ۳۷۱ (۳۱) الامالی/ ۳۷۱ طبعہ اخریٰ/ ۴۹۹. المجلس ۹۱. حدیث ۲ (۳۲) نہج البلاغہ. فیض/ ۱۱۱۸. عبدہ ۳/ ۱۶۶. لح/ ۴۸۰. حکمت ۷۷ (۳۳) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱۸/ ۲۲۵. تنقیح المقال ۲/ ۱۰۵. نہج البلاغہ المخطوط فی سنۃ ۴۹۴ھ. ق. ص ۲۶۳ (۳۴۔ ۳۵) مناقب ابن شہر آشوب ۱/ ۳۷۲ (۳۶) تاریخ ابن عساکر. قسم ترجمۃ علیؑ بن ابی طالب ۳/ ۱۸۱ (۳۷) المصنف ابن ابی شیبہ ۱۴/ ۵۹۵. کتاب المغازی. حدیث ۱۸۹۴۲ (۳۸) تاریخ ابن عساکر. قسم ترجمۃ علیؑ بن ابی طالب ۳/ ۱۸۲ (۳۹۔ ۴۰) تاریخ ابن عساکر. قسم ترجمۃ علیؑ بن ابی طالب ۳/ ۱۸۸ (۴۱) تاریخ ابن عساکر. قسم ترجمۃ علیؑ بن ابی طالب ۳/ ۱۸۹ (۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴) تاریخ ابن عساکر. قسم ترجمۃ علیؑ بن ابی طالب ۳/ ۱۹۱ (۴۵) تاریخ ابن

Managed by ... We ...
Shop No 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

عساکر. قسم ترجمة علیؑ بن ابی طالب ۳/ ۱۹۲ (۴۶) تاریخ ابن عساکر. قسم ترجمة علیؑ بن ابی طالب ۳/ ۲۰۰۔ کنز العمال ۱۳/ ۱۸۰. کتاب الفضائل باب فضائل الصحابہ. حدیث ۳۶۵۳۷ (۴۷) کنز العمال ۱۳/ ۱۸۷. کتاب الفضائل من قسم الافعال. باب فضائل الصحابہ. حدیث ۳۶۵۳۱ (۴۸) کنز العمال ۱۳/ ۱۸۹. کتاب الفضائل من قسم الافعال. باب فضائل الصحابہ. حدیث ۳۶۵۳۶ (۴۹) کنز العمال ۱۳/ ۱۸۱. کتاب الفضائل من قسم الافعال باب فضائل الصحابہ. حدیث ۳۶۵۴۲ (۵۰) کنز العمال ۱۳/ ۱۸۴. کتاب الفضائل من قسم الافعال باب فضائل الصحابہ. حدیث ۳۶۵۴۹ (۵۱) کنز العمال ۱۳/ ۱۸۵. کتاب الفضائل من قسم الافعال. باب فضائل الصحابہ. حدیث ۳۶۵۵۲۔

مصباح القرآن ٹرسٹ

لاهور